عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فِی کشفِ اسرارِ القرآن

جلد دوم

الانعام تا بنی اسرائیل

محقق العصر
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

عبد اللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

Marfat.com

عام فہم اُردو تفسیر

انوار البیان

فِی کشفِ اسرارِ القُرآن

جلد دوم

الْاَنْعَامِ تا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

محقق العصر
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

عبداللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

Marfat.com

۱۲۷۲۷۳
جلد دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جملہ حقوق کمپوزنگ محفوظ ہیں

نام کتاب	...... ۞	تفسیر انوار البیان (جلد دوم) (سورۃ الانعام تا سورۃ بنی اسرائیل)
مصنف	...... ۞	مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ
پروف ریڈنگ	...... ۞	عرفان الحسن خالد، مفتی عبدالرؤف، مولانا سیف اللہ خالد
ناشر	...... ۞	عبداللہ جہانگیر
اہتمام	...... ۞	سلمان منیر
سن اشاعت	...... ۞	2011ء
پرنٹرز	...... ۞	آر۔آر۔ پرنٹرز، لاہور
قیمت	...... ۞	روپے

استدعاء

پروردگارِ عالم کے فضل وکرم اور مہربانی سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ شکریہ۔ (ناشر)

Marfat.com

فہرست مضامین

انوار البیان (جلد دوم)

سورۃ الانعام

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی ۲۱
اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے ۲۳
مکذبین کے لئے وعید ۲۳
قرون ماضیہ ہالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم ۲۴
مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا ۲۴
استہزا کرنے والوں کے لئے وعید ۲۵
آسمانوں اور زمین میں سب اللہ ہی کا ہے وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائیگا ۲۶
رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ ہی کا ہے ۲۷
آپ یہ اعلان کردیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا ۲۷
ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے ۲۸
اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے ۲۹
یہود ونصاریٰ کی ہٹ دھرمی ۲۹
قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور ان کا مشرک ہونے کا انکار کرنا ۳۰
مشرکین کا قرآن سے منتفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں ۳۱
کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا ۳۲
اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے ۳۲
مشرکین مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں ۳۴
رسول اللہ ﷺ کو تسلی ۳۵
چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو محشور فرمائے گا ۳۶
تکذیب کرنے والے بہرے اور گونگے ہیں ۳۷
مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو ۳۷
سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہو ۳۸
شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت ۳۸
فرح محمود اور مذموم ۳۹
اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرمالے تو کون دینے والا ہے ۴۰
نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے ۴۰
علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعت کا عقیدۃ ۴۱
صبح وشام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجیے ۴۳
فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم ۴۳
متکبرین کی سزا اور مال ودولت پر گھمنڈ کرنے والوں پر تنبیہ ۴۴
غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لیے ہے ۴۵
مالداری اور غریبی مقبولیت عند اللہ کا سبب نہیں ہے ۴۶
مساکین صالحین کی فضیلت ۴۷
گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت ۴۸
اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، بر وبحر میں جو کچھ ہے وہ سب اس کے علم میں ہے ۴۹
اللہ غالب ہے وہ نگرانی کرنے والے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے ۵۱
اللہ اس پر قادر ہے کہ اوپر سے یا نیچے سے عذاب بھیج دے یا آپس میں جنگ کرادے ۵۲

Marfat.com

ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق بنایا جا ۵۴
لہوولعب والوں کو چھوڑ دیجیے جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ۵۵
صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے ۵۷
چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ ۵۹
قوم کی حجت بازی کا جواب ۶۰
حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ اور ان کی اقتدا کرنے کا حکم ۶۲
یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ ۶۷
قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے ۶۹
اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ ۷۰
کافروں کی ذلت موت کے وقت ۷۱
قیامت کے دن ہر ایک علیحدہ علیحدہ آئے گا ۷۲
سب مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے ۷۲
مظاہر قدرت الٰہیہ اور دلائل توحید ۷۴
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، وہ معبود برحق ہے، اولاد ہونا اس کے لیے عیب ہے ۷۶
اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں ۷۸
مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو ۷۹
کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے ۷۹
معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں ۸۱
اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں ۸۲
زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنے والے ہیں ۸۳
حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو ۸۴
ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم ۸۵
مومن زندہ ہے اس کے لیے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے ۸۶
ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں ۸۷
ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہیے ۸۷
صاحب ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ۸۸
اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے ۸۹
اہل ایمان کے لیے دارالسلام کا وعدہ ۸۹
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے ۸۹
قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال ۸۹
انسانوں کا جواب اور اقرار جرم ۹۰
نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر ۹۰
جن و انس سے سوال! کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرار جرم ۹۱
اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے ۹۲
قیامت ضرور آنے والی ہے ۹۳
اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا ۹۳
ظالم کامیاب نہیں ہوتے ۹۳
کیا جنات میں سے رسول آئے ہیں؟ ۹۳
مشرکین نے کھیتوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا ۹۵
مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اور کھیتیوں اور جانوروں کے بارے میں اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا ۹۶
اہل بدعت مشرکین کی راہ پر ۹۸
باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں ۹۸
جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے طور پر تحریم اور تحلیل کر دی ۱۰۰
کیا کیا چیزیں حرام ہیں ۱۰۱
یہودیوں پر ان کی بغاوت کی وجہ سے بعض چیزیں حرام کر دی گئی ۱۰۲
مشرکین کی کٹ حجتی ۱۰۳
اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے ۱۰۴
دس ضروری احکام ۱۰۵
بے حیائی کے کاموں سے بچو ۱۰۵
ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت ۱۰۶
یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ۱۰۶

Marfat.com

ناپ تول میں انصاف کرو ۱۰۶
ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال ۱۰۷
انصاف کی بات کرو ۱۰۷
اللہ کے عہد کو پورا کرو ۱۰۷
صراط مستقیم کا اتباع کرو ۱۰۸
صراط مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں ۱۰۸
توریت شریف کامل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی ۱۰۹
قرآن مبارک کتاب ہے ۱۰۹
اہل عرب کی کٹ حجتی کا جواب ۱۰۹
جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا تو کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہونگے ۱۱۰
دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بری ہیں ۱۱۲
گمراہ فرقوں کا تذکرہ ۱۱۳
ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے ۱۱۴
میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کے لیے ہے ۱۱۵
میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کرسکتا ۱۱۶
اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ۱۱۷

سورۃ الاعراف

یہ کتاب مومنین کے لیے نصیحت ہے ۱۱۹
قیامت کے دن رسولوں سے اور ان کی امتوں سے سوال اور اعمال کا وزن ۱۲۰
اعمال کا وزن، بھاری اوزان والوں کی کامیابی ۱۲۱
کفار کی نیکیاں بے وزن ہونگی ۱۲۲
بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی ملعونیت کا تذکرہ ۱۲۴
ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنا اور اللہ رب العزت پر اعتراض ۱۲۴
ابلیس کا نکالا جانا ۱۲۵
ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا ۱۲۵
ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا ۱۲۵
ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لیے دوزخ کے داخلہ کا اعلان ۱۲۶
حضرت آدم اور ان کی بیوی کا جنت میں رہنا اور شیطان کے ورغلانے سے شجرۂ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دنیا میں اتارا جانا ۱۲۷
حضرت آدم وحواء کا گناہ پر نادم ہونا اور توبہ کرنا ۱۲۷
لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے اور زینت ۱۲۸
حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے ۱۲۹
ان عورتوں کے لیے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں ۱۲۹
عریاں لباس کی مذمت ۱۳۰
بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے ۱۳۰
شیاطین کی حرکتیں ۱۳۰
شیطان کس پر قابو پاتا ہے ۱۳۱
جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے ۱۳۲
بے حیائی کی مذمت، اور طواف ونماز کے وقت سترعورت کا خصوصی حکم ۱۳۳
لباس زینت کا حکم ۱۳۴
فضول خرچی کی ممانعت ۱۳۴
اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہل ایمان کے لیے ہیں ۱۳۴
اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری وباطنی گناہوں کو حرام قرار دیا ہے ۱۳۵
ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے ۱۳۶
بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا ۱۳۶
کافروں، متکبروں کے لیے عذاب ۱۳۶
موت کے وقت کافروں کی بدحالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا ۱۳۷
مکذبین ومتکبرین جنت میں نہ جاسکیں گے ان کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا ۱۳۹
اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر

Marfat.com

ادا کرنا ۱۴۰
اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا ۱۴۱
اصحاب اعراف کا اہل جنت کو سلام پیش کرنا اور اہل دوزخ کی سرزنش کرنا ۱۴۳
دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا ۱۴۵
آسمان وزمین کی پیدائش، شمس وقمر اور ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ ۱۴۶
دعا کرنے کے آداب ۱۴۸
بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں ۱۵۰
حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا ۱۵۲
حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا ۱۵۴
حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا ۱۵۶
حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اپنے افعال سے باز نہ آنا اور انجام کے طور پر ہلاک ہونا ۱۶۰
حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی امت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا ۱۶۳
حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا ۱۶۵
فوائد ۱۶۶
اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟ ۱۶۶
ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال ۱۶۶
عبادت میں کمی اور کوتاہی ۱۶۷
قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب ۱۶۷
جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا ۱۶۸
اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے تو ان کے لیے آسمان و زمین کی برکات کھول دی جاتیں ۱۶۹
اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں ۱۶۹
زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل ۱۷۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا اور اس کو معجزے دکھانا ۱۷۱
موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کے لیے جادوگروں کو بلانا، اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا ۱۷۳
قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ اور ان کی قوم کو کب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا ۱۷۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دعاء کی تلقین ۱۷۶
قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ گرفت ہونا اور ان کا الٹی چال چلنا ۱۷۷
قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا ۱۷۹
طوفان سے کیا مراد ہے؟ ۱۷۹
ٹڈی اللہ کا لشکر ہے ۱۷۹
قُمّل کی تفسیر ۱۷۹
مینڈکوں کا عذاب ۱۸۰
خون کا عذاب ۱۸۰
بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا ۱۸۱
یعرشون کی تفسیر ۱۸۱
سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بت پرست بننے کی خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا ۱۸۲
فرعون سے نجات دینا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے ۱۸۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا ۱۸۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لیے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا ۱۸۴
بنی اسرائیل کا زیوروں سے بچھڑا بنا کر اس کی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا ۱۸۷
ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا ۱۸۸

Marfat.com

لیس الخبر کالمعاینۃ	۱۸۸	دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد	۲۰۴
القاء الواح پر سوال و جواب	۱۸۸	نَصَرُوْہُ کا مطلب	۲۰۴
بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا	۱۸۸	آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے	۲۰۴
بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت	۱۸۹	حدیث نبوی ﷺ حجت شرعیہ ہے	۲۰۴
اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے	۱۸۹	اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے	۲۰۵
توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی	۱۹۰	رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا	۲۰۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقع ہو جانا	۱۹۰	بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من و سلویٰ نازل فرمایا	۲۰۷
اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے	۱۹۲	ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی	۲۰۸
نبی امی ﷺ کا ذکر یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں	۱۹۳	سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا	۲۰۹
توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات	۱۹۳	بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا	۲۱۰
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حق شناسی	۱۹۴	بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حُبِ دنیا کا حال	۲۱۱
قیصر روم کا اقرار	۱۹۴	مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا	۲۱۲
توریت شریف کی پیشین گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف	۱۹۴	بنی اسرائیل کے اُوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے	۲۱۲
ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا	۱۹۵	عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا تذکرہ	۲۱۳
کعب احبار کا بیان	۱۹۵	ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباع ھویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ بیٹھا	۲۱۵
بعض یہود کا اقرار کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے	۱۹۶	انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں	۲۱۷
ایک یہودی کا آپ ﷺ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا	۱۹۶	اللہ تعالیٰ کے لیے اسماءِ حسنیٰ ہیں ان کے ذریعہ اس کو پکارو	۲۱۸
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ	۱۹۷	مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں	۲۲۰
موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی	۲۰۰	قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آجائے گی	۲۲۲
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ ﷺ کے اوصاف میں سے	۲۰۱	آپ فرما دیجیے کہ میں اپنے لیے کسی نفع و ضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں	۲۲۳
رسول اللہ ﷺ محلل طیبات اور محرم خبائث ہیں	۲۰۱	رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرنے والوں کی	۲۲۳
منکرین حدیث کی تردید	۲۰۱	بیوی قلبی سکون کے لیے ہے	۲۲۵
رسول اللہ ﷺ کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجھ ہوں	۲۰۲	میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟	۲۲۶
تین صحابیوں کا ایک واقعہ	۲۰۲		
نبی اکرم ﷺ کی توقیر اور اتباع کرنے والے کامیاب ہیں	۲۰۳		
رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے	۲۰۳		

Marfat.com

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا سے کون مراد ہے؟ ۲۲۷
اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید ۲۲۷
معبودان باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں ۲۲۹
اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے آنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم ۲۲۹
معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت ۲۳۰
حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا ۲۳۰
فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ سے برتاؤ ۲۳۱
امر بالمعروف ۲۳۱
جاہلوں سے اعراض کرنا ۲۳۲
شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم ۲۳۲
ایمانیات میں وسوسہ آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا ۲۳۲
غصہ کا علاج ۲۳۲
شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ ۲۳۳
فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں کا جواب ۲۳۴
قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور رحمت اور ہدایت ہے ۲۳۴
قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب ۲۳۴
امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ۲۳۵
امام کے پیچھے قرأت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات ۲۳۵
امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ۲۳۵
ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب ۲۳۸
ذکر خفی کی فضیلت ۲۳۹
صبح شام اللہ کا ذکر کرنا ۲۳۹
غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ ۲۳۹
فرشتوں کی تسبیح اور عبادت ۲۳۹
سجدۂ تلاوت کا بیان ۲۴۰
سجدۂ تلاوت کی دُعاء ۲۴۰

سورۃ الانفال

انفال یعنی مال غنیمت کا بیان ۲۴۱
گزشتہ اُمتوں میں اموال غنیمت کا حکم ۲۴۱
ایک نبی کے جہاد کا واقعہ ۲۴۱
اموال غنیمت کا حلال ہونا اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے ۲۴۱
اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ۲۴۲
اللہ سے ڈرنے اور آپس میں تعلقات درست رکھنے کا حکم ۲۴۲
انفال کے دوسرے معنی ۲۴۲
اہل ایمان کے اوصاف کا بیان ۲۴۳
جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں ۲۴۳
اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے ۲۴۳
وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں ۲۴۳
مذکورہ صفات والے سچے مومن ہیں ۲۴۴
درجات جنت کی وسعت ۲۴۴
غزوۂ بدر کا تذکرہ ۲۴۵
غزوۂ بدر کے موقعہ پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دُعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا ۲۴۸
فرشتوں کا نازل ہونا اور مومنین کے قلوب کو اطمینان ہونا ۲۴۹
بدر میں مسلمانوں پر اُونگھ کا طاری ہونا ۲۵۰
فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمانا ۲۵۰
مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی سزا ملی ۲۵۲
جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر قتال کرو ۲۵۲
دو صورتیں مستثنیٰ ہیں ۲۵۲
صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ ۲۵۳
فائدہ ۲۵۳
بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا ۲۵۳
اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے ۲۵۴

Marfat.com

مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ۲۵۵
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم ۲۵۶
ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر گنہگاروں پر واقع نہ ہوگا ۲۵۷
نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں ۲۵۸
مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاد دہانی ۲۵۹
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو ۲۵۹
اموال اور اولاد فتنہ ہیں ۲۶۱
تقویٰ پر انعام ۲۶۱
آپ ﷺ کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے ۲۶۲
ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید ۲۶۲
حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد، اور آپ کا صحیح سالم سفر ہجرت کے لیے روانہ ہو جانا ۲۶۳
مشرکین کی ناکامی ۲۶۳
مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ ۲۶۴
نضر بن حارث کا عذاب کے لیے دعا کرنا ۲۶۴
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے ۲۶۵
مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیت اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے ۲۶۵
اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہونگے ۲۶۷
کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جمے رہنے کی وعید ۲۶۷
کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے ۲۶۸
اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان ۲۶۹
یوم الفرقان ۲۷۰
بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد ۲۷۱
دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو ۲۷۳
آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہو جاتی ہے ۲۷۳
اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکڑتے ریاکاری کے لیے نکلے ۲۷۴
مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لیے پھسلانا پھر بدر کے میدان کارزار سے بھاگ جانا ۲۷۵
منافقین کی بداعتقادی اور بدزبانی ۲۷۶
معلومات ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر ۲۷۷
موت کے وقت کافروں کی پٹائی ۲۷۹
سابقہ اُمتوں نے آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ہلاک ۲۷۹
اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں ۲۸۰
کافر لوگ معاہدہ کے بعد غدر کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو ۲۸۱
اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں ۲۸۱
دشمنوں سے مقابلہ کے لیے سامانِ حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو ۲۸۲
اَلَا اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ۲۸۳
دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جا سکتی ہے ۲۸۴
دشمن کی دوگنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں ۲۸۶
بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب ۲۸۷
قیدیوں کے احکام ۲۸۸
بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ۲۹۰
مجاہدین، مہاجرین، اور انصار سے متعلق بعض احکام ۲۹۲

سورۃ التوبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ لکھنے کی وجہ ۲۹۴
سورۃ توبہ کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ پڑھی ۲۹۵
اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں ۲۹۷
پہلا فریق ۲۹۷
دوسرا فریق ۲۹۷
تیسرا فریق ۲۹۷
۹ھ میں حضرت ابوبکر کے زیر امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے برأت کا اعلان

Marfat.com

مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں ۳۰۰
کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ۳۰۲
مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں ۳۰۵
مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے ۳۰۵
مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں؟ ۳۰۶
مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب ۳۰۶
حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر ۳۰۷
مومن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت ۳۰۷
اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ، بھائی، بیوی، کنبہ، قبیلہ، مکان، دوکان، آل اولاد کی کوئی حقیقت نہیں ۳۰۸
غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کثرت پر گھمنڈ ہونا اور اس کی وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا ۳۱۰
غزوۂ حنین کا مفصل واقعہ ۳۱۱
مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست ۳۱۲
طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی ۳۱۲
جعرانہ میں تقسیم غنائم ۳۱۲
حنین میں فرشتوں کا نزول ۳۱۳
مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں ۳۱۴
اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ۳۱۵
یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا ۳۱۸
تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ۳۱۹
تحلیل و تحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے ۳۱۹
پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا ۳۲۰
یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں ۳۲۲
مہینوں کی حلت و حرمت میں ہیرا پھیری اور تقدیم و تاخیر کرنا کفر میں ترقی کرنا ہے ۳۲۵
خروج فی سبیل اللہ کے لیے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے کر ۳۲۸
اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے ۳۲۹
غزوۂ تبوک میں مومنین مخلصین کی شرکت اور منافقین کی بے ایمانی اور بدحالی کا مظاہرہ ۳۳۲
منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک میں شرکت سے ۳۳۴
منافقین کی بدباطنی کا مزید تذکرہ ۳۳۵
منافقین کا مال مقبول نہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ۳۳۷
منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم پر راضی نہ ہونا ۳۳۹
زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ۳۴۰
سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ ۳۴۲
نصاب زکوٰۃ ۳۴۳
زکوٰۃ کے ضروری مسائل ۳۴۳
منافقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں اور مومنین کو راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں ۳۴۶
منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ ۳۴۸
منافق مرد و عورت نیکیوں سے روکتے ہیں، بخیل ہیں، اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں ۳۴۹
منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لیے عذاب دوزخ ہے ۳۵۰
اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں ۳۵۰
مومنین کی خاص صفات، اور ان کے لیے رحمت اور جنت کا ۳۵۱
کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم ۳۵۲
منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں ۳۵۳
منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا ۳۵۴
بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہمیں مال دیا جائے گا تو صدقہ کریں گے پھر انہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی ۳۵۵
منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا ۳۵۶
منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے ۳۵۸
منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے

Marfat.com

نہ ہو جائے ۳۵۹
وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں ۳۶۰
رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت ۳۶۰
جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رو رہے تھے ۳۶۱
تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب ۳۶۳
دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی ۳۶۴
سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے ۳۶۵
روافض کی گمراہی ۳۶۶
حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ۳۶۶
مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ ۳۶۷
مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے ۳۶۸
منافقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء ۳۷۱
اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے ۳۷۶
مومنین کی صفات ۳۷۷
حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے ۳۷۸
مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت ۳۷۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا ۳۷۹
کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا ۳۸۰
اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جب کہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا ۳۸۱
تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ ۳۸۲
اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم ۳۸۶
صادقین کی مصاحبت ۳۸۹
فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ ۳۹۰
جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت ۳۹۱
جہاد کی قسمیں ۳۹۱
تفقیہ اور تفقہ کی ضرورت ۳۹۲
ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں ۳۹۶
منافقوں کی کافرانہ باتیں ۳۹۷
رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان ۳۹۷

سورۂ یونس

توحید و رسالت اور معاد کا اثبات ۴۰۰
اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا' منزلیں مقرر فرمائیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو ۴۰۳
اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا ۴۰۵
انسان جلد باز ہے' مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے ۴۰۶
منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے ۴۰۹
مشرکین کی گمراہی' اور ان کے قول و عمل کی تردید ۴۱۰
دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال ۴۱۴
اہل جنت کی نعمتوں' اور اہل دوزخ کی بدصورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ ۴۱۵
باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ۴۱۷
مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟ ۴۱۸
مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت ۴۱۹
قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل' اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج ۴۲۰
تکذیب کرنے والوں کی بے حسی' قیامت کا منظر' دنیا میں عذاب آنے کی وعید ۴۲۱
ظالم لوگ جان چھڑانے کیلئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے

Marfat.com

اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا ۴۲۴
قرآن موعظت ہے، سینوں کیلئے شفا ہے اور ہدایت ورحمت ۴۲۵
اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ۴۲۶
اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے کوئی ذرہ اور چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں ۴۲۷
اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین ۴۲۸
مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے اللہ کیلئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے ۴۳۱
حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا ۴۳۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادوگروں کا شکست کھانا ۴۳۴
مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا ۴۳۶
فرعون اور آل فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا، فرعون کا غرق ہونا، اور عبرت کیلئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا ۴۳۷
بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا ۴۳۹
عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا ۴۴۰
اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے! ۴۴۳
اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا ۴۴۴
ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ۴۴۵

سورۂ ہود

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے حضور توبہ کرنے پر انعام کا وعدہ اور اعراض کرنے والوں کیلئے وعید ۴۴۶
اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کا سبب نزول ۴۴۷
زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے ۴۴۸
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر ۴۴۸
رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی ۴۴۹
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۴۴۹
کثرت عمل سے زیادہ حسن عمل کی کوشش کی جائے ۴۵۰
ناامیدی، ناشکری، اترانا، شیخی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے ۴۵۱
منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں ۴۵۲
کافروں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا ۴۵۳
ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب ۴۵۴
ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے، اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا انعام ۴۵۵
حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا ہٹ دھرمی کے ساتھ معارضہ کرنا ۴۵۸
دنیاوی مال اور عہدہ عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں ۴۶۰
قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ، اور حضرت نوح کا جواب ۴۶۱
قرآن کو افتراء بتانے والوں کو جواب ۴۶۱
حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور کشتی کی تیاری کے وقت سردار ان قوم کا تمسخر ۴۶۲
پانی کا طوفان، کافروں کی غرقابی، اور اہل ایمان کی نجات ۴۶۳
حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کی لپیٹ میں ۴۶۴
طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا ۴۶۵
اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اترنا ۴۶۶
حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔ ۴۶۷
فوائد ضروریہ ۴۶۷
قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا ۴۶۹
قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا ۴۷۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور فرشتوں

Marfat.com

کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا ۴۷۳
فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا، ان کی بدکار قوم کا ہلاک ہونا
اور اہل ایمان کا نجات پانا ۴۷۶
مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور ان لوگوں کا الٹے
جواب دینا اور استہزاء کرنا ۴۷۸
حضرت شعیب کا قوم سے فرمانا کہ جہاں تک ہو سکے میں اصلاح
چاہتا ہوں اور میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن ۴۷۹
اہل مدین کا بری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا ۴۸۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت، فرعون اور آل فرعون کی بغاوت اور دنیا و
آخرت میں آل فرعون پر لعنت ۴۸۱
اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اس کی گرفت دردناک اور سخت
ہے ۴۸۲
قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو
بولنے کی اجازت نہ ہوگی ۴۸۳
فوائد ضروریہ ۴۸۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کے متبعین کو استقامت پر رہنے کا حکم ۴۸۶
حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت ۴۸۷
ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت ۴۸۷
نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ۴۸۸
گزشتہ امتیں جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت نہ تھے جو زمین
میں فساد کرنے سے روکتے ۴۹۰
حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کے لئے تقویت قلب کا
باعث ہیں ۴۹۲
جمعہ کے دن سورۃ ہود کی تلاوت کرنا ۴۹۳

سورۂ یوسف

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری
تاکید ۴۹۴
حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا مشورہ کہ اسے قتل کر دو یا کسی دور
جگہ لے جا کر ڈال دو ۴۹۶
بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی والد سے
درخواست کرنا اور ان کا اندیشہ کرنا کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے ۴۹۷
بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا اور کرتہ پر جھوٹا
خون لگا کر واپس آنا اور ان کے والد کا فرمانا کہ یہ تمہارے نفسوں نے
سمجھایا ہے ۴۹۸
حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا اور فروخت کیا جانا ۴۹۹
حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کا خریدنا اور اپنے گھر میں اکرام کے
ساتھ رکھنا، اور نبوت سے سرفراز کیا جانا ۵۰۰
عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب براری
کے لئے پیش ہونا اور آپ کا پاک دامن رہنا ۵۰۱
دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کو بچانا اور
عزیز کو دروازہ پر پانا، اور اس کا اپنی بیوی کو خطا کار بتانا اور استغفار کا
حکم دینا ۵۰۲
شہر کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی پر طعن کرنا اور ان کا جواب دینے
کے لیے عورتوں کو بلانا، پھر ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا ۵۰۶
حضرت یوسف علیہ السلام کا دعا کرنا کہ اے میرے رب ان عورتوں کے
مطالبہ کے مطابق عمل کرنے کی بجائے میرے لئے جیل بہتر ہے اس
کے بعد جیل میں تشریف لے جانا ۵۰۸
جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر
دینے کی درخواست کرنا ۵۱۰
تعبیر دینے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور توحید کی
دعوت دینا ۵۱۱
حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر دینا ۵۱۲
حضرت یوسف علیہ السلام کا نجات پانے والے قیدی سے یہ فرمانا کہ تم
اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا اور آپ کا مزید چند سال جیل میں
رہنا ۵۱۳
مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تعبیر ۵۱۴
بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب کرنا اور آپ کا تحقیق حال کے
بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار فرمانا ۵۱۵

Marfat.com

بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار بننا ۵۱۷
برادران یوسف کا غلہ لینے کے لیے مصر آنا اور سامان دے کر آپ کا یہ فرمایا کہ آئندہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا اور ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھوا دینا ۵۲۰
برادرانِ یوسف کا اپنی پونجی کو سامان میں پا کر اپنے والد سے دوبارہ مصر جانے کی درخواست کرنا اور چھوٹے بھائی کی حفاظت کا ۵۲۲
حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو وصیت فرمانا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور یہ کہنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا ۵۲۳
برادرانِ یوسف کا مصر پہنچنا اور ان کا اپنے سگے بھائی کو یہ بتانا کہ رنج نہ کرنا میں تمہارا بھائی ہوں، پھر اس کو روکنے کے لیے کجاوہ میں پیمانہ رکھ دینا، یوسف علیہ السلام کے کارندوں کا چوری ہونے کا اعلان کرنا، اور برادران یوسف کا یوں فیصلہ دینا کہ جس کے کجاوہ میں پیمانہ نکلے اسی کو رکھ لیا جائے ۵۲۴
برادران یوسف کے سامان کی تلاشی لینا اور بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکل آنا اور اس کو بہانہ بنا کر بنیامین کو روک لینا ۵۲۵
برادران یوسف علیہ السلام کا درخواست کرنا کہ بنیامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا ۵۲۷
برادران یوسف کا ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنا اور بڑے بھائی کا یوں کہنا کہ میں تو یہاں سے نہیں جاتا تم لوگ جاؤ اور والد کو چوری والی بات بتادو ۵۲۸
برادران یوسف کا اپنے والد کو چوری کا قصہ بتانا اور ان کا یقین نہ کرنا اور فرمانا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو ۵۲۹
برادران یوسف کا تیسری بار مصر پہنچنا اور غلہ طلب کرنا اور ان کا سوال فرمانا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا، پھر بھائیوں کا قصور معاف فرمانا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا ۵۳۱
حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھیجنا اور والد کے چہرہ پر ڈالنے سے بینائی واپس آجانا اور بیٹوں کا اقرار کرنا کہ ہم خطاوار ہیں اور استغفار کرنے کی درخواست کرنا ۵۳۳
پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا، ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا، اور خواب کی تعبیر پوری ۵۳۵
خواب کے بارے میں ضروری معلومات ۵۳۷
بعض خوابوں کی تعبیریں ۵۳۷
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا بھی شکر کا ایک شعبہ ہے ۵۳۸
اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل ہونے کی دعا ۵۳۹
غیب کی خبریں بتانا آنحضرت ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے ۵۳۹
فوائد ومسائل ۵۴۰
یہ لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں ۵۴۵
آپ فرما دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ۵۴۵
آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے ۵۴۶
ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا ۵۴۷
ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے ۵۴۸

سورۃ الرعد

آسمانوں کی بلندی، شمس وقمر کی تسخیر اور زمین کے پھیلاؤ، پھلوں کی انواع واقسام میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں ۵۴۹
منکرین بعث کا انکار لائق تعجب ہے، ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ۵۵۲
فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد ۵۵۳
اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے، وہ علانیہ اور پوشیدہ سب چیزوں کو جانتا ہے، ہر اونچی اور آہستہ آواز اس کے نزدیک برابر ہے، رات میں چھپا ہوا اور دن میں چلنے والا ہر ایک اس کے علم میں ہے۔ ۵۵۴
فرشتے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں ۵۵۵
جب تک لوگ نافرمانی اختیار کر کے مستحق عذاب نہیں ہوتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کی امن وعافیت والی حالت کو نہیں ۵۵۵
بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ ۵۵۵
رعد کیا ہے؟ ۵۵۶
آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ کا سبب نزول ۵۵۶

Marfat.com

غیر اللہ سے مانگنے والوں کی مثال، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ واحد ہے قہار ہے ۵۵۷
یَسْجُدُ کا معنی ۵۵۷
بینا اور نابینا اور نور اور اندھیرے برابر نہیں ہو سکتے ۵۵۸
حق اور باطل کی مثال، قیامت کے دن نافرمان اپنی جان کے بدلہ دنیا اور اس جیسا جو کچھ اور مل جائے سب دینے کو تیار ہوں گے ۵۶۰
اہل ایمان کے اوصاف، اور ان کے انعامات اور نقض عہد کرنے والوں کی بدحالی کا تذکرہ ۵۶۱
دنیاوی ساز و سامان پر اترانا بے وقوفی ہے ۵۶۴
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے ۵۶۵
معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں ۵۶۶
رسول اللہ ﷺ کو تسلی، کافروں کی بدحالی، متقیوں سے جنت ۵۶۸
یہ قرآن کریم حکم خاص ہے عربی زبان میں ہے ۵۷۰
آپ ﷺ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج و اولاد تھے، کوئی رسول اس پر قادر نہیں کہ خود سے کوئی معجزہ ظاہر کر دے ۵۷۱
اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے ۵۷۲
اللہ کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں ۵۷۳
اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو جانتا ہے ۵۷۳
آپ فرما دیجئے کہ میرے رسول ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی ۵۷۴

سورۂ ابراہیم

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف بلائیں، اللہ غالب ہے ستودہ صفات ہے سارے جہانوں کا مالک ہے ۵۷۵
کافروں کی صفات ۵۷۶
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے ۵۷۶
محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز و اذان مشروع ہونے کی حکمت ۵۷۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا ۵۷۸
اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ شکر پر مزید نعمتیں دوں گا اور ناشکری سخت عذاب کا سبب ہے ۵۷۹
سابقہ امتوں کا عناد، رسولوں کو تبلیغ سے روکنا اور جاہلانہ سوال جواب کرنا ۵۸۰
سابقہ امتوں کا رسولوں کو دھمکی دینا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے کافروں کے سخت عذاب کا تذکرہ ۵۸۲
فسق و فجور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار قرآن کی شرط کے خلاف ہے ۵۸۲
ماء صدید کیا ہے ۵۸۴
کافروں کے اعمال باطل ہیں، قیامت کے دن دنیا والے سرداروں اور ان کے ماننے والوں کا سوال جواب ۵۸۵
قیامت کے دن فیصلے ہو چکنے کے بعد شیطان کا اپنے ماننے والوں سے بیزار ہونا اور انہیں بے وقوف بنانا ۵۸۶
اہل ایمان کا ثواب ۵۸۶
کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال ۵۸۷
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت پر ثابت رکھتا ہے ۵۸۸
آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی سے عذاب قبر کا ثبوت ۵۸۸
نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کی بدحالی ۵۸۹
قیامت کے دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی ۵۹۰
اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا بیان اور انسان کی ناشکری کا ۵۹۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت اللہ کے نزدیک ٹھہرانا اور ان کے لیے دعا کرنا کہ شرک سے بچیں اور نماز قائم کریں ۵۹۲
اولاد کے نمازی ہونے کے لیے فکر مند ہونا پیغمبرانہ شان ہے ۵۹۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے، اور اپنے لیے اور آل و اولاد کے لیے نماز قائم کرنے کی دعا کرنا ۵۹۵
قیامت کے دن کا ایک منظر، عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دیدی جائے ۵۹۶

Marfat.com

قیامت کے دن زمین اور آسمان میں تغیر اور تبدل، سب لوگوں کی حاضری، مجرمین کی بدحالی، حساب کتاب اور جزا سزا ۵۹۷

سورۃ الحجر

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے ۶۰۱
جو بستیاں ہلاک کی گئیں ان کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا ۶۰۲
اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے ۶۰۲
روافض قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اللہ کے وعدہ حفاظت پر ان کا ایمان نہیں ۶۰۳
سابقہ امتوں نے بھی اپنے رسولوں کا استہزاء کیا معاندین اگر آسمان پر چڑھ جائیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں ۶۰۴
ستارے آسمان کے لیے زینت ہیں اور ان کے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے ۶۰۵
بروج سے کیا مراد ہے؟ ۶۰۶
زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت الٰہی کی نشانیاں ہیں ۶۰۷
اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی زندگی کے سامان پیدا ۶۰۷
اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں ۶۰۷
ہوائیں بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں ۶۰۷
اللہ ہی وارث ہے ۶۰۸
مستقدمین اور مستاخرین کی تفسیر ۶۰۸
انسان اور جنات کی تخلیق، ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کی نافرمانی اور ملعونیت، بنی آدم کو ورغلانے کے لیے اس کا قسم کھانا اور لمبی عمر کی درخواست کرنا، مخلصین کے بہکانے سے عاجزی کا اقرار، ابلیس کا اتباع کرنے والوں کے لیے داخلہ دوزخ کا اعلان ۶۰۹
صلصال اور حماٍ مسنون کا مصداق ۶۱۰
ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکاری ہونا ۶۱۱
ابلیس کی ملعونیت ۶۱۱
ابلیس کا مہلت مانگنا بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے تھا ۶۱۲
مخلصین کے بہکانے سے شیطان کا عاجز ہونا ۶۱۲
گمراہ لوگوں پر شیطان کا بس چلتا ہے ۶۱۲
شیطان اور اس کا اتباع کرنے والے دوزخ میں ہوں گے ۶۱۳
دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لیے حصہ ۶۱۳
متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا ۶۱۴
اہل جنت تکیہ لگائے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ۶۱۴
جنت میں کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے ۶۱۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوفزدہ ہونا اور ان کو بیٹے کی بشارت دینا ۶۱۶
یہ مہمان فرشتے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے کر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا ۶۱۷
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت ۶۱۸
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جن کی الٹی ہوئی بستیوں پر گزرتے ہیں ۶۱۸
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا اعزاز، اللہ جل شانہ نے آپ کی جان کی قسم کھائی ہے ۶۱۹
حضرت لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ کی بستیاں شاہراہ عام پر واقع ہیں
اصحاب الایکہ ظالم تھے اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک کیے گئے ۶۲۰
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والی بستیاں اور اصحاب الایکہ شاہراہ عام پر واقع ہیں ۶۲۰
اصحاب الحجر کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب ۶۲۰
اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکمت کے موافق پیدا فرمایا ہے ۶۲۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا ۶۲۲
اہل دنیا کے اموال و ازواج کی طرف نظریں نہ پھیلائیں ۶۲۲
سابقہ امتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بنا رکھے تھے ۶۲۳
خوب واضح طور پر کھول کر بیان کرنے کا حکم ۶۲۵
ہنسی کرنے والوں کے لیے ہم کافی ہیں ۶۲۵
تسبیح و تحمید میں مشغول رہنے اور موت آنے تک عبادت میں لگے

Marfat.com

رہنے کا حکم ۶۲۶

سورۂ النحل

قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے ۶۲۷
چوپائے اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں ان سے متعدد قسم کے منافع متعلق ہیں ۶۲۹
اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت سے لوگ ہٹے ہوئے ہیں ۶۳۰
مخلوق اور خالق برابر نہیں ہو سکتے تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں گن سکتے، اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جان ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے ۶۳۳
تمہارا معبود ایک ہی ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے گمراہ کرنے والے دوسرے کے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے ۶۳۵
معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ، قیامت کے دن کافروں کی رسوائی اور بدحالی، متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے ۶۳۶
اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی ۶۳۸
منکرین اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں ۶۳۹
مشرکین کی کٹ حجتی، اور ہر امت کے لیے رسول کی بعثت کا ۶۳۹
منکرین کا قسم کھانا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کر کے نہ اٹھائے گا، ان کی اس بات کی تردید اور اس کا اثبات کہ اللہ تعالیٰ کے ''کن'' فرما دینے سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے ۶۴۱
فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا و آخرت کی خیر و خوبی ۶۴۲
ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان ۶۴۳
منکرین حدیث کی تردید ۶۴۳
معاندین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف نہ ہوں ۶۴۵
ہر مخلوق فرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں ۶۴۶
معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے ۶۴۷
مشرکین کی بھونڈی تجویز، اللہ کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے تجویز کرتے ہیں خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے ۶۴۸
لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ گرفت فرماتا تو زمین پر چلنے والوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑتا ۶۵۰
چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لیے عبرت ہے ۶۵۲
اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اس نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں، پھر ان سے بیٹے پوتے عطا فرمائے اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں ۶۵۴
دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی ۶۵۵
اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۶۵۶
اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات، انسانوں کی تخلیق، جانوروں کا اتر نا لباس کا سامان پیدا فرمانا، پہاڑوں میں رہنے کی جگہیں بنانا ۶۵۷
قیامت کے دن کے چند مناظر، کافروں اور مشرکوں کے لیے عذاب کی وعید ۶۵۹
چند اوصاف حمیدہ کا حکم، اور منکرات و فواحش سے بچنے کی تاکید ۶۶۱
خطبوں میں اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ پڑھنے کی ۶۶۲
عہدوں اور قسموں کو پورا کرنے کا حکم ۶۶۳
آخرت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں، صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور ان کے اعمال کا اچھا اجر ۶۶۷
جب قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں،
شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں ۶۶۸
اہل ایمان پر شیطان کا تسلط نہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں ۶۶۹
شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں ۶۶۹
قرآن مجید کی بعض آیات منسوخ ہونے پر معاندین کا اعتراض اور اس کا جواب ۶۷۱
مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے ۶۷۱
ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا، جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم ۶۷۲
ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر ۶۷۵
ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں ۶۷۶

Marfat.com

اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، حرام چیزوں ٦٧٧
تحلیل اور تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ٦٧٨
اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے ٦٧٩
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے ٦٧٩
سنیچر کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی ٦٨١
دعوت وارشاد اور اس کے آداب ٦٨٣
بدلہ لینے کا اصول اور صبر کرنے کی فضیلت ٦٨٧

سورۂ بنی اسرائیل

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کا سفر کرایا ٦٨٩
واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ ٦٩٠
براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرنا ٦٩١
صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل ٦٩٢
آسمان میں تشریف لے جانا اور آپ کے لیے دروازہ کھولا جانا
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات فرمانا اور ان کا مرحبا کہنا ٦٩٢
البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا ٦٩٣
پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنے پر پانچ نمازیں رہ جانا ٦٩٣
نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام ٦٩٤
معراج میں دیدار الٰہی ٦٩٤
قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا ٦٩٥
اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش فرما دیا ٦٩٥
سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات ٦٩٦
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ٦٩٦
ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے ٦٩٦
کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے ٦٩٦
سود خوروں کی بدحالی ٦٩٧
کچھ لوگوں کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں ٦٩٧
ایک شیطان کا پیچھے لگنا ٦٩٧
فرشتوں کا پچھنے لگانے کے لیے تاکید کرنا ٦٩٧
مجاہدین کا ثواب ٦٩٧
کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے ٦٩٨
زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی ٦٩٨
سڑا ہوا گوشت کھانے والے ٦٩٨
لکڑیوں کا بڑا گٹھڑ اٹھانے والا ٦٩٨
ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا ٦٩٨
جنت کی خوشبو ٦٩٨
دوزخ کی آواز سننا ٦٩٩
باب الحفظہ ٦٩٩
پہلے آسمان پر داروغہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا ٦٩٩
دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دودھ کو لے ٦٩٩
سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ ٧٠٠
جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا ٧٠٠
فوائد و اسرار اور حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف ٧٠٠
براق کیا تھا اور کیسا تھا؟ ٧٠٠
براق کی شوخی اور اس کی وجہ ٧٠١
حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعے آسمانوں پر جانا ٧٠١
آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے کیا انہیں بلایا گیا ہے ٧٠١
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی ٧٠٢
سونے کے طشت میں زمزم سے قلب اطہر کا دھویا جانا ٧٠٣
نماز کا مرتبہ عظیمہ ٧٠٣
منکرین و ملحدین کے جاہلانہ اشکالات کے جواب ٧٠٤
بنی اسرائیل کا زمین میں دوبار فساد کرنا اور ان کو دشمنوں کا تباہ ٧٠٧
بنی اسرائیل کو برباد کرنے والے کون تھے ٧٠٨
قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے، اہل ایمان کو بشارت اور اہل کفر کو عذاب الیم کی خبر دیتا ہے ٧٠٩

Marfat.com

انسان اپنے لیے برائی کی بددعا کرتا ہے، اس کے مزاج میں جلد بازی ہے ۷۰۹
طالب دنیا کو تھوڑی سی دنیا دے دی جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لیے جہنم ہے اہل ایمان کے اعمال کی قدر دانی ہوگی ۷۱۴
والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم ۷۱۶
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ۷۱۷
ماں باپ ذریعہ جنت اور ذریعہ دوزخ ہیں ۷۱۸
اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے ۷۱۸
والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے ۷۱۸
باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے ۷۱۸
ماں باپ کے اکرام واحترام کی چند مثالیں ۷۱۸
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ۷۱۹
ماں باپ کے اخراجات کے لیے محنت کرنے کا ثواب ۷۱۹
ماں باپ کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے ۷۱۹
ہجرت کی بیعت کے لیے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو ۷۲۰
ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں ۷۲۱
والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے ۷۲۱
والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے ۷۲۱
وہ شخص ذلیل ہو جس ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا ۷۲۲
ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے ۷۲۲
ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے ۷۲۲
ماں باپ کے لیے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرمان اولاد کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے ۷۲۳
ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں ۷۲۳
رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم، فضول خرچی کی ممانعت ۷۲۴
اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ، کسی جان کو بلا شرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ ۷۲۶
جس بات کا پتہ نہیں اس کے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے سے ممانعت ۷۳۰
اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کے لیے جہنم ہے اور اس کے لیے اولاد تجویز کرنا بہت بڑی بات ہے ۷۳۲
اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، شرک کرنے والوں کی باتوں سے پاک ہے ساتوں آسمان اور زمین اور ہر چیز اس کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہے ۷۳۴
جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں ڈاٹ ہے قرآن کو بدنیتی سے سنتے ہیں اور آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر جادو کر دیا گیا ۷۳۷
منکرین بعث کا تعجب کہ ریزہ ریزہ ہو کر کیسے زندہ ہوں گے، ان کے تعجب کا جواب کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ ۷۳۹
بندوں کو اچھی باتیں کرنے کا حکم، بعض انبیاء بعض انبیاء سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی ۷۴۰
اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنا رکھے ہیں وہ کوئی ذرا سی تکلیف بھی دور نہیں کر سکتے کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہی ہلاک نہ کریں یا عذاب نہ دیں ۷۴۲
فرمائشی معجزات ہم صرف اس لیے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے ان کی تکذیب کی ۷۴۴
آپ کے رب کا علم سب کو محیط ہے، آپ کی رؤیا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لیے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں ۷۴۵
حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم سننے پر ابلیس کا جواب دینا کیا میں اسے سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟ پھر بنی آدم کو بہکانے کا عزم ظاہر کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ جن پر تیرا قابو چل سکے ان پر قابو کر لینا ۷۴۷
اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں جاری فرماتا ہے، وہ چاہے تو تمہیں زمین میں دھنسا دے یا سخت ہوا بھیج دے، بنی آدم کو ہم نے عزت دی، بحر و بر میں سفر کرایا، پاکیزہ کھانے کے لیے چیزیں دیں، اور ان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت دی ۷۵۱
قیامت کے دن جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامے دیئے جائیں

Marfat.com

گے وہ اپنے اعمالنامے پڑھ لیں گے ۷۵۳
جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہوگا ۷۵۳
مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ کو اپنی طرف کر لیں اور اپنا دوست بنالیں ۷۵۵
مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو زبردستی مکہ مکرمہ سے ۷۵۶
قرآن مومنین کے لیے شفاء ہے اور رحمت ہے، ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے ۷۶۰
روح کے بارے میں یہودیوں کا سوال اور رسول اکرم ﷺ کا جواب ۷۶۱
اگر تمام انسان اور جنات بھی جمع ہو جائیں تو قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر نہیں لا سکتے ۷۶۳
قریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور فرمائشی معجزت کا مطالبہ ۷۶۴
لوگ اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ نبوت اور بشریت میں تضاد سمجھتے ہیں اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کے لیے فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا ۷۶۶
قیامت کے دن گمراہ لوگ گونگے اور بہرے اٹھائے جائیں گے، پھر دوزخ کی آگ میں داخل کیے جائیں گے یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ انہوں نے حشر نشر کی تکذیب کی ۷۶۷
اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے، انسان بڑا تنگ دل ہے ۷۶۷
موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں دیں فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ زمین میں ۷۶۸
ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں سابقین اہل علم اس کو سنتے ہیں تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں ۷۷۰
اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں، آپ نماز میں قرأت کرتے وقت درمیانی آواز سے ۷۷۲
اللہ کی حمد بیان کیجیے جس کا کوئی شریک اور معاون نہیں ہے اور اس کی بڑائی بیان کیجیے ۷۷۳

Marfat.com

ایاتھا ۱۶۶ ۶ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ۵۵ رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورہ الانعام مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو چھیاسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا

تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا

بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو، اور روشنیوں کو، پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا کیچڑ سے پھر اجل مقرر فرمائی اور اس کے پاس ایک اجل مقرر ہے، پھر تم شک کرتے، اور وہ اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں، وہ جانتا ہے تمہارے باطنی حالات کو اور ظاہر حالت کو، اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ اور جب ان کے رب کی نشانیوں میں سے ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔ سو بلاشبہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا۔ سو عنقریب آجائیں گی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کا مذاق بنایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی

یہاں سے سورۂ انعام شروع ہے یہ سورت مکی ہے البتہ بعض مفسرین نے تین چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مدنی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ اس سورت کو اتنے فرشتوں نے رخصت کیا جنہوں نے افق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار فرشتوں نے اس کو رخصت کیا۔ (من روح المعانی ج ۷ ص ۷۶)

اس سورت میں انعام یعنی چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اس لئے سورۃ الانعام کے نام سے موسوم ہے۔ اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی طرح اس کی ابتداء بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ ہر تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد اور تعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات وصفات کاملہ کے اعتبار سے محمود ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ کہ اس کی وہ عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان وزمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے ان کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد وثنا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ﴾ کہ اس نے تاریکیوں کو بنایا اور نور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان وزمین کی طرح نظروں

Marfat.com

کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھیرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو وجود دینے والی کوئی ذات ہے اس بات کے ماننے کے لئے کسی خاص غور وفکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

﴿السموت والارض﴾ کے ساتھ خلق اور ظلمات اور نور کے ساتھ لفظ جعل لانے کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان وزمین اجسام واجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کے محتاج نہیں اور اندھیرا اور اجالا عوارض ہیں قائم بالذات نہیں ان کو محل ومکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے، جو لوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردد ہیں۔ اس آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔

اور جو لوگ دو خدا مانتے ہیں یعنی یزداں اور اَھر من (اور یزداں کو خالق خیر اور اَھرمن کو خالق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہوگئی اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے۔ پھر فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ﴾ (اللہ ہی ہے جس نے تم کو کیچڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق چونکہ مٹی سے ہے اس لئے سبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل اپنے باپ کی توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی قرآن مجید میں ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ بھی فرمایا (سورۃ مومن) یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ﴾ بھی فرمایا (سورۃ انعام) یعنی تم کو کیچڑ سے پیدا کیا اور ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾ بھی فرمایا (سورۃ صافات) یعنی ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ بھی فرمایا (سورۃ رحمٰن) اس نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا ﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے)۔ (سورۃ حجر)

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کیچڑ) ہوگئی۔ پھر وہ کیچڑ پڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ وہ پتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہوگئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گذرے اس لئے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَاب کبھی طِيْنٍ اور کبھی حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا﴾ (پھر اجل مقرر فرمادی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لئے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ منافقون میں فرمایا ﴿وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ (اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اجل مقرر آجائے)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ (اور ایک اجل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اٹھنے کی اجل مراد ہے۔ فرد کی اجل جو مقرر ہے وہ اس کی موت کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کی جو اجل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہو جائیگی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے علم کے مطابق جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آجائیگی۔

پھر فرمایا ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ﴾ (پھر تم شک کرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں بعث ونشور یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل بیان فرمائی۔

پھر فرمایا ﴿وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ﴾ (یعنی وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں معبود ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ﴾ معنی وصفی سے متعلق صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور عبادت کے لائق ہے۔

بعض حضرات نے جار مجرور کو المالک اور المتصرف سے بھی متعلق بتایا ہے جو محذوف ہے اور مطلب یہ ہے وَ هُوَ الْمَالِكُ وَ الْمُتَصَرِّفُ

۱۲۷۲۷۳

Marfat.com

الْمُدَبِّرُ فِیْهِمَا حَسْبَ مَا یَقْتَضِیْهِ مَشِیْئَةِ المبینة علی الحکم البالغة (من روح المعانی ص ۸۹ ج ۷)

اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے

پھر فرمایا ﴿یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَ جَهْرَکُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ﴾ کہ جو اقوال و اعمال ہیں جو جو نیتیں اور ارادے ہیں جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے خواہ یہ اعمال قلب کے ہوں یا جوارح کے اس کے بعد تکذیب کرنے والوں کی عادت بیان فرمائی۔ ﴿وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ﴾ (جو بھی کوئی آیت اللہ کی آیات میں سے ان کے سامنے آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں) اس سے آیات قرآنیہ مراد ہو سکتی ہیں۔ اور آیات تکوینیہ بھی مراد لی جا سکتی ہیں۔ یعنی قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور جو آیات تکوینیہ سامنے آتی ہیں جن میں دلائل توحید ہیں ان سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

مکذبین کے لئے وعید

پھر فرمایا ﴿فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس حق آیا تو اس کو جھٹلا دیا، حق کو جھٹلاتے بھی ہیں اور مذاق بھی بناتے ہیں۔ اس مذاق بنانے اور جھٹلانے کا انجام عنقریب حاضر ہو جائیگا اور اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیں گے اور بطور توبیخ ان سے کہا جائیگا کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ۔ ففی سورۃ الدخان ﴿اِنَّ هٰذَا مَا کُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴾ (بیشک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے ہو) ﴿اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ﴾ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَ اَرْسَلْنَا
السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا
مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝۶ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷ وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا
لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا
یَلْبِسُوْنَ ۝۹ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ
یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ؒ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝۱۱

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا، انکو ہم نے زمین ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو نہیں دیا، اور ہم نے ان پر زوردار بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنا دیں جو انکے نیچے جاری تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔ اور ان کے بعد ہم نے پیدا کر دیں دوسری امتیں اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی کافر لوگ یوں کہیں گے کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر صریح جادو ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں، اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا۔ پھر جب لوگوں نے استہزاء کیا تو ان کو اس چیز نے

Marfat.com

گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

قرون ماضیہ ہالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

نزول قرآن کے وقت عرب کے مشرکین اولین مخاطب تھے۔ وہ قرآن مجید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور رسول ﷺ کے ساتھ بھی بری طرح پیش آتے تھے ایذائیں بھی دیتے تھے اور مذاق بھی بناتے تھے، پڑھے لکھے تو تھے نہیں جو پرانی امتوں کے واقعات کتابوں میں پڑھ لیتے اور تالیف و تصنیف کا ایسا دور بھی نہ تھا کہ کتابیں مدون ہوتیں لیکن یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام جایا کرتے تھے۔

اس سفر میں مدینہ منورہ کے یہودیوں پر گذر ہوتا تھا۔ شام میں نصاریٰ آباد تھے۔ ان قوموں سے مل کر پرانی امتوں کے واقعات اور قصے سنتے تھے اور خود بھی سابقہ امتوں کی بربادی کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے پہاڑوں سے تراشے ہوئے گھر ان کے سامنے آتے تھے جو تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتے تھے۔ کہاں گئے ان گھروں کے بنانے والے اور کہاں گیا ان کا کروفر ساری تمکنت اور سارا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اصحاب فیل کی بربادی کا واقعہ تو اہل مکہ کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ یہ چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلائیں اور فرمایا کہ تم جو ہمارے رسول اور ہماری کتب کی تکذیب کرتے ہو کیا تمہیں اس سے کچھ بھی عبرت نہیں پھر کیسے عذاب سے بچ سکتے ہو؟ ان کی زبردست حکومت بھی تھی اور مالی اعتبار سے بھی ہم نے خوب نوازا تھا۔ ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں ان کے لئے نہریں جاری کیں جو ان کے باغوں اور کھیتوں میں جاری تھیں یہ لوگ اوپر بیٹھ کر ان سب کا نظارہ کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے نعمتوں کی بے قدری کی۔ بغاوت اور سرکشی پر اتر آئے کفر سے باز نہ آئے۔ برابر گناہوں میں لپٹے رہے لہٰذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ایک قوم ہلاک ہوئی تو ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ سورۂ سبا میں فرمایا ﴿وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ (ترجمہ) اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصے کو بھی جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا۔ سو جھٹلایا میرے پیغمبروں کو تو کیسا ہوا میرا عذاب؟

مشرکین کو تنبیہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ تم سے پہلے بہت سی امتیں آئیں اور وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ ان کے ایک معاندانہ سوال کا ذکر فرمایا پھر اس کی تردید فرمائی۔ معالم التنزیل ص ۸۵ ج ۲ میں لکھا ہے کہ نضر بن الحارث، عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا اے محمد ﷺ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ اللہ کے پاس سے ایسی کتاب نہ لائیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں وہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ ﴿وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ الخ﴾ نازل فرمائی یعنی اگر ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں۔ کتاب کو دیکھ کر ہاتھ لگا کر بھی منکر ہی رہیں گے اور یوں کہہ دیں گے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے یہ جو کہہ رہے ہیں کہ کتاب آجائے اور فرشتے آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے یہ ضد اور عناد ہے ایمان لانا مقصود نہیں ہے۔

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا

اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا ﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ﴾ (اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوا فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ ﴿وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ﴾ (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد

Marfat.com

بھی ایمان نہیں لاتے تو پھران کے کوڈھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت عذاب دیا جاتا ہے۔قال صاحب معالم التنزیل قال قتادة لو انزلنا ملکاً یومنو العجل لھم العذاب ولم یوخروا طرفة عین اور بعض مفسرین نے ﴿لَقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اگر ہم فرشتہ بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے اور اسے دیکھ کر مرجاتے۔ نقلہ فی معالم التنزیل عن الضحاك۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ﴾ اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو آدمی کی صورت میں آتا کیونکہ انسانوں کو اتنی طاقت اور تاب نہیں ہے کہ وہ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔ جب اس کی صورت انسانی صورت ہی ہوتی تو یہ لوگ پھر معاندانہ باتیں کرتے اور کہتے کیا معلوم یہ فرشتہ ہے، جو باتیں اب کہہ رہے ہیں کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کررہے ہیں ہمارے جیسے آدمی ہیں فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر ایسی باتیں کرتے اور یہی کہہ دیتے کہ یہ تو ہمارے جیسا ہے اس میں کون سے خصوصیت ہے جو نبی بنادیا گیا۔ لہٰذا فرشتہ کو رسول بنا کر آنے کی صورت میں بھی لوگوں کو اب جو شبہ ہورہا ہے، پھر بھی باقی رہتا، اور حقیقت میں ان لوگوں کے یہ بہانے ہیں کہ ایسا ہوتا تو ہم مان لیتے، یہ حق کے طالب نہیں اگر حق کے طالب ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کے معجزات دیکھ کر جو بشر ہیں اور انہیں میں سے ہیں ایمان لے آتے۔

استہزا کرنے والوں کے لئے وعید

پھر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ﴿وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے استہزا کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔)

اس میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ تکذیب کرنے والے جو کچھ آپ کے ساتھ استہزا کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے لہٰذا آپ بھی صبر کریں جیسا ان حضرات نے صبر کیا پھر انجام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ایسی حرکتیں کی تھیں وہ ان کے وبال میں مبتلا ہوئے اور استہزاء اور مسخرہ پن کی سزا میں ان کو عذاب نے گھیر لیا۔ ان معاندین و مستہزئین کا بھی ایسا ہی انجام ہونے والا ہے۔

قال صاحب الروح فکانه سبحانه وتعالىٰ وعده صلى الله علیه وسلم بعقوبة من استهزابه علیه السلام ان اصر علی ذلك ج ۷ ص ۱۰۱

اس کے بعد مکذبین اور معاندین کو مزید تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا ﴿قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ﴾ کہ زمین میں چلو پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا، دنیا میں چلیں پھریں دنیا والوں کے کھنڈروں سے اور ان کی ہلاکت و بربادی کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

Marfat.com

وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ
يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا
هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

آپ فرما دیجئے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجئے یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم فرما لیا ہے اور وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے، اور اسی کے لئے ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنا لوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ آپ فرما دیجئے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا، اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے۔ آپ فرما دیجئے! کہ بے شک! میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اس دن جس سے عذاب ہٹا دیا گیا سو میرے رب نے اس پر رحم فرمایا، اور یہ کھلی کامیابی ہے۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں سب اللہ ہی کا ہے وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائیگا

ان آیات میں اول تو نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ آپ ان سے پوچھ لیں کہ بتاؤ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ یہ سب کس کی مخلوق ہے؟ اور کس کی ملکیت ہے؟ اور ان سب میں کس کا تصرف ہے؟ پھر فرمایا کہ آپ خود ہی جواب دیدیں کہ یہ سب چیزیں اللہ کی ہیں سب اس کے زیر تصرف ہیں جو بھی کوئی ذرا بہت اختیار اور اقتدار رکھتا ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اس نے ان سب کو پیدا فرمایا وہ سب پر مہربان بھی ہے۔ اس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ رحمت فرمائے گا۔

مومنین پر تو اس کی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے، اور اہل کفر کے ساتھ بھی دنیا میں مہربانی کا معاملہ ہے۔ اور اگر وہ بغاوت چھوڑ دیں اور ایمان قبول کرلیں اللہ کے رسولوں علیہم السلام اور اس کی کتابوں کی تکذیب سے باز آجائیں تو آخرت میں بھی ان پر رحم ہوگا۔ سورۂ اعراف میں فرمایا ﴿قَالَ عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میرا عذاب ہے میں جسے چاہوں پہنچا دوں، اور میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ سو میں اپنی رحمت کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ لکھا جو اس کے پاس عرش پر ہے اس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک رحمت نازل فرمائی جو جن اور انسان اور چوپائے اور زہریلے جانوروں میں بٹی ہوئی ہے اس ایک رحمت کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ وحشی جانور تک اپنی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے رکھ لی ہیں جن کے ذریعہ قیامت کے دن وہ اپنے

Marfat.com

بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری)

پھر فرمایا ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن ضرور ضرور جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی مہربانی سے پیدا فرمایا وہ سب کی پرورش فرماتا ہے وہاں کے حساب و کتاب سے باخبر فرمایا لیکن جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال لیا فطرت اصلیہ کو کھو دیا عقل سلیم سے کام نہیں لیا وہ اپنی جانوں کو ضائع کر چکے۔ اب ان کو ایمان لانا نہیں کوئی تو اپنے مال کو ضائع کرتا ہے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا اور ایمان جیسی پونجی کو ہاتھ نہ لگنے دیا۔ ﴿اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾

رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ ہی کا ہے

پھر فرمایا ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ (اور اللہ ہی کے لئے ہے جو ساکن ہے رات اور دن میں) سکن ٹھہرنے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جو کچھ رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق ہے ساکن غیر متحرک ہونے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جو چیزیں رات اور دن میں غیر متحرک ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں یہ چیزیں بھی ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں جو کچھ نظر کے سامنے ہو اس کو دیکھ کر زیادہ بصیرت اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب اپنے اقوال اور اعمال کی طرف غور کریں کہ رضا کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔

آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا

پھر فرمایا ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ جو لوگ مشرک تھے وہ اپنے شرک کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت توحید چھوڑ دیں اور ہمارے دین میں شامل ہو جائیں، اور یہ بات نئی نہیں تھی آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے ان کی امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا ولی بنا لوں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا اس میں مشرکین کی بے وقوفی پر تنبیہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں انہوں نے تو کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو خود مخلوق ہیں یہ کیسی ناسمجھی کی بات ہے کہ خالق تعالیٰ شانہ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کی جائے، تم خود بے قوفی میں مبتلا ہو مجھے بھی اس کی دعوت دیتے ہو، اللہ تعالیٰ شانہ خالق بھی ہے رازق بھی ہے۔

تم بھی اس کا دیا ہوا کھاتے ہو اور اس کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو ان کی حاجتیں بھی وہی پوری فرماتا ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو کیونکر معبود بنایا جاسکتا ہے، وہ کھلاتا ہے اس کو کھلایا نہیں جاتا اس کو کھانے کی حاجت نہیں جو لوگ کھاتے ہیں وہ حاجت مند ہیں جو خود حاجت مند ہو اس میں معبود ہونے کی صلاحیت کہاں ہے؟

پھر فرمایا ﴿اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ آپ فرما دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کا سب سے پہلا فرمانبردار اور دل و جان سے اس کے احکام کو ماننے والا اور تعمیل کرنے والا بن جاؤں میرے رب نے مجھ سے یہ بھی فرمایا ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیں) لہٰذا میں توحید ہی پر رہوں گا اور شرک اختیار نہیں کرسکتا تم بھی شرک چھوڑ دو اور توحید پر آ جاؤ۔

Marfat.com

﴿اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ جو فرمایا یہ اس اعتبار سے ہے کہ آخر الامم کے اولین مسلم اور فرمانبردار آپ ہی ہیں نیز شریعت پر عمل کرنے میں بھی آپ اول ہیں۔

قال صاحب الروح لان النبی علیہ السلام مامور بما شرعه الاما كان من خصائصه علیہ السلام و هو امام امته و مقتداهم و ينبغي لكل آمر ان يكون هو العامل اوّلا بما اُمربه ليكون ادعى الا متثال (ج ۷ ص ۱۱۰) اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ (آپ فرما دیجیے! کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے) بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے، اس دن کا عذاب بہت بڑا ہے ﴿مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما دیا ﴿وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ﴾ اور اس دن عذاب کا ٹل جانا واضح اور کھلی کامیابی ہے۔

ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے:

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ﴾ (الآیۃ) کہ اے مخاطب! اگر اللہ تجھے کوئی ضرر دکھ یا تکلیف پہنچا دے تو اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ کوئی خیر (صحت وغناء وغیرہ) پہنچا دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ﴿فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہو۔ انہیں تو خیر و شر پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھا کر جو اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے اس میں یہ بھی تھا۔

﴿اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص: ۸۲)

(اے اللہ! جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ آپ روک لیں اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری آپ کے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ کا دھیان رکھ اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اللہ کا دھیان رکھ تو اسے اپنے آگے پائے گا۔ اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر! اور جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور اس کا یقین رکھ کہ اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت اس مقصد کے لیے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ (رواہ الترمذی قبیل ابواب صفۃ الجنۃ ۱۲)

نفع اور ضرر مقدر ہے اور سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے محروم کر دے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور وہ جسے دکھ تکلیف اور نقصان پہنچائے اسے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

پھر فرمایا ﴿وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور حکمت والا ہے باخبر ہے، وہ جسے جس حال میں رکھے اسے اختیار ہے وہ حکیم ہے سب کچھ اس کی حکمت کے موافق ہے اور وہ خبیر بھی ہے سب کے احوال و اعمال کا اسے علم ہے جس کے ساتھ جو بھی معاملہ ہے حکمت کے موافق ہے اور علم کے مطابق ہے۔)

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ

Marfat.com

اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰

آپ فرما دیجیے کہ گواہی کے لیے سب سے بڑھ کر کون سی چیز ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے، اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اس سے ڈراؤں، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرما دیجیے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا، آپ فرما دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور بلاشبہ میں اس سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے

اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے

تفسیر لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نحام بن زید، قروم بن کعب اور بحری بن عمرو (مشرکین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد! کیا تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) میں اسی کو لے کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ ﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً﴾ نازل فرمائی۔ کہ آپ فرما دیجیے کون سی چیز شہادت کے اعتبار سے بڑی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیجیے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں اس نے مجھے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور لا الہ الا اللہ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے۔ میں اس کی دعوت پر قائم ہوں اور اسی کا پابند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو معجزات اور آیات عطا فرمائے تھے ان سے آپ کے رسول برحق ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت اور رسول ہونے کی گواہی ہے مزید فرمایا ﴿وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ﴾ (اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ اتارا گیا تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعہ ڈراؤں کہ اللہ کی توحید کے علاوہ دوسرے راستہ اختیار کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے تمہارے علاوہ اور جس جس کے پاس یہ قرآن پہنچے ان سب کو میں توحید کی دعوت دیتا ہوں) اس میں اس بات کا بھی اعلان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے زمانے کے مخاطبین ہی کی طرف مبعوث نہیں تھے بلکہ تا قیامت جس جس شخص کو آپ کی بعثت کا علم ہوتا رہے اور قرآن پہنچتا رہے وہ سب آپ کی دعوت کے مخاطب ہیں اور سب پر آپ کی رسالت کا اقرار کرنا فرض ہے۔

سورۂ سبا میں فرمایا ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

و الذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی و لا نصرانی ثم یموت و لم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی کو میرے نبی ہونے کی خبر پہنچے گی خواہ وہ یہودی یا نصرانی ہو اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہو گا۔ وہ یہودی ہو یا نصرانی)

پھر فرمایا ﴿اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى﴾ (کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟) پھر فرمایا ﴿قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ﴾ (آپ فرما دیجیے! میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا) ﴿قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ معبود تو صرف ایک ہی ہے اور بلاشبہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں)۔

یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی:

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی ضد اور ہٹ دھرمی بیان فرمائی اور فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾

Marfat.com

(کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ ان کو پہچانتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ کے نبی ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) کیونکہ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی خبر اور بشارت پڑھ چکے ہیں اور جو صفات و علامات آپ کے بارے میں بتائے گئے تھے انہیں دیکھ چکے ہیں۔ پہچاننے کے باوجود منکر ہو رہے ہیں۔ ﴿الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (جن لوگوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کیا اور آپ کی نبوت کو نہ مانا یہ لوگ اپنی جانوں ہی کو تباہ کر بیٹھے یہ ایمان نہ لائیں گے)۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ پھر نہ ہوگا ان کا فریب اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے، اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں، اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔

قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور ان کا مشرک ہونے کا انکار کرنا

مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کرو تو کہہ دیتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بینات نبیوں کے واسطہ سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر جمے ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جہالت اور سفاہت پر مبنی ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور ہٹ دھرمی کام نہ آئے گی۔ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ظالموں کی ناکامی اور بربادی کا تذکرہ فرما کر آخرت کا ایک منظر بیان فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا ﴿وَيَوْمَ

Marfat.com

﴿نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ (اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعوی کرتے تھے کہ وہ بھی معبود ہیں) یہ سن کر وہ شرک سے منکر ہو جائیں گے اور وہاں بھی فریب کاری سے کام لیں گے۔ ان کا فریب یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (کہ اللہ کی قسم ہم تو شرک کرنے والے نہ تھے) وہاں کا عذاب دیکھیں گے تو جھوٹ بول کر عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ دنیا میں بعض مرتبہ اپنے افعال واعمال کا انکار کر کے دنیاوی حاکموں کے سامنے چھٹکارا پا لیتے تھے۔ آخرت کے دن اللہ تعالیٰ قاضی ہوگا وہ علیم وخبیر سمیع بصیر ہے اس کے سامنے جھوٹ نہ چل سکے گا لیکن یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے اپنے قصور کا انکار ہی کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ (دیکھو اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے) قیامت کے دن مشرکین کے اقوال مختلف اوقات میں مختلف ہوں گے۔ اولاً تو صاف صریح جھوٹ بول دیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے کہ شاید اسی جھوٹ سے کام چل جائے اور عذاب میں داخل ہونے سے چھٹکارا ہو جائے، پھر جب ان کے خلاف گواہیاں ہوں گی اور خود ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اپنے جرم کا اقرار کر لیں گے۔ ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾

مشرکین کا قرآن سے منتفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں

اس کے بعد فرمایا ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں) ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ (اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے کر دیئے کہ وہ اس کو سمجھیں، یعنی یہ پردے انہیں قرآن سمجھنے نہ دیں گے) ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ (اور ان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا) (جس کی وجہ سے ٹھیک طرح سے سن بھی نہیں سکتے) اور اس محرومی کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کان لگاتے ہیں تو سننے اور سمجھنے کے لیے نہیں لگاتے بلکہ بطور تمسخر اور استہزاء کے کان لگاتے ہیں۔

﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ (اور اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے) کیونکہ ضد پر اترے ہوئے ہیں اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں قرآن مجید جو کتاب مبین ہے دلائل سے بھری ہوئی ہے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے اس کے بارے میں کافر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) دلائل کے سامنے عاجز ہیں لیکن ماننے کا ارادہ نہیں ہے بات نہیں بن پڑتی تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں بتا دیتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ﴾ (وہ لوگ آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور ہوتے ہیں) دوہرے جرم کے مرتکب ہیں بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ایذاء پہنچانے والوں کو روکتے ہیں اور آپ تک پہنچنے نہیں دیتے اور خود آپ کی دعوت توحید سے دور رہتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو اس سے آپ کے چچا ابو طالب اور دوسرے اقرباء مراد ہیں ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچائیں لیکن آپ کے دین کو بھی قبول نہ کرتے تھے۔

قال صاحب معالم التنزیل ۲ ص ۹۱ نزلت فی ابی طالب کان یَنْهی الناس عن اذی النبی ﷺ و یمنعهم ویَنْأی عن الایمان بہ و فی تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۷ قال سعید بن ابی ھلال نزلت فی عمومة النبی ﷺ کانوا عشرة و کانوا اشد الناس فی العلانیة و اشد الناس علیه فی السرّ۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (یہ لوگ اپنی گمراہی اور افتراء اور کذب بیانی کی وجہ سے اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں کہ اس طریق کار کا انجام کیا ہوگا)

Marfat.com

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے! ہماری بربادی کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے! بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیئے جائیں تب بھی وہ کام کریں گے جس سے وہ منع کیے گئے اور بلاشبہ جھوٹے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیا والی زندگی اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے، اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے حضور رب تعالیٰ شانہٗ کا سوال ہوگا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے! رب تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ چکھ لو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے

کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے کافروں کا حال بیان فرمایا ہے اور روز محشر کا ایک منظر بتایا ہے فرمایا کہ اگر آپ ان لوگوں کا وہ حال دیکھیں جب وہ دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے تاکہ اس میں داخل کیے جائیں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ کاش! ہم دنیا میں واپس کر دیئے جاتے اور اب وہاں جا کر اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے۔ آپ یہ دیکھیں گے تو عجب منظر ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ ایمان کی رغبت اور محبت کی وجہ سے دنیا میں واپس جانے کی آرزو کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو کچھ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ یعنی کفر اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔ دنیا میں جانے کی آرزو اس لیے کر رہے ہیں کہ عذاب نار سے خلاصی ہو جائے۔

اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے:

مزید ارشاد ہوگا ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا﴾ اور اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ﴿اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (بلاشبہ وہ اپنی اسی بات میں جھوٹے ہیں کہ ہم آیات کی تکذیب نہ کریں گے۔ اور مومن بن جائیں گے)

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ (اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اجی اور کوئی زندگی نہیں ہے بس یہی دنیا والی زندگی ہے) انہوں نے رسولوں کی بات کو نہ اب مانا نہ جب مانیں گے۔ پھر فرمایا

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا﴾ (اگر آپ اس منظر کو دیکھیں جبکہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور اس وقت اللہ جل شانہٗ وعم نوالہ کا سوال ہوگا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ اس پر وہ جواب میں کہیں گے ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے) لیکن اس وقت کی تصدیق کچھ کام نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

Marfat.com

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آجائیگی تو کہیں گے کہ ہائے ہماری حسرت اس پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی، اور وہ اپنے بوجھوں کو اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے خبردار! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہوں گے، اور نہیں ہے دنیا والی زندگی مگر ایک لعب اور لہو البتہ آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا وہ خسارہ مین پڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنا نقصان بھی کیا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے، روز قیامت کا انکار کر دیا۔ اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آجائیگی تو کہیں گے کہ کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی، دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے۔ اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا اور پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ موت کے وقت توبہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر پھینکنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔

پھر فرمایا کہ ﴿وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ (دنیا والی زندگی بس لعب ولہو ہے) یعنی باطل ہے اور غرور ہے نہ اس کو دوام ہے نہ اس کے منافع اور لذتوں کو بقا ہے، اس کے ذریعہ حقیقی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حقیقی حاجت آخرت کی حاجت ہے، دنیا میں جس طرح بچے آپس میں مل کر کھیلتے ہیں کھانے کی دکان بھی کھولتے ہیں اور جھوٹ موٹ کو کھاتے بھی ہیں پھر تھوڑی دیر میں ماں باپ سے کھانا مانگنے لگتے ہیں، اگر ان سے کہا جائے کہ تمہارا ہوٹل کھلا ہوا تھا اس میں سے کیوں نہیں کھاتے اس کا کیا ہوا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ پیٹ تو حقیقی کھانے سے بھرتا ہے، پیاس حقیقی پینے سے بجھتی ہے دنیا چونکہ لہو ولعب ہے اس لیے اس سے آخرت کی حاجتیں پوری نہ ہوں گی۔ وہاں تو مجرم شخص یہ کہے گا۔ ﴿مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ﴾ (مجھے فائدہ نہ دیا میرے مال نے برباد ہو گیا میرا اقتدار) ہاں اسی دنیا میں جو حصہ اللہ کی رضا میں لگا دیا وہ حدود دنیاداری سے نکل گیا وہ آخرت میں کام دے گا۔ بشرطیکہ ایمان پر موت آئی ہو۔

پھر فرمایا ﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ (اور البتہ دار آخرت بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو شرک اور کفر سے بچتے ہیں) لہٰذا دار آخرت کے لیے کوشش کرنا لازم ہے یہاں فنا ہے وہاں بقا ہے یہاں ذرا سا مزہ ہے وہاں اہل تقویٰ کے لیے مستقل دائمی لذت اور آرام ہے۔ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (کیا تم نہیں سمجھتے) کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اعمال صالح کیوں اختیار نہیں کرتے؟ سمجھ سے کام لیں تو کفر و شرک کی قباحت واضح ہو جائے اور ایمان اور اعمال صالح کا اخروی نفع سمجھ میں آجائے۔

Marfat.com

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ
نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ
عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ
بِاٰيَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ
يَسْمَعُوْنَ ؕ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ یقینی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنے والے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذائیں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجیے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایات پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔ بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ فرمائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی آپ فرما دیجیے! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے

مشرکین مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں

معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۳ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ اس وقت یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے سچی بات بتا دے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد (ﷺ) سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہمارے جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب بنوقصی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ ﷺ تھے) کے پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور سقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برادری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کی سرداری بھی انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لیے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کو آپ کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن ان کو اللہ کی آیات سے ضد ہے۔ اللہ کی آیات ان کے اعتقادات اور ان کے شرک کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اس لیے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ﴿وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا﴾ (اور آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے انہوں نے مخالفین کی تکذیب وایذاء رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی) اس میں دو باتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ ان لوگوں کا جھٹلانا اور دکھ اور تکلیف دینا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ انشاء اللہ آپ کے پاس بھی ہماری مدد آ جائے گی۔

﴿وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ (اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کی تفسیر اور ربط بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ (بے شک ہم ضرور ضرور اپنے رسول کی مدد کریں گے) اور فرمایا ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ﴾ (اللہ نے لکھ دیا کہ میں ضرور بالضرور غالب ہوں گا اور میرے رسول) اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ سارے رسولوں کے بارے میں ہے جیسے انبیاء سابقین کی مدد ہوئی آپ کی بھی مدد ہو گی۔ اللہ کے کلمات کو یعنی اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور البتہ آپ کے پاس پیغمبروں کی بعض خبریں آ چکی ہیں یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات آپ کو معلوم ہیں ان کی امتوں نے ان کے ساتھ دشمنی اور ایذاء رسانی کا معاملہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ظالمین اور معاندین ہلاک اور برباد ہوئے آپ بھی صبر کریں اور مدد کا انتظار کریں۔ ﴿وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ (الآیۃ) رسول اللہ ﷺ کو اس کی بہت زیادہ حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کرلے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے تھے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کر کے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے معجزات ظاہر ہو جائیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ موجود تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ہو جائے تو ہم مان لیں گے جب فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا، اللہ جل شانہٗ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کو تلاش کرلیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجیے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اتر کر یا آسمان کے اوپر جا کر ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہیں تو آپ ایسا کر لیجیے۔ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائشی معجزہ دکھا دیجیے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے آپ صبر ہی سے کام لیں اور تکوینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں اس لیے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی﴾ (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا) ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ﴾ (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضا و قدر پر راضی رہیں۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ﴾ (حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو قبول کرنے کے ارادہ سے سنتے ہیں) ﴿وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ (اور مردہ لوگ یعنی کافر جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اٹھائے گا) ﴿ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾ (پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اور اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا پا لیں گے۔

پھر فرمایا ﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (اور ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں اتاری گئی نشانی اس پر اس کے رب کی طرف سے) نشانیاں تو بہت تھیں لیکن جو اپنی تجویز کردہ نشانی چاہتے تھے اس کے بارے میں انہوں نے یہ بات کہی، اس کے جواب میں فرمایا۔ ﴿قُلْ

Marfat.com

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً﴾ (آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے) ﴿وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ ان کا پابند نہیں کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات پیدا فرمائے، فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا نہ فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسے اس بات پر قدرت نہیں ہے۔ اسے قدرت سب کچھ ہے لیکن اس کی تخلیق اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ فرمائش کے مطابق اگر معجزہ ظاہر ہو جائے اور پھر بھی نہ مانیں تو پھر ڈھیل نہیں دی جاتی۔ ان کو صرف عناد ہے قبول کرنا ہی نہیں اور اپنا بھلا برا نہیں جانتے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ
مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ
اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا
تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے یہ سب تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھیروں میں ہیں۔ اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے راستے ڈال دے۔ آپ فرمائیے کہ تم بتاؤ۔ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تمہارے پاس قیامت آ جائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو، بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کی طرف تم اسے پکارتے ہو۔ اور تم جو شرک کرتے ہو اسے بھول جاتے ہو

چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو محشور فرمائے گا

ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ زمین پر جو بھی چلنے والے چلتے ہیں اور جو پرندے اپنے بازوؤں سے اڑتے ہیں سب تمہاری طرح کی امتیں یعنی مختلف جماعتیں ہیں۔ ان کے احوال محفوظ ہیں۔ ان سے متعلقہ امور مقرر ہیں ان کی جو مصلحتیں ہیں ان کے مطابق زندگیاں گزار رہے ہیں سب کو اللہ کی تقدیر اور تدبیر شامل ہے۔

قال صاحب الروح امم امثالکم فی ان احوالها محفوظة و امورها معینة و مصالحها مرعیة جاریة علی سنن السداد منتظمة فی سلك التقدیرات الالهة والتدبیرات الربانیة۔ (ج ۷ ص ۱۴۳)

پھر فرمایا

﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ﴾ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) لوح محفوظ میں ساری کائنات اور اس کے احوال لکھے ہوئے ہیں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو نہ لکھی گئی ہو، جو جانور اور پرندے موجود ہیں اور آئندہ ہونگے تقدیر ان سب کو بھی شامل ہے۔ انسان اور جنات جو مکلف ہیں تقدیر صرف انہی پر مشتمل نہیں۔ بلکہ دوسری مخلوق کو بھی شامل ہے۔

پھر فرمایا ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ﴾ (پھر اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے) یعنی موت کے بعد قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اور پھر اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، معاندین ایسے معجزات کی فرمائش کرتے تھے جن کو اپنے پاس سے تجویز کرتے تھے اور موت کے بعد

Marfat.com

زندہ ہونے کے بھی منکر تھے اور ان کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ اتنی مخلوق ہے اور اتنے انسان ہیں یہ سب مریں گے پھر جئیں گے ان کی یادداشت کیسے رہے گی۔

اس کا استبعاد رفع فرمادیا کہ نہ صرف سارے بنی آدم بلکہ جتنی بھی مخلوق ہے چرند پرندے تمام چوپائے حیوانات سب تمہاری طرح امتیں اور جماعتیں ہیں اور سب لوح محفوظ میں مندرج ہیں اور اس کی تعداد بنی آدم سے بہت زیادہ ہے۔

لوح محفوظ میں اندراج سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔تمہارا اور ان سب کا زندہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔خالق اللہ شانہٗ کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی ایک ایک فرد کا اسے علم ہے وہ ساری مخلوق سے پوری طرح باخبر ہے۔یاد رکھنے کے لیے اسے لکھنے کی ضرورت نہیں پھر بھی سب کچھ کتاب میں لکھ دیا ہے۔

جو قومیں مکلّف ہیں انسان اور جنات ان کا تو حساب ہونا ہی ہے۔جانوروں کو بھی آپس میں بدلے دلائے جائیں گے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم ضرور بالضرور اہل حقوق کے حقوق ادا کروگے یہاں تک کہ بے سینگوں والی بکری کو سینگوں والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔(اگر سینگ والی نے اسے دنیا میں مارا ہوگا) (رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۲۰)

تکذیب کرنے والے بہرے اور گونگے ہیں:

پھر فرمایا ﴿وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُکۡمٌ فِی الظُّلُمٰتِ﴾ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا گونگے اور بہرے ہیں اندھیروں میں ہیں) کفر کی تمام انواع کے اعتبار سے الظلمت (اندھیریاں) جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہل کی ظلمت اور عناد کی ظلمت اور تقلید باطل کی ظلمت مراد ہو۔ کما قال صاحب الروح۔ ﴿مَنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یُضۡلِلۡہُ﴾ (جسے اللہ چاہے گمراہ کرے) ﴿وَ مَنۡ یَّشَاۡ یَجۡعَلۡہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ (اور جسے چاہے صراط مستقیم پر ڈال دے) اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ کے ذمہ جو کام ہے کرتے رہیں یعنی حق کی دعوت دیتے رہیں۔ہدایت دینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں ہے آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔

مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو:

اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰىکُمۡ عَذَابُ اللّٰہِ اَوۡ اَتَتۡکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیۡرَ اللّٰہِ تَدۡعُوۡنَ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۰﴾﴾ (کہ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ تم لوگ جو توحید سے ہٹ رہے ہو اور شرک پر جمے ہوئے ہو۔اگر تمہارے پاس عذاب دنیاوی پہنچ جائے یا قیامت آجائے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے؟)۔

ایسا نہیں ہے بلکہ جب مصیبت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہو اور صرف اسی سے دفع مصائب کا سوال کرتے ہو۔اس وقت معبودان باطلہ کو بھول جاتے ہو۔اگر تم سچے ہو کہ معبودان باطل کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے تو ان کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آڑے وقت میں کیوں متوجہ ہوتے ہو، معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے معبود جو تم نے بنا رکھے ہیں کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنا اور ان کی عبادت محض حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ پھر فرمایا ﴿بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡہِ اِنۡ شَآءَ وَ تَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر وہ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کے دور کرنے کے لیے اسے پکارا اگر وہ چاہتا ہے، اور مصیبت کے وقت ان کو بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے ہو۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَاَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوۡ لَاۤ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَ لٰکِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾

Marfat.com

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم اس کو سختی کے ذریعہ اور تکلف کے ذریعہ پکڑا تاکہ وہ عاجزی کریں۔ سو کیوں انہوں نے عاجزی نہ کی جب ان پر ہمارا عذاب آیا، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھلایا۔ سو جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترائے جو ان کو عطا کی گئی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ سو اس وقت ناامید ہو کر رہ گئے، سو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا، اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں

ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ہم نے ان کے پاس بھی اپنے رسول بھیجے انہوں نے ان کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ ﴿بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ﴾ کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قحط، بھوک، مہنگائی، وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہیں۔ جب ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تاکہ عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع و زاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور معصیت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو یہ خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکالیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہ آئے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیاں کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال و متاع سے نواز دیا۔ خوب آرام و راحت سے عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترائے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول ہی گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے حضور میں جھکیں جب یہ حال ہو گیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کی گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ اور اب بالکل ہی رحمت سے ناامید ہو گئے۔ اور اس طرح سے ظالموں کی جڑ کٹ گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔

﴿وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے) اس نے دکھ تکلیف میں مبتلا کر کے رجوع کرنے کا موقع دیا پھر نعمتوں سے نوازا لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری امت پیدا فرما دی۔ ایک امت ہلاک ہوئی تو دوسری امت نے وہی طرز اختیار کیا جو ان سے پہلی امت کا تھا۔

شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت:

کسی فرد یا جماعت کے پاس جو بھی کوئی نعمت ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا شکر گزار ہو اور اپنے اعضاء و جوارح کو بھی فرماں برداری میں لگائے اور نافرمانی سے بچائے تاکہ صحیح معنوں میں شکر گزار بن جائے۔ اگر کسی فرد یا قوم یا جماعت کے پاس کوئی نعمت ہو تو نہ اس پر اترائے اور نہ نعمت دینے والے کو بھولے۔ اور نہ نافرمانی اختیار کرے، اصل نعمت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری

Marfat.com

کے ساتھ ہو۔اور گنہگاری ہو تو وہ نعمتیں، نعمتیں نہیں رہتیں کیونکہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔وہ گرفت اور عتاب و عذاب کا سبب بن جاتی ہے۔

نعمتیں ہوں اور ان کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں تو یہ اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل ہے اگر نعمتیں ہوں اور نافرمانی ہو اور یہ سمجھے کہ میں اللہ کا مقرب بندہ نہ ہوتا تو یہ نعمتیں مجھے کیوں ملتیں۔یہ حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی سے بے خبری پر مبنی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی محبوب چیزیں دے رہے ہیں تو یہ استدراج ہے (جس کا معنی یہ ہے کہ ڈھیل دے کر نعمتیں عطا فرما کر اسے گناہوں میں ترقی کا اور زیادہ موقع دیا جا رہا ہے تاکہ زیادہ وہ عذاب میں مبتلا ہو) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ آخر تک تلاوت فرمائی۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳)

یہ انسان کی کیسی ناسمجھی ہے کہ نہ نعمت سے صحیح راہ پر آتا ہے اور نہ نقمت اور عذاب سے عبرت حاصل کرتا ہے۔سورۂ اعراف میں فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف کے ذریعہ ضرور پکڑا تاکہ وہ لوگ گڑگڑائیں۔پھر ہم نے بدل دیا سختی کو آسانی سے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پہنچی ہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے)۔

مصائب اور آفات سے عبرت لینے کی بجائے گناہوں پر اصرار کرتے رہنا اور عبرت لینے کی بجائے یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہونا یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے ہمارے آباؤ واجداد بھی دکھ تکلیف میں مبتلا ہوئے اسی طرح ہم پر بھی مصیبت آ گئی ہے یہ اور زیادہ حماقت کی بات ہے مصائب کا سبب گناہوں کو نہ سمجھنا اور گناہوں پر اڑے رہنا اور یہ کہنا کہ یہ تو دنیا میں ہوتا ہی آیا ہے بڑی بدبختی ہے۔اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ

فرح محمود اور مذموم:

فرح عربی میں خوش ہونے کو کہتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک اس بات کی خوشی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت عطا فرمائی کرم فرمایا مہربانی فرمائی، اور پھر زبان اور قلب کے اقرار اور شکر کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کے کاموں میں لگے رہیں۔یہ فرح اور خوشی محمود ہے۔

سورۂ یونس میں فرمایا ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوش ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں)

اور فرح کی دوسری صورت یہ ہے کہ نعمتوں پر اترانے لگے۔خالق کو یاد نہ کرے نعمتوں میں مست ہو جائے اور یہ سمجھے کہ یہ سب چیزیں میرے ہنر سے حاصل ہوئیں۔اور یہ جو ﴿فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا﴾ فرمایا اس سے یہی اترانے والا، نعمتیں دینے والے کو بھلا دینے والا فرح مراد ہے قارون کی قوم نے اس سے کہا ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ (کہ تو مت اترا بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) اس پر قارون نے جواب میں کہا ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے علم ہی کی وجہ سے ملا ہے) دینے والے کو بھولا، اپنے کمال کا مدعی ہوا۔لامحالہ اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسایا گیا مالداری اور تنگدستی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے تنگ دستی میں راہ حق پر اور اعمال صالحہ پر باقی رہنا اور گناہوں سے بچنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ مالداری میں حق پر جمنا اور دین پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۲)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں تنگ دستی کا خوف نہیں لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ دنیا خوب دے دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو دے دی گئی تھی پھر تم اس کی رغبت میں آپس

Marfat.com

میں مقابلہ کرنے لگو جیسے ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے انہیں کر دیا۔ (رواہ البخاری ج اص ۹۵۱ و مسلم ج ۲ ص ۴۰۷)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ
اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ
جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ
اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

آپ فرما دیجیے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں دیدے۔ دیکھ لیجیے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے! اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائیگا۔ اور ہم پیغمبروں کو صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بھیجتے رہے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اصلاح کر لی سو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہمارے آیات کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجیے! کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے

اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرما لے تو کون دینے والا ہے

ان آیات میں انذار اور تبشیر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت کو ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے جس سے نہ دیکھ سکو نہ سن سکو نہ سمجھ سکو تو بتاؤ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دیدے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں۔ پھر اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک بے خبری میں بھی آ سکتا ہے اور خبرداری میں بھی۔ اگر عذاب آ جائے تو ظالم ہی ہلاک ہوں گے لہٰذا ظلم کرنے والے ظلم سے باز آ جائیں۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے اس کو بھی چھوڑ دیں اور دوسرے مظالم سے بھی رک جائیں پھر فرمایا کہ پیغمبروں کو خوش خبری کے لیے اور ڈرانے کے لیے بھیجا جاتا رہا ہے ان کی بشارت کو جس نے قبول کیا اور ان کی بتائی ہوئی وعیدوں پر یقین کر کے جس نے نافرمانیوں کو چھوڑا ایمان قبول کیا اور اپنے احوال و اعمال کو درست کیا سو ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا اور جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نبیوں کی دعوت پر ایمان نہ لائے ان کو نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے:

لوگ یہ سمجھتے تھے کہ نبی مال و دولت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ ہونا چاہئے۔ چونکہ اہل دنیا کے نزدیک دنیا ہی بڑی چیز ہے اس لیے نبوت

Marfat.com

اور رسالت کا مدار بھی مال زیادہ ہونے پر سمجھتے تھے ایسے لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ (آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں) خزانے پاس ہونا نبوت و رسالت اور مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہے۔ جس بات کی دعوت دی جا رہی ہے اس میں غور کرو اور دلائل کر سمجھو جو اثبات رسالت کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔ مالدار ہونے کو نبوت کا معیار بنانا جاہلانہ بات ہے۔

کچھ لوگ یوں کہتے تھے کہ غیب کی باتیں بتاؤ تو ہم آپ کو سچا جانیں ان کو بھی جواب دیدیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے اعلان کرا دیا کہ ﴿وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ (میں غیب نہیں جانتا ہوں) غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے وہ جس کو جتنا چاہے عطا فرما دے اور غیب دانی نبوت و رسالت کی یا مقبولیت عند اللہ کی شرط نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کو آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ مرشدین صالحین اور مصلحین سے رجوع نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ غیب کی خبریں نہیں بتاتے، اور جو شعبدے باز گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اٹکل پچو، کاہنوں کی طرح کچھ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ ان باتوں میں سے کوئی بات ٹھیک نکل جاتی ہے تو ان ہی لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اور ان کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھ لیتے ہیں ان میں بعض لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں۔ کشف شرعاً بالکل معتبر نہیں اور نہ یہ بزرگی کی دلیل ہے کشف بعض مرتبہ فاسقوں بلکہ جانوروں اور دیوانوں کو بھی ہوتا ہے اس کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا غلط ہے ایمان اور اعمال صالحہ اور تقویٰ مدار مقبولیت ہے جو لوگ دنیادار ہیں، بے نمازی ہیں، فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو مرشد بنانا اور ان کا معتقد ہونا بہت بڑی گمراہی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) لہٰذا میرے اندر فرشتوں والی صفات تلاش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے کہ انسانوں کا نبی انسان ہی ہو۔ انسانوں میں گھل مل کر ان کی حاجات کو اور صفات کو جان کر احکام سکھائے۔ قول سے بھی تربیت کرے اور عمل سے بھی۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ ﴿مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ (اس رسول کا کیا حال ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے) یہ ان لوگوں کا جاہلانہ اعتراض تھا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کھانا کھانے کا طریقہ اور بازار کے احکام سکھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نبی کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو متعلقہ احکام کون بتائے۔ منصب نبوت کے متعلق جو ان کے غلط اشکالات یا معاندانہ اعتراضات تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان سب کی تردید فرمائی۔

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ (آپ فرما دیں کہ میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے) میں وحی الٰہی کا بندہ ہوں جو حکم الٰہی ہوتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہوں اور تمہیں بھی وہی بتاتا ہوں آخر میں فرمایا ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ﴾ (آپ فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتا ہے نابینا اور بینا) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس اللہ کی آیات آ گئیں، کلام اللہ سنایا جاتا ہے جس کی بلاغت تمہارے نزدیک مسلم ہے اور جس کے مقابلہ میں تم چھوٹی سی سورت بھی نہیں لا سکتے، اور بھی معجزات ہیں جنہیں دیکھتے رہتے ہو۔ ضد اور عناد کو چھوڑو۔ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور غور و فکر کرو۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ (کیا تم غور نہیں کرتے) اگر غور کریں تو حق قبول کرنے کا راستہ نکل آئے اور سب اعتراضات رفع ہو جائیں۔

علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعت کا عقیدۃ:

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ علم دیا اور علوم غیبیہ کا آپ کے برابر کسی مخلوق کو علم نہیں ہے آپ کا علم تمام اولین و آخرین سے زیادہ ہے۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ جس کو سورۂ آل عمران میں فرمایا ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور سورۂ جن میں فرمایا ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ

Marfat.com

اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ لیکن تمام کائنات اور غیر کائنات کو علم محیط ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس لیے عالم الغیب علی الاطلاق صرف اللہ ہی ہے وہ عالم الغیب بھی ہے اور عالم الشہادۃ بھی۔

جیسا کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ حشر میں فرمایا ہے، اور سورۂ نمل میں فرمایا ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ موت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو تمام علوم غیبی عطا کر دیئے گئے تھے۔ یہ ان لوگوں کا دعویٰ بے دلیل ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ایسی باتیں بتائیں کہ قیامت کے دن ایسا ایسا ہوگا اور مجھے اس کا علم اس وقت دیا جائے گا۔ مثلاً فرمایا کہ حوض کوثر پر میرے پاس بہت سے لوگ آئیں گے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

ان نئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کے خلاف اپنے عقیدے بنا لیے اور رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے برابر بتا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی عالم الغیب کہنے لگے۔

حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا میں جو شفاعت کے لیے سجدہ میں سر رکھوں گا تو اللہ کی وہ حمدیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ میرے دل میں ڈالیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸)

اس سے صاف واضح ہے کہ موت کے وقت سے پہلے بھی سب علوم نہیں دیئے گئے۔ محبت کے دعویدار قرآن و حدیث کی تصریحات بھی نہیں جانتے۔ ہذا من العجائب۔

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۵۵﴾ ع

اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائینگے کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں اور ان لوگوں کو دور مت کیجیے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو چاہتے ہیں اس کی رضا کو، ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کریں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں۔ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں کیا ہمارے درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آجائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت کو مقرر کر لیا ہے۔ کہ جو شخص تم میں جہالت کی وجہ سے کوئی گناہ کر لے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنا حال درست کر لے تو بلاشبہ وہ غفور ہے، رحیم ہے، اور اسی طرح ہم

Marfat.com

تفصیل سے آیات کو بیان کرتے ہیں، تا کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے

صبح وشام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجیے

ان آیات میں اوّل تو رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ آپ ان کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر سے اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح و جُوّز ان یکون حالًا عن ضمیر الا مر ای انذز ھم راجیا تقوٰھم

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجیے۔

فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم:

معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور خباب بن الارت رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن یابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے) جب یہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بلال، صہیب، عمار، خباب اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسا نے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں میں بو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اس وقت اونی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسا نے کہا کہ اگر ان کو ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں اور کچھ حاصل کریں آپ نے فرمایا میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجیے کہ ہمارے لیے کوئی مجلس خاص مقرر فرما دیجیے تا کہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لیے ہمیں لکھ کر دیجیے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلوایا۔ حضرت سلیمان اور خباب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آیت کریمہ ﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرما لیا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (اور آپ ان کے ساتھ جم کر بیٹھے رہیے جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے اور ان کی رضا کو چاہتے ہیں) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے۔ تا کہ آپ بلا تکلف اٹھ کر جا سکیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا الحمد لله الذی لم یمتنی حتیٰ امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک کہ مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ میں اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ معکم المحیا و معکم الممات۔ (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ہی

Marfat.com

ساتھ میرا مرنا ہے)

اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کی رعایت و دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے رب سے لو لگائے رہتے تھے۔ ان کی رعایت و دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤسا نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرما دی اور حضور اقدس ﷺ نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ جو لوگ اپنے ہو گئے ہیں۔ اگر ان کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤسا جو علیحدہ مجلس کے لیے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کر لیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید نہیں فرمائی۔

اس سے جہاں ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤسا عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔

پھر فرمایا ﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں اور آپ کا حساب ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں آپ ان کو دور کر دیں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں) اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ یہ فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم جو آپ کے پاس آتے ہیں اور ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کا باطن ٹٹولنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ آپ ان کے اخلاص کی تفتیش نہ کریں۔ ظاہر حال کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کریں اور ان کو اپنے پاس بٹھائیں اور فیض یاب کریں اور اپنے سے دور نہ کریں اور ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو ترجیح نہ دیں جنہوں نے ایمان قبول کیا ہی نہیں۔

دور کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ ان میں اخلاص نہ ہوتا جب آپ کے ذمہ ان کے اخلاص کی تفتیش نہیں تو آپ ان کو کیوں دور کرتے ہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے متعلق نہیں کہ وہ آپ کی تفتیش کریں۔ بلکہ اس کا تو احتمال بھی نہیں ہے کہ امت اپنے پیغمبر کے باطن کے احوال سے۔ کیونکہ ایمان کے ساتھ یہ بات جمع نہیں ہو سکی۔ محتمل کو متیقن کے ساتھ برابر قرار کر دے کر امت کے تفتیش حال باطنی کی نفی فرما دی۔

جو لوگ یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں ان کے غیر مخلص ہونے کی کوئی ظاہری وجہ نہیں، تو ان کو کیوں دور کیا جائے۔ اس صورت میں ان کو دور کیا جائے گا تو یہ ظلم کی بات ہوگی۔ صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۶۰ میں لکھتے ہیں۔

و انما و ظيفتك حسب ما هو شان منصب الرسالة النظر الى ظواهر الامور و اجراء الاحكام على موجبها و تفويض البواطن و حسابها الى اللطيف الخبير، و ظواهر هؤلاء دعاء ربهم بالغدوة و العشى اه الىٰ ان قال (وما من حسابك عليهم من شى عطف على ما قبلهٗ و جى به مع ان الجواب قدتم بذالك مبالغة فى بيان كون انتفاء حسابهم عليه السلام بنظمه فى سلك مالا شبهة فيه اصلًا وهو انتفاء كون حسابه عليه الصلوٰة و السلام اه)

یہ تقدیر اس صورت میں ہے جبکہ حِسَابِهِمْ اور عَلَيْهِمْ کی ضمیریں ﴿اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ کی طرف راجع ہوں اور بعض مفسرین نے ان ضمیروں کو رؤسا مشرکین کی طرف راجع کیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ غرباء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں جیسا کہ آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر یہ ذمہ داری آپ پر ہوتی یعنی ان کے مسلمان نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ ہوتا تو اس صورت میں آپ ان کی وجہ سے غرباء مسلمین کو مجلس سے ہٹا سکتے تھے اور جب ایسا نہیں تو ان غرباء کو مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔ ﴿فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ میں اسی بے انصافی کو بیان فرمایا۔

متکبرین کی سزا اور مال و دولت پر گھمنڈ کرنے والوں پر تنبیہ:

جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہو۔ یا کسی قسم کا چھوٹا بڑا اقتدار حاصل ہو۔ ان میں ایک یہ بہت بڑا مرض بھی ہوتا ہے کہ وہ غریبوں

Marfat.com

مسکینوں کو حقیر سمجھتے ہیں انہیں اس لائق بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پاس بیٹھیں حتیٰ کہ وہ سلام بھی کریں تو سلام کا جواب دینے میں خفت و ذلت محسوس کرتے ہیں یہ تکبر ہے اور تکبر انسان میں بدترین خصلت ہے۔ یہ صفت انسان کو حق قبول کرنے سے اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اور آخرت میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ متکبروں کو قیامت کے دن انسانوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا ان کے جسم اتنے چھوٹے ہوں گے جیسے چیونٹیاں ہوتی ہیں ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی۔ ان کو دوزخ کے جیل خانے کی طرف چلایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی۔ ان کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳)

مال و دولت پر گھمنڈ کرنا اور اس کی وجہ سے تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا بہت بڑی حماقت ہے۔ مالدار ہونا انسان کا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو انسان کے وجود سے علیحدہ خارجی چیز ہے۔ انسان کے اپنے ذاتی جو عمدہ اخلاق ہیں جن میں تواضع بھی ہے ان سے انسان میں فضیلت آتی ہے۔ اگر مال ہو اور مال کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرے اور اللہ کا شکر گزار بندہ بنے تو یہ بھی بلند اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔ فی نفسہ مالدار ہونا کوئی انسان کی فضیلت اور کمال کی چیز نہیں۔ اہل دنیا میں جو یہ رواج ہے کہ مالدار اور صاحب اقتدار ہی کو بڑا سمجھا جاتا ہے خواہ کافر اور ملحد اور زندیق اور ظالم اور فاسق و فاجر ہی ہو یہ دنیا والوں کی حماقت اور جہالت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان محبوب ہے۔ ایمان والے محبوب ہیں۔ تقویٰ محبوب ہے، اعمال صالحہ محبوب ہیں اس کے ہاں انہیں چیزوں سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور فضیلت کی شان انہی بندوں کو حاصل ہے جن میں تقویٰ ہے۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ جو غریب صحابہ تھے ان کی اللہ تعالیٰ نے قدر دانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کو اپنے پاس سے مت ہٹاؤ۔ اور خود ان کے پاس جم کر بیٹھے رہا کرو۔ اور جن دنیا داروں کو آنحضرت ﷺ اپنے پاس بیٹھا کر تبلیغ کرنا چاہتے تھے ان کی شرط کی طرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ آپ کا جذبہ شفقت پر مبنی تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ایمان قبول کر لیں۔

غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لیے ہے

پھر فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا﴾ ''اور ہم نے اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے بعض کو بعض کے ذریعہ تاکہ وہ کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن پر ہمیں چھوڑ کر اللہ نے احسان فرمایا۔'' اس میں یہ بتایا ہے کہ اس دنیا میں غنی اور فقیر کا جو فرق رکھا گیا ہے اور دوسری حیثیتوں سے جو امتیاز ہے اس میں حکمت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے جو غنی ہیں وہ فقیر کو حقیر سمجھتے ہیں۔

اسی طرح دوسری طرح کی جو چھوٹائی بڑائی پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے بڑے بننے والے چھوٹوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک آزمائش ہے جن لوگوں کو کسی طرح کی برتری حاصل ہے وہ بجائے نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنے کے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں اگر چھوٹے لوگ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ یہ نعمت دینے والے کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کا شکر ادا کرتے۔ لیکن مال و دولت اور اختیار و اقتدار کے نشہ میں دوسروں کو حقیر جاننے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح سے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں اگر سب ہی برابر ہوتے تو کوئی کسی کو حقیر نہ جانتا۔

جو لوگ مال و دولت اور اقتدار والے ہیں ان کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کو ہر خیر کا مستحق سمجھتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کو دینی برتری ملنے کا بھی اہل نہیں سمجھتے اور وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ پھٹیچر جن کے پاس ایک وقت کا کھانے کو نہیں اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت مل جائے اور ہم ہدایت سے محروم رہ جائیں۔ جس دین کو انہوں نے اختیار کیا ہے اگر یہ ہمارے دین سے بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسے کیوں اختیار کرتے۔

سورہ احقاف میں فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ ''اور کافروں نے مومنین کے بارے میں کہا کہ اگر یہ چیز بہتر ہوتی جو انہوں نے اختیار کی ہے تو یہ ہم سے آگے نہ بڑھ جاتے۔'' دولت مند ہر طرح کی دینی و دنیاوی برتری کو اپنا

Marfat.com

پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے دین کے خلاف دوسرا دین اختیار کیا اگرچہ دلائل واضح کے اعتبار سے وہ حق ہے لیکن چونکہ ہم نے اختیار نہیں کیا اس لیے وہ قابل قبول نہیں اس طبقہ کے لوگوں نے اپنا یہ حق خود سے تجویز کرلیا ہے اپنے خالق و مالک کے قانون تکوینی اور تشریعی کو نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جس نے ہمیں مال دیا وہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔ مالدار ہی دین حق پر ہوں اور غریب ہی باطل پر ہوں یہ کوئی قانون تکوینی نہیں ہے۔ جسے اللہ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے وہ غریبوں کو حقیر جاننے کی بجائے منعم حقیقی کی طرف رجوع کرے۔ اور وہ طریقہ تلاش کرے جو اس کے رب کو پسند ہے اور ناشکری و نافرمانی سے پرہیز کرے اور جب حق بات پہنچ جائے تو اسے فوراً قبول کرے۔ چونکہ غریبوں نے حق قبول کرلیا ہے اس لیے ہم اسے قبول نہیں کرتے بلکہ ہم اسے حق سمجھتے ہی نہیں مالداروں کا یہ خیال سراپا تکبر ہے۔ جو حماقت پر مبنی ہے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا ﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ﴾ ''کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب نہیں جانتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ شکر گزار بندے کون ہیں۔ غریبوں کے پاس مال نہیں پھر بھی شکر گزار ہیں اور یہ شکر گزاری کی صفت ان کے لیے حق بات کے اختیار کرنے اور حق پر جمنے کا ذریعہ بن گئی۔ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہے وہ ناشکرے ہیں۔ اپنے کبر اور کفران نعمت کو نہیں دیکھتے۔ ان غریبوں کو دیکھ کر نفرت کر رہے ہیں۔ جن پر اللہ نے فضل فرمادیا اور ہدایت کی نعمت سے نواز دیا۔

زمانہ نبوت میں ایسے متکبر تھے جن کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں دین سے وابستہ رہنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں یہ لوگ اسلام کے دعویدار بھی ہیں لیکن اسلام پر چلنے والوں اور اسلامی اعمال اختیار کرنے والوں کو اور اسلامی امور سے نسبت رکھنے والوں کو حقیر جانتے ہیں۔ کہ ان کے کپڑے پھٹے ہیں، رہنے کا گھر کچا ہے، بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔

مسجد و مدرسہ سے تعلق رکھنے والے مالداروں کی نظروں میں حقیر ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اسلام کے سب سے پہلے موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نام پر اپنے بچوں کا نام رکھنے کو تیار ہیں لیکن اپنے بچے کو موذن تو کیا بناتے اذان دینے والے کو حقیر جانتے ہیں۔ اور مسجد کی روٹیاں کھانے والے کہہ کر اس کی آبرو گھٹاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ مسجد کی روٹیاں کھانا حرام کھانے سے کہیں برتر اور بہتر ہیں یہ جو رشوت اور سود لے کر دولت جمع کی ہے اور حرام محکموں میں ملازمت کر کے جو کیش جمع کیا ہے جب آخرت میں وبال بنے گا اور مسجد کا موذن بخشا ہوا جنت میں جائے گا اس وقت اس تکبر اور مالداری کا اور نفرت کرنے کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

مالداری اور غریبی مقبولیت عنداللہ کا سبب نہیں ہے:

جیسے مالدار ہونا فضیلت کا اور اللہ کی نزدیکی کا سبب نہیں اسی طرح غریب مسکین ہونا بھی اللہ کی نزدیکی یا فضیلت یا برتری کا سبب نہیں ہے۔ اللہ کی نزدیکی اور اللہ کے ہاں فضیلت اور برتری ایمان اور اعمال صالحہ اور فرائض کی پابندی سے اور گناہوں کو چھوڑنے سے ہے۔ جس طرح بہت سے مال داروں میں تکبر ہے اور اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ فرائض و واجبات کے تارک ہیں اسی طرح بہت سے غریب اور مسکینوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ خواہ مخواہ مالداروں پر حسد کر کے مرے جا رہے ہیں اور بہت سے ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور کفر کے کلمات کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو دیا اور ہم کو نہ دیا۔ ایسی غریبی بھی وبال ہے اور باعث مواخذہ اور باعث عذاب ہے امیر ہو یا غریب سب پر لازم ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کریں بلند اخلاق اختیار کریں گناہوں سے بچیں متقی بنیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو زندگی گزارنے کا ایک طریقہ بتایا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال میں اور شکل و صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اپنے سے نیچے والے کو بھی دیکھ لے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷)

دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تاکہ عبرت ہو اور یہ سمجھ میں آئے کہ اللہ نے ہمیں ہزاروں لاکھوں افراد سے بہتر بنایا ہے اور

Marfat.com

بہت زیادہ دیا ہے اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو جو اپنے سے زیادہ دیندار ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں ان کے برابر ہونے بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی حرص کرے۔

مساکین صالحین کی فضیلت:

آیت شریفہ میں جن مسکینوں کی فضیلت بتائی ان کی تعریف میں فرمایا ﴿یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ﴾ ''کہ یہ لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اسی کی رضامندی کے طالب ہیں۔'' جو غریب اس صفت سے متصف ہیں ان کو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے لیکن اعمال کی وجہ سے ہے غریبی کی وجہ سے نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اور غریبی بھی ہو تو قیامت میں اس کا یہ فائدہ پہنچ جائے گا کہ مالداروں سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ضعفاء مہاجرین کے پاس بیٹھ گیا (جن کے پاس مال نہ تھا اور کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ) ان میں سے بعض بعض کے ذریعہ آپس میں پردہ کرتے تھے۔ (یعنی اس ترتیب سے بیٹھے تھے کہ ایک کی نظر دوسرے کی ران وغیرہ پر نہ پڑے) ایک شخص ان میں سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا وہ اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ قریب میں تشریف لا کر کھڑے ہو گئے آپ کے تشریف لانے پر قرآن پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ پھر فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ ہم کان لگا کر اللہ کی کتاب کو سن رہے تھے آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَھُمْ ''کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے میری امت میں ایسے افراد بنا دیئے جن کے ساتھ مجھے جم کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔''

اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا جس پر حاضرین نے حلقہ بنا لیا اور سب کے چہرے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اے مہاجرین کے مسکینو! تم اس بات کی خوشخبری قبول کر لو کہ تمہیں قیامت کے دن نور تمام (پورا نور) عطا کیا جائے گا تم مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کا ہو گا۔ (رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۰)

پھر فرمایا ﴿وَ اِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ﴾ (اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو آپ سلام علیکم کہیں) اور یہ بھی کہیں ﴿کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ﴾ (کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہے)۔

جن حضرات کا اوپر ذکر تھا کہ انہیں اپنے سے دور نہ کرو اس میں ان کی دلداری کا حکم فرمایا کہ آپ ان کے لیے سلامتی کی دعا کریں اور ان کو بتا دیں کہ تمہارا رب رحیم ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا۔ تمہارے ایمان اور عمل صالح کا اجر ضائع نہیں ہو گا۔

پھر فرمایا ﴿اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِہٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (کہ تم میں سے جس نے کوئی گناہ کر لیا نادانی کے ساتھ پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی سو وہ بخشنے والا رحیم ہے)۔

لفظ جہالت جس کا ترجمہ ہم نے نادانی سے کیا ہے اس سے علمی جہالت مراد نہیں۔ عملی جہالت مراد ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ جو بھی گناہ ہوتا ہے وہ عملی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کرنا اور اس کے مواخذہ پر نظر نہ رکھنا یہ ایک طرح سے جہالت نادانی اور حماقت ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ (اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ ای وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُھُمْ نفعل ما نفعل من التفضیل یعنی آیات کے بیان کرنے کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجرمین کا راستہ کیا ہے (یعنی ان کا کیا انجام ہونے والا ہے)

Marfat.com

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ
اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا
تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا
تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

آپ فرما دیجیے! بے شک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجیے! میں تمہارے خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔ ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔ آپ فرما دیجیے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرما دیجیے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے

گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت

ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کر سکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دے دوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں (العیاذ باللہ) خدانخواستہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔ یہ وہی مضمون ہے جس کا سورۂ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور رسول اللہ ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضحہ میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اس کی تکذیب کر رہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لا کر دکھاؤ۔ ہمارے انکار و تکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ میرے اختیار میں نہیں۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ تکوینی اور تشریعی حکم کا صرف وہی مالک ہے۔ وہ عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آ جائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت وحماقت کی بات ہے حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو بیان فرما دیا۔ دلائل سے واضح کر دیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آ جانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی اپج ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا وہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے واضح طور پر حق کا بیان ہو جانا کافی ہے۔ ﴿یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾

ثالثاً یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیں کہ جس چیز کی تم جلدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عذاب آ گیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے تم واضح حق کو نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کر رہے ہو حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔

Marfat.com

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ
اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ
الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ
اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے، اور نہیں گرتا ہے کوئی پتا مگر وہ اس کو جانتا ہے، اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چیز اور خشک چیز مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔ اور وہی ہے جو تمہیں قبضہ میں لیتا ہے رات کو۔ اور جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے۔ تاکہ پوری کر دی جائے میعاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے

اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، بر و بحر میں جو کچھ ہے وہ سب اس کے علم میں ہے

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ کے علم کی وسعت قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اجمالی طور پر علم الٰہی کو بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے اور ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ کا عموم ہر چیز کے علم کو شامل ہے۔ اس کا عموم موجودات، معدومات، ممکنات ممتنعات سب کے علم کو شامل ہے۔ اور سورۂ تغابن میں فرمایا ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اور سورہ یونس میں فرمایا ﴿وَ لَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور سورہ طلاق میں ہے۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ سورہ نمل میں فرمایا ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ آیت بالا میں یہ بیان فرمایا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں انہیں صرف وہی جانتا ہے۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے۔ ہزاروں قسم کی مخلوق ان کی اجناس اور انواع واصناف اور ان کے افراد اسے ان سب کا علم ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو بھی کوئی پتا گرتا ہے اسے اس کا علم ہے اور زمین کی اندھیریوں میں (زمین کے اندر ساتویں زمین کی منتہٰی تک) اور زمین کے اوپر جو بھی کوئی چیز ہے تر ہو یا خشک ہو اور جہاں بھی ہو وہ سب کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رطب سے مراد وہ ہے جو اگتا ہے اور یابس سے مراد وہ ہے جو اگتا نہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رطب و یابس سے تمام اجسام مراد ہیں اس لیے کہ اجسام کی دو قسمیں ہیں یعنی رطب اور یابس، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رطب سے حی یعنی زندہ اور یابس بے جان چیزیں مراد ہیں۔

مفسرین کی ایک جماعت نے کتاب مبین سے لوح محفوظ کو مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور ابدی ہے اسے جاننے یاد رکھنے کے لیے کسی کتاب کی ضرورت نہیں لوح محفوظ میں لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا رہے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا رہے کہ یہ سب معلومات الٰہیہ میں سے ہے اور مخلوقات الٰہیہ میں سے ہے اور ایک یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ مکلّف ہیں وہ یہ یقین کر لیں کہ ہمارے اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گئی ہو۔ اس کتاب کو لوح محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف سے اور شیاطین کے وہاں تک پہنچنے سے محفوظ ہے کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۲)

علم غیب صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے وہ جس مخلوق کو جتنا علم عطا فرما دے اسی قدر علم حاصل ہو جاتا ہے۔ آلات کے ذریعہ جو علم ہو وہ

Marfat.com

علم غیب نہیں بعض بے علم لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بارش آنے کا علم پہلے سے ہو جاتا ہے یا رحم مادر میں جو ہے اس کے نر مادہ ہونے کا علم ماہروں کو ہو جاتا ہے اس لیے یہ علم غیب ہوا۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ بارش کا جو پتہ چل جاتا ہے وہ آلات کے ذریعہ ہواؤں کا رخ دیکھ کر پتہ چلاتے ہیں اور وہ بھی حتمی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ سے ہے اور آلات کے بغیر ہے آلات نہیں تھے جب بھی سب کچھ جانتا تھا اسی طرح مادہ منویہ کے تجربات سے اور ایکسرے وغیرہ سے نر و مادہ کا معلوم ہو جانا بھی علم غیب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم کے لیے نہ آلات کی ضرورت ہے نہ تجربات کی اسے تو ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے معلوم ہے کہ ان کی کتنی نسل ہو گی اور ان کی نسل میں کس کس مرد اور کس کس عورت سے کون کون پیدا ہو گا۔

پھر فرمایا ﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ ﴾ (اللہ وہی ہے جو تمہیں اٹھالیتا ہے رات کو) اس سے سلا دینا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نیند کو طاری فرما دیتا ہے جو ایک گونہ روح قبض کرنے کا ذریعہ ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا ﴿ اَلنَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ ﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۰) کہ نیند موت کا بھائی ہے۔ یہ سلانا اور پھر جلا دینا سب اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہے جو دوبارہ زندہ ہونے کا نمونہ ہے۔ ﴿ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ﴾ اور وہ جانتا ہے جو دن میں تم اعمال کرتے ہو، چونکہ عام طور پر رات ہی کو سوتے ہیں اور دن کو کام کرتے ہیں اس لیے نیند کو رات کی طرف اور کسب عمل کو دن کی طرف منسوب فرما دیا۔ ورنہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں رات کو کام کرتے ہیں۔ ان کا بھی ہر عمل اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ سونا اور جاگنا انفرادی موت و حیات ہے اور وقوع قیامت اجتماعی موت ہے۔

اور اس کے بعد زندہ ہو جانے کا نام بعث و نشور ہے۔ دنیاوی زندگی گزر رہی ہے کبھی خواب ہے کبھی بیداری۔ خواب عارضی موت ہے اور ہر شخص کو حقیقی موت بھی آنی ہے اس حیات دنیوی کے لیے باری تعالیٰ شانہ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے جب یہ مدت پوری ہو جائے گی تو مقرر اجل آئے گی۔

﴿ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے یعنی بیدار کرتا ہے تاکہ وقت مقررہ پورا کر دیا جائے، دنیا کی بیداری اور خواب اور موت و حیات اور اکتساب اعمال کو بیان فرمانے کے بعد قیامت کی حاضری کا ذکر فرمایا ﴿ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (پھر اس کی جانب تم کو لوٹ کر جانا ہے پھر تم کو بتا دے گا جو تم کرتے تھے)۔ مطلب یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کا گزرنا یونہی نہیں ہے، اس میں جو اعمال کرتے ہو قیامت کے دن وہ سامنے آئیں گے اور ان کا نتیجہ بھی سامنے آئے گا۔ ہر شخص کو وہاں کی فوز و فلاح اور کامیابی کے لیے فکرمند ہونا چاہیے۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والا بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ جاتی ہے تو اس کو ہمارے فرشتے قبض کر لیتے ہیں، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے خبردار! اسی

Marfat.com

کے لیے حکم ہے۔اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے۔آپ فرمایئے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے،تم اسے چپکے سے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے،آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے،پھر تم شرک کرتے ہو

اللہ غالب ہے وہ نگرانی کرنے والے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کرسکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا ﴿وَ یُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَةً﴾ اور وہ تم پر اپنے نگران بھیجتا ہے۔اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا ﴿وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ﴾ (اور تمہارے اوپر نگران ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں۔اور بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورہ رعد میں فرمایا ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ یَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ﴾ اگر عموم لفظ سے دونوں قسم کے فرشتے مراد لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں۔اعمال لکھنے والے فرشتے حسنات اور سیئات لکھتے ہیں۔جس میں اقوال و اعمال سب آجاتے ہیں۔

سورہ ق میں فرمایا ﴿مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡهِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ﴾ (انسان جو بھی کسی بات کا تلفظ کرتا ہے تو اس کے پاس نگران موجود ہے تیار)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۶۲ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا: ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا﴾ (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اس کو اٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی بھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کار مفوضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اجل آپہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۱۶۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے اعوان یعنی مددگار مراد ہیں۔﴿وَ هُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ﴾ (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے) ﴿ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰهُمُ الۡحَقِّ﴾ (پھر وہ واپس کیے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی اور واقعی مالک ہے)۔

﴿اَلَا لَهُ الۡحُکۡمُ وَ هُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ﴾ (خبردار! اسی کے لیے حکم ہے وہی فیصلے فرمائے گا۔وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے) جن لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔ان کے مختلف احوال اور مختلف اعمال ہوں گے۔کسی کا حساب جلدی اور کسی کا دیر میں ختم ہوگا لیکن اگر اللہ تعالیٰ سب ہی کا حساب ذرا سی دیر میں فرمانا چاہیں تو فرما سکتے ہیں۔فانه لا یشغله حساب عن حساب و لا شان عن شان۔

پھر فرمایا ﴿قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ﴾ (آپ فرما دیجئے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں

Marfat.com

میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ظلمات البر والبحر سے شدائد یعنی سختیاں اور مشکلات ومصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اللہ کی طرح رجوع کرتا ہے۔ جولوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ ﴿تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ اور یوں کہتے ہو ﴿لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گزاروں میں سے ہوجائیں گے) یعنی آئندہ ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ (اللہ تمہیں اس مصیبت سے اور ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے)۔ ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ (پھر تم شرک کرنے لگتے ہو) مصیبت میں خالص اللہ کو پکارتے ہو۔ اور شکر گزاری کے وعدے کرتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت دور فرمادیتا ہے تو سب وعدے بھول جاتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

سورہ یونس میں فرمایا ﴿فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (سوجب ان کو اللہ نے نجات دیدی تو وہ اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں) سورہ عنکبوت میں فرمایا۔

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ وَ لِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ (پھر جب کشتی میں سوار ہوجاتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اسی کے لیے عبادت کو خالص کرکے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمتوں کی اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں سو عنقریب وہ جان لیں گے) یہ مشرک انسان کا مزاج ہے کہ مصیبت میں اللہ کی طرف اور آرام میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

آپ فرمادیجیے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑادے تم کو مختلف جماعتیں کرکے اور چکھادے ایک کو دوسرے کی سختی۔ آپ دیکھ لیجیے کہ ہم کیسے مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں، اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرمادیجیے کہ میں تم پر داروغہ بناکر مقرر نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے

اللہ اس پر قادر ہے کہ اوپر سے یا نیچے سے عذاب بھیج دے یا آپس میں جنگ کرادے

انسانوں کو بحر و بر میں جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور جن مصائب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ان کے دفعیہ کے لیے اخلاص کے ساتھ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں۔ پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو ساری دعائیں بھول جاتے ہیں یہ تو ان مصیبتوں کا حال ہے جن میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور بے شمار مصیبتیں ایسی ہیں جو پہنچتی ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اوپر سے عذاب بھیج دے پتھر برسا کر ہلاک کر دے۔ بہت زیادہ بارش بھیج دے یا سخت چیخوں کی آوازیں آجائیں، اور اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بندوں پر نیچے سے عذاب بھیج دے۔ سیلاب آجانا۔ زمین میں دھنس جانا۔ یہ نیچے سے عذاب آنے کی صورتیں ہیں اوپر اور نیچے دونوں جہتیں بیان فرمادیں جن سے عام طور پر عذاب آنے کا تصور ہوسکتا ہے ورنہ اللہ کو ہر چھ جہت سے عذاب بھیجنے کی قدرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے۔

اللّٰھم احفظنی من بین یدی و من خلفی و عن یمینی و عن شمالی و من فوقی وَ اعوذبك بعظمتك ان اغتال من

Marfat.com

تحتی یعنی الخسف۔ ''اے اللہ! میری حفاظت فرما! میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں آپ کی عظمت سے اس کی پناہ لیتا ہوں کہ اپنے نیچے سے ہلاک کر دیا جاؤں۔'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۰)

اس روایت میں ان اغتال من تحتی کی تفسیر خسف یعنی زمین میں دھنسا جائے جانے سے کی ہے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

سورہ ملک میں فرمایا ﴿ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ﴾ (کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ تم پر ایک تند ہوا بھیج دے پھر عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا ہے میرا ڈرانا)۔

﴿اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ (یا بھڑادے تم کو گروہ گروہ کر کے اور چکھادے بعض کو بعض کی سختی) یہ حاصل ترجمہ ہے، مفسر ابوالبرکات نسفی اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں ج ۲ ص ۱۷ لکھتے ہیں۔

او یخکطلم فرقا مختلفین علی اهواء شتی کل فرقه منکم مشایعة لا مام و معنی خلطهم ان ینشب القتال بینهم فیختلطوا و یشتبکوا فی ملاحم القتال۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے مختلف فرقے بنادے جن کے اھواء و افکار مختلف ہوں۔ ہر فرقہ اپنے اپنے پیشوا کے پیچھے چلتا ہو۔ خلط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ کھڑی ہو جائے اور قتل و قتال کے معرکہ میں خلط ملط ہو جائیں اور ایک فریق دوسرے فریق میں گھس جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ تمہارے بہت سے فرقے بنا کر آپس میں جنگ کرادے اور بعض کو بعض کی قدرت و طاقت اور دشمنی کا مزہ چکھادے۔ یہ بھی ایک سزا ہے نہ تو آسمان سے آتی ہے اور نہ زمین سے نکلتی ہے۔ انسانوں کے اپنے افکار و تصورات اور معتقدات کی بناء پر فرقے بن جاتے ہیں اور آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اور یہ عذاب بہت بڑا عذاب ہے۔ پہلی امتوں پر بھی آتا رہا ہے اور اس امت میں بھی اس کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم (تابعی) نے بیان کیا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض بالسیوف (تم لوگ میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کیا کرو گے۔)

حضرت حسن (تابعی) نے فرمایا کہ

﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ﴾ مشرکین کے لیے ہے ﴿اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ مسلمانوں کے لیے ہے۔ (درمنثور ج ۳ ص ۲۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی معاویہ کی مسجد پر گزرے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے لمبی دعا کی اور اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ مجھے دو چیزیں عطا فرما دیں اور ایک کو قبولیت سے منع فرما دیا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ فرمانا یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور میں نے یہ سوال کیا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ فرمانا۔ میری یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور میں نے سوال کیا کہ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو تو اس بات کو قبول نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ ج ۲)

کبھی کبھار کہیں سیلاب آجائے کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا قحط سے کچھ لوگ مر جائیں یہ دوسری بات ہے قحط سے یا غرق سے پوری امت ہلاک نہ ہوگی۔ اس کی دعا اللہ جل شانہٗ نے قبول فرمالی ہے پھر فرمایا

﴿اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ﴾ (آپ دیکھ لیجیے ہم کیسے آیات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھیں) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مختلف طریقوں سے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان فرمائے تاکہ سمجھنے والے غور و فکر کریں اور سمجھنے کا ارادہ کریں

Marfat.com

تو سمجھ لیں۔

﴿وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ﴾ (اور آپ کی قوم نے اس عذاب کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے) ﴿قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ (یعنی اگر وہ یوں کہیں کہ عذاب کب آئے گا تو آپ جواب دیدیں کہ میں تمہارے اوپر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ عذاب کا لانا میرے بس میں نہیں ہے اللہ جب چاہے گا لے آئے گا۔

پھر فرمایا ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ (ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے) مطلب یہ ہے کہ جو خبریں دی گئی ہیں یہ محض خبریں ہی نہیں ہیں ان کے وقوع اور حصول کا وقت مقرر ہے جو اللہ کے علم میں ہے مقررہ وقت آ جائے گا تو اس کا ظہور ہو جائے گا اور تمہیں عنقریب تکذیب کی سزا معلوم ہو جائے گی۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَ مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ لٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ ذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جا! یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ اور جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں، اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ اور قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کیجیے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لیے اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے پھنس گئے۔ ان کے لیے پینا ہے گرم پانی سے، اور درد ناک عذاب ہے، کفر کرنے کی وجہ سے

ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق بنایا جا رہا ہو

بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمین اور مشرکین ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ مشرکین کو قرآن مجید کا احترام نہ تھا۔ بیٹھے بیٹھے اہل ایمان کے سامنے قرآن مجید کا مذاق بنانے لگتے تھے اور امور دین پر طعن کرنے لگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ ہاں جب اپنی اس حرکت بد کو چھوڑ دیں اور دوسرے کسی کام میں مشغول ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ اگر وہ استہزاء اور تمسخر کر رہے ہوں اور تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھے رہو تو جب یاد آ جائے اٹھ جاؤ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گزرا ہے۔ وہاں اس آیت کا حوالہ دے کر فرمایا ہے۔ ﴿وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ

Marfat.com

ایٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَ یُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ﴾ (سورۂ نساء آیت ۱۴۰)

اہل کفر سے اگر بالکل ہی دور رہیں تو ان کو حق بات کیسے پہنچائی جائے۔ اور نصیحت اور موعظت کا راستہ کیسے نکالا جائے۔ اس کے لیے ملنے کی ضرورت ہوتی ہے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ مَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ لٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ (اور جولوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں)۔

اگر دینی یا دنیاوی ضرورت سے ان کے پاس جانا ہو جائے تو جو لوگ ایمان میں مضبوط اور منکر کو منکر جانتے ہوئے اپنی ذات کو محفوظ رکھ سکتے ہیں ان پر ان لوگوں کے حساب یعنی باز پرس اور طعن کرنے کے گناہ کا کوئی اثر نہ ہوگا جو تمسخر و استہزاء میں مشغول ہوں، یہ لوگ ان کے پاس جائیں ان کو نصیحت کریں۔ ممکن ہے نصیحت ان لوگوں کے حق میں کارگر ہو جائے اور وہ طعن و تشنیع اور عیب جوئی سے پرہیز کریں، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرلیں۔

صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۸۴ نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ مشرکین جب قرآن کریم کا استہزاء کرنے لگیں اور ہم اسی وقت وہاں سے اٹھ جائیں۔ پھر تو مسجد حرام میں نہیں بیٹھ سکتے۔ اور بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ مشرکین تو اپنی حرکت سے باز آنے والے نہیں) اس پر آیت ﴿وَ مَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتا دیا گیا کہ جب تم اپنے اعمال میں لگے ہوئے ہو ان کی مجلس میں شریک نہیں ہو تو تم پر ان کے اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور جب اختلاط ہو جائے تو ان کی نصیحت اور خیر خواہی سے بھی غافل نہ ہونا۔ ممکن ہے نصیحت اثر کر جائے۔

لہو و لعب والوں کو چھوڑ دیجیے جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا:

اس کے بعد فرمایا ﴿وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّ لَھْوًا﴾ (الآیۃ) پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ جو لوگ آیات کا تمسخر و استہزاء کر رہے ہیں ان سے اعراض کرو اور ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان سے اعراض کرنا کوئی مجلسوں کی شرکت کرنے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مستقل یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو (یعنی ترک کرنے اس دین اسلام کو جو ان کے لیے اللہ پاک نے بھیجا ہے) لہو و لعب بنا لیا ہے۔ ان کو چھوڑے رکھو ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اسی کی لذتوں میں مشغول ہیں اور آخرت سے غافل ہیں لیکن اس اعراض اور ترک تعلقات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے۔ اس قرآن کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے رہو۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کی وجہ سے عذاب میں نہ پھنس جائے اور ہلاک نہ ہو جائے۔

دنیا میں جو لوگ ہدایت سے دور ہیں حق قبول نہیں کرتے آخرت میں ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست و سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ رسول کا کام تو دعوت دینا اور واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ تاکہ اس کی دعوت قبول کر کے آخرت کی پکڑ اور عذاب سے محفوظ ہو جائیں لیکن اگر کوئی شخص اس ہدایت کو نہیں مانتا تو وہ اس کی اپنی حماقت ہے۔

میدان قیامت میں نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا ہوگا۔ اور اس وقت جو لوگ عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے وہ چاہیں گے کہ کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں اول تو وہاں فدیہ یعنی جان کا بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہوگا اور بالفرض ہو بھی اور ہر طرح کا عوض دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی عوض اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ وَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں اس مضمون کو بالتصریح بیان فرمایا ہے۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا﴾ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں پھنس گئے) ﴿لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ (ان کے لیے پینا ہے گرم پانی سے) جو بہت گرم ہوگا۔ سورہ محمد میں فرمایا ﴿وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ (اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا)۔

فائدہ: مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو ایسی مجلسوں اور محفلوں میں جانا اور شریک ہونا ممنوع ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ ﷺ کی یا کتاب اللہ کی یا دین خداوندی کی یعنی اسلام کی تکذیب کی جاتی ہو یا ان کا مذاق اڑایا جارہا ہو۔ جن ملکوں میں مسلمان رہتے اور بستے ہیں ان میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور دشمنان اسلام اپنی اسلام دشمنی میں دین اسلام کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ کا تمسخر کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس کے لیے مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ ڈرامے تیار کرتے ہیں، مسلمانوں کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

مسلمان جہالت اور حماقت سے ان میں شریک ہو جاتے ہیں اور ملنساری سمجھ کر گوارا کر لیتے ہیں اسی طرح بعض دشمنان اسلام ایسے مضامین اور ایسی کتابیں شائع کر دیتے ہیں جن میں اسلام اور قرآن کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے بے علم سٹوڈنٹس ریسرچ وغیرہ کے عنوان سے ان کو پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ایسے اجتماعات میں شرکت اور ایسے رسائل کا پڑھنا حرام ہے۔ اپنے دین کا مذاق اپنے کانوں سے سننا یا اپنی آنکھوں سے ایسے رسائل پڑھنا نہایت بے غیرتی کی بات ہے اگر کہیں غلطی سے کسی ایسے اجتماع میں شرکت کر لی جس میں دین اسلام کی کسی بھی چیز کا استہزاء کیا جارہا ہو تو علم ہو جانے پر اسی وقت وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں اور ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پر عمل کریں۔

البتہ بعض ایسی صورتیں سامنے آجاتی ہیں کہ دشمنوں کی باتوں کا توڑ کرنا ضروری ہوتا ہے اور ان کو منہ توڑ جواب دینا لازم ہوتا ہے ایسی نیت سے وہاں پہنچنا جائز ہے مگر اسی شخص کے لیے جو ان کا جواب دے سکے۔

آج کل مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو تو پڑھتے ہی نہیں۔ بیس بیس سال دنیاوی علوم کی ڈگریاں حاصل کرنے میں لگا دیتے ہیں لیکن اسلام کے عقائد اور ارکان سے اور قرآن و حدیث اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لیے دشمن کے اعتراضوں کو پیتے چلے جاتے ہیں ان کے جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اور بعض تو ان کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات جگہ پکڑ لیتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احساس کمتری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے اعتراض سنتے رہتے ہیں۔ اور کافروں پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

ایسے لوگوں کے لیے بالکل اختلاط اور میل ملاپ حرام ہے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے مستشرقین کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور اعتراضات ہی کا سبق دیتے ہیں اور انہوں نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے مطابق جواب ملنے سے ڈگری ملتی ہے پھر مسلمان طلباء آکر اپنی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں جو دشمنان دین سے سیکھ کر آتے ہیں۔ ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہونا بالکل حرام ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ

Marfat.com

وَهُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ۚ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾

آپ فرما دیجیے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں ضرر نہیں دیتا، اور کیا ہم اس کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو۔ اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ اس کے ساتھی ہیں جو اسے بلاتے ہیں کہ ہدایت کی طرف آ جا ہمارے پاس۔ آپ فرما دیجیے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا سو وہ ہو جائے گا، اور اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائیگا۔ وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو۔ اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے

صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے

تفسیر درمنثور ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کر لو اور محمد ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ اس پر آیت کریمہ ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا﴾ نازل ہوئی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور مثال ایک شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جو کہ راستہ سے بھٹک گیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے اسے صحیح راستہ کی طرف بلا رہے ہیں اور جنگل میں جہاں وہ راہ گم کر چکا تھا وہاں شیاطین بھی موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی خواہشوں پر چلانا چاہتے ہیں۔ اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے۔ اگر وہ شیاطین کی طرف جاتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔ اور اگر اپنے ساتھیوں کی آواز پر جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بت پرستی کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دیدو کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع و ضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع و ضرر نہیں دے سکتے اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت مل جانے کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ خدانخواستہ العیاذ باللہ! اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری وہی مثال ہو جائیگی جیسے کوئی شخص جنگل میں راہ بھٹکا ہوا کھڑا ہو اسے شیاطین نے حیران و ہلکان کر رکھا ہو وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں۔

خدانخواستہ اگر ہم کافروں کی بات مان لیں تو ہماری وہی حالت ہو جائے گی جو اس حیران پریشان شخص کی حالت ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ (آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نواز دیا تو اب کفر و شرک کی طرف کیوں جائیں؟ ﴿وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین ہی کے فرماں بردار رہیں) ﴿وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ﴾ (اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو) ﴿وَ هُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ (اور وہی رب العالمین ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے) جب اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو

Marfat.com

جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اس کی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ (اور ہمارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی بالکل ٹھیک طریقے پر پیدا فرمایا) ﴿وَ یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ (اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ ہوجا بس ہوجائے گا) یعنی قیامت کے دن کا حشر ونشر، کچھ بھی مستبعد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کن فرمادینا ہی اس کے وجود میں آجانے کے لیے کافی ہے۔

﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ (اس کا فرمادینا حق ہے) ﴿وَ لَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ﴾ (اور جس دن صور پھونکا جائے گا ساری حکومت اسی کی ہوگی) کوئی بھی مجازی بااختیار باقی نہ رہے گا۔ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ (وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہری چیزوں گا) ﴿وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (اور وہ حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے) وہ حکمت کے مطابق اور اپنے علم کے مطابق جزا وسزا دے گا۔ اور صور پھونکے جانے میں تاخیر ہونا اس کی حکمت کے مطابق ہے۔ جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا صور پھونکنے کا حکم فرمادے گا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾
وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ
الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا
قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا
رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا
تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَیْفَ
اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ
الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں، اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے۔ پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو کہا کہ میں غائب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا، پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہوتا، پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہوگیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑا جس

Marfat.com

نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں۔ اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اس کی قوم نے حجت بازی کی تو اس نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہیں، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں جنہیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا ہے جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ نہ کی انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام اپنے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہتی تھی جو آج کل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدائی کا دعویدار تھا۔ ساری قوم بت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد جس کا نام آزر تھا وہ بھی بت پرست تھا اور ساری دنیا کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی وہ خالص موحد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ﴾ (میں گزر چکا ہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانی بت پرستی پر جمے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورہ انبیاء (رکوع ۵) میں اور سورہ صافات (رکوع نمبر ۳) میں مذکور ہے۔

اپنے والد سے جو ابراہیم علیہ السلام نے خطاب فرمایا یہاں اس کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ (کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے) ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں) سورہ مریم میں ہے۔ ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ (جبکہ ابراہیم نے کہا اے میرے باپ تم کیوں ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور تمہیں کوئی فائدہ نہ دے۔)

اپنے باپ کو صراط مستقیم کی دعوت دی اور بتایا کہ شیطان کی عبادت نہ کر اور یہ بھی فرمایا تم جس دین پر ہو اس پر قائم رہنے سے اللہ پاک کی طرف سے عذاب پہنچ جائے گا۔ ان کے باپ نے ساری سنی ان سنی کر دی۔ اور کوئی بات نہ مانی اور سختی کے ساتھ جواب دیا کہ ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ (اگر تو باز نہ آجائے تو تجھے ضرور بالضرور سنگسار کر دوں گا۔ یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا اور تو مجھے چھوڑ کر بالکل ہی علیحدہ ہو جا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مختلف عنوانات سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اس کے ذیل میں ستارہ پرستوں سے بھی خطاب فرمایا۔ علامہ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ ج اص ۱۴۰ میں لکھتے ہیں کہ دمشق اور اس کے آس پاس کے لوگ کواکب سبعہ (سات ستاروں) کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دمشق کے سات دروازے تھے اور وہاں میلے لگاتے تھے۔ اور بھینٹ اور نذرانے چڑھاتے تھے۔ (کواکب سبعہ سے شمس۔ قمر۔ زحل۔ عطارد۔ مریخ۔ مشتری۔ اور زہرہ مراد ہیں)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو یہاں قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اپنے علاقے سے ہجرت کرنے کے بعد دمشق کے آس پاس کہیں پیش آیا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ایک چمکدار ستارہ نظر آیا صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۸ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ ستارہ مشتری تھا اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی طرف یوں منسوب کیا ہے کہ یہ ستارہ زہرہ تھا۔ بہر حال جو بھی ستارہ ہو خوب چمکدار اور روشن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا تو اس وقت جو ستارہ پرست موجود تھے ان سے بطور فرض بحیثیت ایک الزام دینے والے مناظر کے یوں فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے

Marfat.com

خود تو موحد تھے غیر اللہ کو رب نہیں مانتے تھے لیکن ان کو آخر میں قائل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا، وہ ستارہ کچھ دیر کے بعد چھپ گیا تو آپ نے فرمایا کہ چھپ جانے والوں اور غروب ہونے والوں سے میں محبت نہیں کرسکتا، جو چھپ گیا وہ کہاں اس قابل ہوسکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے

ابھی صاف بات نہ کہی حقیقت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اس کے بعد چاند نظر آیا جو بہ نسبت ستاروں کے بڑا تھا اور خوب زیادہ روشنی والا تھا۔ اس کو دیکھ کر اسی پہلے انداز کے مطابق فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے پھر وہ بھی غروب ہوگیا تو اس مرتبہ فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہوں میں سے ہوجاتا۔ جب ستارہ غروب ہوا تھا تو فرمایا تھا کہ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو غائب ہو جائے اور ذاتی طور پر ایک حال پر باقی نہ رہ سکے میں اسے معبود نہیں مان سکتا، بات کو اپنے اوپر رکھ کر کہا جو گمراہوں کو دعوت دینے کا تبلیغی طریقہ ہے اس میں ان لوگوں پر تعریض تھی کہ تم لوگ عجیب ہو۔ جسے اپنے اوپر اختیار نہیں اس کو معبود بنائے ہوئے ہو، چونکہ پہلی مرتبہ ستارہ کے غروب ہونے پر وہ لوگ کسی درجہ میں قائل ہوچکے تھے اس لیے چاند کے غروب ہوجانے پر بات کا رخ بدل دیا۔

اس مرتبہ ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا ﴿لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾ اس میں بھی بات کو اپنے اوپر رکھا اور فرمایا میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہوں میں سے ہوتا۔ اس میں اشارۃً یہ بیان فرمادیا کہ تم لوگ ستارہ پرستی کی وجہ سے گمراہ ہو پھر جب سورج نکلا وہ اپنی چمک اور روشنی میں ستاروں سے اور چاند سے بڑھ کر تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ پہلے دونوں چمک دار ستاروں سے بڑا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دنیا میں رہتے تھے۔ اور روزانہ آفتاب کو بھی دیکھتے تھے۔ اور انہیں معلوم تھا کہ آفتاب سے بڑا دوسرا کوئی ستارہ اپنے وجود مادی اور چمک دمک کے اعتبار سے نہیں ہے، اور اس کے بعد کوئی بڑا ستارہ طلوع ہونے والا نہیں لہٰذا ان کے پاس تیسری مرتبہ ستارہ پرستوں کو قائل کرنے کا موقع تھا اس لیے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرمایا، جب سورج بھی غروب ہوگیا تو بہت زوردار طریقہ پر فرمادیا۔

﴿یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (کہ اے میری قوم! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں ان چیزوں سے بری ہوں بیزار ہوں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاضرین کو بتایا کہ جن چیزوں کو تم معبود بناتے ہو کہ تم نے معبود حقیقی کی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے جن چیزوں کو تم پوجتے ہو یہ تو اسی خدا وحدہ لاشریک کی مخلوق ہیں جس کی مشیت اور ارادہ سے ان کا وجود ہے۔ اور جس کی مشیت وارادہ سے یہ آتے جاتے ہیں نکلتے ہیں اور چھپتے ہیں۔

نیز یہ بھی بتادیا کہ میں شرک سے بری ہوں جس میں تم لگے ہوئے ہو تمہیں بھی شرک سے بیزار ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ خالق جل مجدہ کے علاوہ کسی کو پوجنا راہ ہدایت کے خلاف ہے۔ اس بات کی طرف ﴿لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾ فرما کر اشارہ کر چکے تھے۔ کنایہ اور اشارہ کے بعد تصریح کا راستہ اختیار فرمایا اور واضح طور پر فرمادیا کہ ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ میں نے اپنا رخ پھیر دیا اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں باطل معبودوں کی طرف متوجہ نہیں ہوں میں ان سے منہ موڑے ہوئے ہوں اور شرک کرنے والا نہیں ہوں۔

قوم کی حجت بازی کا جواب:

باوجود یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو دلیل سے عاجز کردیا۔ اور بتادیا کہ جس کے قبضہ قدرت میں ان چھوٹے بڑے ستاروں کا تصرف ہے، جس کے حکم سے یہ طلوع غروب ہوتے ہیں صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے اور کسی بھی مخلوق کی عبادت کرنا یہ خالق و مالک کے ساتھ شرک کرنا ہے جو عقلی طور پر بھی بدترین چیز ہے، اور اپنے بارے میں موحد ہونے اور شرک سے بیزار ہونے کا اعلان فرما

Marfat.com

دیا تب بھی ان کی قوم نے حجت بازی جاری رکھی۔ وہ کہنے لگے کہ تم کیسے کہتے ہو یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں، تم ہم سے ہمارا دین چھڑوانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم کو بھی ہمارے دین میں آجانا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا ﴿اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ﴾ (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی) جب مجھے ہدایت مل گئی جس کو میں پوری طرح بصیرت سے ہدایت سمجھتا ہوں تو اب معبود حقیقی کو کیسے چھوڑ دوں اسی نے مجھے ہدایت دی ہے اور اسی سے میں ہر طرح کی خیر کی امید رکھتا ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبود سے ڈرایا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ ﴿وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ﴾ (کہ جن چیزوں سے مجھ کو ڈراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا) یہ تو خود بے جان ہیں۔ نفع وضرر کے مالک نہیں۔

مزید فرمایا ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا﴾ (تمہارے یہ معبودان باطلہ تو کچھ بھی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاں میرا رب ہی اگر چاہے تو ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جائے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) دلیل سے عاجز ہو جانے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ تمہارے معبودان باطلہ کچھ نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے شرک پر اڑے ہوئے ہو تمہاری سمجھ میں آجانا چاہئے اور تمہیں نصیحت قبول کرنی چاہیے۔

قال صاحب الروح ج ۷ ص ۲۰۵ ای اتعر ضون بعد ما او ضحته لکم عن التامل فی ان الهتکم بمعزل عن القدرة علی شی ما من النفع اور الضرر فلا تتذ کرون انها غیر قادرة علیٰ اضرار ی۔

پھر فرمایا ﴿وَ كَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ﴾ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے۔ ﴿وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا﴾ (حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا جن کے شریک ہونے کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی) تمہارے معبود تو بے قدرت ہیں۔ میں ان کی طرف سے بے خوف ہوں اور پرامن ہوں۔ میں ان سے کیوں ڈروں۔ تم پر لازم ہے کہ معبود حقیقی سے ڈرو جسے نفع وضرر پہنچانے کی پوری قدرت ہے۔ اور تم نے اس کے جو شریک تجویز کر لیے ہیں یہ سب اپنے پاس سے تجویز کیے ہیں جس کی کوئی سند اور دلیل اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اپنی اس حرکت بد کی وجہ سے تمہیں معبود حقیقی سے ڈرنا لازم ہے۔

قال صاحب الروح ج ۷ ص ۲۰۲ ای کیف اخاف انا مالیس حیز الخوف اصلًا و انتم لا تخافون غائلة ماهو اعظم المخوفات و اهو لها و هو اشرا ککم بالله تعالیٰ الذی فطر السمٰوٰت و الارض ماهو من جملة مخلوقاته۔

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (سو دونوں فریقوں میں کون سا فریق امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو)۔

مطلب یہ ہے کہ میں تو معبود حقیقی کا پرستار اور عبادت گزار ہوں اور تم نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں تم غور کرلو کہ لائق امن وامان کون ہے میں ہوں یا تم ہو؟ مجرم تو تم ہو شرک کرتے ہو اور معبود حقیقی سے نہیں ڈرتے اور مجھے باطل معبودوں سے ڈراتے ہو اپنی صحیح سمجھ سے کام لیتے تو تمہارا علم تمہیں صحیح راہ پر ڈال دیتا۔

پھر فرمایا ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کے ساتھ ان کا مکالمہ اور مباحثہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل قانون بتادیا اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم یعنی شرک کی ملاوٹ نہ کی تو ان کے لیے امن کی ذمہ داری ہے اور ان کے لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ امن سے رہیں گے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ اہل ایمان کے بارے میں بامن ہونے کی بشارت دیدی جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے اس کے علاوہ جو عقائد واعمال ہوں ان کے بارے میں کوئی کیسا ہی ہدایت پر ہونے کا دعوے دار ہو وہ ہدایت پر نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی خدا کو مانتے ہیں لہٰذا ہم بھی عذاب سے بے خوف ہونے کے مستحق ہیں۔ اور ہدایت پر ہیں اس آیت میں جواب دیدیا کہ

Marfat.com

ان لوگوں کو اللہ کو ماننا اللہ کے نزدیک مقبول و معتبر نہیں ہے جو اپنے ایمان میں شرک کو ملاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے شریک تجویز کرتے ہیں اللہ کے ہاں وہ ایمان معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور آخرت کے دن پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد تو آپ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ
سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَ
يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا
فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا
هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ
قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی ذریت سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو، اور یوسف کو، اور موسیٰ کو اور ہارون کو، اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو۔ سب صالحین میں سے ہیں، اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔ اور سب کو ہم نے فضیلت دی جہانوں پر، اور ان کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو، اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لیے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیئے ہیں جو ان کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجیے کہ میں اس پر تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لیے

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ اور ان کی اقتدا کرنے کا حکم

اوپر حجت بیان کی جو ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو پیش کی اور انہیں بتایا کہ غروب ہونے والا معبود نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ میں تمہارے معبودان باطلہ سے نہیں ڈرتا۔ یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بتا دی اور ان کے دل میں ڈال دی۔ جس سے انہوں نے قوم کو سمجھایا

Marfat.com

اور قائل کر دیا اور جواب سے عاجز کر دیا۔ ﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ (ہم درجات کے اعتبار سے جس کو چاہیں بلند کر دیتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب ہی درجات عالیہ والے تھے اور ان میں اللہ پاک نے بعض کو بعض پر رفعت وفضیلت دی ہے جیسا کہ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ میں بیان فرمایا ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلند درجات والے تھے۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اور اپنی قوم سے بڑے بڑے مقابلے کیے اور نمرود کے ساتھ بحث ومناظرہ کیا جس سے وہ لا جواب ہو کر رہ گیا۔ اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب ان کی نسل میں سے ہیں آپ ابوالانبیاء ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذکر کے بعد ان کے بیٹے اسحٰق اور ان کے بیٹے یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ کہ ہم نے ان سب کو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنی اولاد کو تعلیم دی۔ ان حضرات نے اس کو اپنایا اور باقی رکھا اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔

پھر فرمایا ﴿وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی، حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے زمانہ کے طوفان میں ہلاک ہونے کے بعد زمین پر جو دوبارہ آبادی ہوئی وہ ان کی اولاد سے پھیلی، روح المعانی ج ۷ ص ۲۱۱ بحوالہ معجم طبرانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کرام میں سب سے پہلے کون تھے؟ تو فرمایا نوح علیہ السلام تھے ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جو سب سے پہلا نبی بتایا تو یہ اولیت اضافیہ پر محمول ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصریح حدیث میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام جو نوح مشہور ہے اس کو بعض حضرات نے عجمی یعنی غیر عربی بتایا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ سریانی زبان کا ہے اس میں اس کا معانی ساکن کا ہے لیکن حاکم نے مستدرک میں فرمایا کہ ان کا نام عبدالغفار تھا اور ان کا نام نوح اس لیے مشہور ہوا کہ وہ خوف وخشیت کی وجہ سے اپنے نفس کے بارے میں زیادہ رونے والے تھے۔

اگر نوح لفظ عجمی ہو تو اس لیے غیر منصرف نہ ہوا کہ متحرک الاوسط نہیں ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ اور ابراہیم کی ذریت سے ہم نے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو طریق حق کی ہدایت کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام وہی ہیں جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور اللہ نے ان کو نبوت اور حکومت عطا فرمائی تھی، ان کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور نبی بھی۔ انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی، اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ابن جریر نے کہا تھا کہ وہ ابن موص بن روم بن عیص بن اسحاق تھے۔

اس اعتبار سے حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے جد رابع ہوئے۔ مورخ ابن عساکر سے منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو مشہور ہی ہیں۔ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۷۹)

پھر حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا ان دونوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اس کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔ ﴿هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ﴾ لیکن حقیقی بھائی تھے یا ماں شریک اس میں دونوں قول ہیں۔ موسیٰ اور ہارون دونوں غیر عربی لفظ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کو بچپن میں درختوں کے درمیان ڈال دیا گیا تھا جہاں پر پانی بھی تھا۔ قبطی زبان میں پانی کو مُوْ اور درخت کو شا کہا جاتا ہے اس لیے ان کو مُوْشیٰ کہا جانے لگا پھر عربی میں ش، س سے بدل گیا چونکہ الف مقصورہ کی صورت میں لکھا اور

Marfat.com

پڑھا جاتا ہے اس لیے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ قانون نحوی کے اعتبار سے غیر منصرف ہونا چاہیے۔ لفظ ہارون کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عبرانی زبان میں اس کا معنی مُحِبٌّ کا ہے یعنی جو سب کو محبوب ہو۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (اور اسی طرح ہم اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)۔ یعنی جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور ان کے بعد والے حضرات کو نوازا اور ان کے اعمال پر ان کو اچھا بدلہ عطا کیا ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہماری یہی عادت ہے۔ (روح المعانی بزیادۃ)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ﴾ یہ بھی وَ وَهَبْنَا کے ماتحت ہے یعنی یہ حضرات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریت سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد تھے۔ اور انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی تھی کہ مجھے ذریت طیبہ عطا فرمائیں۔ باوجود ان کے بیوی کے بانجھ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام یحییٰ رکھا۔

حضرت زیا کریا علیہ السلام ہی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بتول بھی ان کی والدہ کے دعا مانگنے پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ میرے لڑکا پیدا ہوا تو میں بیت المقدس کی خدمت میں لگا دوں گی لیکن وہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا اور یہ لڑکی جلدی جلدی بڑی ہوتی چلی گئی۔ اور پھر اس کے بطن سے بغیر کسی مرد کے واسطہ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ سارا واقعہ سورۂ آل عمران کے چوتھے پانچویں رکوع میں گزر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور ان کا یہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف والدہ کے توسط سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ کے عموم میں وہ بھی شامل ہیں اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ ذریت کا لفظ بیٹیوں کی اولاد کو شامل ہے و فیہ خِلافٌ بین العلماء (راجع روح المعانی) حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت الیاس کا ذکر فرمایا ان کو بعض حضرات نے حضرات اسماعیل کی اولاد میں سے بتایا ہے۔

پھر فرمایا ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (یہ حضرات صالحین میں سے تھے)

یعنی صالحیت میں کامل تھے ہر وہ کام کرنا جس کا کرنا مستحسن ہو اور ہر اس کام سے بچنا جس سے بچنے کا حکم ہو یہ سب صالحیت کے مضمون میں شامل ہے۔

سب سے بڑے صالحین حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر فرمایا ﴿وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا﴾ اگر اس کو ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ﴾ کے بعد ذکر کیے جانے والے حضرات پر معطوف کیا جائے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہیں تھے۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہیں تھے۔

اس اشکال کے رفع کرنے کے لیے یہاں اَرْسَلْنَا یا بَعَثْنَا یا هَدَيْنَا محذوف مان لینے سے اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور ان کی نسل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جن کے لیے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام دونوں نے یوں دعا کی تھی ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الآیۃ)۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد اَلْيَسَعَ کا تذکرہ فرمایا۔ ان کو ابن اخطوب بن العجوز بتایا گیا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ عجمی ہے اس پر الف لام خلاف قیاس داخل ہوا۔ وقرء حمزۃ و الکسائی اللَّيْسَعَ علیٰ وزنۃ ضَيْغَم، اور ایک قول یہ ہے کہ یوشع کا معرب ہے۔ وَ اللہ تعالیٰ اَعلم

حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متی تھا یہ نینویٰ علاقہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کی طرف میراث ہوئے تھے۔ ان کا تذکرہ سورہ انبیاء (ع ۶) میں اور سورۂ صافات (ع ۵) میں اور سورۂ نون والقلم (ع ۲) میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ہم اس کو انشاء اللہ سورہ صافات کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر انہوں نے بھی لبیک کہا اور ان کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام

Marfat.com

میں تشریف لے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور چند بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جن کا تذکرہ سورہ اعراف (رکوع نمبر ۹) میں اور سورۂ شعراء وغیرہ میں فرمایا ہے۔ تفصیل جاننے کے لیے سورہ اعراف کا مطالعہ فرمائیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔ چونکہ خاتم النبیین ﷺ ان سب سے افضل ہیں اس لیے مفسرین لکھتے ہیں علی عالمی عصر هم یعنی اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر ان کو فضیلت دی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ﴾ یعنی اوپر جن حضرات کا ذکر ہوا ان کے آباء اور ان کی ذریتوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سوں کو ہدایت ہوئی۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جبکہ هَدَيْنَ محذوف مانا جائے اور فَضَّلْنَا سے بھی متعلق ہو سکتا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ان حضرات کے آباء اور ذریات اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو فضیلت دی۔

قال صاحب الروح و من ابتدائية و المفعول محذوف اى و هدينا من اٰبائهم وَابناءِ هم و اخوانهم جماعات كثيرة او معطوف على كلافضلنا و من تبعيضية أى فضلنا بعض أباءِ هم الخ

پھر فرمایا ﴿وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی) اس میں مضمون سابق کی تقریر اور تاکید ہے۔ پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ یہ صراط مستقیم کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کی ہدایت فرمادے، اس میں یہ بتایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کسی کو زعم نہیں ہونا چاہئے کہ میں صاحب ہدایت ہوں۔ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء سب اللہ تعالیٰ ہی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور صراط مستقیم پر باقی رکھا۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل کیا کرتے تھے وہ سب ثواب کے اعتبار سے باطل ہو جاتے) کیونکہ شرک اور کفر تمام اعمال کو باطل کر دیتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک اور کفر کا صدور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم ہیں، بطور فرض یہ بات فرمائی اور اس سے دوسروں کو سبق مل گیا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ حال ہے تو دوسرا کوئی شخص جو مشرک ہوگا اس کے اعمال صالحہ (جو بظاہر دیکھنے میں اعمال صالحہ ہیں) کا ثواب کیسے مل سکتا ہے۔ کافر اور مشرک کے اعمال باطل ہیں اور اگر کسی نے اسلام کے زمانہ میں اعمال کیے اور پھر مرتد ہو گیا تھا اس کے اعمال بھی باطل ہیں۔

پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ﴾ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکم دیا اور نبوت عطا کی) اس میں جو لفظ کتاب ہے اس سے جنس مراد ہے، جس جس نبی کو جو کتاب ملی عموم جنس میں ان سب کا ذکر آ گیا۔ اور الحکم جو فرمایا اس سے حکمت یعنی حقائق الاشیاء کی معرفت مراد ہے اور لوگوں کے درمیان صحیح صحیح فیصلے کرنا بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے درمیان فیصلے بھی فرماتے تھے۔ ان حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ لفظ نبوت وارد ہوا ہے لفظ رسالت نہیں ہے نبی تو ہر پیغمبر ہے لیکن رسول اللہ کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ وہ ہے جسے نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو۔

لفظ نبوۃ لا کر سب کو مضمون بالا میں شریک فرما لیا۔ پھر فرمایا ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ سو اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ان حضرات کی نبوت کا انکار کریں (جس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا انکار بھی ہے کیونکہ ان حضرات کی نبوت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اور قرآن مجید نے دی ہے) سو ہم نے اس کے لیے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا جو اس کے منکر نہیں۔ یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانے والے اور خاتم الانبیاء ﷺ اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے والے کو کثیر تعداد میں ہم نے مقرر کر دیا ہے۔ ایمان لانے والے کثیر تعداد میں ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ ﴿قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ ایک

Marfat.com

قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب مراد ہیں اس قول میں جامعیت ہے جس میں اولین اور آخرین تمام اہل ایمان شامل ہیں۔

پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو آپ ان کی ہدات کا اتباع کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اصول ایمان یعنی توحید اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بِکُتُبِ اللّٰہِ ورسلہ اور ایمان بالیوم الآخر میں ان حضرات کی اقتداء کا حکم ہے۔

نیز حضرات انبیاء علیہم السلام کی جو صفات تھیں (عبادت زہد، شکر، تواضع اور تضرع) ان چیزوں میں ان کا اقتداء کرنا مراد ہے۔ ان حضرات نے اپنی قوموں کے انکار اور ایذاء رسانی پر صبر کیا۔ حلم سے کام لیا آپ بھی اس کو اختیار کریں۔ سورۂ ص کے سجدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۹ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ ص کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ پر سجدہ کیا تو حضرت مجاہد تابعی جو ان کے شاگرد ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کس دلیل سے یہاں سجدہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ آیت نہیں پڑھتے۔

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ الیٰ قوله تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام ان حضرات میں تھے جن کی اقتداء کا تمہارے نبی کو حکم دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سجدہ کیا (لہٰذا ہم بھی سجدہ کرتے ہیں) حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سورہ ص کا سجدہ واجب ہے۔

پھر فرمایا ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ (یہ جو تبلیغ اور دعوت کا کام ہے یہ سب اللہ کی رضا کے لیے ہے اس کا ثواب مجھے اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے) سورہ سبا میں فرمایا ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ میں نے تم سے جو معاوضہ طلب کیا ہے وہ تمہارے ہی لیے ہے بس میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔ بالفرض میں نے تم سے کبھی طلب کیا تو مجھے نہیں چاہیے وہ تم خود ہی رکھ لو۔

آخر میں فرمایا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ (یہ قرآن جو میں تمہیں سناتا ہوں یہ جہانوں کے لیے محض ایک نصیحت ہے) اس میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی کا ذکر ہے۔ جب قرآن سارے جہانوں، سارے جنات اور سارے انسانوں کے لیے ہے اور کسی خاص قوم کے لیے مخصوص نہیں ہے تو قرآن لانے والا بھی ان سب کے لیے اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

قال صاحب الروح و استدل بالاية علی عموم بعثته صلی اللہ علیہ وسلم

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچانی تھی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی، آپ فرما دیجیے کہ کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی۔ تم نے اسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو، اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں جانا۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے

Marfat.com

یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکر ہی رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم وقدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ ﴿اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوںؒ نے یہ بات کہی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ درمنثور ج ۳ ص ۲۹ میں ہے کہ مالک بن صیف ایک یہودی تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرنے لگا۔ یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کیا تو توریت میں یہ مضمون پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ وہ ضد میں آ کر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے توریت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ اس کے ساتھی جو موجود تھے انہوں نے احساس بھی دلایا اور کہا کہ افسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دہرائی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی آخری حد ہے کہ ضد میں آ کر انسان اپنے مسلمہ عقائد کا بھی انکار کر بیٹھے اور اپنے دین وایمان کا بھی منکر ہو جائے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں ڈرتے۔ جوش غضب میں کفریہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ (کہ انہوں نے اللہ کی ذات وصفات کو ایسا نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ انہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرأت جاہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا۔ ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ (آپ فرما دیجئے کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی) اس میں بطور استفہام تقریری ان ہی لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی۔ اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا﴾ (کہ تم نے توریت کو بجائے اکٹھی مجموعی یکجا کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو)۔ جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لیے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اس کو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے ان کو بھی چھپاتے تھے۔ اور ان کی بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رجم کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۲)

پھر فرمایا ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ فرما دیجئے اللہ نے نازل فرمائی۔ اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کیے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس

Marfat.com

توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تو تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدیٰ ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو استعمال شرم ناک ہے لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتلاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اس لیے خود ہی جواب دینے کے لیے حضور کو حکم ہے کہ (قُلِ اللّٰهُ) کہ آپ ہی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (پھر ان کو چھوڑ دیجیے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اُسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ ان سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمائی۔ پھر یہ جواب سنا کر ان کو چھوڑ دیجیے یعنی ان کے پیچھے نہ لگیے آپ کا فرض منصبی بتا دینا ہے منوانا نہیں ہے وہ اپنی خرافات میں لگے رہیں گے۔ اپنا انجام دیکھ لیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن عاقبت مومنین متقین کے لیے ہے۔ قال ابن کثیر ای ثم دعهم فی جهلهم و ضلالهم یلعبون حتی یاتیهم من الله الیقین فسوف یعلمون الهم العاقبة امْ لعباد الله المتقین۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری امت پر وہ دور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جو بنی اسرائیل نے کیا۔ یہ لوگ بھی وہ سب کچھ کریں گے۔ (حذو النعل بالنعل) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) آپ کی پیشین گوئی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مسلمان بنی اسرائیل کے طور طریقے اختیار کیے ہوئے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جو مذہب کی طرف منسوب ہیں پیری مریدی کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا وہی کسب دنیا والا ڈھنگ ہے جو بنی اسرائیل کے لوگوں کا تھا۔ خود ہدایت سے دور، اتباع سنت سے بعد۔ مریدوں کو کیا ہدایت دیں؟ صرب جلب زر کے لیے گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اور قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔

جو دنیا کے طلب گار پیروں کا حال ہے وہی جھوٹے مدعیان علم کا طریقہ ہے جنہیں جاہ و مال کی طلب ہے۔ ایسے لوگ جانتے بوجھتے ہوئے صحیح مسئلہ بتانے سے گریز کرتے ہیں تاکہ عوام ہم سے نہ کٹ جائیں اہل حق سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اپنے باطل دعوے کو باطل سمجھتے ہوئے حجت بازی کرتے رہتے ہیں اور قرآن و حدیث سے اپنے مطلب کے موافق تحریف کر کے استدلال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایک مدعی علم نے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ قرآن مجید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں ہے۔

اس پر ایک حافظ صاحب اٹھ کر چل دیئے تو اسٹیج سے کہنے لگا کہ وہ دیکھو وہ چلا وہابی! حافظ صاحب موصوف نے کہا کہ میں اس لیے جا رہا ہوں کہ تو نے غلط بیانی کی ہے کہ قرآن مجید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

مقرر کہنے لگا کہ قرآن میں لا الہ الا اللہ کہاں ہے؟ حافظ صاحب نے کہا کہ قرآن مجید لاؤ تو میں نکال کر بتاؤں۔ قرآن مجید لایا گیا۔ حافظ صاحب نے نکال کر دکھا دیا (سورۂ صافات رکوع ۲) اور سورہ محمد رکوع ۲ میں لا الہ الا اللہ موجود ہے جب قرآن مجید میں نکال کر دکھایا تو مقرر کہنے لگا کہ یہ وہابیوں کا قرآن ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاس سے لکھ دیا ہوگا۔

اپنی بات کی پچ میں ایسی جسارت کرنا بالکل اسی طرح کی بے باکی ہے جیسے مالک بن صیف یہودی نے نفسانیت کی وجہ سے یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔

روافض میں تو یہ بات بہت ہی زیادہ رواج پذیر ہے کہ خود سے جو اپنا دین تراش لیا ہے اس کے مقابلے میں احادیث شریفہ کی تصریحات کو تو کیا مانتے، قرآن مجید کے صریح اعلانات کے منکر ہیں۔ اپنی بات رکھنے کے لیے قرآن کی تحریف کے قائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سورہ توبہ میں سابقین مہاجرین اولین اور ان کے متبعین بالاحسان کے لیے جو ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا اعلان فرما دیا، یہ لوگ اس

Marfat.com

سے راضی نہیں اور مہاجرین وانصار کو کافر کہتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وستائش ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بدا ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو پتہ نہ تھا کہ یہ لوگ بعد میں کافر ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ)

کیسی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں لیکن اپنی خود تراشیدہ بات کو غلط کہنے کو تیار نہیں۔ جتنے بھی گمراہ فرقے گزرے ہیں یا اب موجود ہیں سب کا یہی حال ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں

قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے

یہود نے یہ جو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اس سے قرآن مجید کا انکار بھی لازم آ گیا۔ لہٰذا قرآن مجید کے نازل فرمانے کا متصلاً ہی تذکرہ فرمایا۔ اور قرآن مجید کی دو صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی دوسری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۲۲۱ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای کثیر الفائدۃ و النفع لاشتماله علی منافع الدارین و علوم الاوّلین و الاخرین۔ یعنی یہ کتاب بہت زیادہ فائدہ والی ہے اس لیے کہ اس میں دونوں جہان کے منافع ہیں اور اولین اور آخرین کے علوم ہیں۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان سب کی تصدیق کرنے والا ہے، اس میں یہودیوں کی تنبیہ ہے کہ اس کتاب سے منحرف نہ ہوں جو کتاب تمہارے پاس ہے یہ کتاب اس کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔

توریت شریف پر بھی ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی۔ پھر فرمایا ﴿وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ اور تا کہ آپ ڈرائیں ام القری کے رہنے والوں کو اور جو اس کے آس پاس کے رہنے والے ہیں۔ ام القری مکہ معظمہ کا ایک نام ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں چونکہ آس پاس کی بستیوں میں یہ بڑی بستی تھی اور اپنی ضرورتوں کے لیے لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ اس لیے اس کو ام القریٰ (بستیوں کی ماں) کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس میں قرآن مجید کا مقصد نزول بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور وہاں کی آس پاس کی بستیوں کو حق کی دعوت دی جائے اور مخالفت حق سے ڈرایا جائے۔

لفظ ﴿وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ کا مصداق مکہ مکرمہ کے آس پاس کی بستیاں ہیں۔ اور بعض حضرات نے پوری دنیا مراد لی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام جنات اور انسانوں کے لیے ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا۔

﴿وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ﴾ (سورہ انعام ع ۲)۔ آخر میں فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں انہیں آخرت کی نجات کا فکر ہے اور وہاں کے عذاب کا ڈر ہے اس لیے ان کا غور وفکر انہیں قرآن پر ایمان لانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یہ لوگ ایمان لا کر نمازوں کی پابندی کرتے ہیں کیونکہ نماز میں بار بار

Marfat.com

ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور نماز ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کا ستون ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جو یوں کہے کہ میں ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا، اور اگر تو اس منظر کو دیکھے جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور اس کی آیتوں کو ماننے سے تکبر کرتے تھے، اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا، اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گزرے ہو گئے جو تم پر کیا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟

اس سے پہلی آیت میں بعض یہودیوں کا ذکر تھا جنہوں نے ضد اور عناد کے جوش میں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اب اس شخص کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ اس نے مجھے نبی بنایا یا کسی اور طرح سے اللہ پر افتراء کرے مثلاً یوں کہے کہ اللہ نے اپنے شریک بنا لیے ہیں یا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ یا یوں کہے کہ میں بھی ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۷ ﴿سَاُنْزِلُ مِثْلَ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای من ادعی انه یعارض ماجاء من عند الله من الوحی یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے جو کچھ وحی بھیجی ہے میں اس کا معارضہ کروں گا اور اس جیسی عبارت بنا لوں گا۔

علماء نے فرمایا کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ شخص تک بندی کے طور پر کچھ جملے بنا لیتا تھا اور کچھ شعبدہ بازی بھی کر لیتا تھا جب لوگوں کے سامنے قرآن مجید کا چیلنج آیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو اس پر بعض لوگوں نے اپنی جہالت سے کچھ جملے بنائے تھے لیکن خود ہی آپس میں ان کو نا قابل معارضہ تسلیم کر لیا تھا۔

اس کذاب نے بھی کچھ جملے بنائے تھے وہ بھی ایسے ہی جاہلانہ اور احمقانہ تھے۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں نہ کوئی لا سکا ہے اور نہ لا سکے گا۔ بعض لوگوں کو قائد بننے اور مشہور ہونے اور عوام الناس کو معتقد بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کے دعوے کیے۔ آپ کے بعد جتنے بھی مدعیان نبوت گزرے ہیں سب ذلیل و خوار ہوئے۔ بعض لوگوں نے مسیح موعود ہونے کا اور کسی نے مہدی

Marfat.com

بننے کا دعویٰ کیا۔ جھوٹ کا سہارا کہاں تک لیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے سب لوگ ذلیل ہو کر ناپید ہو گئے۔

کافروں کی ذلت موت کے وقت:

جھوٹے مدعیان نبوت کو سب سے بڑا ظالم بتانے کے بعد ظالموں کی ذلت اور بدحالی اور موت کے وقت کی تکلیف کا تذکرہ فرمایا ﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (اور اگر تو دیکھے اس موقعہ کو جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تم کو اس کے بدلہ ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے تھے جو ناحق تھی اور تم اس کی آیات کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے)۔

یعنی آیات قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور تمہارے نفسوں کو آیات کے قبول کرنے میں عار اور ذلت محسوس ہوتی تھی اور تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی آیات کے سامنے جھکنا ہماری خودداری کے خلاف ہے۔ جس نے اللہ کے ذمہ جھوٹ لگایا اور یہ کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی اور جس نے اللہ کے کلام کا معارضہ اور مقابلہ کرنے کی بات کہی اور جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ان لوگوں کا یہ سب عمل دنیاوی بڑائی اور جاہ و اقتدار حاصل کرنے اور حاصل شدہ قیادت اور پیشوائی اور بڑائی کی حفاظت کے لیے تھا ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے جو موت کے وقت سے شروع ہوگا۔

کافروں کو موت کے وقت جو عذاب ہوتا ہے اس کا ذکر سورۂ محمد میں بھی فرمایا ہے ارشاد فرمایا ﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ﴾ (پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے ہوں گے، مار رہے ہوں گے ان کے چہروں اور پشتوں کو)۔

موت کے وقت جو کافروں کو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب کافر کے دنیا سے جانے کا اور آخرت کی طرف پہنچنے کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پاس آ کر وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! تو نکل اللہ کی ناراضگی کی طرف، وہ روح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے (یعنی جسم میں ادھر اُدھر پھرتی ہے کیونکہ نکلنا نہیں چاہتی) حضرت ملک الموت (زبردستی) اس کی جان کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور طاقت کے ذریعے اس اون سے نکالا جائے جب اس کی روح کو ملک الموت اس طرح نکال لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے جو وہاں موجود ہوتے ہیں وہ پلک جھپکنے کے برابر ذرا سی دیر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے ان کے ہاتھ سے لے کر ان ٹاٹوں میں رکھ دیتے ہیں جو ساتھ لے کر آئے تھے اور اس روح سے ایسی بدبو نکلتی ہے جیسے زمین پر سب سے زیادہ سڑی ہوئی نعش سے کبھی بدبو آئی ہو۔ اس روح کو لے کر وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا نام لے کر جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ وہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر دروازہ کھلواتے ہیں تو وہ دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ اعراف کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے) اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا کافر بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث طویل ہے جس میں اس کے بعد عذاب قبر کا ذکر ہے جو مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ پر بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔ پوری حدیث ان شاء

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہم سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھیں گے۔ معلوم ہوگیا کہ کافر کا عذاب موت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور پھر قبر میں بھی عذاب ہے۔ حشر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوزخ میں بھی ہے۔ جو دائمی ہے، کافر کے عذاب کی ابتداء تو موت کے وقت سے ہی ہوگی اور اس کی انتہا نہیں ہے۔ ابدالآباد ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ثَبَّتَنَا اللّٰهُ عَلَى الْاِيْمَانِ وَ اَمَاتَنَا عَلَى الْهُدٰى

قیامت کے دن ہر ایک علیحدہ علیحدہ آئے گا:

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى﴾ اس میں قیامت کے دن کی حاضری کی حالت بتائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا (کہ تم ہمارے پاس تنہا آئے ہو) اور ہر ایک اپنے قبیلے سے اور احباب و اصحاب سے اور ہر جماعت سے علیحدہ ہو کر بالکل تنہا حاضر ہوگا۔ سورۂ مریم میں فرمایا ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ (بے شک اس نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) دنیا میں جو اپنے قبیلوں، جماعتوں لشکروں اور قوموں اور برادریوں پر بھروسہ کر کے زندگیاں گزارتے ہیں اور کفر و شرک و معاصی پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ان کے آپس کے یہ تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ اور وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا۔ ﴿اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

پھر فرمایا ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (یعنی جیسے ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی حالت میں قیامت کے دن آؤ گے۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن تم اس حال میں جمع کیے جاؤ گے کہ تن پر کپڑے نہ ہوں گے اور سب بے ختنہ ہوں گے اس کے بعد آپ نے سورۂ انبیاء کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (جیسے کہ ہم نے ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح ہم لوٹائیں گے۔ ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے بے شک ہم اس کے مطابق کرنے والے ہیں) پھر فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۶۹۳)

سب مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے:

پھر فرمایا ﴿وَ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ﴾ (اور تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا) اوپر یہ بتایا کہ دنیا میں جو جماعتوں اور قبیلوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور جو جماعتیں اپنی مدد کے لیے بنائی جاتی ہیں اور جاہ و اقتدار کے لیے اپنے ماننے والے بنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ آخرت میں کام دینے والے نہیں کیونکہ وہاں ہر ایک فرداً فرداً آئے گا۔

اب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہیں جو کچھ (مال و دولت، آل و اولاد، نور چشم و خُدّام) عنایت فرمایا تھا تم وہ سب دنیا ہی میں چھوڑ کر آ گئے۔ دنیا میں لوگ مال کماتے ہیں ایک کے دس بناتے ہیں۔ تھوڑے مال کو بہت زیادہ کر لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال میں آخرت کا حصہ رکھتے ہوں۔ اور مال کے شرعی حقوق ادا کرتے ہوں۔ عموماً مال ہی کو مقصود بنا لیتے ہیں اسی کے لیے مرتے ہیں اور اسی کے لیے جیتے ہیں کماتے ہیں کھانے کے لیے اور کھاتے ہیں کمانے کے لیے۔ ایسے لوگوں کا مال آخرت میں وبال ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ اور دنیا کے لیے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مرنے والا مر جاتا ہے تو فرشتے آپس میں پوچھتے ہیں (کہ اپنے مال اور اعمال سے) کیا لے کر آیا جو اس نے آگے بھیجا تھا اور دنیا کے لوگ یہ پوچھتے ہیں کیا چھوڑ کر گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کو اس حالت میں لایا جائے گا کہ گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا اور تجھ پر انعام کیا سو تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ اے رب! میں نے اسے جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا تھا اس سے خوب زیادہ کر

Marfat.com

کے چھوڑ آیا۔ مجھے واپس بھیج دیجیے میں سب آپ کے پاس لے کر آتا ہوں۔
اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے سے یہاں بھیجا تھا وہ پھر وہی عرض کرے گا کہ میں نے جمع کیا اور اسے بڑھایا اور جتنا تھا اس سے زیادہ کر کے چھوڑ آیا لہٰذا مجھے واپس بھیج دیجیے میں سب آپ کے پاس لے کر آ جاؤں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ایسا شخص نکلے گا جس نے کوئی بھی خیر نہیں بھیجی ہوگی لہٰذا اس کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۳)
پھر فرمایا ﴿وَ مَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَ کُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا﴾ (ہم نہیں دیکھ رہے ہیں تمہارے ان سفارشیوں کو جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں) ﴿لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَ ضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ (البتہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور جو تم دعوے کیا کرتے تھے وہ آئے گئے ہو گئے)
قیامت کے دن اہل دنیا کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے بارے میں جھوٹا خیال تھا کہ یہ ہماری سفارش کریں گے ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا وہ سب ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرینگے اور اس وقت علانیہ طور پر واضح ہو جائے گا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف جو عقائد اور خودساختہ خیالات تھے سب باطل تھے۔

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۹۶﴾ وَ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِھَا قِنْوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِھًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِہٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ یَنْعِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

بے شک اللہ دانوں اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے، اور نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے، اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ اللہ ہے پھر تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنایا رات کو آرام کی چیز، اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس کا جو غالب ہے علم والا ہے، اور وہ ایسا ہے کہ جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور دریا کے اندھیروں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا، سو ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ تھوڑے سے وقت رہنے کی ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں وہ ایسا ہے کہ جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی اگنے والی چیزیں نکالیں، پھر ہم نے نکالا اس سے سبزہ والی چیزوں کو۔ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور کھجور کے درخت یعنی اس کے گچھوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں، اور انگوروں کے باغ اور زیتون کے باغ نکالے اور انار جو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ملتے جلتے نہیں ہیں۔ اس کے پھلوں کی طرف دیکھو اور اس کے پکنے کی طرف۔ بے شک

Marfat.com

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں

مظاہر قدرت الٰہیہ اور دلائل توحید

اس عالم میں اللہ جل شانہٗ کے جو تصرفات ہیں ان آیات میں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو بندوں پر نعمتیں ہیں ان میں سے بعض یاد دلائی ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں بھی ہیں، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ دیتا ہے ذرا سا دانہ اور چھوٹی سی گٹھلی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی دانہ تخم بن جائے جس سے کھیتی کے پودے نکل آئیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ دانہ پھٹ جاتا ہے اس سے پودا نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب گٹھلی سے کوئی درخت نکالنا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ گٹھلی پھٹ جاتی ہے اور اس سے بڑے بڑے درخت نکل آتے ہیں۔ جن کے پھلوں سے زمین پر بسنے والے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ کہ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے ﴿وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ﴾ اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں ان کا ذکر سورہ آل عمران کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ اس کی ایک بہت زیادہ معروف مثال یہ ہے کہ زندہ جانور سے انڈا نکلتا ہے۔ جو بے جان ہوتا ہے پھر اس بے جان انڈے سے چوزہ نکلتا ہے جو زندہ ہوتا ہے۔ درختوں سے خشک دانے نکلنا اور دانوں سے ہر بھرے درختوں کا وجود میں آجانا یہ بھی زندہ کو میت سے اور میت کو زندہ سے نکالنے کا مصداق ہے۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ﴾ (یہ قادر مطلق اللہ ہے سو تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو) اس کی عبادت کو چھوڑ کر شرک میں کیوں مبتلا ہو۔

پھر فرمایا ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ (اللہ صبح کا پھاڑنے والا ہے) اس کی مشیت اور ارادہ سے رات کی تاریکی چلی جاتی ہے روشنی پھٹتی ہے جس سے صبح نمودار ہو جاتی ہے۔ ﴿وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا﴾ (اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا) دن میں کام کاج کرنے والے محنت کو ٹنے والے تھکے ماندے رات کو آرام کرتے ہیں۔ نیند تو دن کو بھی آجاتی ہے لیکن رات کی نیند میں جو آرام ہے اور تھکن اترنے کا جو فطری انتظام ہے وہ دن کی نیند میں نہیں ہے، دن بھر میں زیادہ سو بھی نہیں سکتے۔ کام کاج اور کاروبار کے تقاضے بعض مرتبہ آنکھ لگنے بھی نہیں دیتے آنکھ لگ بھی گئی تو کاروبار کا ہجوم جو دماغ پر سوار ہوتا ہے وہ بار بار جگا دیتا ہے۔

﴿وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ (اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے مسخر فرما دیا) ان کی گردش سے رات دن اور ہفتے اور مہینے بنتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے عبادت کے اوقات اور معاملات کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن کب ہے رمضان المبارک کب آئے گا حج کی تاریخ میں کیا دیر ہے جو کچھ کسی سے قرض لیا ہے اس کی ادائیگی میں کتنی مدت ہے ان سب امور کا جواب چاند اور سورج کی گردش سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ (یہ مقرر فرمانا ہے ایسی ذات پاک کا جو عزیز یعنی غالب ہے اور علیم یعنی پوری طرح سے جاننے والا ہے) پھر فرمایا

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ (اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ راہ پاؤ خشکی کی تاریکیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں) رات کو جب سفر میں ہوتے ہو اور راستہ بھول جاتے ہو۔ یا سمندر میں ہو اور راستہ بھول جاؤ تو ستاروں کی طرف دیکھ کر پتہ چلا لیتے ہو کہ مشرق کدھر ہے اور مغرب کدھر ہے پھر اپنے اسی علم کی روشنی میں آگے بڑھتے ہو اور صحیح راستہ پا کر منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہو۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ (بے شک ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں) جو آیات مذکورہ کو

Marfat.com

سمجھتے ہیں اور آیات تکوینیہ میں غور کرتے ہیں۔

﴿وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے انسان کی ابتداء ہوئی اور نسلاً بعد نسل ان کی اولاد بڑھتی ہوئی چلی آئی ہے جس کا سلسلہ تو الد اس طرح سے ہے کہ اول نطفہ باپ کی پشت میں ہوتا ہے پھر ماں کے رحم میں آجاتا ہے پھر وہاں سے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے جیتی جاگتی تصویر باہر آجاتی ہے۔

مُسْتَقَرٌّ سے باپ کی پشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے ماں کا رحم مراد ہے باپوں کی پشتیں تو اصل مستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہیں ہیں کیونکہ مادہ منویہ وہاں اور کہیں سے نہیں آیا۔ اور ماؤں کے رحموں کو مُسْتَوْدَعٌ فرمایا کیونکہ ان میں نطفہ مرد کی طرف سے آتا ہے اور کچھ مدت کے لیے بطور ودیعت وہاں رکھ دیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین مستقر اور مستودع کے وہ معنی لکھے ہیں جیسا ہم نے ابھی بیان کیے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مستودع سے باپ کی پشت اور مستقر سے ماں کا رحم مراد ہے۔ رحم مادر کو مستقر کہنا تو اس اعتبار سے سمجھ آتا ہے کہ رحم میں نطفہ داخل ہونے کے بعد وہاں ٹھہر جاتا ہے اور مختلف ادوار سے گزر کر انسانی صورت میں باہر آجاتا ہے لیکن باپ کی پشت کو جو مستودع فرمایا یعنی ودیعت رکھنے کی جگہ۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۶ فرماتے ہیں کہ اس کی تقریر اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت کو نکالا تھا اور پھر عہد ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے بعد ان کو واپس کر دیا تھا تو گویا ان کا واپس کرنا ایک طرح ودیعت رکھنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس ودیعت کو واپس نکال لے گا۔

مستقر و مستودع کی تیسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ مستقر سے زمین پر ٹھہرنا اور رہنا مراد ہے اور مستودع سے قبر مراد ہے یہ تفسیر بھی الفاظ قرآن سے بعید نہیں۔ ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ (کہ تحقیق ہم نے آیات بیان کی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں نجوم کے تذکرہ میں يَعْلَمُوْنَ فرمایا اور ﴿اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ کا تذکرہ فرما کر آخر میں ﴿لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ فرمایا۔ کیونکہ نفس واحدہ سے پیدا فرمانا اور پیدا ہونے والوں کے احوال مختلفہ میں تصرف فرمانا زیادہ لطیف اور دقیق ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ (اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا) ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا﴾ پھر ہم نے نکالا اس کے ذریعہ ہر چیز کے پودوں کو پھر ہم نے نکالا ان سے ہرے بھرے درختوں کو ﴿نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾ ہم اس سے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔ ﴿وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ﴾ اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گچھوں سے خوشے نکالے جو قریب قریب ہیں۔ ﴿وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ﴾ (اور ہم نے انگوروں کے باغیچے نکالے) ﴿وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ اور زیتون اور انار نکالے جو آپس میں دیکھنے میں متشابہ ہیں اور غیر متشابہ۔ یہ زیتون اور رمان دونوں سے متعلق ہے یعنی ان میں سے ایسے پھل ہیں جو دیکھنے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کے متشابہ نہیں ہیں۔ ﴿اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ﴾ دیکھ لو ان کے پھلوں کی طرف یعنی اور ان کے پکنے کی طرف ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے درختوں کے پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جن میں دلائل توحید ہیں اور بندوں پر انعام بھی۔ آسمان سے پانی کا نازل فرمانا پھر اس کے ذریعہ بیل والے اور تنے والے پودے نکالنا اور بالوں میں دانوں کا ایک دوسرے پر چڑھا ہوا ہونا اور کھجوروں کے خوشوں کا جھکا ہوا ہونا اور انگور اور زیتون اور انار کے درخت پیدا فرمانا اور کچے پھلوں کے بعد ان کا پک جانا یہ سب توحید کے دلائل ہیں اور ان میں بندوں کا انتفاع بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، جو بندے مومن ہیں اور جو دلائل آنے کے بعد حق سے منہ نہیں موڑتے ایمان کو قبول کر لیتے ہیں ان سب کے لیے مذکورہ بالا چیزوں میں دلائل توحید ہیں۔

Marfat.com

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ
شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ
الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

اوران لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک بنار کھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا فرمایا ہے، اوراس کے لیے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں، وہ ان باتوں سے پاک ہے اور برتر ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، وہ آسمانوں کا اورزمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہوسکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے، اوراس نے پیدا فرمایا ہر چیز کواوروہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، یہ اللہ تمہارارب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے سوتم اسی کی عبادت کرواوروہ ہر چیز کا نگہبان ہے نگاہیں اسے محیط نہیں ہوسکتیں اوروہ سب نگاہوں کو محیط ہے اوروہ بڑا باریک بین خبر دار ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، وہ معبود برحق ہے، اولاد ہونا اس کے لیے عیب ہے

اوپر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت اور خالقیت پر دلائل قائم کیے ہیں اب ان آیات میں مشرکین کی بداعتقادی کی تردید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے جنات کو یعنی شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے جنات کے اور شیاطین کے توجہ دلانے سے بتوں کی عبادت کرنے لگے اور شیاطین کی ایسی اطاعت کرنے لگے جیسی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے نیز شیاطین مشرکین کے پاس بری بری صورتوں میں آتے ہیں اوران کو خواب اور بیداری میں ڈراتے ہیں لہٰذا وہ ان کے شراور ضرر کے بچنے کے خیال سے ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیتے ہیں اور پھران کی پوجا کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ان زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کو پیدا کیا اور ابلیس نے درندے اور سانپ بچھو اور شرور پیدا کیے۔ لہٰذا جن سے ابلیس اوراس کے اتباع مراد ہیں یہ قول اختیار کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن احقر کے نزدیک جنات کی عبادت بالمعنی المعروف مراد لی جائے تو یہ زیادہ اقرب ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

سورۂ جن میں فرمایا ﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ مشرکین کی یہ کیسی جہالت اور حماقت ہے کہ پیدا تو کیا اللہ نے اور الوہیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ خَلَقَهُمْ کی ضمیر منصوب الجن کی طرف راجع ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو کیسے اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ﴿وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے گھڑ لیے بیٹے اور بیٹیاں نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا، ان لوگوں نے جہالت کے سبب یہ سب کچھ تجویز کیا۔ اورانہوں نے یہ نہ جانا کہ ہم جس ذات کی طرف اولاد منسوب کررہے ہیں اس کے لیے اولاد کا ہونا عیب اور نقص ہے اوراس کی شان اس سے بہت برتر بلند اور بالا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کو فرمایا ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے اور بلند اور بالا ہے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں)۔

Marfat.com

مشرکین کے عقائد شرکیہ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے مزید فرمایا ﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے اس نے عالم سفلی اور عالم علوی کو پیدا فرمایا۔ آسمان وزمین کا مادہ پیدا فرمایا اور آسمان کو سات طبق بنادیا اور زمین کو پھیلا دیا۔ ایسے خالق اور بے مثال صانع اور مبدع کو اولاد کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اولاد کی ضرورت مدد کے لیے ہوتی ہے۔ آسمان وزمین کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سورہ سبا میں فرمایا۔

﴿مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ﴾ مزید فرمایا ﴿اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ یعنی اس کی اولاد کیسے ہوگی حالانکہ اس کے ساتھ والی یعنی بیوی نہیں ہے۔ اولاد بیوی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی نہیں اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں احتیاج الی الغیر ہے جب اس کی بیوی نہیں اور نہ ہوسکتی ہے تو اولاد کیسے ہوسکتی ہے۔ ﴿وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں وہ مخلوق بھی ہے جسے اللہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ خالق مخلوق کے درمیان رشتہ ولادت کہاں ہوسکتا ہے اور مخلوق اپنے خالق کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے لوگوں نے جو اولاد تجویز کی ہے انہوں نے خالق کا مرتبہ نہیں پہچانا اور اپنی جہالت سے اللہ پاک کے لیے اولاد تجویز کر بیٹھے۔ ﴿وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے مشرکین کے عقائد شرکیہ کا علم ہے، اور وہ ان کے اعمال شرکیہ سے بھی باخبر ہے وہ ان سب کا مواخذہ فرمائے گا اور سزا دیگا۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ﴾ (یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرو) ان صفات جلیلہ سے جو ذات متصف ہو وہی لائق عبادت ہے۔ مخلوق میں نہ شان ربوبیت ہے نہ شان خالقیت ہے پھر وہ کیسے شریک الوہیت ہوسکتے ہیں۔

﴿وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے) تمام چیزوں میں جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ تصرف فرمانے کا اس کو پورا پورا اختیار ہے۔ پھر یہ مخلوق کیسے عبادت کی مستحق ہوسکتی ہے؟ جو ہر چیز کا خلاق ہے اور ہر چیز میں تصرف فرمانے والا ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات سے متصف نہیں اور لائق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ لطیف ہے باخبر ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ فرماتا ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں دنیا میں اس کو نہیں دیکھا جاسکتا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ فرمادیا۔ (کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے) وہ نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے اور نگاہیں جس چیز کو دیکھتی ہیں وہ ان کو بھی دیکھتا ہے۔ اور جو چیزیں مرئی (دکھائی دینے والی) نہیں ہیں ان کو بھی اس کا علم محیط ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا جیسا کہ سورۂ قیامہ میں فرمایا ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (اس دن بہت سے چہرے ترو تازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں ہے پھر بھی اسے دیکھیں گے اور جب دیکھیں گے تو وہ کسی جگہ میں نہیں ہوگا اور یہ بات وہیں سمجھ میں آئے گی۔ خالق کی رؤیت کو مخلوق کی رؤیت پر قیاس نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا ﴿وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ اور وہ لطیف ہے (جسے حواس کے ذریعہ مشاہدہ میں نہ لایا جاسکتا ہے اور وہ باریک بین ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے) اور وہ خبیر ہے (جو ہر چیز سے باخبر ہے)۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ لِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ

Marfat.com

اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٦ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٧

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آچکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے لیے اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ اور میں تم پر نگران نہیں ہوں اور ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ یہ لوگ یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لیے بیان کریں جو جانتے ہیں، آپ اس کا اتباع کیجیے جس کی آپ کی طرف سے وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، اور آپ مشرکین سے روگردانی کیجیے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں

توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمانے کے بعد اب دلائل میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ اولاً ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں اگر اپنی عقل کو متوجہ کرو گے اور ان بصیرت کی چیزوں میں غور وفکر کرو گے تو حقائق کو پہنچ جاؤ گے۔ دلائل توحید بھی سمجھ میں آجائیں گے اور توحید بھی سمجھ میں آجائے گی۔

جو شخص غور وفکر کرے گا بینا بنے گا تو اس کا نفع اسی کی جان کو ہوگا۔ اور جو شخص اندھا بنا رہے گا دلائل و بصائر میں غور کرنے سے گریز کرے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا، پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانے کی ہے عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں، آپ ان سے فرمادیں کہ میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر حجت پوری ہوجائے اور تاکہ وہ یوں کہیں کہ اے محمد (ﷺ) تم نے پڑھ لیا۔ یعنی جو کچھ تم بیان کرتے ہو دوسروں سے سیکھ لیا ہے (اور کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے ہے) اور تاکہ ہم اس کو بیان کریں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ آپ ان کو پہنچا دیں اور تاکہ منکرین ضد وعناد کی وجہ سے یوں کہیں کہ آپ نے ان مضامین کو کسی سے پڑھ لیا ہے اور تم دوسروں سے سیکھ کر ہم سے خطاب کرتے ہو۔ كما في سورة النحل ﴿اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ اس طرح سے وہ لوگ اور زیادہ مجرم بنتے ہیں اور ان دلائل کے بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ہم علم والوں کے لیے اچھی طرح کھول کر بیان کردیں۔ (کیونکہ جو اہل علم ہیں وہ ہی منتفع ہوتے ہیں)۔

پھر فرمایا ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ کہ آپ اس کا اتباع کیجیے جس کی آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کی گئی۔ اس کا آپ فکر نہ کیجیے کہ کون راہ راست پر آتا ہے تکوینی طور پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہیں مانیں گے اور کچھ ایسے ہیں جو مان لیں گے یہ تکوینی فیصلے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہیں اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے لیکن سب کچھ اس کی مشیت اور ارادہ وحکمت کے موافق ہے آپ اپنا کام کریں یعنی پہنچا دیں۔ ﴿وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا عمل کریں نہ کریں یہ جانیں۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے گئے۔ لہٰذا آپ کو اس فکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ منکرین بات نہیں مانتے اور حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٠٨ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

Marfat.com

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

اوران کو برامت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر، ہم نے ایسے ہی مزین کر دیا ہر امت کے لیے ان کے عمل کو۔ پھر اپنے رب کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتلا دے گا جو وہ کرتے تھے، اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے گی تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں اس کی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آ جائے گی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دینگے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑ رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں

مشرکین کے معبودوں کو برامت کہو

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو برے الفاظ میں یاد مت کرو، چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اس لیے ضد میں آکر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، ضد وعناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی، یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے معبودوں کو برا کہا ہے لہٰذا ہمیں بھی ان کے معبود کو برا کہنا چاہئے، یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حد ادب کے پھاند جائیں گے۔ اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے، چونکہ یہ حرکت بد ان کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لیے ان کے معبودان باطلہ کو برے الفاظ میں یاد کر کے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ وتقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

لباب النقول ص ۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے بتوں کو اہل ایمان برے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ﴾ نازل فرمائی۔ حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا اور کسی کی ماں کو دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائے گا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری ومسلم)

پھر فرمایا ﴿كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ﴾ (ہم نے اسی طرح ہر امت کے لیے ان کے عمل کو مزین کر دیا) جو لوگ کافر ہیں کفر ہی سے چپکے ہوئے ہیں کفر کو اچھا سمجھتے ہیں دنیاوی زندگی ختم ہوگی تو میدان قیامت میں سب پروردگار عالم جلّ مجدہٗ کی طرف لوٹیں گے سو وہ انہیں جتا دے گا کہ وہ کیا کام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی جزا بھی دے گا، یہ مزین کرنا تکوینی طور پر ہے اس سے تشریعی اوامر پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جو لوگ کافر ہیں اپنے اختیار سے کفر اختیار کیے ہوتے ہیں۔

جب حقانیت اسلام کے دلائل ان کے سامنے آتے ہیں تو اپنے اختیار سے اسلام سے دور بھاگتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔

کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے

اس کے بعد فرمایا ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ (اور انہوں نے بہت زوردار طریقہ پر اللہ کی قسم کھائی کہ ہمارے کہنے کے مطابق

Marfat.com

فرمائشی معجزہ ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے) ان لوگوں کی یہ تاکیدی قسمیں سن کر مسلمانوں کو خیال ہوا کہ جن معجزات کی فرمائش کر رہے ہیں وہ ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ ایمان لے آتے لیکن انہیں تو ایمان لانا نہیں ہے معجزات کی فرمائش ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۴ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے ایمان لانے کے بارے میں بات کی تو کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لاٹھی تھی جسے پتھر میں مارتے تھے تو بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے اور آپ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی بتایا کہ قوم ثمود کے لیے بطور معجزہ ایک اونٹنی ظاہر کی گئی تھی، آپ ہمارے لیے بھی کوئی ایسی ہی نشانی ظاہر کریں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ کہنے لگے کہ صفا پہاڑ سونا بن جائے آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو میری تصدیق کرو گے کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو ہم سب آپ کا اتباع کر لیں گے آپ اللہ جل شانہٗ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ غور فرما لیجیے دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمالیں آپ چاہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں (گو اس میں دیر لگے گی) آپ نے فرمایا کہ میں ان کو اسی حال میں چھوڑ دیتا ہوں (جنہیں توبہ کرنا ہو توبہ کر کے ایمان لے آئیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریم ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ سے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ تک نازل فرمائی۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ معجزات سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں) وہ چاہے تو ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے اور اگر اس کی مشیت نہ ہو تو کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہو۔ ﴿وَ مَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ ان کی مطلوبہ نشانی آ جائے گی جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے، ان کی قسمیں جھوٹی ہیں خواہ کیسی ہی زوردار ہوں۔ آخر میں فرمایا

﴿وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ﴾ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پلٹ دیں گے نہ حق کے طالب ہوں گے نہ حق پر نظریں کریں گے۔ ﴿كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ یہ لوگ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے ﴿وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

قال القرطبي في تفسيره ۷ ص ۶۵ هذه أية مشكلة و لا سيما و فيها ''وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ'' قيل المعنى و نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَنْظَارَهُمْ يوم القيمة على لهب النار و حرّ الجمر، كمالم يومنوا في الدّنيا وَنَذَرُهُمْ في الدّنيا، أى نمهلهم ولا نعاقبهم، فبعض الاب في الأخرة، و بعضها في الدنيا و نظيرها ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ فَهٰذَا في الاخرة ''عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ'' في الدّنيا''

وقيل: ونُقَلِّبُ في الدّنيا: أى نحول بينهم و بين الايمان لوجاء تهم تلك الاية، كما حُلنا بينهم و بين الايمان اوّل مرّة لما دعوتهم وأظهرت المعجزة، و في التنزيل ''وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ'' المعنىٰ كان ينبغي ان يؤمنوا اذا جَاءتهم الآية فرأوها بابصار هم وعرفوها بقلوبهم، فاذا لم يؤمنوا كان ذٰلك بتقليب الله قلوبهم و ابصار هم كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ، ودخلت الكاف على محذوف اى فلا يومنون كما لم يؤمنوا به اوّل مرة، اى اول مرّة اتتهم الآيات التي عجزوا عن معارضتها مثل القرأن وغيره۔

Marfat.com

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا
لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا
شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ
لِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مردے بات کر لیں اور ہم جمع کر دیں ان پر ہر چیز ان کے آمنے سامنے تب بھی وہ ایسے نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن مقرر کر دیے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں۔ اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، تو چھوڑ دیجیے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور تا کہ وہ اسے پسند کریں، اور تا کہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں

ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فرمائشی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لیے نہیں محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لیے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مردے ان سے باتیں کر لیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کر دیں۔ مثلاً دوزخ دکھا دیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائشیں کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے پھر فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ (الآیۃ) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لیے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔

یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بدصورت چیز پر ملمع کر کے بظاہر خوب صورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لا کر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تا کہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاء سابقین علیہم السلام کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ غم نہ کیجیے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ (اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے) ان لوگوں کا وجود اور ان کی مخالفت حکمتوں پر مبنی ہے ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ (سو جب اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں تو آپ فکر مند نہ ہوں ان کو اور یہ جو کچھ افتراء کر رہے ہیں اس کو چھوڑیے) یعنی اس غم میں نہ پڑیے کہ یہ لوگ مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔

﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور وہ لوگ فریب دینے والی باتوں کے وسوسے اس لیے ڈالتے ہیں کہ ان کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ ﴿وَلِيَرْضَوْهُ﴾ تا کہ وہ اسے پسند کر لیں۔ ﴿وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ اور تا کہ ان کاموں کے مرتکب ہوتے رہیں جن کا ارتکاب کرتے ہیں۔

Marfat.com

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ آپ کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں، اور آپ کے رب کے کلمات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورے ہو گئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ بات مان لیں ان میں سے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ نہیں اتباع کرتے مگر گمان کا اور وہ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور اللہ ہدایت پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے

اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آیات سناتے تھے اور اس کے احکام بتاتے تھے۔ اس کی ذات وصفات کے متعلق عقائد کی تلقین فرماتے تھے کہ وہ خالق ہے مالک ہے قادر مطلق ہے سمیع بصیر ہے علیم خبیر ہے اس کا ہر فیصلہ حق ہے لیکن مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ان باتوں کو چھوڑ دیں اور وہ خود اپنے باطل معبودوں کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور آپ کو بھی اپنی گمراہی کی طرف کھینچنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان سے یوں فرمائیں کہ میں اللہ کو چھوڑ کر اور کس کو فیصلہ کرنے والا مان لوں۔ اس کی ذات تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے جب اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں تو میں اسے چھوڑ کر اور کس کو حکم (فیصلہ کرنے والا) بناؤں، میں تو اسی کو مانتا ہوں اور اسی کے فیصلہ پر راضی ہوں اور کوئی نہیں جس کے فیصلہ پر راضی ہونے کا فیصلہ کروں اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تفصیل کے ساتھ ہدایت بیان فرما دی ہے۔ جن لوگوں کو اس کتاب سے پہلے اللہ نے کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ وہ واقعی آپ کے رب کی طرف سے ہے لیکن جو معاند ہیں وہ عناد کی وجہ سے شک کرتے ہیں سو آپ شک کرنے والوں سے نہ ہوں۔ چونکہ کسی نبی کو اپنی نبوت میں شک ہونے کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا اس لیے یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ کتاب اللہ کی حقانیت میں شک نہ کرو۔

پھر فرمایا ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ (اور آپ کے رب کے کلمات کامل ہو گئے صدق اور عدل کے اعتبار سے) اس میں رب تعالیٰ شانہ کے کلمات یعنی کلمات قرآن کے کامل ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتا دیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض کر دیئے ہیں۔ آپ کا بتانا اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے، آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے، کسی پر ظلم و زیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی اور بعض حضرات نے عدل کو اعتدال کے معنی میں لیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں اعتدال ہے نہ ہر چیز مباح ہے اور نہ ہر چیز حرام اور ممنوع ہے۔ کچھ مکروہات بھی ہیں ایسا بھی نہیں کہ سارا دین لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو۔ اور ایسا بھی نہیں کہ انسانوں کی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں کا

Marfat.com

بالکل ہی لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ اللہ کے دین میں بنی آدم کے نفسوں کے تقاضوں کی بھی رعایت ہے اور کچھ بندشیں بھی ہیں۔ ان بندشوں میں بنی آدم کی خیر مضمر ہے۔ اگر کوئی بھی چیز ممنوع نہ ہو تو انسانوں میں اور چوپاؤں میں کوئی فرق نہ رہے، پھر جو احکام ہیں ان میں استطاعت کی قید ہے۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ بھی فرمایا اور ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ بتا کر یہ فرما دیا کہ کسی جان کی وسعت اور طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ عَدْلًا کی تفسیر ہوئی۔

اور ''صِدْقًا'' جو فرمایا یہ قرآن کریم کے بیان فرمودہ واقعات اور قصص اور وعد اور وعید سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا بالکل سچ ہے اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ (اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کا کلام لفظی اور معنوی تحریف سے محفوظ ہے اس نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو اسے کون بدل سکتا ہے اور کس میں طاقت ہے کہ اس میں تحریف کر دے؟ دشمن تک یہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس وقت سے لے کر اب تک چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور وہ ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔

پھر فرمایا ﴿وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے، وہ سب کی باتیں سنتا ہے، اسے مخالفوں اور معاندوں کی باتوں کی خبر ہے اور سب باتوں کا علم ہے۔ قرآن کے موافق اور مخالف جو بھی ہیں وہ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے علم کے مطابق سب کے فیصلے فرمائیں گے۔

زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنے والے ہیں:

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ (الآیۃ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو لوگ بستے ہیں ان میں اکثر گمراہ ہیں۔ ان اکثریت والوں کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں راہ حق سے ہٹا دیں گے۔

معلوم ہوا کہ اکثریت دلیل حقانیت نہیں ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا ﴿قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ﴾ دنیا میں اکثریت گمراہوں کی ہے جو اللہ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ان کی بات مانو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حق والوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور ان سے حق سیکھو۔

سورۂ توبہ میں فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اللہ کے یہاں محبوبیت کا مدار ایمان اور تقویٰ پر ہے اکثریت پر نہیں ہے۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ (بلاشبہ آپ کا رب اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ ﴿وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پر چلنے والوں کو۔ وہ قیامت کے دن اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا۔ اہل ضلال کو ضلال کی سزا اور اہل ہدایت کو ہدایت کی جزا ملے گی۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآىِٕهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ

Marfat.com

الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾

سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لائے ہو، اور تمہارے لیے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت مجبوری ہو۔ بلاشبہ بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو، اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بے شک وہ گناہ ہے۔ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے

حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو

درمنثور ج ۳ ص ۴۱ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں (یعنی ذبح کر دیں) اسے تو آپ کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کر دے (یعنی اسے موت دیدے اور وہ بغیر ذبح کے مر جائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۶۹ میں نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم محمد ﷺ سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ میں چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذی نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اسے کھا لیتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرتا ہے اسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ نازل فرمائی (قال الترمذی ہٰذا حدیث حسن غریب)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا ہے کہ اہل فارس کے سمجھانے اور بجھانے پر قریش مکہ نے کہا تھا۔ مفسر ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آ سکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہٰذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن مجید میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور خبیث جانور حرام ہیں۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے ﴿يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ نیز بھیمۃ الانعام کے کھانے کی اجازت دیدی سوائے ان جانوروں کے جن کا استثناء فرما دیا ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سپرد فرما دیا۔ آپ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتا

Marfat.com

دی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کر دیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھاتا پیتا ہے اور جن میں خون گزرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو)۔ ذبح کرنے والا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکلتا ہے تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہٰذا ذبیحہ کا کھانا حلال ہو گیا۔

اعتراض کرنے والے نے فرق کو تو دیکھا نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مرجانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کو سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتابی کسی جانور کو لاٹھی مار مار کر ہلاک کر دے۔ اگر چہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاٹھیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام ''موقوذہ'' ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جب حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ۔ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ، دشمنوں کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دو اللہ نے تمہیں حلال کی تفصیل بتا دی، اللہ کے حلال کیے ہوئے جانور کو نہ کھانا اور دشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

اسی کو فرمایا ﴿وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو شرک کرنے والے ہو جاؤ گے۔ یعنی اللہ کی بات ماننے کے بجائے دوسروں کی بات مان کر مشرکوں کے زمرہ میں آجاؤ گے۔

جس جانور کو اللہ کا نام لے کر مسلم یا کتابی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور حلال ہو اس کے کھانے کی اجازت دیدی اور جو جانور میتہ ہو (یعنی اپنی موت مر گیا ہو یا جسے اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا گیا ہو) اس کے کھانے کو حرام قرار دیدیا گیا اور اسے فسق یعنی حکم عدولی بتایا۔ ہاں حالت مجبوری میں ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ﴾ کے ساتھ مشروط کر کے مردار کھانے کی اجازت دیدی۔ ﴿وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اور بلاشبہ بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی جو بھی کوئی بغیر سند بات ان کے خواب وخیال میں آجاتی ہے اس کے ذریعہ لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اللہ کے حکم کے پابند نہیں ہوتے۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ﴾ (بے شک تیرا رب حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے) وہ ان کو سزا دے گا۔

ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم:

﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ (اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ) اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہ چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ جو گناہ ظاہری طور پر علانیہ ہے وہ بھی چھوڑ دو اور جو پوشیدہ ہو اسے بھی چھوڑ دو اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو جانتا ہے اور وہ گناہوں کی سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ تنہائی میں جو گناہ کر لیا اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر نہیں ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں عنقریب ان کے اعمال کی جزا دیدی جائے گی۔

Marfat.com

﴿وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ﴾ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اہل فارس مشرک تھے اور قریش مکہ بھی مشرک تھے انہوں نے مشرکین مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ تم محمد (علیہ السلام) پر یہ اعتراض کرو۔ اور یہودیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ تم یہ اعتراض لے کر جاؤ اور مسلمانوں سے جھگڑا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتادیا کہ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اگر تم نے ان کا کہا مانا تو مشرک ہو جاؤ گے یعنی مشرکوں والا کام کرلو گے۔ یعنی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور غیروں کی اطاعت کر کے شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم کو ماننا اور ان کو تحلیل وتحریم کا مختار سمجھنا مشرکوں کا کام ہے۔ (فی معالم التنزیل قال الزجاج فیه دلیل علی من احل شیئاً مما حرم الله او حرم ما احل الله فهو مشرك)

مسئلہ: اگر ذبح کرتے وقت قصداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگر چہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو۔ اور جس جانور پر ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو۔ مذبوحہ اور میتہ جانوروں کے بارے میں متعدد مسائل سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکا ہیں۔ (انوار البیان ج ۲)

اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَ مَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیریوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں۔ کافر جو عمل کرتے ہیں وہ ان کے لیے اسی طرح مزین کر دیے گئے اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ تا کہ وہ اس میں مکر کریں اور وہ صرف اپنی ہی جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے

مومن زندہ ہے اس کے لیے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے

علامہ بغوی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان دو آدمیوں کے تعین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ﴿وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا﴾ سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا) مراد ہیں، اور ﴿مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ﴾ سے ابوجہل مراد ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لیے ہوئے آرہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابوجہل کی حرکت کا علم ہوا تو غصہ میں بپھر گئے اور ابوجہل کے پاس آکر اس کے سر پر کمان ماری وہ عاجزی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے کر آئے ہمیں بے وقوف بناتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہوگا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ اس پر آیت کریمہ ﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ﴾ نازل ہوئی۔ سبب نزول جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مومن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کرلیا وہ زندوں میں شمار ہوگیا اور اسے نور ایمان مل گیا۔ وہ اسی نور ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نور ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دیدیا وہ اس جیسا کہاں ہوسکتا ہے جو اندھیریوں میں ہے۔ برابر

Marfat.com

انہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا ﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جس طرح اہل ایمان کے لیے ایمان مزین کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال کفریہ مزین کر دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنی حرکت بد کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔

ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا﴾ (اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کیے جوان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

﴿لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ تاکہ یہ لوگ مکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلنے دیں اور اس کے خلاف شرارتیں کریں۔ ﴿وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (اور ان کا مکر ان کی جانوں ہی کے ساتھ ہے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل ﴿لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف و جوانب میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھا دیئے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔

در حقیقت ہر بستی اور علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہل اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم میں اس کا مظاہرہ ہے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی، اللہ جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے

ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہیے

معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے۔ اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابوجہل کا بھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہٗ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کا اہل کون ہے اور اس عہدہ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا

Marfat.com

ہے اور اللہ تعالیٰ کو جہل کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جنھوں نے یہ اعتراض کیا ہے انہیں اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے اس کے سینہ کو ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرمائے کہ اس کو گمراہ فرمائے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے ایسے ہی ان لوگوں پر اللہ عذاب بھیج دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے

صاحب ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے

آیت قرآنیہ سن کر اور آیات تکوینیہ دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے اور اکثر کفر سے چمٹے رہتے تھے اس آیت میں اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ نے یہ بتایا کہ اللہ جل شانہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ اور بلا پس وپیش سچے دل سے پورے اخلاص کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہی میں باقی رکھنا چاہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے اسلام کی دعوت سن کر اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اسلام قبول کرنے کی بات سامنے آتی ہے تو یہ ایسا دوبھر اور دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ بڑی مصیبت کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایسی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی یہ ہے کہ دار الغرور (دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشہ رہنے کی جگہ) کی طرف رجوع کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کر لے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۶)

سینہ کی تنگی کا مطلب بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل میں انقباض ہونے لگے اور گھبراہٹ محسوس ہو اور اگر بتوں کی عبادت کا ذکر آئے تو دل خوشی کی کیفیت طاری ہو۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ مومن کو اپنے ایمان پر شاداں وفرحاں خوب خوش رہنا چاہئے ایمان اور ایمانیات کی وجہ سے دل خوشی کی لہریں دوڑتی رہیں۔

پھر فرمایا ﴿كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اللہ ایسے ہی عذاب بھیج دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

علماء تفسیر نے رجس کے کئی معنی کیے ہیں۔ روح المعانی میں اولاً عذاب اور خذلان کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ الرجس مالا خیر فیہ یعنی جس میں کوئی خیر نہ ہو وہ رجس ہے۔ پھر علامہ راغب اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ الرجس الشئی القذر یعنی گھناونی چیز اور زجاج سے نقل کیا ہے۔ ھو اللعنة فی الدنیا و العذاب فی الاٰخرة۔ یہاں یہ سب معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ پاک گمراہ شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان لوگوں پر رجس ڈال دیتا ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ

Marfat.com

اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، بے شک ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لیے آیات بیان کردی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس اور وہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب اللہ ان کا مددگار ہے، اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے کثیر تعداد کو اپنا تابع کرلیا۔اور انسانوں میں جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض نے بعض سے نفع حاصل کیا۔اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ میعاد کو جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی۔فرمان خداوندی ہوگا کہ دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے۔اس میں ہمیشہ رہو گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بہ سبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے

مومن اور کافر کا فرق بیان فرمانے کے بعد اب صراط مستقیم کی دعوت دی جارہی ہے۔(دین اسلام) تیرے رب کا راستہ ہے جو سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے اس کی دعوت بھی واضح ہے، جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے ہیں ان کے لیے واضح طور پر آیات بیان کردیں۔پھر صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے دو انعام ذکر فرمائے اول یہ کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس دارالسلام ہے۔

اہل ایمان کے لیے دارالسلام کا وعدہ:

دارالسلام کا معنی ہے سلامتی کا گھر۔اور اس سے جنت مراد ہے جنت میں ہر طرح کے مصائب اور تکالیف سے سلامتی ہوگی۔نہ جسمانی کوئی تکلیف ہوگی نہ روحانی۔نہ آپس میں بغض ہوگا نہ کینہ ہوگا نہ حسد ہوگا نہ دشمنی ہوگی۔اور نہ نعمتوں کے ختم ہونے کا یا چھننے کا اندیشہ ہوگا۔جب جنت میں داخل ہوں گے تو فرمایا جائے گا ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ﴾ کہ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ امن وامان کی حالت میں۔اہل جنت کو اللہ کی طرف سے سلام آئے گا۔جس کا تذکرہ کرتے ہوئے سورہ یٰسین میں فرمایا ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ فرمایا ہے۔الحاصل! جنت دارالسلام ہے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے جعلنا الله من اهلها

﴿وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ فرمایا ہے الحاصل! جنت دارالسلام ہے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے جعلنا الله من اهلها۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے:

دوسرے انعام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی اللہ ان کا ولی ہے بسبب ان کے عمل کے جو وہ کرتے تھے۔

صاحب معالم التنزیل ج ۷ ص ۱۳۰ لکھتے ہیں یتو لا هم فی الدنیا بالتوفیق و فی الآخرة بالجزاء یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کا ولی یعنی دوست ہے اور مددگار ہے جس نے ایمان کی توفیق دیدی اور آخرت میں بھی ان کا دوست ہوگا وہ انہیں ایمان کا بدلہ دے گا۔

قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال:

اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا﴾ کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمائے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا۔﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ کہ اے جنات کے گروہ تم نے کثیر تعداد میں انسانوں کو اپنے تابع کرلیا۔جنات سے شیاطین مراد ہیں۔
جب ابلیس مردود ہوا تھا اس نے کہا تھا ﴿لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ (کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقرر بنالوں

Marfat.com

گا) اور یہ بھی کہا تھا۔ ﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ (کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔)

ابلیس نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذریت بھی اس کی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنالیا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر گمراہ کر دیا شیاطین الجن سے اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنالیا ہے اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا یہ خطاب توبیخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔

انسانوں کا جواب اور اقرار جرم:

﴿وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض نے بعض سے انتفاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے منتفع ہوئے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترنا ہوتا تو یوں کہتے کہ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الوادی (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اعوذ بسید هٰذا الوادی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگنی چاہئے تھی ہم سے مانگی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا۔ کہ ﴿وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ اور ہم پہنچ گئے اس مقرر میعاد کو جو ہمارے لیے آپ نے مقرر فرمائی تھی) اس اجل یعنی مقررہ معیاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا۔ جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ابلیس کو خطاب کر کے بتا دیا تھا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (کہ میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا۔ تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرما دیا تھا جب ابلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھا کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں کا ٹھکانا ہوگا۔

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (مگر یہ کہ جو اللہ چاہے) یعنی وہ چاہے تو دوزخ سے نکال سکتا ہے۔ مگر کافروں کو نہیں نکالے گا جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ فرمایا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بسبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر:

نُوَلِّيْ کا یہ ترجمہ جو ابھی لکھا گیا حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے ان سے نقل کیا ہے۔ نَجْعَلُ بَعْضَهُمْ اَوْلِيَآءَ

Marfat.com

بَعْض کہ ہم ظالموں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست بناتے ہیں۔ یہ معنی بھی صحیح ہے دنیا میں ہر وقت اس کا مظاہرہ ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے آپس میں مل کر اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے نُوَلِّیْ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ظالموں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیں گے۔ یعنی قیامت کے دن ایک ہی قسم کے لوگوں کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔ پھر یہ جماعتیں دوزخ میں چلی جائیں گی۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں فرمایا۔ ﴿اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ﴾ ظالموں کو اور ان کے ہم شربوں اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع کرو پھر ان کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ اور سورۂ زمر میں فرمایا ﴿وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا)۔

آیت کا ایک اور معنی بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے ای نسلّط بعض الظالمین علٰی بعض کہ ہم بعض ظالموں کو بعض دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں اور ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ہاتھ سے سزا دلوا دیتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ
كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا
تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا۔ اور وہ اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں، اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں، اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے جس کو چاہے آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ فرما دیجیے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بلاشبہ میں عمل کر رہا ہوں، سو تم عنقریب جان لو گے کہ کس کے لیے ہے اس عالم کا انجام کار، بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔

جن وانس سے سوال! کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرار جرم

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے اپنے اس خطاب کا ذکر فرمایا جو جنات کی جماعت سے اور انسانوں سے قیامت کے دن ہوگا۔ دونوں جماعتوں کے مجرمین کافرین جو میدان حشر میں موجود ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے جنات اور اے انسانو! کیا

Marfat.com

تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام بتاتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی حاضری سے اور اعمال کے نتائج سامنے آنے سے باخبر کرتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے کہ دیکھو ایک دن ایسا آنے والا ہے تم اس کے لیے فکرمند ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔

اول تو مجرمین اقرار جرم سے گریز ہی کریں گے۔ اور اپنے کفر و شرک کا انکار ہی کر بیٹھیں گے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ان کا قول ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ذکر فرمایا ہے۔ پھر بعد میں اپنے ہاتھ پیروں کی گواہی سے اور اپنے نبیوں کی گواہی کی وجہ سے مجبور ہو کر اقرار کر لیں گے۔ جس کا تذکرہ اوپر آیت بالا میں فرمایا۔

﴿قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا﴾ وہ کہیں گے کہ اپنی جانوں کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں کہ واقعی ہم مجرم تھے اور واقعی ہم کافر تھے۔ درمیان کلام ان لوگوں کی گمراہی کا اور کفر و شرک پر جمنے کا سبب بھی ذکر فرما دیا۔

﴿وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ یعنی دنیا والی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ دنیاوی زندگی کو انہوں نے اصل سمجھا اور اس کے منافع اور ثمرات اور شہوات و لذات ہی کے پیچھے پڑے رہے۔ ایمان کی دعوت دینے والوں اور یوم آخرت کی یاد دہانی کرانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى﴾ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کے سبب اس طرح ہلاک نہیں فرماتا کہ وہ لوگ اپنے ظلم کے انجام سے بے خبر ہوں۔

اللہ جل شانہٗ پیغمبر بھیجتا ہے جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ توحید اختیار کرنے والوں کا اچھا انجام اور مشرکوں و کافروں کا برا انجام بتاتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سب کچھ بتا دینے کے بعد جب لوگ باز نہیں آتے تو اللہ پاک کی طرف سے ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ہلاکت کا سبب بھی بتا دیا کہ وہ ظلم ہے ہر گناہ ظلم ہے اور کفر بھی ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ پھر فرمایا ﴿وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ (اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں) ثواب والوں کے بھی مختلف درجات ہیں اور عقاب والوں کے بھی، اور جس نے جو کچھ کیا اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے جزا اور سزا پالے گا۔

﴿وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ (اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو وہ کرتے ہیں) اس میں یہ بات بتا دی کہ حساب لینے والا اور جزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرے سارے اعمال کا بدلہ کیسے ملے گا۔ کسے خبر ہے کہ میں نے کیا کیا؟ خوب سمجھ لیں کہ جسے جزا دینا ہے اسے سب کچھ معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے رحمت والا ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ (تیرا رب غنی ہے بے نیاز ہے، رحمت والا ہے) اسے کسی چیز کی اور کسی کے عمل کی حاجت نہیں۔ ہاں! ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے اس نے مخلوق کو وجود بھی بخشا، ان کو رزق بھی بخشا ہے اور ان کی حاجتیں بھی پوری فرماتا ہے، دنیا میں تو سب ہی پر اس کی رحمت ہے اور آخرت میں اہل اطاعت کے لیے مخصوص ہے۔

اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے:

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ﴾ (اگر پروردگار عالم جل مجدہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد دوسروں کو اپنی زمین پر آباد فرما دے)۔

﴿كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ (جیسا کہ اس نے تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرما دیا) آج وہ تمہارے دادے پردادے کہاں ہیں جن کی نسل سے تم ہو۔ جس طرح تدریجی طور پر پرانی ایک نسل کے بعد دوسری نسل لانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اس طرح سے

Marfat.com

وہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ دفعتہً سب کو ختم کردے پھر اس کی جگہ دوسروں کو آباد کردے۔ وہ تو بے نیاز ہے تم تو بے نیاز نہیں ہو تم اپنی بقا میں اس کے محتاج ہو اور حاجات پوری کرنے کے لیے تمہیں اس کی رحمت کی ضرورت ہے۔

دنیا میں بھی تم اس کے محتاج ہو اور موت کے بعد بھی۔ لہٰذا اپنی ضرورت سے ایمان قبول کرو اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔

قیامت ضرور آنے والی ہے:

پھر فرمایا ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ﴾ (بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے) یعنی قیامت اور حساب و کتاب اور عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی جو خبریں تمہیں دی جارہی ہیں اور تمہیں جو یہ بتایا جارہا ہے کہ مومنین کی یہ جزا ہے اور کافروں کی یہ سزا ہے یہ سب کچھ ہونے والا ہے سامنے آجانے والا ہے۔ دیر لگنے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ یونہی باتیں ہیں۔

﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ (اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے) اور موت سے اور قیامت کے دن پیش آنے والے حالات سے جان چھڑا کر کہیں جا نہیں سکتے۔ سورۂ مریم میں فرمایا۔ ﴿لَقَدْ اَحْصٰھُمْ وَعَدَّھُمْ عَدًّا وَ کُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سب کو خوب اچھی طرح شمار میں رکھا ہے اور سب اس کے پاس ایک ایک ہو کر حاضر ہوں گے) بہت سے جاہل قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہزاروں سال ہوگئے اب تک تو قیامت آئی نہیں یہ احمقانہ بات ہے خالق و مالک جل مجدہٗ کا وعدہ سچا ہے اس کے علم میں اس کا وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت مقررہ پر آئے گی۔ کسی چیز کے وجود میں آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہ ہوگا۔

اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا:

پھر فرمایا ﴿قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں بھی اپنے طور پر عمل کرتا ہوں)

میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کفر و شرک کا انجام برا ہے اس وقت تم نہیں مانتے۔ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ (سو عنقریب تم جان لوگے کہ اس عالم میں انجام کار کس کے لیے نفع مند ہوا) جب آنکھیں میچیں گی اس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ نفع والا ہم اپنے کو سمجھ رہے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ نفع والے ایمان اور اعمال صالحہ والے تھے لیکن وہاں سمجھ میں آنا بے فائدہ ہوگا اسی دنیا میں سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں تو نفع والے ہو جائیں اور آخرت کے خسارہ سے بچ جائیں گے۔

ظالم کامیاب نہیں ہوتے:

﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) اس میں قاعدہ کلیہ کے طور پر بتا دیا کہ ظالمین یعنی کافر و مشرک کامیاب نہ ہوں گے۔ کفر و شرک والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے فائدہ میں ہیں لیکن وہ حقیقت میں نقصان میں جارہے اور خسارہ میں پڑ رہے ہیں قیامت کے دن جب تباہ حال ہوں گے اس وقت حال کا پتہ چلے گا۔

کیا جنات میں سے رسول آئے ہیں؟

فائدہ: آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا ﴿اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ﴾ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنوں دونوں جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علماء سلف کے مختلف اقوال نقل کیے۔ مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۷۷ بحوالہ ابن جریر، ضحاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گزرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیت کریمہ سے ہے پھر لکھا ہے کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْکُمْ کا معنی من جملتکم بھی ہو سکتا ہے۔ جس کا معنی ہوگا کہ مجموعہ انس و جن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ

Marfat.com

سورہ رحمن میں فرمایا ہے۔ ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ﴾ اس میں مِنْهُمَا کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمَا بمعنی مِنْ جملتھما ہوا اور ﴿رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ سے بھی یہ معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کو مجاہد اور ابن جریج وغیرہ واحد من السلف والخلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ﴿رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ میں جو لفظ رُسُل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے (ﷺ) وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لیے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے ان کو بھی رسول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے، رسول تو بنی آدم ہی سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکام خداوندی کی مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ ﴿اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے جنات میں انہیں میں سے رسول آتے ہوں گے۔

بنی آدم کے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد جنات کو انہیں انبیاء و رسل کے تابع فرما دیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

بہر حال جو بھی صورت ہو اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین سرور دو عالم رسول الثقلین ﷺ ہیں اور رہتی دنیا تک جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث ہیں جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں۔

سورۂ احقاف کے آخری رکوع میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا تذکرہ پھر ان کا اپنی قوم کی طرف جانا اور ان کو اسلام کی دعوت دینا ﴿اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ﴾ مذکور ہے۔ اور سورۃ الرحمٰن میں جنات سے بار بار خطاب ہونا اور آنحضرت ﷺ کا جنات کو سورۃ الرحمٰن سنانا اور ان کی دعوت پر ان کی جائے سکونت پر تشریف لے جا کر تعلیم دینا اور تبلیغ فرمانا (جس کا احادیث شریف میں ذکر ہے) اس سے یہ بات خوب ظاہر اور بہت ہی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں جن حضرات نے یہ فرمایا کہ بنی آدم کے دنیا میں آباد ہو جانے کے بعد جنات کی ہدایت کے لیے بھی وہی رسول مبعوث تھے جو بنی آدم کی طرف بھیجے گئے ان کے اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جب جنات کی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر واپس ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم سے جو باتیں کیں ان میں یہ بھی تھا۔ ﴿يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ان کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنات توریت شریف پر عمل کرتے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں خود ان میں سے کوئی رسول ہوتا تو وہ اسی کا اتباع کرتے۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

Marfat.com

اوران لوگوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ کھیتوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں، سوانہوں نے اپنے خیال سے یوں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہے سو وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں

مشرکین نے کھیتوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا

مشرکین میں جو طرح طرح سے شرک پھیلا ہوا ہے جس کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے شرکاء یعنی اپنے باطل معبودوں کے نام پر کچھ مال نامزد کر دیتے تھے۔ اور بہت سا مال ان پر بھینٹ کے طور پر چڑھاتے تھے ان کے ناموں پر جانوروں کے کان کاٹ دیتے تھے اور ان کے نام سے بہت سے جانوروں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ مشرکین میں اب بھی ایسے طریقے رائج ہیں۔

آیت بالا میں مالیاتی سلسلہ کے ایک شرک کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کھیتیاں اور مویشی پیدا فرمائے ہیں اور یہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ مشرکین یہ کرتے تھے کہ ان میں سے کچھ حصہ اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے مقرر کر دیتے تھے۔ اس کے مصارف بھی انہوں نے تجویز کر رکھے تھے۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا تھا اس میں کچھ حصہ اگر معبودانِ باطلہ کے حصہ میں مل گیا تو اسے تو ملا ہی رہنے دیتے تھے اور اگر ان معبودانِ باطلہ والے حصہ میں کچھ حصہ اس حصہ میں مل جاتا جو اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اسے جھٹ الگ کر لیتے تھے۔ پہلی حماقت اور ضلالت تو یہ کہ اللہ کے علاوہ معبود تجویز کر لیے پھر دوسری گمراہی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ چیزوں میں بہت سا مال معبودانِ باطلہ کے لیے نامزد کر دیا۔ پھر تیسری گمراہی یہ کہ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کو خالق و مالک جل مجدہ کے مقابلہ میں فضیلت دیدی کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اگر ان کے حصہ میں مل جائے تو ملا ہی رہے اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کر لیا تھا اس میں سے اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ مل جائے تو فوراً جدا کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ کہ یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں بعض اکابر نے فرمایا کہ امت حاضرہ کا بھی کچھ ایسا ہی طریق کار ہے کہ جو وقت عبادت ذکر و تلاوت کے لیے مقرر کرتے ہو اس وقت میں دنیوی کام تو کر لیتے ہو اور جو وقت دنیا کے لیے مقرر کیا ہے اس میں سے ذکر و تلاوت میں لگانے کو تیار نہیں ہوتے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا
عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ
حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ
اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ
سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور اسی طرح مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رلا ملا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیجئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے

Marfat.com

مطابق یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے اس کو بس وہی لوگ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے، عنقریب وہ انہیں سزا دے گا بسبب اس کے کہ وہ افتراء کرتے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام قرار دیدیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ سو وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو وہ بیان کرتے ہیں، بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا بے شک وہ لوگ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں۔

مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اور کھیتیوں اور جانوروں کے بارے میں اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا

اس دنیا میں ہادی عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پوری دنیا جہالت، ضلالت، سفاہت، کفر و شرک سے بھری ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ مشرک بھی تھے اور جاہل بھی، ان میں جہالت اور جاہلیت دونوں پوری طرح جگہ پکڑے ہوئی تھی طرح طرح کی شرکیہ رسمیں نکال رکھی تھیں۔

جانوروں اور ان کے بچوں اور کھیتیوں کے بارے میں طرح طرح کے افعال قبیحہ میں مبتلا تھے اور یہ افعال اور رسوم انہیں شیاطین الجن اور شیاطین الانس نے سجھا رکھی تھیں جن میں بعض کا ذکر ﴿فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ میں اور بعض کا ذکر ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں اور بعض کا ذکر ﴿مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ﴾ (الآیۃ) میں اور بعض کا ذکر آیت ﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ میں گزر چکا ہے ان آیات میں بھی ان کے چند افعال قبیحہ اور رسوم ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے مشرکین کو ان کے شرکاء یعنی شیاطین نے اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور ان کے اس عمل کو ان کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا۔ اہل عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رزق کی تنگی کے ڈر سے بھی اولاد کو قتل کر دیتے تھے جیسا کہ دو رکوع کے بعد یہ مضمون آ رہا ہے۔

شیاطین نے ان کی نظروں میں اولاد کے قتل کرنے کو ایسا مزین کر دیا تھا کہ وہ اس عمل میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے اور ذرا سی بھی ماممتا ان کے دل میں نہیں آتی تھی جو قتل اولاد سے مانع ہو۔ شیاطین نے ان کو اس کام پر ڈالا تاکہ ان کو برباد کریں اس میں سب سے بڑی بربادی یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کے مستحق ہوئے اور ایک طرح سے دنیاوی بربادی بھی ہے کیونکہ جب اولاد زندہ نہ چھوڑی جائے گی تو آئندہ نسلیں بھی نہ چلیں گی اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے اس میں نسل انسانی کی بربادی بھی ہے۔

لِيُرْدُوْهُمْ (تاکہ انہیں برباد کریں) کے ساتھ ﴿وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ﴾ بھی فرمایا (تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رلا ملا دیں)

معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ لیدخلوا علیھم الشک فی دینھم و کانوا علیٰ دین اسماعیل علیہ السلام فرجعوا عنہ بلبس الشیاطین۔

مطلب یہ ہے کہ ان کو شیاطین نے ان کے دین کے بارے میں شک میں ڈال دیا یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ شیاطین کی تلبیس کی وجہ سے اس دین کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کے بعد مشرکین عرب کی ایک اور مشرکانہ حرکت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے مویشیوں اور کھیتیوں کے بارے میں پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں مویشی اور فلاں کھیتی کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں، وہ کہتے تھے کہ ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جن کو ہم چاہیں۔ اپنے خیال باطل کے موافق انہوں نے حرام حلال کے کچھ قوانین بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے جو چیز سب کے لیے حلال فرمائی اس کو بعض کے لیے حرام قرار دے دینا ظلم اور تعدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین میں دخل دینا

Marfat.com

ہے اس لیے اس کی قباحت بیان فرمائی۔ مشرکین عرب نے یہ بھی کررکھا تھا کہ بعض جانوروں کو سواری کے لیے استعمال کرنا حرام قرار دے رکھا تھا جس کی کچھ تفسیر آیت کریمہ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ یہ لوگ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان پر سوار ہونے اور بار برداری کرنے کو حرام سمجھتے تھے اسی کو ﴿وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا﴾ میں بیان فرمایا۔

﴿وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ﴾ پھر ان کی سزا کے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ (اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب سزا دے گا اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔)

مشرکین عرب نے جو حرام حلال کے خود ساختہ قوانین بنا رکھے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ بعض جانوروں کے پیٹوں میں جو حمل ہوتا تھا اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو جائے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو جاتا تو کہتے کہ اس کو مرد و عورت سب کھا سکتے ہیں۔ یعنی دونوں فریق کو اس کے کھانے کی اجازت ہے اس تحلیل اور تحریم کا قانون بھی انہوں نے خود ہی تجویز کر رکھا تھا جسے ﴿وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا﴾ میں بیان فرمایا۔ ان کے ان باطل خیالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو وہ بیان کرتے ہیں بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

آخر میں فرمایا ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (بے شک خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا) ﴿وَ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ﴾ (اور انہیں اللہ نے جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دیدیا) ﴿قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ (بے شک یہ لوگ گمراہ ہوئے۔ اور ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں) اوپر جو مشرکین کے شرکیہ خیالات اور رسوم و اعمال اور خرافات مذکور ہوئے آخر میں ان کی گمراہی اور اخروی سزا کا اجمالی تذکرہ فرمادیا کہ یہ لوگ بالکل خسارہ میں پڑ گئے دنیا میں گمراہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کے مستوجب ہوئے ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں گو یہ باپ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے قتل کرنے والے اور مقتول بچے سب اسی کی ملکیت ہیں۔ قاتلین نے اللہ کی مخلوق کو ناحق قتل کرنے کا پاپ اپنے ذمہ لیا۔

نیز انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ سب عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کی باتیں ہیں۔

فائدہ: لفظ شرکاء مشرکین کے معبودان باطلہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور عبادت میں شریک کیا (العیاذ باللہ) اور شیاطین الجن اور شیاطین الانس کو بھی شرکاء فرمایا ہے۔ جن کے کہنے پر مشرکین چلتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

سورۂ انعام میں ایک خطاب کا ذکر فرمایا جو مشرکین سے کیا جائے گا۔ ﴿وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ اور سورۂ یونس میں فرمایا ﴿وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ قال البغوی فی معالم التنزیل سمیت الشیاطین شرکاء بانهم اطاعوهم فی معصیة الله و اضیف الشرکاء الیهم لانهم اتخذوها۔

فائدہ: آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ تمام اشیاء و اجناس کی تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا اور ان کے لیے استمتاع اور انتفاع کے لیے مختلف اشیاء پیدا فرمائیں اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے جس کے لیے حلال قرار دے

Marfat.com

اور جس کے لیے چاہے حرام قرار دے۔ بندوں کو کسی چیز کے حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار نہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدائی اختیارات کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لیے اسے مشرکانہ افعال میں شمار فرمایا اسمبلیوں میں قانون خداوندی کے خلاف جو لوگ قانون پاس کرتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔

اہل بدعت مشرکین کی راہ پر:

مشرکین نے جو یہ تجویز کر رکھا تھا کہ فلاں چیز مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے اس طرح کا رسم ورواج آج بھی بہت سے اہل بدعت میں پایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے جو نیاز دی جاتی ہے اس سے آپ منع کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ (قطع نظر اس بات کے کہ یہ بہت سی بدعات پر مشتمل ہے اور دوسری نیازوں کا بھی یہی حال ہے) اس میں جو یہ قانون ہے کہ اس میں سے لڑکے نہیں کھا سکتے صرف عورتیں ہی کھا سکتی ہیں۔ یہ وہی پابندی ہے جو مشرکین عرب نے جانوروں کے بارے میں تجویز کر رکھی تھی جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے حلال کی اس کو بعض کے لیے حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کے قانون کی سخت خلاف ورزی ہے اور شرک ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ٘ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور وہ وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں چھپریوں پر، اور ایسے بھی ہیں جو چھپریوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت اور کھیتی جس میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتون کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن اس کا حق دے دو اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ اور اس نے چوپاؤں میں سے ایسے جانور پیدا فرمائے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، اور ایسے جانور بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے جو تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتیوں کے ذریعے فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو معروشات ہیں یعنی ان کی بیلیں جو چھپریوں پر چڑھائی جاتی ہیں جیسے انگوروں کی اور بعض سبزیوں کی بیلیں، اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے اس کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون، انار، انجیر، کھجور، آم اور جیسے گیہوں وغیرہ جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلیں تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھپریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے کدو، خربوزہ، تربوز وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

Marfat.com

جو سبزیاں بیل والی ہیں عموماً وہ بھاری بھاری ہوتی ہیں جیسے تربوز، خربوزہ، کھیتی کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلوں میں کئی قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر ان کے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۵ پر لکھتے ہیں۔

ثمرہ و طعمہ منہا الحلو و الحامض و الجید و الردی

یعنی کھیتیوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا ہے کوئی بڑھیا ہے کوئی ردی ہے پھر فرمایا ﴿وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے۔ ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن مزے میں مشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔ ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ الخ﴾ کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل لائے۔ ﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مراد ہے جو بعض صورتوں میں عشر یعنی ۱۰/۱ اور بعض صورتوں میں نصف العشر ۲۰/۱ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیت کریمہ مکیہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اس لیے اس سے زکوٰۃ کے علاوہ محتاجوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریبوں کو دینا واجب تھا پھر یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہو گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکیہ ہے) اس صورت میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد لینا بھی درست ہے۔ (من روح المعانی)

پیداوار کی زکوٰۃ کے مسائل سورۂ بقرہ کی آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمالیں۔ (انوار البیان، جلد اول)

پھر فرمایا ﴿وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ عربی میں اسراف حد سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے اس لیے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سارا ہی مال فقراء کو دیدے اور تنگ دستی کی تاب نہ ہو تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ج ۸ ص ۳۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ کے پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا، لوگ آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتیٰ کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابو مسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کٹائی سے پہلے پیداوار میں سے مت کھاؤ کیونکہ اس سے فقراء کے حق میں کمی آئے گی۔ حضرت ابن شہاب زہری نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ پیداوار کو گناہوں میں خرچ نہ کرو۔

پھر اس انعام کا ذکر فرمایا جو انسانوں پر مویشیوں کے ذریعہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جانور ایسے پیدا فرمائے جو حمولہ ہیں یعنی بار برداری کا کام کرتے ہیں اور ان کے قد بھی بڑے ہیں۔

اور دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں گویا کہ وہ زمین پر بچھے ہوئے ہیں ان پر بوجھ نہیں لادا جا سکتا جیسے کہ بھیڑ بکری

Marfat.com

اور دنبہ۔ ان چھوٹے قسم کے جانوروں پر سامان تو نہیں لادا جا سکتا لیکن ان کے دوسرے فائدے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور بڑے جانوروں کی نسبت ان کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے اوڑھنے پہننے اور بچھانے کے کپڑے تیار کیے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ (اللہ نے جو رزق دیا ہے اسے کھاؤ) اور اللہ کے قانون میں دخل نہ دو۔ جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اسے حلال رہنے دو۔ اور جو حرام ہے اسے حرام رہنے دو۔ اور اپنے باپ دادوں کی طرح (شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو) جانوروں اور کھیتوں کے سلسلہ میں جو انہوں نے رسوم قبیحہ شرکیہ نکال رکھی تھیں انہیں اختیار مت کرو۔ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ مِنَ الْاِبِلِ
اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

آٹھ طرح کے نر اور مادہ پیدا فرمائے، بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو، آپ فرمائیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو۔ یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں، تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر سچے ہو اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پیدا فرمائے آپ فرمائیے! کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں ایسی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا، تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں بتاتا۔

جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے طور پر تحریم اور تحلیل کر دی

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ان جانوروں کی آٹھ قسمیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو جن کا دودھ پیتے ہو گوشت کھاتے ہو ان میں سے دو قسمیں بھیڑ سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں بکری سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ اور دو قسمیں اونٹ کی پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں گائے کی پیدا فرمائیں۔ یعنی نر اور مادہ۔

اب ان جانوروں کی تحلیل و تحریم تم نے اپنے پاس سے کر لی تم نے کوئی شرط اور قید لگا کر نروں کو حرام قرار دے دیا۔ کبھی ان کے جوڑوں یعنی مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیا۔ پھر اپنی اس حرکت کو اللہ جل شانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تحلیل اور تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔ بتاؤ اللہ نے ان کے نروں کو حرام قرار دیا ہے یا ان کے مادوں کو یا اس چیز کو جس پر مادوں کے رحم مشتمل ہوتے ہیں۔ یعنی نر اور مادہ دونوں۔ اس تحریم کی نسبت تم نے اللہ کی طرف کیسے کی؟ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل لاؤ، کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کے مطابق ان کو حرام قرار دیا اور تم سے فرمایا کہ یہی چیزیں حرام ہیں؟

ظاہر ہے کہ نہ اللہ نے ان کو حرام قرار دیا اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بتایا ہے کہ یہ چیز تم پر حرام ہے۔ تم نے خود ہی شرطیں اور قیدیں لگا کر بعض جانوروں کو بعض صورتوں میں بعض افراد کے لیے حرام قرار دیا اور ساتھ ہی اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بولے؟

Marfat.com

یہ جھوٹا شخص بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو صریح ظلم ہے، اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جنت کی راہ نہیں دکھائے گا کیونکہ دنیا میں کفر اختیار کر کے دوزخ کے مستحق ہو گئے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا
اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ
رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا
عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ
بِبَغْیِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

آپ فرما دیجیے جو کچھ میری طرف وحی بھیجی گئی میں اس میں کھانے والے کو کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ناپاک ہے۔ یا ایسی چیز کو حرام پاتا ہوں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سو جو شخص حالت اضطراری میں ہو اس حال میں کہ باغی اور حد سے آگے بڑھنے والا نہیں سو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں۔ سوائے اس کے جو ان کی پشت پر یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ہڈی کے ساتھ مل جائے یہ ہم نے ان کی بغاوت کی وجہ سے ان کو سزا دی۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا

کیا کیا چیزیں حرام ہیں

مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کا معاملہ کر لیا تھا جس کا اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری طرف جو وحی بھیجی ہے میں اس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

(اول): مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مر جائے)

(دوم): دم مسفوح یعنی بہنے والا خون (یہ قید اس لیے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے، یہ دونوں اگرچہ خون ہیں لیکن منجمد ہونے کی وجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)۔

(سوم): خنزیر کا گوشت۔ اس کے بارے میں ﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ فرمایا کہ وہ پورا کا پورا بجمیع اجزاء ناپاک ہے۔ اس کا گوشت، چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے کیونکہ یہ نجس العین ہے اس لیے ذبح کر دینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہوگی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے کہ اگر وہ بلا ذبح بھی مر جائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

(چہارم): وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھا لینے کی اجازت دیدی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورۂ بقرہ کی آیت ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ﴾ (رکوع ۱۷) اور سورۂ مائدہ

Marfat.com

کی آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ﴾ (رکوع اول) کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ آخر الانبیاء تھے۔ اس لیے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہو گیا۔ اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حرمت بھی نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہیں۔

حلت اور حرمت کا اصول اجمالی طور پر سورۂ اعراف میں ﴿يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ فرما کر بیان فرما دیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کرسکتا کہ مذکورہ بالا چاروں چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

یہودیوں پر ان کی بغاوت کی وجہ سے بعض چیزیں حرام کر دی گئی تھیں:

پھر بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھیں جو امت محمدیہ کے لیے حلال ہیں۔ ان حرام کردہ چیزوں میں اول تو وہ جانور تھے جو ناخن والے ہیں۔ ناخن والے جانوروں سے وہ جانور مراد ہیں جن کا پنجہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو۔ جیسے اونٹ اور شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔

حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ اونٹ کے بارے میں گزر چکا ہے کہ ملت ابراہیمیہ میں یہ حلال تھا پھر حضرت اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو اپنے نفس پر حرام قرار دیدیا تھا پھر روایتی طور پر ان کی اولاد میں اونٹ کی حرمت چلی آئی۔ پھر شریعت موسویہ میں بھی بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا ﴿قال النسفی فی المدارك فلما نزلت التوراة علی موسیٰ حرم علیهم فیها لحوم الابل و البانها لتحریم اسرائیل ذالك علی نفسه (راجع تفسير قوله تعالیٰ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ الآية پھر فرمایا ﴿وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ[1] اَوْمَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ گایوں اور بکریوں کا گوشت تو یہودیوں کے لیے حلال تھا البتہ ان کی چربیاں حلال نہ تھیں صرف وہ چربی حلال تھی جو ان کی پشت پر ہو یا ان کی آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ کہ ہم نے ان کو یہ سزا ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے دی۔ ﴿وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں۔ یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گزر چکا ہے (انوار البیان جلد اول) وہاں ارشاد ہے۔ ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (سو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دیں پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے۔ یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی تھیں لیکن خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوسکتی۔ لعدم احتمال النسخ البتہ تکوینی طور پر طیبات سے محرومی ہوسکتی ہے۔ اور ہوتی رہتی ہے جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔

﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾ یعنی اگر وہ آپ کی تکذیب کریں اور تکذیب کے لیے بہانہ بنائیں کہ اگر آپ سچے ہیں اور ہم مجرم ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا تو آپ ان کو جواب دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے اس کی طرف سے سزا دینے میں ڈھیل دیے جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہارا مواخذہ نہ ہوگا۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا۔ مجرمین جب گرفتار عذاب ہوتے ہیں تو ان کا چھٹکارا نہیں ہوتا۔

---

[1] قیل جمع حاویة کزاویة وزاویا ووزنه فواعل۔ و اصله حواوی فقلبت الواو التی هی عین الکلمة همزة لانها ثانی حرفی لین۔ اکتنفا مدة مفاعل ثم قلبت الهمزة المکسورة یاء ثم فتحت لثقل الکسرة علی الیاء فقلبت الیاء الاخیرة الفا لتحرکها بعد فتحة فصارت حوایا اوقلبت الواو همزة مفتوحة ثم الیاء الاخیرة القائم المهزة یاء لوقوعها بین الفین کمافعل بخطایا۔ (ذکرہ صاحب الروح ص ۴۸: ج ۸)

Marfat.com

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن
تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا
تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرما دیجیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہی کے لیے ہے حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا۔ آپ فرما دیجیے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کی کٹ حجتی

انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ گناہ بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ حجت بازی بھی، اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنی طبیعت کے مطابق کام بھی کرتا رہوں اور جو شخص سفارشی پر تنبیہ کرے جواب دے کر اس کا منہ بھی بند کردوں، اور اس کے لیے طرح طرح کی دلیلیں تراشتا ہے اور حجتیں نکالتا ہے۔ مشرکین کو جب بتایا گیا کہ تم خالق و مالک جل مجدہٗ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ حالانکہ وہی خالق و مالک اور رازق ہے اور تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تحریم کی رسمیں جاری کرتے ہو اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہو تو اس کے جواب میں مشرکین نے یہ حجت نکالی کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے جو شرک کیا اور جو حلال چیزوں کو حرام قرار دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا، اگر وہ ہمارے اس عقیدہ و عمل سے ناراض ہوتا تو ہمیں کیوں کرنے دیتا۔

ان کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان عقائد اور اعمال سے ناراض ہے تو ہمیں ان کاموں کو کرنے ہی نہ دیتا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ ﴿كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے حجت نکالی اور رسولوں کی تکذیب کی یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا اسی طرح یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں ان کو بھی عذاب کا منتظر رہنا چاہئے۔

ان لوگوں نے جو اپنے عمل اور عقیدہ کے بارے میں دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

﴿قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا﴾ (آپ فرما دیجیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لیے ظاہر کرو)
یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے جس پر تمہاری حجت کی بنیاد ہو۔ ﴿إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ تم

Marfat.com

صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو۔ ﴿وَ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ﴾ اوراس کے سوا کوئی بات نہیں کہ تم اٹکل سے بات کرتے ہو۔

یہ جو تم نے دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں دین شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اور ہم اپنی طرف سے چیزوں کو کیوں حرام قرار دیتے یہ دلیل جاہلانہ ہے محض تمہارا ایک خیال ہے اور محض ایک اٹکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں ابتلاء اور امتحان کے لیے بھیجا اور امتحان اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ عمل کرنے والوں کو احکام دے دیئے جائیں اور اوامر ونواہی پہنچا دیئے جائیں ان کو عمل کرنے کا اختیار بھی ہو اور نہ کرنے کا بھی۔ اگر انسان کو تکوینی طور پر مجبور کر دیا جاتا کہ خواہی نخواہی فلاں عمل ضرور ہی کرے اور عمل کرنے نہ کرنے کا اختیار نہ ہوتا۔ بلکہ عمل کرنے پر مجبور ہوتا تو ابتلاء اور امتحان کیسے ہوتا؟

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس نے عقل اور ہوش دیدیا عمل کرنے کی قوت دیدی اور کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دیدیا۔ اب جو شخص شرک اختیار کرتا ہے اور اپنے پاس سے تحلیل وتحریم کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہے۔ یہ ہوتا تو سب کچھ اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ وجود میں آئے اللہ اس سے راضی بھی ہے۔ راضی ان اعمال سے ہے جن کے بارے میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ صاف صاف بتادیا کہ یہ عقائد اور اعمال میری رضا کے ہیں جو عقائد غلط ہیں اور جو افعال ممنوع ہیں وہ ان سے راضی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے:

پھر فرمایا ﴿قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ﴾ (آپ فرما دیجیے! کہ اللہ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے) یعنی اللہ ہی کی حجت پوری ہے اور تمہاری کٹ حجتی غلط ہے۔

﴿فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰىكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ﴾ (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا) لیکن چونکہ حق اور باطل دونوں کے وجود میں آنے اور باہمی ایک دوسرے کے مقابل چلنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اس لیے اس نے ایصال الی المطلوب والی ہدایت سے سب کو نہیں نوازا، البتہ راہ حق بتانے والی ہدایت سب کے لیے عام ہے۔

پھر فرمایا ﴿قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا﴾ (آپ فرما دیجیے کہ اپنے گواہوں کو لے آؤ جن کا تم اتباع کرتے ہو اور جن کی باتوں پر چلتے ہو اور ان سے کہو کہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ چیزیں جو تم نے حرام قرار دے رکھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ گواہی نہیں دے سکتے)۔

﴿فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ﴾ سو بالفرض اگر یہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجیے۔ یعنی ان کی تصدیق نہ کیجیے کیونکہ ان کی گواہی محض جھوٹ ہوگی۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ﴾ (آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں) اس میں اپنی خواہشوں کا اتباع کرنے والوں کا یعنی کافروں اور مشرکوں کے اتباع سے منع فرمایا۔

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡــًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا
اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا
بَطَنَ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ ذٰلِكُمۡ وَصّٰىكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾
وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ

Marfat.com

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

آپ فرما دیجیے کہ آ ؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تم کو رزق دیں گے اور ان کو بھی، اور مت قریب جاؤ بے حیائی کے کاموں کے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ اور مت قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو، اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اسی طریقہ سے جو اچھا ہو۔ یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائے۔ ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور جب تم بات کرو تو انصاف کو اختیار کرو اگرچہ وہ تمہارا قرابت دار ہی ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور مت اتباع کرو دوسرے راستوں کا سو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو

دس ضروری احکام

معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتایئے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا﴾ (الآیۃ)

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بصورت امر بیان فرمایا چونکہ ان کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لیے یوں فرمایا کہ آ ؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

(۱) اول یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو عرب کے بے رحم جاہل اپنی اولاد کو دو وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ اول اس لیے کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آ جائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دے گا اسی کو فرمایا ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾ کہ ہم تمہیں رزق دیں گے اور انہیں بھی۔

اولاد کو قتل کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا تھا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا ﴿يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ﴾ جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اس وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کو سورۃ التکویر میں فرمایا ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی)۔

بے حیائی کے کاموں سے بچو:

(۴) بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہیں اور باطن ہیں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آ گئی زنا اور اس کے لوازم، اور ننگا رہنا، ستر دکھانا، لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہو گئی۔

Marfat.com

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی والی ہیں۔ اول حیا، دوسرے عطر لگانا، تیسرے مسواک کرنا، چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے۔ شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حیاء و ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت:

(۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے[1]۔

آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کی وجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لیے قتل کر دیتا ہے قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہو جائے ان کو بھی قتل کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے عہد پورے نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں۔ (رواہ المسلم کما فی المشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)۔

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ:

(۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ اڑاؤ اور ظلماً نہ کھاؤ جس کا ذکر سورۂ بقرہ (رکوع نمبر ۲۶) اور سورۂ نساء (رکوع نمبر ۱) میں ہو چکا ہے۔

ناپ تول میں انصاف کرو:

(۷) انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے لیے ناپ تول کریں تو ناپ تول پورا کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)

﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (کیا یہ لوگ یہ یقین نہیں رکھتے کہ

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی مسلمان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اس کا خون کرنا حلال نہیں ہے۔ ہاں! اگر تین کاموں میں سے کوئی کام کر لے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے (تو اسے سنگسار کیا جائے گا) (۲) جو کسی کو (عمداً) قتل کر دے (جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو) اس قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ (۳) جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۵۹)

Marfat.com

اٹھائے جائیں گے بڑے دن کے لیے جس میں لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے (کم ناپنے اور کم تولنے کا رواج حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں تھا انہوں نے انہیں بہت سمجھایا نہ مانے اور الٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر اعتراضات کرنے لگے اور کٹ حجتی پر اتر آئے پھر اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایک چیخ کے ذریعے سے سب ہلاک ہو گئے۔ جیسا کہ سورۂ ھود میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کیے گئے ہو جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گزشتہ امتوں پر عذاب آ چکا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہو گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل و خون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیئے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ لہٰذا ان احکام کے بجالانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۲ مفسرًا الھم یکلف المعطی اکثر ممّا واجب علیه و لم یکلف صاحب الحق الرضا باقل من حقه حتی لا تضیق نفسه عنه بل امر کل واحد منهما بما یسعه مما لا حرج علیه فیه اھ۔

فائدہ: جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا، تنخواہ پوری لینا یا کام کیے بغیر جھوٹی خانہ پری کر دینا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن محکموں میں ملازمت کرنا حرام ہے ان کی تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

انصاف کی بات کرو:

(۸) جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینی ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا ہو تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز ہو اور اس کے مخالف سچی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کر ڈالو اس کی تشریح اور توضیح سورۂ نساء کی آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان جلد اول)

اللہ کے عہد کو پورا کرو:

(۹) اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اور امر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہٰذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہٰذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔ ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

Marfat.com

صراط مستقیم کا اتباع کرو:

(۱۰) بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ کو قرآن کا مبلغ اور معلم اور مبین (بیان کرنے والا) بنایا۔ اور آپ کی اطاعت فرض کی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لے کر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ اسلام کے متبع نہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے مدعی ہیں لیکن اصحاب اہواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد و زندقہ کی باتیں کرتے ہیں ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر ہو۔

صراط مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ (الآیۃ) (رواہ احمد والنسائی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۳۰) پھر ارشاد فرمایا۔ ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو) تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آ گئی اور اوامر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے بھی اجتناب کیا جائے۔ برے اعمال، عقائد باطلہ، کفر، شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ: آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراط مستقیم سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر ہے تو یہ آیات ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ﴾ سے لے کر ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تک پڑھ لے۔ (رواہ الترمذی تفسیر سورۃ الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورہ انعام میں یہ آیات محکمات ہیں جوام الکتاب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیات بالا تلاوت کیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۷)

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ
بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰی طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾
اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰی مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ
یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

Marfat.com

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہوگئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے اور رحمت ہے تا کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو بابرکت ہے۔ سو اس کا اتباع کرو اور ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت ہو۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتاری گئی تھی سو انہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے یا تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان لوگوں سے بڑھ کر زیادہ ہدایت پر چلنے والے ہوتے۔ سو تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے روکے، ہم عنقریب ان کو برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روکتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روکا کرتے تھے

توریت شریف کامل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی

ثُمَّ ترتیب ذکری کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کے بعد یہ بات جان لو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تھی اور اس میں ان لوگوں کے لیے نعمت کی تکمیل ہے جو نیکوکار ہیں جو اس کتاب پر اچھی طرح عمل کریں۔ اور یہ کتاب ایسی تھی جس میں ہر چیز تفصیل سے بیان کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے متعلق تھی۔ اور وہ کتاب ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی۔ اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تا کہ بنی اسرائیل اس کتاب پر ایمان لائیں اور آخرت کی تصدیق کریں۔

قرآن مبارک کتاب ہے

اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب نازل کی جو مبارک ہے یعنی دنیا و دین کے اعتبار سے اس میں خیر ہی خیر ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اہل عرب کی کٹ حجتی کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہٰذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پر عمل کرنا اور ہدایت پر چلنا تمہارا کام ہے)۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا﴾ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اس کو عمل سے روکے اور باز رکھے اللہ کی کتاب نازل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کو ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

﴿سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ﴾ جو لوگ ہماری آیات سے روکتے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں برا عذاب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل عرب کی اس کٹ حجتی کو ختم فرما دیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کو کتاب دی گئی تھی ہم ان کی لغت کو نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی لغت میں کتاب نازل ہوگئی تو یہ عذر ختم ہوگیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آتے

Marfat.com

بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی، شاید کوئی شخص یہ اشکال پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو تو میں عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل فرمانا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرما دیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہل عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا، ساری مخلوق اس کی مملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب میں مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ (سب لوگوں کے لیے ہدایت) فرمایا، اور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرما دیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا۔ اس لیے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہٗ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دیدیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔ قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھائیں پورے عالم میں بیسوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کرلیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عرب ہی نے لکھی ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کا رب آجائے یا آپ کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے جس دن آپ کے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آجائے گی تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرما دیجیے کہ تم انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں

جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا تو کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہونگے

پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو واضح حجت آچکی ہے قرآن نازل ہو چکا ہے جو ہدایت ہے اور رحمت ہے، اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ محض واضح ہونے کے بعد اور ہدایت سامنے آجانے کے بعد اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں حق قبول کرو اور ہدایت پر آؤ۔ اب بھی حق قبول نہیں کرتے تو کیا انتظار ہے (ان کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسے اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آجائیں یا اللہ تعالیٰ ہی ان کے پاس پہنچ جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کی کسی بڑی نشانی کے انتظار میں ہیں، لیکن جس دن اس کی ایک نشانی ظاہر ہو جائے گی تو کسی کافر کو اس وقت اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا، اور جو کوئی صاحب ایمان بداعمالیوں میں مبتلا ہو جس نے اپنے ایمان میں کوئی عمل خیر نہ کیا ہو اس کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان بالغیب معتبر ہے جب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کے بعد ایمان معتبر نہ ہوگا جب قیامت ہوگی تو اس وقت سب مومن ہو جائیں گے مگر اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ پچھم سے سورج نکلنا بہت بڑی نشانی ہے۔ اس

Marfat.com

وقت جو شخص ایمان لائے گا قبول نہ ہوگا۔ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اس وقت کی توبہ قبول نہیں۔ اس سے پہلے جو توبہ کی جائے وہ مقبول ہے۔ پچھم سے سورج نکل آنے کے بعد جس طرح کسی کا ایمان قبول نہیں اسی طرح توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۷ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ پچھم سے سورج طلوع نہ ہو۔ سو جب سورج (پچھم سے) نکلے گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے اور اس وقت کسی شخص کو ایمان نفع نہ دے گا اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ بنایا ہے جو اتنا چوڑا ہے کہ اس کی دونوں جانبوں کے درمیان ستر سال تک چل سکتے ہیں یہ دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ جب تک اس کی جانب سے سورج نہیں نکلے گا اس وقت تک بند نہ کیا جائے گا۔ (اور اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہے گی) اللہ عزوجل نے ﴿یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ منقطع نہ ہوگی جب تک پچھم سے سورج نہ نکلے گا۔ (رواہ ابو داؤد والدارمی) پچھم سے سورج کا نکلنا قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلی نشانی پچھم سے سورج نکلنا اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ہے جو چاشت کے وقت لوگوں پر ظاہر ہوگا ان دونوں میں سے جو بھی ظاہر ہوگی دوسری نشانی اس کے بعد قریب ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا اور جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کام نہ کیا ہوگا (۱) پچھم سے سورج کا نکلنا (۲) دجال کا ظاہر ہونا (۳) دابۃ الارض کا نکلنا (رواہ مسلم ص ۸۸ جلد ۱)

دابۃ الارض کے بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ نمل کی آیت ﴿وَ اِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ﴾ (الآیة) کے ذیل میں احادیث نقل کی جائیں گی۔ آخر میں فرمایا ﴿قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ﴾ اس میں تہدید ہے کہ وضوح حق کے بعد ایمان نہیں لاتے تو کب ایمان لائیں گے؟ جب پچھم کی طرف سے سورج نکلنے والی نشانی ظاہر ہوگی کیا اس وقت ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہوگا لہٰذا اس سے پہلے ابھی آجائیں کہ کفر کی وجہ سے اہل کفر عذاب نار میں گرفتار ہوں گے اور مومن جنت میں جائیں گے۔

فائدہ: ہیئت وریاضی پر ایمان رکھنے والے بعض لوگ مغرب سے سورج نکلنے کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل شانہٗ ہر چیز کا خالق و مالک ہے سورج کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مسخر فرمایا ہے اور اسی نے سورج کا نظام مقرر فرمایا ہے کہ وہ اس طرف سے نکلے اور اس طرف چھپ جائے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ سورج کو غروب والی جہت پر پہنچا کر واپس اسی جانب لے آئے جدھر سے وہ گیا ہے۔ اس حقیقت کو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ﴾ میں بیان فرمایا اللہ تعالیٰ ہی اس کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں چھپا دیتا ہے۔ بلکہ دونوں جہات کا نام مشرق مغرب اسی طلوع وغروب کی وجہ سے رکھا گیا اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ آفتاب کی گردش کا نظام ایسا مقرر فرماتے کہ جس جانب میں غروب ہوتا اسی جانب سے نکلا کرتا تو طلوع ہونے والی جانب کو مشرق اور اس کی مقابل جانب کو مغرب کہا جاتا۔

فائدہ: مفسر ابن کثیر (ص ۱۹۴ جلد نمبر ۲) نے بحوالہ ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ پچھم سے سورج نکلنے سے پہلے ایک رات تین راتوں کے برابر ہو جائے گی۔ لوگ گھبرا اٹھیں گے کہ صبح ہوتی ہی نہیں۔ اور چیخنے لگیں گے۔ گھبرا کر مسجدوں کی طرف چلے جائیں گے۔ اچانک پچھم کی جانب سے سورج نکل آئے گا اور آسمان کے درمیان تک پہنچ کر واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد اپنے اسی مطلع سے نکلے گا جہاں سے نکلا کرتا تھا۔

Marfat.com

مفسر ابن کثیر نے روایت نقل کر کے کوئی کلام نہیں کیا صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو جتادے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بری ہیں

انسان میں سب سے بڑی بیماری تو یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہ مانے یا مانے لیکن اس کے ساتھ شرک کرے اور اس نے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ اپنا دین بھیجا اس کی تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے دین کو جھٹلائے۔ اور دوسری گمراہی یہ ہے کہ وہ اللہ کو بھی مانے اس کے بھیجے ہوئے دین کو ماننے کا دعویدار بھی ہو لیکن اللہ کے دین میں اپنی طرف سے ایسی باتیں داخل کر دے جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہیں۔ شیطان کی یہ بہت بڑی چالاکی ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے دین کو قبول کیا جو اس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بھیجا۔ ان میں بعض لوگوں پر شیطان اپنا یہ داؤ چلاتا ہے اور ان کو ایسے افکار و آراء اور اوہام و اہواء پر ڈال دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے دین کے دائرہ سے باہر ہو جاتے ہیں، وہ اپنے خیال میں دین کے دائرے میں ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں دین سے خارج ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں لیکن وہ بارگاہ خداوندی سے مردود ہوتے ہیں، اس امت سے پہلے جو امتیں گزری ہیں انہوں نے ایسی حرکتیں کیں۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی معروف ہی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن اللہ کے دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد ہی توحید پر ہے مشرک ہو گئے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ پھر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے نیز نصاریٰ بھی دین حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے دین میں شرک ملا دیا۔ انہیں میں سے کسی نے حضرت مسیح بن مریم کے بارے میں یہ عقیدہ بنا لیا کہ ابن مریم اور اللہ ایک ذات کا نام ہے اور بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا بتایا۔ اور بعض لوگوں نے یوں کہا معبود تین ہیں یعنی اللہ کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی معبود ہیں۔ پھر بعض یہود نے انہیں عقیدہ تکفیر پر ڈال دیا اب وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (العیاذ باللہ) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، ان کے نزدیک اتوار کے دن چرچ میں جانے سے اور بعض گناہ پوپ کے سامنے بیان کر دینے سے اور بعض یوں ہی عام طور پر معاف ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے مدعی تھے سب کو معلوم ہے ان کا دین توحید خالص پر مبنی تھا۔ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں آگ میں ڈالا جانا تک منظور کیا مگر توحید کی دعوت نہ چھوڑی۔ لیکن ان کے دین کے ماننے والوں نے (جن میں مشرکین عرب بھی تھے) بت پرستی شروع کر دی اور عین کعبہ شریف میں بت رکھ دیئے۔ جب ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی گئی تو ان کو انوکھا معلوم ہوا اور کہنے لگے۔ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ اور جب ان پر بت پرستی کی نکیر کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ شرک ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے تو کہنے لگے کہ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی (کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتے ہیں)۔

کبھی کہتے تھے هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ (ہم نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے) یہ ساری

Marfat.com

باتیں خود تراشیں شرک کیا گمراہ ہوئے اور پھر بھی اسی خیال میں غرق کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں یعنی اس کے وجود کا یقین رکھتے ہیں ان میں بہت سے لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانا اور جنہوں نے مانا انہوں نے اللہ کے دین میں اللہ کی ناراضگی کی باتوں کو شامل کر دیا اور دین حقیقی میں تفریق کی صورتیں نکال دیں اور بہت سی جماعتوں میں بٹ گئے۔

(صاحب روح المعانی ۸ ص ۶۸) نے سنن ترمذی اور حلیہ ابو نعیم اور شعب الایمان للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا جن لوگوں نے اپنے دین سے جدائی اختیار کی اور فرقے فرقے بن گئے یہ بدعتوں والے لوگ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو اس امت کے گمراہ لوگ ہیں ان کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ اے عائشہ! ہر گناہ والے کے لئے توبہ ہے سوائے اہل بدعت اور اصحاب اھواء کے۔ کیونکہ ان کے لئے توبہ نہیں میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے پیش نظر اب یوں کہا جائے گا کہ مشرکین کا حال بیان کرنے کے بعد اہل بدعت کا حال بیان فرمایا کہ اہل بدعت کا حال اہل شرک سے بعید نہیں ہے۔

گمراہ فرقوں کا تذکرہ:

شیطان اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کو کیسے گمراہی پر لگاؤں اول تو ایمان قبول کرنے نہیں دے گا۔ دوم جو لوگ مومن ہیں ان کے دلوں میں ایمان کی طرف سے شکوک ڈالتا ہے۔

پھر جو لوگ استقامت کے ساتھ ایمان پر رہیں اور شکوک وشبہات سے متاثر نہ ہوں ان کو ایسی ایسی باتیں سجھا دیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں کے ساتھ جو اس نے حرکتیں کیں۔ اس امت کے ساتھ اس کا وہی طرز عمل ہے۔ اہل ایمان کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتا ہے جو گمراہی کی چیزیں ہیں اور چیزوں کے اختیار کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ جتنے ملحد اور زندیق اس امت میں گزرے ہیں اور اب موجود ہیں ایمان کا نام لیتے ہوئے بھی کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اور چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتے ہیں۔ اس لیے توبہ بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے امام کے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بتاتے رہے اور جو لوگ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو حجت نہیں مانتے اور جو لوگ عقیدہ بدا کے قائل ہیں یہ سب لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بری ہیں۔ اسلام سے خارج ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیزار ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص ایسی بدعت اعتقادیہ میں مبتلا نہ ہو جو اسلام سے نکال کر کفر میں داخل کر دے تو شیاطین اسے اعمال بدعت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہل بدعت نے طرح طرح کی بدعتیں نکال رکھی ہیں۔ اور ان بدعات کی وجہ سے بہت سے فرقے بنے ہوئے ہیں جو لوگ بدعت کے اعمال میں مبتلا ہیں ان کو بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعمال بدعت کو ثواب سمجھ کرتے ہیں اور جس عمل کو نیکی سمجھتے ہیں اس سے توبہ کیوں کرنے لگے۔

بدعت اعتقادی ہو یا عملی اس کے ایجاد کرنے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اصحاب الاھواء کہا جاتا ہے۔ اَھْوَاء ھَوٰی کی جمع ہے ہر خواہش نفس کو عربی میں ہوٰی کہتے ہیں جو لوگ بدعتیں نکالتے ہیں وہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جو اپنی سمجھ میں آتا ہے اور جو اپنا نفس چاہتا ہے اسے دین میں داخل کر لیتے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ یہ عمل قرآن وحدیث سے ثابت نہیں لیکن وہ برابر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ سنتوں پر چلنے سے ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔ بدعتیں ان کے اندر رچ بس جاتی ہیں۔ ان بدعتوں کی وجہ سے بہت سے فرقے وجود میں آ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا (پوری طرح ان کے مطابق عمل کریں گے) جیسا کہ ایک جوتا دوسرے جوتا کے موافق بنایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بنی

Marfat.com

اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تھا تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے۔ (پھر فرمایا) کہ بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سب فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ سوائے ایک ملت کے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ملت کون سی ہے جو جنت والی ہے؟ آپ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ (کہ جس ملت اور دین پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ جنت والی ہے) (رواہ الترمذی)

اب سارے فرقے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کس دین پر تھے؟ اور جو لوگ اس طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اور خاص طور پر وہ لوگ غور کریں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہی نہیں مانتے اور جو لوگ ان میں کیڑے ڈالتے ہیں اور ان کی بشری کمزوریوں کو تاریخ کی کتابوں سے نکال کر اچھالتے ہیں (جبکہ تاریخی روایات بے سند ہوتی ہیں)۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (ان کا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے وہ انہیں جتا دے گا جو کام وہ کرتے تھے)۔

فائدہ: بعض لوگ جنہیں قرآن و حدیث کا علم نہیں۔ اور اجتہاد و استنباط کی شرعی ضرورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ ائمہ اربعہ کے چاروں مذہبوں کو چار فرقے بتاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان مذاہب کے ماننے والوں کو انہیں بہتر (۷۲) فرقوں میں شمار کرتے ہیں جو گمراہ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین سب ایک ہی فرقہ ہیں اور ایک ہی جماعت ہیں اور اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے امام کا ادب سے نام لیتے ہیں۔ اور ایک مذہب کے مقلدین دوسرے مذہب کے علماء کو رحمہ اللہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان میں اعتقادیات میں اختلاف نہیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف ہے چونکہ یہ اختلاف حضرات صحابہ میں بھی تھا اس لیے نجات پانے والی جماعت (جس کے بارے میں ما انا علیه و اصحابی فرمایا) اس سے خارج نہیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کو اپنانے والے عموماً مذاہب اربعہ ہی کے متبعین رہے ہیں اور ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو شخص نیک کام کرے سو اسے اس جیسے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برائی کا کام کرے تو اسے صرف اس کے برابر ہی سزا ملے گی۔ اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا

ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

اس آیت میں نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا کا قانون بتایا ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے بندوں پر یہ کرم فرمایا کہ ایک نیکی کرنے پر اس جیسی کم از کم دس نیکیاں کرنے کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کا اعلان عام فرما دیا اور جو شخص کوئی گناہ کر لے تو اس میں اضافہ نہیں ہے بلکہ ایک گناہ پر ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی۔

پھر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ گناہ پر سزا مل ہی جائے۔ توبہ استغفار سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اور نیکی کا جو دس گنا ثواب بتایا ہے یہ کم سے کم ہے اس سے زیادہ بھی ثواب ملتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں (رکوع ۳۶) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک دانہ ہو اس دانہ سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں پھر اخیر میں ﴿وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے چند در چند اضافہ فرماتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ سات سو پر بھی منحصر نہیں اس سے زیادہ بھی اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ فرما

Marfat.com

دیتا ہے۔ متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچہ بھیج دیا اور وہ اپنے گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم ثواب ملے گا اور جس نے اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا اس کے لیے ہر درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا ثواب ہوگا پھر آپ نے آیت کریمہ ﴿وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں (کے قانون) کو لکھ دیا ہے سو جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اسے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس نیکی کو کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس جیسی دس نیکیاں سات سو گنا تک (بلکہ) اس سے بھی زیادہ چند در چند کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ (اللہ کے ڈر سے اسے چھوڑ دیتا ہے) اور اپنے ارادہ پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹٦١ و مسلم ج ۱ ص ۷۸)

دوسری روایت میں ہے کہ جب گناہ کا ارادہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور گناہ کو نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّائِيْ یعنی اس کے لیے گناہ چھوڑنے کی وجہ سے اس لیے نیکی لکھی گئی کیونکہ اس نے گناہ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۷۸)

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱٦۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱٦۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱٦۳﴾

آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے اور ابراہیم کی ملت ہے جو حق کی راہ اختیار کرنے والا تھا، اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں

میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کے لیے ہے

مشرکین کی تردید فرمانے کے بعد اللہ جل شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے بارے میں ان لوگوں کو بتا دیں کہ میرے رب نے مجھے ہدایت دی ہے سیدھا راستہ بتا دیا ہے اور مجھے اسی پر چلا دیا ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے مضبوط دین ہے مستحکم ملت ہے اور ایسی ملت پر ابراہیم علیہ السلام بھی تھے وہ تمام دینوں سے کٹ کر توحید ہی کو اختیار کیے ہوئے تھے اور توحید ہی کی دعوت دیتے تھے (اس میں مشرکین پر تعریض ہے کیونکہ وہ بھی ملت ابراہیم کے دعویدار تھے لیکن شرک میں غرق تھے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام موحد تھے۔ مشرک نہیں تھے)۔

اس کے بعد اس ہدایت کی تفصیل بیان فرمائی جس سے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو نوازا ہے اور فرمایا۔ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ﴾ (کہ آپ یہ بھی فرما دیجیے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس میں دو باتیں بتائی گئیں۔ اول یہ کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے دوم یہ کہ مومن کی زندگی بھی قیمتی ہے اور موت بھی قیمتی ہے۔ اللہ ہی کے لیے جئے اور اللہ ہی کے لیے مرے پوری زندگی اللہ کے احکام کی پابندی میں گزارے اور فرائض و واجبات کے علاوہ بھی انہیں کاموں میں لگائے جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب مرنے لگے تو ایمان ہی پر مرے اس کی یہ موت قیمتی ہو جائے گی کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کے درمیان حائل ہے۔ جب مومن بندہ موت کے پل سے پار ہو جائے اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر عام مومنانہ زندگی

Marfat.com

گزارتے ہوئے کسی جہاد شرعی میں شریک ہو گیا اور دشمنان دین کے ہاتھوں شہید ہو گیا تو شہادت کی وجہ سے اس کی موت اور زیادہ قیمتی ہو جائے گی۔

ہر مومن بندہ اپنی موت زندگی کو قیمتی اور سمجھے اپنے مقام کو پہچانے اور قیمتی زندگی کو ضائع نہ کرے۔ مومن اپنا سب کچھ جان اور مال اوقات حیات اور اپنی موت اللہ ہی کی رضا کے لیے خرچ کرے کیونکہ (اللہ رب العالمین ہے پروردگار ہے اس کا حق اس سے بہت زیادہ ہے کہ تھوڑی سی زندگی اس کی راہ میں خرچ ہو جائے۔)

﴿وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں) یہ اولیت اس امت کے اعتبار سے ہے یعنی میں امت موجودہ میں جو آخر الامم ہے سب سے پہلا مسلم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی اپنی امتوں میں سب سے پہلے مسلم اور فرمانبردار تھے۔ و ھٰذا شان کل نبی بالنسبة الیٰ اُمته (روح المعانی) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میں صرف دعوت دینے والا ہی نہیں عمل کرنے والا بھی ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا تھا۔ ﴿سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر نبی ایمان لانے کا اور اپنی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے کا مکلف ہوتا تھا۔ اور امت کی نسبت ایمان اور اعمال میں اسے اولیت حاصل ہوتی تھی قربانی کی دعا میں بھی آیت بالا کے الفاظ ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ﴾ سے لے کر اَلْمُسْلِمِیْنَ تک وارد ہوئے ہیں لیکن اس میں اول المسلمین نہیں بلکہ ﴿مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ ہے۔ چونکہ امت کو دعا کی تعلیم دینا تھا اور قربانی کے وقت پڑھوانا تھا اس لیے ﴿اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ کی بجائے خود بھی ﴿وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ پڑھا۔ (کما روی ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰)

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

آپ فرما دیجیے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے، اور جو بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ چیزیں جتا دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کر سکتا

یہاں پھر مشرکین سے خطاب کرنے کا حکم فرمایا اور نہ صرف مشرکین بلکہ وہ تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں جو اعتقادی یا عملی طور پر غیر اللہ کو رب بناتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جو رب جل شانہٗ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ارشاد فرمایا۔

﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ﴾ (آپ فرما دیجیے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے)

یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا اور کر ہی کیسے سکتا ہوں جبکہ اللہ سب کا رب ہے، اپنی بے وقوفی سے تم جن چیزوں کو رب بنائے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رب ہے۔ اپنی جیسی مخلوق کو بلکہ اپنے سے بھی کمتر چیزوں کو معبود بنانا حماقت اور سفاہت ہے میں تمہاری حماقت کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ پھر فرمایا۔

﴿وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ یعنی جو شخص کوئی بھی عقیدہ رکھے گا یا کوئی بھی گناہ کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ جو لوگ دنیا میں کہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہمارے گناہوں میں شریک ہو جاؤ اور

Marfat.com

ہمارے غیر اسلامی رسم ورواج میں شریک ہو جاؤ اس کا وبال ہم پر ہوگا۔

یہ اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی وعیدوں پر یقین نہیں ہے قیامت کے دن کوئی کسی کا وبال اپنے سر نہیں لے گا اور کوئی جان کسی کی طرف کچھ بدلہ نہیں دی گئی، پھر آخرت کی حضوری یاددلائی اور فرمایا۔

﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ﴾ پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو۔ وہاں ان لوگوں کی نجات ہو جائے گی جو اللہ کے دین پر تھے اور سب پر عیاں ہو جائے گا کہ حق بات کون سی تھی اور کس کی تھی۔

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور درجات کے اعتبار سے تم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی تا کہ وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں آزمائے جو تم کو عطا فرمائیں، بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بلاشبہ وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی

سورۂ انعام ختم ہو رہی ہے اس میں بار بار دین حق کی دعوت دی، توحید کی طرف بلایا، مشرکین کی بے وقوفی بیان فرمائی اور ان کے عقائد باطلہ اور شرکیہ رسم ورواج کی تردید فرمائی اور توحید پر دلائل قائم کیے۔ اب آخر میں اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کی تذکیر فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا پہلی امتیں چلی گئیں ایک دوسرے کے بعد آتی رہیں۔ اب تم ان کے بعد زمین میں آئے ہو۔

زمین میں تمہیں اقتدار سونپ دیا اور سب کو ایک حالت میں نہیں رکھا غنی بھی ہیں فقیر بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں۔ یہ اقتدار سپرد کرنا اور فرق مراتب رکھنا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ جو کوئی فوقیت کسی کو مال کے اعتبار سے یا منصب و مرتبہ یا کسی بھی حیثیت سے دی ہے وہ اس کو کس کام میں لگاتا ہے انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے، بیکسوں پر رحم کھاتا ہے یا انہیں ستاتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے یا نہیں۔

یہ سب چھوٹے بڑے طبقات قیامت کے دن حاضر ہوں گے، ظالم مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔ ظالموں کو سزا ملے گی۔ حقوق العباد کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعہ ہوگی، جو حقوق اللہ ضائع کیے اللہ جل شانہٗ چاہے ان کی اضاعت پر عذاب دے چاہے معاف فرما دے وہ سریع العقاب ہے، اور بلاشبہ وہ غفور ہے۔

قال القرطبی (ص ۱۵۸ ج ۷) فی تفسیرہ قال اللہ تعالیٰ! (وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ) ''خَلٰٓئِفَ'' جمع خلیفة ککرائم جمع کریمۃ و کل من جاء بعد من مضی خلیفه ای جعلکم خلفا للأمم الماضیة و القرون السالفة۔ (وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ) فی الخلق و القوة و البسطة و الفضل و العلم۔ (درجٰتٍ) نصب باسقاط الخافض، أی الی درجات (لِیَبۡلُوَکُمۡ) نصب بلام کی۔ والابتلاء الاختبار أی لیظهر منکم ما یکون غایتہ الثواب و العقاب، و لم یزل بعلمہ غنیًا، فابتلی الموسر بالغنی و طلب منه الشکر، و ابتلی المعسر بالفقر و طلب منه ابصرو یقال، (لیبلوکم) ای بعضکم ببعض، ثمہ خوفهم فقال: (اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ) لمن عصاہ (وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ) لمن اطاعہ، و قال ''سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ'' مع وصفه سبحانه بالامهال ومع ان عقاب النار فی الاٰخرة، لان کل اٰت قریب فهو سریع علیٰ هذا، کما قال تعالیٰ! وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ'' و قال! ''وَیَرَوۡنَهٗ بَعِیۡدًا وَنَرٰىهُ قَرِیۡبًا'' و یکون ایضًا سریع العقاب لمن استحقه فی دارالدنیا

Marfat.com

فیکون تحذیراً لمواقع الخطیئة هذه الجهة و الله اعلم

و قال صاحب الروح (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) ای یخلف بعضکم بعضا کلما مضی قرن جاء قرن حتی تقوم الساعة و لا یکون ذالك الا من عالم مدبر، والی هذا ذهب الحسن أو جعلکم خلفاء الله تعالیٰ فی ارضه تتصرفون فیها۔ کما قیل۔ و الخطاب علیهما عام، و قیل: الخطاب لهذه الامة، وروی ذٰلك عن السدی ای جعلکم خلفاء الامم السالفة (وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الفضل و الغنی کما روی عن مقاتل (دَرَجَات) کثیرة متفاوتة (لِیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ) ایْ لیعملکم معاملة من یبتلیکم لینظر ما ذا تعملون مما یرضیه و ما لا یرضیه (وَاِنَّ رَبَّكَ) تجرید الخطاب لرسول الله ﷺ مع اضافة اسم الربّ الیه علیه السلام لا براز مزید اللطف به ﷺ (سَرِیْعُ الْعِقَاب) أی عقابه سبحانه الاخروی سریع الاتیان لمن لم یراع حقوق ما آتاه لان کل آتٍ قریب، او سریع التمام عند ارادته لتعالیه سبحانه عن استعمال المبادی و الاٰلاتِ اھ۔

فائدہ: دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے فرق مراتب رکھا ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی نعمت ہے ہو اس نعمت پر شکر ادا کرے اور جو اس سے کم حیثیت کے لوگ ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور بار بار یہ مراقبہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مجھے تنگدست بے اختیار اپاہج لولا لنگڑا اندھا بنا دیتا۔ اگر اس طرح غور کرے تو نہ دوسروں کو حقیر جانے گا اور نہ اللہ کی ناشکری کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور شکل صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس کو بھی دیکھ لے جو اس سے کم ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۷) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اس کو دیکھو جو تم سے کم ہے اور اس کو نہ دیکھو جو تم سے زیادہ ہے ایسا کرو گے تو تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو حقیر نہ جانو گے۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۷ ج ۲) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس شخص میں دو باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دے گا۔ دین میں اسے دیکھے جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اس کا اقتداء کرے اور دنیا میں اسے دیکھے جو اس سے کمتر ہو پھر اللہ کی حمد بیان کرے کہ اللہ نے اسے اس شخص پر فضیلت دی ہے، ایسے شخص کو اللہ شاکر اور صابر لکھ دے گا اور جس نے اپنے دین میں ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے کم ہے اور دنیا میں اسے دیکھا جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اسے اس بات پر رنج ہوا کہ دنیا میں مجھے اتنا نہیں ملا تو اللہ اسے نہ شاکر لکھے گا اور نہ صابر لکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

و لقد تم تفسیر سورة الانعام و الحمد لِله اولًا و أخرًا و باطنا و ظاهرًا

Marfat.com

ایاتها ۲۰۷ ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ الاعراف مکہ میں نازل ہوئی، اس میں دوسوسات آیات اور چوبیس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ
دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤

الٓمّٓصٓ یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی سو آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں، اور ایمان والوں کو نصیحت ہے، اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی، اور اس کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو، تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو، اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، سو ان پر ایسے وقت میں ہمارا عذاب آیا جب کہ وہ رات گزار رہے تھے یا ایسی حالت میں عذاب آیا کہ وہ دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے سو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ بلاشبہ ہم ظالم تھے

یہ کتاب مومنین کے لیے نصیحت ہے

ان آیات میں اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں، ایمان کی دعوت دیں۔ اور جو لوگ نہ مانیں ان کو بتائیں کہ اس کتاب پر ایمان نہ لانے سے عذاب میں مبتلا ہوں گے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ﴾ کہ آپ کے سینہ میں ذرا بھی تنگی نہ ہو۔ مخاطبین آپ کی دعوت کا جو تکذیب سے مقابلہ کریں اس کی آپ ذرا پرواہ نہ کریں آپ اپنا کام کرتے رہیں اس کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کا اتباع کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو ولی نہ بناؤ۔ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں آتی ہیں مگر تمہارا حال یہ ہے کہ نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا جن پر ہمارا عذاب رات کے وقت میں آیا۔ اور بعض کے پاس ایسے وقت عذاب پہنچا جب کہ وہ قیلولہ کر رہے تھے یعنی دوپہر کے وقت سو رہے تھے، جو لوگ ہدایت سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے ان پر دنیا میں بھی عذاب آتا ہے اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گے اور عذاب دائمی میں مبتلا ہوں گے، ان لوگوں پر جب عذاب آیا تو بس یہی کہنے لگے کہ ہم ظالم تھے، عذاب آجانے کے بعد اپنے ظلم کا اعتراف اور اقرار کرنے سے عذاب واپس نہیں ہوتا لہٰذا باوجود اقرار ظلم کے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا
غَآئِبِيْنَ ⑦ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ

Marfat.com

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾

سوجن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے، سوہم ان کے روبرو علم کے مطابق بیان کردیں گے اور ہم غائب نہ تھے، اور اس دن وزن واقع ہونے والا ہے۔ سوجن کے وزن بھاری ہوئے ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

قیامت کے دن رسولوں سے اور ان کی امتوں سے سوال اور اعمال کا وزن

ان آیات میں آخرت کے سوال و جواب اور عقائد و اعمال کے تولے جانے کا پھر اوزان کے ہلکا بھاری ہونے کا اور اس کے مطابق کامیاب اور ناکام ہونے کا ذکر فرمایا۔ قیامت کے دن امتوں سے سوال ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا کمافی سورۃ القصص ﴿وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

اور حضرات رُسُلِ عظام و انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا آپ حضرات نے ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ بھی سوال ہوگا کہ امتوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا (اور متعدد نصیحتیں فرمائیں) اور آخر میں فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے (اللہ کا پیغام) پہنچایا اور اپنی ذمہ داری پوری کی اور (امت کی) خیر خواہی کی، آپ نے اپنے انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکایا اور تین بار اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اے اللہ! تو گواہ ہوجا۔ اے اللہ تو گواہ ہوجا۔ اے اللہ تو گواہ ہوجا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی، ان کی امت سے سوال ہوگا کہ انہوں نے تمہیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے گواہ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے امتی ہیں۔ یہاں تک واقعہ نقل کرنے کے بعد آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (یہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ کی روایت ہے)، اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی، ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے تبلیغ کی تھی، ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے تو وہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کردیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان سے سوال ہوگا کہ تمہیں اس معاملے کی کیا خبر؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی۔ لہٰذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (درمنثور ص ۱۴۴ ج ۱)

پھر فرمایا ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴾ (سو ہم ان کے روبرو ضرور بیان کردیں گے علم کے مطابق، اور ہم غائب نہ تھے)۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یوضع الکتٰب یوم القیامۃ فیتکلم بما کانوا یعملون کہ اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام اعمال کو ظاہر کردیں گے۔ پھر وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انہ تعالیٰ یخبر عبادہ یوم القیامۃ بما قالوا او بما عملوا من قلیل و کثیر و جلیل و حقیر، لانہ تعالیٰ شھید علیٰ کل شیء الخ یعنی قیامت کے دن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اقوال اور اعمال سب بتا دے گا۔ چھوٹے اعمال ہوں یا بڑے اعمال ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اعمال کا وزن، بھاری اوزان والوں کی کامیابی:

اللہ رب العزت ہمیشہ سے ساری مخلوق کے اعمال سے واقف ہے اگر قیامت کے میدان میں صرف اپنی معلومات کی بناء پر اعمال کی جزاو سزا دے تو اس کو اس کا بھی حق ہے، لیکن میدان حشر میں ایسا نہ کیا جائے گا بلکہ بندوں کے سامنے ان کے اعمال نامے پیش کیے جائیں گے وزن ہوگا گواہیاں ہوں گی، اور مجرمین انکاری بھی ہوں گے اور دلیل سے جرم کا اثبات بھی کیا جائے گا تاکہ سزا بھگتنے والے یوں نہ کہہ سکیں کہ ہم کو ظلماً بلا وجہ عذاب میں ڈالا گیا۔ اسی کو فرمایا ﴿وَ الْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ﴾ اور اس دن وزن کرنا حق ہے سو جن کی تولیں بھاری پڑیں وہی لوگ بامراد ہوں گے، اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ وزن اعمال کا ذکر یہاں اعراف میں بھی ہے اور سورۂ مومنون رکوع (۲) میں بھی ہے اور سورۃ القارعہ میں بھی ہے وہاں فرمایا ہے۔ ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ﴾ سو جس کے وزن بھاری ہوئے وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ یعنی دوزخ ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز (اعمال تولنے کی) ترازو رکھ دی جائے گی (اور وہ اس قدر لمبی چوڑی ہوگی کہ) اگر اس میں سارے آسمان وزمین رکھ کر وزن کیے جائیں تو سب اس میں آجائیں۔ اس کو دیکھ کر فرشتے بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ یہ کس کے لیے تولے گی؟ اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے (حساب کرنے کے واسطے) تول قائم کروں (اس کے لیے تولے گی) یہ سن کر فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! آپ پاک ہیں جیسا عبادت کا حق ہے ہم نے ایسی عبادت آپ کی نہیں کی۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ ج ۴ رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرط مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا (قیامت کے روز) ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا (اعمال کو وزن کرنے کے لیے) انسان اس ترازو کے پاس لائے جاتے رہیں گے، جو آئے گا ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ پس اگر اس کے تول بھاری ہوئے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کرے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لیے سعادت مند ہوگیا، اب اس کے بعد بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کے تول ہلکے رہے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کرے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لیے نامراد ہوگیا۔ اب کبھی اس کے بعد خوش نصیب نہ ہوگا (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ از بزار وبیہقی)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں ایک ہی کام ہے اگر اخلاق و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا اور برمحل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگزر ہوا اور (جس کے نیک کام) ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال کو جسم دے کر حاضر کیا جائے گا اور یہ جسم تلیں گے اور ان جسموں کے وزنوں کے ہلکا یا بھاری ہونے پر فیصلے ہوں گے۔ کاغذوں کا تلنا یا اعمال کو جسم دے کر تولا جانا بعید نہیں ہے۔ اور اعمال کو بغیر وزن دیئے یونہی تول دینا بھی قادر مطلق کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آج جبکہ سائنس کا دور ہے اور ایجادات روز افزوں ترقی پر ہیں اعمال کا تول میں آجانا بالکل سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ عاجز بندے جن کو اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے تھوڑی سی سمجھ دی ہے تھرمامیٹر کے ذریعے جسم کی حرارت کی مقدار بتا دیتے ہیں۔ اور اسی طرح کے بہت سے آلات ہیں جو اجسام کے علاوہ دوسری چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں تو اس وحدہٗ لاشریک کی قدرت سے یہ کیسے باہر مانا جائے کہ عمل تول میں نہ آسکیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اعمال تو حسی وجود نہیں رکھتے اور وجود میں آنے کے ساتھ ہی فنا ہوتے رہتے ہیں۔ پھر آخرت میں

Marfat.com

کیونکر جمع شدہ ملیں گے؟ اس شبہ کی موجودہ دور میں کوئی حیثیت نہیں رہی کیونکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی سی آر نے بتا دیا کہ حرکات سکنات اور آواز کو ریکارڈ کیا جا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو الفاظ وکلمات اور حرکات وسکنات کو گرفت میں لا کر اکٹھا کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی طاقت دی ہے تو وہ خود اس پر ضرور قادر ہے کہ اپنی مخلوق کے اعمال وافعال کا مکمل ریکارڈ تیار رکھے۔ جس میں سے ایک ذرہ اور شوشہ بھی غائب نہ ہو۔ اور حسی طور پر قیامت کے روز ان کا وزن سب کے سامنے عیاں اور ظاہر ہو جائے۔ ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

صاحب تفسیر مظہری علامہ سیوطی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مومنین کے اعمال کا صرف وزن ہوگا، یا کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صرف مومنین کے اعمال تولے جائیں گے (کیونکہ) کافروں کی نیکیاں تو اکارت جائیں گی۔ پھر جب نیکی کے پلڑہ میں رکھنے کے لیے کچھ نہ رہا تو ایک پلڑا سے کیا تولا جائے گا اس جماعت نے ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ سے استدلال کیا ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے، لیکن وہ بے وزن نکلیں گے ان کا استدلال آیت ﴿وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ سے ہے اور جن کی تول ہلکی نکلی سو یہ وہ لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان، یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ استدلال ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ سے ہے۔ (یہ سورۂ مومن کی آیت ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہلکی تول نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مومن کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

اس کے بعد صاحب تفسیر مظہری علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے اعمال نہیں تولے جائیں گے (بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ) جو لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے یا جن کو دوزخ میں بغیر حساب میدان حشر قائم ہوتے ہی جانا ہوگا۔ ان دونوں جماعتوں کے اعمال نہ تولے جائیں گے اور ان کے علاوہ باقی مومنین وکفار کے اعمال کا وزن ہوگا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ علامہ قرطبی کا یہ اشارہ دونوں جماعتوں کے مسلکوں اور دونوں آیتوں (آیت سورۂ کہف اور آیت سورۂ مومنون) کے مطالب کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ (بیان القرآن میں) سورۂ اعراف کے شروع میں ایک تمہید مفید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ''پس اس میزان میں ایمان وکفر بھی وزن کیا جائے گا اور اس وزن میں ایک پلہ خالی رہے گا اور ایک پلہ میں اگر وہ مومن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا۔ جب اس تول سے مومن وکافر متمیز ہو جائیں گے (تو) پھر خاص مومنین کے لیے ایک پلہ میں ان کے حسنات اور دوسرے پلہ میں ان کے سیئات غالب رکھ کر ان کے اعمال کا وزن ہوگا اور جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر (مومن کے) حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف تجویز ہو گی پھر خواہ شفاعت سے قبل سزا خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی (اور سیئات غالب ہونے والے مومن بندے اور اعراف والے جنت میں داخل ہو جائیں گے)۔

کفار کی نیکیاں بے وزن ہونگی:

سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے کہ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ آپ فرما دیجیے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اکارت گئی دنیاوی زندگی میں وہ سمجھتے رہے کہ اچھے کام کر رہے ہیں (یہ) وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی آیتوں کے اور اس کی ملاقات کے سو اکارت گئے ان

Marfat.com

کے عمل پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے تول قائم نہ کریں گے۔
یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے اور خسارہ والے حقیقت میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسہابرس دنیا میں گزارے اور محنت وکوشش کر کے نفع کماتے رہے اور دنیا جوڑ کر خوش ہوئے اور یہ یقین کرتے رہے کہ ہم بڑے کامیاب اور بامراد ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور ایسا ہوگا کہ بعض بھاری بھرکم موٹے بدن والے آدمی اس حال میں آئیں گے کہ اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر فرمایا کہ تم لوگ ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ کو پڑھ لو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴ از بخاری ومسلم)
صاحب تفسیر مظہری ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافروں کے اعمال کا کوئی اعتبار یا قدر ومنزلت نہ ہوگی۔ پھر حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔
یہود ونصاریٰ اور مشرکین وکفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی مدد کر گزرتے ہیں، یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الیٰ غیر ذالک۔ اس قسم کے کام بھی آخرت میں ان کو نجات نہ دلائیں گے۔
سادھو اور سنیاسی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں۔ اور یہود ونصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے ان کے اس قسم کے تمام افعال بے سود ہیں، آخرت میں کفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردہ ہیں۔ وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔
پھر صاحب تفسیر مظہری آیت کے ان الفاظ کی دوسری تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ معنی ہیں کہ ان (کافروں) کے لیے ترازو نصیب ہی نہ کی جائے گی اور تولنے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا ہی نہیں کیونکہ ان کے عمال وہاں اکارت ہو جائیں گے لہٰذا سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔
آیت کے الفاظ مذکورہ کے تیسرے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ کفار اپنے جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں قیامت کے ترازو میں ان کا کچھ وزن نہ نکلے گا (کیونکہ وہاں اسی نیک کام کا وزن ہوگا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے) دنیا میں کیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ
ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيسَ ۗ لَمْ يَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِينَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۗ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّ
خَلَقْتَهٗ مِنْ طِينٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ
الصّٰغِرِينَ ﴿١٣﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿١٥﴾ قَالَ فَبِمَآ
اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۗ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِينَ ﴿١٧﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ۗ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾

Marfat.com

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور بلاشبہ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا، اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا کیچڑ سے، فرمایا پس تو یہاں سے اتر جا، سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو تو نکل جا! بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے، وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، فرمایا بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لیے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا، پھر ضرور آؤں گا اس کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور بائیں جانب سے، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔ فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر، اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی ملعونیت کا تذکرہ

یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں (جو بعد میں آنے والی آیات کی تمہید ہے) فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور نہ صرف جگہ دی بلکہ تمہارے لیے معیشت کا سامان بھی پیدا کیا کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائیں۔ پہننے اور اوڑھنے بچھانے کے لیے کپڑے پیدا کیے۔ زمین کو نرم پیدا کیا اس کو کھودو بنیادیں ڈالو، عمارتیں بناؤ درخت لگاؤ، کھیتیاں بوؤ جانوروں کو چارہ کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ طرح طرح کا سامان تمہارے لیے پیدا کر دیا۔ ان سب نعمتوں کو استعمال کرو اور خالق کائنات جل شانہٗ کا شکر ادا کرو، لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اس تمہید کے بعد جس میں یہ بتادیا کہ پیدا کرنے والے کا شکر کرنا لازم ہے مزید دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں (تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی (اولاً) مٹی کا وہ مادہ جمع کیا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانا تھا۔ پھر اس مادہ سے ان کی صورت بنائی جو آدم کی صورت بنی وہی صورت ان کی ذریت کی بھی ہوگئی۔

یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں سورۃ التین میں فرمایا۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ اور حدیث میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ پھر اس صورت میں روح پھونک دی۔ کیا تو وہ ایک مجسمہ کی شکل تھی پھر جیسے ہی اس میں روح پھونک دی وہ جیتی جاگتی دیکھتی بھالتی عقل اور سمجھ رکھنے والی ایک جاندار چیز بن گئی اس جاندار کو چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر فرشتوں پر پیش کیا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ وہ نہ بتا سکے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہوگئی۔

ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنا اور اللہ رب العزت پر اعتراض:

پھر فرشتوں سے فرمایا ان کو سجدہ کرو (جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا) سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا (یہ سجدہ تعظیمی تھا سجدہ عبادت نہیں تھا) وہیں ابلیس بھی تھا۔ یہ تھا تو جنات میں سے لیکن زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے وہیں فرشتوں کے ساتھ آسمان میں رہتا تھا۔ اس کو بھی حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر، اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ حکم عدولی کی بلکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے جب سوال فرمایا کہ میں نے تجھے ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر وہ کٹ حجتی کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا وہ کہنے لگا کہ ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾ (کہ میں اس سے بہتر ہوں) جو بہتر ہے اسے حکم دینا کہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے یہ تو حکمت کے خلاف ہے۔ پھر بہتر ہونے کی یہ دلیل بیان کی کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہے لہٰذا میں اس سے افضل ہوں اس نے غلط دلیل دی کیونکہ آگ کی طبیعت میں فساد ہے اور اس کا زیادہ تر کام یہی ہے اور مٹی کی طبیعت میں تعمیر ہے اس میں آبادکاری کی طبیعت ہے تواضع ہے اس کے اندر غذائیں ہیں معادن ہیں، اشجار ہیں اور بہت ہی خوبی کی صفات ہیں۔

Marfat.com

ابلیس کا نکالا جانا:

ابلیس کو اس کی انا (میں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعۃً آدم علیہ السلام سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجالانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اتر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ (تو یہاں سے اتر جا تیرے لیے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) ﴿فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ﴾ (تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) مِنْهَا اور فِيهَا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ج ۸ ص ۹۰) لکھتے ہیں کہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغیچہ ہے جو عدن میں تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام وہیں پیدا کیے گئے تھے۔ (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہو) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرما دیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے سماء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اتار دیا گیا تھا تو پھر اس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے، سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم و حوا علیہما السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا۔ وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہر حال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔ ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھٹکار پڑی، دھتکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا:

چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائے گی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا اس لیے اس نے اول تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا ﴿فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ﴾ کہ تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ (سورہ حجر اور ص میں یہی الفاظ ہیں)۔

ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا:

جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے لمبی عمر دینے کا وعدہ فرما لیا تو ابلیس نے اپنے کینہ اور دشمنی کا اظہار کیا۔ بنی آدم سے اپنی ملعونیت کا بدلہ لینے کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان کو ضرور ضرور گمراہ کروں گا۔ (یہ الفاظ سورہ ص میں ہیں) اور یہاں سورۂ اعراف میں اس کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ ﴿فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کہ اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور ان کی راہ ماروں گا، اس نے مزید کہا ﴿ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ (ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے سامنے سے

Marfat.com

اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے)۔ ابلیس نے بنی آدم کو بہکانے کے لیے چار جہات کا ذکر کیا کیونکہ ان چار جہات سے کوئی کسی کے پاس آسکتا ہے مطلب اس کا یہ تھا کہ بقدر امکان جہاں تک ہو سکے گا میں ان کو بہکانے کی کوشش کروں گا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جہت فوق (اوپر کی جانب) سے رحمت مانع ہوتی ہے اس لیے ادھر سے شیطان کے آنے کا راستہ نہیں اور نیچے کی جانب سے بھی نہیں آسکتا اس لیے ان دونوں جہتوں کو چھوڑ دیا۔ یہ ابلیس کی دوسری ڈھٹائی ہے کہ گمراہی کی نسبت اب بھی اس نے اپنی طرف نہیں کی بلکہ اس نے یوں کہا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کی راہ ماروں گا۔

سورہ نحل میں ہے کہ اس نے انسانوں کو بہکانے کے لیے قسم کھاتے ہوئے یوں کہا ﴿لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور سورہ بنی اسرائیل میں کہا ﴿اَهٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ﴾ (کیا یہ ہے جسے آپ نے میرے مقابلہ میں عزت دیدی) ﴿لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو بجز قدر قلیل کے میں اس کی ساری ذریت کو اپنے قابو میں کرلونگا۔)

ابلیس تو اپنی قسم کو نہیں بھولا اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہے۔ بنی آدم کو بہکانے ورغلانے اور گمراہ کرنے میں اس نے اور اس کی ذریت نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بنی آدم کو کفر پر شرک پر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا ہی رہتا ہے۔ گمراہ زیادہ ہیں۔ اہل ہدایت کم ہیں۔ صالحین مخلصین بہت کم ہیں اس نے پہلے ہی ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ کہہ کر مخلصین کا استثناء کر دیا تھا اور جو اس نے ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ﴾ کہا تھا اس کے قول کو بنی آدم نے اس کا اتباع کر کے سچ کر دکھایا۔

﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا ذلیل وخوار ہو کر (یہ حکم دوسری بار ہے اس سے پہلے بھی یہ حکم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سجدہ نہ کرنے اور تکبر کرنے کی بنیاد پر تھا۔ اور یہ دوبارہ اس کی اس بات پر ہے کہ اس نے بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھائی اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لیے دوزخ کے داخلہ کا اعلان:

﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ (بنی آدم میں جو تیرا اتباع کریں گے تو سب سے میں دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس نے قسم کھا کر اپنی بات بتا دی کہ میں ان سب کا ناس ماروں گا۔ راہ حق سے ہٹاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اعلان فرما دیا کہ تجھے اور تیرے ماننے والوں سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ ابلیس کی بات اور احکم الحاکمین جل شانہٗ کا اعلان لوگوں کے سامنے ہے لیکن پھر بھی شیطان ہی کا اتباع کرتے ہیں۔ لا جعلنا اللہ منھم۔

وَیٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَاوٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا
نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ⑳
وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ㉑ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا

Marfat.com

الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِي
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو جاؤ گے تباہ کار۔ پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ ان دونوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کردے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو ڈھانک کر رکھنے کا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لیے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو جاؤ گے۔ اور اس نے ان کے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔ سو فریب دے کر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور ان دونوں کو ان کے رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔ اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے، وہ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے، فرمایا تم اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں رہنے کی جگہ ہے، اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک، فرمایا تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے

حضرت آدم اور ان کی بیوی کا جنت میں رہنا اور شیطان کے ورغلانے سے شجرۂ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دنیا میں اتارا جانا

شیطان تو مردود اور ذلیل ہو کر نکالا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور خوب بلا روک ٹوک اس میں سے کھاؤ بس اتنی پابندی ہے کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا اس میں نہی کو مؤکد فرمایا کہ کھانا تو کیا اس کے پاس بھی نہ جانا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سے پہلے فرمایا تھا کہ ﴿يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ شیطان اس فکر میں تھا کہ خود تو جنت سے نکلا ہی ہے ان کو بھی وہاں سے نکلوائے چنانچہ وہ تاک میں لگا رہا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو تمہیں اس درخت کے کھانے سے جو منع فرمایا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس درخت میں سے جو شخص کھالے گا وہ فرشتہ بن جائے گا اور اسے یہاں ہمیشہ رہنے کی دولت مل جائے گی۔ اور اس نے قسم کھائی کہ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں جھوٹی قسم کھائی اور فرشتہ بن جانے کی اور ہمیشہ رہنے کی بات ان کے سامنے رکھی وہ اس کی باتوں میں آگئے اور فریب خوردہ ہو کر اس درخت میں سے کھا بیٹھے، ابھی ٹھیک طرح سے کھانے بھی نہ پائے تھے اس درخت کو چکھا ہی تھا کہ ان کے جسم سے کپڑے گر گئے اور ایک دوسرے کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اپنی شرم کی جگہوں کو ڈھکنے کے لیے جنت کے پتے لے کر اپنے جسموں پر جوڑنے لگے (جس سے اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا تو کجا اس درخت کو کھا کر یہاں کے کپڑے تک جسم پر نہیں رہ سکتے)۔

حضرت آدم وحواء کا گناہ پر نادم ہونا اور توبہ کرنا:

اللہ جل شانہٗ نے دونوں کو پکارا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے، دونوں حضرات سچے مومن تھے بغیر کسی حیل وحجت کے اپنا قصور مان لیا اور گناہ کا اقرار کر لیا۔ اور مغفرت طلب کی اور رحمت کی درخواست پیش کر دی اور کہا۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (اے ہمارے رب! ہم

Marfat.com

نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری بخشش نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے) اللہ جل شانہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے۔

﴿فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی خطا تو معاف ہو گئی لیکن چونکہ انسان کی تخلیق اسی لیے تھی کہ اسے زمین کی خلافت سونپی جائے گی اور زمین پر اسے آنا ہی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت سے اتار کر دنیا میں بھیج دیا۔ ﴿قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ تم یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ ﴿وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک نفع حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ زمین میں آگئے اور بود و باش شروع ہو گئی۔

ہر شخص آتا ہے اور مدت مقررہ تک رہتا ہے اور کچھ نفع حاصل کرتا ہے پھر مر جاتا ہے اور زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اسی زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب کے لیے جمع ہوں گے اسی کو فرمایا۔ ﴿فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے قصہ اور ابلیس کی شرارت اور شقاوت کے واقعات کے متعلق بہت سی چیزیں سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں اور وہاں فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام لکھ دیئے گئے ہیں (انوار البیان ج۱) من شاء فلیراجع۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور وہ سبب زینت ہے اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اے آدم کی اولاد! تمہیں شیطان ہرگز فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکالا کہ وہ ان کا لباس اتروا رہا تھا۔ تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں۔ بے شک وہ اور اس کی قوم تمہیں ایسے طور دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے بنا دیا شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے

لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے اور زینت بھی

گزشتہ رکوع میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہوا اس نے بہت جم کر یہ اعلان کیا تھا کہ میں اولاد آدم کو بہکاؤں گا اور ورغلاؤں گا اور ان میں سے بہت تھوڑے ہی بندے خدائے پاک کے شکر گزار ہوں گے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ اس نے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو جنت سے نکلوا دیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے خطاب ہو رہا ہے۔ جس میں انعامات خداوندیہ کا بھی ذکر ہے اور اولاد آدم کو تنبیہ بھی ہے کہ شیطان کی طرف سے چوکنے رہیں۔

اول تو اولاد آدم کو اللہ جل شانہ نے اپنی ایک بہت بڑی نعمت یاد دلائی اور وہ نعمت لباس ہے، اس کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر فرمایا، لباس کا مادہ روئی وغیرہ محض اللہ کا عطیہ ہے جیسے بحکم خداوندی آسمان سے بارش اترتی ہے ایسے یہ لباس کا مادہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ پیدا نہ فرمائے تو بندے کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر لباس کے دو فائدے بتائے اول یہ کہ وہ شرم کی جگہوں کو ڈھانکتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس سے

Marfat.com

انسان کو زینت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان حسین اور جمیل بن جاتا ہے۔

سورۂ نحل میں لباس کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ ﴿وَ جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ﴿تَقِیْکُمُ الْحَرَّ﴾ جو فرمایا یہ بر سبیل کفایت ہے یعنی گرمی کا ذکر فرما دیا چونکہ سردی اس کی مقابل ہے اس لیے ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا تذکرہ بھی ہو گیا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سردی سے بچنے کا ذکر سورۂ نحل کے شروع میں فرمایا ہے۔ وَ هُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی ﴿وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْکُلُوْنَ﴾ اسی لیے دوسری جگہ ذکر نہیں فرمایا۔ بہر حال لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے ستر بھی چھپتا ہے سردی گرمی سے بھی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان حسین و جمیل بھی نظر آتا ہے۔ یہ لباس پہلے تو روئی اور اون تک ہی منحصر تھا لیکن اب تو بہت سی چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔ یہ سب اشیاء و اجناس اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن سے لباس بھی بنایا جاتا ہے اور دوسرے کاموں میں بھی آتی ہیں۔ جسم چھپانے والے لباس کی نعمت کا ذکر فرمانے کے بعد ایک عظیم لباس کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا۔ ﴿وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ﴾ اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر چیز ہے۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے جو شخص گناہوں سے بچے اور اعمال صالحہ فرائض و واجبات کی بجا آوری کرے منکرات سے بچے۔ وہ شخص تقویٰ والا ہے انسان میں جتنے عیوب ہیں ان سے تقویٰ بچاتا ہے۔ فواحش و منکرات سے دور رکھتا ہے۔ بے حیائی سے باز رکھتا ہے۔ جس میں تقویٰ ہو گا وہ ستر ڈھانکنے کی بھی کوشش کرے گا اور جس میں تقویٰ نہیں وہ زینت کے لیے لباس پہنے گا لیکن ستر عورت کا اس میں کوئی جذبہ نہ ہو گا اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن قوموں میں ایمان نہیں ان میں تقویٰ بھی نہیں تقویٰ نہیں تو ستر پوشی کا بھی اہتمام نہیں۔

حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے:

چونکہ تقویٰ ہی ستر پوشی کرواتا ہے۔ اس لیے تقویٰ کے لباس کی اہمیت بیان فرما دی پہلے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ستر ڈھانکنا انسانیت کا فطری تقاضا ہے اس لیے تو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے جب شجرہ ممنوعہ کھا لیا اور ان کے جسم سے کپڑے گر گئے تو فوراً جنت کے پتے جوڑ کر ستر ڈھانکنے لگے حالانکہ دونوں آپس میں میاں بیوی تھے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انسانوں کو فواحش و منکرات میں مبتلا کرے اور ننگا پہناوا پہننے کی ترغیب دے اس نے ننگوں کے کلب کھلوا ہی دیے اور ایسے لباس رواج پا گئے جس میں عریانی ہے اور جن اعضاء کو چھپانا چاہیے تھا ان کا ابھار ہے اگر کسی کی کسی ہوئی پتلون نہ ہو تو اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنی سوسائٹی میں جاؤں گا تو لوگ یہ سوچیں گے کہ دیکھو یہ کیسا دقیانوسی ہے اس کا دھڑ بھی ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ عورتوں کا عریاں لباس، چست لباس اور باریک لباس اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے جسے شیطان اور ان کے اہل کار رواج دینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔

باریک لباس جس سے جسم نظر آئے اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ جو مرد، عورت ایسا لباس پہنے وہ شرعاً ننگوں میں شمار ہے اور خاص کر عورتوں کے لیے اس بارے میں وعید شدید وارد ہوئی ہے۔

ان عورتوں کے لیے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوزخیوں کی دو جماعتیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ میرے بعد ظاہر ہوں گے) اول تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ اور دوسری جماعت ایسی عورتوں کی جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی، مردوں کو مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو

Marfat.com

سونگھیں گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۰۵)

اس حدیث میں ایسی عورتوں کے بارے میں پیش گوئی فرمائی جو کپڑے پہنے ہوئے ہونگی پھر بھی ننگی ہوں گی یعنی ایسے باریک کپڑے پہنے ہوئے ہونگی جس سے کپڑے پہننے کا فائدہ نہ ہو۔ اور ایسا چست کپڑا جو بدن کی ساخت پر کس جائے یہ بھی ایک طرح سے ننگا پن ہے۔

عریاں لباس کی مذمت:

نیز بدن پر کپڑا ہوتے ہوئے ننگے ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیاء عورتیں چھپاتی ہیں۔ بہت سی عورتیں یورپ اور امریکہ کی بے دین لیڈیوں کی تقلید میں ایسے لباس میں باہر آ جاتی ہیں جو عریانی والا لباس ہوتا ہے۔ گھٹنوں تک فراک جس میں آستین بھی نہیں پنڈلیاں ننگی سر پر دوپٹہ نہیں اور فراک کا ایسا کاٹ کہ نصف کمر اور نصف سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے یہ سب عریانی ہے۔

قرآن مجید میں تو لباس کی صفت بتاتے ہوئے یوں فرمایا ﴿لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا﴾ یعنی ایسا لباس جو شرم کی جگہوں کو ڈھانک دے اور زینت ہو۔ اب تو ننگا ہونے کو زینت سمجھا جاتا ہے۔ اور ننگے پہناوے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ قرآن پر ایمان لانے والے مرد اور عورتیں غور کریں کہ قرآن کیا بتاتا ہے اور ہم کیا کرتے ہیں۔

اسلام میں ستر کے ڈھانکنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ تنہائی میں بھی ننگا رہنے کی اجازت نہیں سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ننگے ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے افراد ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی فرشتے) لہٰذا تم ان سے شرم کرو، ان کا اکرام کرو۔ البتہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت اور جب انسان اپنی بیوی کے پاس جائے اس وقت (بقدر ضرورت) برہنہ ہونے کی اجازت ہے) سنن ترمذی میں یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی شرم کی جگہ کی حفاظت کر۔ الا یہ کہ اپنی بیوی یا مملوکہ (یعنی حلال باندی) سے استمتاع کے لیے استعمال کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص تنہائی میں ہو تو شرم کی جگہ کھولنے میں کیا حرج ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔

مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے کتنا پردہ ہے اور عورت کا اپنے محرموں سے کتنا پردہ ہے۔ اور مرد کا اپنی محرم عورتوں سے کتنا پردہ ہے۔ یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور عورت کا نامحرموں سے جو پردہ ہے وہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔ پھر فرمایا ﴿ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ﴾ کہ یہ لباس کا پیدا فرمانا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کرم عمیم کا پتہ چلتا ہے لوگ اگر اس میں غور کریں تو اللہ کی نعمتوں کو پہچان سکتے ہیں اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اس کے بعد بنی آدم کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے بہکانے میں نہ آنا۔ ارشاد ہے۔

بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے:

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ﴾ (اے بنی آدم! ہرگز شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے) ﴿کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ﴾ (جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا) یعنی ان سے ایسا کام کروا دیا جو ان کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بن گیا۔ ﴿یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا﴾ (وہ اتروا رہا تھا ان کا لباس تاکہ انہیں دکھا دے ان کی شرم کی جگہیں) اس میں بنی آدم (اولاد آدم) کو نصیحت فرمائی ہے اور وہ ہوشیار رہیں شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

شیاطین کی حرکتیں:

پھر فرمایا ﴿اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ﴾ بے شک وہ اور اس کی جماعت تمہیں ایسے طور سے دیکھتی ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ شیاطین عموماً انسانوں کو نظر نہیں آتے وسوسے ڈالتے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں جو دشمن نظر نہ آئے اس سے بچاؤ مشکل

Marfat.com

ہوتا۔ اس لیے تنبیہ فرمائی کہ تم انہیں نہیں دیکھتے وہ تمہیں دیکھتے ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔

قال صاحب الروح ج ۸ ص ۱۰۵ لان العدو اذا اتی من حیث لا یُریٰ کان اشد و اخوف۔

شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور گناہ کراتا ہے اور کفر و شرک پر ڈالتا ہے اور اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی حرکتیں ہیں جن کا ذکر احادیث شریف میں آیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولاد آدم میں جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تولد کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ لگانے سے چیخ اٹھتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کہ وہ دونوں اس سے محفوظ رہے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۸ ج ۱)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قضائے حاجت کی جگہیں (شیاطین کے) حاضر ہونے کی جگہیں ہیں۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو (اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کے ساتھ) یوں دعا مانگے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَآئِثِ (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے ان کے مردوں سے اور عورتوں سے)۔ (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان بیت الخلاء میں داخل ہو تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ (داخل ہونے سے پہلے) بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لے۔ (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب واسنادہ لیس بقوی)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے اس لیے تم پانی کے (متعلق) وسوسہ ڈالنے والے سے بچو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۴)

حضرت ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص سونے لگتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ لگاتے ہوئے لوری دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے سو جا۔ پس اگر وہ بیدار ہوا اور بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خوش طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتا ہے ورنہ وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کی طبیعت گندی ہوتی ہے اور اس پر سستی چھائی ہوتی ہے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۵۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک سوتا رہا اور نماز کے لیے نہ اٹھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص ایسا ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۳)

شیطان کس پر قابو پاتا ہے:

پھر فرمایا ﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے) اگر ایمان بالکل نہیں تو دوستی پکی ہے اور اگر ایمان ہے لیکن ساتھ ساتھ عصیان بھی ہے تو اسی حد تک شیطان کی دوستی بھی ہے رہے کامل مومن تو ان سے شیطان کی دوستی نہیں ہے ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

سورہ نحل میں فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ (یقیناً ان لوگوں پر اس کا قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا بس انہیں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

Marfat.com

وَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ
بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ
فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ فرما دیجیے! کہ بے شک اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بے شک وہ راہ راست پر ہیں

جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے

شیطان کی تعلیم و تلبیس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو اوپر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے پیرو نہیں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بد عملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اجی! ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادوں کو اچھے برے کی تمیز نہ تھی۔ (اس کا جواب سورہ مائدہ میں دیدیا گیا اور وہ یہ کہ ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (کیا اپنے باپ دادوں کی اقتداء کریں گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منچلے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ ﴿وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾ کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی ڈھٹائی ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگا دیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلا سند اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔

پھر فرمایا ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے اپنی جہالت سے یوں کہا کہ اللہ نے ہمیں فحش کاموں کا حکم دیا پہلے تو سلبی طور پر ان کی تردید فرمائی کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا، پھر ایجابی طور پر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو تو نہیں کرتے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کو کرتے ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کرتے ہو یہ سراپا گمراہی ہے۔ اب تم سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اول تو یوں فرمایا ﴿اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے ہر معاملہ میں انصاف کو سامنے رکھو۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو کیونکہ یہ بہت بڑی بے انصافی ہے کہ خالق و مالک قادر و رازق کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کر دیا جائے۔

انصاف میں سب احکام شرعیہ یعنی اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی دونوں باتیں داخل ہو گئیں لفظ ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ

Marfat.com

الدِّیْنَ﴾ ہر طرح کے اخلاص کو شامل ہے غیر اللہ کی عبادت اخلاص فی العبادۃ کے خلاف ہے اور عبادت میں ریا کاری کرنا اخلاص فی رضاء اللہ کے خلاف ہے غیر اللہ کی عبادت شرک جلی اور ریا کاری شرک خفی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو یعنی صرف معبود برحق ہی کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مزید فرمایا ﴿وَ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ یعنی اللہ کی اس طور پر عبادت کرو کہ عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو اس میں بھی مضمون سابق مذکور ہے اور توحید فی العبادت کی تاکید ہے۔

پھر فرمایا ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ (یعنی اس نے جس طرح تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تھا اسی طرح تم دوبارہ لوٹ جاؤ گے۔ اس سے مشرکین کا یہ وسوسہ دور فرما دیا کہ اس دنیا میں رہیں گے اور مر جائیں گے آباؤ اجداد کے طریقے پر رہے تو کیا حرج ہے؟ انہیں بتا دیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا نہیں مرو گے پھر جیو گے اور کفر و شرک پر عذاب ہوگا۔

پھر فرمایا ﴿فَرِیْقًا هَدٰى وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ (کہ اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے)

پھر فرمایا ﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنا لیا اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے پھر شیاطین کو دوست بنایا جن کا کام ہی گمراہ کرنے کا ہے پھر اپنے بارے میں یہ خیال کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ سب گمراہی در گمراہی ہے۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

اے اولاد آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنی آرائش لے لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ آپ فرما دیجیے! اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت نکالی ہے اور جو کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں انہیں کس نے حرام قرار دیا، آپ فرما دیجیے کہ یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں اہل ایمان کے لیے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے خالص ہوں گی۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کے لیے آیات بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں

بے حیائی کی مذمت، اور طواف و نماز کے وقت ستر عورت کا خصوصی حکم

مشرکین عرب طرح طرح کے شرکیہ عقائد و افعال اور بے شرمی کے اعمال میں مبتلا تھے ان کی یہ بے شرمی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ کعبہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ مرد بھی ننگے اور عورتیں بھی ننگی۔ البتہ عورتیں یہ کرتی تھیں کہ اپنی شرم کی جگہ پر چھوٹا سا چیتھڑا لپیٹ لیتی تھیں اور طواف کرتے یوں کہتی ہوئی جاتی تھیں۔ الیوم یبدو بعضه او کله وما بدا منه لا احله۔

ان کی اس حرکت سے منع کرنے کے لیے آیت کریمہ ﴿خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ اور اس کے بعد والی آیت ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ نازل ہوئی۔ (رواہ مسلم عن ابن عباس)

علامہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن ص ۲۱ ج ۳ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ جن کپڑوں میں گناہ کیے

Marfat.com

ہیں ان میں طواف کرنا صحیح نہیں اور بعض حضرات نے بتایا کہ یہ لوگ تفاؤلاً ایسے کرتے تھے کہ جیسے ہم کپڑوں سے ننگے ہو گئے اسی طرح سے ہمارے اوپر کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہا۔ (شیطان اپنے لوگوں کو کیسی پٹی پڑھاتا ہے)

اسباب النزول للواحدی ص ۲۲۲ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب نے اپنے دین میں یہ بات نکال رکھی تھی کہ منیٰ سے واپس ہو کر جب طواف کرتے تھے تو دونوں کپڑے اتار کر رکھ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت شریفہ ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ سے ﴿لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ تک نازل فرمائی۔

لفظ ﴿خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طواف کے لیے مسجد میں جائیں (جو صرف مسجد حرام میں ہوتا ہے) یا نماز کے لیے جائیں (خواہ کسی بھی مسجد میں پڑھیں) تو لباس پہن کر جائیں۔ ستر عورت جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اس کا اہتمام کرنا تو فرض ہی ہے (خواہ گھر میں نماز پڑھے) لیکن ستر عورت سے زیادہ جو لباس زینت کے لیے پہنا جاتا ہے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

لباس زینت کا حکم:

میلے کچیلے بدبودار کپڑے پہن کر نماز پڑھنے لگے تو یہ نماز کی شان کے خلاف ہے اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو کپڑے پہن کر بازار میں اور احباب واصحاب میں جانے سے دل منقبض ہوتا ہو اور نفس اپنی بے آبروئی محسوس کرتا ہو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ستر عورت بھی ہو اور نظافت بھی ہو مرغوب لباس ہو (جو خلاف شروع نہ ہو) ایسے لباس میں نماز پڑھیں۔ لفظ زِیْنَتَکُمْ میں ان سب امور کی طرف اشارہ ہے۔

فضول خرچی کی ممانعت:

پھر فرمایا ﴿وَّ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حد سے آگے بڑھنے میں فضول خرچی، خلاف شرع لباس پہننا، حرام چیزیں کھانا اور استعمال کرنا سب داخل ہے چونکہ مشرکین طواف کرتے وقت ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور اس وقت کپڑے پہننے کو گناہ سمجھتے تھے نیز انہوں نے اور بھی بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں جن کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں گزر چکی ہے اس لیے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی (جس میں لباس بھی شامل ہے) اور اس کے علاوہ کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں پیدا فرمائیں ان کو کس نے حرام قرار دیا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو تحلیل و تحریم کا اختیار ہے تم نے اپنی طرف سے تحریم کر کے اللہ کے قانون میں جو دخل دیا ہے یہ گمراہی کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہل ایمان کے لیے ہیں:

پھر فرمایا ﴿قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ آپ فرما دیجیے کہ یہ طیبات اور پاکیزہ چیزیں جو اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہیں دنیاوی زندگی میں اصالۃً مومنین کے لیے ہیں گو کافر بھی ان کو استعمال کر لیتے ہیں اور قیامت کے دن خالص مومنین کے لیے ہوں گی۔ آخرت میں کافروں کے لیے ان کا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے دنیا میں بھی نعمتوں کے استعمال کے اہل ایمان والے ہی ہیں ان کے میں کافر بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای هی لهم بالاصالة کرامتهم علی الله تعالیٰ و الکفرة و ان شارکوهم فیها فبالتبع فلا اشکال فی الاختصاص المستفاد من اللام و انتصاب (خالصة) علی الحال من الضمیر المستتر فی الجار و المجرور و العامل فیه متعلقه و قرأ نافع بالرفع علی انه خبر بعد خبر او هم الخبر وللذین متعلق به قدم لتاکید الخلوص والاختصاص۔

Marfat.com

اور بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی بتلایا ہے کہ دنیا میں جو نعمتیں ہیں اہل ایمان ان سے منتفع ہوتے ہیں لیکن ان میں کدورتیں ملی ہوئی ہیں دکھ، تکلیف اور رنج و غم بھی ساتھ لگا ہوا ہے آخرت میں ان کو نعمتیں ملیں گی وہ خالص نعمتیں ہوں گی ان میں کسی قسم کی کدورت نہ ہوگی۔

قال صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۵۷ فیه حذف تقدیره هی للذین اٰمنوا و للمشرکین فی الحیوة الدنیا فان اهل الشرک یشارکون المومنین فی طیّبٰت الدنیا و هی فی الاٰخرة خالصة للمؤمنین لاحظ للمشرکین فیها وقیل هی خالصة یوم القیامة من التنغیض و الغم للمؤمنین فانها لهم فی الدنیا مع التنغیض والغم۔

درحقیقت کافر اس لائق نہیں ہے کہ کوئی بھی نعمت اسے دی جائے اور کسی بھی نعمت سے منتفع ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بے حیثیت ہے اس لیے کافروں کو بھی دیدیتا ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی حیثیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ پلاتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۱)

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ
تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ
مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے فحش کاموں کو جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوں اور گناہ کو اور ظلم کو جو ناحق ہوتا ہے حرام قرار دیا ہے اور اس بات کو حرام قرار دیا کہ اللہ کے ساتھ شرک کریں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے اور ہرامت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ سو جب ان کی اجل آ گئی تو اس سے ذرا بھی پیچھے نہ ہٹیں گے اور مقدم بھی نہ ہوں گے، اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری و باطنی گناہوں کو حرام قرار دیا ہے

اوپر ارشاد فرمایا کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا پھر فرمایا کہ میرے رب نے انصاف کا حکم فرمایا ہے اس نے فواحش سے بچنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہاں بطور تاکید پھر اس مضمون کا اعادہ فرمایا جس میں قدرے تفصیل بھی آ رہی ہے ارشاد فرمایا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے فحش چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تمام فحش باتیں اور فحش کام حرام ہیں خواہ ظاہری طور پر ہوں خواہ پوشیدہ طور پر۔ ننگے ہو کر طواف کرنا، لوگوں کے سامنے ستر کھول کر آ جانا۔ عورتوں کو بے پردہ پھرانا، علانیہ طور پر فحش کام کرنا سب اسی مَا ظَهَرَ میں داخل ہے اور وَ مَا بَطَنَ (خفیہ طور) میں وہ سب فحش کام اور فحش کلام داخل ہیں جو در پردہ پوشیدہ طور پر کیے جاتے ہیں۔ زنا اور اس کے دواعی جو چھپ کر ہوتے ہیں ان سب کے حرام ہونے کی تصریح ان لفظوں میں ہوگئی۔ (میاں بیوی والے تعلقات چونکہ حلال ہیں اس لیے فحش ممنوع میں داخل نہیں ہیں)

Marfat.com

پھر فرمایا وَالْاِثْمَ اور اللہ نے گناہ کو بھی حرام قرار دیا اس میں ہر گناہ کی ممانعت آ گئی۔ ﴿وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ اور اللہ نے ظلم وزیادتی کرنے کو حرام قرار دیا جو ناحق ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ اور اللہ نے یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو۔ جو لوگ شرک کرتے تھے وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کو حجت بناتے تھے اور بعض جہالت کے مارے یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک پہنچا دینگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا ﴿مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ کہ یہ تمہارا شرک کرنا وہ چیز ہے جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی تمہارے پاس کوئی دلیل اور حجت اور سند نہیں۔ نیز فرمایا ﴿وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ نے یہ بھی حرام کیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔ چونکہ اپنے برے کاموں کے بارے میں یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا اس لیے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنی جہالت سے جو باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو یہ بھی اللہ نے حرام قرار دیا۔

ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے:

پھر فرمایا ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ (کہ ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے) سب ایک مدت مقررہ تک کھاتے پیتے رہیں گے اور جس امت پر عذاب آتا ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے۔ قال فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۵ مدۃ اکل و شرب و قال ابن عباس و عطاء و الحسن یعنی وقتا لنزول العذاب بھم فاذا جاء اجلھم و انقطع اکلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ای لا یتقدمون۔

جب ان کی اجل آ پہنچے گی تو ذرا بھی دیر موخر نہ ہونگے اور مقدم ہونے کا تو موقع رہا ہی نہیں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب لوگوں نے عذاب کا سوال کیا یعنی یوں کہا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا اور ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا:

اس کے بعد پھر بھی آدم سے خطاب فرمایا اور مومنین اور کافرین کے انجام سے باخبر فرمایا، ارشاد ہے۔ ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے سامنے میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں یعنی میرے فرائض اور احکام بتائیں (کما فسرہ ابن عباس) تو جن لوگوں کے پاس میرے رسول آئے اور انہوں نے ان کی بات مانی اور شرک اور کفر سے بچے اور اپنے اعمال کو درست کیا تو (آخرت) میں ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے۔

کافروں، متکبروں کے لیے عذاب:

﴿وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے اعراض کیا اور ان کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھی اور اپنے کو بڑا سمجھا تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

﴿وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ﴾ جو فرمایا اس میں ان کافروں کی شرارت نفس کا بیان ہے جو اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام ماننے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور نہ ماننے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔

سورۃ الصافات میں فرمایا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (بلاشبہ ان کا یہ حال تھا کہ جب ان کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دی جاتی تھی تو تکبر کرتے تھے) اور سورۃ قیامہ میں فرمایا ﴿فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

Marfat.com

یَتَمَطّٰی﴾ سو نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور منہ پھیر کر چل دیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا۔ بڑا بننے والوں کا تکبر نے ناس کھویا اور ان کے متبعین کو بھی لے ڈوبا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ
حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا
عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا
جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ
ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا لکھا ہوا حصہ مل جائے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ ان کی جان قبض کرنے کے لیے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جواب میں کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور اس وقت یہ لوگ اپنے بارے میں اقرار کر لیں گے کہ ہم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گزریں۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو، اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ سو چکھ لو عذاب اپنے اعمال کے بدلہ میں

موت کے وقت کافروں کی بدحالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسے لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائے گی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا برا حال ہوگا اور برا انجام ہوگا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا ...ث یہ ہو سکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جارہے ہو موت آرہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مد... کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچا لیں۔ یہ سوال سرزنش کے لیے ہوگا تاکہ موت کے وقت انہیں اپنے شر اور کفر کی قباحت اور شناعت معلوم ہو جائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ انعام (رکوع ۳) میں گزر چکا ہے برزخ کے عذاب میں مبتلا رہ کر جب قیامت کے دن اٹھیں

Marfat.com

گے، اور سوال وجواب وحساب وکتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں، جولوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہو جاؤ۔

اسی کو فرمایا ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ﴾ پھر فرمایا ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہو جائے گا۔ اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کرے گی اور وہاں بغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجیے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ اُخْرٰهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور اُوْلٰهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے کہ سرداران قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے اُخْرٰهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور اُوْلٰهُمْ سے سرداران قوم مراد لیے ہیں۔ اور اس میں دخول نار کی اولیت اور اخرویت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف بلاتے تھے تو الٹا ان کو برا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾ ہر ایک کے لیے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہے گا۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا۔ ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ فساد کرتے تھے)

فسر صاحب الجلالين الضعف بمعنى المضعف قال الشيخ الجمل فى حاشيته اشاريه الىٰ ان المراد بالضعف هنا تضعيف الشى و زيادته الىٰ مَا ينتهى لا الضعف بمعنى مثل الشى مرة واحدة

اس میں یہ بات بھی آ گئی کہ جب دونوں ہی فریق کا عذاب بہت زیادہ ہے تو دوسروں کا عذاب دیکھ کر کیا تسلی ہو سکتی ہے جب خود بھی سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ قَالَتْ اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ کہ پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے کہ جب سب کی سزا کا یہ حال ہے تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوئی نہ عذاب کی تخفیف ہمارے لیے ہے نہ تمہارے لیے۔ ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ (سو تم اپنے اعمال کے بدلے عذاب چکھ لو)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

Marfat.com

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اوران سے تکبر کیاان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔اور ہم ایسے ہی مجرموں کوسزا دیتے ہیں۔ان کے لیے دوزخ کا بچھونا ہوگا اوران کے اوپر سے اوڑھنے کا سامان ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں

مکذبین ومتکبرین جنت میں نہ جاسکیں گے ان کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا

پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور متکبرین یعنی آیات الٰہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آجاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لیے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔(اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں۔(جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علّیین میں لکھ دو۔اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا۔اور اسی سے اس کو دوبارہ نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کردی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف چل۔ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے۔اور ان سے فوراً لیکر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے)۔

اس حدیث سے ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ کا مطلب واضح ہوگیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان

Marfat.com

کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے اوران کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے۔ (مفصل حدیث مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ و ۱۴۳ پر مذکور ہے۔ ۱۲ منہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اوپر نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دعا اوپر اٹھائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۳ ج ۱)

پھر فرمایا ﴿وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے)

یہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ذالك مما لا یکون و کذا ما یتوقف علیه

﴿وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ (اوران کے ڈھانپنے والی چیزیں بھی دوزخ سے ہوں گی) یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آگ ہی آگ ہوگا۔

پھر فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ (اور اس طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں) ظالموں سے کافر مراد ہیں کیونکہ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا
بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم کسی جان کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بلاشبہ ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے۔ اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی ان اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے

اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

ان آیات میں اہل ایمان کی جزا کا ذکر فرمایا جو اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ ہم کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیتے جو اس کی قوت و طاقت سے باہر ہو جس شخص کو جو حکم دیا گیا وہ اس کو کر سکتا ہے۔

یہ مضمون پہلے بھی ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ اہل جنت جن نعمتوں میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا ذکر ہے۔

یہاں ایک خاص نعمت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کے دلوں میں جو تھوڑا بہت کینہ تھا اور جو کچھ کدورت تھی ان کے سینوں سے اسے باہر نکال دیا جائے گا۔ جنت کا ماحول بغض، کینہ کپٹ لڑائی بھڑائی کو برداشت کرنے والا نہیں۔ جنت میں جانے والے سب میل محبت سے آمنے سامنے مسہریوں پر ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۰) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو پہلی جماعت داخل ہوگی ان کے چہرے چودھویں

Marfat.com

رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی بہت روشن ستارہ ہو۔ ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوگا اور نہ آپس میں کچھ بغض ہوگا۔ (یہ جو فرمایا کہ ان کے دل ایک ہی شخص کے دل پر ہوں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلوب میں ایسی یگانگت ہوگی کہ گویا سب شخص واحد ہیں۔ ان کے درمیان باہمی کسی طرح کی کوئی رنجش نہ پائی جائے گی)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومنین دوزخ سے چھوٹ جائیں گے (یعنی پل صراط سے پار ہو جائیں گے) تو ان کو جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیا جائے گا اور آپس میں ایک دوسرے پر دنیا میں جو کوئی ظلم اور زیادتی ہوگئی تھی اس کا بدلہ دلایا جائے گا (تاکہ جنت میں رنجش اور کدورت کے ساتھ داخل نہ ہوں) یہاں تک کہ جب (حقوق کی ادائیگی سے) صاف ستھرے ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ہو جائے گی (یہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے یہ لوگ اپنے جنت والے گھر کو اس سے زیادہ پہچاننے والے ہوں گے جو ان کا گھر دنیا میں تھا۔ (رواہ البخاری ص ۹۶۷)

اہل جنت کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد ان کے تشکر کا تذکرہ فرمایا کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا)

دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی یہ اس کا فعل ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو کسی کو بھی ہدایت نہ ملتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی ہدایت کو دخول جنت کا ذریعہ بنا دیا۔ اللہ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ پر جو اس کی دنیاوی و اخروی عطائیں اور بخششیں ہیں یہ سب اس کا فضل ہے۔ اہل جنت اسی فضل کا مذاکرہ کریں گے اور یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ (بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر ہمارے پاس آئے) ہم نے دنیا میں ان کی تصدیق کی اور اب ان کی باتوں کا سچ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرمایا ﴿وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ندا دی جائے گی کہ یہ جنت تم کو ان اعمال کے بدلہ دی گئی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کی قدر دانی فرمائی اور تم کو جنت میں داخل فرمایا۔ فلہ الحمد و المنۃ

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے

اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا

اہل جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر

Marfat.com

جو عنایت اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پالیے جو وعدے ہم سے فرمائے گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کفر پر جو تمہارے رب نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے آگاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرما دیا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پر وہ لوگ جواب دیں گے "نَعَمْ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کر لیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر یوں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے روکتے تھے بلکہ بزعم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دین حق کو مانتے تھے نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ملعون ہو گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار پڑ گئی اور دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

یہ جو فرمایا کہ ﴿وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ کہ اللہ کے دین میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ ان کی انتہائی ضد اور عناد کی ایک صورت بیان فرمائی۔ مشرکین مکہ ایسا ہی کرتے تھے۔ دین اسلام پر طرح طرح کے اعتراض اٹھاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا وہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں نکالتے تھے جو حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھیں لیکن انہیں بطور اعتراض عوام کے سامنے لاتے تھے تاکہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔

آج تک یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام میں عیب نکالیں حتیٰ کہ وہ مشرک جو گائے کا پیشاب پیتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پوتر اور مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی پاکیزہ شریعت پاکیزہ زندگی پر اعتراض ہے اور اپنے پیشاب پینے سے ذرا بھی نفرت نہیں۔ جن قوموں میں غسل جنابت نہیں وہ بھی اپنے آپ کو مسلمانوں سے اچھا سمجھتی ہیں۔ اور جن قوموں میں زناکاری عام ہے اور نکاح کرنا عیب ہے انہیں اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں تعدد ازواج کی اجازت ہے یہ کیسی الٹی سمجھ ہے کہ دوستیاں تو جتنی چاہے رکھ لے لیکن ایک سے زیادہ بیویاں جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اس پر اعتراض ہے۔

یہود و نصاریٰ نے آج کل مستشرقین تیار کر رکھے ہیں یہ لوگ بظاہر اسلامی علوم میں اپنا اشتغال رکھتے ہیں اور نادان مسلمان خوش ہیں کہ کافر ہمارا دین پڑھ رہے ہیں وہ لوگ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود کافر ہیں بلکہ اہل اسلام جو ان کے یہاں اسلامیات کی ڈگری لینے جاتے ہیں ان کو اسلامی عقائد میں مذبذب کر کے مرتد بنا دیتے ہیں ان سادہ لوح طلباء کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ مستشرقین ان کو اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم پر اعتراضات سمجھاتے ہیں ان لوگوں کے پاس چونکہ علم نہیں ہوتا، علماء اسلام کی کتابوں اور صحبتوں سے محروم ہوتے ہیں اس لیے جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں اور خود بھی اسلام کے بارے میں بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ مستشرقین ایسے ایسے اعتراضات سمجھاتے ہیں جن کے منہ توڑ جوابات دیئے جا چکے ہیں اور علمائے اسلام ان کو مناظروں میں شکست دے کر بارہا ذلیل کر چکے ہیں یہ لوگ اپنے دین کو باطل جانتے ہوئے اسی پر جمع ہوتے ہیں۔ ﴿إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾

Marfat.com

وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ ۙ
قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم
بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا
يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾

اور دونوں کے درمیان پردہ ہوگا اور اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور امید کر رہے ہوں گے، اور جب ان کی نظریں دوزخ والوں کی طرف پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمائیے۔ اور اعراف والے بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ کیا وہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائے گا ان کو یوں حکم ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے

اصحاب اعراف کا اہل جنت کو سلام پیش کرنا اور اہل دوزخ کی سرزنش کرنا

اہل جنت اور اہل دوزخ دو جماعتیں ہوں گی اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام اور مستقر پر ہوگی۔ ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ یہ پردہ ایک دیوار کی صورت میں ہوگا۔ جس کو ﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ اس پردہ کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرنے کا موقع دیا جائے گا جس کا ذکر اوپر ﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ﴾ میں ہوا۔ اور عنقریب ہی دوسری آیت میں دوزخیوں کا جنتیوں سے خطاب کرنے کا اور ان سے پانی طلب کرنے کا ذکر آ رہا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان کچھ جھروکے ہوں گے جس سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور بات کر سکیں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ پردہ ایسا ہوگا جو جنت کا اثر اہل دوزخ کی طرف اور دوزخ کا اثر اہل جنت کی طرف نہیں پہنچنے دے گا۔ البتہ آپس میں ایک دوسرے کی آواز پہنچے گی۔

پھر اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ دیوار درمیان میں حائل ہوتے ہوئے آواز کیسے پہنچے گی تحریر فرماتے ہیں کہ ''امور الاٰخرۃ لا تُقاسُ بامور الدنیا۔ (یعنی آخرت کی چیزیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کی جاتیں) یہ تو صاحب روح المعانی نے درست فرمایا لیکن اب تو دنیا میں بھی لاسلکی نظام نے یہ ثابت کر دیا کہ آواز پہنچنے اور باتیں کرنے کے لیے درمیان میں کسی چیز کا حائل ہونا اور ایک دوسرے سے بعید ہونا مانع نہیں۔

ایک شخص ایشیا میں بیٹھے ہوئے بے تکلف امریکہ کے کسی بھی فرد سے بات کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو یعنی اہل جنت و اہل نار کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ لفظ اَعْرَاف عرف کی جمع ہے ہر چیز کے بلند حصے کو عرف کہا جاتا ہے۔

آیت بالا میں جس اعراف کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو دیوار ہوگی جسے حجاب سے تعبیر فرمایا ہے وہ اعراف ہوگی۔ آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ اعراف میں بہت سے لوگ ہوں گے جو اہل جنت کو پہچانتے ہوں گے اور اہل دوزخ کو بھی۔ اور یہ پہچاننا ہر ایک کی علامتوں سے ہوگا۔ میدان حشر میں بھی اہل جنت اہل دوزخ سے ممتاز ہوں گے۔

Marfat.com

اہل جنت کے چہرے سفید روشن ہوں گے اور اہل دوزخ کے چہرے سیاہ ہونگے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور جنت دوزخ کے داخلہ کے بعد ہر فریق کی صورتوں کا ممتاز ہونا تو ظاہر ہی ہے اعراف والے اہل جنت کو اور اہل دوزخ کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے خود تو ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے البتہ اس کے امیدوار ہورہے ہوں گے کہ انہیں بھی جنت میں داخلہ نصیب ہوجائے۔

اسی طمع اور آرزو کے حال میں وہ جنت والوں سے خطاب کریں گے کہ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ (تم پر سلام ہو) ان کا یہ کہنا بطور تحیہ یا بطور اخبار کے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تکلیفوں سے بچادیا اور آئندہ بھی تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔

یہ اصحاب اعراف کون ہوں گے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات سلف سے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی وجہ سے پل صراط سے گزر کر دوزخ سے تو بچ گئے لیکن ان کی نیکیاں اس قدر نہ تھیں کہ جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جائیں ان کو اعراف پر لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت وفضل سے ان کو جنت میں داخل فرمادیں گے۔

اعراف والے حضرات اہل جنت سے بھی خطاب کریں گے (جس کا ذکر ابھی ہوا) اور اہل دوزخ سے بھی خطاب کریں گے، جب اہل دوزخ پر نظریں پڑیں گی تو ان کی بدحالی دیکھ کر اللہ پاک سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں ظالموں سے شمار نہ فرمانا یعنی دوزخ میں داخل نہ فرما۔ نیز یہ حضرات دوزخیوں میں ان لوگوں کو بھی دیکھیں گے جنہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اہل کفر کے سردار تھے جنہیں اپنی جماعت پر گھمنڈ تھا اور تکبر کرتے تھے نہ دین حق قبول کرتے تھے اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور اہل ایمان کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے طور پر حقیر جانتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہو ہی نہیں سکتی۔

اصحاب اعراف ان متکبروں سے کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا جن کے تم چودھری بنے ہوئے تھے، اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا یہ لوگ (یعنی اہل ایمان) کیا وہی نہیں ہیں؟ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں شامل نہ فرمائے گا۔ دیکھو! وہ کیسے کامیاب ہوئے ان کو جنت میں داخلہ دیدیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور فرمایا۔

﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ (جنت میں داخل ہوجاؤ) ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ (نہ تم پر اب کچھ خوف ہے نہ آئندہ تم کبھی رنجیدہ رہو گے) وہ تو اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہوگئے اور تمہارا تکبر تمہیں کھا گیا تم کفر پر اڑے رہے لہٰذا تمہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑا۔

وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَقَدْ
جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ
يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا
مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ

Marfat.com

عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ ع

اور دوزخ والے جنت والوں کو آوازیں دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو یا ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں، وہ جواب میں کہیں گے کہ بلاشبہ اللہ نے ان کو کافروں پر حرام کر دیا، جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنایا اور انہیں دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا، سو آج ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے، اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب دی ہے جسے علم کے مطابق کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں کہ اس کا انجام ان کے سامنے آ جائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے، سو کیا ہمارے لیے سفارش کرنے والے ہیں جو ہمارے لیے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیئے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں جو کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ افتراء پردازی کیا کرتے تھے وہ سب بیکار چلی گئی

دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

اہل جنت اور اہل اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے۔ گزشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہل دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہل جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور ان سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ ہم تمہارا سوال کیسے پورا کر سکتے ہیں۔

کافروں نے اپنے دین کو (جو اللہ نے ان کے لیے بھیجا تھا) لہو ولعب کھیل تماشا بنا دیا تھا اس کو قبول نہیں کرتے تھے اور الٹا اس کا مذاق بناتے تھے۔ دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا اسی کے لیے عمل کرتے رہے اور سب کچھ اسی کو سمجھتے رہے آخرت کے لیے فکر مند نہ ہوئے اور جس دین کے ذریعے آخرت میں نجات ہوتی اسے قبول کرنے سے دور رہے۔

﴿فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا﴾ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے) یعنی ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے جو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی طرف رحمت کے ساتھ بالکل توجہ نہ کی جائے اور جنہیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے چونکہ انہوں نے آج کے دن یعنی یوم قیامت کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا انکار کرتے تھے اس لیے ان پر بالکل رحم نہ کیا جائے گا اور ان کی کوئی درخواست قبول نہ کی جائے گی اور ان کو دوزخ ہی میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔

﴿وَ لَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ (اور ہم نے انہیں کتاب پہنچا دی ہے یعنی قرآن مجید جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ (سب ہی کے لیے ہے۔ لیکن) ہدایت و رحمت انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اس کو سن کر ایمان لے آتے ہیں)

﴿هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ﴾ (الآیۃ) قرآن مجید میں مومن بندوں کا ثواب بتایا ہے ان کو بشارتیں دی ہیں اور اہل کفر کو عذاب سے ڈرایا ہے اور یوم قیامت میں جو ان کو عذاب ہوگا اس کی وعیدیں سنائی ہیں۔ مومنین کے حق میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے اعمال خیر کا نتیجہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور کافروں کو جو قرآن مجید نے وعیدیں سنائی ہیں وہ ان وعیدوں کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

اسی عاقبت اور انجام کو لفظ تاویل سے تعبیر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور دعوت حق کو قبول نہیں کرتے ان کی حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بس یہی انتظار ہے کہ قرآن نے کافروں کے بارے میں جو وعیدیں بتائی ہیں یعنی عذاب کی خبریں دی ہیں

Marfat.com

ان کے مطابق ان پر عذاب آجائے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو وہ لوگ جو قرآن کی دعوت کو بھولے ہوئے تھے اور ایمان سے منحرف تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر ہمارے پاس حق لے کر آئے تھے دنیا میں ہم نے حق قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اب عذاب سے نکلنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہماری کوئی سفارش کر دے جس کی سفارش قبول ہو جائے اور ہم عذاب سے بچ جائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں اور اب وہاں جا کر ان کاموں کے علاوہ دوسرے کام کریں جو گزشتہ زندگی میں کیا کرتے تھے۔ یعنی کفر اور شرک کے عقائد اور اعمال سے پرہیز کریں۔ اور ایمان وایمانیات میں مشغول ہوں۔

﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (انہوں نے اپنی جانوں کو تباہ کر ڈالا) ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور جو جھوٹی باتیں جھوٹے وعدے لیے پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے شریک تجویز کرتے تھے اور ان شرکاء کو بارگاہ خداوندی میں شُفَعاء یعنی سفارشی سمجھتے تھے یہ سب غائب ہو جائے گا اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔

سورۂ فاطر میں ہے کہ جب دوزخ میں یہ درخواست کریں گے کہ اے رب! ہمیں دوزخ سے نکال دیجیے اب ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کریں گے جو اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں ارشاد ہوگا۔ ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے لہٰذا تم چکھ لو، سو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں) چونکہ موت کے بعد برزخ سے اور میدان حشر سے دنیا میں واپس آنے کا قانون نہیں ہے اس لیے واپس نہیں ہو سکتے اور کافروں کو ابدالآباد تک عذاب چکھنا ہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استواء فرمایا، ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو، رات اسے طلب کر لیتی ہے جلدی سے، اور پیدا فرمایا چاند کو سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں خبردار! پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ ہی کے لیے خاص ہے برکت والا ہے وہ اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے

آسمان وزمین کی پیدائش، شمس وقمر اور ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ

یہاں سے پھر توحید کا بیان شروع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بندوں کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات ہیں ان کی تخلیق اور تسخیر کا تذکرہ فرمایا۔ یہ چیزیں توحید کی نشانیاں ہیں اول تو یہ فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

اللہ جل شانہٗ آن واحد میں ساری کائنات کو پیدا فرمانے پر قادر ہے پھر آسمان وزمین کو چھ دن میں کیوں پیدا فرمایا؟ ہمیں اس کی حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق کو تعلیم دینے کے لیے دفعۃً پیدا فرمانے کی بجائے چھ دن میں فرمایا تا کہ وہ سمجھ لیں کہ جب قادر مطلق نے چھ دن میں آسمان وزمین پیدا فرمائے حالانکہ وہ آن واحد میں دفعۃً پیدا فرما سکتا ہے تو مخلوق کے اپنے کام میں ضرور تدریج اور ترتیب کی ضرورت ہوگی۔

قال صاحب الروح و قال غير واحد ان فى خلقها مدرجًا قدرته سبحانه علىٰ ابداعها دفعة دليل على الاختيار و اعتبار لنظار (ج ۸ ص ۱۳۳) و فيه ايضًا ان التعجيل فى الخلق ابلغ فى القدرة و التثبت ابلغ فى الحكمة فاراد الله تعالىٰ اظهار

Marfat.com

حکمۃ ... خلق الاشیاء بالتثبت کما اظهر قدرته فی خلق الاشیاء بکُن (ج ۸ ص ۱۳۴)

و فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۶۴ قال سعید بن جبیر کان الله عزوجل قادرًا علی خلق السموٰت و الارض فی لمحة و لحظة فخلقهن فی ستة ایام تعلیما لخلقه التثبت وَ التأنی فی الامور و قد جاء فی الحدیث: التأنی من الرحمن و العجلة من الشیطان۔

سورۂ فرقان (ع ۵) اور سورۂ حٰم سجدہ (ع ۱) اور سورۂ ق (ع ۳) میں سَمٰوٰتِ اور اَرض کے ساتھ ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرما دیا اس کی تفصیل سورۂ حٰم سجدہ (ع ۲) میں بیان فرمائی ہے اور وہاں انشاء اللہ تعالیٰ اس بارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔

یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دن تو سورج کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اس وقت نہ آسمان تھے نہ زمین تھی نہ سورج تھا تو چھ دن کا وجود کیسے ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ستہ ایام سے مقدار ستہ ایام مراد ہیں یعنی چھ دن کی مقدار میں تخلیق فرمائی۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ پھر عرش پر استواء فرمایا۔ استواء قائم ہونے کو اور عرش تخت شاہی کو کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو اپنے بارے میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ فرمایا اور ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ فرمایا اس کو سمجھنے کے لیے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس پر ایمان لائیں اور سمجھنے کے لیے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف و صحیح ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے کسی نے اِسْتَوَاء عِلَی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استواء کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اسے اپنی مجلس سے نکلوا دیا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۶۵)

اس بارے میں سوال کرنے کو بدعت اس لیے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی آیات متشابہات تھیں لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں کیفیت اور حقیقت سمجھنے کے لیے کوئی سوال نہیں کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان امور کو واضح نہیں فرمایا۔ جس طرح وہ حضرات آیات متشابہات پر اجمالاً ایمان لے آئے اسی طرح بعد والوں کے لیے بھی اسی میں خیر ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے ایمان لے آئیں۔

سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے کہ جن کے دلوں میں زَیْغٌ یعنی کجی ہے وہ فتنہ تلاش کرنے کے لیے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اور ان کا مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ﴾ (الآیة)

پھر فرمایا ﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾ (اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر) یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ اس کو سورۂ زمر میں یوں فرمایا ﴿یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ﴾ (وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے) اور یہ سب کے سامنے ہے اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ رات اور دن کے نظام کو بدل دے نیز فرمایا ﴿یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا﴾ (یعنی رات جلدی جلدی چل کر دن کو طلب کر لیتی ہے) دن آناً فاناً گزرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ رات آ جاتی ہے اور دن غائب ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور تمام ستاروں کو پیدا فرمایا اس حالت پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں اور اس کی مشیت و ارادہ کے مطابق چل رہے ہیں۔ ہزاروں سال گزر گئے جو ان کی رفتاریں مقرر فرما دیں

Marfat.com

اور جو کام ان کے ذمہ لگائے ہیں ان میں لگے ہوئے ہیں صرف خداوند قدوس کے حکم سے چلتے ہیں کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی ہی کی وجہ سے رواں اور دواں ہیں)

آسمان و زمین و شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ (خبردار اللہ ہی کے لیے پیدا فرمانا اور حکم دینا ہے)

قال صاحب الروح ج ۸ ص ۱۳۸ و فسر بعضهم الامرهنا با لارادة و فسر اخرون الامر بما هو مقابل النهی و الخلق بالمخلوق ای له تعالیٰ المخلوقون لانه خلقهم و له ان یامرهم بما اداد. اھ۔

خالق ہونا اور حاکم ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کے علاوہ کوئی نہ ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ تکوینی اور تشریعی طور پر اس کے علاوہ کسی کو حکم دینے کا اختیار ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے)

صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۶۵ نے اولاً تو تبارک کا معنی تعالیٰ الله و تعظم لکھا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے) اور ایک قول یوں بھی لکھا کہ تَبَارَكَ بمعنی تَقَدَّس ہے۔ پھر محققین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معنی هذه الصفة ثبت و دام بمالم یزل و لا یزال

(یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) تمام اقوال کو سامنے رکھ کر لفظ تَبَارَكَ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے ہر عیب سے پاک ہے وہ اپنی صفات عالیہ سے ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اس کی ذات وصفات کو کبھی بھی زوال نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند فرماتا ہے جو حد سے آگے بڑھنے والے ہیں اور فساد نہ کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد، اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے

دعا کرنے کے آداب

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ رہو اسی کو پکارو، اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دعا کا ادب بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرو دعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دعا کرو۔ بعض مواقع میں زور سے دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دعا کرنا چاہئے۔

سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾ (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ پر) بات یہ ہے کہ خفیہ دعا کرنے میں حضوری قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دعا کی جائے تو اونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں۔ یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ ﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ

Marfat.com

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ (الآیۃ) نازل ہوئی (درمنثور ج ۳ ص ۱۹۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا عند ظن عبدی بی و انا معہ اذا ذکرنی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶) میں اپنے بندوں کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کرے اور میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی تمہاری سواری والی اونٹنی کی گردن تم سے قریب ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہٗ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دعا میں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔

پھر ارشاد فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرما دی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دعا میں بھی ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لیے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرت انبیاء علیہم السلام کی منازل عطا کی جائیں اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے۔ سنن ابو داؤد ج ا ص ۱۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا اللّٰھمّ انی اسئلك القصر الابیض عن یمین الجنة (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی داہنی جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے سفید محل تجویز نہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو، غسل وغیرہ میں) اور دعاء میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور مہمانوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لیے فکر مند نہ ہو اور ان کے لیے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ (اور زمین کی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو) اس سے زمین کی ظاہری اصلاح اور باطنی اصلاح دونوں مراد ہو سکتی ہے۔ کھیتی اگا دی اور اس میں طرح طرح کے فوائد رکھ دیئے۔ اس کو خراب نہ کرو۔ اللہ کی پیدا فرمودہ چیزوں کو نہ اجاڑ دو۔ اور ان سے انتفاع کی جو جائز صورتیں ہیں ان میں رخنہ پیدا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان سے منتفع ہونے دو۔ اور باطنی اصلاح اگر مراد لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں دلائل سے حق کو واضح فرمایا اعمال صالحہ کا حکم دیا۔ اور برے کاموں سے منع فرمایا کثیر تعداد میں انسانوں نے ایمان قبول کیا اب اس سدھار کو خراب نہ کرو، ہدایت کی راہ اختیار کرو، اسی پر خود رہو اور دوسروں کو اسی پر رہنے دو مذکورہ بالا آیات سے چند آداب معلوم ہوئے۔

اول یہ کہ دعا میں زیادتی نہ کرو۔ دوم یہ کہ خفیہ طریقہ پر دعا کرو۔ اور سوم یہ کہ ڈرتے ہوئے دعا مانگو کہ ممکن ہے قبول نہ ہو۔ چہارم خوب للچاتے اور امید کرتے ہوئے دعا مانگو اور پانچواں ادب ﴿وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ سے معلوم ہوا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فساد فی الارض جو تمام معاصی پر صادق آتا ہے اس سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ فساد فی الارض بھی دعاؤں کی قبولیت کے روکنے کا ذریعہ ہے۔

صحیح مسلم ج ا ص ۳۲۶ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا کہ جس کا سفر لمبا ہو بال بکھرے ہوئے ہوں۔ غبار سے اٹا ہوا ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر یَا رَبِّ یَا رَبِّ کہتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہو پینا حرام ہو، اور لباس حرام ہو اور اسے حرام

Marfat.com

سے غذا دی گئی ہو۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے) اس میں مطلقاً اچھے کام کی فضیلت بتا دی، جتنے بھی اچھے کام ہیں وہ سب اللہ کی رحمت شامل حال ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اسی عموم میں دعا کا احسان بھی ہے۔ دعا کے جو آداب بتائے ہوئے ہیں ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اگر دعا کی جائے تو اللہ کی رحمت نازل ہوگی اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ بن جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور اللہ وہ ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو مردہ زمین کے لیے روانہ کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعہ نکالتے ہیں ہر طرح کے پھلوں سے۔ اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ناقص ہم اس طرح ان لوگوں کے لیے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گزار ہوتے ہیں

بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت یعنی بارش اور اس کے فوائد کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں۔ جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا ہے جو زمین بے آب و گیاہ ہوتی ہے اور سبزی کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایسی زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہاں بارش برستی ہے جس سے پانی جمع ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے، کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے انسان اور جانور غذا پاتے ہیں اور منتفع ہوتے ہیں۔

بارش بنجر زمین پر بھی ہوتی ہے اور پہاڑوں پر بھی برستی ہے لیکن ایسی زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا جس میں پانی برسنے کے بعد کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، اور سبزیوں ترکاریوں کی پیداوار ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان اور اس کے پالتو جانوروں کی معاش کا سبب ہے اور مومن، کافر سب ہی اس سے منتفع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو اپنا انعام یاد دلایا۔

زمین سے پھلوں کے نکالنے کا انعام ذکر فرمانے کے بعد ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ فرمایا، کہ ہم اسی طرح مردوں کو نکالیں گے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے درخت اور پھل پھول نکالے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ دبی ہوئی ہے

Marfat.com

پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر پانی تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہ مردوں کو زندہ کر دے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

قیامت کے دن جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے گا وہ شبنم کی طرح ہو گی اس سے لوگوں کے جسم اُگ جائیں گے پھر دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۱ از مسلم)

آیت کے ختم پر ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ فرمایا جس میں نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش آنے کی خوش خبری دیتی ہیں پھر یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بھاری بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں بارش برستی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو پانی سے بھرے ہوئے بادل گزرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور ضرورت کی جگہ ایک قطرہ بھی نہ برسے جب پانی برس جاتا ہے تو وہاں زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزیاں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ پھل اور میوے پیدا ہو جاتے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اس سب کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہو جس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی منکرین بعث کو بھی سمجھنے کی دعوت دی کہ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ نظروں کے سامنے دیکھ لیں کہ زمین بارہا مردہ ہوتی رہتی ہے اور زندہ ہوتی رہتی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا﴾ (اور اچھی زمین کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب زمین ہے اس میں سے نہیں نکلتا مگر ناقص) نَکِدْ اس چیز کو کہتے ہیں جو بے فائدہ بھی ہو اور مقدار میں بھی کم ہو۔ بارش تو جگہ جگہ ہوتی ہے اچھی زمین پر بھی برستی ہے اور بنجر شور زمین پر بھی اس کا فیضان ہوتا ہے لیکن اچھی زمین بارش کی وجہ سے باغ و بہار بن جاتی ہے اور خراب زمین میں جو کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے بے فائدہ ہوتی ہے اور تھوڑی بھی ہوتی ہے (بے فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غذا کے کام نہیں آتی)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے۔ مومن کا دل طیب ہے پاکیزہ ہے اس کے سامنے جو اللہ کی ہدایتیں آتی ہیں اور جو قرآن کی آیات سنتا ہے وہ اس کے دل پر اثر کر جاتی ہے اور ان سے منتفع ہوتا ہے اور اس کے دل میں خوبیوں اور خوشیوں کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

اور کافر کے پاس جب ہدایت پہنچتی ہے اور قرآن کی آیات سنتا ہے تو قبول نہیں کرتا اس کا دل خبیث ہے۔ ہدایت سے منتفع نہیں ہوتا ذرا بہت ہدایت کا خیال آتا ہے تو اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ﴾ (یعنی ہم طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں یہ ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو شکر گزار ہیں اور قدرشناس ہیں) بیان تو سب کے لیے ہوتا ہے لیکن نفع وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں اپنے خالق کی نعمتوں کی قدردانی ہے۔ ان کے قلوب پاکیزہ ہیں خیر کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظاہری و باطنی نعمتوں کے لیے شکر گزار ہوتے ہیں۔

قال صاحب الروح ج ۸ ص ۱۴۸ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ نعم اللہ تعالیٰ و منها تصریف الاٰیات و شکر ذالك بالتفکر فیها و الاعتبار بها، وخص الشاکرین لانهم المنتفعون بذٰلك، و قال الطیبی ذکر لقوم یشکرون بعد لعلکُمْ تذکرون من باب الترقی لان من تذکر الآء اللہ تعالیٰ عرف حق النعمة فشکر۔ اھ۔

Marfat.com

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ
لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ
وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو نماز میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کا خوف کرتا ہوں۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا بلا شبہ ہم تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آ گئیں تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم ڈر جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے ان سے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلا شبہ وہ لوگ اندھے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا

امت حاضرہ کی یاد دلانی اور عبرت دلانے کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورۂ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام کی تبلیغ و تذکیر اور ان کی امتوں کے انکار و تکذیب پھر اس پر ان کی سزا و تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمن فرعون کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورۂ ہود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمائے ہیں پھر اسی ترتیب سے سورۂ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اس لیے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے منکرین کی یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کے بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ و تذکیر کرتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکیر فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت و حماقت نہیں ہے تو کیا ہے۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکیر و تبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے۔ ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑ ودّ کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر

Marfat.com

ساڑھے نوسو سال رہے (جیسا کہ سورۂ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اوران لوگوں کی تفہیم وتذکیر میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی۔ وہ لوگ بہت بری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اوران کے سرداراور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہواور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ (سورۂ ہود)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں بڑا بن کر رہے۔ (جیسا کہ سورۂ مومنون میں ہے ﴿یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ﴾) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کپڑے اوڑھ لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ (جیسے کہ سورۂ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دور بھاگتے تھے بلکہ الٹا انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں تمہیں اس بات سے تعجب ہورہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آگئی اوراس کا واسطہ تم ہی میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطہ سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لیے مقرر ہے۔ تم ڈرواور کفر سے بچو اس میں تمہاری بھلائی ہے رب العالمین جل مجدہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اس کے ماننے کی بجائے یوں ہی دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ ﴿فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا، حضرت نوح علیہ السلام اوران کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے اور کشتی میں سوار ہو گئے تھے وہ نجات پا گئے اور سب کافر غرق کردیئے گئے۔ ان لوگوں نے ہدایت کو نہ مانا۔ نصیحت پر کان نہ دھرا۔ گمراہی کو ہی اختیار کیا۔ اندھے بنے رہے۔ عقل وفہم کو بالائے طاق رکھ کر ضد اور عناد پر تلے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا مفصل قصہ ان شاء اللہ العزیز سورۂ ہود (ع ۴) میں آئے گا۔

فائدہ: تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۱۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرنیں تھیں (ہر قرن سو سال کی ہوتی ہے) اور یہ قرون سابقہ سب ملت اسلام پر تھیں بعد میں اختلاف ہوا۔ اور کفر وشرک کی راہیں لوگوں نے اختیار کر لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت پہلی امت ہے جس نے کفر اختیار کیا اور بت پرستی شروع کی۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ
الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ
یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَکُمْ
نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ ؕ وَ
اذْکُرُوْۤا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَکُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْکُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ
لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَاۤ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ

Marfat.com

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا، پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں، امانت دار ہوں، کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی تم ہی میں ایک شخص کے واسطہ سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر تمہارے ڈیل ڈول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اس چھوڑ دیں۔ سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود تجویز کر لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو تم انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا

ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت و طاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قد آور تھے ان کا ڈیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورۂ فجر میں فرمایا ﴿الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ﴾ (ان جیسی قوم شہروں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہو گئی۔ حضرت ہود علیہ السلام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتلانے لگے اور کہنے لگے کہ ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالق کائنات جل مجدہ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لیے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) (سورہ حٰم سجدہ ع ۲) ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے بیٹے عطا فرمائے باغات دیئے چشمے دیئے۔ ﴿اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ﴾ تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آ جائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی

Marfat.com

دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہ تھا اور ان کو سچا نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے بہکی بہکی باتیں کرتے ہو ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور کہنے لگے کہ تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ﴾ جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لا کر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھ (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورہ حٰمٓ سجدہ، سورہ احقاف، سورہ ذاریات، سورہ حاقہ اور سورہ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورہ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور سورہ قمر میں فرمایا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾

اور سورہ حاقہ میں فرمایا ﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ﴾ (اور لیکن عاد سو وہ ہلاک کیے گئے ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ، اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگا تار مسخر فرما دیا۔ اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو ان میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورہ ذاریات میں فرمایا ﴿وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بانجھ تھی یعنی خیر سے بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چورا ہو)۔

سورہ احقاف میں ہے کہ جب ان لوگوں پر عذاب آنا شروع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل آ رہا ہے (وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ (برسنے والا بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔ (یہ سورہ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)

عناصر اربعہ آگ، خاک، آب و ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لیے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ﴿نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ اُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ﴾ (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد بور کے ذریعے ہلاک کی گئی) (رواہ البخاری ص ۱۴۱ ج ۱) صبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور دبور وہ ہوا ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

غزوہ احزاب کے موقعہ پر جب مختلف قبائل اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مدینہ پر چڑھ آئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا بھیجی جس نے دشمن کے خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے چولہے الٹ دیئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ حدیث بالا میں اسی کا تذکرہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانے والا نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۲۹۴، ۲۹۵)

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چیز ہے۔ وہ رحمت لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے لہٰذا تم اس کو برا نہ کہو۔ اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۰ از ابی داؤد وابن ماجہ)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا ٹھکانہ دے دیا۔ تم اس زمین کے نرم حصہ میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت کرو، ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے ضعیفوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف بھیجا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا بے شک جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ سو انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرکشی کی، اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔ سو ان کو پکڑ لیا زلزلہ نے۔ سو وہ اوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے۔ پھر صالح نے ان سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ قوم ثمود تھی۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں دو شخصوں کے

Marfat.com

نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف وموسوم ہوئے۔ قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔ جس کو سورۂ حجر کے چھٹے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔ قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے۔ یہ لوگ بھی قوت اور طاقت والے تھے۔ زمین پر بڑے بڑے مکانات بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے گھر بنا لیتے تھے جس کو ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا﴾ میں بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے تراشے ہوئے پہاڑ اور پہاڑوں کے اندر بنائے ہوئے گھر آج تک موجود ہیں۔ جو مدائن صالح کے نام سے معروف و مشہور ہیں اور شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے (جو انہی کی قوم میں سے تھے) ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے تکے جواب دیئے، سورۂ قمر میں ہے کہ وہ یوں کہنے لگے۔ ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ (کیا ایک ایسے شخص کا ہم اتباع کر لیں جو ہمیں میں سے ہے اگر ہم ایسا کر لیں تو کھلی گمراہی میں اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے کیا ہم سب کے درمیان سے اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی بگھارتا ہے)

سورۂ ہود میں فرمایا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے ﴿قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ﴾ (اے صالح اس سے پہلے تم ہمارے اندر بڑے ہونہار تھے) تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ﴿اَتَنْهٰنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ﴾ (کیا تو ہم کو اس سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو اس میں شبہ ہے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے یہ شبہ تردد میں ڈالنے والا ہے)

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ زیادہ تر دنیاوی اعتبار سے کمزور تھے۔ (عام طور پر یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر اولاً وہی لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے کے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں) ان کی قوم میں جو بڑے لوگ تھے یعنی دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے غریب مسلمانوں سے کہا کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔

﴿اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ (کہ بلاشبہ ہم تو اس پر ایمان لائے جو وہ لے کر بھیجے گئے) متکبرین نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں مانتے اور جس پر تم ایمان لے آئے ہم اس کے منکر ہیں۔ یہ تکبر اور دنیا کے چودھراہٹ اور بڑائی ہمیشہ بڑا بننے والوں کا ناس کھو دیتی ہے۔ اور حق کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔

قوم ثمود کے لوگ بھی بڑے ضدی تھے کہنے لگے کہ ہم تو جب جانیں جب تم پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر پہاڑ میں سے اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے نبی ہو۔ ان کو ہر چند سمجھایا کہ دیکھو اپنے منہ سے مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر اونٹنی تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے نکل آئی اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ پھر جلدی ہی عذاب آ جائے گا۔

وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور یہی مطالبہ کرتے رہے کہ اونٹنی پہاڑ سے نکال کر دکھاؤ۔ اگر اونٹنی پہاڑ سے نکل آئی تو ہم ایمان لے آئیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی وقت ایک پہاڑی پھٹ گئی اور اس کے اندر سے اونٹنی نکل آئی۔

یہ ماجرا دیکھ کر جندع بن عمرو (جو ثمود کا سردار تھا) اور اس کے ساتھ تھوڑے سے اور لوگ مسلمان ہو گئے۔ قوم کے جو بڑے لوگ تھے انہوں نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے بتوں کے جو پجاری تھے انہوں نے ایمان نہ لانے دیا۔ اب تو منہ مانگا معجزہ سامنے آ گیا یہ معجزہ کیا تھا ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی تھی اسے ''ناقة الله'' فرمایا جیسے کعبة الله کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مالک حقیقی سبھی کا اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں کے مجازی مالک بھی ہیں اور اس اونٹنی کا کوئی مالک مجازی نہ تھا

Marfat.com

اس لیے ناقۃ اللہ فرمایا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کو ناقۃ اللہ اس لیے فرمایا کہ وہ قوم صالح علیہ السلام پر اللہ کی حجت تھی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اونٹنی جب پہاڑ سے نکلی اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ بھی نمودار ہوا تھا جب اونٹنی کو قتل کر دیا گیا (جس کا ذکر آگے آتا ہے) تو اس بچہ نے تین بار آواز نکالی پھر ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ چونکہ یہ اونٹنی دیگر اونٹنیوں جیسی نہ تھی اس لیے اس کا کھانا اور پینا بھی دوسری اونٹنیوں سے مختلف تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا ﴿فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ (اسے چھوڑے رکھو تا کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پیتی رہے) ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (اور اسے برے خیال سے مت چھوؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا) نیز انہوں نے ان سے یہ بھی فرمایا ﴿لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (اس لیے پانی پینے کا حصہ مقرر ہے اور تمہارے لیے ایک مقررہ دن کا پینا ہے) یہ اونٹنی جنگلوں میں چلتی پھرتی تھی ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی تھی جب یہ پانی پینے لگتی تھی تو کنویں میں سر لٹکا کر سارا پانی پی جاتی تھی۔

ان لوگوں کو یہ بات کھلی اور چونکہ اس اونٹنی کی وجہ سے ان کے مویشی خوف زدہ ہو کر دور دور بھاگ جاتے تھے اس وجہ سے ان لوگوں کو اونٹنی کا وجود ناگوار ہوا ان میں دو عورتیں زیادہ مالدار تھیں جن کے بہت مویشی تھے انہوں نے قوم میں سے دو آدمیوں کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر آمادہ کیا۔ یہ دونوں آدمی جن میں ایک کا نام مصدع اور دوسرے کا نام قدار تھا چھپ کر بیٹھ گئے جب اونٹنی ادھر سے گزری تو مصدع نے اس کی پنڈلی میں تیر مارا پھر قدار نے اس کو ذبح کر دیا بستی کے لوگ نکلے اور اس کا گوشت تقسیم کر لیا۔ جب وہ ایسی حرکت کرنے کو نکلے تھے تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ ایسا نہ کرو۔

سورۃ الشمس میں فرمایا ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ (جب اٹھ کھڑا ہوا ان کا سب سے بڑا بدبخت سو ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کے بارے میں اپنی جانوں کو بچا کر رکھو) ان لوگوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اونٹنی کو مار ہی ڈالا، جب انہوں نے ایسا کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا ﴿اَشْقٰهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا﴾ (کہ تم لوگ اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھالو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں) جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین دن کے بعد عذاب آجائے گا تو ان کا مذاق بنانے لگے۔

وہ کہتے تھے کہ ﴿يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (کہ اے صالح وہ عذاب لے آؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو) وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے درپے بھی ہوئے جس کا ذکر سورۂ نمل میں فرمایا ہے۔ ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ (الآیۃ)

عذاب تو آنا ہی تھا پہلے دن ان کے چہرے پیلے ہو گئے دوسرے دن سرخ ہو گئے تیسرے دن سیاہ ہو گئے۔ اور چوتھے دن ان پر عذاب آ گیا۔ (از تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۷ تا ص ۲۲۹ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۴ تا ص ۱۳۷ جلد نمبر ۱)

سورۂ اعراف میں فرمایا ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ (ان کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورۂ ہود میں فرمایا ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے، سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی، خبردار دوری ہے ثمود کے لیے)۔

دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر دونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین پھٹتی ہے تو اس سے آواز آتی ہے اور یہ آواز بھیانک ہوتی ہے جس کی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھتے ہیں اس لیے زلزلہ کو صیحۃ (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

Marfat.com

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بھی قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا ذکر ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ ﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو راستہ بتلایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ گمراہی کو پسند کیا پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا)

اس آیت میں ثمود کے عذاب کو ﴿صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ لفظ صاعقہ ایسی سخت آواز کے لیے بولا جاتا ہے جو اوپر سے سنائی دے۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ اس سے کبھی آگ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ عذاب بن کر آتی ہے اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے اس لیے اس کو تینوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اھ چونکہ قوم ثمود کی ہلاکت رجفہ یعنی زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ ہوئی تھی اس لیے سورۂ حٰمٓ سجدہ میں جو لفظ صاعقہ وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اسے مطلق عذاب کے معنی میں لیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے کہ رجفہ، صیحہ، صاعقہ (اوپر سے سنائی دینے والی سخت آواز) تینوں طرح کا عذاب آیا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۳۶ میں لکھا ہے کہ قوم ثمود پوری قوم عذاب میں ہلاک ہوگئی۔ البتہ ان میں ایک عورت تھی جس کا نام کلبہ تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام سے بہت زیادہ عداوت رکھتی تھی اس نے جب عذاب دیکھا تو وہاں سے تیزی سے دوڑی اور عرب کے ایک قبیلہ کو جا کر خبر دی اور ان لوگوں سے پانی طلب کیا پھر پانی پی کر مرگئی۔

پھر ص ۱۳۷ پر بحوالہ مصنف عبدالرزاق، ابو رغال کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو رغال کی قبر پر گزرے اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا یہ ابو رغال کی قبر ہے یہ شخص قوم ثمود میں تھا جب ان لوگوں پر عذاب آیا تو یہ شخص حرم مکہ میں تھا حرم میں ہونے کی وجہ سے اس پر عذاب نہ آیا جب حرم سے باہر آیا تو یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا اور اسے یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کی گئی۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سواریوں سے اترے اور جلدی سے آگے بڑھے قبر کھودی اور اس میں سے سونے کی ٹہنی نکل آئی۔ یہ واقعہ طائف کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔ یہ قصہ حضرت امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ (راجع آخر حدیث من کتاب الخراج)

﴿فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ﴾ (الآیۃ) (سو صالح علیہ السلام نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہاں سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ خطاب حضرت صالح علیہ السلام نے کب فرمایا؟ بعض مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب قوم پر عذاب آنے کے آثار دیکھ لیے اور محسوس فرما لیا کہ عذاب آنے ہی کو ہے تو حضرت صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر روانہ ہوگئے اور ان سے یہ آخری خطاب فرمایا جو حسرت بھرے انداز میں ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب ان کی قوم ہلاک اور برباد کی گئی تو ان سے یہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا بدر میں مقتول ہونے والے کافروں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا تھا جن کی نعشیں ایک کنویں میں پڑی ہوئی تھیں، یہ فرما کر حضرت صالح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر فلسطین کی طرف چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے، چونکہ قوم ثمود کی بستیوں پر عذاب آچکا تھا اس لیے یہاں رہنا گوارا نہ فرمایا۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو اس وادی سے گزرے اس وقت آپ چہرہ انور پر کپڑا ڈالے ہوئے تھے۔ آپ تیزی سے گزرے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یہاں سے تم دوڑتے ہوئے گزرو ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچ جائے جو ان لوگوں کو پہنچا تھا۔ نیز آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ عذاب کی جگہ پر کوئی نہ جائے اور نہ وہاں کے کنویں کا پانی استعمال کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے تو یہاں کے کنوؤں کے پانی کو استعمال کیا ہے اور اس پانی سے آٹا گوندھا ہے آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور جو آٹا گوندھا ہے اسے اونٹوں کو کھلا دو۔ (صحیح البخاری ص ۴۷۸ وص ۶۳۷ ج اوص ۶۳۷ جلد نمبر ۲)

Marfat.com

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ
اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا
امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا، بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو، اور ان کی قوم کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکباز بنتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسا دی۔ سو دیکھ! کیسا انجام ہے مجرمین کا

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اپنے افعال سے باز نہ آنا اور انجام کے طور پر ہلاک ہونا

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدکرداری کا اور تھوڑا سا اس سوال وجواب کا ذکر ہے جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہوا نیز جو ان پر عذاب آیا اس کا بھی ذکر ہے مفصل قصہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر اور سورۂ شعراء اور سورۂ عنکبوت میں مذکورہ ہے اور تھوڑا تھوڑا دیگر مواقع میں بھی ہے۔

یہ لوگ ایمان بھی نہ لائے اور جن برے کاموں میں مبتلا تھے ان سے حضرت لوط علیہ السلام نے روکا تو الٹے الٹے جواب دیتے رہے۔ یہاں سورۂ اعراف میں ان کی ایک بدکرداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مرد، مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے۔ سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ بے حیائی کا ایسا کام ہے جسے تم سے پہلے جہانوں میں کسی نے بھی نہیں کیا۔ اس بدکرداری اور بدفعلی کی تم نے بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خالق ومالک کی شریعت کے خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی۔ ان کی دوسری بدکرداری یہ تھی کہ راہزنی کرتے تھے جسے سورۂ عنکبوت میں ﴿وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورۂ شعراء میں فرمایا ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ﴾ (کیا تم سارے جہانوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور وہ جو اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا یعنی تمہاری بیویاں ان کو چھوڑتے ہو۔ بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو) سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے۔ کہنے لگے کہ اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکال لو۔ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں گندا بتاتے ہیں۔ گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے از راہ تمسخر کہی تھی۔

سورۂ شعراء میں ہے ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ﴾ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) ﴿قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ آخر ان پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مراد

Marfat.com

مل گئی۔ ۔۔ہ انعام میں فرمایا ﴿وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور سورۂ شعرا اور سورہ نمل میں بھی ایسا ہی فرمایا یعنی ہم نے ان پر بڑی بارش برسادی اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ (کہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس سبب سے کہ وہ بدکاری کرتے تھے) یہ کیا عذاب تھا اور کیسی بارش تھی اس کے بارے میں سورہ ہود میں فرمایا ہے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ﴾ (سو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھروں کی بارش برسادی جو لگا تار گر رہے تھے جو آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے تھے)

سورہ حجر میں بھی یہ مضمون ہے وہاں فرمایا ہے۔

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ (سو پکڑ لیا ان کو چیخ نے سورج نکلتے نکلتے سو کر دیا ہم نے اس کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ اور برسا دیئے ہم نے ان پر کنکر کے پتھر)

ان سب آیات کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا، ان کی سرزمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا، اور ان پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورہ براءت (ع ۹) میں الْمُؤْتَفِكٰت سے تعبیر کیا ہے یعنی الٹی ہوئی بستیاں سورہ ہود اور سورۂ ذاریات اور سورۂ عنکبوت میں ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کی مہمانی کا انتظام کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آپ حضرات کیوں بھیجے گئے۔ سورۂ ذاریات میں ہے۔

﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر نشان لگے ہوئے ہیں تیرے رب کے پاس حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے، سو نکال دیا ہم نے جو ان میں ایمان والے تھے پس ہم نے اس میں ایک گھر کے سوا کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں پایا)

حضرت لوط علیہ السلام نے بہت محنت کی، حق کی طرف بلایا اور ایمان لانے کی دعوت دی لیکن قوم میں سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا اور اپنی بیہودہ حرکتوں میں لگے رہے البتہ ان کے گھر کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ہونے والی ان کی لڑکیاں تھیں اسی کو فرمایا کہ ایک گھر کے سوا کسی کو مسلمان نہ پایا۔ ان کی بیوی بھی چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھی اسی لیے وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل کر لی گئی۔

اسی کو فرمایا ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ (سو ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر کے لوگوں کو سوائے اس کی بیوی کے۔ یہ باقی رہ جانے والوں سے تھی) یعنی جو اہل ایمان بستیوں سے نکال دیئے گئے تھے تا کہ عذاب میں مبتلا نہ ہوں ان کے علاوہ جو لوگ تھے وہ انہی میں رہ گئی۔

سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ﴾ (سو تم رات کے ایک حصہ میں نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے، بے شک اسے عذاب پہنچنے والا ہے جو ان لوگوں کو پہنچے گا۔ ان کی ہلاکت کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے۔)

مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کی بیوی ان کے گھر والوں کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ نکلی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ کر اپنی قوم کی ہلاکت پر افسوس ظاہر کرنے لگی۔ ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔ سورۂ ہود اور سورہ حجر میں ﴿حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ فرمایا اور سورہ ذاریات میں ﴿حِجَارَةً

Marfat.com

﴿مِّنْ طِيْنٍ﴾ فرمایا۔

دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جو پتھر ان لوگوں پر برسائے گئے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑوں میں سے نہ تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے گئے ہوں جس کا ترجمہ کنکر سے کیا گیا اور مُسَوَّمَةً بھی فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا کہ یہ فلاں شخص پر ہی گرے گا۔ اور سورہ ہود میں جو مَنْضُوْدٍ ہے اس کے معنی ہیں کہ لگاتار پتھر برسائے گئے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا۔ اس خطہ کو اوپر اٹھا کر لے گئے اور وہاں سے الٹا کر کے زمین کی طرف پھینک دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ چار بستیاں تھیں جن کے نام مورخین و مفسرین نے سدوم، امورا، عاموراء اور صبویر بتائے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے۔ یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحرمیت جاری کر دیا گیا جو آج بھی موجود ہے پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا ہے صرف ان بستیوں کی حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے کسی قسم کا انتفاع انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتیوں کو نہیں ہوتا۔

سورۂ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ ﴿وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے)

اہل عرب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں، بدکاروں کا کیا انجام ہوا۔ تم وہاں سے گزرتے ہو اور نظروں سے دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فائدہ: قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس فحش کام یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کا عمل کرنے میں لگی ہوئی تھی یہ عمل اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔ یہ عمل عقلاً و شرعاً و فطرةً نہایت ہی شنیع اور قبیح ہے اور کبائر میں سے ہے۔ اس کی سزا کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا زنا ہے اس کی سزا بھی وہی ہے جو زنا کی سزا ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں سو کوڑے مارنا اور بعض صورتوں میں سنگسار کر دینا (یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ان دونوں سزاؤں کی تفصیلات کتب فقہ کی کتاب الحدود میں لکھی ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی ایک قول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ایسی سزا مقرر نہیں کہ ہمیشہ اسی کو اختیار کیا جائے بلکہ امیر المومنین اس کو مناسب جانے تو دونوں کو قتل کر دے۔ اور مناسب جانے تو سخت سزا دے کر جیل میں ڈال دے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی موت ہو جائے یا توبہ کریں اور اگر اس عمل کو دوبارہ کریں تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے جس سے لوگ اسی طرح شہوت پوری کرتے ہیں جس طرح عورت سے شہوت پوری کی جاتی ہے۔ اس بارے میں حکم شرعی بتایا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کو جمع فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا گناہ ہے جسے صرف ایک ہی امت نے کیا ہے ان کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس فعل بد کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آبادی میں جو سب سے اونچی عمارت ہو وہاں سے اوندھے منہ کر کے پھینک دیا جائے پھر پیچھے سے پتھر مارے جائیں۔ یہ تفصیل فتح القدیر اور بحر الرائق میں لکھی ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاعل اور مفعول کو جلا دیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گروا کر ہلاک کر دیا تھا۔

Marfat.com

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ
بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ ﴿۸۵﴾ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ
تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا
فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ
اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو، اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، اور مت بیٹھ جاؤ ہر راستہ میں کہ تم دھمکیاں دیتے ہو۔ اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔ اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اور دیکھو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی امت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا

جو امتیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کرنے اور ضد و عناد پر کمر باندھنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ان میں سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کی امت بھی تھی۔ ان لوگوں میں کفر و عناد تو تھا ہی کیل اور وزن میں کمی کرنا بھی ان میں رواج پذیر تھا یعنی ناپ کر دیتے تھے تو کیل میں یعنی ناپ کر دینے میں اور وزن میں کمی کر دیتے تھے۔ اور راستوں میں بیٹھ جاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے بھی تھے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے اور ایمان لانے سے منع کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے رب سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے لہٰذا تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ کرو اس کے بعد کہ اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اور راستوں میں مت بیٹھو جہاں تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو۔

یہ لوگ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو لوگ بستی میں آنے والے ہوتے ان کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو شعیب کی بات مانو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام کے بتائے ہوئے دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور سوچ سوچ کر اعتراض نکالتے تھے۔ جس کو ﴿وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ سے تعبیر فرمایا۔ ''کجی تلاش کرنے'' کا مطلب سورۂ اعراف کے پانچویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ کی نعمت یاد دلائی اور فرمایا۔ ﴿وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ﴾ (اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں کثرت دیدی) نیز فرمایا ﴿وَ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (اور دیکھو فساد کرنے والوں کا کیا

Marfat.com

انجام ہوا)۔

چونکہ اس سے پہلے دیگر امتیں ہلاک ہو چکی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں توجہ دلائی کہ گزشتہ ہلاک شدہ امتوں سے عبرت لے لو۔

سورہ ہود میں ہے ﴿وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ (اے میری قوم! مجھ سے ضد کرنا تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آپڑیں۔ جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے)

یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے ہودہ اور بے تکے جواب دیتے رہے جن کا تذکرہ آئندہ آیات میں ہے انہوں نے یوں بھی کہا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ الا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ۔ جس کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان لوگوں کو جب یہ بتایا گیا کہ کفر پر جمے رہو گے تو اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا۔ اس پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک جماعت ایمان لے آئی اور ہم لوگ ایمان نہیں لے آئے جو ایمان نہیں لائے ان پر تو کوئی عذاب نہیں آیا۔ اور وہ سب عیش و آرام میں ہیں۔ لہٰذا یہ عذاب کی باتیں بے اصل معلوم ہوتی ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کا فوراً اور جلدی آنا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے تم ذرا ٹھہر و صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

﴿وَ هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ﴾ وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے چنانچہ کافروں پر عذاب آیا اور ان کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس رکوع کے آخر میں آرہا ہے اور اہل ایمان کو بچا دیا گیا جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ
اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ
رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ
الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہنے لگے کہ اے شعیب! ضرور ضرور ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ انہوں نے جواب دیا کیا (ہم تمہارے دین میں واپس آجائیں گے)

Marfat.com

اگر چہ دل سے براجانتے ہوں؟ اگر ہم تمہارے دین میں واپس ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نجات دلائی، اور ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں اِلَّا یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اور کہا ان کی قوم کے سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بلاشبہ بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ سو پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے سو وہ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان میں پڑنے والے ہیں، سو پشت پھیری ان کی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی سو پھر میں کفر کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا

جو قوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ہیں متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آ سکتے ہیں جبکہ ہم اسے براجانتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہیں۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا، اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور قضاوقدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جمنا ہمارا کوئی کمال نہیں، جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے)۔

ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ سے ہمیں امید ہے کہ وہ تمہارے مکر وفریب سے ہمیں بچا دے گا اور ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) بستی والوں کو یہ جواب دے کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہیں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہل ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو) ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ (سو ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے جیسے قوم ثمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورہ ہود میں ہے۔ ﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ﴾ (خبردار مدین کے لیے رحمت سے دوری ہے، جیسا کہ قوم رحمت سے دور ہوئی)۔

پھر فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی نہ تھے)

Marfat.com

﴿اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ﴾ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا، نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہل ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

فوائد

فائدہ نمبر ۱: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحب زادہ کا نام مدین تھا۔ ان ہی کے نام پر اس بستی کا نام مشہور ہو گیا جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قیام تھا۔ سورۂ اعراف، سورہ ھود اور سورہ عنکبوت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی امت کو اصحاب مدین بتایا ہے جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے اور سورہ شعراء میں ارشاد فرمایا کہ وہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ ان کو حضرت شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی قوموں کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہو لیکن قرآن کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قومیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل مدین کے بارے میں لفظ اخاھم کا اضافہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل مدین ہی کی قوم کے فرد تھے۔ اور اصحاب الایکہ کے بارے میں لفظ اخاھم استعمال نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث تو ہوئے لیکن وہ خود ان میں سے نہ تھے، اور دونوں ہی قوموں میں ناپ تول میں کم کر کے دینے کا رواج تھا۔

اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟

یہاں سورۂ اعراف میں اہل مدین کے بارے میں بتایا کہ وہ رجفہ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور سورہ عنکبوت میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور سورہ ھود میں فرمایا ہے کہ وہ صیحہ یعنی چیخ سے ہلاک ہوئے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا اور اصحاب الایکہ کے بارے میں سورۂ شعراء میں فرمایا ﴿فَکَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّةِ﴾ (کہ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا ان کو سایہ والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا) ان کی بربادی اس طرح ہوئی کہ ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے سب بلبلا اٹھے پھر قریب ہی میں انہیں گہرا بادل نظر آیا۔ گرمی سے گھبرائے ہوئے تو تھے ہی اب بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ جب سب وہاں پہنچ گئے تو بادل سے آگ برسی اور یہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ایکہ جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جنگل نما بستیوں میں رہتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا جاتا ہے۔ اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب فرمانا اور ان کا الٹے الٹے جواب دینا اور ان پر عذاب آنا سورۂ شعراء (رکوع ۱۰) میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال

فائدہ نمبر ۲: حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دیتے ہوئے ان سے یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ﴾ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ﴾ کہ لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بیچتے وقت گاہک کو مال کم دینا صرف یہی منع نہیں ہے بلکہ کسی بھی طرح سے کسی کا مال رکھ لینا، حق مارنا حلال نہیں۔ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں ان میں جو لوگ تنخواہ پوری لے لیتے ہیں کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے۔ آیت کا عمومی مضمون ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ناپ تول کی کمی کو سورۂ مطففین میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ وَ اِذَا کَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ﴾ (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے جب یہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں)۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول کا کام کرنے والوں سے فرمایا کہ ایسے دو کام تمہارے سپرد کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج پا گیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جن لوگوں میں

Marfat.com

زنا کی کثرت ہوجائے گی ان میں موت کی کثرت ہوجائے گی، اور جولوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا۔اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں خوں ریزی پھیل جائے گی اور جولوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کردیا جائے گا۔(رواہ مالک فی الموطا)

ہر گناہ سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ آخرت کی فکر دامن گیر ہو اور وہاں کے مواخذہ اور محاسبہ اور عذاب کا استحضار ہو۔ناپ تول میں کمی کرنے کا جو گناہ ہے اس کے بارے میں سورۂ مطففین میں فرمایا ﴿اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) ناپ تول میں کمی کرکے دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بھی ہے اور بندوں کے حقوق مارنے کا گناہ بھی ہے۔قیامت کے دن دونوں باتوں کا مواخذہ ہوگا اور بندوں کے جو حقوق مارے ہیں ان کے عوض نیکیاں دینی ہوں گی اور نیکی نہ ہوئی تو اصحاب حقوق کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے جیسا کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عبادت میں کمی اور کوتاہی:

جس طرح حقوق العباد میں تطفیف کی جاتی ہے عبادات میں بھی لوگ ایسا کرتے ہیں۔لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا۔دنیاوی کوئی نقصان ہوجائے تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور عبادات میں کوئی نقصان ہوجائے تو دل پر اثر نہیں ہوتا۔موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ایک دن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو عصر کی نماز میں موجود نہ تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے کوئی عذر بیان کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "طَفَّفْتَ" کہ تو نے نقصان کا کام کیا۔اس کے بعد امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا۔"لکل شیء وفاء و تطفیف"۔یعنی ہر چیز کے لیے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی۔(موطا جامع الوقوت)

مطلب یہ کہ کسی بھی چیز کو قاعدہ کے مطابق مکمل کرو تو یہ وفاء ہے یعنی پوری ادائیگی ہے اور اگر کمی کردی جائے تو یہ تطفیف ہے یعنی نقصان کی بات ہے۔نمازوں کو صحیح طریقہ پر نہ پڑھنا رکوع سجدہ میں سے کٹوتی کرنا یہ سب تطفیف ہے۔

قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب:

﴿فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ (پھر ان لوگوں سے منہ پھیرا اور کہنے لگے کہ اے میری قوم میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کرچکا۔سو اب کافروں میں کیسے افسوس کروں)

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بربادی ہوگئی تو انہوں نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی۔لیکن تم نے سب سنی ان سنی کردی۔برابر کفر پر جمے رہے تو اب میں کافر لوگوں پر کیسے رنج کروں تم نے خود ہی اپنی بربادی کا سامان کیا۔حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی بربادی کے بعد بطور حسرت فرضی خطاب فرمایا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب عذاب آنے کے آثار نمودار ہوئے ہوں اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے زندوں ہی کو خطاب فرمایا ہو اور یہ خطاب فرما کر وہاں سے روانہ ہوگئے ہوں۔

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اہل ایمان کے ساتھ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور وہیں وفات ہوئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن عسا کرنے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں۔ایک قبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جو حطیم میں ہے اور ایک قبر شعیب علیہ السلام کی جو حجر اسود کے مقابل کسی جگہ پر ہے۔و اللہ اعلم بالصواب۔(روح المعانی ص ۸ ج ۹)

Marfat.com

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ
بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ
بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ
یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ
یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہوتا کہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے۔ اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔ سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر نہ تھی۔ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس رات کے وقت اس حال میں آ جائے کہ وہ سو رہے ہوں، یا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ جائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے۔ سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا برباد ہونا ہی طے پا چکا ہو۔

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا

گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال بنی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لیے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ سابقہ اقوام کی بربادی کا سبب ان کا کفر تھا اور ان کے اعمال بد تھے۔ اس رکوع میں اول تو یہ فرمایا کہ جس کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لیے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ و تکلیف کے ذریعہ تھی بأساء سے سختی اور عام مصائب اور ضراء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کو یہ گرفت اس لیے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تلے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا، یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہو گئی، پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں تو فیل ہوئے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل ہو گئے۔ نہ بدحالی میں مبتلا ہو کر راہ راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ الٹا یہ نتیجہ نکالا کہ اجی! یہ خوشحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور برے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا الٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی، ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جمے رہے ہم بھی مضبوط ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کی گرفت فرمالی۔ نزول عذاب کا پتہ بھی نہ چلا، اور مبتلائے عذاب ہو کر

Marfat.com

ہلاک ہوگئے۔

اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے تو ان کے لیے آسمان وزمین کی برکات کھول دی جاتیں

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (اور اگر ان بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) ﴿وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ (اور لیکن انہوں نے جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کی گرفت کرلی) اس آیت میں ایک عمومی تکوینی قانون بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب لوگوں میں ایمان ہوگا اعمال صالحہ ہوں گے کفروشرک اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہوں گے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں کھول دی جائیں گی۔ آسمان سے بھی برکتیں نازل ہونگی اور زمین سے بھی نکلیں گی بہت ہی زیادہ خوشحال زندگی گزاریں گے اور اگر ایمان نہ ہوگا اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو گرفت ہوگی نعمتیں چھن جائیں گی اور عذاب آئیں گے۔ شاید کسی کو یہ وسوسہ آئے گا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ کافر خوشحال رہتے ہیں نعمت و دولت ان کے پاس وافر مقدار میں ہوتی ہے نزول عذاب کے ذریعہ ان کی گرفت نہیں ہوتی، یہ وسوسہ غلط ہے کیونکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ سارے عالم کے کافروں اور نافرمانوں پر ایک ہی وقت میں عذاب آئے گا، اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق دنیا کے مختلف علاقوں میں عذاب آتے رہتے ہیں جنہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ پھر عذابوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ زلزلے آنا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا۔ سیلابوں سے برباد ہونا۔ ٹڈی کا آجانا اور کھیتیاں صاف کردینا۔ نئے نئے امراض پیدا ہونا۔ یہ سب عذاب کی صورتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک قانون استدراج کا بھی ہے اور وہ یہ کہ کافروں کو ڈھیل دے دی جاتی ہے وہ نعمتوں میں پڑ کر اور زیادہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ پھر اچانک پکڑ لیے جاتے ہیں اور موت کے بعد جو مؤاخذہ اور عذاب ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو کافروں کے لیے دائمی ہے۔

اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں:

اس کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ کے زمانے کے کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں پر عذاب بھیجا ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات کے وقت آجائے جب کہ یہ سوتے ہوں یا اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے شروع حصہ میں آجائے جبکہ یہ لوگ کھیل رہے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں۔ پہلی امتوں سے عبرت حاصل کریں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔ پھر فرمایا ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ﴾ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر بنے ہوئے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ نڈر نہ بنیں اللہ کا عذاب آنے سے ڈریں اور ایمان قبول کریں ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (کیونکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوجاتے ہیں جن کو تباہ ہی ہونا ہے) عذاب کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب نہیں آئے گا، جب عذاب آئے گا تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ صاحب معالم التنزیل (ص۱۸۴ ج۲) فرماتے ہیں۔ و مکر الله استدراجه اياهم بما أنعم عليهم في دنياهم یعنی مکر اللہ (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور عذاب بھیجنے میں اس کی طرف سے تاخیر ہوتی ہے۔ اس ڈھیل سے لوگ دھوکہ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور زیادہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

Marfat.com

الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیں، ان کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔ یہ بستیاں ہیں ان کی بعض خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر، اور ہم ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں

ہلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گزشتہ چند رکوع میں بیان کیے گئے ان سے عبرت دلانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ جو امتیں ہلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیں۔ اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہٰذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہٰذا سنا بے سنا برابر ہو جاتا ہے اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورۂ صف میں فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (سو جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی پر جما رہتا ہے اور دلائل واضحہ کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موقعہ ختم ہو جاتا ہے۔ ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا﴾ (یہ بستیاں ہیں جن کے قصے ہم آپ کو سناتے ہیں) ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ (اور ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح معجزات لے کر آئے) ﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ (اور وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے) ان کے پاس حق آیا تو اس کی تکذیب جو پہلے کر دی تھی اسی تکذیب پر جمے رہے لہٰذا ایمان نہ لائے۔ ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے) اس مہر لگانے کا سبب اوپر بیان ہوا ہے۔ اس مہر کے سبب اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں۔

کافر اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ جب پہلی بار منکر ہو گئے تو ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث حق کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ سمعیہ اور آیات تکوینیہ کھل کر سامنے آ جائیں۔

پھر فرمایا ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ﴾ (اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا) انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے اور بہت پکا مشرک بھی اپنے باطل معبودوں کو بھول جاتا ہے اور یہ وعدے کرنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت دور ہو گئی تو ایمان قبول کر لوں گا اور شرک سے پرہیز کروں گا لیکن مصیبت دور کرنے کے بعد وہ اپنے عہد کو بھول جاتا ہے اور پھر شرک اور کفر پر ہی جما رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔

پھر فرمایا ﴿وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾ (اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق پایا) جو اطاعت و فرمانبرداری سے دور ہی رہے۔ لفظ ''اکثر'' سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے عہد کو پورا کیا۔

عہد کو پورا نہ کرنا اور بار بار توڑ دینا، اس کا کچھ بیان فرعون اور اس کی قوم کی بدعہدیوں کے ذیل میں دو رکوع کے بعد مذکور ہے۔ وَھو قولہ تعالیٰ ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ اِلٰى قولہ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴾

جو لوگ مصیبتوں کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے ہمارے باپ دادا بھی تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کا بیان اس رکوع سے پہلے رکوع میں تھا۔ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مصائب کو سمجھتے تو وعدے کرتے، اس رکوع میں ان لوگوں کا

Marfat.com

ذکر ہے جو مصائب کے وقت وعدے کرتے ہیں پھر مصیبت ٹل جانے کے بعد وعدہ فراموش ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۗ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا معاملہ کیا سو تو دیکھ لے فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا اور کہا موسیٰ نے کہ اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں، میرے لیے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں، سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے اگر تو سچا ہے۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر ایک اژدھا بن گئی، اور اپنا ہاتھ نکالا تو یکایک وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا اور اس کو معجزے دکھانا

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کو معجزات دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جن میں اس کی قوم کے سردار بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو توحید کی دعوت دی اور فرعون سے یہ بھی فرمایا تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے تکی جاہلانہ باتیں کیں اور مختلف قسم کے سوالات کیے اس مکالمہ کا ذکر سورہ طٰہٰ ع ۲ اور سورہ شعراء ع ۲ میں ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خطاب کیا اور اپنا نبی ہونا ظاہر کیا تو فرمایا ﴿يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں) ﴿حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (میرے لیے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ کسی چیز کی نسبت اللہ کی طرف نہ کروں) ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں)۔ اس دلیل یعنی معجزہ کو سمجھ لو دیکھ لو میری نبوت کا اقرار کرو۔ ﴿فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (اے فرعون بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے) تاکہ یہ قوم قبط کے مظالم سے چھوٹ جائیں اور اپنے وطن سابق میں جا کر آباد ہو جائیں ﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو اس کو پیش کر دے اگر تو سچا ہے) ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ (سو انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی سو وہ اچانک بالکل واضح طور پر اژدھا بن گئی) یہ ایک معجزہ ہوا۔ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ (اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو یکایک دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ پہلے گریبان میں ڈالا پھر گریبان سے نکالا تو خوب روشن اور چمکدار ہو کر نکلا۔ روح المعانی (ص ۲۱ ج ۹) میں لکھا ہے: ای بیضاء بیاضا نورانیا...... غلب شعاعه شعاع الشمس کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرعون کو اپنا ہاتھ دکھایا وہ اس وقت اتنا زیادہ روشن ہو گیا تھا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں۔ دونوں معجزے دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے سردار ایمان نہ لائے اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتانے لگے اور جادوگروں کو بلا کر مقابلہ کرایا جس کے نتیجہ میں جادوگر ہار مان گئے اور مسلمان ہو

Marfat.com

گئے۔ جس کا تذکرہ ابھی آئندہ آیات میں آرہا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا
تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ
عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَ
اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ
اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ
هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ
مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

سرداروں نے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو بڑا ماہر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ کہنے لگے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیدے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے جو تیرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں، اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا بے شک تم لوگ مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ ان جادوگروں نے کہا اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہو جائیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو، سو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اس پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے، اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو، سو وہ اچانک ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو نگلنے لگی۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ باطل ہو گیا جو انہوں نے بنایا تھا سو وہ اس جگہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے۔ اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے، کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ایک بڑا مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ شہر والوں کو نکال دو سو عنقریب تم جان لو گے، ضرور بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تو جو ہم سے انتقام لے رہا ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حال میں موت دے کہ ہم اسلام پر ہوں۔

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کے لیے جادوگروں کو بلانا، اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا

جب فرعون اور اس کی جماعت نے ید بیضاء دیکھا اور لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اژدھا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں معجزوں کو جادو پر محمول کیا، سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ (اسی طرح سے ان سے (یعنی امت محمدیہ) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو شاہی دربار میں یہ دونوں باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکا یک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لاٹھی اژدھا بن گئی اگر انہوں نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ انہیں کے معتقد ہو جائیں گے اور ہماری ساری حکومت جاتی رہے گی اور اس سرزمین میں انہی دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔ (فرعون کا دعویٰ تو خدائی کا بھی تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت کے ہی باقی رہنے کے لالے پڑ گئے خدائی تو بہت دور کی چیز ہے) لہٰذا اس سے پہلے کہ عوام پر ان کا کوئی اثر ہو ان کا علاج کر دینا چاہیے۔ لہٰذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ جادو کا کاٹ جادو ہو گا۔ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرا دیا جائے۔ جب لوگوں نے یہ رائے دی تو یہ بات فرعون کی سمجھ میں آ گئی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، جیسا کہ سورۂ شعراء میں ہے۔ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ درباریوں نے کہا کہ ابھی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیدی جائے اور جادوگروں کے فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے اور ان کو بھی نبوت دی گئی تھی اور فرعون کی طرف وہ بھی مبعوث تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے ﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ اس لیے مشورہ میں ان کا نام بھی شامل کر لیا گیا (کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو) چنانچہ اول تو مقابلہ کا وقت مقرر کیا گیا جس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں نے کہا ﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى﴾ (کہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے نہ تم کرنا، کوئی ہموار میدان مقرر کر لو) ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لیے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں) مقابلہ کے لیے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اپنے اہلکاروں کو شہروں میں بھیج دے جو بڑے بڑے جادوگروں کو لے کر آئیں۔ سورۂ شعراء میں ہے۔ ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ (سو جمع کیے گئے جادوگر مقررہ دن میں جو معلوم تھا اور لوگوں سے کہا گیا کہ تم جمع ہو گے تاکہ ہم جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم رو سے جادوگر جمع کیے گئے اہل دنیا، دنیا ہی کے لیے سوچا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوت توحید اور ان کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر محمول کیا۔ کما فی سورۃ یونس ﴿وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾ جادوگروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے!

مقابلہ کے لیے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے۔ کما فی سورۃ طٰہٰ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا القوا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کما فی سورۃ الشعراء) ان کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر دوڑنے لگیں، یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈالو انہوں نے لاٹھی ڈالی تو اژدھا بن گئی۔ ان لوگوں نے نظر بندی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اژدھا ان سب کو نگلنے لگا اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل بنا بنایا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا ﴿فَاِذَا هِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَ بَطَلَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ (سو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، سب باطل ہو گیا) ﴿فَغُلِبُوۡا هُنَالِکَ وَ انۡقَلَبُوۡا صٰغِرِیۡنَ﴾ (سو وہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)۔

اب آگے یہ ہوا کہ جادوگروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے نہ رہا گیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ چونکہ ایمانیات کا تفصیلی علم نہ تھا اس لیے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدوا یا خروا سجدوا کے بجائے ﴿وَ اُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ﴾ فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ ان کے دل میں حق نے اس قدر گھر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غلامی کے گن گانے لگے۔ ﴿قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ﴾ (فرعون نے کہا تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لیے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰ سے دور رکھنے کے لیے جو جادوگروں سے مقابلہ کا مظاہرہ کرایا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادوگر ہی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لیے اس نے جادوگروں کو خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَکۡرٌ مَّکَرۡتُمُوۡهُ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ﴾ (بلاشبہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے) اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ہے ﴿لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡهَاۤ اَهۡلَهَا﴾ (تاکہ تم اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو) ﴿فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (سو تم سب عنقریب جان لو گے) پھر ان کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴾ (میں ضرور ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ ﴿قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ﴾ (جادوگروں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں۔ قتل کر یا کچھ کر اب تو ہم اپنے رب کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ہمارا رب ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات عطا فرمائے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضا مندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب دلوں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت، ہیچ ہو جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں جادوگروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ ﴿قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغۡفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَکۡرَهۡتَنَا عَلَیۡهِ مِنَ السِّحۡرِ وَ اللّٰهُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی﴾ (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں فیصلہ کرے گا، بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور جو کچھ تو نے جادو کروانے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرما دے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے)۔

Marfat.com

جادوگروں نے فرعون سے مزید کہا ﴿وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا﴾ کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی دلیلیں آگئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا میں عرض کیا ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ (کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرما دیجیے اور اتنا زیادہ صبر دیجیے جیسا کہ کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجیے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (والعیاذ باللہ من ذالک)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اس نے کر دیا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہو سکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۱۰۷ ج ۳) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذُکر لنا انھم اول النھار سحرۃٌ و آخرہ شھداء (کہ جادوگر دن کے اول حصہ میں جادوگر تھے اور آخر حصہ میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے کہ ان کے بیٹوں کو مار ڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ اور ان کی قوم کو کب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا

فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دی تھی اس کا علم تو درباریوں کو ہو ہی گیا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے بطور خوشامد اور چاپلوسی کے فرعون کو ابھارا اور اس سے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو (جو اس کے ماننے والے ہیں خواہ بنی اسرائیل میں سے ہوں خواہ جادوگر ہوں خواہ وہ لوگ ہوں جو قوم فرعون میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اسی طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین میں فساد کرتے رہیں اور تجھ سے اور تیرے تجویز کیے ہوئے معبودوں سے علیحدہ رہیں؟ مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ اس کا کچھ انتظام کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کے ساتھی بڑھتے رہیں گے اور ان کی جماعت زور پکڑ جائے گی جب سر سے پانی اونچا ہو جائے گا، بغاوت کو دبانا دشوار ہو جائے گا لہٰذا ابھی سے کچھ کرنا چاہیے۔ فرعون کی سمجھ میں اور تو کچھ نہ آیا اس نے وہی قتل کی سزا تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم سر دست یہ کریں گے کہ ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے تاکہ ہماری خدمت میں لگی رہیں اور ان کے زندہ رہنے سے کچھ بغاوت کا کوئی ڈر نہیں۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جب جادوگر مسلمان ہو گئے تو انہیں دیکھ کر قوم قبط سے بھی چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے تھے جو فرعون کی قوم تھی۔ اس سے فرعون کو اور اس کے درباریوں کو فرعون کی حکومت کے بالکل ختم ہو جانے کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لیے آپس میں مذکورہ بالا سوال جواب ہوا۔ اخیر میں فرعون کی یہ جو بات ذکر فرمائی۔ ﴿وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی کچھ بات آگے بڑھتی ہے لیکن ابھی ہم کو طاقت اور قوت کی برتری حاصل ہے ہم نے جو ان کے بیٹوں کے قتل کا فیصلہ کیا ہے واقعی ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ فرعون کے درباریوں نے جو یہ کہا ﴿وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اگرچہ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں سے اس نے یہ کہا تھا کہ ﴿مَا

Marfat.com

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ (كمافي سورة القصص) لیکن خود اس نے اپنے لیے معبود تجویز کر رکھے تھے جن کی عبادت کرتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ ستارے عالم سفلی کے مربی ہیں اور وہ خود نوع انسان کا رب ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لیے بت تجویز کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ان بتوں کی عبادت کرو ممکن ہے کہ یہ اس کی اپنی مورتیاں ہوں۔ روح المعانی میں ہے کہ اس نے ستاروں کی ان مورتیوں کو اٰلِهَتَكَ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ اس کے تجویز کردہ معبود تھے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بلاشبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے اور عاقبت متقیوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی، انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے، پھر وہ دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دعاء کی تلقین کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرائے کا معاملہ شروع کر دیا، بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا کر رکھا، ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور و مقہور ہونے کا یہ عالم تھے کہ مصری لوگ ان کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ اف نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعونیوں کی طرف سے ظلم و ستم کا مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی دکھ ہی دکھ میں مبتلا تھے اور آپ اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھٹکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ دعائیں بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے ہم اس کے چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں، بظاہر تم تو عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار و قدرت ہے وہ جس سے چاہے اپنی زمین کو چھین لے اور جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرما دے۔ دنیا میں حق و باطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام انہیں کا ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے رب سے دعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو لگاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرما دے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرما دے گا۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد تم دوسرے امتحان میں پڑ جاؤ گے۔ اب تو صبر کا امتحان ہے۔ اس وقت شکر کا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ زمین پر تسلط ہو جانے کے بعد تم کیا طریقہ اختیار کرتے ہو اور کیسے اعمال میں لگتے ہو۔ اس خلافت ارضی کو شکر کا ذریعہ بناتے ہو یا گناہوں میں پڑ کر ناشکری میں مبتلا ہوتے ہو۔ طاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دینے کے لیے اور گناہوں سے بچنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو پیشگی آگاہ فرما دیا کہ دیکھو تمہیں ابھی اقتدار نہیں ملا جب اقتدار ملے گا تو زمین میں فساد نہ کرنا اور اللہ کے نیک بندے بن کر رہنا۔ سورۂ یونس میں ہے ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ

Marfat.com

بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور نماز قائم رکھو اور اہل ایمان کو بشارت دو) چونکہ بنی اسرائیل بہت زیادہ مقہور تھے۔ کھلے طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لیے حکم فرمایا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھتے رہو۔ اس کے بعد سورہ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے جو فرعون اور فرعونیوں کے حق میں بددعا تھی اور ان کی دعا قبول ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سے تمام اہل ایمان کو سبق مل گیا کہ اگر کسی جگہ کافروں کے ماحول میں ہوں اور مغلوبیت کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں اور دشمن کے سامنے عبادت کرنے میں مشکلات ہوں تو اپنے گھروں میں عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰۤئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر جب آ جاتی ان کے پاس خوشحالی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونی ہی چاہئے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پہنچ جاتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو نحوست بتاتے تھے۔ خبردار ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں بہت سے لوگ نہیں جانتے، اور وہ کہنے لگے کہ جب کبھی بھی کوئی نشانی ہمارے سامنے لائے گا تاکہ تو اس کے ذریعہ ہم پر جادو کرے سو ہم تیری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ گرفت ہونا اور ان کا الٹی چال چلنا

مصر میں فرعونیوں کی حکومت تھی خوب عیش و عشرت اور تنعم میں تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل پر مزید ظلم و ستم ڈھانے کا فیصلہ کرلیا، اور اللہ تعالیٰ کی بھرپور نعمتیں ہوتے ہوئے شکر ادا کرنے کے بجائے کفر ہی پر جمے رہے۔ لہٰذا بطور تنبیہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان پر قحط سالی بھیج دی۔ اہل مصر کو دریائے نیل کے پانی پر بھروسہ رہا ہے وہ سمجھتے رہے ہیں کہ ہمارے کھیتوں کی آب پاشی کے لیے یہ میٹھا اور عمدہ پانی خوب زیادہ کافی اور وافی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ پیداوار پانی سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے سارے کام کر لیے جائیں، زمین کو سینچ دیا جائے اس میں بیج ڈال دیا جائے اور خوب آبپاشی کر دی جائے لیکن ضروری نہیں کہ کھیتی اگ جائے اور اگر اگ جائے تو ضروری نہیں کہ آفتاب سے محفوظ رہے اور دانے پیدا ہونے تک قائم رہے۔ اور پھر اگر محفوظ ہو جائے اور غلہ بھی پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلہ ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس غلہ کو کیڑے مکوڑوں کے ذریعہ ختم فرما دے اور کاشت کرنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔

سورۂ واقعہ میں فرمایا ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ (بتاؤ تم جو کچھ بوتے ہو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا بنا دیں۔ پھر تم تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم محروم رہ گئے) کیا دھرا سب ضائع ہوا جو بیج ڈالا تھا وہ بھی گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لیست السنة بان لا تمطروا و لکن السنة ان تمطروا

Marfat.com

و لاتنبت الارض شیئا۔ (قحط یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو لیکن قحط یہ ہے کہ بارش خوب ہو اور زمین کچھ بھی نہ اگائے)۔ (رواہ مسلم ص ۳۹۳ ج ۲)

اللہ جل شانہٗ نے مصریوں پر قحط بھیج دیا جو کھیتیاں نہ اگنے کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھلوں میں بھی کمی فرما دی جسے و نقص من الثمرات سے تعبیر فرمایا۔ ان کی کھیتیوں کی پیداوار بھی گئی اور باغوں میں جو پھل پیدا ہوتے تھے ان میں بھی خوب کمی آ گئی۔ ان کو اس میں اس لیے مبتلا فرمایا کہ نصیحت حاصل کر لیں اور عبرت لیں۔ سختی کی بجائے قلب نرم ہونے چاہئیں۔ انہیں کفر سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا تھا لیکن وہ الٹی ہی چال چلے اور وہ یہ کہ جب خوشحالی ہوتی تو کہتے تھے کہ ہم تو اسی کے مستحق ہیں۔ ہم اس لائق ہیں کہ ہمارا یہی حال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام سمجھ کر شکر گزار ہونے کے بجائے اپنا ہی کمال سمجھتے تھے کہ ہم تو خوشحالی کے اور آرام و راحت کے مستحق ہیں اور اسی کے لائق ہیں۔ اب یہ جو مصیبت آئی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ ان کی نحوست کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس گئے اپنے کفر اور ناشکری کو مصیبتوں کا سبب سمجھنے کے بجائے صالحین اور شاکرین اور ذاکرین کے وجود کو اور ان کی دعوت توحید کو اور ان کے اعمال صالحہ کو مصیبت آنے کا سبب بتاتے تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: ﴿اَلَاۤ اِنَّمَا طٰۤىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (خبردار ان کی نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے) یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے اسباب اور مسببات کا علم ہے اور جو کچھ مخلوق کو پیش آتا ہے۔ اللہ کی قضاء و قدر سے ہے اور اسی کی طرف سے ہے اسباب کے اعتبار سے یہ نحوست ان کو اس لیے درپیش ہوئی کہ وہ کفر پر جمے ہوئے ہیں ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوم فرعون کے بعض افراد سمجھتے تو تھے کہ یہ مصیبت کفر کی وجہ سے ہے لیکن اکثریت سے مغلوب تھے۔ نہ حق بات کہہ سکتے تھے اور نہ حق قبول کرتے تھے۔

قوم فرعون کا یہ طریقہ تھا کہ نہ صرف آیات اور معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول نہیں کرتے تھے بلکہ جو بھی کوئی معجزہ سامنے آتا تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ یہ تمہارا دھندہ جادو ہے تمہارے جادو کے ذریعہ ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تم کچھ بھی کر لو ہم تمہاری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد مزید عذابوں کا تذکرہ فرمایا جن کے ذریعہ قوم فرعون کی گرفت ہوئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ
بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ
اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

سو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون، یہ نشانیاں تھیں کھلی ہوئی۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ اور ان پر جو عذاب واقع ہوتا تو کہتے تھے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے عذاب کو ہٹا دیا تو ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ ضرور بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے، پھر جب ہم ان سے عذاب کو ایک مدت تک ہٹا دیتے جس مدت تک ان کو پہنچنا تھا تو وہ اس وقت عہد شکنی کر دیتے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو

Marfat.com

ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سمندر میں غرق کر دیا، اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جو ضعیف شمار کیے جاتے تھے۔ اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی۔ اس سبب سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔

قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا

فرعون اور قوم فرعون جب برابر بغاوت اور سرکشی پر جمے رہے بلکہ عناد اور طغیانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور ان پر قحط بھیج کر جو تنبیہ کے لیے اور سرکشی کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں بھیج دیں جو ان کے لیے وبال بن گئیں۔ اَلطُّوْفَانَ اور اَلْجَرَادَ اور اَلْقُمَّلَ اور الضَّفَادِعَ اور اَلدَّمَ فرما کر ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا، لفظ اَلطُّوْفَانَ فُعلان کے وزن پر ہے اور یہ عام طور سے پانی کے سیلاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے اگر یہی معنی لیے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ قوم فرعون کی کھیتیوں اور رہنے کی جگہوں میں سیلاب بھیجے جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

طوفان سے کیا مراد ہے؟

صاحب روح المعانی (ص ۳۳ ج ۸) لکھتے ہیں کہ لفظ طوفان پانی کے طوفان کے لیے مشہور ہے اور جس طوفان کا یہاں ذکر ہے اس کی تفسیر متعدد روایات میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں پانی کے طوفان ہی سے کی گئی ہے اور حضرت عطا اور مجاہد نے فرمایا کہ اس سے موت مراد ہے، مفسر ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اس کی روایت کی ہے۔ اگر یہی روایت لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں وباء کے طور پر موت کی کثرت ہوگئی۔ وھب بن منبہ سے منقول ہے کہ اہل یمن کی لغت میں طوفان بمعنی طاعون آتا ہے۔ اور حضرت ابو قلابہ نے فرمایا کہ اس سے چیچک مراد ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ چیچک کا عذاب سب سے پہلے انہی لوگوں پر آیا تھا، یہ دونوں قول بھی کثرت موت ہی کی طرف راجع ہیں جسے حضرت عطا اور مجاہد نے اختیار فرمایا۔

ٹڈی اللہ کا لشکر ہے:

و الجراد یہ جرادۃ کی جمع ہے جو عربی زبان میں ٹڈی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ٹڈی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکثر جنود اللہ تعالیٰ لا اکلہ و لا احرمہ یعنی یہ اللہ کے لشکروں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں، اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الاطعمۃ (باب فی اکل الجراد) و ابن ماجہ فی کتاب الصید (باب صید الحیتان و الجراد) مطلب یہ ہے کہ (اللہ کے لشکروں) میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ٹڈی والا لشکر ہے میں اسے نہ کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں۔ اس کے کھانے سے چونکہ لشکر میں کمی آتی ہے اس لیے خود کھانا پسند نہیں کرتا دوسروں کو منع نہیں کرتا۔ واقعی ٹڈی بہت بڑا لشکر ہے۔ بظاہر زمین پر نظر نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اس لشکر کو بھیج دیتا ہے تو میلوں تک یہ لشکر کھیتوں کو صاف کر دیتا ہے اور کسی فوج اور لشکر کے قابو میں نہیں آتا۔ بھگانے سے بھاگتا نہیں اور ختم کرنے سے ختم ہوتا نہیں، سڑکوں اور گھروں میں پہنچ جائے تو سب کے لیے آفت جان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس لشکر کے ذریعہ فرعونیوں کی سرکوبی فرمائی اور ان کو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا فرمایا۔

قمل کی تفسیر:

وَالْقُمَّلَ: یہ لفظ عام طور سے جوؤں کے معنی میں معروف ہے (کما ذکر المنجد فی القاموس) لیکن صاحب روح المعانی نے مفسرین سے اس کے مصداق میں چند قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے چھوٹی چھوٹی ٹڈی مراد ہے جس کے ابھی پر نہ آئے ہوں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

Marfat.com

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو اونٹ اور دیگر جانوروں کے جسم میں ہو جاتے ہیں۔ یہ کیڑے فرعونیوں کے جسموں میں ہو گئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے چھوٹی چھوٹی چونٹیاں مراد ہیں، اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو گیہوں کے دانوں میں پڑ جاتے ہیں۔ (اوپر ترجمہ میں جوگھن کا کیڑا مذکور ہے یہ ترجمہ اس قول کے موافق ہے)۔

مینڈکوں کا عذاب:

﴿وَ الضَّفَادِعَ﴾ یہ ضفدع کی جمع ہے۔ عربی میں ضفدع مینڈک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سزا کے لیے کثیر تعداد میں مینڈک بھیج دیئے تھے۔ ان کے برتنوں میں اور گھروں کے سامان میں اور گھر کے باہر میدانوں میں مینڈک بھر گئے۔ جو بھی برتن کھولتے اس میں مینڈک پاتے۔ ان کی ہانڈیوں میں بھی مینڈک بھر گئے تھے۔ جب بھی کھانا کھانے لگتے تو مینڈک موجود ہو جاتے۔ آٹا گوندھنے بیٹھتے تو اس میں مینڈک بھر جاتے۔

خون کا عذاب:

﴿وَالدَّمَ﴾ دم عربی زبان میں خون کو کہا جاتا ہے قوم فرعون پر خون کا عذاب بھی آیا تھا۔ نیل خون سے بھرا ہوا دریا ہو گیا اور ان کے پینے کھانے پکانے کے جو پانی تھے وہ بھی سب خون ہی خون ہو گئے۔ جب کسی برتن سے فرعونی قوم کا آدمی پانی لیتا تو خون نکلتا اور اسی برتن سے اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا کوئی فرد پانی لیتا تو پانی ہی نکلتا۔

﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ (یہ کھلی کھلی نشانیاں تھیں) جن سے صاف ظاہر تھا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جادو نہیں ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ نو نشانیاں تھیں جو نو سال میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوتی تھی (آیت مذکورہ بالا میں پانچ عذاب مذکور ہیں) بعض روایات میں ہے کہ جادوگروں کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس ۲۰ سال رہے اور برابر اس قسم کی چیزیں پیش آتی رہتی تھیں جو قوم فرعون کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معجزہ ہوتی تھیں۔

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ (یوں ان لوگوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور ایمان قبول نہ کیا) ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کی اور کفر پر جمے رہے۔ یہ لوگ مجرمین تھے۔ ان کو ایمان قبول کرنا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا ﴿وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ (الآیة)۔ اور جب ان پر عذاب واقع ہوا تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعاء کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ دعاء کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور مصیبت دور فرمائے گا۔

﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن، قتادہ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس میں انہی عذابوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عذابوں میں سے جو بھی عذاب ان پر آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ تم اپنے رب سے دعا کر کے اسے ہٹا دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن جب ایک عذاب ہٹ جاتا اور مطمئن ہو جاتے تو کہتے ہم تو ایمان نہیں لاتے اور ہر عذاب کو جادو بتا دیتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ الرِّجْزَ سے مستقل عذاب مراد ہے جو طاعون کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ بہر حال قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر اسلام لانے کا وعدہ کیا کہ عذاب رفع ہو جائے لیکن رفع ہو جانے کے بعد ایمان نہ لاتے۔ قال تعالیٰ ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴾ (پھر جب ہم نے عذاب کو اس مدت تک ہٹا دیا جس مدت تک وہ پہنچنے والے تھے تو اچانک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

Marfat.com

کہ الی اجل سے ان کے غرق کرنے کا وقت مراد ہے جو اللہ کے علم میں متعین تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے موت کا وقت مراد ہے۔ قوم فرعون نے کسی عہد کو پورا نہ کیا اور کفر پر جمے رہے۔

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ﴾ (پھر ہم نے ان سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو سمندر میں ڈبو دیا)۔ ﴿بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ (اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) ﴿وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴾ (اور وہ لوگ ان سے غافل تھے) یعنی جو نشانیاں ان کے پاس آتی تھیں ان سے غفلت برتتے تھے اور ان کے ساتھ بے پرواہی کا معاملہ کرتے تھے نہ فکر مند ہوتے نہ نصیحت حاصل کرتے۔ بنی اسرائیل کے نجات پانے اور قوم کے غرق ہونے کا تذکرہ (سورہ بقرہ رکوع ۶) میں گزر چکا ہے نیز سورۂ شعراء (رکوع ۴) اور سورۂ قصص (رکوع ۱) اور سورۂ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے اور سورۂ شعراء میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا:

قوم فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ کہ جن لوگوں کے ساتھ ضعف اور کمزوروں کا معاملہ کیا جاتا تھا (یعنی بنی اسرائیل جنہیں قوم فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور وہ اس حد تک مقہور تھے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا) ان کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن میں ہم نے برکت دی۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ فرعون کی گرفت سے نجات پا کر سمندر پار کرنے کے بعد وہ ملک شام آ گئے اگرچہ میدان تیہ میں چالیس سال گم گشتہ راہ ہو کر پھرتے رہے۔ لیکن پھر چالیس سال کے بعد انہیں اس سرزمین میں تمکن اور اقتدار حاصل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ پاک نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ وہ پورا فرما دیا۔ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی (اور تیرے رب کی نیک بات پوری ہوگئی) یعنی جو ان کی نصرت کا وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا جس میں تمکین فی الارض بھی داخل ہے جس کا ذکر سورہ قصص کے پہلے رکوع میں ہے ﴿وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ مزید فرمایا ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ یعنی بنی اسرائیل کو جو سرزمین عطا کی گئی اور نصرت اور تمکین کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا اور تکلیفوں کو جھیلا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بے صبری کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اسے بے صبری ہی کی طرف سپرد فرما دیتا ہے اور جو شخص صبر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اسے چھٹکارہ دینے کا ضامن بن جاتا ہے)

یعرشون کی تفسیر:

﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾ (اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کیا کرتے تھے اور جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے) ﴿مَا كَانَ یَصْنَعُ﴾ اور ﴿وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾ سے عمارات اور محلات و قصور مراد ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ما کان یصنع سے فرعون اور اس کی قوم کے اعمال بد مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو زک دینے کے لیے اختیار کرتے تھے اور ﴿وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾ سے بلند عمارات مراد ہوں۔ بلند عمارت میں وہ قصر بھی شامل ہے جس کے بنانے کا فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا پتہ چلاؤں گا۔ (کما ذکر تعالیٰ شانہٗ من قول فرعون) ﴿یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ﴾ (سورۂ غافر)

فائدہ: ﴿الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ سرزمین شام کے لیے فرمایا اس سرزمین کو برکتوں سے نوازنے کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں مسجد اقصیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ اور سورۂ الانبیاء میں فرمایا ﴿وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ﴾

Marfat.com

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی
اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ
بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ
اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ
وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ؑ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا سو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو اپنے بتوں پر دھرنا دیئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے معبود تجویز کر دیجیے جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک تم ایسے لوگ ہو جو جہالت کی باتیں کرتے ہو بلاشبہ یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کسی کو معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی، اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے

سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بت پرست بننے کی خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا

گزشتہ آیات میں فرعونیوں کے دنیاوی عذابوں اور ان کی ضد وعناد اور بالآخران کے غرق ہونے کا تذکرہ تھا، ان آیات میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور کج روی کا اور اس مظلومیت کا ذکر ہے جس میں یہ لوگ مصر کے زمانہ میں مبتلا تھے۔ جب یہ لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکروں کو اپنی نظر سے ڈوبتا ہوا دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور زیادہ پختگی کے ساتھ جمتے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں مشغول رہتے اور توحید کی دعوت جو برسہا برس سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کانوں میں پڑ رہی تھی اس کو دل میں جماتے اور پورے رسوخ کے ساتھ موحد بنتے۔ لیکن انہوں نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ جب سمندر سے پار ہو کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں اور وہیں دھرنا دیئے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کر دو جو ہمارے سامنے مجسمہ کی صورت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ان کے یہ معبود باطل ہیں ان کا شغل تباہ ہونے والا ہے اور جو عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہیں کیونکہ یہ شرک ہے شرک کو تو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا۔ مشرکوں کی کیوں ریس کرتے ہو، تم توحید پر جمے رہو، تمہیں معبود حقیقی کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے جو مجسم ہو کر سامنے نہیں آ سکتا۔ کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود تجویز کر دوں جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے جہانوں پر فضیلت دی؟ اب تم ایسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو کہ اسی رب العالمین جل مجدہ کے ساتھ پتھروں کو شریک بنانے کو تیار ہو۔

فرعون سے نجات دینا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے:

﴿وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ﴾ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب فرما کر ان بدترین تکلیفوں کی یاد دہانی فرمائی جو فرعونیوں کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہنچا کرتی تھیں۔ یہ آیت تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ سورۂ بقرہ (رکوع ۷) میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج۱) وہاں اس کی تفصیل اور تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ وہاں یذبحون فرمایا اور یہاں یقتلون فرمایا ہے یہ لفظ کثرت قتل پر دلالت کرتا ہے اسی لیے ترجمہ یوں لکھا ہے کہ

Marfat.com

تمہارے بیٹوں کو کثرت کے ساتھ قتل کرتے تھے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کے ذریعہ ان کی تکمیل کردی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی راہ کا اتباع نہ کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا

مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقہور اور مجبور تھے وہاں ان کو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ جب فرعونیوں سے نجات پا گئے تو اب عمل کرنے اور احکام خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لیے طور پہاڑ پر بلایا اور وہاں تیس دن اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کرلی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرمادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جانے کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں جو مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی ان کی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی کجروی کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنادو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھیں اس لیے ان کی نگرانی کے لیے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سامری تھا اس نے زیورات کا ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اسے معبود بنالیا، جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۂ اعراف میں آرہا ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوارالبیان ج ۱) نیز سورہ طٰہٰ میں بھی مذکور ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا

Marfat.com

يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ
كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں، فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر پہاڑ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ کو چورا کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ فرمایا، اے موسیٰ بلاشبہ میں نے اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے ساتھ لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا، سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے موسیٰ کے لیے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو آپ قوت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں۔ عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا۔ میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔ ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لیے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتداء ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع کی بڑھا دی گئیں اور دس ذی الحجہ کو توریت شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہم کلامی ہوئی اور اس کے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھیں، لہٰذا درخواست پیش کر دی کہ اے رب مجھے اپنے دیدار کرا دیجیے، میں آپ کی ذات پر یقین رکھتا ہوں اور ہم کلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کر لوں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور ان کی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لیے سورۂ انعام میں فرمایا ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پانچ باتیں بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

(۱) بے شک اللہ نہیں سوتا اور اس کے شایان شان نہیں کہ وہ سوئے۔

(۲) وہ ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے (یعنی اعمال کا وزن فرماتا ہے۔ جن کا وزن کمال اور نقص اور اخلاص کے اعتبار سے کم و بیش ہوتا ہے)

(۳) اس کی طرف دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

(۴) اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

(۵) اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات گرامی کے انوار اس سب کو جلا دیں جہاں تک مخلوق پر اس کی نظر پہنچتی

Marfat.com

ہے (یعنی ساری مخلوق جل کر ختم ہو جائے)۔ (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے چھپنے چھپانے کے لیے مادی پردے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا پردہ نہیں، اس کا پردہ عزت وجلال کا پردہ ہے اگر اس کی ذات عالی کی تجلی ہو جائے تو ساری مخلوق جل کر رہ جائے (قال النووی و التقدیر لو ازال المانع من رؤیته و هو الحجاب المسمی نورا او نار و تجلی لخلقه لاحرق جلال ذاته جمیع مخلوقاته و الله تعالیٰ اعلم۔ ا ھ) (علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے رکاوٹ ہٹ جائے اور وہ پردہ ہے جسے نور یا نار کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے تو اس کی ذات کا جلال تمام مخلوقات کو جلا دے)۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم ایسا کرو کہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے، انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا۔ جب پہاڑ پر اللہ جل شانہٗ کی تجلی ہوئی جو اس کی شایان شان تھی تو پہاڑ چورا چورا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا (بیہوشی میں کتنا وقت گزرا اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے واقعی تو اس دنیا میں دیکھے جانے سے منزہ اور برتر و بالا ہے۔ میں نے جو دیدار کی درخواست کی تھی اس سے توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنے والا ہوں کہ واقعی آپ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلہ میں پیغمبری اور ہم کلامی کے ساتھ چن لیا (یعنی جو لوگ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان کے مقابلہ میں تمہیں یہ شرف عطا فرمایا) لہٰذا جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا اس کو لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکام شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال و حرام کو واضح طریقہ پر بیان فرما دیا تھا۔ اور محاسن و مساوی (اچھے برے کاموں) کو تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اسی کو فرمایا ﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کتاب عطا فرمانے کے ساتھ ﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ﴾ بھی فرمایا کہ اسے قوت اور مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا﴾ اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) و معنی احسنها اشتمالها علی الاحسن فانه احسن كالصبر بالاضافة الی الانتصار) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے انتصار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)۔

﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا) نافرمانوں کے گھر سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مصر مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کو (ایک قول کی بناء پر) فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد جانا نصیب ہوا تھا اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے جبابرہ عمالقہ کی سرزمین مراد ہے جس کے بارے میں سورۂ مائدہ میں فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (الآیہ)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ یہ علاقہ فلسطین کا تھا جو شام میں ہے۔ صاحب روح المعانی نے دار الفاسقین کی تفسیر میں تیسرا قول بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ اس سے عاد و ثمود کے منازل اور ان قوموں کے مساکن مراد ہیں جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے تھے۔ اور چوتھا قول حضرت حسن اور حضرت عطاء سے یوں نقل کیا ہے کہ دار الفاسقین سے جہنم مراد ہے۔ اور اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ توریت کے احکام پر عمل کرو۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

جب توریت شریف تختیوں پر لکھی ہوئی یکجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گئی تو آپ ان تختیوں کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائے۔ قوم کا مزاج عجیب تھا۔ اطاعت اور فرمانبرداری سے دور تھے اس لیے ﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ کے بعد مزید یوں فرمایا کہ ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ

Marfat.com

﴿الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (کہ میں اپنی آیات سے ایسے لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو دنیا میں شرعی احکام پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں اوران کا یہ تکبر ناحق ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیات سے برگشتہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی وہ آیات میں تفکر نہ کریں گے اور تکبر و تجبر کی وجہ سے کوئی عبرت حاصل نہ کریں گے ان کے برگشتہ ہونے اور برگشتہ رہنے کا سبب ان کا تکبر ہے یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے آیات الٰہیہ سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ و ھٰذا قولہ تعالیٰ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ اس کے بعد متکبرین کی مزید بدحالی بیان فرمائی۔ ﴿وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ (اور اگر ہر نشانی کو دیکھ لیں خواہ انبیاء کے معجزات ہوں یا آیات تکوینیہ ہوں۔ وہ ایمان نہیں لاتے)

﴿وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾ (اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اس راستے کو اختیار نہیں کرتے) ﴿وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾ اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار کر لیتے ہیں اور اسی پر چلتے ہیں) اس میں متکبرین کو نصیحت ہے کہ وہ تکبر پر رہتے ہوئے آیات الٰہیہ سے منتفع نہ ہو سکیں گے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں لگے رہیں گے۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾ (کہ ان لوگوں کا تکبر کرنا اور آیات پر ایمان لانا اور راہ ہدایت سے اعراض کرنا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان آیات کی طرف سے غافل رہے) لاپرواہی اختیار کی اور ان آیات میں تفکر نہ کیا اور تدبر سے کام نہ لیا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ (جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کے دن کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی آخرت پر ایمان نہ لائے ان کے اعمال اکارت ہو گئے)۔ دنیا میں جو کام کیے آخرت میں بالکل کام نہ آئیں گے اگرچہ بظاہر نیک کام تھے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی دنیا بنانے اور دنیاوی ترقی کرنے کے لیے جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا کیونکہ آخرت میں یہ چیزیں بالکل کام نہ آئیں گی۔ ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (ان کو ان کے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا) کفر پر اڑے رہے اس کا بدلہ دائمی عذاب کی صورت میں مل جائے گا۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ٭ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا جو ایک ایسا جسم تھا کہ اس میں سے گائے کی آواز آ رہی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی راستہ بتلاتا ہے۔ انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظلم کرنے والے

Marfat.com

تھے۔ اور جب وہ پچھتائے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بلاشبہ وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں بخش نہ دے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف اس حال میں واپس ہوئے کہ وہ غصہ میں اور رنج میں تھے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری بری نیابت کی۔ کیا اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے تم نے جلدی کر لی؟ اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور بھائی کے سر کو پکڑ لیا جسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے میرے ماں جائے بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، لہٰذا مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کرو۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔

بنی اسرائیل کا زیوروں سے بچھڑا بنا کر اس کی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا

بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی اور گاؤ پرستی دیکھتے آئے تھے اسی لیے جب سمندر پار کر کے مصر کے علاوہ دوسرے علاقہ میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی اسی طرح کا معبود بنا دیجیے جو مجسم ہو صورت و شکل ہمارے سامنے ہو۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے طور پر تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے گئو سالہ پرستی شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے اس وقت انہوں نے قبطی قوم سے (جو مصر کے اصلی باشندے تھے) زیور مانگ لیے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے۔ ان میں سے ایک آدمی سامری تھا جو سنار کا کام کرتا تھا۔ اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے بچھڑے کی شکل بنالی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی (یہ مٹی وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے نکالی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچے کی آواز آنے لگی۔ یہ لوگ شرک سے مانوس تو تھے ہی۔ کہنے لگے ﴿هٰذَآ اِلٰهُ مُوْسٰی فَنَسِیَ﴾ (کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر معبود سے ہم کلام ہونے کے لیے گئے ہیں) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو، تمہارا رب رحمٰن ہے تم میرا اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس بچھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے اور سامری سے سوال و جواب فرمانا سورۂ طٰہٰ رکوع ۴، ۵ میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا کہ تمہاری قوم تمہارے بعد گمراہی میں پڑ گئی ہے اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گاؤ سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا ﴿بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ (کہ میرے بعد تم نے میری بری نیابت کی) ﴿اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

﴿وَ اَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا توحید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورۂ طٰہٰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت شریف کی تختیوں کا ڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا شدت غضب کی وجہ سے پیش آیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں ان کے کام میں ان کے ساتھ نہیں ہوں، لہٰذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہٰذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میری مغفرت فرما دے اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گاؤ سالہ

Marfat.com

پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تاسف میں تھے اس لیے اپنے بھائی سے دارو گیر کرتے ہوئے ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لیے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیادتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ ہے کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے، بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں، لیکن جس کی طرف سے زیادتی ہوگئی ہو اسے پھر بھی اپنے لیے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کر دینی چاہیے۔

لیس الخبر کالمعاینة:

امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۲۷۱ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے متاثر نہیں ہوتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہاری قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھینکا پھر جب اپنی آنکھ سے ان کی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔

القاء الواح پر سوال و جواب:

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہیے تھا۔ توریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھی ہیں۔

اول: یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔

دوم: یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو القاء اختیاری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لیے القی الالواح سے تعبیر فرمایا۔ فان حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں)۔ (من روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)۔

بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا:

﴿وَ لَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا﴾ (الآیۃ) جن لوگوں نے گئو سالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دارو گیر اور سختی کا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کے تشریف لانے سے ہی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (رکوع ۶) کی آیت ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت میں یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہیں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ

Marfat.com

نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں، اور اسی طرح ہم افتراء کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کیے پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہ الٰہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غصہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ حضرت ابوالعالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لیے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہوا اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لیے پیش کر دینا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جو ان لوگوں کو اس وقت پیش آئی جبکہ اس بچھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے عبادت کی تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور ان کی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بحالت سفر برسوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ عوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نضیر کا جلا وطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جانا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ عہد رسالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء واجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ﴾ (اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)۔

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے بچھڑے کے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ ﴿هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى﴾ (یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیر سویر ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا۔)

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ﴾ (الآیۃ) (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے (جن میں گوسالہ پرستی بھی ہے) پھر ان گناہوں کے بعد توبہ کر لی اور کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد ان کو معاف فرمانے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے)۔

واقعی پختہ توبہ کرنے کے بعد ان کی مغفرت ہوگئی۔ کفر وشرک کے بعد اسلام قبول کرنے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (بے شک اسلام لانا پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) (رواہ مسلم عن عمرو

Marfat.com

بن العاص رضی اللہ عنہ) اور پر گو بنی اسرائیل کا ذکر ہو رہا ہے لیکن آیت کے عمومی الفاظ میں ہمیشہ کے لیے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا اور یہ بتا دیا کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔

توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی:

پھر فرمایا ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ (جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو انہوں نے توریت شریف کی تختیوں کو لے لیا) جنہیں غصہ میں ڈال دیا تھا۔ کیوں کہ مقصود تو انہیں پر عمل کرانا تھا درمیان میں مشرکین کی حالت دیکھ کر جو غصہ آ گیا تھا اس کی وجہ سے تختیوں کو ڈال دیا تھا پھر ان کو اٹھا لیا تاکہ تعلیم و تبلیغ کا کام شروع کیا جائے۔ ﴿وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ﴾ (اور اس توریت میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں)۔

اور ڈرنے والے وہی ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ و ذلك مثل قوله تعالىٰ فی التنزیل العزیز ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ (الآیة)۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وقت معین کے لیے چن لیے پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہمارے چند بیوقوفوں کی حرکت کے سبب ہمیں ہلاک فرماتے ہیں۔ یہ محض آپ کی طرف سے آزمائش ہے، آپ اس کے ذریعہ جس کو چاہیں گمراہی میں ڈالیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر رکھیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ لہٰذا ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور بخش دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے اور لکھ دیجیے ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب میں اسے پہنچاتا ہوں جیسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقع ہو جانا

بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ بے تکی باتیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ توریت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ جو عمل کرنے کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ تم ان پر عمل کرو، تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے فرما دے کہ یہ میری کتاب ہے اور میرے احکام ہیں تو ہم مان لیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب فرمائے تاکہ ان کو ہمراہ لے جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنوائیں۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے اور کلام الٰہی کو سنا تو کہنے لگے

Marfat.com

ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے ہم تو جب یقین کریں گے جبکہ بالکل اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ یہ ان کی گستاخی کی بات تھی۔ ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہیں دھرے رہ گئے۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بیہودگی کا اور بدگمانی کا خیال آیا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے بدگمان ہیں اب تو اور زیادہ بری بدگمانی کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو لے جا کر وہیں ہلاک کر دیا۔ لہٰذا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے جب آپ نے ایسا نہیں کیا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اس وقت ہلاک کرنا آپ کو منظور نہیں کیونکہ اس میں میری بدنامی ہے) تو آپ ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائیں تاکہ وہ بنی اسرائیل میں مطعون اور بدنام نہ ہو جاؤں۔

﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں معروض پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا آپ چند بیوقوفوں کی حرکت سے جو ہم ہی میں سے ہیں ہمیں ہلاک فرما دیں گے۔ یعنی امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ مزید عرض کیا ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ کہ یہ جو واقعہ پیش آیا کہ ان لوگوں کو رجفہ یعنی زلزلہ نے اور صاعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے (کمافی سورۃ البقرہ) پکڑ لیا۔ یہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہی ہے۔ ﴿تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ﴾ آپ اس کے ذریعہ گمراہی میں ڈالیں جسے چاہیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر وہ لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مزید مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے عرض کیا ﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا﴾ (اے رب آپ ہمارے ولی ہیں لہٰذا ہماری مغفرت فرما دیجیے) ﴿وَارْحَمْنَا﴾ اور ہم پر رحم فرمایئے ﴿وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴾ اور آپ معاف کرنے والوں میں سے بہتر ہیں ﴿وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ (اور ہمارے لیے اس دنیا میں نیک حالت پر ہونا لکھ دیجیے اور آخرت میں بھی)۔ ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ (بلاشبہ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں)۔

﴿قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے جسے چاہوں پہنچا دوں۔ ﴿وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ سو عنقریب میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی رحمت اگرچہ ہر چیز کو شامل ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت فرما سکتے ہیں اور رحمت فرماتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی رحمت جو آخرت کی نجات ہے اور عذاب دائمی سے بچا دینا ہے وہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور ہر قسم کے گناہ سے بچتے ہیں (اس میں قلب اور جوارح کے سب اعمال داخل ہیں) اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (اس میں احکام متعلقہ اموال داخل ہو گئے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر زکوٰۃ کی ادائیگی بہت شاق تھی یہ لوگ حب دنیا میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے اس لیے مال خرچ کرنا ان کے نفسوں کے لیے بہت دشوار تھا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں اور رحمت دائمہ اہل ایمان ہی کے لیے مخصوص ہے اور اس میں ان بنی اسرائیل پر تعریض بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور جانتے پہچانتے ہوئے آخر الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہوئے۔ اس لیے متصلاً ہی ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہودی جو اپنے کو مومن سمجھتے ہیں اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے وہ اللہ کے نزدیک مومن نہیں ہیں اور رحمت دائمہ کے مستحق نہیں جو آخرت میں مومنین کو نصیب ہو گی۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنوانے کے لیے ساتھ لے گئے یہ کتنی مرتبہ ہوا؟ علمائے تفسیر نے اس کے بارے میں تین

Marfat.com

مرتبہ جانا لکھا ہے۔

(اول) یہ کہ جب توریت شریف لینے کے لیے طور پر جا رہے تھے اس وقت ایک جماعت کو ہمراہ لے گئے تھے اور اس کا ثبوت سورہ طٰہٰ کی آیت ﴿ وَ مَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ یٰمُوۡسٰی﴾ سے ہوتا ہے۔ (دوسرے) جب بنی اسرائیل نے ان کے پیچھے بچھڑے کی عبادت کر لی تو اس وقت بارگاہ الٰہی میں معذرت پیش کرنے اور قبولیت توبہ کی درخواست کرنے کے لیے ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ (تیسرے) جب ان پر توریت شریف پیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے مانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اللہ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے تو ہم تسلیم کر لیں گے۔ لہٰذا ان کو تسلیم کرانے کے لیے اپنی قوم کے منتخب افراد کو ساتھ لے گئے۔ صاحب روح المعانی ص ۷۲ ج ۹ نے اس میں لمبی بحث کی ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے سورہ بقرہ کی آیت ﴿فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ﴾ اور سورۂ اعراف کی یہ آیت ﴿فَلَمَّآ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ﴾ کا محل ایک ہی قرار دیا ہے۔ یعنی دونوں جگہ اسی ایک واقعہ کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم اس کتاب کو اللہ کی کتاب اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ ہم نے بھی انہیں کی اقتداء میں تفسیر لکھ دی ہے والعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے:

آیت بالا میں اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے کا ذکر ہے اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ دنیا میں جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عطا فرمودہ رحمت کا اثر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں۔ اس میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری ہے جو جن و انس اور چوپایوں میں اور زہریلے جانوروں میں تقسیم فرما دی۔ اسی کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لیے مؤخر فرما دیا ہے۔ اس دن وہ اپنی ان رحمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اللہ کی رحمت بڑی ہے دنیا میں ہر نیک و بد کو شامل ہے یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ مومن اور کافر نیک اور بد بلکہ خدائے تعالیٰ کے منکر اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں آرام کی زندگی گزارتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پہنتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، یہ اس کی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پر رحم کرنے یا کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اس کی رحمت ماں باپ کی مامتا کی طرح نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اولاد پر رحم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۷۶ ج ۹) لکھتے ہیں ای شانها انّها واسعة کل شیء ما من مسلم و لا کافر و لا مطیع و لا عاص الا و هو منقلب فی الدنیا بنعمتی...... و المشیة معتبرة فی جانب الرحمة ایضا و عدم التصرح بها قیل تعظیما لامر الرحمة و قیل للاشعار بغایة الظهور۔ اھ (یعنی رحمت الٰہی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہے خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر، فرمانبردار ہو یا نافرمان البتہ دنیا میں رحمت کی شکل میں ہے اور رحمت کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اعتبار ہے اور یہاں پر اس بات کی تصریح نہ کرنا رحمت الٰہی کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے، بعض نے کہا رحمت الٰہی کے بے انتہا ظہور کی وجہ سے صراحت نہیں کی)۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ

جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں

Marfat.com

اور برائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں، اور وہ طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے۔

نبی اُمّی ﷺ کا ذکر یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں

یہ آیت سابقہ کے آخری جملہ ﴿وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دائمی رحمت کے مستحق متقی اور اہل ایمان ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں جو اہل ایمان تھے اور اب جو اہل ایمان ہیں ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ رحمت دائمہ لکھ دے گا، اب اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو نبی امی آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں جو لوگ ان کی رسالت اور نبوت کے منکر ہیں وہ کیسا ہی ایمان کا دعویٰ کریں اللہ کے نزدیک ان کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور نبی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اُمی ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں اور اللہ کے نبی بھی ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مستقل کتاب اور شریعت لے کر آیا ہو۔ اور نبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ مستقل کتاب یا شریعت نہ ہو۔

جس نبی کے ساتھ مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ تھی وہ اپنے سے سابق رسول کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کرتا تھا۔ یہ فرق اگر تسلیم کر لیا جائے تو بعض انبیاء کے تذکرہ میں جو رسول اور نبی ایک ساتھ فرمایا ہے اور مشہور ہے کہ وہ مستقل کتاب اور مستقل شریعت والے نہیں تھے (جیسا حضرت اسماعیل علیہ السلام) تو اس میں رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ الامی اور الرسول اور النبی سے آیت بالا میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ آپ کو الامی سے ملقب فرمایا۔ عرب کے محاورہ میں اُمی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو اور آپ ﷺ نے بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و قدرت سے آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔ مخلوق میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے تھے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپ نے عالم کی ابتدائے آفرینش سے لے کر جنت میں سب سے آخر تک داخل ہونے والے شخص کے داخلہ تک بتا دیں اور اہل دوزخ کے احوال بتا دیئے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال اور واقعات بیان کیے جن میں سے کسی ایک کی بھی یہودی تکذیب نہ کر سکے ایسے اُمی پر کروڑوں اہل علم قربان۔ اس کو فرمایا ہے:

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتبخانۂ چند ملت بشست

اس سب تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اُمی ہونا آپ کی ذات گرامی کے لیے عیب کی بات نہیں بلکہ سراپا مدح اور خیر و خوبی کی چیز ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾ (نبی اُمی ﷺ کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کی بعثت کی بشارت دینا یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھا۔ سورۂ صف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ (اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں میرے سامنے جو توریت ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے) احمد، محمد دونوں رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی ہیں۔

توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات:

حضرت عطاء بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتائیے، انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اُمیین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا تو میرا بندہ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعے کجی والی ملت کو سیدھا نہ کر دے۔اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ میں نقل کیا ہے کہ سنن دارمی ص ۱۴ ج ۱ میں بھی یہ مضمون ہے۔اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حق شناسی:

حضرت عبداللہ بن سلام پہلے یہودی تھے اور ان کے علماء میں سے تھے۔آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ کی نبوت کی وہ علامات دیکھ کر جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں آپ کو پہچان لیا اور اسلام قبول کر لیا۔ان کے علاوہ عموماً یہودیوں نے آپ کو پہچان کر اور آپ کی نبوت کو حق جان کر ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی اور چند افراد کے علاوہ وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ان کی جہالت و ضلالت نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا۔یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ذریعہ کجی والی ملت کو سیدھا فرمائے گا۔اس سے ملت ابراہیمی مراد ہے جسے مشرکین عرب نے بگاڑ دیا تھا۔

یہودیوں نے آپ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔وہ کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر مشرکین سے جنگ کریں گے۔لیکن جب آپ تشریف لے آئے اور آپ کو پہچان بھی لیا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اس کے باوجود منکر ہو گئے۔اسی کو فرمایا ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾

نصاریٰ بھی انجیل شریف میں آنحضرت ﷺ کی علامات پڑھتے چلے آ رہے ہیں انہوں نے آپ کو پہچان لیا۔لیکن عام طور سے وہ بھی منکر ہو گئے۔نصاریٰ نجران کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اور آپ نے جو انہیں مباہلہ کی دعوت دی اور وہ مباہلہ سے منحرف ہوئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں ایمان نہ لائے۔

قیصر روم کا اقرار:

ہرقل (قیصر روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔اس کا ذکر صحیح بخاری (ص ۴ ج ۱) باب بدء الوحی میں موجود ہے۔جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔دور حاضر کے نصاریٰ کی ڈھٹائی دیکھو کہ موجودہ بائبل میں (جو پہلے سے بھی منحرف ہے) بھی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی پائی تو اس کی تحریف پر اتر آئے۔

توریت شریف کی پیشین گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشین گوئی موجود ہے۔خداوند سینا[1] سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر

---

[1] خداوند تعالیٰ کے سینا سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔(فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے)

Marfat.com

ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اور اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشین گوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور یہ دس ہزار وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہٰذا تحریف کے مجرمین کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لیے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کر دیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوف خدا لاحق نہ ہوا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے) اول تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم و جدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریت سامری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکویٹسن نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کی کہ دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ تفصیلات کے لیے اظہار الحق عربی اور اس کے تراجم اور سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) از سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عجیب طرز فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کر کے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے۔ وہی روز قیامت تک ہمارے لیے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے کے لیے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہ خداوندی میں کام دے دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گی۔

یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقراری ہو جاتا تو اسے برا کہتے اور یوں کہتے تھے ﴿اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ (کیا تم اس سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تا کہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر حجت قائم کر لیں)۔

ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا:

صحیح بخاری ص ۱۸۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو، لہٰذا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ الحمد لله الذی انقذه من النار (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اسے آتش دوزخ سے بچا لیا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷)

جو یہودی عہد نبوت میں مسلمان ہو گئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ تو توریت شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

کعب احبار کا بیان:

کعب احبار پہلے یہودی تھے۔ پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم توریت میں یہ لکھا

Marfat.com

ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا (ملک شام اولین وہ سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اور ان کی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی۔ وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے۔ یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلیوں پر تہبند باندھیں گے وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔ ان کا موذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اور ان کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی۔ دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی۔ رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح السنہ نقل کی ہے، پھر لکھا ہے کہ دارمی نے بھی تھوڑی سی تغییر کے ساتھ روایت کی ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح میں یہ روایت ص ۵۰۷ پر اور سنن دارمی میں (ص ۱۵ ج ۱) پر موجود ہے اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کی ہے۔ (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

بعض یہود کا اقرار کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا) اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں پختگی آتی جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوئے مانتے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیات بینات کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر آپ کا اتباع کر لیں تو ہمیں یہودی قتل کر دیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷) (یہ جان اور مال کا خوف انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور دنیوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن یہ معدودے چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانا پھر مسلمان ہونا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھے وہ تقاضے کے لیے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کروں، اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے محمد میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہ کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے لے کر سب نمازیں ادا کر لیں۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھمکی دیتے تھے اور ڈراتے تھے آپ نے اس کو محسوس فرمالیا اور استفہام انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک رکھا ہے (جو ہم سے نہیں دیکھا جاتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی معاہد (ذمی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے جو کچھ کیا اسی لیے کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان

Marfat.com

کیے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ وہ درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے وہ فحش کلامی اختیار نہ کریں گے اور برے الفاظ سے بھی بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ میرا مال ہے آپ ﷺ اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ کما فی المشکوٰۃ ص ۵۲۰)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی جانچ پڑتال کے بعد مسلمان ہوئے یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کا گھرانہ مشرک تھا ان کا باپ انہیں کھیت کیاری دیکھنے کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ مشغلہ کاشت کاری اور زمینداری تھا۔ اس کا نام بود خشان بن مورسلان تھا اور اپنے گاؤں کا چودھری تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کو سب سے زیادہ پیارے تھے حتیٰ کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر میں رکھتا تھا اور قدم باہر نہ نکالنے دیتا تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو ان کا نام مابہ رکھا اور ہوش سنبھالنے پر ان کو بھی آتش پرستی میں لگا دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آتش کدہ کی خدمت میں اس انہماک سے لگے کہ ہر وقت روشن رکھتے تھے اور آتش کدہ کے پجاری اور مندر کے نگراں بن گئے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے تھے کہ ایک روز میرا باپ مکان بنوانے میں مشغول ہوگیا اور فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کاشت کی خیر خبر لینے کے لیے بھیج دیا اور ساتھ ہی جلد آنے کی بھی وصیت کردی اور یہ بھی کہا کہ اگر تو نے واپس ہونے میں دیر کی تو تیری جدائی کی فکر میرے لیے ساری فکروں سے بڑھ جائے گی۔ والد کے کہنے پر میں گھر سے نکلا، راستہ میں عیسائیوں کے گرجا پر میرا گزر ہوا اور اس کو دیکھنے کے لیے اندر چلا گیا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کی نماز پسند آگئی اور دل میں کہا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں ہے، میں شام تک وہیں رہا اور سورج چھپنے پر گھر واپس آیا تو باپ نے سوال کیا، اب تک کہاں تھا؟ میں نے باپ کو اپنا پورا حال سنا دیا اور یہ بتادیا کہ مجھے نصاریٰ کا دین پسند ہے اور ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے کہا بیٹا! یہ تم نے غلط سمجھا، ان کا دین ٹھیک نہیں ہے۔ سچا دین وہی ہے جو تیرا اور تیرے باپ دادوں کا دین ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔

جب باپ نے میری گفتگو سنی تو اسے کھٹکا ہوا اور اس ڈر سے کہ کہیں میں ان سے نہ جا ملوں مجھے گھر میں بند کردیا اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ میں نے اس قید و بند کی حالت میں عیسائیوں کو خبر بھیج دی کہ جب شام سے سوداگر آئیں تو مجھے خبر کردینا میں ان کے ساتھ تمہارے دین کے مرکز میں پہنچ جاؤں گا، چنانچہ کچھ دن کے بعد کچھ شامی تاجر آگئے انہوں نے مجھے خبر کردی، جب وہ تاجر واپس جانے لگے تو میں نے بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور ان کے ساتھ ہوگیا۔ جب میں ان کے ساتھ شام پہنچ گیا تو وہاں کے لوگوں سے کہا کہ بتاؤ تمہارے یہاں عیسائیوں میں سب سے افضل کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گرجا میں جاؤ وہاں کا جو پاپائے اعظم ہے وہی سب سے افضل ہے۔ میں گرجا میں جا پہنچا اور اس سے کہا کہ میں تمہارے دین کو پسند کرچکا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ تمہاری خدمت میں رہوں، اور تعلیم حاصل کروں۔ اس نے کہا بہتر ہے رہنے لگو۔ میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور رہتے رہتے اس کے کچے چٹھے سے خوب واقف ہوگیا۔ یوں تو بڑا بزرگ بنا ہوا تھا مگر تھا بڑا خراب آدمی لوگوں کو صدقہ خیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے کہنے سے لوگ صدقات و خیرات لے کر آتے تو ان سب کو اپنے پاس جمع کرلیتا اور مسکینوں کو کچھ بھی نہ دیتا، جب وہ مرگیا تو اس کے معتقد دفن کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ (اسے دفن نہ کرو) یہ تو بڑا خراب آدمی تھا تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقات و خیرات کی رقم جمع کردیتے تھے تو نہ کسی فقیر کو دیتا تھا نہ کسی مسکین کو، بلکہ اپنے ہی خزانہ میں بھر دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا تمہیں کیا پتہ؟ میں نے کہا آؤ تمہیں اس کا خزانہ بتادوں! یہ سن کر وہ میرے ساتھ ہولیے، میں نے ان کو اس کا خزانہ دکھایا تو انہوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے رکھے ہوئے دیکھے۔ مٹکے دیکھ کر ان کو میری بات کا یقین آگیا تو

Marfat.com

بڑے برہم ہوئے اور ان کے دلوں میں اس پادری کی ذرا بھی وقعت نہ رہی اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم اسے ہرگز دفن نہ کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کی نعش کو سولی پر چڑھا کر پتھر مارتے مارتے چورا بنا دیا۔

اس کے بعد وہ لوگ اس کی جگہ دوسرے شخص کو لائے جسے انہوں نے گرجا کا پادری بنا دیا یہ دوسرا شخص اس پہلے شخص سے بہت افضل تھا اور دنیا سے بہت بے رغبت تھا مجھے اس سے محبت ہوگئی اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ گرجا میں رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے علم میں تو اب کوئی شخص اصل دین مسیحی پر نہیں ہے سوائے فلاں صاحب کے جو شہر موصل میں رہتے ہیں تم ان ہی کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ میں موصل پہنچا اور اس شخص کو تلاش کیا جس کا نام اور پتہ مجھے بتایا گیا تھا، جب اس سے ملاقات ہوگئی تو میں نے اس کو اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی اس نے درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اس کی موت آپہنچی تو میں نے کہا کہ آپ کا میرے متعلق کیا ارشاد ہے؟ بتایئے اب کس کے پاس جاؤں؟ اس نے کہا کہ شہر نصیبین میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ، میں نے نصیبین کا سفر کیا اور اس شخص کو ڈھونڈ لیا جس کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو میں نے اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی، اس نے مجھے ساتھ رکھ لیا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا مگر دنیا والی زندگی ہمیشہ کے لیے کسی کو بھی نہیں ملی۔ وہ شخص بھی مرنے لگا تو میں نے کہا اب میرے لیے کیا ارشاد ہے؟ بتایئے اب کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ اب تم عموریا میں فلاں شخص کے پاس جاؤ، چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا اور ساتھ رہنے کی درخواست کی، اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا، یہ بھی اچھا شخص تھا۔ عموریا کے دوران قیام میں نے کمانے کا دھندہ کر لیا اور میرے پاس گائے بکریاں جمع ہوگئیں۔ جب اس عموریا والے پادری کو موت نے آگھیرا تو میں نے اس سے کہا کہ بتایئے میں اب کہاں جاؤں؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا! اللہ کی قسم اب تو میرے علم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمارے دین پر پوری طرح پابند ہو، اب تمہیں کس کے پاس بھیجوں؟ بس اب تو تم آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتظار کرو، ان کے تشریف لانے کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دین ابراہیم علیہ السلام لے کر آئیں گے۔ عرب سے ظاہر ہوں گے وہ ایسے شہر کو ہجرت کریں گے جس کے دونوں طرف کنکریلی زمین ہوگی اور جہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔ ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہ کھائیں گے اور یہ نشانی بھی کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اب اگر تم سے ہوسکے تو عرب چلے جاؤ، یہ کہہ کر یہ پادری بھی دنیا سے سدھارا۔ میں عرب پہنچنے کی تدبیر سوچنے میں لگا رہا۔ حتیٰ کہ قبیلہ بنی کلب کے کچھ لوگ عموریا پہنچ گئے جو عرب سے تجارت کے لیے آئے تھے، ان سے میں نے کہا کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو اور اس احسان کے بدلہ میں میری یہ بکریاں اور گائیں لے لو، اس بات کو انہوں نے منظور کیا اور مجھے ساتھ لے کر عرب چل دیئے۔ میں نے اپنی بکریاں اور گائیں ان کو دے دیں، وہ مجھے وادی القریٰ لے گئے (جو عرب ہی کا علاقہ ہے) مگر انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے اپنا غلام ظاہر کر کے فروخت کر دیا، جس شخص کے ہاتھ مجھے بیچا تھا اس نے مجھے مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا جو قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا، وہ مجھے مدینہ لے گیا، مدینہ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ بس یہی وہ شہر ہے جہاں میری مراد حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہاں کھجوروں کے باغ بھی ہیں اور شہر کے دونوں طرف کنکریلی زمین بھی ہے۔

میں مدینہ میں اپنے آقا کے کام میں لگا رہا اور اسی اثناء میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ ایک روز میں ایک درخت پر اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اس کا چچازاد بھائی آیا اور کہنے لگا کہ خدا بنی قبیلہ کو غارت کرے (بنی قبیلہ سے انصار مراد ہیں) ابھی ابھی میں ان کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور بیہوشی کا سا عالم ہوگیا۔ حتیٰ کہ میں درخت سے گرنے کے قریب ہوگیا۔ بڑی عجلت کے ساتھ میں درخت سے اتر کر اپنے آقا کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور اس سے پوچھا کیا معاملہ ہے اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہنے لگا چل تو اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ چنانچہ میں واپس ہوا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ میرے دل میں بے چینی اور بے قراری تھی جس نے مجھے مجبور کر دیا کہ صبح

Marfat.com

جو بات سنی تھی اس کی حقیقت معلوم کروں اور جس شخص کو میرے آقا کے چچازاد بھائی نے مدعی نبوت بتایا ہے اس کو چل کر دیکھوں اور اس کی نبوت کو ان نشانیوں کے ذریعہ جانچوں جو عموریا والے پادری نے بتائی تھیں چنانچہ جب شام ہوگئی اور مجھے کام سے فرصت ملی تو میں ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ قبا میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ صدقہ ہے جو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لیے لایا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میرے سامنے سے اٹھالو کیونکہ ہم (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام) صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ فرما کر آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا (جن کے لیے صدقہ حلال تھا) کہ تم کھالو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھالیا اور آپ ہاتھ روکے ہوئے بیٹھے رہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی تو میں نے دیکھ لی، اس کے بعد میں چلا گیا اور پھر موقعہ پا کر کچھ کھجوریں جمع کر کے لایا اس وقت آپ قبا سے روانہ ہوکر مدینہ شہر میں تشریف لے جا چکے تھے، میں نے عرض کیا یہ ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، یہ سن کر آپ نے اس میں سے کھالیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ اب میں نے خاتم النبوۃ کے دیکھنے کا ارادہ کیا تو تیسری بار پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ بقیع میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے، میں نے آپ کو سلام کیا اور خاتم النبوۃ دیکھنے کے لیے گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچ گیا۔ جب آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا ہوا دیکھا تو میرا مقصد سمجھ لیا اور خود بخود اپنی مبارک چادر اٹھا کر مجھے خاتم النبوۃ دکھلادی میں اس پر جھک گیا اور اسے چومنا شروع کر دیا اور (چونکہ تینوں نشانیاں دیکھ کر آپ کی نبوت کا یقین ہوگیا اور اپنی مراد پالی تو فرطِ خوشی میں) رونے لگا۔ آپ نے فرمایا سامنے آؤ، میں سامنے آیا اور اپنا پورا قصہ سنایا تو آپ کو ایسا عجیب معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی سنوایا۔

اس کے بعد میں غلامی کے مشغلوں میں پھنسا رہا۔ حتیٰ کہ جنگ بدر میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ (اس دوران میں بارگاہ رسالت میں آتا جاتا رہا) ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے کتابت کرلو (یعنی اس سے اپنی جان کو خریدلو) چنانچہ میں نے اس کی کوشش شروع کر دی اور اپنے آقا سے یہ معاملہ کرلیا کہ جب میں کھجور کے ۳۰۰ درخت لگادوں اور ان کی پرورش کردوں حتیٰ کہ ان میں کھجوریں آجائیں جو کھانے کے قابل ہوجائیں اور اس کے ساتھ چالیس اوقیہ نقد سونا بھی ادا کردوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) معاملہ کر کے سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہ نے ۳۰۰ پودے چندہ کر کے میرے لیے جمع کر دیئے جب پورے جمع ہوگئے تو سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے درخت ہم لگادیں گے تم ایک پودا بھی مت لگانا۔ لہٰذا میں نے ۳۰۰ کیاریاں بنادیں اور آپ میرے ساتھ اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کیاریوں میں وہ پودے لگا دیئے۔ ہم آپ کو پودے دیتے جاتے تھے اور آپ اپنے دست مبارک سے کیاریوں میں رکھ رکھ کر مٹی بھرتے جاتے تھے۔ آپ نے جتنے بھی درخت لگائے تھے (جو کہ ۲۹۹ تھے) ان میں سے ایک بھی خراب نہ ہوا اور مزید براں آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ اسی سال سب درخت پھل لے آئے، مگر ایک درخت نہ پھلا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگا دیا تھا۔ آپ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگادیا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ وہ درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

یہ تو درختوں کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد سونے کی ادائیگی کی مشکل اس طرح حل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک کان میں سے تھوڑا سا سونا لایا گیا۔ جو مرغی کے انڈے کے برابر تھا۔ اسے لے کر آپ نے فرمایا کہ وہ فارسی غلام کہاں ہے۔ جس نے اپنے آقا سے کتابت کی ہے؟ بلاؤ اسے۔ چنانچہ میں بلایا گیا، جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) جتنا سونا مجھ پر واجب ہے اس کے سامنے اس ڈلی کی کیا حقیقت ہے۔ اس میں اتنا وزن کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا یقین رکھو اللہ اسی سے تمہیں سبکدوش کردے گا، چنانچہ میں اسے لے کر اپنے آقا کے پاس پہنچا اور اس ڈلی کو تلوایا تو اسی سے چالیس اوقیہ سونا ادا ہو گیا اور مجھے آزادی مل گئی، اب میں آزاد ہو گیا تو اسلام کے کاموں میں حصہ لینے لگا اور آزادی کے بعد سب سے پہلے جو معرکہ پیش آیا یعنی غزوۂ خندق اس میں شریک ہوا اور اس کے بعد رسول خدا ﷺ کے ساتھ برابر ہر غزوہ میں شریک رہا۔ (غزوۂ خندق میں خندق بھی انہیں کے مشورہ سے کھودی گئی تھی)۔ (از جمع الفوائد وشمائل الترمذی و

Marfat.com

طبقات ابن سعد۱۲)

اللہ رب العزت جس کو ہدایت سے نوازتے ہیں تو ہر حال میں نواز دیتے ہیں، خدا کی شان حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کیا تو آگ کے پجاری تھے اور کیا پکے موحد اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اونچے درجہ کے صحابی بن گئے۔ٹھوکریں تو بہت کھائیں مگر اللہ کے پیارے بن گئے اور صحابہ میں ان کو ممتاز درجہ نصیب ہوا۔آج تک ان کو امت کی طرف سے کروڑوں مرتبہ رضی اللہ عنہ کی دعائیں پہنچ چکی ہیں اور خدا ہی جانے کہ قیامت تک اور کتنی پہنچیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلامی کے زمانے میں دس سے کچھ اوپر آقاؤں کے مملوک بن کر رہے اور ہدایت کی طلب اور تلاش میں یہ سب مصیبت اور تکلیف برداشت کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت میں پہنچا ہی دیا۔

مجموعی طور پر ان سب واقعات و حالات سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف و مشہور تھیں۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئی:

بہت سی تحریفات و تغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض بشارتیں موجود ہیں۔باب نمبر ۱۴ میں ہے کہ ''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا''۔

پھر باب نمبر ۱۶ میں ہے۔''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔(پھر چند سطر کے بعد ہے)

''لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا''۔پھر چند سطر کے بعد ان کے رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ''اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھو گے اور یہ اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں''۔یہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ کی طرف اشارہ ہے۔

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔''میں نے تم سے یہ باتیں اس لیے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ، دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو، میں دنیا پر غالب آیا ہوں''۔[1]

چونکہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سب انہیں لوگوں کے مرتب کیے ہوئے ہیں۔اس لیے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اصل کتاب پاس نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے۔اس لیے تحریف کرنے میں آزاد ہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔یہ سب باتیں ان کی اپنی تراشیدہ عقیدۂ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے تو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) ہم نے جو بائبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لیے لکھ دی ہیں، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے ان کی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کر دی۔ہاں ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے۔تحریفات سے پر ہے۔

---

[1] ہم نے یہ حوالے نصرانیوں ہی کی مرتب کردہ اور شائع کردہ انجیل سے نقل کیے ہیں جو ''عہد نامہ جدید'' کے نام سے مشہور ہے۔اس کا پبلشر بائبلیس فور دی ورلڈ ۱۴۱۵ اصل ایونیووائی ٹن (امریکہ) ہے، یہ ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع کیا گیا ہے۔

Marfat.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ ﷺ کے اوصاف میں سے ہیں

نبی اُمی ﷺ کی دوسری صفات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (وہ اچھائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے اس فریضہ کو بھی پوری طرح انجام دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء، علماء، صلحاء، مبلغ و داعی حضرات نے تحریر و تقریر سے اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسفار کی مشقتیں اٹھا کر اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی نیابت کی ذمہ داری کو پورا کیا۔ احادیث شریفہ کا مطالعہ کیا جائے تو معروف اور منکر کی تفصیلات پوری طرح معلوم ہو جائیں گی معروفات پر عمل کرنے کے فضائل اور اجر و ثواب اور منکرات کی وعیدیں اور برے کاموں کی سزاؤں کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

منکرات کی تفصیل کسی قدر ہم نے آیت کریمہ ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ کے ذیل میں لکھ دی ہے۔ (انوارالبیان جلد اول)

رسول اللہ ﷺ محلل طیبات اور محرم خبائث ہیں:

آنحضرت ﷺ کی تیسری صفت یوں بیان فرمائی ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (کہ نبی اُمی ﷺ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اس میں اجمالی طور پر حلال و حرام چیزوں کو بیان فرما دیا پاکیزہ چیزیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں حلال ہیں اور خبیث و گندی چیزیں حرام ان کی تفصیلات بہت ہیں۔ جس شخص کا ذوق صحیح ہو وہ طبعی طور پر ان چیزوں کو پاکیزہ سمجھتا ہے جو حلال قرار دی گئی ہیں اور ان چیزوں کو گندی اور خبیث سمجھتا ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ لھم کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے۔ اس میں یہ بتایا کہ بعض پاکیزہ چیزیں جو ان کی شریعت میں حرام تھیں جن کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ﴾ اور سورۂ انعام کی آیت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ میں فرمایا ہے اُن کے لیے حلال ہو جائیں گی اسلام قبول کر لیں گے تو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان پاکیزہ چیزوں کو بھی استعمال کر لیں گے جو ان کی شریعت میں حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ نبی اُمی ﷺ کا اتباع کرنے سے جہاں راہِ ہدایت پر آنا نصیب ہوگا وہاں پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ شریعت اسلامیہ میں جن جانوروں کا کھانا حلال بتلایا ہے سب جانتے ہیں کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں پھر ان میں بھی یہ شرط لگا دی ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیے گئے ہوں۔ خون، شراب اور ان جانوروں کو حرام قرار دیا گیا جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیے گئے ہوں کیونکہ یہ سب خبیث اور ناپاک ہیں نیز وہ جانور جو درندے ہیں ان کے کھانے سے بھی منع فرمایا جیسے شیر، چیتا، کتا، بلی، شکرہ، بھیڑیا کیوں کہ ان کے کھانے سے انسانوں میں درندگی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں ان کا ذکر نہیں جن کی طبیعتیں اصل انسانی فطری طبائع کو چھوڑ چکی ہیں اور وہ الا بلا ہر چیز کھاتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کے نزدیک خبیث نہیں ہے۔ جیسے چائنا کے لوگ کہ وہ کسی بھی چیز کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

منکرین حدیث کی تردید:

دورِ حاضر میں انکار حدیث کا فتنہ بھی اٹھا ہوا ہے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی وہ حیثیت ماننے کو تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے، اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حلال قرار دینے والا اور حرام قرار دینے والا بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو یہ عہدہ دیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جس چیز کی حلت کا اعلان ہو گیا وہ حلال اور جس کو آپ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے لیکن منکرین حدیث کو یہ گوارا نہیں۔ ان کو خداوند قدوس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول کو صرف چٹھی رساں (ڈاکیا) کا عہدہ کیوں نہیں دیا؟ اس سے بڑھ کر اس کی حیثیت کیوں بڑھائی؟ آپ کے ذمہ قرآن کی تفہیم و تشریح کیوں کی؟ آپ کو تحریم و تحلیل کا اختیار کیوں دیا گیا؟ یہ ہیں اپنے خیال میں قرآن کے ماننے اور جاننے والے، اللہ تعالیٰ ان ملحدوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجھ ہوں

سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی چوتھی صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ کہ وہ ان سے یعنی اہل کتاب سے وہ احکام ہٹاتے ہیں جو ان کے لیے بوجھ تھے اور طوق بنے ہوئے تھے چونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں (ﷺ) اس لیے سابقہ تمام شریعتیں آپ کے تشریف لانے پر منسوخ ہوگئیں۔ جو بھی کوئی شخص آپ کے دین کو قبول کرے گا وہ ان سب کو قبول کرے گا وہ ان سب سہولتوں اور آسانیوں سے متمتع ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت میں اپنے آخری نبی کے ذریعہ آخر الامم کے لیے بھیجی ہیں اور اس امت کو تلقین فرمائی ہے کہ یوں دعا کریں۔ ﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دعا قبول فرمائی اور آسان شریعت عطا فرمادی، یہودیوں کے لیے جو سخت احکام مقرر فرمائے گئے تھے وہ اس شریعت میں نہیں ہیں اور نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کر لی تھی جنگلوں میں رہتے تھے اپنے نفسوں کو تکلیف دیتے تھے۔ کھانے پینے میں عمدہ چیزوں سے بچتے تھے وہ سب ہماری شریعت میں نہیں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی فرمائی۔ یہ ان لوگوں کے بقایا ہیں جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں باقی رہ گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱ از ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں ایسا دین دے کر بھیجا گیا ہوں جو گمراہی سے ہٹا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۴ ج ۲ از بخاری)

اور ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ (کہ دین آسان ہے) اس کے احکام پر ہر شخص چل سکتا ہے اور اس میں معذوروں کی رعایت رکھی گئی ہے اور کوئی حکم ایسا نہیں جو طاقت سے باہر ہو، اسی آسانی کی وجہ سے عبادت میں مشقت اٹھانا جو برداشت نہ ہو مثلاً راتوں رات عبادت کرنا یا روزانہ روزہ رکھنا اس سے منع فرمایا۔

تین صحابیوں کا ایک واقعہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے پاس حاضر ہوئے یہ لوگ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی عبادت کا خانگی حال دریافت کر رہے تھے جب انہیں بتا دیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں؟ آپ کو تو اللہ نے سب کچھ بخش دیا (ہمیں تو زیادہ محنت کی ضرورت ہے)

لہٰذا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا، خبردار اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہوں۔ لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی رہتا ہوں اور (رات کو) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس شخص نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے دیجیے۔ رسول ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو، میری اُمت کا خصی ہونا (یعنی نکاح نہ کر سکنے کی مجبوری میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ عرض کیا ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجیے۔ فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹)

Marfat.com

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

نبی اکرم ﷺ کی توقیر اور اتباع کرنے والے کامیاب ہیں

پہلے تو نبی اُمی ﷺ کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور پہلے لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ نبی عربی ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا یہ لوگ پوری طرح فلاح پانے والے ہیں۔ جب شرائع سابقہ منسوخ ہوگئیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم کردی گئی تو اب فلاح اور نجاح اور ہر طرح کی کامیابی کا واسطہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے کوئی شخص کیسا ہی عبادت گزار ہو، ریاضت کرتا ہو تارک دنیا ہو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا رہتا ہو بارگاہ الٰہی میں مقبول بندہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ حضرت خاتم النّبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ خاتم النّبیین ﷺ کا دامن تھامے بغیر اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائے اور آخرت کی نعمتیں مل جائیں تو اس کا یہ خیال باطل ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَ الْاَسْوَدِ﴾ (رواہ احمد فی مسندہ ص ۱۴۵) (کہ میں ہر گورے اور ہر کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں) پس جب خالق کائنات جل مجدہٗ نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بنا دیا اور آپ پر ایمان لانے کو نجات کی شرط قرار دے دیا تو تمام انسانوں پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ جب کوئی شخص آپ پر ایمان لے آئے آپ کو اللہ کا رسول مان لے تو عقلاً و نقلاً اس کے ذمہ یہ بات فرض ہوگئی کہ آپ کی تعظیم و تکریم بھی کرے اور آپ کی مدد بھی کرے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید کا اتباع بھی کرے۔ جو شخص ان اوصاف سے متصف ہوگا وہ پوری طرح کامیاب ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے

عقلی و طبعی طور پر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے بھرپور محبت کرنا آپ کا اسم گرامی ادب سے لینا، آپ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کر کے عمل پیرا ہونا اور آپ کے ساتھ بات کرنے میں ادب کے ساتھ پیش آنا یہ سب عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی محبت ہمارے دل میں ہے لیکن انہیں آپ کی صورت مبارک اور آپ کے لباس سے عملاً نفرت ہے۔ نصرانیوں کی صورت اور ان کا لباس اختیار کرتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور محبت والے ہیں ان لوگوں کا دعوی سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں)۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اس کے مطابق نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں)۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے اس وقت مجلس میں بیٹھنے اور بات کرنے میں بھی حاضرین کو ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (کہ اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (اور آپ سے بات کرنے

Marfat.com

میں اونچی آواز نہ نکالو جیسا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بات کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو)۔

آیت بالا سورہ حجرات میں ہے۔ اور سورۂ نور میں ارشاد فرمایا ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا﴾ (تم اپنے درمیان رسول کا بلانا اس طرح نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ اکرام کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح بیٹھے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے تھے اور آپ سے کچھ دریافت کرتے تو ادب کے ساتھ معلوم کرتے تھے۔ آپ وضو فرماتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانی نیچے نہیں گرنے دیتے تھے، جلدی سے جھپٹ کر اپنے اعضاء پر لے لیتے تھے اور بہت زیادہ ادب سے پیش آتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب قریش نے عروہ بن مسعود کو بطور نمائندہ گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تو اس نے قریش کو واپس جا کر بتایا کہ دیکھو میں شاہ فارس کسریٰ کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ روم قیصر کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں قسم بخدا میں نے کسی بھی بادشاہ کو اپنے لوگوں میں ایسا معظم و مکرم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب میں معظم و مکرم دیکھا ہے۔ اگر جنگ کا موقعہ آگیا تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱۲)

دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد:

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی تعظیم و تکریم کا برتاؤ واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی حدیث کو ادب سے سنے، آپ کے طریقہ کا اتباع کرے آپ کا اسم گرامی ادب سے لے آپ کا ذکر خود کرے یا دوسرے سے سنے تو درود پڑھے۔ آپ کے اہل بیت اولاد و ازواج اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت کرے ان کے نام ادب سے لے اور انہیں رضی اللہ عنہم کی دعا سے یاد کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں ان پر رضا و رغبت سے ساتھ عمل پیرا ہو۔

نَصَرُوْهُ کا مطلب:

آیت شریفہ میں وَعَزَّرُوْهُ کے بعد وَنَصَرُوْهُ فرمایا جس میں اہل ایمان کی ایک یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور آپ کے دین کو تقویت پہنچاتے ہیں اور اپنی کوششوں سے بقاء دین و احیاء دین میں لگے رہتے ہیں۔ یہ صفت بھی صفات ایمانیہ میں سے ہے جو بھی کوئی مومن ہو جہاں کہیں بھی ہو وہ دین اسلام کو بڑھانے اور پھیلانے اور زندہ رکھنے کے لیے فکر مند رہے اور عملی طور پر اس کام میں لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے

پھر فرمایا ﴿وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ (اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا) اس نور سے قرآن مجید مراد ہے جس کا نور ہونا سب پر عیاں ہے۔ پہلے تو ﴿یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ فرمایا پھر ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ فرما کر آپ کا مرتبہ بیان فرمایا۔ پھر اہل ایمان کی صفات میں ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ فرما کر قرآن حکیم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حجت شرعیہ ہے:

آیت شریفہ کے پورے مضمون کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا اتباع لازم ہے اور جس طرح

Marfat.com

قرآن کریم حجت شرعیہ ہے حدیث نبوی بھی حجت شرعیہ ہے۔ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے متاثر ہو کر بعض پڑھے لکھے جاہل بھی یوں کہنے لگے ہیں کہ حدیث حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے۔

اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے:

اگر حدیث نبوی ﷺ کو حجت نہ مانیں تو نماز پڑھنے اور وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ ہو گا قرآن مجید میں نہ نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے نہ بالتصریح پنج وقتہ اوقات بتائے ہیں نہ رکعات کی تعداد بتائی ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ میں کتنا مال دینا فرض ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ مال پر کتنا وقت گزر جانے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل حجت شرعی نہیں وہ کفریہ بات کہتے ہیں۔ دعویٰ ان کا قرآن دانی کا ہے لیکن اگر واقعی قرآن کو جانتے اور سمجھتے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ پہچان لیتے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ و اللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے لیے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے، جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر، اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان

اس آیت کریمہ میں نبی اُمی سیدنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرما دیں کہ بلاشبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے ان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے ملک سے اور اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو اُمی ہے، یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا، وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے کلمات یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے سورۂ سبا میں فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۱) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

Marfat.com

(۲) پوری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہوجاتی ہے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدث اصغر اور حدث اکبر دور ہوجاتے ہیں) سو میری اُمت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے نماز پڑھ لے۔

(۳) میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیے گئے۔

(۴) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لیے ہوگی)۔

(۵) اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃً تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۱۴۸ ج ۱)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: و الذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی و لا نصرانی ثم یموت و لم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار۔ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہوا خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی پھر وہ اس حالت میں مرجائے کہ میں جو دین دے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا)۔

چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لیے ہر فرد بشر کے لیے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کرسکتا۔ خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو اس کو ﴿وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ میں بیان فرمایا۔ (اس نبی کا اتباع کرو ان کا اتباع کرو گے تو ہدایت پر رہو گے) جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النّبیین رسول الانس والجان ﷺ کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔ اس سے وحدت ادیان کے نظریہ کی بھی تردید ہوگئی۔ جو لوگ اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اور کسی بھی طریقہ اور دین کے مطابق اللہ کی عبادت کرلے اس کی نجات ہوجائے گی (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی گمراہی کی بات ہے۔ شیطان انسان کو خدا کا منکر رکھنا چاہتا ہے اور اگر کوئی شخص اللہ کو مان لے اور اللہ کے دین پر آنا چاہے تو اسے ایسی باتیں سجھاتا ہے جن کی وجہ سے وہ اس دین پر نہ آسکے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے اور اپنے خیال میں دھرمی بھی رہے اور مذہبی بھی رہے اور پھر بھی آخرت میں نجات نہ پائے اور جہنم میں جائے، یہ شیطان کی خواہش رہتی ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا
اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ
اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا
عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ
ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں، اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے الگ الگ جماعتیں بنا دیں، اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی

Marfat.com

پتھر میں مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی۔ اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلوی اتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو، اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو، ہم عنقریب اچھے کام کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا اس قول کے علاوہ جو ان سے کہا گیا۔ سو ہم نے ان پر عذاب بھیج دیا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ نازل فرمایا

اوپر چار آیات کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں اچھے لوگ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس زمانے میں توریت اور انجیل پر عمل کیا جب ان کتابوں پر عمل کرنے کا حکم تھا اور منسوخ نہیں کی گئی تھیں۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کو انہوں نے توریت وانجیل میں بیان فرمودہ علامات سے پہچان لیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور عامل بالقرآن ہو گئے۔ پھر دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی کے موافق فیصلے کرتے رہے کج بحثی اور کج روی اختیار نہ کی۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مواقع میں بھی ان لوگوں کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ (اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر وہ اللہ کی آیتوں کو رات کے وقت پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں)۔ سورۂ قصص میں فرمایا ﴿وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ﴾ (اور جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے رب کا بھیجا ہوا، ہم اس سے پہلے حکم بردار ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں مسلم اور کافر سب ہوں تو اہل ایمان کے ایمان اور اصلاح ونیکی کا معترف ہونا چاہئے اور یکسر کسی قوم کو یوں کہہ دینا کہ سب کافر ہیں فاسق ہیں جبکہ ان میں ایمان والے اور صالحین موجود ہوں۔ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ مومن بندے اعتدال پر قائم رہیں۔

دوسری آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ قبیلے بنا دیئے تھے۔ اسباط، سبط کی جمع ہے۔ سبط لڑکے کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں ہوئے تھے جب یہ لوگ مصر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا لیکن اپنی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیہ میں ہی گھومتے رہے اس صحرا نوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جب کوئی تکلیف آتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مصیبت کو رفع کیجئے، اسی میدان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پانی کی ضرورت ہوئی۔ پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں پانی چاہئے۔ اللہ جل شانہٗ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ پتھر میں اپنی لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر ہر قبیلہ نے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کر لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی اس میں لاٹھی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا ﴿وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ﴾ اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لیے من اور سلویٰ (بٹیروں جیسے جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو ﴿وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى﴾ میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے

Marfat.com

ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ، انہوں نے حکم عدولی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔ حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لیے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں سبزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورۂ بقرہ (رکوع چھ اور سات) میں بیان ہو چکے ہیں (انوار البیان ج ۱) ان لوگوں نے جو جو حرکتیں کیں ان کی سزا پائی۔ اسی کو فرمایا ﴿وَ مَا ظَلَمُوْنَا﴾ (اور ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) یعنی ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ ﴿وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ (لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی ان کی حرکتوں سے ان کا اپنا ہی نقصان ہوتا تھا۔

ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی:

تیسری اور چوتھی آیت میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک بستی میں رہنے کا حکم فرمایا تھا ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس بستی میں خشوع کے ساتھ جھکے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ ان ظالموں نے قولاً و عملاً دونوں طرح سے نافرمانی کی اور اس بات کو بدل دیا جس کا حکم فرمایا گیا تھا۔ عملاً تو یہ کیا کہ بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور معافی مانگنے کا جو حکم ہوا تھا اس کی خلاف ورزی یوں کی کہ حِطَّةٌ کی جگہ حَبَّةٌ فِیْ شَعِیْرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس بستی سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اریحا مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے کہا ہے کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدس میں جا رہے تھے اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ چالیس سال میدان تیہ میں حیران و سرگردان پھرنے کے بعد جب حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس جانا نصیب ہوا اس وقت کی بات ہے جب ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر عذاب بھیج دیا، جسے ﴿رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ سورہ بقرہ میں ﴿بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴾ فرمایا اور سورہ اعراف میں ﴿بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ﴾ فرمایا یعنی یہ عذاب ان کی نافرمانیوں اور ان کے ظلم کی وجہ سے بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی جو نتیجہ کے اعتبار سے اپنی جانوں پر ظلم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے گرفت ہو جاتی ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے ان لوگوں پر جو عذاب بھیجا گیا تھا طاعون تھا۔ مفسر ابن کثیر نے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الطاعون رجزٌ عذابٌ عذب به من کان قبلکم (یعنی طاعون رجز ہے جو عذاب ہے اس کے ذریعے تم سے پہلی اُمتوں کو عذاب دیا گیا)۔

من و سلویٰ اترنے اور پتھر سے چشمے پھوٹنے اور ایک بستی میں جھکے ہوئے داخل ہونے اور معافی مانگنے کا حکم پھر بنی اسرائیل کی قولاً و فعلاً خلاف ورزی پر عذاب نازل ہونا سورہ بقرہ (رکوع ۶، ۷) میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے کچھ زیادہ تفصیل لکھ دی ہے اس کی مراجعت کر لی جائے۔ (انوار البیان جلد اول)

وَسْــٴَـلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ

Marfat.com

السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا
عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

اور آپ اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیں جو دریا کے قریب آباد تھی، جبکہ وہ لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے۔ جبکہ ان کے پاس ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن اوپر کو ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سنیچر کا دن نہ ہوتا اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک فرمانے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب، انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید یہ لوگ گناہ سے بچ جائیں۔ سو جب وہ لوگ بھول گئے اس بات کو جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ہم نے سخت عذاب کے ذریعہ ان لوگوں کو پکڑ لیا، جنہوں نے ظلم کیا اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے پھر جب اس کام کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جس سے منع کیے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ بندر ذلیل، اور آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور ان پر ایسے اشخاص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب چکھائیں گے، بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا

بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت بری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی، حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں ان دنوں سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ لوگ باز نہ آئے سنیچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب اُبھر اُبھر کر سامنے آجاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سنیچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنس کر رہ جاتی تھیں۔ جب سنیچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنیچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی، وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آگئیں اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے لہٰذا ہم سنیچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے، اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دیدی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو پگھلا کر اس میں کچھ خوشبو وغیرہ ملا کر کیمیکل طور پر کچھ اور بنا دیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری ص ۲۹۸ ج ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی، جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے۔ کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی ہلاک فرما دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تھا ان لوگوں نے نہ مانا، اور ممکن ہے کہ یہ لوگ مان ہی جائیں اپنے رب سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمالی۔ ان پر اس طرح

Marfat.com

عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنادیا، جو لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنادیئے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے انہیں نجات دے دی گئی جن کو ﴿اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ میں بیان فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ بھی عذاب سے بچا لیے گئے کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا عمل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا۔ ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا، عکرمہ کی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۲)

سنیچر کے دن زیادتی کرنے والوں کو بندر بنادیا گیا تھا جس کا ذکر یہاں سورۂ اعراف میں بھی ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوارالبیان جلد اول)

جس بستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کیے ہیں ۱۔ ایلہ ۲۔ طبریہ ۳۔ مقنا، متعین طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے تعیین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا:

بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنادیئے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد ان پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط رہا جو ان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بری بری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ﴾ (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جو ان کی بربادی ہوئی اور پھر نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر فاروق اعظم حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جو ان کی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد بھی دنیا میں مقہور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے۔ پچاس سال پہلے نازیوں نے جو ان کا قتل عام کیا تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔ دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہو جائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم ص ۴۰۵ ج ۲)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اس کے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لیے تکوینی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے کو چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقے میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کی جھوٹی حکومت جو نصاریٰ کے بل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کرلیں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کردے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم ص ۳۹۶ ج ۲)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ

Marfat.com

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

اور ہم نے زمین میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں۔ ان میں نیک لوگ تھے اور ان میں دوسری طرح کے بھی تھے۔ اور ہم نے ان کو خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ذریعہ آزمایا تاکہ باز آجائیں، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جو کتاب کے وارث بنے جو اس گھٹیا چیز کے سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اسی جیسا اور سامان آجائے تو اسے لے لیتے ہیں، کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کسی بات کی نسبت نہ کرو۔ اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے، اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا، اور جب ہم نے ان پر اکھاڑ دیا پہاڑ گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، جو ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حُبِ دنیا کا حال

ان آیات میں اول تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرما دیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ ان کی جمعیت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعیت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا ﴿مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) ﴿وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی برے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شر پسند کفر پر جمے رہے اور اپنی اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ ﴿وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (اور ہم نے ان کی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی، تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بدحالی کے ذریعے سے بھی، سمجھدار لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں اور آزمائش میں کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں فیل ہوئے۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ (الآیۃ) پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ناخلف تھے۔ ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اللہ کی کتاب کے وارث تو بن گئے لیکن جو لوگ ان سے پہلے تھے ان سے کتاب تو پڑھ لی لیکن اس کتاب کو انہوں نے حقیر دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا اور وہ بھی اس طرح سے کہ اللہ کی کتاب میں اُدل بدل کرتے تھے اور سوال کرنے والے کو مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے۔ اس طرح سے اس سے کچھ مال مل جاتا تھا۔ جب دل میں کچھ احساس ہوتا اور اس بات کی ٹیس ہوتی کہ حرام طریقہ پر دنیا حاصل کر لی تو یوں کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتے تھے کہ ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ (اللہ ہماری مغفرت فرما دے گا) اور چونکہ یہ واقعی اور اصلی توبہ نہیں ہوتی تھی اس لیے اپنی حرکت سے باز نہیں آتے تھے۔

سَيُغْفَرُ لَنَا بھی کہہ دیا جس میں گناہ کا اقرار رہے اور اس کے بعد پھر اس جیسا مال آگیا تو اسے بھی لے لیا۔ جن لوگوں کا نافرمانی کا

Marfat.com

مزاج ہوتا ہے وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتا گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں کہتے رہتے ہیں کہ اللہ معاف فرمانے والا ہے۔

جاہل کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر
سو بوتلیں چڑھا کر بھی ہوشیار ہی رہا

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے افراد کثیر تعداد میں ہیں جو برابر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔خاص کر وہ لوگ جنہیں حرام کھانے کی عادت ہے۔کبھی ذرا سا گناہ کا خیال آتا ہے تو بخشش کا سہارا لے کر برابر گناہ میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔اہل ایمان تو اللہ کے حضور میں سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔اگر توبہ کے بعد پھر گناہ ہو جائے تو پھر سچی توبہ کر لیتے ہیں۔توبہ کا جزو اعظم یہ ہے کہ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد ہو۔جب یہ نہیں تو توبہ بھی نہیں،مومن کا طریقہ یہ ہے کہ ڈرتا بھی رہے اور امید بھی رکھے۔خالی امید ہو،خوف وخشیت نہ ہو۔گناہوں کی بہتات ہو،یہ طریقہ صحیح نہیں۔اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اس بات سے ڈر رہا ہے کہ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور فاجر آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور اس نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے دفع کر دیا۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۶)

﴿اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ﴾ (الآیۃ) کیا ان سے توریت شریف میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب نہ کریں گے جو حق نہ ہو؟ انہیں اس عہد کا علم بھی ہے اور توریت شریف کو پڑھتے بھی رہے ہیں۔جانتے بوجھتے اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور حقیر دنیا لینے کے لیے اپنی طرف سے مسئلہ بنا کر یوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

﴿ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ (پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں) ﴿وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ (اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو عقائد باطلہ اور اعمال قبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں) پتہ انہیں اس بات کا بھی ہے لیکن نا سمجھوں والے کام کرتے ہیں۔ایمان قبول نہیں کرتے اور گناہوں کو نہیں چھوڑتے۔

مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا:

پھر فرمایا ﴿وَ الَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ﴾ (اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)۔

اس آیت میں عام قانون بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے گا یعنی اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔البتہ طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے جس میں اجرھم کے بجائے ﴿اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ﴾ فرمایا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ کا مضبوطی سے پکڑنا جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ایمان کی بھی اصلاح ہو یعنی ایمان خالص ہو نفاق سے بری ہو اور وہ ایمان ہو جو اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے۔اگر بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو تو وہ ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص مصلح بھی نہیں لہٰذا مستحق اجر بھی نہیں،کتاب کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ نماز قائم کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔معلوم ہوا کہ تمسک بالکتاب کے ساتھ بالخصوص نماز کو قائم کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔نماز کو شرائط اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے پابندی سے پڑھیں۔اگر نماز کی اصلاح ہو گئی تو زندگی کے دوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾

بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے

اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اسے قبول کرو اور اس پر عمل کرو،یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو احکام بھاری ہیں ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں،اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

کوہِ طور کو اس کی جگہ سے اٹھا کر ان لوگوں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو انہوں نے پہاڑ کو دیکھا کہ سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق ہے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ہم پر گرنے والا ہے یہ منظر دیکھ کر اس بات کا عہد کر لیا کہ ہم توریت کے احکام کی پابندی کریں گے لیکن بعد میں پھر روگردانی کی اور اپنے عہد سے منحرف ہو گئے۔ سورہ بقرہ (رکوع ۸) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہاں واقعہ ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ (پھر تم نے اس کے بعد روگردانی کی) یعنی اس وقت جو پہاڑ گرنے کے ڈر سے عہد کر لیا تھا اس سے پھر گئے اور پھر وہی حرکتیں کرنے لگے جو نافرمانوں اور گناہ گاروں کی ہوتی ہیں نیز یہ واقعہ سورہ بقرہ کے رکوع گیارہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: ﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا﴾ (جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ لے لو اور سن لو) اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ (ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں)

تینوں جگہ قرآن مجید کے الفاظ کو ملا کر معلوم ہوا کہ انہوں نے پہاڑ گرنے کی وجہ سے اس وقت عمل کرنے کا عہد کر لیا تھا لیکن بعد میں قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ سن تو لیا ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں ہے۔ کوہِ طور کو سائبان کی طرح معلق کر کے عہد لینے اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ہم نے اس کو سورۂ بقرہ رکوع آٹھ (دیکھو انوار البیان جلد اول) میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے رفع کر دیا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں، ہم نے اقرار کر لیا، کبھی تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ بے شک ہم اس سے غافل تھے یا یوں کہو کہ پہلے سے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد میں آنے والی اولاد تھے کیا آپ ہم کو باطل عمل والوں کے فعل کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں۔

عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا تذکرہ

احادیث شریفہ میں اس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان میں (جو عرفات کے قریب ہے) حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا جو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی صورتوں میں تھے۔ اور پشت در پشت ان کی نسل سے جو بھی مخلوق پیدا ہونے والی تھی سب کو پیدا فرمایا اور ان کی وہی صورتیں بنا دیں جو بعد میں عالم ظہور میں پیدا ہونے والی تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی قوت دی اس کے بعد ان سے عہد لیا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ بنایا۔ ان سے فرمایا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) ان سب نے کہا "بَلٰى" ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے یہ عہد اس لیے لیا گیا کہ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں تھے ان کے تابع ہو کر ہم نے بھی ان کے اعمال اختیار کر لیے۔ سو کیا ان گمراہوں کے فعل پر آپ ہمیں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے تمام بنی آدم سے اس بات کا اقرار لے لیا کہ واقعی اللہ ہی ہمارا رب ہے انہوں نے اقرار کر لیا اور اپنی جانوں پر گواہ بن گئے اس لیے قیامت کے

Marfat.com

دن کسی کے لیے کوئی عذر نہیں رہا اور اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ کوئی شخص توحید سے منہ موڑ کر اور شرک کے اعمال اختیار کر کے یوں کہنے لگے کہ مجھے تو کوئی پتہ نہ تھا، مسند احمد میں ہے کہ جب سب نے "بلٰی" کہہ کر اقرار کر لیا تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ بناتا ہوں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم یوں کہنے لگو کہ ہمیں اس کا پتہ نہ تھا تم جان لو کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تمہارے اوپر کتابیں نازل کروں گا۔ اس پر سب نے کہا بے شک ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں اس موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی عہد لیا گیا (جو سورہ احزاب کی آیت ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ﴾ میں مذکور ہے)۔

مذکورہ بالا حدیث مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ ج ۱ میں مسند احمد سے نقل کی ہے اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ جو عہد کیا تھا وہ ہمیں یاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عہد لیا تھا اس وقت فرما دیا تھا کہ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔

جب سے انسان دنیا میں آیا ہے سلسلۂ نبوت بھی اس وقت سے جاری ہے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر بھی تھے۔ ان کے بعد دیگرے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے جب ایک نبی جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا تھا۔

سورۂ فاطر میں فرمایا ﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ﴾ (اور کوئی جماعت ایسی نہیں جن میں کوئی نذیر نہ گزرا ہو)

آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی آپ کی بعثت سارے انسانوں کے لیے سارے زمانوں کے لیے اور سارے جہانوں کے لیے ہے۔

آپ کی دعوت ہر شخص کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کے دین کی خدمت کرنے والے علماء مبلغ اور داعی سارے عالم میں تحریر و تقریر اور دیگر ذرائع سے توحید کی دعوت دے چکے ہیں اور دیتے رہتے ہیں اور عہد اَلَسْتُ کی تذکیر پوری طرح ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص دور دراز پہاڑوں کے غاروں میں رہتا ہو اور اسے دعوت نہ پہنچی ہو تب بھی عقل و فہم خالق و مالک نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کو ﴿وحدہٗ لا شریك﴾ مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

عقل و فہم بھی ہے اور ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے جواب میں بَلٰی بھی کہا تھا اس واقعہ کی کیفیت یاد ہو یا نہ ہو اس کا اثر یہ ضرور ہے کہ ہر انسان یہ ضرور سمجھتا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے مجھے اس کی عبادت ضرور کرنی چاہئے اسی وجہ سے فطری طور پر انسان عبادت کے لیے کسی ایسی ذات کو تلاش کرتا ہے جس کی وہ عبادت کرے۔ شیطان کے ورغلانے سے بہت سے لوگوں نے شرک اختیار کر لیا اور اصحاب توحید جب انہیں ملامت کرتے ہیں اور شرک کی قباحت ظاہر کرتے ہیں تو وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ہے، یہ جواب وہ اس لیے دیتے ہیں کہ وہ خود بھی شرک کو برا سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اپنے خالق کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنے کو برا جاننا یہ اسی عہد اَلَسْتُ کا نتیجہ ہے۔ جس کا آیت کریمہ میں اور احادیث شریفہ میں ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت (اسلامیہ) پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے تم چوپائے کو دیکھتے ہو کہ اس کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی عضو کٹا ہوا پاتے ہو (نہیں اس کا کوئی عضو ناقص نہیں ہوتا۔ لیکن جب لوگوں کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ اس کا کان یا اور کوئی عضو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح فطرت اسلامیہ پر پیدا ہونے والے بچہ کو اس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔

Marfat.com

اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ﴾ تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱ از بخاری و مسلم ۱۲) ﴿وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ (اور ہم اسی طرح اپنی آیات واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں)۔

فائدہ: انسانوں کو ترتیب وار ان کے باپوں کی پشتوں سے نکال کر چیونٹیوں کے جثہ میں جو ظاہر فرمایا تھا، آج کل جدید آلات اور ایٹمی توانائی کے ذریعہ جو چیزیں ذرات کی صورت میں بن رہی ہیں اور کمپیوٹر میں بڑی ہو کر سامنے آ رہی ہیں۔ انہوں نے بتا دیا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک چھوٹے نقطہ کی شکل دی جا سکتی ہے اور اس میں اس کے سب اعضاء موجود ہو سکتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ ان سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کو بلند کر دیتے لیکن وہ بالکل ہی زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا سو اس کی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے۔ اگر تو اس پر بوجھ لا دے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجیے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباع ھویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ بیٹھا

جس شخص کا ان آیات میں ذکر ہے یہ کون شخص تھا اس کے بارے میں تفسیر درمنثور (ص ۱۴۵ ج ۳) میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی ہیں اور ان کے علاوہ تابعین میں سے سعید بن مسیب اور مجاہد اور قتادہ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ حضرت قتادہ نے تو یہ فرمایا کہ جس شخص پر ہدایت پیش کی جائے اور وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دے اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ ایک واقعہ بھی ہے۔ واقعہ بیان فرما کر عبرت حاصل کرنے کے لیے ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کا واقعی قصہ ہے محض مثال ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس شخص کا اس آیت کریمہ میں واقعہ بیان فرمایا ہے اس کا نام بلعم بن باعوراء ہے۔ یہ شخص جبارین یعنی عمالقہ میں سے تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور ان کے شہروں میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو بلعم کے چچا کے بیٹے اور قوم کے دوسرے افراد اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ موسیٰ قوت و شوکت والے آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں وہ لشکروں کے ذریعہ ہم پر غلبہ پانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کر کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ہم سے دفع کر دے بلعم نے جواب دیا کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر میں اللہ سے یہ دعاء کروں کہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تم سے ہٹا دے تو میری دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں گی۔ لیکن وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے۔ لہٰذا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لیے بددعا

Marfat.com

کر دی اور اس طرح اللہ کی آیات سے نکل گیا۔ آیات الٰہیہ کے جاننے پر جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو پس پشت ڈال دیا اور ان آیات سے بے تعلق ہو گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا جس کی وجہ سے وہ بالکل ہی گمراہ ہو گیا اور بعض روایات میں یہ ہے کہ جب بلعم نے بددعاء کرنے سے انکار کر دیا اور لوگ برابر اصرار کرتے ہی رہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بددعا کرنی شروع کی لیکن زبان سے اپنی قوم کے لیے بددعا نکل رہی تھی۔ اس کی قوم نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا میں کیا کروں میری زبان سے تمہارے ہی لیے بددعا نکلتی ہے اور اگر میں موسیٰ اور اس کی قوم کے لیے بددعاء کروں تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ بلعم اپنی قوم سے ہدیہ کے عنوان سے رشوت لے چکا تھا۔ اب اس نے اپنی قوم کو یہ رائے دی کہ تم اپنی عورتوں کو سنگھار کے ساتھ بنی اسرائیل میں بھیج دو۔ وہ لوگ ان سے زنا کریں گے تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہو گئے۔ لہٰذا اللہ نے ان پر طاعون بھیج دیا، جس میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔
(تفسیر در منثور ص ۱۴۷ ج ۳)

اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں تو بنی اسرائیل نے عمالقہ پر حملہ کرنے اور ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ہی نہیں کیا پھر یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ عمالقہ پر حملہ کرنے کا واقعہ تو حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یوں بھی ہے کہ بلعم اہل یمن سے تھا۔ اللہ نے اس کو اپنی آیات عطا فرمائیں اور اس نے ان کو چھوڑ دیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا، بہرحال یہ سب باتیں اسرائیلیات ہیں کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ایک قول یہ بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اُمیہ بن ابی الصلت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يٰسٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ پڑھ کر سنایا تو اس کا ارادہ ہوا کہ اسلام قبول کرے۔ لیکن جب اسے بدر کے واقعات کی خبر ملی تو اسلام کا ارادہ چھوڑ دیا اور طائف میں جا کر مر گیا۔

یہ روایت در منثور (ص ۱۴۶ ج ۳) میں نسائی، ابن جریر، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کی ہے نیز صاحب در منثور نے مجاہد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بلعم کو نبوت عطا کی گئی تھی اس نے اپنی قوم سے رشوت لے لی اور ان لوگوں نے یہ شرط کر کے رشوت دی کہ وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خاموش رہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

یہ بات تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام سے اس قسم کے امور کا صادر ہونا شرعی اصول کے مطابق ناممکن ہے۔ بہرحال صاحب قصہ جو بھی ہو۔ اس کی تعیین پر آیت کی تفسیر موقوف نہیں ہے، جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ ناکام ہوا، اس نے دنیاوی زندگی ہی کو ترجیح دی اور اللہ کی آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گیا لہٰذا گمراہ ہوا اسی کو فرمایا: ﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ جب بلعم بن باعوراء نے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے بددعاء کر دی تو اس کی زبان باہر نکل کر سینے پر آگئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کتے کا حال ہے کتے پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان کو نکال کر ہلاتا ہے اور اس کو چھوڑے رہو یعنی حملہ نہ کرو جب بھی وہ اپنی زبان کو ہلاتا رہتا ہے۔ بلعم کا بھی ایسا ہی حال ہو گیا۔ زبان نکلنے کی وجہ سے کتے کی طرح زبان ہلاتا رہتا تھا اور بعض مفسرین نے بلعم کی زبان باہر نکلنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں اُسے کتے کی ذلت سے تشبیہ دی ہے۔ کتے کو جھڑکو، مارو، بھگاؤ۔ تب بھی زبان نکالے ہوئے ہلاتا رہتا ہے اور اگر اسے کچھ نہ کہو تب بھی اس کی زبان باہر ہے اور ہل رہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خواہش کا اتباع اور طلب دنیا کی وجہ سے شخص مذکور جس کا آیت میں ذکر ہے کتے کی طرف ہو گیا کہ ہر حال میں ذلیل ہی ذلیل ہے خست اور ذلت میں کتے کی مثال دی گئی ہے۔

Marfat.com

آیت شریفہ میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات عطا فرمائے اور انہیں چھوڑ کر دنیا کا طلب گار ہو جائے اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور کفر کو اختیار کرے اسی لیے فرمایا ﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر فرمایا۔

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (کہ قصہ بیان کیجیے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں)۔

مذکورہ واقعات میں عبرت اور موعظت تو سب ہی کے لیے ہے لیکن خاص کر یہودیوں کے لیے اس اعتبار سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقعہ زیادہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کے پرانے واقعات معلوم تھے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو یہ واقعات کسی انسان نے نہیں بتائے تھے، وہ واقعات آپ نے بتا دیئے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعے بتائے گئے ہیں۔ یہودیوں کو یہ بات سوچنا چاہئے اگر واقعی سوچیں اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو ان کا ضمیر انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

جسے اللہ ہدایت دے، سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے، اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم کے لیے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں، ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں۔

انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں

اس سے پہلی آیات میں ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جسے اللہ نے اپنی آیات دی تھیں اس نے عالم ہوتے ہوئے دنیا کی محبت میں ان آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گیا، اس آیت میں عمومی طور پر ہدایت اور گمراہی کے بارے میں حقیقت واضح فرما دی (دیگر آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے ہدایت اور گمراہی اور ہر خیر و شر کا خالق وہی ہے۔ اس نے بندوں کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہدایت اور ضلالت دونوں کے راستے واضح فرما دیئے ہیں اور اپنے بندوں کو اختیار بھی دیا وہ اپنے اس اختیار کو خیر میں بھی لگا سکتے ہیں اور شر میں بھی، جو اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہیں اور گمراہی کے راستے پر چل دیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں عذاب شدید ہے، جو لوگ اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں ان کو جتنا بھی سمجھایا جائے بات سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اس لیے ہدایت کی بات سمجھتے ہی نہیں اور جو ہدایت کی باتیں کان میں پڑتی ہیں ان کو سننے کے طریقے پر نہیں سنتے، اگر ہدایت اور رشد و حق کی کوئی بات کان میں پڑ جائے تو ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور ہدایت قبول کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے، سننے کی قوت تو برباد کر ہی دی دیکھنے کی قوت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب دلائل تکوینیہ سامنے آتے ہیں اور معجزات کو نظروں سے دیکھتے ہیں تو قصداً اور ارادۃً اندھے بن جاتے ہیں اور ہدایت سے دور بھاگتے ہیں۔ گو خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بندے اپنے اختیار سے خیر و شر اور ہدایت و ضلالت والے بنتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بصیرت و بصارت اور فہم و ادراک سے کام نہیں لیتے، ہدایت سامنے ہوتے ہوئے قبول نہیں کرتے اسی لیے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ گمراہی میں چوپایوں سے بھی بڑھ کر ہیں، جانور اپنی ضرورت کو تو سمجھتا ہے کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لیے آوازیں نکالتا ہے اور اپنی حاجت پوری کر لیتا

Marfat.com

ہے۔ جانوروں کی حاجت اتنی ہی سی ہے۔ ان کے لیے جنت اور دوزخ نہیں ہے اگر جانوروں نے جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کی فکر کی تو ان سے کوئی ملامت نہیں، لیکن انسانوں اور جنات جن کے سامنے اصلی اور واقعی ضرورت درپیش ہے۔ یعنی انہیں دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے اور جنت کی دائمی نعمتوں میں رہنے کی حاجت ہے اپنی اس ضرورت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پیدا کرنے والے نے نبی بھیجے کتابیں نازل فرمائیں، جنات اور انسانوں کو ان کی واقعی اور اصلی ضرورت بتائی، اور یہ بھی بتایا کہ تمہاری حاجت روائی اور کامیابی ایمان میں اور اعمال صالحہ میں ہے اور بربادی اور ناکامی کفر اور معصیت میں ہے۔ اس سب کو جانتے ہوئے بھی دھیان نہ دینا اور کفر پر جمے رہنا بہت بڑی گمراہی ہے ایسے لوگ گمراہی میں جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ آخر میں فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (یہ لوگ غفلت والے ہی ہیں) آخرت سے بھی غافل ہیں اور آخرت کی ضرورتوں سے بھی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لیے اچھے نام ہیں سو تم اسے ان ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنٰی ہیں ان کے ذریعہ اس کو پکارو

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں (ص ۳۲۵ ج ۷) آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نماز میں یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ کہہ رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نے سن لیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ شخص ایسے الفاظ کہہ رہا ہے جن سے دو رب کا پکارنا سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اسے پکارو، پکارو لفظ فَادْعُوْهُ کا ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ کو ان ناموں سے موسوم کرو۔ دونوں طرح ترجمہ کرنا درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنٰی ہیں۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل کے ختم پر اور سورۂ حشر کے ختم پر بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمائے حسنٰی کے ذریعہ پکارنا۔ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان اسماء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنا یہ سب ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ کے عموم میں آجاتا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۳۴۹ ج ۲) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لِلّٰهِ تسعة و تسعون اِسمًا مائة اِلَّا وَاحدًا لا يحفظها احدٌ اِلَّا دَخَلَ الجَنَّةَ (یعنی اللہ کے ایک کم سو یعنی ننانوے نام ہیں، جو شخص انہیں یاد کرے گا ضرور جنت میں داخل ہوگا) اور صحیح مسلم (ص ۳۴۲ ج ۲) میں ہے۔ مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (یعنی جس نے ان ناموں کو شمار کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ من احصاها، من حفظها کے معنی میں ہے۔ سنن ترمذی میں ننانوے نام مذکورہ ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہیں لیکن ان میں بعض اسماء وہ ہیں جو ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی بعض اسماء مذکور ہیں، جو ترمذی کی روایت کے علاوہ ہے۔ اسی لیے حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ اللہ کے صرف ننانوے نام ہیں بلکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کوئی سے بھی ننانوے اسمائے حسنٰی کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ فی فتح الباری فالمراد الاخبار ان دخول الجنة باحصاء ها لا الاخبار بحصر الاسماء۔ (حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جنت کا داخلہ اسمائے مبارکہ کے یاد کرنے پر ہے یہ مطلب نہیں کہ صرف شمار کر لینے سے جنت میں داخلہ کی فضیلت ہے) حضرات محدثین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسمائے حسنٰی جو کتب حدیث میں یکجا ہیں خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں یا بعض رواۃ

Marfat.com

حدیث نے حدیث کے ساتھ ملا کر روایت کر دیے ہیں اگر ایسا ہے تو ان اسماء عالیہ کا ذکر حدیث میں مدرج ہوگا لیکن چونکہ ان اسماء میں اکثر ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں بالتصریح موجود ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آیات اور احادیث کے مضامین سے مستفاد ہوتے ہیں اس لیے ان کو یاد کرنا اور دعاء سے پہلے حمد و ثناء کے طور پر ان کو پڑھ لینا قبولیت دعاء کا وسیلہ ضرور ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْماً مِّائۃ غیر وَاحِدۃ اِنَّہٗ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ وَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَّدْعُوْبِھَا اِلَّا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ اس میں بھی یدعوبھا کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان سماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے یعنی ان اسماء کو پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے۔

علامہ جزری رحمہ اللہ نے الحصن الحصین میں اس طرح کی احادیث نقل کی ہیں جن سے اسماء الٰہیہ کا ذکر کرنے کے بعد دعاء کی جائے تو دعا قبول ہونے کا وعدہ ہے بحوالہ سنن ترمذی علامہ جزری نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام کہتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا کہ تیری دعاء قبول ہوگی تو سوال کر لے، پھر بحوالہ مستدرک حاکم نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص پر گزر ہوا جو یا ارحم الراحمین پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ سوال کر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تیری طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور ایک شخص یہ پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہ الفاظ سن کر فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعاء کی ہے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جاتی ہے تو قبول فرما لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹ از ترمذی)

درمنثور ص ۱۴۹ ج ۳ میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے لگیں تو انہوں نے یوں کہا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِجَمِیْعِ اَسْمَآئِکَ الْحُسْنٰی کُلِّھَا مَاعَلِمْنَا مِنْھَا وَ مَا لَمْ نَعْلَمْ وَ اَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ الْکَبِیْرِ الْاَکْبَرِ الَّذِیْ مَنْ دَعَاکَ بِہٖ اَجَبْتَہٗ وَ مَنْ سَأَلَکَ بِہٖ اَعْطَیْتَہٗ ﴾ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا دوبارا ایسا ہی فرمایا۔ یہ علامہ قرطبی نے فادعوہ بھا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ای اطلبوا منہ باسمائہ فیطلب بکل اسم مایلیق بہ تقول یا رحیم ارحمنی یا حکیم احکم بی یا رازق ارزقنی یا ھادی اھدنی یا فتاح افتح لی یا تواب تب علی ھکذا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے ناموں کے وسیلہ سے مانگو اور ہر نام کے مطابق طلب کیا جائے مثلاً کہو اے رحیم مجھ پر رحم فرما، اے حکیم میرے لیے حکمت کا فیصلہ فرما، اے رازق مجھے رزق دے، اے ہادی مجھے ہدایت دے، اے فتاح میرے لیے فتوحات کے دروازے کھول، اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما)۔

اسمائے حسنٰی کے ذریعہ اللہ کو یاد کرنے اور اللہ سے مانگنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ان کاموں کا بدلہ پالیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)۔

اسمائے الٰہیہ میں کج روی اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشتق کر کے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے تھے مثلاً لفظ اللہ سے اللات نکالا اور لفظ العزیز سے العزیٰ نکالا اور المنان سے منات نکالا اور ان ناموں سے اپنے بتوں کو موسوم کر دیا۔ اور درمنثور میں حضرت اعمش سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ یدخلون فیھا مالیس منھا یعنی اللہ کے ناموں میں ان ناموں کا اضافہ کر دیتے ہیں جو اس کے نام نہیں ہیں علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ قرآن و حدیث میں جو اسماء وارد ہوئے ہیں ان کے سوا دوسرے ناموں سے اللہ کو موصوف نہ کیا جائے، بہت سے لوگ اللہ کے نام مخلوق کے لیے استعمال کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے لفظ عبد کو چھوڑ کر مسمّٰی کا نام لیتے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن کو رحمٰن صاحب اور عبدالغفار کو غفار صاحب اور عبدالغفور کو غفور صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔

Marfat.com

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو اس طرح ڈھیل دیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب آ پہنچی ہو سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ انہیں گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ہے ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لیے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے اور یہاں بالتصریح یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ایک تکوینی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بداعمالی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ڈھیل اس کے لیے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو برا فائدہ ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لیے ایک تدبیر ہے۔ اسی کو فرمایا: ﴿وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ (اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر مضبوط ہے)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۂ انعام کی آیت) ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (آخر تک) تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳) لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جو اوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے) نافرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے،

Marfat.com

چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے اور درجہ بدرجہ معصیتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس کو استدراج سے تعبیر فرمایا، اس کے بعد فرمایا ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ﴾ کہ دعوت توحید دینے والا شخص جو ان کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس کی محنت کا دنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور الٹا لوگوں کا معتوب بھی رہتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ ایسی محنت کرے، وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب درست ہیں، اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے، بعض لوگ ضد میں آ کر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہوسکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لیے آپ کے بارے میں صاحبھم (ان کا ساتھی) فرمایا۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (بس وہ تو واضح طور پر ڈرانے والا ہے) حق کی دعوت دیتا ہے اور آخرت کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یہ باتیں مشرکوں کو ناگوار ہیں حق کو مانتے نہیں اور داعی حق کو دیوانہ کہتے ہیں یہ ان کی اپنی دیوانگی ہے۔ داعی حق دیوانہ نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا) ﴿وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ (اور آسمان و زمین کے علاوہ دوسری چیزیں جو پیدا فرمائی ہیں ان میں غور نہیں کیا) ﴿وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ﴾ اور کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو) اگر زمین کے بارے میں غور کرتے اور اللہ کی بادشاہت کے مظاہرے دیکھتے اور دوسری مصنوعات و مخلوقات میں تدبر و تفکر کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان چیزوں کا خالق و مالک وحدہٗ لاشریک ہے حکیم ہے اور مدبر اور اگر یہ غور کرتے کہ ممکن ہے ہماری موت کا وقت قریب ہو تو موت کے بعد کے حالات کے لیے فکر مند ہوتے اور مابعد الموت کی زندگی کے لیے عمل کرتے لیکن بے فکری نے انہیں توحید کے ماننے سے غافل رکھا نہ اقراری ہوئے اور نہ اس کے لیے فکر مند ہوئے۔ آخر میں فرمایا: ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾

ان کو قرآن صاف صاف باتیں بتاتا ہے حق کا اعلان کرتا ہے اس کی دعوت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اس کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے ان سب کے باوجود جو لوگ اسے نہیں مانتے آگے انہیں کیا انتظار ہے۔ اب اس کے بعد کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اگر ماننا چاہتے تو ہٹ دھرمی نہ کرتے اور اب تک مان گئے ہوتے، چونکہ ماننے کا ارادہ نہیں ہے اس لیے برابر حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ (جسے اللہ گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) ﴿وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ اور اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنے گمراہی میں بھٹک رہے ہیں) گمراہی میں پڑے ہیں اگر اسی پر مریں گے تو دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اس کے وقت پر وہی ظاہر فرمائے گا، وہ آسمانوں میں اور زمین میں بھاری پڑ جائے گی۔ تمہارے پاس اچانک ہی آ جائے گی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی

Marfat.com

کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آ جائے گی

چونکہ نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت کے ساتھ قیامت کے بارے میں بھی خبر دیتے تھے اور اس کے احوال واہوال بتاتے تھے اس لیے مشرکین قیامت کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے وہ کہتے تھے کہ جب گل سڑ کر ہماری ہڈیوں کا چورا چورا ہو جائے گا تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے؟ اور اس کی تکذیب کے لیے یوں بھی کہتے تھے: ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (کہ قیامت آنے کا جو وعدہ ہے کب پورا ہوگا) اس کا مطلب وقت کا پوچھنا نہ تھا بلکہ وقوع کا انکار کرنا تھا۔ امتدادِ اجل سے عدم وقوع اور عدم امکان پر استدلال کرتے تھے یہ ان کی حماقت تھی کسی چیز کا دیر میں آنا عدم امکان اور عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ بتایئے قیامت کب واقع ہوگی؟ اور اس طرح سوال کرتے تھے کہ جیسے آپ کو اس کے بارے میں پورا علم ہے ان کے جواب میں فرمایا ﴿اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے)۔

﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم صرف اپنے ہی لیے رکھا ہے کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں دیا۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوال کیے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے جس نے سوال کیا)۔ (رواہ البخاری ومسلم) یعنی اس بارے میں، میں اور تم برابر ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سوال کرنے والوں کے سوال کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ اگر آپ واقعی رسول ہیں تو متعین طور پر آپ بتا دیں کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ ان کے خیال میں نبوت کے لوازم میں سے یہ بات بھی تھی کہ رسول کو قیامت کا علم ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتا دیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے رسول کا نہ جاننا منصب رسالت کے خلاف نہیں ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ وَبَعْضُهُمْ يَزْعَمُ اَنَّ الْعِلْمَ بِذٰلِكَ مِنْ مُقْتَضَيَاتِ الرِّسَالَةِ فَيَتَّخِذُ السُّؤَالَ ذَرِيْعَةً اِلَى الْقَدْحِ فِيْهَا (اور بعض کا گمان یہ تھا کہ قیامت کا علم ہونا رسالت کے لوازمات میں سے ہے اس لیے وہ قیام قیامت کے متعلق سوال کر کے رسالت کی صداقت جانچنا چاہتے تھے)۔ (ص ۱۲۴ ج ۹)

یہ جو فرمایا کہ قیامت اچانک آ جائے گی اس کی تفصیل حدیث شریف میں اس طرح وارد ہوئی ہے کہ قیامت اس حال میں آ جائے گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان میں کپڑا کھول رکھا ہوگا اور ابھی خرید و فروخت کرنے نہ پائیں گے اور کپڑا لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آ جائے گی کہ کوئی شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا اور وہ ابھی پینے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آ جائے گی اور کوئی شخص اپنا حوض لیپ رہا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اس میں (اپنے جانوروں کو پانی بھی) نہ پلانے پائے گا اور کسی شخص نے اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھا رکھا ہوگا وہ اسے کھانے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آ جائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان رکھتے ہیں۔

Marfat.com

آپ فرما دیجیے کہ میں اپنے لیے کسی نفع وضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں

اس آیت میں اول تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں اپنے لیے ذرا بھی کسی نفع یا کسی ضرر کا مالک نہیں ہوں اللہ کی مشیت اور اس کی قضاء وقدر کے موافق ہی مجھے نفع وضرر پہنچتا ہے۔ مجھے اپنے نفع اور ضرر کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ اعلان کرادیا تاکہ لوگ آپ کو اللہ کا بندہ سمجھیں اور یہ بھی یقین کریں کہ آپ کو جو نفع ونقصان پہنچتا ہے وہ صرف اللہ کی مشیت سے پہنچتا ہے نفع اور نقصان کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔

بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو علم وفہم اور تدبیر، محنت اور کوشش کا اختیار دیا ہے جس کے ذریعہ کچھ فائدہ ہوجاتا ہے یا کسی ضرر سے بچ جاتے ہیں اس طرح کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا ان تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے اور اعضاء وجوارح کو حرکت دینے سے جو کچھ نفع حاصل ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ سب اللہ کی مشیئت کے تابع ہے خود مختار نہیں ہے لفظ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ استثناء متصل ہو۔ قال فی الروح ای الا وَقْتَ مَشِیَّتِهٖ سُبْحَانَهٗ بِاَنْ یُّمَکِّنَنِیْ مِنْ ذٰلِكَ فَاِنَّنِیْ حِیْنَئِذٍ اَمْلِکُهٗ بِمَشِیْئَتِهٖ۔

اور اگر استثناء منقطع لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بس وہی ہوگا میرا اختیار کچھ بھی نہیں۔ (راجع روح المعانی ص۱۲۶ ج۹)

﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ﴾ (یعنی آپ یہ بھی فرمادیں کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کرلیتا اور مجھے ناگوار چیز پیش نہ آتی) نفع یا ضرر پہنچنے سے پہلے ہی اگر علم ہوجائے کہ ان میں سے کوئی امر پیش آنے والا ہے تو پہلے ہی سے ایسی صورتیں اختیار کرلی جائیں کہ نفع زیادہ سے زیادہ ہو اور کثرت منافع کے موانع میں رکاوٹ ڈال دی جائے اور آنے والے ضرر کے دفعیہ کے لیے پوری کوشش کام میں لائی جائے لیکن حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچ جاتی تھیں جس کا پہلے سے علم نہ ہوتا تھا جس کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (یعنی آپ یہ بھی فرمادیجیے کہ میں تو بس ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں)۔

انذار وتبشیر کا کام امر شرعی ہے دنیا میں نفع وضرر پہنچنے سے اس کا تعلق نہیں ہے اور تشریعی اوامر ونواہی اور تبلیغی احکام کا تعلق منصب نبوت سے ہے، جو شخص نبی اور رسول ہو اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے یہ کوئی شرعی یا تکوینی قانون نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرنے والوں کی تردید

آیات بالا میں واضح طور پر تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا اور قیامت کا علم بھی نہ تھا کہ کب آئے گی اور سورۂ انعام میں بھی اس کی تصریح گزر چکی ہے وہاں فرمایا ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ (آپ فرمادیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) اس میں شک نہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے تھے اور آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ تمام غیبوں کو جانتے تھے اور قیامت کب آئے گی اس کا بھی آپ کو علم تھا یہ دعویٰ باطل ہے اور قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الموضوعات الکبیر میں حافظ جلال الدین سیوطی سے نقل کرتے ہیں۔

و قد جاهر بالكذب بعض من يدعى فى زماننا العلم و هو متشبع بما لم يعط ان رسول الله ﷺ كان يعلم متٰى تقوم الساعة قيل له فقد قال فى حديث جبرئيل ما المسئول عنها باعلم من السائل فحرفه عن موضعه و قال معناه انا و انت تعلمها و هذا من اعظم الجهل و اقبح التحريف (الى ان قال) ثم قوله، في الحديث ما المسئول عنها باعلم من السائل

Marfat.com

یعلم کل سائل و مسئول عن الساعة هذا شانهما و لکن هٰولاء الغلاة عنهم ان علم رسول الله منطبق علی علم الله سواء بسواء فکل ما یعلمه الله یعلم رسوله و الله تعالیٰ یقول: و ممن حولکم من الاعراب منافقون و من اهل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم و هذا فی براءة و هی من اواخر ما نزل من القرآن هذا و المنافقون جیرانه فی المدینه انتهی بحذف۔

ترجمہ: ہمارے زمانہ میں بعض ایسے لوگ جو عالم نہیں ہیں علم کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں انہوں نے برملا یہ جھوٹی بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا وقت معلوم تھا ان سے کہا گیا کہ حدیث میں تو یوں ہے۔ ''ما المسئول عنها باعلم من السائل''۔ تو اس شخص نے اس کا معنی پلٹ دیا اور یہ مطلب بتا دیا کہ میں اور تو دونوں قیامت کے وقت کو جانتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جہل ہے اور بدترین تحریف ہے حدیث ما المسئول عنها باعلم من السائل ہر سائل اور ہر مسئول کو شامل ہے قیامت کے بارے میں جو بھی کوئی سائل ہو گا یا جس سے سوال کیا جائے سب کے بارے میں یہی بات ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا وقت نہیں جانتے لیکن یہ غلو کرنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم پوری طرح اللہ تعالیٰ کے علم پر منطبق ہے ان کے نزدیک ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا رسول بھی جانتا ہے ان لوگوں کی اس بات کی تردید سورۂ برأت کی آیت سے واضح طور پر ہو رہی ہے اور سورۂ برأت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں وہ آیت یہ ہے۔ ﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ یعنی تمہارے گرداگرد دیہاتیوں میں سے منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں سے وہ لوگ ہیں جو نفاق میں خوب زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پڑوسی تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ آیت کی اس واضح تصریح کے بعد پھر بھی یوں کہنا کہ رسول کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے سراسر قرآن مجید کا انکار ہے۔ اسی لیے ملا علی قاری رحمہ اللہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں: و من اعتقد تسوية علم الله و رسوله یکفر اجماعاً کما لا یخفی یعنی جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا علم برابر ہے تو بالاجماع اسے کافر کہا جائے گا۔

آج کل ایک ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے صرف عطائی اور غیر عطائی کا فرق ہے یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الموضوعات الکبیر میں بعض ایسی آیات و احادیث درج کرنے کے بعد جن سے رسول اللہ ﷺ کے علم کلی کی نفی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں:

و لا ریب ان الحامل لهؤلاء علی هذا الغلو اعتقادهم انه یکفر عنهم سیئاتهم و یدخلهم الجنة و کلما غلو کانوا اقرب الیه و اخص به فهم اعصی الناس لامره و اشلهم مخالفة السنته وهولاء فیهم شبه ظاهر من النصاری غلو علی المسیح اعظم الغلو و خالفوا شرعه و دینه اعظم المخالفة و المقصود ان هولاء یصدقون بالاحادیث المکذوبة الصریحة و یحرفون الاحادیث الصریحة و الله ولی دینه فیقیم من یقوم له بحق النصیحة۔

ترجمہ: اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں جو غلو ہے اس کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ غلو ان کے گناہ کو معاف کرا دے گا اور انہیں جنت میں داخل کرا دے گا اور جتنا بھی زیادہ غلو کریں گے آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہونگے اور آپ کے مخصوصین میں شمار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سب لوگوں سے بڑھ کر آپ کی نافرمانی کرنے والے ہیں اور آپ کی سنت کی مخالفت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت ہیں اور ان لوگوں میں نصاریٰ سے مشابہت ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو کیا اور ان کے دین اور شریعت کے بارے میں بہت زیادہ مخالفت کی یہ لوگ صریح جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں اور صحیح احادیث میں تحریف کرتے ہیں۔ اللہ اپنے دین کا ولی ہے وہ ایسے شخص کو مقرر فرماتا ہے جو خیر خواہی کے لیے قائم ہو۔ اھ

Marfat.com

بعض جاہل یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آیات واحادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا ہے لیکن وفات سے تھوڑی دیر پہلے ہر چیز کا علم دے دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہ صرف یہ کہ بے دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے۔ حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں پانی پلانے کے لیے پہلے سے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو پی لے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ ضرور ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ بلاشبہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں نکالی تھیں اس پر میں کہوں گا کہ دور ہوں دور ہوں جنہوں نے میرے بعد ادل بدل کر دیا (اس ادل بدل کرنے میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر قرار دے دیا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸ از بخاری و مسلم)

نیز شفاعت کے بیان میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں سجدہ میں پڑ جاؤں گا اور اپنے رب کی وہ وہ ثناء و تحمید بیان کروں گا جو اللہ مجھے سکھا دے گا جنہیں میں اس وقت نہیں جانتا (ایضاً)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس دنیا میں آپ کے علم میں نہیں لائی گئیں وہ وہاں آخرت میں ظاہر ہوں گی، اہل بدعت پر تعجب ہے کہ وہ عقیدت کے غلو میں آیات واحادیث کو نہیں جانتے اور دعویٰ ان کا یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہے بلکہ اپنے بارے میں یوں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علاوہ کوئی مسلمان ہی نہیں۔ هداهم الله تعالىٰ الى الصراط المستقيم صراط الذين انعم عليهم من النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ اس کے پاس ٹھکانہ پکڑے۔ پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ پھر وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا رب ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لیے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے۔

بیوی قلبی سکون کے لیے ہے

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہٗ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبعی طور پر اُنس و اُلفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے ان کا جوڑا پیدا فرما دیا۔ جس کا نام حواء تھا۔ اس جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ تاکہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔

سورۂ روم میں فرمایا ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرما دی۔ بلاشبہ اس میں فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

Marfat.com

سورہ اعراف میں ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ فرمایا۔ اور سورۂ روم میں ﴿لِيَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پرسکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ یہ ازدواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیوی میں تلخی ہو وہاں سکون کہاں اور یہ سکون وہیں ہوسکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی کو نہ دیکھیں۔ فریقین کی دین داری اور خوش خلقی کو بھی دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گا یا نہیں؟ دونوں محبت والفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور (لمبا) چوڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

دونوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں، ناگواریوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلم طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ (اپنی) مومن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لیے سیدھی نہیں ہوسکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اس صورت میں حاصل کرسکتا ہے کہ اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے اور اگر تو اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑ دے گا، اور اس کا توڑ دینا طلاق دینا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سے سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

(۱) شکر گزار دل (۲) ذکر کرنے والی زبان (۳) تکلیف پر صبر کرنے والا بدن (۴) اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول بتا دیئے ہیں ان پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ نباہ ہوتا رہے گا۔

Marfat.com

میاں بیوی میں جو بھی بداخلاق ہوتا ہے دوسرے کے لیے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا سے کون مراد ہے؟:

یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، ارشاد فرمایا ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا، ابتداءً یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے۔ ﴿فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم ضرور شکرگزاروں میں سے ہوں گے) ﴿فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا﴾ (پھر جب ان کے رب نے انہیں صحیح سالم بھلا چنگا بچہ عطا فرمادیا تو اللہ کی اس بخشی ہوئی چیز میں اللہ کے لیے شریک بنانے لگے) ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (سو اللہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا ذکر ہے اسی طرح سے ﴿فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا﴾ سے لے کر ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ تک بھی انہیں میاں بیوی کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ شیطان کے بتانے سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ ابلیس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اول تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کیے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے ممکن ہے کہ صحابی (سمرہ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی کچھ اس طرح منقول ہے کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام نے اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہوسکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنا دیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: و هو من احسن التفاسير و اولىٰ ما حملت عليه الآية (کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محمول کرنا اولیٰ ہے)

تفسیر درمنثور ص ۱۵۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس قال ما اشرك آدم ان اولها شكر و آخرها مثل ضربه لمن م بعده۔ یعنی حضرت آدم نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اول حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)۔

اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید:

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں اولاد کی پرورش اور ان کے زندہ رہنے کی امید اور ان کی موت کے ڈر سے ماں باپ افعال شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں شرک کی ابتداء بچے کے پیدا ہونے کی امید ہی سے شروع ہو جاتی ہے اس کے صحیح سالم پیدا ہونے کے لیے نذریں ماننے لگتے ہیں۔ یہ نذریں غیر اللہ کے لیے بھی ہوتی ہیں، پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شرکیہ نام رکھتے اور شرکیہ کام کرتے ہیں۔

Marfat.com

بعض علاقوں میں اسے چھاج میں رکھ کر گھسیٹتے ہیں اور اس کا نام گھسیٹا رکھ دیتے ہیں یا کسی پیر فقیر کے نام پر کان چھید کر بندا ڈال دیتے ہیں اور لڑکے کا نام بندو رکھ دیتے ہیں اور بعض لوگ قصداً بچوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جو برے معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کوڑا کڑوا بھینگا۔

ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ برا نام رکھیں گے تو لڑکا جیتا رہے گا اور یہ شرکیہ افعال شیطان کے سمجھانے سے اور ہندوؤں کے پاس پڑوس اور ماحول میں رہنے کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں، مشرکین عرب شرکیہ نام رکھا کرتے تھے۔ عبداللات، عبدالعزیٰ، عبدمناف، عبدشمس ان جیسے نام ان لوگوں میں رائج تھے۔ نصاریٰ میں اب تک عبدالمسیح رکھنے کا رواج ہے۔ یہ سب شرک ہے۔ مسلمانوں کے نام ایسے ہونے چاہئیں جن سے عبدیت کا مظاہرہ ہو اور نام سے یہ ٹپکتا ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمن و اصدقها حارث و همام و اقبحها حرب و مرة۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی نبیوں کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عبداللہ و عبدالرحمٰن ہے اور سب سے زیادہ سچا نام حارث (کسب کرنے والا) اور ھمام (ارادہ کرنے والا) ہے اور سب سے برا نام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوا) ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے پہلے لفظ عبد لگا کر اپنے بچوں کے نام رکھیں اور برے ناموں سے پرہیز کریں۔ حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں مسروق بن الاجدع ہوں حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اجدع شیطان کا نام ہے۔ (رواہ ابوداؤد) اور اس کا معنی بھی خراب ہے کیونکہ جس کے نام کان کٹے ہوں عربی میں اس کو اجدع کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپ دادوں کے ناموں سے بلائے جاؤ گے لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (رواہ ابوداؤد)

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ
يَنصُرُونَ ﴿۱۹۲﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ
صَامِتُونَ ﴿۱۹۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۹۴﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ
يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا
تُنظِرُونِ ﴿۱۹۵﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ
مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا
يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾

کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں، اور وہ ان کی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے۔ تمہارے اعتبار سے برابر ہے تم ان کو پکار دیا تم خاموش رہو، بے شک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم

Marfat.com

سچے ہو؟ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرما دیجیے کہ اپنے شریکوں کو بلالو، پھر میرے بارے میں ضرر پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کر لو اور پھر مجھے مہلت نہ دو، بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے، اور جن لوگوں کو اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں، اور اے مخاطب اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

معبودان باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں

اوپر کی آیت میں اولاد کے سلسلہ میں شرک اختیار کرنے کا ذکر تھا ان آیات میں بھی مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے اور شرک اختیار کرنے میں جو انہوں نے حماقت کی ہے اسے بیان فرمایا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اسی نے سب کچھ پیدا فرمایا جس نے سب کچھ پیدا فرمایا وہی عبادت کے لائق ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود اپنے خالق جل مجدہ کی مخلوق ہیں وہ کیسے عبادت کے مستحق ہو گئے؟ مشرکین کا یہ طریقہ ہے کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ آڑے وقت میں ہماری مدد کریں گے یہ بھی حماقت کی بات ہے۔ جن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہ ان شرک کرنے والوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے، ان کی مدد کرنا تو در کنار وہ تو اپنی مدد کرنے سے عاجز ہیں اگر کوئی شخص انہیں توڑ دے پھوڑ دے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے جو مورتیاں بنا رکھی ہیں وہ بے جان صورتیں ہیں نہ اپنے پاؤں سے چل سکتے ہیں نہ اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکتے ہیں نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں ان عاجزوں کو اللہ کا شریک بنانا اور ان سے مدد کی امید کرنا سراپا حماقت اور بے عقلی ہے ان کو پکارو تو بات نہ سنیں اور ہدایت کا راستہ بتاؤ تو اسے اختیار نہ کریں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ بظاہر اپنی مصنوعی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور حقیقت میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ ان کی آنکھیں اصلی نہیں ہیں جن سے وہ دیکھیں، اور کان اصلی نہیں ہیں جن سے وہ سنیں، ان بتوں کو خود ہی تراشتے اور خود ہی اٹھاتے اور رکھتے ہیں اور انہیں پوجتے ہیں۔ یہ حماقت اور شقاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کا عجز ظاہر فرمایا، اور ساتھ ہی اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے معبودوں کو بلالو اور تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی جو بھی تدبیر کر سکتے ہو کر لو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو، مطلب یہ ہے کہ یہ معبودان باطلہ اور ان کی پرستش کرنے والے آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مشرکین چونکہ اپنے معبودوں کے شر اور ضرر سے ڈراتے تھے۔ کمافی سورۃ الزمر ﴿وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اس لیے نبی اکرم ﷺ سے ان کو چیلنج دلوا دیا کہ تم اور تمہارے معبود جو کچھ کر سکتے ہوں کر لیں۔ ان لوگوں کا عجز ظاہر فرما کر ساتھ ہی معبود حقیقی کا مددگار ہونا بیان فرمایا کہ اللہ میرا ولی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کی حفاظت اور حمایت فرماتا ہے جو اس کا ہو گا دنیا و آخرت میں اس کی حفاظت فرماتا ہے ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

معاف کرنے کو اختیار کیجیے، اور نیک کاموں کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجیے بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے آنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم

پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا اوّل یہ کہ معاف کیا کیجیے، دوسرا یہ کہ بھلائی کا حکم کیجیے اور تیسرا یہ کہ جاہلوں سے اعراض کیجیے۔ اس آیت

Marfat.com

شریفہ میں مکارم اخلاق بیان فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری ص ۶۶۹ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں معافی کا رویہ اختیار فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۷ ج ۲ میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبرائیل نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجیے آپ نے فرمایا اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۴۲ ج ۳)

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت:

چونکہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی اس کا مزاج میل جول والا ہے اس لیے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور پرایوں سے، رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے، چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے۔ لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جاسکتا ہے۔ اگر زیادتی کر دی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔ سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

(ترجمہ) اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جس نے نفس پر قابو پالیا اور معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لیے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے اسی لیے فرمایا ہے۔ ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور فرمایا ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو معاف کر دینا اس کے لیے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران (رسول بنی اسرائیل) علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جواب دیا کہ جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ص ۳۱۹ ج ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا:

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا پھر چند ٹکوں کے عوض انہیں بیچ دیا پھر جب

Marfat.com

برسوں کے بعد مصر میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم خطا کار تھے تو انہوں نے جواب میں فرمادیا۔ ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (یوسف نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے)۔

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ:

سید الاولین والآخرین ﷺ کے ساتھ مکہ والوں نے کیا کچھ نہ کیا، کیسی کسی تکلیفیں دیں آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا خیال کرتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا، اہل مکہ نے کہا: ﴿اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ﴾ کہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے ان کو وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا تھا اور فرمایا: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ درحقیقت اخلاق عالیہ ہی سے اہل حق جیتتے ہیں اور انہی کے ذریعہ اسلام کی دعوت عام ہوئی ہے۔ اخلاق عالیہ میں معاف اور درگزر کرنے کا بڑا دخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان کے لیے کبھی کسی بارے میں کوئی انتقام نہیں لیا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے ان کی بے حرمتی ہوتی تھی تو آپ انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ رسول ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش گوئی اختیار کرتے تھے نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے لے کر دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ نے مجھے کسی ایسے نقصان کے بارے میں کبھی ملامت نہیں فرمائی جو میرے ہاتھوں ہو گیا ہو، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی شخص ملامت کرنے لگتا تو فرماتے تھے اسے چھوڑ و کیونکہ جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہونی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار پھر سوال کیا آپ نے فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔ (رواہ ابوداؤد، کمافی المشکوٰۃ ص ۲۹۲)

فائدہ: معاف کرنے کی فضیلت اور ضرورت جو اوپر بیان کی گئی اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ بچوں اور خادموں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی تربیت نہ کی جائے بلکہ تربیت بھی کی جائے اور درگزر بھی کیا جائے۔ اگر کوئی سزا دی جائے تو اپنا غصہ اتارنے اور انتقام کے لیے نہ ہو بلکہ ان کی خیر خواہی مقصود ہو۔ سوچ سمجھ کر بقدرِ ضرورت سزا دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ سزا مفید ہو گی یا مضر، اگر بچوں پر قابو نہ کیا جائے تو یہ بھی نیکی نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: و انفق علیٰ عیالك من طولك و لا ترفع عنهم عصاك ادبا و اخفهم فی الله (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۱) اور اپنے عیال پر اپنا اچھا مال خرچ کرو اور ان سے لاٹھی اٹھا کر مت رکھو جس کی وجہ سے وہ تمہاری گرفت سے مطمئن ہو جائیں اور احکام خداوندی کو فراموش کر دیں اور انہیں اللہ کے احکام وقوانین کے بارے میں ڈراتے رہو۔

امر بالمعروف:

آیت بالا میں دوسری نصیحت یوں فرمائی وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی بھلائیوں کا حکم دیا کر، بھلائیوں کا حکم دینا بھی مکارم اخلاق اور فضائل اعمال اور محاسن افعال میں سے ہے اور دین اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت بڑی فضیلت ہے، جس کے بارے میں ہم تفصیل سے سورۂ آل عمران کی آیت ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔ (انوار البیان جلد

Marfat.com

اول)

جاہلوں سے اعراض کرنا:

تیسری نصیحت یوں فرمائی ﴿وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ (اور جاہلوں سے اعراض کرو) یہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اور اس پر عمل کرنے سے مومن بندہ اپنے نفس کے شر سے اور جاہلوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ سوال جواب اہل علم تک محدود رہے تو مناسب رہتا ہے اور جاہلوں سے سوال جواب اور بحث کی جائے تو وقت ضائع ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے صاحب علم کو خاموش کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں جیت گیا۔ صاحب علم کے اخلاق فاضلہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھے اور ان سے دور رہے اور جاہل کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اسے برداشت کرے اور درگزر کر دے۔ عالم اگر جاہل کے جاہلانہ افعال واقوال اور اطوار و عادات کا مقابلہ کرے گا تو علم کا کام چھوڑ بیٹھے گا اور جاہلوں ہی سے بھڑتا رہے گا۔ اگر کوئی جاہل شخص شرعی مسئلہ پوچھے تو اسے بتا دے لیکن اس سے بحث نہ کرے نہ اسے بحث کرنے دے۔ جاہل کو منہ لگانے میں اپنی آبرو کا بھی نقصان ہے اور علمی کاموں سے بھی حرمان ہے۔

شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم:

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ﴿وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجیے بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

درمنثور ص ۱۵۴ ج ۳ میں بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ اے رب غصہ کی حالت میں کیا کیا جائے (غصہ انتقام پر ابھارتا ہے اور معاف کرنے سے روکتا ہے) اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت و اما ینزغنك (آخر تک) نازل فرمائی۔

لفظ نزغ کچوکہ دینے اور ابھارنے اور وسوسہ ڈالنے اور کسی کام پر آمادہ کرنے کے لیے آتا ہے شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ غصہ اور انتقام پر ابھارتا رہتا ہے اور ایسے وسوسے دل میں ڈالتا ہے کہ انسان معاف کرنے یا درگزر کرنے پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ شیطان کا شر اور وسوسہ دفع کرنے کا یہ علاج بتایا کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگی جائے اس سے شیطان ذلیل ہوگا اور وسوسہ ڈالنے سے پیچھے ہٹے گا۔

سورۂ مومنون میں فرمایا: ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴾ (اور آپ یوں کہیے کہ اے رب میں آپ کی پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے رب اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں)۔

ایمانیات میں وسوسہ آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا سو وہ کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا، یہ کس نے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ یوں کہے گا کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ سو جب وہ اس سوال پر پہنچ جائے تو یوں کہے۔ اَللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ پھر بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (رواہ ابوداؤد)

غصہ کا علاج:

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آدمیوں نے آپس میں گالی گلوچ شروع کر دی ان میں سے ایک شخص کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہہ لے تو یہ جو کیفیت اپنے اندر محسوس کر رہا ہے (یعنی غصہ) وہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ یہ ہے۔ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ

Marfat.com

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے)

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی بات اس شخص کو کہہ دی تو اس نے کہا کہ بے شک میں دیوانہ ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۹۰۳ ج ۲)

(علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ غصہ میں بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے بے ادبی کا کلمہ بول دیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص منافق ہو یا دیہات کا رہنے والا اکھڑ آدمی ہو)

وسوسہ اور غصہ کے دفعیہ کے لیے ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ پڑھنا مجرب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، سو وہ کمی نہیں کرتے۔

شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ

آیت بالا ﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ﴾ میں فرمایا کہ جب شیطان کا وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگئے، ان دو آیتوں میں شیطان سے بچنے والوں اور شیطان سے دوستی کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان ان کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور بہکانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ ان کے عموم میں مطلقاً اللہ کا ذکر کرنا بھی شامل ہے اور اللہ کے عقاب و ثواب کو ذہن میں لا کر شیطان کے وسوسوں سے بچنا اور ان پر عمل نہ کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ کا ذکر شیطان کو دور کرنے کے لیے بہت بڑا ہتھیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے دل پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ سو جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹)

سورہ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں جو ﴿مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ فرمایا ہے اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور (اللہ کا ذکر کرنے پر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

﴿فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے جب شیطان کا وسوسہ آنے پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے استعاذہ کرتے ہیں تو اس سے فوراً چونک جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شیطان کی شرارت فوراً واضح ہو جاتی ہے اور خطا و صواب کا پتہ چل جاتا ہے۔

متقین کا ذکر فرمانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے ساتھ ان کا خاص تعلق ہے وہ شیطان کے وسوسوں سے نہیں بچتے۔ بلکہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو شیاطین ان کو گمراہی میں برابر کھینچے لیے جاتے ہیں اور ان کو گمراہ کرنے پر گمراہی میں آگے بڑھانے کے بارے میں کوتاہی نہیں کرتے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جس نے شیطان کا تھوڑا ساتھ دیا اس کی بات کو مانا تو وہ اس کو برابر گمراہی کے راستہ پر چلاتا رہتا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا، آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں

Marfat.com

اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں کا جواب

آنحضرت سرور عالم ﷺ دلائل واضحہ کے ساتھ دعوت حق دیتے تھے حق پہچاننے کے لیے سب سے بڑی چیز دلائل عقلیہ ہی ہیں اس کے باوجود اللہ جل شانہٗ کی طرف سے معجزات کا ظہور بھی ہوتا رہتا تھا لیکن معاندین کہتے تھے کہ جو معجزہ ہم چاہیں ایسا معجزہ ظاہر ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ چاہتا تو لوگوں کے فرمائشی معجزے بھی ظاہر فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کے کہنے کے مطابق معجزہ ظاہر فرمائے پھر ان لوگوں کا فرمائشی معجزہ طلب کرنا بھی عناد اور تعنت کے طور پر تھا۔ حق قبول کرنا مقصود نہ تھا اسی لیے معجزات کو جادو بتادیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ معجزہ ظاہر ہونے میں دیر ہوئی یا ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ ہوا تو بطور عناد اعتراض کرنے لگے۔ آیت کریمہ ﴿وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَیْتَهَا﴾ میں معاندین کا شر پسندانہ اعتراض نقل فرمایا ہے کہ آپ نبوت کے دعویدار ہیں۔ آپ نے اپنے پاس سے کوئی معجزہ کیوں ظاہر نہ کر دیا یا یہ مطلب تھا کہ اللہ سے کیوں یہ بات نہ منوالی تاکہ وہ ہمارا فرمائشی معجزہ ظاہر کر دیتا اس کے جواب میں فرمایا ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ میرا کام تو بس یہ ہے کہ وحی کا اتباع کروں۔ میرے ہاتھ میں معجزوں کا ظاہر کرنا نہیں ہے اور فرمائشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان قبول کرنے کو موقوف رکھنا حماقت ہے اور ضد وعناد ہے۔ بہت سے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں لیکن تم ایمان نہیں لاتے۔

قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور رحمت اور ہدایت ہے

جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے قرآن کریم ہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ لفظی معجزہ بھی ہے اور معنوی بھی، جو حقائق اور معارف پر مشتمل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے طالب حق کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں، اسی کو فرمایا ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں)۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب

ان آیات میں قرآن مجید سننے کا حکم فرمایا ہے اور بعض احکام و آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو، اول تو قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں اس کا خیال رکھے کہ جن کانوں میں آواز پہنچ رہی ہے وہ لوگ کام کاج اور نیند میں تو مشغول نہیں ہیں۔ اگر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوں یا سو رہے ہوں تو اونچی آواز سے تلاوت نہ کرے کیونکہ کام میں لگے ہوئے لوگ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ پڑھنے والے پر لازم ہے کہ ایسی صورت حال پیدا نہ کرے کہ حاضرین کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز آ رہی ہو اور کام کاج میں مشغولیت کی وجہ سے قرآن مجید سننے کی طرف توجہ نہ کر سکیں۔ قاری جب یہ دیکھے کہ توجہ سے سننے والے موجود ہیں تو زور کی آواز سے تلاوت کرے، جو لوگ مشغول نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور دھیان لگا کر سنیں اگرچہ سمجھتے بھی نہ ہوں۔ قرآن پڑھا جا رہا ہو اور باتیں کر رہے ہیں یہ قرآن مجید کی بے ادبی ہے یہ حکم کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش رہو اور دھیان سے سنو نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے جو لوگ امام کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوں ان کے لیے تو غافل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ کاروبار اور دکان چھوڑ کر آتے ہیں مسجد میں موجود ہیں اور جب تک نماز میں ہیں دنیا کا کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ پھر بھی امام کی

Marfat.com

قرأت کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ سخت محرومی کی بات ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا ممنوع ہے۔

آیت بالا میں قرآن مجید کی تلاوت کے سننے اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا جو حکم فرمایا ہے یہ حکم نماز کی مشغولیت کے وقت کو اور خارج نماز کو عام ہے، نیز صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ا میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: و اذا قرأ فانصتوا (کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو) امام مسلم نے نہ صرف اس حدیث کی تخریج کی بلکہ بالتصریح یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے الفاظ بھی عام ہیں، جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و اقوال سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت عطاء بن یسار تابعی رحمہ اللہ نے امام کے ساتھ قرأت پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: لا قرأة مع الامام فی شئ (صحیح مسلم ص ۲۱۵ ج ۱) یعنی امام کے ساتھ نماز میں کوئی بھی قرأت نہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من صلی رکعةً لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام (یعنی جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی جس میں ام القرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو (اگر امام کے پیچھے ہو تو سورۃ فاتحہ پڑھے)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحة الکتاب تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے ہے (قال احمد و ھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ)۔[1]

شرح معانی الآثار للامام الطحاوی، (باب القرأة خلف الامام) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة (کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت پڑھے وہ فطرت پر نہیں ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انصت للقرأة فان فی الصلوٰۃ شغلاً فسیکفیك ذلك الامام (قرأت کے لیے خاموش ہو جاؤ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور اس بارے میں امام تمہاری طرف سے کافی ہے) نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فمه ترابا (کاش اس کے منہ میں مٹی بھر دی جاتی جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے) حضرت ابن عباس سے ابو جمرہ نے دریافت کیا میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو جواب میں فرمایا کہ نہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے پڑھا جائے تو فرمایا: اذا صلی احد کم خلف الامام فحسبه قرأة الامام۔ (جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأۃ کافی ہے) یہ سب آثار شرح معانی الآثار میں مروی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب:

اب دیگر ائمہ کے مذاہب کی طرف رجوع فرمایئے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنا واجب نہیں ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہری میں قرأت واجب نہیں ہے اور قرأت سری میں واجب ہے اور ان کا قول جدید یہ ہے کہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب آیت قرآنیہ اور حدیث صحیح اور آثار صحابہ سے مؤید ہے اور حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی

[1] سنن ترمذی، باب ماجاء فی ترك قراءة الامام اذا جھر بالقراءة

Marfat.com

امام کے پیچھے پڑھنے کی فرضیت کے منکر ہیں ان کے نزدیک امام کے پیچھے نہ سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ کوئی دوسری سورت، البتہ بعض احوال میں ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ (کما ذکر فی کتب مذھبم) قال ابن قدامة الحنبلی فی المغنی ص ۲۰۰ ج ۱ و المأموم اذا سمع قرأة الامام فلا فقرء بالحمد و لا بغیرھا لقول الله تعالیٰ و اذا قری القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلکم ترحمون ط و لما روی ابو ھریرة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: ما لی أنازع القرآن قال: فانتھی الناس أن یقروا فیھا جھر فیه النبی ﷺ۔ و جملة ذلك ان المأموم اذا كان یسمع قراءة الامام لم تجب علیه القرأة و لا تستحب عند امامنا و الزھری و الثوری و مالك و ابن عیینة و ابن المبارك و اسحاق و احمد قولی الشافعی و نحوه عن سعید بن المسیب و عروة بن الزبیر وأبی سلمة بن عبدالرحمن و سعید بن جبیر و جماعة من السلف، و القول الآخر للشافعی یقراء فیھا جھر فیه الامام و نحوه عن اللیث و الاوزاعی و ابن عون و مکحول و أبی ثور لعموم قوله علیہ السلام ''لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب'' متفق علیه و لنا قول الله تعالیٰ: و اذا قری القرآن فاستمعوا له و أنصتوا لعلکم ترحمون ط و قال احمد فالناس علی أن ھذا فی الصلوٰة۔ و عن سعید بن المسیب و الحسن و ابراھیم و محمد بن کعب و الزھری أنھا نزلت فی شأن الصّلوٰة۔ و قال زید بن أسلم و ابو العالیة کانوا یقرءون خلف الامام فنزلت و اذا قری القرآن فاستمعوا له و أنصتوا لَعَلَّکُمْ ترحمون وقال احمد فی روایة ابی داود اجمع الناس علی ان ھذه الایة فی الصلوة ولانه عام فیتناول بعمومه الصلوة، و روی ابو ھریرة قال: قال رسول الله ﷺ انما: جعل الامام لیؤتم به فاذاکبر فکبرواً واذا قرأ فانصتوا'' رواه مسلم (الی ان قال) قال أحمد ما سمعنا احدا من اھل الاسلام یقول ان الامام اذا جھر بالقرأة لا تجزی ء صلوٰة من خلفه اذا لم یقرأ، و قال ھذا النبی ﷺ و أصحابه و التابعون و ھذا مالك فی اھل الحجاز و ھذا الثوری فی أھل العراق و ھذا الاوزاعی فی أھل الشام و ھذا اللیث فی أھل مصرما قولو الرجل صلی و قرأ امامهٗ و لم یقرأ ھو صلوٰة باطلة و لانھا قرأة لا تجب علی المسبوق فلم تجب علیٰ غیره کالسورة، فأما حدیث عبارة الصحیح فھو محمول علی غیر المأموم، و کذالك حدیث اَبی ھریرة قد جاء مصر حابه رواه الخلال باسناده عن جابر ان النبی ﷺ قال کل صلوٰة لا یقرأ فیھا بأم القرآن فھی خداج الا أن تکون وارء الامام، و قد روی ایضاً موقوفاً عن جابر، و قول ابی ھریرة اقرأ بھا فی نفسك من کلامه و قد خالفه جابر و ابن الزبیر وغیرھما، ثم یحتمل انه اراد اقرأ بھا فی سکتات الامام أو فی حال اسراره فانهٗ یروی أن النبی ﷺ قال: اِذا قرأ الامام فانصتوا، و الحدیث الاخر و حدیث عبارة الآخر فلم یروه غیر ابن اسحاق کذلك قاله الامام أحمد و قد رواه ابو داود عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری و ھو أدنی حالا من ابن اسحاق فانه غیر معروف من اھل الحدیث و قیاسھم یبطّل بالمسبوق (ثم قال بعد سطور) الا تسحباب ان یقرأ فی سکتات الامام و فی ما لا یجھر فیه (الی ان قال) فان لم یفعل فصلوٰة تامة لان من کان له امام فقراء ة، و جملة ذلك ان القراء ة غیر واجبة علی المأموم فیما جھر به الامام فیھا اسربه نص علیه احمد فی روایة الجماعة، و بذالك قال الزھری و الثوری و ابن عیینة و مالك و ابن حنفیة و اسحاق ا ھ (علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے المغنی میں کہا ہے مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو نہ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی اور سورۃ وغیرہ پڑھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو اور حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت کی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میرے ساتھ قرآن کریم میں جھگڑا کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اس کے بعد لوگ ان نمازوں میں فاتحہ پڑھنے سے رک گئے جن میں حضور ﷺ جہر سے تلاوت فرماتے تھے اور اسی کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قرأت سنے تو اس پر قرأت واجب نہیں ہے اور نہ مستحب ہے ہمارے امام کے نزدیک اور زہری، ثوری، مالک، ابن عیینہ، ابن المبارک، اسحٰق اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اسی طرح ہے اور حضرت سعید بن المسیب، عروۃ

Marfat.com

بن الزبیر، ابوسلمہ، اور سعید بن جبیر اور سلف کی ایک جماعت سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرے اس میں بھی مقتدی پڑھے اور اسی طرح منقول ہے لیث، اوزاعی، ابن عون، مکحول اور ابوثور سے حضور ﷺ کے ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب (اس آدمی کی نماز نہیں ہے جو فاتحہ نہ پڑھے) کے عام ہونے کی وجہ سے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿و اذا قری القرآن فاستمعوا له وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ امام احمد فرماتے ہیں عام اہل علم اسی پر ہیں کہ یہ حکم نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب، حسن، ابراہیم، محمد بن کعب، زہری سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور زید بن اسلم اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام احمد نے کہا ہے کہ امام ابوداؤد کی روایت کے مطابق سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے اور اس لیے بھی کہ یہ آیت عام ہے جو نماز کو بھی شامل ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا امام اسی لیے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو (رواہ مسلم) یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد کہتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے یہ نہیں سنا ہے کہ امام جب جہر سے قرأت کرے تو قرأت نہ کرنے والے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور کہا کہ یہ حضور ﷺ ہیں اور یہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین ہیں یہ امام مالک ہیں حجاز میں، اور اہل عراق میں امام ثوری ہیں اور اہل شام میں امام اوزاعی اور اہل مصر میں لیث ہیں کہ انہوں نے امام کی قرأت کے پیچھے قرأت نہ کرنے والے کسی آدمی کو یہ نہیں کہا کہ تیری نماز باطل ہے اور اس لیے بھی مقتدی پر واجب نہیں کہ مسبوق پر واجب نہیں ہے تو سورۃ کی طرح دوسروں پر بھی واجب نہیں ہے۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح وہ منفرد کے لیے ہے اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو اس کی صراحت ہے خلال نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ ہے کہ اسے اپنے دل میں پڑھ یہ ان کا اپنا قول ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے، پھر یہ احتمال ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہو کہ امام جب سکتہ کرے تو اس میں پڑھ لو یا اس کی خاموشی کے وقت پڑھ لے کیونکہ انہوں نے ہی روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور دوسری حدیث اور حضرت عبادۃ کی دوسری حدیث اسے ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور ابوداؤد عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری والی جو روایت ہے وہ ابن اسحٰق سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ وہ محدثین میں غیر معروف ہے اور ان کا مسبوق پر قیاس باطل ہے (کچھ سطروں کے بعد ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ امام کے سکتوں میں پڑھے اور غیر جہری میں پڑھے...... اگر ایسا نہ کرے تو بھی نماز تمام ہو جائے گی کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں ہے نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں۔ ایک پوری جماعت کی روایت کے مطابق امام احمد نے اسی کی صراحت کی ہے اور یہ قول ہے زہری، ثوری، ابن عیینہ، مالک اور ابوحنیفہ اور اسحٰق کا)۔

حضرت امام شافعی کا قول جدید بعض جماعتوں نے اختیار کر لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ دیگر مسائل اختلافیہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف تھا دونوں طرف دلائل ہیں پھر اس میں اتنا غلو ہونا کہ جو حضرات فاتحہ الامام کی فرضیت کے قائل نہ ہوں (جن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں جو جماعت مذکورہ کے نزدیک امام الحدیث اور امام السنہ ہیں) ان کو خطا کار بتانا اور جو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کے بارے میں قسمیں کھا کھا کر یہ کہنا کہ ان کی نماز ہوتی ہی نہیں سراسر تعدی ہے۔ قیامت کے دن جب نمازوں کا اجر وثواب ملے گا تو اس سے پوچھا بھی نہ جائے گا کہ بتاؤ جس نے تمہاری رائے کے مطابق نماز نہ پڑھی اسے جنت میں بھیجا جائے یا نہیں؟

فائدہ: جب قرآن مجید پڑھا جائے نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر اس کے بارے میں حاضرین کو حکم دیا کہ قرآن کو سنیں اور خاموش رہیں یہ قرآن کا ادب ہے۔ جس طرح سامعین کو حکم ہے کہ قرآن سنیں اور کان دھریں اور خاموش رہیں اس طرح حضرات فقہاء کرام نے قرآن پڑھنے

Marfat.com

والے کوبھی ہدایت دی ہے کہ جہاں لوگ کام کاج اور کاروبار میں لگے ہوئے ہوں وہاں زور سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے یہ جولوگوں نے طریقہ نکال رکھا ہے کہ ایسے مواقع میں کیسٹ یا ریڈیو کھول دیتے ہیں جہاں لوگ قرآن سننے کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے یا شیشوں میں لاؤڈ سپیکر لگا کر محلوں میں بازاروں میں قرآن مجید کی آواز پہنچاتے ہیں اس میں قرآن مجید کی بے ادبی ہے، جہاں لوگ سور ہے ہوں وہاں بھی زور سے تلاوت نہ کریں۔

آیت کے ختم پر جو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جولوگ قرآن کے آداب بجالائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اس سے بات کا دوسرا رخ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب اور اس کی گرفت کا سبب ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدة

اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجیے جو زور کی بات سے کچھ کم ہو صبح کے وقت اور شام کے اوقات میں، اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا، بے شک جولوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب

اس سے پہلی آیات میں قرآن مجید کو بصائر اور ہدایت ورحمت بتایا اور قرآن کا ادب سمجھایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اور چپ رہو، اب یہاں مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے اور اس کے بعض آداب بتائے ہیں۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اسی کی وجہ سے ساری دنیا آباد ہے۔ صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا نماز بھی اللہ کے ذکر کے لیے ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾

سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے) سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (سوتم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو)۔

صحیح مسلم ص ۱۶۲ ج ۱ میں ہے کان النبی ﷺ یذکر اللّٰہ علیٰ کلّ احیانہٖ (کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے) مومن بندے دل کو بھی اللہ کے ذکر سے معمور رکھیں اور زبان سے بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہیں۔ تسبیح تحمید تکبیر تہلیل یہ سب اللہ کا ذکر ہے ان کی فضیلتیں بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر زندگی کے مختلف اوقات میں متعلقہ مسنون دعائیں پڑھیں اور ان دعاؤں کا اہتمام کریں تو زندگی کے عام حالات میں اور مختلف اوقات میں اللہ کی یاد ہوتی رہے گی، سوتے جاگتے کھاتے پیتے وقت، گھر سے نکل کر اور گھر میں داخل ہو کر اور کپڑا پہنتے وقت سواری پر سوار ہوتے وقت، سفر کے لیے روانہ ہوتے وقت، کسی منزل پر اترنے کے بعد، جہاد کرتے وقت، ابتلاء مصائب کے مواقع میں، بازار میں پہنچ کر اور ہر مجلس میں وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں اور صبح شام کے اوقات کو خاص طور پر ذکر میں مشغول رکھا جائے۔ ان اوقات کی مسنون دعائیں بھی اہتمام سے پڑھی جائیں، علامہ جزری رحمہ اللہ نے حصن حصین میں مختلف احوال و اوقات کی دعائیں لکھ دی ہیں اور راقم الحروف نے بھی اپنی کتاب فضائل دعاء میں جمع کر دی ہیں۔ تلاوت بھی ذکر ہے اور دعاء بھی، تہلیل تحمید تکبیر بھی ذکر ہے اور درود شریف بھی ذکر میں شامل ہے کیونکہ اس میں اللہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اپنے رسول (ﷺ) پر رحمت بھیجے، استغفار بھی ذکر ہے ان سب چیزوں میں مشغول رہنا چاہیے۔

Marfat.com

ذکر خفی کی فضیلت:

اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ خیر الذکر الخفی (رواہ احمد فی مسندہ ص ۱۷۲ ج ۱ عن سعد بن مالک مرفوعا) (کہ بہتر ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو) اور صرف دل دل میں بلا حرکت زبان اللہ کی ذات وصفات کا دھیان کرنا جس کو تفکر ومراقبہ کہا جاتا ہے یہ بھی ذکر خفی ہے۔ ذکر پوشیدہ ہو اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ہو اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور زور سے ذکر کرنا بھی درست ہے لیکن ایسا نہ چیخے کہ جان کو تھکا ڈالے، بلند آواز بھی ہو تو ہلکی آواز ہو اسی کو فرمایا ﴿وَ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگوں نے زور زور سے اللہ اکبر کہنا شروع کیا، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم ایسے معبود کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرا ہو اور غائب ہو، تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع ہے اور بصیر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ قسم اس ذات کی جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی قریب تمہاری اونٹنی کی گردن ہے، یہ بیان فرما کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں آپ کے پیچھے تھا اور دل میں لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ پھر فرمایا کہ وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری ومسلم)

ذکر جہر کرنے میں یہ بھی دھیان رہے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو اور سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر نیک کام اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہئے جو بھی کوئی کام دکھاوے کے لیے یا مخلوق کو معتقد بنانے کے لیے یا اپنی بزرگی جمانے کے لیے ہو گو بظاہر نیک ہی ہو وہ حقیقت میں نیک نہیں ہوتا اور نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب نہیں ملتا بلکہ وبال اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص (احکام وآداب کی رعایت کرتے ہوئے) زور سے ذکر کرے لیکن مقصود اللہ کی رضا ہو تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص ذکر خفی کرے اور پھر ترکیب سے لوگوں کو ظاہر کردے تاکہ لوگ اس کے معتقد ہوں تو ایسا ذکر خفی بھی مقبول نہیں ہوگا اور یہ عمل باعث مواخذہ ہوگا، ریاکاری کا تعلق اندر کے جذبہ سے ہے لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام ریا نہیں ہے بلکہ لوگوں میں عقیدت جمانے کے جذبہ کا نام ریا ہے۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ اپنے رب کی عاجزی کے ساتھ اپنے دل میں اور ڈرتے ہوئے یاد کرو پھر یہ فرمایا کہ ایسی آواز سے یاد کرو جو زور کی آواز کی بہ نسبت کم آواز ہو۔

صبح شام اللہ کا ذکر کرنا:

پھر فرمایا ﴿بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ﴾ کہ صبح شام اپنے رب کو یاد کرو، صاحب روح المعانی (ص ۱۰۰ ج ۹) لکھتے ہیں کہ صبح شام کا خصوصی ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ فراغت کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں دل کی توجہ ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں فرشتوں کا آنا جانا ہوتا ہے ایک جماعت آتی ہے دوسری جاتی ہے۔ اس لیے ان اوقات کو خاص طور سے ذکر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دوام ذکر مراد ہے کہ ہر وقت ذکر کرو۔

غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ:

پھر فرمایا ﴿وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ (غفلت والوں میں سے نہ ہو جانا) یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہنا اور اس کی یاد سے غافل نہ ہونا۔

فرشتوں کی تسبیح اور عبادت:

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کی تسبیح اور عبادت کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جو تیرے رب کے مقرب بندے ہیں

Marfat.com

وہ اپنے رب کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے یعنی اپنی ذات کو بڑا نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے روگردانی کریں، وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ جانتے اور مانتے ہیں اور بندگی کے آداب بجالاتے ہیں اور اپنی مملوکیت اور عاجزی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے لیے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اس کو سورۂ نساء میں یوں بیان فرمایا ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا﴾ (مسیح نے اور مقرب فرشتوں نے ہرگز اس سے استنکاف نہیں کیا کہ اللہ کے بندے بنیں اور جو شخص اس کی عبادت سے استنکاف کرے گا تو وہ انہیں عنقریب دوزخ میں جمع فرمادے گا) (استنکاف کا معنی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے اور کسی کام کو اپنی شان کے خلاف جانے)۔

سجدۂ تلاوت کا بیان:

اس آیت پر سورۂ اعراف ختم ہو رہی ہے اور یہ پہلی جگہ ہے جہاں قرآن مجید میں سجدۂ تلاوت آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات ملائکہ علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے اندر بڑائی نہیں کرتے جس کی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے منہ موڑیں بلکہ وہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور مومن بندوں کے لیے سجدۂ تلاوت مشروع فرمایا تا کہ وہ بھی ملاء اعلیٰ کے رہنے والوں کی موافقت میں سجدہ ریز ہو جائیں، یہ سجدۂ تلاوت شیطان کے لیے بہت بڑی مار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا لہٰذا اس کے لیے جنت ہے، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا اور میں نے انکار کیا لہٰذا میرے لیے دوزخ ہے۔ (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۸۴ ج ۱)

مسئلہ: سجدۂ تلاوت کرنے لگے تو اس میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا نہیں ہے بلکہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور ایک سجدہ کرے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

مسئلہ: جیسے آیت سجدہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے ایسے ہی سننے والے پر بھی واجب ہوتا ہے اگرچہ اس نے ارادہ کر کے نہ سنا ہو، البتہ تلاوت کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے، ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لیے بیٹھے ہیں تو سجدۂ تلاوت زور سے پڑھ دے۔

سجدۂ تلاوت کی دُعاء

سجدۂ تلاوت میں اگر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم تین مرتبہ کہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر دعاء ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دعاء ماثور یہ ہے۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَ شَقَّ سَمْعَهٗ وَ بَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَ قُوَّتِهٖ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۹۴)

(میرے چہرہ نے اس ذات کے لیے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس میں سے کان اور آنکھ نکال دیئے اپنی قدرت سے)۔

تم تفسیر سورة الاعراف بحمد الله تعالیٰ و حوله و قوته و توفیقه و تیسیره و له الحمد اولا و آخرا

Marfat.com

ایاتہا ۷۶　۸ سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ ۸۸　رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورہ انفال مدنی ہے اور اس میں ۷۶ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو، اور آپس میں تعلقات کو درست کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

انفال یعنی مال غنیمت کا بیان

لفظ انفال نفل کی جمع ہے، نفل لغت میں شی زائد کو کہتے ہیں اسی لیے فرائض کے علاوہ جو نمازیں پڑھی جائیں اور روزے رکھے جائیں انہیں نفل کہا جاتا ہے کیونکہ نوافل اس عمل سے زائد چیز ہے جس کا لازمی طور پر حکم دیا گیا ہے۔ جہاد کے موقعہ پر جو دشمنوں کے اموال ہاتھ آ جائیں جنہیں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ یہاں انفال سے وہ مراد ہیں اور امیر لشکر جو غازی کے لیے اس کے مقررہ حصہ سے زائد دینے کا اعلان کر دے اس کو بھی نفل کہا جاتا ہے، مسلمان کی جنگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہوتی ہے وہ مال کے لیے نہیں لڑتا، اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو مال غنیمت میں حصہ مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا مزید انعام ہے (اس لیے اس کو انفال کہا جاتا ہے)۔

گزشتہ اُمتوں میں اموال غنیمت کا حکم:

پہلی امتوں میں جب کافروں سے جنگ ہوتی تھی اور ان کے مال ہاتھ آتے تھے تو انہیں آپس میں بانٹنے اور استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اسے جلا دیتی تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجاہدین کا جہاد قبول ہو گیا۔ اگر مال غنیمت جمع کر کے رکھ دیا جاتا اور آگ نازل نہ ہوتی تو سمجھا جاتا تھا کہ اس مال میں سے کسی نے کچھ غلول کیا ہے، یعنی چھپا کر کچھ مال لے لیا۔

ایک نبی کے جہاد کا واقعہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی نے جہاد فرمایا اور فتح کے بعد اموال غنیمت جمع کیے گئے۔ اس کے بعد آگ آئی تا کہ ان کو کھا جائے مگر آگ نے اس کو نہ کھایا یعنی نہیں جلایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے لہٰذا ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے، بیعت کرتے کرتے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک کر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی لوگوں میں سے کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ بیل کے سر کے برابر سونا لے کر آئے اور اُس کو مال غنیمت میں ملا کر رکھ دیا تو آگ آئی اور اس نے تمام غنیمت کو جلا دیا۔ (رواہ البخاری ص ۴۴۰ ج ۱)

اموال غنیمت کا حلال ہونا اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔

Marfat.com

ایک یہ کہ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے (جو الفاظ مختصر ہوں اور بہت سے معانی پر دلالت کرتے ہوں انہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے) دوسرے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ دور دور تک دشمن ہیبت کھاتے ہیں اور مرعوب ہوتے ہیں) تیسرے اموال غنیمت میرے لیے حلال کردیئے گئے۔ (جو دوسری امتوں کے لیے حلال نہ تھے) چوتھے پوری زمین میرے لیے سجدہ گاہ بنادی گئی اور طہارت کی جگہ بنادی گئی (جہاں وقت ہوجائے نماز پڑھ لیں مسجد کی کوئی قید نہیں، اور پانی نہ ملے تو تیمم کرلیں) پانچویں میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے) چھٹے میرے آنے پر نبیوں کی آمد ختم کردی گئی۔ (رواہ مسلم)

اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

تفسیر روح المعانی ص ۱۶۰ ج ۹ میں حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر میں جو اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے اس کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ کس طرح تقسیم کیے جائیں؟ ان کے بارے میں مہاجرین کا فیصلہ معتبر ہوگا یا انصار کا یا دونوں جماعتوں کا؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی ان حضرات کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ اموال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہیں) جس کا مطلب یہ ہے کہ غنائم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صادر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمائیں گے اس بارے میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں چنانچہ بعد میں ان کی تقسیم کا طریقہ بیان فرما دیا جو آیت کریمہ ﴿وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ میں مذکور ہے۔

اللہ سے ڈرنے اور آپس میں تعلقات درست رکھنے کا حکم

یہ ارشاد فرما کر کہ ''انفال اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہیں'' تین باتوں کا حکم فرمایا اول یہ کہ اللہ سے ڈرو اور دوم یہ کہ اپنے آپس کے تعلقات کو درست رکھو اور سوم یہ کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہ تینوں نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آخرت میں بھی کامیابی ہوگی کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں گناہوں سے پرہیز رہے گا اور آپس کی اصلاح کرنے سے حسد اور بغض اور نزاع و جدال سے سلامتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جو حکم فرمایا یہ تعمیم بعد التخصیص ہے جو تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے۔ یہ اطاعت ہی تو ایمانیات کی روح ہے۔ اس میں ہر برائی کی کاٹ ہے۔

انفال کے دوسرے معنی:

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں انفال کے دوسرے معنی مراد ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب امیر لشکر یوں اعلان کردے کہ جو شخص کسی کافر کو مار دے تو اس کافر کا سامان قاتل ہی کو دیا جائے گا اور کسی چھوٹے سے فوجی کو بڑے لشکر سے انتخاب کرکے کسی خاص جانب جہاد کے لیے بھیج دے اور یہ اعلان کردے کہ وہاں سے جو مال غنیمت ملے گا وہ تم ہی لوگوں کا ہوگا یعنی اس میں سے خمس یعنی ۵/۱ حصہ نکال کے سب تم ہی کو دے دیا جائے گا یہ جو علیحدہ سے مخصوص کرنے کا اعلان ہے یہ تنفیل اور جو مال ان لوگوں کو دینے کا اعلان کردیا جائے وہ نفل ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے بعض واقعات انفال کے بارے میں پیش آئے تھے اور صحابہ میں اختلاف ہوگیا تھا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی (راجع تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۲) جن حضرات نے اس قول کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ میں لفظ عَنْ زائد ہے اور یَسْـَٔلُوْنَ بمعنی یطلبون ہے لیکن عَنْ کو زائد کہنے والی بات دل کو نہیں لگتی۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ

Marfat.com

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ﴿۴﴾

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ایمان والے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔

اہل ایمان کے اوصاف کا بیان

ان آیات میں اہل ایمان کے چند اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں:

اول: یہ فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں، ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ہیبت اور خوف کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، مومن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اللہ کی یاد سے اس کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ہی خوف تو ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ سے ڈر تو وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے اور گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، برخلاف اہل کفر اور اہل نفاق کے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں، اللہ کی عظمت بھی نہیں، ہیبت بھی نہیں، لہٰذا وہ بغیر کسی پس و پیش کے گناہ کر لیتے ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں یعنی ان کو سنائی جاتی ہیں تو ان کے سننے سے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے یعنی نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف اور زیادہ توجہ ہو جاتی ہے اور ایمان و یقین کی وجہ سے اعمال صالحہ کی طرف طبیعت خود بخود چلنے لگتی ہے اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہل ایمان کی بہت بڑی فضیلت ہے اور بہت بڑی منقبت ہے، اپنے سب کاموں میں اللہ پر بھروسہ کرنا اور اسباب ظاہرہ اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے اور قاضی الحاجات ہے اور ہم اس کے ہر فیصلے پر اس کی قضاء و قدر پر راضی ہیں یہ اہل ایمان کی عظیم صفت ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ توکل کا حکم دیا ہے اور اصحاب توکل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) سورۂ قلم میں فرمایا ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ وہ رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اس پر توکل کیا تو عنقریب جان لو گے کہ کون ہے کھلی گمراہی میں) سورۂ طلاق میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لیے کافی ہے)۔

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ بدنی عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ مالی عبادات کا بھی بار بار تذکرہ فرمایا ہے۔ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا ہے اور مَا رَزَقْنٰهُمْ کے عموم میں سب کچھ داخل ہے۔ یہ لفظ زکوٰۃ مفروضہ اور صدقات واجبہ اور نافلہ سب کو شامل ہے۔

Marfat.com

مذکورہ صفات والے سچے مومن ہیں:

آخر میں فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ (یہ لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے) اس میں اول تو یہ فرمایا کہ جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا یہی سچے مومن ہیں پھر ان کے لیے درجات اور مغفرت اور رزق کریم کی بشارت دی، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ تین انعام مذکورہ بالا تین قسم کے اوصاف کے مقابل ہیں ایمان باللہ اور اللہ کے ذکر کے وقت ہیبت سے سہم جانا اور اس کی آیات سن کر ایمان کا بڑھ جانا اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنا، یہ امور قلب یعنی دل سے متعلق ہیں اس کا انعام درجات عالیہ رفیعہ کی صورت میں ملے گا اور اقامۃ الصلاۃ میں تمام بدنی عبادات آگئیں۔ ان کے مقابلہ میں مغفرت کا انعام ہے۔ (عموماً عبادات بدنیہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے) اور وجوہ خیر میں مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں رزق کا وعدہ فرمایا، قال صاحب الروح (ص ۱۲۹ ج ۹) و ربما يقال فی وجه ذكر هذه الاشياء الثلاثة علی هذا الوجه ان الدرجات فی مقابلة الاوصاف الثلاثة اعنی الوجل والاخلاص و التوكل و يستأنس له بالجمع و المغفرة فی مقابلة اقامة الصلوة و يستأنس له بما ورد فی غير ما خبر ان الصلوٰة مكفرات لما بينها من الخطايا و انها تنقی الشخص من الذنوب كما ينقی الماء من الدنس، و الرزق الكريم بمقابلة الانفاق اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس ترتیب سے ان تین چیزوں کے ذکر کی وجہ بعض دفعہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جنت کے درجات تو تین اوصاف یعنی خوف، اخلاص اور توکل کے بدلہ میں اور اطمینان و مغفرت نماز قائم کرنے کے بدلے میں ہے اور کئی احادیث میں ہے کہ نمازیں ایک دوسرے کے درمیانی وقت کی کوتاہیوں کے لیے کفارہ ہیں اور یہ آدمی کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کو صاف کر دیتا ہے اور رزق کریم انفاق کے بدلہ میں ملے گا)۔

درجات جنت کی وسعت:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اور ان درجات کے درمیان آپس میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ان میں فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہیں اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۹۶)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجات ہیں اگر سارے جہان ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو اس ایک درجہ میں سب سما جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۷)

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا، وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا، گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں، اور جب اللہ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لیے ہے اور تم خواہش کر رہے تھے کہ جو جماعت شوکت

Marfat.com

والی نہیں ہے وہ تمہارے لیے ہو جائے، اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کا حق ہونا ثابت فرمادے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو سچا کردے اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

غزوۂ بدر کا تذکرہ

ان آیات میں غزوۂ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے، غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ سورۂ آل عمران کے رکوع دوم (انوارالبیان ج ۲) میں اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر۱۲ (انوارالبیان ج ۲) میں گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا ہے ﴿وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (اور یہ بات واقعی اور حقیقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم کمزور تھے)۔

آگے بڑھنے سے پہلے پورا واقعہ ذہن نشین کرلینا چاہئے تاکہ آیت کریمہ میں جو اجمال ہے اس کی تشریح سمجھ میں آجائے۔ قریش مکہ ہر سال تجارت کے لیے ملک شام جایا کرتے تھے مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہر مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے، اب آگے یہ سمجھیں کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لیے شام گیا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے جو (اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے تو سرور عالم ﷺ کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گزر رہا ہے چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال کو عطا فرمادے، آپ نے تاکیدی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جنگ کرنے نکل رہے ہیں اس لیے بعض صحابہ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ منورہ ہی میں رہ گئے، ابوسفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے اس لیے وہ راستہ میں راہ گیروں سے اس بات کا کھوج لگاتا ہوا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان ہمارے قافلہ کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی اس نے اپنا راستہ بدل دیا اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کے لیے جلدی جلدی آگے روانہ کردیا، اس کو اس کام کا محنتانہ دینا بھی طے کردیا۔ ضمضم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دے دی کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلے کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلہ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کرلو، یہ خبر سنتے ہی اہل مکہ میں ہل چل مچ گئی اور مقابلہ کے لیے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابوجہل تھا بڑے کروفر اور اسباب عیش وطرب کے ساتھ اکڑتے اور اتراتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے بدر ایک آبادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ رابغ مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم رہ جاتا ہے، بدر نامی ایک شخص تھا جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس بستی کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنویں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی، قریش مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تاکہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لیے ابھاریں، اس لشکر میں تقریباً تمام سرداران قریش شامل تھے، صرف ابولہب نہ جاسکا تھا اس نے اپنی جگہ ابوجہل کے بھائی عاصی بن ہشام کو بھیج دیا تھا، ان لوگوں کے ساتھ دیگر سامان حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کے لیے بھی اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے، سب سے پہلے ابوجہل نے مکہ سے باہر آکر دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقام عسفان میں اُمیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کیے، پھر مقام قدید میں سہیل بن عمرو نے سو اونٹ ذبح کیے پھر اگلی منزل میں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کیے پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقام جحفہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کیے۔ اس طرح ہر منزل میں دس دس اونٹ ذبح کرتے رہے اور کھلاتے رہے، اور ابوالبختری نے بدر پہنچ کر دس اونٹ ذبح کیے۔

Marfat.com

قریش مکہ تو مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا وہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔آپ نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر نمبروار سوار ہوتے تھے۔ہر تین افراد کو ایک اونٹ دیا گیا تھا۔خود آپ ﷺ بھی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔نوبت کے اعتبار سے آپ بھی پیدل چلتے تھے۔مقام روحاء تک یہی سلسلہ رہا جب روحاء سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو واپس فرما دیا تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آپ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ برابر سوار رہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چل لیں گے۔آپ نے جواب میں فرمایا ما انتما باقوی منی و لا انا باغنی عن الاجر منکما (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰) (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بہ نسبت بے نیاز نہیں ہوں۔یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے) جب آنحضرت ﷺ وادی ذفران میں پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش مکہ سے جنگ کی نوبت آ گئی۔آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لیے نکل چکے ہیں اب کیا کیا جائے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہہ دیا تھا ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (تو اور تیرا رب چلے جائیں دونوں قتال کر لیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد[1] تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اشیروا علی ایها الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصاری حضرات اپنی رائے پیش کریں۔آپ کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یارسول اللہ ﷺ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے۔آپ کی تصدیق کی ہم نے گواہی دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے آپ اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر راہ میں سمندر آ گیا اور آپ اس میں داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھا دے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔آپ اللہ کی برکت کے ساتھ چلئے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوشخبری قبول کر لو۔اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطاء فرمائیں گے (ایک جماعت ابوسفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریش مکہ کا لشکر) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ جس جماعت سے مقابلہ ہوگا ان کے مقتولین کہاں کہاں پڑے ہیں۔

اس کے بعد آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔راستہ میں ایک غلام سے ملاقات ہوئی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے پوچھا کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کا تو مجھے کوئی پتہ نہیں۔یہ ابوجہل، عتبہ اور اُمیہ بن خلف آ رہے ہیں۔بعض

[1] ''برک الغماد'' یہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے پانچ رات کی مسافت پر ہے۔(نہایہ ابن کثیر)

Marfat.com

روایات میں یوں ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تھا کہ ابوسفیان کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم اس سے تعرض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریش مکہ کے آنے کی خبر سنی گئی ہے۔ ان سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمیں تو قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابوسفیان کے قافلہ کے لیے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے اس پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال جواب مقام روحاء میں ہوئے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریش مکہ سے جنگ کی طاقت نہیں۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ (اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ حق ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں) جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریش مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لیے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ اس پر ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں وہاں تین دن قیام کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے، شرابیں پئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کے لیے نکلے تھے ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہٰذا چلو آگے بڑھو۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہ سے مشورہ فرمایا تو ان میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ ابوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہئے کیونکہ وہ لوگ تجارت سے واپس ہو رہے ہیں، جنگ کرنے کے لیے نہیں نکلے، ان میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہٰذا ان پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لیے چلے ہیں اور تیاری کر کے نکلے ہیں۔ لہٰذا ان سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ﴿وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾ (اور تم چاہتے تھے کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آ جائے جو قوت و طاقت والی نہیں تھی)۔

قریش مکہ نے آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حق نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہل ایمان کو طبعاً کراہت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہل مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور طمطراق سب دھرا رہ گیا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان ہوگی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ﴾ (اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت فرما دے) ﴿وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافروں کی بنیاد کو کاٹ دے) ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ (تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ثابت فرما دے اور باطل کا باطل ہونا ثابت فرما دے) ﴿وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو)۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ مشرکین مکہ ذلیل ہوئے، اسلام کا حق ہونا علی الاعلان ثابت ہوا اور باطل کا باطل ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ دوست اور دشمن سب نے دیکھ لیا اسی لیے یوم بدر کو یوم الفرقان فرمایا۔ جیسا کہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آ رہا ہے۔ (پوری تفصیل کے لیے البدایہ والنہایہ ص ۲۵۶ ج ۳ کا مطالعہ فرمائیں)

فائدہ: ﴿كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ میں جو کاف تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف المغانم سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کما انکم لما اختلفتم فی المغانم انتزعہ اللہ منکم کذلک لما کرھتم الخروج

Marfat.com

الی الاعداء کان عاقبة کراھتکم أن قدرہ لکم و جمع بہ بینکم و بین عدوکم علی غیر میعاد رشدا وھدیٰ۔ (جیسا کہ تم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تم سے چھین لیا اسی طرح جب تم نے دشمن کی طرف نکلنے کو ناپسند کیا تو اس کے دشمنوں سے لڑائی مقدر کر دی اور تمہاری اور دشمن کی مڈبھیڑ کرا دی بغیر کسی وعدہ و میعاد کے) اور بعض حضرت نے اس تشبیہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔ یَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ مجادلة کما جادلوك یوم بدر فقالوا اخرجتنا للعیر و لم تعلمنا قتالہ فنستعد لہ ذکرھما (وہ آپ سے مال غنیمت ایسے مانگتے ہیں جیسے وہ آپ سے بدر والے دن جھگڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ نے ہمیں قافلہ کے لیے نکالا تھا لڑائی کی خبر تو نہیں دی تھی کہ ہم اس کی تیاری کرتے) (ابن کثیر ص ۲۸۴، ۲۸۵ ج ۲) صاحب روح المعانی نے متعدد وجوہ نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حالھم ھذہ فی کراھة ما وقع فی امر الانفال کحال اخراجك من بیتك فی کراھتھم لہ (غنیمت کے معاملہ میں واقع ہونے والی صورت حال میں ان کی ناپسندیدگی ایسی ہے جیسے آپ کا ان کو گھر سے نکالنا انہیں ناپسند تھا) (یعنی یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کے بارے میں ایسے سوال کر رہے ہیں جیسا کہ اس وقت جھگڑ رہے تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے لیے مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ اس وقت یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ جنگ کرنی ہوگی۔ اگر آپ پہلے سے بتا دیتے تو ہم اس کے لیے تیاری کر لیتے) (ھذا راجع الی ماذکرہ ابن کثیر اولا) پھر صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تقدیرہ و اصلحوا ذات بینکم کما اخرجك و قد التفت من خطاب جماعة الی خطاب واحد (اصل عبارت یہ ہے کہ اور تم آپس میں اصلاح کر لو جیسا کہ آپ کو نکالا ہے۔ اس میں پہلے جماعت کو خطاب ہے پھر روئے سخن ایک کی طرف ہو گیا) پھر لکھا ہے۔ و قیل المراد و اطیعوا اللہ و الرسول کما اخرجك اخراجا لامریة فیہ و قیل التقدیر یتوکلون توکلا کما اخرجك۔ و فیہ اقوال اخر (بعض نے کہا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو جیسا کہ اس نے تجھے نکالا کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے اور بعض نے کہا تقدیر یہ ہے کہ وہ بھروسہ رکھیں جیسا کہ اللہ نے تجھے نکالا)۔ (راجع روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۹)

فائدہ نمبر ۲: اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دو دن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا اور بعض روایات میں ہے کہ مقام روحاء میں اور بعض روایات میں ہے کہ وادی ذفران میں مشورہ کیا، ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے ان کی رائے کا اظہار مطلوب ہوتا کہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب یقین ہو جائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کی تعیین میں بھول ہوئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے اور اللہ نے اس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل، اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

غزوۂ بدر کے موقعہ پر رسول ﷺ کا دُعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا

قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز و سامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستہ میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرت صحابہ سے مشورہ کیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے

Marfat.com

بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۵۶۴ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زوردار دعا کرتے رہے دعاء کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ (اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے پورا فرمائیے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی)۔

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصر سی جماعت ہے اگر یہ ہلاک ہوگئے تو جوان کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ان میں بھی کمزوری آجائے گی اور ایمان واسلام کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات نیاز کے انداز میں بارگاہ الٰہی میں عرض کردی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہٗ لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دعاء میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ سے چھٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجیے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زوردار دعا کی ہے یہ کافی ہوگئی۔ بے شک آپ کا رب وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت ﴿فَاسْتَجَابَ لَکُمْ﴾ نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آگے رہیں گے، لفظ مردفین کا ایک معنی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ (و ھو قریب من الاول)

فرشتوں کا نازل ہونا اور مومنین کے قلوب کو اطمینان ہونا

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف تھے اور اسی جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا ﴿وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ﴾ (آل عمران) (فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لیے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو) فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہوگیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

﴿وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ (اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے) وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کو فتح ونصرت اور غلبہ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے تھوڑا بہت قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ اُن کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں ﴿فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں ذکر آرہا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ ہزار آدمیوں کے لیے ایک فرشتہ بھی

Marfat.com

کافی تھا۔ ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

جب چین دینے کے لیے اللہ اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری فرمارہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرمارہا تھا تاکہ تمہیں پاک کردے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دور فرمادے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جمادے

بدر میں مسلمانوں پر اُونگھ کا طاری ہونا

اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لیے ان پر اُونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر بھی اُونگھ بھیجی تھی۔ جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اس اُونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کررہے تھے اس کا احساس ختم ہوگیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کردیتی ہے خوشی سے بھی اور رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہوگیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک برابر نماز میں مشغول رہے (کمافی الدرالمنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی۔ اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک تو نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا، دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گئی اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں کیچڑ ہوگئی (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر تشریف لے گئے اور وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھی۔ اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی ضرورت تھی لہٰذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کررکھا ہے اور تم حالت جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوب زیادہ بارش برسائی۔ لہٰذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دور ہوگئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو دور فرمادیا (جس سے باطنی نجاست بھی دور ہوگئی) اور ریت سیمنٹ کی طرح جام ہوگیا۔ جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہوگیا اور اس سے دلوں کو اطمینان ہوگیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پورے پر مارو۔

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمانا

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مومنین کے قلوب کو جماؤ اور اُن کو معرکہ میں ثابت رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور

Marfat.com

قیدی بنے۔ ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنا دیا۔ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہیے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرائیل کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑ سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہے تھا اقدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لیے آئے ہیں۔ (صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم قتل کیا ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے۔ میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی حبیش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لیے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا) آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۳)

﴿فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ سے سروں میں مارنا مراد ہے اور كُلَّ بَنَانٍ سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کمافی روح المعانی)

فَاضْرِبُوْا کا خطاب کس کو ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو خطاب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کو اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کو خطاب ہے۔ اعناق اور بنان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ سروں کے کٹ جانے سے آدمی ضرور مرجاتا ہے اور انگلیوں کے پوروں پر مارا جائے تو اگرچہ مرتا نہیں مگر ہتھیار اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جنگ کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے سو اللہ سخت سزا

Marfat.com

دینے والا ہے سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی سزا ملی

ذلك کا مشارالیہ ضرب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو مارنے کا یہ حکم اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ پھر اس کو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ﴾ یہ خطاب اہل کفر کو ہے جو بدر میں شریک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اس عذاب کو چکھ لو اور مزید فرمایا ﴿وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ (بلاشبہ کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے) دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کا بھی تذکرہ فرمادیا اور یہ بتادیا کہ عذاب یہیں ختم نہیں ہوگیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو۔ اور اس دن بجز اس شخص کے جو لڑائی کے لیے رخ بدلنے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو جو شخص پشت پھیرے گا سو وہ اللہ کے غصہ کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر قتال کرو

اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پشت پھیر کر نہ بھاگیں۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا (۲) جادو کرنا (۳) کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا الا یہ کہ حق کے ساتھ ہو (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جنگ کے موقعہ پر پشت پھیر کر چلا جانا (۷) مومن پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷)

آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقعہ پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:

البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اُسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر جا رہا ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو، جس کو اردو کے محاورہ میں پینترا بدلنا کہتے ہیں۔ اس کو ﴿مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ سے تعبیر فرمایا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہو اسے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لیے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں۔ دوسری صورت جس میں پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی جنگ کرنے والا مسلمان، مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے

Marfat.com

تا کہ ان کو ساتھ ملالے اور ان کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ سے تعبیر فرمایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمارا ایک چھوٹا سا دستہ بنا کر بھیجا اس موقعہ پر کافروں نے حملہ کیا اس کی وجہ سے ہم لوگ محاذ چھوڑ آئے، اور مدینہ منورہ آ گئے اور یہ سمجھ کر کہ ہم ہلاک ہو گئے روپوش ہو گئے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم تو راہ فرار اختیار کرنے والوں میں سے ہیں آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم لوگ جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑنے والے ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں (آپ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں جو دو صورتوں میں بھاگنے کی اجازت دی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑے۔ لہٰذا تم ان لوگوں میں شمار ہو جو اپنے لشکر اور جماعت کی طرف پناہ لینے کے لیے آئے، مدینہ میں آنا میرے پاس آنا ہے اور میرے ساتھ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تم اپنی جماعت کی طرف آئے ہو اپنے کو ہلاک نہ سمجھو)۔ (رواہ الترمذی فی اواخر ابواب الجہاد)

فائدہ:

حدیث کی تصریح سے (جس میں سات کبائر بیان کیے گئے ہیں) اور آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دو صورتوں کے علاوہ میدان جہاد کو چھوڑ کر بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ﴾ فرمایا ہے البتہ دیگر معاصی کبیرہ کی طرح توبہ کرنے سے یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوۂ حنین کے شرکاء کے بارے میں فرمایا ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾

بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا:

فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی حرمت اس صورت میں ہے جبکہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کم ہو یا برابر یا دگنی ہو یا زائد تو ہو لیکن دوگنی سے کم ہو۔ اگر کافروں کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہو تو راہ فرار اختیار کرنا جائز ہے ان حضرات کا استدلال آیت شریفہ ﴿فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ سے ہے اور صاحب روح المعانی نے حضرت امام محمد بن الحسن سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لن یغلب اثنا عشر الفاً من قلة یعنی بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوگا (رواہ الترمذی) جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے تو بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر ہونے کی صورت میں میدان چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت نہیں ہے خواہ دشمنوں کا لشکر کتنا بھی زیادہ ہو اور یہ بات بار با آزمائی جا چکی ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا۔ اخلاص نہ ہونے یا اعجاب نفس کی وجہ سے مغلوبیت ہو جائے یہ دوسری بات ہے (کما وقع غزوۃ حنین) غزوۂ بدر میں کافروں کی تعداد تین گنا تھی پھر بھی فرار کی اجازت نہ تھی کیونکہ اس وقت تک آیت کریمہ ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ﴾ نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ
مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا، اور جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا، اور تا کہ اللہ

Marfat.com

مومنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے

غزوہ بدر میں بظاہر مسلمانوں نے جنگ کی ان کے ساتھ فرشتوں نے بھی شرکت کی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہی موثر حقیقی ہے اور سب کچھ اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اسی لیے یہ فرمایا کہ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ﴾ کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیجیے، آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ مٹی مشرکین میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں اور ناک کے نتھنوں اور منہ میں پہنچ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، اب مسلمان ان پر پل پڑے، ان کو قتل بھی کرتے رہے اور قید بھی کرتے رہے۔ آپ نے جب ان کی طرف مٹی پھینکی تو ان کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا: شاهت الوجوه (دشمنوں کے چہرے بدصورت ہو گئے) اس پر وہ لوگ شکست کھا کر بھاگے، اسی کو فرمایا ﴿وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (اور یہ جو آپ نے مٹی پھینکی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے چہروں تک پہنچا دی اور اس کو شکست کا سبب بنا دیا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵ ج ۲) یہ مٹی پھینکنے کا واقعہ غزوہ حنین کے موقعہ پر بھی پیش آیا تھا۔ (کما ذکرہ صاحب الروح وغیرہ)

پھر فرمایا ﴿وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا﴾ (اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی طرف سے اچھا انعام دے) لفظ بلا انعام کے معنی میں بھی آتا ہے اور آزمائش کے معنی میں بھی مفسرین نے یہاں انعام کا معنی لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایسا اچھا انعام عطا فرمائے جس میں تکلیفیں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کافروں کو قتل کیا اور مٹھی بھر مٹی ان کی آنکھوں کو پہنچائی اور ان کو شکست دی جس کی وجہ سے اہل ایمان فتح یاب اور ظفریاب ہوئے یہ اللہ کا انعام عظیم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا دوسرا ترجمہ بھی کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ و اختار بعضهم تفسيره بالا بلاء في الحرب یعنی بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو جنگ میں اچھی طرح سے آزمائے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ (بلاشبہ اللہ سننے والا ہے) جس نے مسلمانوں کی دعا سنی اور فریاد رسی کی اور مدد فرمائی علیم (جاننے والا ہے) سب کی نیتوں کو اور ظاہر کو اور باطن کو بھی جانتا ہے، اس کے بعد فرمایا ذٰلِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تو یہ ہے کہ جو ابھی مذکور ہوا ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے) یہ دوسرا انعام ہے بدر کے موقعہ پر دشمن بہت زیادہ تھے ان کے پاس ساز و سامان بھی بہت تھا۔ اپنے خیال خام میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے آئے تھے لیکن ان کی ساری تدبیر دھری رہ گئی اور بھاری تعداد میں مقتول ہوئے اور قیدی بنا لیے گئے۔ سیاق کلام تو غزوۂ بدر سے متعلق ہے لیکن جملہ اسمیہ پر حرف ان بھی داخل ہے جو تحقیق کے لیے آتا ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد آج تک اس کا تجربہ ہوتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے مقابلہ میں بارہا کافروں کی تدبیریں کمزور فرما دیں۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْــًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے، اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے، اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اگرچہ کثیر تعداد میں ہو، اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

Marfat.com

مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

مفسرین نے لکھا ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن لڑائی ہونے سے پہلے یوں دعا کی تھی کہ اے اللہ! یہ جو دو جماعتیں ہیں (ایک مومنین دوسرے مشرکین) ان میں سے جو بھی قطع رحمی میں بڑھ کر ہو اور جو ایسی چیز لے کر آیا ہو جسے ہم نہیں جانتے آج کی صبح اسے شکست دے دینا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین بدر کے لیے روانہ ہونے لگے تو کعبہ شریف کے پردے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور یوں کہا کہ اے اللہ دونوں لشکروں میں سے جو لشکر آپ کے نزدیک اعلیٰ، اکرم اور بہتر ہو اس کی مدد فرمایئے۔ (ص ۲۹۶ ج ۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بدر کے دن دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو ابوجہل نے کہا اے اللہ ہمارا دین قدیم ہے اور محمد کا دین نیا ہے۔ دونوں دینوں میں جو دین آپ کو محبوب ہو اور آپ اس سے راضی ہوں اسی دین کے اصحاب کی مدد کیجیے (روح المعانی ص ۱۸۷ ج ۹) مشرکین نے یہ دعا کی تھی جن میں ابوجہل پیش پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور جو دین اللہ کے نزدیک محبوب تھا اسی دین (یعنی اسلام) کے ماننے والوں کی مدد فرمائی اور ان کو فتح یاب فرمایا، آیت بالا میں اسی کا ذکر ہے کہ تم نے جو دعا کی تھی اور حق و باطل کا فیصلہ چاہا تھا وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا اہل حق کی اللہ نے مدد فرمائی، اب تمہیں اپنی دعاء کے مطابق بھی کفر پر باقی رہنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔

﴿وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (اور اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دشمنی سے اور آپ کے مقابلہ میں جنگ کے لیے آمادہ ہونے سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) یہ خطاب اُن کافروں کو ہے جو قید کر لیے گئے اور جو کافر مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی ان سے فرمایا ﴿وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ﴾ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے، جو پہلے کیا تھا یعنی اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے منصوبے بنائے اور جنگ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تو پھر ہم وہی کریں گے جو مذکورہ جنگ یعنی غزوہ بدر کے موقع پر کیا یعنی اہل ایمان کی مدد کریں گے ان کو فتح یابی دیں گے اور پھر تم ذلیل و خوار ہو گے ﴿وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ﴾ اور یہ جو تم اپنی جماعت کو بڑی دیکھ رہے ہو اور اس کی جمعیت پر بھروسہ کر رہے ہو یہ کتنی بھی زیادہ ہو جائے تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی، ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اور اللہ مومنین کے ساتھ ہے) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین عرب اور خاص کر مشرکین مکہ کے لیے اس بات کے سوچنے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پھر جنگ کرنے کا ارادہ کریں جب کہ اللہ نے ہمیشہ کے لیے مستقل اعلان فرما دیا کہ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ لیکن مشرکین کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور غزوہ احزاب میں پھر قبیلوں اور جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان کی بہت بڑی بھاری جمعیت تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو کفار تھوڑے سے مسلمانوں کو جو ابتدائے اسلام میں تھے بالکل ہی ختم کر دیتے اور دین اسلام بالکل ہی آگے نہ بڑھتا۔ لیکن کافروں کی ہزاروں تدبیریں فیل ہوئیں۔ میدان جہاد میں اُن کی بڑی بڑی بھاری جماعتیں مغلوب ہوئیں، ان میں سے لاکھوں مقتول ہوئے اور الحمد للہ ایمان ہمیشہ بڑھتا چڑھتا رہا اور آج بھی کافروں کی تدبیریں فیل ہیں ان کے دلوں میں ان کے گھروں میں ان کی موجودہ نسلوں میں اسلام داخل ہو رہا ہے۔ یورپ و امریکہ میں روزانہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ و لقد صدق الله و ان الله مع المومنين (یقیناً اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین کے ساتھ ہے) دنیا میں جو کہیں مسلمانوں کی شکست ہے وہ ان کے فسق کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے اعمال پر مستقیم نہیں ہیں۔ اخلاص سے بھی خالی ہیں۔ لہٰذا دشمنوں کے نرغے میں آ جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا

Marfat.com

يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو، اور ان میں سے مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے، بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے ہیں، بہرے ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے، اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے تو ان کو ضرور سنا دیتا، اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! تم حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے، اور جان لو کہ بے شک اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان، اور بے شک تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا اور حکم کی تعمیل کرنے کا اور حکم بجالانے کا حکم فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو، یعنی جب تم بات سن رہے ہو قرآن کا حکم تمہارے سامنے ہے رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں تو عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کوئی عذر نہیں جو عمل سے روکے، مزید فرمایا ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) ان سے کافر اور منافق مراد ہیں۔ ان کے کانوں میں تو بات جاتی ہے لیکن چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ماننا اور سمجھنا نہیں ہے اس لیے کانوں کا سننا نہ سننے کے برابر ہو جاتا ہے اور اس سننے سے بالکل منتفع نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ﴾ (الآیۃ) یعنی بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں سمجھ نہیں رکھتے دواب جمع ہے دابۃ کی، عربی لغت کے اعتبار سے دابہ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برے وہ لوگ ہیں جو نہ تو حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں اور ان کی انتہائی بری حالت یہ ہے کہ سمجھتے بھی نہیں۔ بہرا شخص بعض دفعہ کچھ اشارہ سے سمجھ تو لیتا ہے لیکن جس میں عقل ہی نہ ہو وہ تو کسی طرح سمجھتا ہی نہیں۔ یہ کافروں کی بدحالی ہے۔

اور اگر دابہ بمعنی چوپایہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کفر چوپایوں کی طرح سے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ سورۂ فرقان میں فرمایا ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) پھر فرمایا ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے یعنی حق کی طلب ہے تو انہیں سنا دیتا) یعنی ایسے سننے کی توفیق دیتا جو سننا اعتقاد کے ساتھ ہو۔ اور یہ سننا ان کے لیے فائدہ مند بن جاتا اور چونکہ ان کو طلب حق نہیں ہے اس لیے اگر اللہ تعالیٰ ان کو سنائے تو روگردانی کریں گے اور دوسری طرف رخ کر کے چل دیں گے۔

بات یہ ہے کہ جب طلب نہیں ہوتی تو کان میں پڑنے والی بات اثر نہیں کرتی اور ساری سنی ان سنی کے برابر ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجالاؤ جب اللہ کا

Marfat.com

رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے) اس میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں فرمایا کہ وہ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے اس سے حقیقی زندگی مراد ہے اور وہ ایمان واعمال صالحہ والی زندگی ہے جس سے دنیاوی زندگی بھی زندگی بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی ابدالآباد کی زندگی نصیب ہوگی، کفر کے ساتھ زندگی کوئی زندگی نہیں، زندگی اپنے آقا وخالق ومالک کی وفاداری کا نام ہے جو اپنے رب سے غافل ہے وہ زندہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مثل الذی یذکر ربہ و الذی لا یذکر مثل الحی و المیت (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶ از بخاری) (مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ اور زندہ کی سی مثال ہے) جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور جو اس کی یاد میں لگے ہوئے ہیں وہ زندہ ہیں۔ حیات ابدی کے لیے ایمان ضروری ہے اور اعمال صالحہ سے ایمان میں نورانیت آجاتی ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ آخرت میں جو طرح طرح کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی ان میں اعمال صالحہ کو دخل ہوگا۔ اہل ایمان کی جنت والی زندگی کے بارے میں سورہ عنکبوت میں فرمایا۔ ﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ﴾ (اور بے شک دار آخرت ہی زندگی ہے) اور اہل کفر کے بارے میں فرمایا ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی﴾ (کہ وہ اس میں نہ زندہ رہے گا اور نہ مرے گا۔ درحقیقت عذاب عظیم کے ساتھ جینا کوئی زندگی نہیں ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ﴾ (اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ حائل ہوجاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان) صاحب روح المعانی (ص ۱۹۱ ج ۹) نے اس کا ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اس سے قرب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب سے بھی زیادہ بندہ سے قریب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں۔ پھر بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اس کے تصرف سے دلوں کے عزائم اور مقاصد بدل جاتے ہیں، وہ کسی کو رشد وہدایت سے نوازتا ہے اور کسی کو صراط مستقیم سے ہٹا دیتا ہے۔ کسی کے امن کو خوف سے بدل دیتا ہے اور جو چیزیں یاد ہوں ان کو بھلا دیتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا فرماتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ (اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ) یہ سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کثرت سے یہ دعا فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اے ام سلمہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دل اللہ کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو، جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے اور جسے چاہے ہٹا دے، صاحب روح المعانی نے اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ البتہ مفسر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۲ نے بحوالہ مسند احمد یہ حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۲۰ پر صحیح مسلم سے نقل کیا ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور بلاشبہ تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے اس میں یوم آخرت کے استحضار کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ آخرت کا استحضار تمام اُمور دینیہ اور دُنیویہ کے درست ہونے کا ذریعہ بن جاتا اور آخرت سے غفلت ہی عموماً گناہوں اور خرابیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور تم ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے وہ صرف انہی لوگوں کو محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کیے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہ گاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو اُن گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہگاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لیے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اسے نہ روکتے ہوں تو ان لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں، قرعہ ڈال کر آپس میں طے کر لیا کہ کون لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں، جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لیے اوپر جاتے ہیں، اوپر والے لوگ ان کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں تو) انہوں نے ایک کلہاڑا لیا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اوپر والے آئے اور انہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہٰذا ہم یہیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے (تاکہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی بچا لیں گے اور اپنی جان کو بھی بچا لیں گے۔ اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۳۳۹ ج ۱۔ ۳۶۹ ج ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں، اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں سبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت اُلٹ دو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلاشبہ ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کر دیا جائے)؟ اللہ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو۔ کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر نہیں آیا یعنی یہ شخص زبان اور ہاتھ سے تو لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔[1]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب عذاب آتا ہے تو اس وقت دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے امر المعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دعا مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام و خواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے فکرمند ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلوتہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج ۵ عن الطبرانی فی الاوسط)

آخر میں فرمایا ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے) اس کا مراقبہ کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے زمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں، سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار رہو

مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاد دہانی

بدر میں جو اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کی مدد فرمائی، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ واقعہ بدر کی وجہ سے مسلمانوں کو شوکت اور عزت مزید حاصل ہوگئی اور پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور قریش مکہ (جو تجارت کے لیے ملک شام آیا جایا کرتے تھے) کے واسطہ سے قیصر و کسریٰ کو بھی مسلمانوں کی اس فتح یابی کا علم ہوا اور انہیں بھی مسلمانوں کی اُبھرتی ہوئی طاقت کا پتہ چل گیا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی اور مشرکین نے جو بری طرح شکست کھائی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے اس انعام کا احسان جتایا اور ان کی سابقہ کمزوری کو یاد دلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنا وہ وقت یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے ضعیف بھی تھے۔ مکہ کی سرزمین میں تمہاری کچھ بھی حیثیت نہیں تھی۔ تمہیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لیں گے اور کفار مکہ تمہیں ختم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ تمہیں مدینہ منورہ میں ٹھکانا دیا جہاں رہنے کی جگہ بھی مل گئی اور دشمنوں سے حفاظت بھی ہوگئی۔ پھر جب مقام بدر میں دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی اور مدد فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں نصیب فرمائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے تمام حلال اور لذیذ چیزیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جو اموال بدر میں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے وہ مراد ہیں۔ آخر میں فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (تاکہ شکر گزار بندے بنو)۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول کی، اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کی امانتوں میں حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو

درمنثور (ص ۱۷۸ ج ۳) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان کی مکہ سے روانگی ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو بتادیا کہ ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے لہٰذا اس کی طرف نکل کھڑے ہوں اور اس بات کو پوشیدہ رکھیں لیکن بعض منافقین نے ابوسفیان کو بذریعہ خط اطلاع دے دی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قافلے پر حملہ آور ہونے کے لیے ارادہ کررہے ہیں لہٰذا تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ایک روایت یوں ہے جو حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ بنو قریظہ (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) انہوں نے جب معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا انہوں نے کہا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو بالغ مرد ہیں ان کو قتل کردیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے۔ ان کے اس فیصلہ کا علم حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہوگیا جو یہودیوں کے حلیف تھے انہوں نے یہودیوں کو اپنے گلے پر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے یہ بتادیا کہ تمہارے

Marfat.com

بارے میں قتل کا فیصلہ ہے۔اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سمجھ گئے کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے لہٰذا انہوں نے مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہنے لگے کہ میں نہ کچھ چکھوں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لیے استغفار کر دیتا۔اب جو اس نے خود ایسا کر لیا ہے تو میں اس وقت چھوڑ سکتا ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔سات دن تک انہوں نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ان کو کھول دیا۔(روح المعانی ص ۱۹۰ ج ۹)

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس کا عموم ہر طرح کی خیانت کو شامل ہے اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا لا تخونوا اللہ بترک فرائضه و الرسول بترک سنته یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت نہ کرو۔(درمنثور ص ۱۷۸ ج ۳)

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت ہے اور جن چیزوں کو پوشیدہ رکھنے کا حکم فرمایا ہو ان کو ظاہر کر دینا بھی خیانت میں شمار ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کرنے کی ممانعت کے بعد فرمایا ﴿وَلَا تَخُونُوٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو چونکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لیے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔مالی خیانت کو تو سبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص امانت رکھ دے تو اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دو شریک آپس میں خیانت کر لیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ یہ سب خیانتیں ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی، فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دیانت داری کے دعویدار اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں۔ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانت دار ہے۔چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانت دار ہیں۔انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لیے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی، پڑوسی، میاں بیوی، اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانت دار ہیں۔جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔مالیات کے علاوہ دیگر امور میں خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی تم امانتوں میں خیانت نہ کرو جبکہ تم خیانت کا برا انجام جانتے ہو اور تمہیں اس کے معصیت ہونے کا علم ہے۔

امانت اور خیانت کے بارے میں تفصیلی نصائح اور احکام ہم سورۂ نساء کی آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں[1] اور ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور تم جان لو کہ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے

[1] انوارالبیان (جلد اول) احقر کا رسالہ "امانت و خیانت" ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اموال اور اولاد فتنہ ہیں

یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ امتحان کی چیز کو کہا جاتا ہے۔ مال اور اولاد کا فتنہ ہونا کئی وجوہ سے ہے۔ مال و اولاد کی مشغولیت اور محبوبیت صحیح طریقہ پر کام نہیں کرنے دیتی، جہاد کی شرکت سے باز رکھتی ہے۔ نماز بھی صحیح طریقہ سے پڑھنے نہیں دیتی، پوری زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی نفس انکار کرتا ہے حج فرض ہو جاتا ہے تو برسوں تاخیر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حج فرض ہوتے ہوئے حج کیے بغیر مر جاتے ہیں اور دیگر فرائض و واجبات میں بھی دنیاوی مشاغل رکاوٹیں ڈالتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے تنبیہ فرمائی کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں یہ آزمائش کی چیزیں ہیں، آزمائش میں پورے اترو، مال اور اولاد تمہارے امتحان میں فیل ہونے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ آیت میں لفظ اموال کو اولاد سے پہلے لایا گیا ہے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ مال کا فتنہ اولاد کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت کعب بن عیاض نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان لکل امة و فتنةٌ امتی المال (بلاشبہ ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری اُمت کا فتنہ مال ہے)۔[1]

اول تو مال کمانے میں یہ دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ مال حلال ہو، حلال کمائی کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور اس کے کمانے میں فرائض و واجبات کو ضائع نہ کیا ہو کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے کا مسئلہ ہے۔ خرچ کرنے کے بارے میں بھی شریعت کے احکام ہیں اور خلافِ شرع خرچ کرنے پر مواخذہ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے۔ ۱۔ عمر کہاں فنا کی ۲۔ جوانی کہاں گنوائی ۳۔ مال کہاں سے کمایا ۴۔ اور کہاں خرچ کیا ۵۔ علم پر کیا عمل کیا۔[2]

معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں دوہرا سوال ہوگا، دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اول تو کمانے ہی میں حلال حرام کا خیال نہیں ہوتا اور پھر خرچ کرنے میں بھی شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی، اولاد کی محبت میں اور بیویوں کی فرمائش پوری کرنے کے لیے بہت سے حلال پیشے حرام راستے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر زیادہ مال کی طلب تو اور بھی زیادہ ناس کھو دیتی ہے، سود جوئے اور سٹہ بازی کے ذریعہ نیز رشوتیں دے کر اور رشوتیں لے کر، اور حرام چیزوں کا کاروبار کر کے اور اپنے شرکاء تجارت کی خیانت کر کے مزدوروں کا حق مار کر نمازیں برباد کر کے، اصحاب حقوق کے حقوق روک کر، مال جمع کیا جاتا ہے، ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسے تو دنیا سے چلا جانا ہے یہ مال تو دوسروں کے قبضہ میں آئے گا میں دوسروں کے لیے اپنی آخرت کیوں خراب کروں؟ لیکن بینک بیلنس کی فکر، نوٹوں کی گڈیوں کی محبت، اس چیز کو سوچنے نہیں دیتی۔ اولاد بھی فتنہ ہے، اولاد کی فرمائش پوری کرنے اور ان پر عمدہ مال خرچ کرنے اور ان کی شادیوں میں مال لگانے اور موت کے بعد ان کے لیے مال چھوڑنے اور ان کے لیے گھر در بنانے میں بہت سے گناہ ہوتے ہیں اور خلاف شرع بہت سے کام کیے جاتے ہیں۔

جو چیز امتحان کے لیے دی گئی تھی اس کی مشغولیت اور محبوبیت میں بہت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مومن بندوں کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہئے کہ کہیں اموال و اولاد کی محبت میں پڑ کر امتحان میں فیل نہ ہو جائیں۔ فیل ہونے پر جہاں عذاب کی وعیدیں ہیں وہاں امتحان میں کامیاب ہونے پر اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے آیت کے اخیر میں اسی کو فرمایا ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ (اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے)۔

تقویٰ پر انعام:

دوسری آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا اور گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ ''فیصلہ والی چیز'' سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۲ از ترمذی　[2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳ از ترمذی

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق کر سکیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ سے مومنین کو عزت دے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے۔ (راجع روح المعانی ص ۱۹۶ ج ۹) پھر کفارہ سیئات اور مغفرت ذنوب کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں، اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا۔ اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے

اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے معالم التنزیل (ص ۲۴۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لیے دار الندوہ (پنچایت گھر) میں جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کریں کہ اب آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقعہ پر ابلیس ملعون بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں، ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالبختری بن ہشام بھی تھا۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کر دو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس میں سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اس کی موت کا انتظار کرو، جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا اور اس نے کہا یہ تو بری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آجائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ یہ سن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا، یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید:

اس کے بعد ابوجہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب تگڑا نوجوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دیدی جائے۔ پھر یہ نوجوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان کے خون کی ذمہ داری آجائے گی اور میرے خیال میں بنی

Marfat.com

ہاشم قصاص لینے کے لیے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کر دیں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا، اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے۔ اس نے جو رائے دی ہے میری خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی رائے درست نہیں ہے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد، اور آپ کا صحیح سالم سفر ہجرت کے لیے روانہ ہو جانا:

ادھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور اُدھر حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے مشورہ سے باخبر کر دیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارا کرتے ہیں اس میں اس رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپ کو باخبر کر دیا۔ آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ رات گزارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد آپ سفر ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جو ان کے سروں میں بھر گئی اور آپ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دونوں حضرات راتوں رات غارِ ثور میں پہنچ گئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ امانتیں ادا کریں جو آپ کے پاس رکھی رہتی تھیں (سچائی اور امانتداری ایسی ہی چیز ہے جو سچے اور امانتدار شخص کا لوہا خود منوا دیتی ہے، اہل مکہ آپ سے دشمنی بھی کرتے تھے، لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لیے آپ ہی کو منتخب کر رکھا تھا)۔

مشرکین کی ناکامی:

جب آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے، تو مشرکین مکہ اس خیال سے کہ صبح اٹھ کر باہر تشریف لائیں گے، صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ارادہ تھا کہ حملہ کریں لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔ لہٰذا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں؟ لہٰذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غار ثور تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا بُن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جالا غار کے دروازہ پر کیسے ہوتا؟ آپ اس غار میں تین دن تک تشریف فرما رہے اس کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے آیت بالا میں جو ﴿وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ فرمایا ہے اس میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔ دشمن اپنی تدبیر میں فیل ہوئے اور اللہ کی تدبیر غالب آئی۔ (البدایہ والنہایہ از ص ۱۷۵ تا ص ۱۸۱)

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۳۲ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے وقتوں کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجیے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیجیے۔ اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔

Marfat.com

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں

قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نضر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے عاجز تھے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نضر بن الحارث نے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے طریقہ پر خفت مٹانے کے لیے یوں کہا کہ ''لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ۔'' (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں لیکن کہتے نہیں، ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کے لیے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور مزید اس نے یہ بھی کہا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (اور یہ جو محمد ﷺ سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو ان کی لکھی ہوئی ملتی ہیں)۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد ﷺ نے یاد کر لی ہیں، انہیں کو سناتے رہتے ہیں۔ نضر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی بات کہی تھی۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے تھی، یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ اُمی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے دور کفر پر جمے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نضر بن حارث کا عذاب کے لیے دعا کرنا:

نضر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں وہ کہنے لگا میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں، لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لیے ہم بھی لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ: ''اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے'' اپنے خیال میں اس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے تو ہم حق پر ہیں۔ اس طرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورہ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ ﴿لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ﴾ (جو باتیں ہم کرتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلائل قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے حق واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گو کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کی دعا قبول فرما لیتا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ نضر بن حارث کے سوال پر نازل ہوئی۔ حضرت عطا نے فرمایا کہ نضر بن الحارث کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور غزوۂ بدر میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وحاشیتہ ص ۴۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت بالا ﴿اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ (الآیۃ) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابوجہل نے کیا تھا۔ (چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لیے عذاب نہیں آیا) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اگلی آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲)

Marfat.com

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا کوئی نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم الانبیاء جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آجائے یہ نہیں ہو سکتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس کے دوسرے سال غزوۂ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا اور نضر بن الحارث بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لیے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار، لہٰذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے۔ جو بہت زیادہ شریر تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور آئندہ کے لیے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو امانیں رکھی ہیں جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اٹھالی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالا کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۳ تا ۳۰۵ ج ۲ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیاء نہیں ہیں، اس کے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے، اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز بس یہی تھی کہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سو عذاب چکھ لو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیت اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے

گزشتہ آیت میں یہ بتایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہوتے ہوئے اور اہل مکہ کے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہ دے حالانکہ ان کی حرکتیں ایسی ہیں جو سزا کی مقتضی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور وہاں عبادت و طواف کرنے سے روک دیا پھر جب ۶ ہجری میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا اور

Marfat.com

عمرہ نہ کرنے دیا، ان کی حرکت اس قابل ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جائے کفر اور کافرانہ حرکتوں کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں، مکہ معظمہ میں تو عمومی عذاب نہ آیا لیکن بدر میں سرداران قریش مقتول ہوئے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (ص ۲۴۶ ج ۲) میں بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ﴾ سے عمومی عذاب مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سب ہی ایک ایک کر کے ہلاک نہ کیے جائیں گے اور ﴿وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ میں عذاب بالسیف مراد ہے یعنی ان کی حرکتوں کی وجہ سے وہ اہل ایمان کی تلوار کی زد میں آئیں گے اور مقتول ہوں گے اور ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی آیت میں دنیوی عذاب کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرے قول کے مطابق تفسیر کرنے سے ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ کا ارتباط زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ مَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ﴾ کہ یہ لوگ مسجد کے اولیاء یعنی اس کے متولی نہیں ہیں۔ کعبہ شریف داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے کعبہ اور مسجد حرام پر اہل شرک کو تسلط رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے پھر فرمایا ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ کہ مسجد حرام کے متولی وہی ہیں جو اہل تقویٰ ہیں (جو کفر اور شرک سے بچتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس کی تولیت کا استحقاق اہل ایمان کو ہے جو بعد میں فتح مکہ کے دن متولی ہو گئے، اس دن کافروں کا تسلط ختم ہوا اور مشرکین کچھ مارے گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر یہ بات نہیں جانتے کہ انہیں مسجد حرام کے متولی ہونے کا استحقاق نہیں ہے اور بعض جو اس بات کو جانتے ہیں وہ عناد پر تلے ہوئے ہیں۔ (کمافی الروح ص ۲۰۳ ج ۹)

اس کے بعد اہل مکہ کی عبادت کا تذکرہ فرمایا جس کو وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اختیار کیے ہوئے تھے۔ اپنے خیال میں مسجد کے متولی بھی تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہم عبادت کر کے تولیت کا حق ادا کر رہے ہیں اور ان کی عبادت یہ تھی کہ مسجد حرام میں سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے (جتنے بھی شیطانی دھندے ہوتے ہیں ان میں سیٹیاں، تالیاں، ڈھول، باجے ضرور ہی ہوتے ہیں) اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے، آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے، دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اہل مکہ بھی اسلام قبول نہ کرنے سے عذاب میں مبتلا ہوئے جن میں ایک واقعہ بدر کی شکست اور ہزیمت کا بھی ہے۔ اہل مکہ کو زمانۂ شرک میں جو یہ خیال تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور بحق تولیت ہمیں مسجد حرام سے روکنے کا اختیار ہے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اہل کفر مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ نیز وہ یوں سمجھتے تھے کہ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں اس میں عبادت کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو اس میں عبادت کرنے سے روک دیا تو کیا ہوا؟ ہم خود عبادت گزار ہیں۔ ان کی اس بات کی بھی تردید فرما دیا کہ تمہاری عبادت شیطانی دھندہ ہے۔ تالیاں پیٹنا، سیٹیاں بجانا یہ کہاں کی عبادت ہے؟ اس سے تو مسجد حرام کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۟ۙ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۟۠

بے شک جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں۔ سو یہ لوگ ابھی اپنے مالوں کو خرچ کریں گے پھر یہ مال ان کے حق میں حسرت کا سبب بن جائیں گے، پھر یہ لوگ مغلوب ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے تاکہ ناپاک کو اللہ پاک سے جدا کر دے، اور ناپاک کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے۔ پھر اس کو اکٹھا ڈھیر بنا دے پھر اس کو دوزخ میں

Marfat.com

داخل فرمادے۔ یہ لوگ تباہ کار ہیں۔

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہونگے

مفسر ابن کثیر (ص ۳۰۷ ج ۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو ابو سفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آ گئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ لہٰذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم دوبارہ جنگ کریں اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت بالا ان کے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

اور معالم التنزیل (ص ۲۴۷ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے احد کے موقعہ پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا)۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگر چہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہونگے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافر اس کے بجھانے کے لیے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصود حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ یہ یُحْشَرُوْنَ سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں اہل کفر کا داخلہ اس لیے ہوگا کہ پاک اور ناپاک یعنی مومن اور کافر میں اللہ تعالیٰ تمیز فرما دیں۔ اہل ایمان اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں اور اہل کفر اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

﴿وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ﴾ (تا کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے اور اس کو اکٹھا کر کے دوزخ میں داخل فرما دے) دنیا میں تمام اہل کفر آپس میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لیے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے دار العذاب میں اکٹھے ہو کر اس کی سزا بھگتیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾

جن لوگوں نے کفر کیا آپ ان سے فرما دیجیے اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ ان کے لیے معاف کر دیا جائے گا، اور اگر وہ پھر بھی وہی کریں جو کرتے رہے ہیں تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جمے رہنے کی وعید

اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرما دیں کہ اب تک جو تم کفر پر جمے رہے اور اسلام کی دعوت کو روکنے کے لیے تدبیریں کرتے رہے اور اس بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تائب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کر لو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جو اب تک گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں

Marfat.com

میں سنے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم ص ۷۶ ج ۱)

شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمن اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کرے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور اگر کافر اپنے کفر پر جمے رہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقتول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لیے بہر حال ہے ہی، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ فِیْ نَصْرِ اللّٰہِ اَنْبِیَآءِہٖ وَ اَوْلِیَآءِہٖ وَ اِھْلَاکِ اَعْدَائِہٖ (ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ تکوینی قانون چلا آ رہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی تکوینی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے سو اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین جانو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔ وہ اچھا مولیٰ ہے اور اچھا مددگار ہے۔

کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ کافروں سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ یعنی کفر و شرک باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔ یعنی اہل کفر اسلام قبول کر لیں اور موحد ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے کفار عرب مراد ہیں۔ چونکہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ کفارِ عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ جزیرۃ العرب میں کفر نہ رہے۔ پورا جزیرہ اسلام کا گہوارہ ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کر لیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو برابر جہاد کرتے رہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے اُمراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں آیت کے ختم پر فرمایا ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ (اگر کافر لوگ اپنے کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں) تمہیں شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے انہوں نے دھوکہ دینے کے لیے اسلام قبول کیا ہو پھر بھی قتل کرتے چلے جاؤ ایسا نہ کرنا، تم ظاہر کے مکلف ہو قلوب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر وہ دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی جہینہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ جنگ کے موقعہ پر جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کافروں میں سے ایک آدمی کو قتل کرنے لگے تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے قتل کر دیا جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا اقتلته و قد شهد ان لا اله الا الله کیا تو نے اس کے باوجود اسے قتل کر دیا کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ حضرت اسامہ

Marfat.com

نے عرض کیا انما فعل ذلک تعوذا کہ اس نے جان بچانے کے لیے ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا: فھلا شققت عن قلبه سوتو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب کسی نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں اسے مسلمان مان لینا چاہئے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے۔ دلوں کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے پھر کسی کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا۔ ہمارا کام ظاہر سے متعلق ہے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ اگر کافر لوگ دھوکہ دے کر کوئی شر یا ضرر پہنچانا چاہیں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ وہ تو ظاہر اور باطن سب ہی کو جانتا ہے۔ (قال ابن کثیر ص ۳۰۹ ج ۲) قوله فان انتهوا بقتالكم عما هم فيه من الكفر فكفوا عنهم فان لم تعلموا بواطنهم فان الله بما يعلمون بصير ثم ذكر قصة اسامة بن زيد الذى ذكر ناها و هي مروية في الصحيحين وغيرهما (علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فان انتھوا کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کافر ہونے کے باوجود تم سے قتال کرنے سے رُک جائیں تو تم بھی ان سے قتال سے باز آ‌ؤ۔ اگر تم ان کے باطن کو نہیں جانتے پس اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن کثیر نے حضرت اسامۃ بن زید والا یہ قصہ ذکر کیا جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور یہ قصہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے)۔

دوسری آیت میں فرمایا ﴿وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾ کہ کافر اگر روگردانی کریں اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت اور محاربت پر کمر باندھے رہیں تو ان سے لڑتے رہو اور بزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔ ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد شامل حال ہوگی تو تمہارے لیے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو بلاشبہ اللہ کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لیے اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے، اگر تم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز بھڑ گئی تھیں دونوں جماعتیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان

کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو ان کے اموال بھی قبضہ میں آجاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آجاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اُمت محمدیہ پر کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ قال النبی ﷺ فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلك بان الله راى ضعفنا وعجزنا فطيبها لنا. (رواہ مسلم ص ۸۵ ج ۲) (حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا (ہمارے لیے حلال) اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہماری درماندگی کو دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت حلال کر دیا)۔

کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اولاً پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر

Marfat.com

دیئے جائیں۔ یہ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا۔

﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ﴾ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر تبرکاً ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس نے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ ﴿وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ﴾

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہوگیا۔ اب رہے آپ کے ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار تو ان کا حصہ بھی صرف آپ ہی کی موجودگی تک تھا۔

اب آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کا حصہ مستقل نہیں رہا۔ اس لیے آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کو کچھ نہیں ملے گا البتہ بعد میں جو تین مصرف ذکر کیے گئے ہیں یعنی یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل کے ذیل میں ان حضرات کو بھی مل جائے گا بلکہ ان کو دوسرے یتامیٰ اور مساکین پر ترجیح دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب مال غنیمت سے جو خمس نکالا جائے گا وہ امیر المومنین اپنی صوابدید کے مطابق یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین پر خرچ کرے گا۔ اغنیاء ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جائے گا۔ ان میں جو فقراء یا یتامیٰ یا ابن السبیل ہوں گے ان پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر یتیم اور ہر ہر مسکین اور ہر ہر مسافر کو میراث کی طرح حصہ پہنچایا جائے بلکہ امیر المومنین اپنی صوابدید سے ان مصارف میں خرچ کرے۔ ذوی القربیٰ کے بارے میں یہاں جو مسئلہ لکھا گیا یہ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق ہے۔

خمس کے مصارف بیان فرمانے کے بعد فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ﴾ یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ فیصلہ کے دن جو تمہاری جیت ہوئی وہ ہماری امداد غیبی کی وجہ سے ہوئی تو بلا تردد اور بلا تامل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مصارف مذکورہ میں خرچ کرو۔ تمہیں اس پانچویں حصہ کا نکالنا ناگوار نہ ہونا چاہئے۔ یہ ساری غنیمت اللہ کی امداد غیبی سے حاصل ہوئی۔ لہٰذا خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو۔ یہ خمس نکالنا نفسوں پر شاق نہ ہونا چاہئے۔

یوم الفرقان:

یوم بدر کو یوم الفرقان یعنی فیصلہ کا دن فرمایا اور یہ اس لیے کہ بدر میں اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوا تو مومنین کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باوجود کافروں کو شکست فاش ہوئی اور کھل کر بات سامنے آگئی کہ دین اسلام حق ہے کفر باطل ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

بہت سے عرب قبائل اس سے پہلے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور یہ مشورے کیا کرتے تھے کہ دیکھو مکہ والوں کے ساتھ اہل اسلام کا کیا معاملہ ہوتا ہے اور انجام کار کس کی طرف ہوگا اہل اسلام غالب ہوتے ہیں یا مشرکین مکہ ہی غالب رہتے ہیں۔ غزوۂ بدر کی فتح یابی دیکھ کر ایسے لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ واقعی مشرکین کا عناد اور کفر و شرک پر جمنا باطل چیز ہے فسبحان من اعلی کلمته و نصر حزبه وهزم الاحزاب وحده۔ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنی جماعت کی مدد کی اور اس اکیلے نے لشکروں کو شکست دیدی)۔

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ جس میں یہ بتا دیا کہ تمہیں جو کچھ فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا اگر تمہیں کچھ بھی نہ دیا جاتا تب بھی راضی رہنا تھا اب جبکہ زیادہ تمہیں دے دیا یعنی ۵/۴ حصے تمہیں مل گئے اور ۵/۱

Marfat.com

دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا تب تو بطریق اولیٰ نفسوں کی خوشی کے ساتھ راضی ہونا چاہئے۔ پھر یہ مصارف کون ہیں اپنے ہی اندر کے لوگ ہیں۔ یتامیٰ، مساکین اور مسافرین تمہاری اپنی جماعت کے ہیں۔ یہ مال اور کہیں نہیں گیا تمہارے اپنوں ہی میں خرچ ہوا اس اعتبار سے بھی یہ اموال تم ہی کو مل گئے۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۴۴﴾

جب کہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ دور والے کنارے پر، اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف تھے اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جانے والا تھا، تاکہ جو شخص ہلاک ہو حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جو شخص زندہ رہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جب کہ اللہ ان کو آپ کے خواب میں کم دکھا رہا تھا اور اگر وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن اللہ نے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اور جبکہ تم باہم مقابل ہوئے وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا۔ تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے جس کا وجود میں آنا مقرر ہو چکا تھا، اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

بدر میں محاذِ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

ان آیات میں اول تو غزوۂ بدر کے محاذِ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذِ جنگ کے لیے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی یہ جگہ ریتلی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہل ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لیے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آ جاتی اور آپس

Marfat.com

میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لیے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمادیئے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچالیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا۔ ﴿وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ﴾ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مڈبھیڑ ہوگئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کفار بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔

معالم التنزیل (ص ۲۵۳ ج ۲) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہوگئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔

یہ جو فرمایا ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہوگئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہو گیا۔ اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جما رہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا اور جو شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جما رہے گا۔ وہ بھی حجت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جما رہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہو گیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دہکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا اور جو شخص اسلام پر جمے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہوگا۔

فائدہ: سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوۂ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں ﴿يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ﴾ فرمایا ہے اس کا ترجمہ اور تفسیر وہیں دیکھ لیں۔ (انوار البیان ج ۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔

Marfat.com

دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو

ان آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب بھی کسی جماعت سے تمہارے مڈبھیڑ ہو جائے یعنی جنگ اور لڑائی کی نوبت آجائے تو ثابت قدمی کے ساتھ جم کر مقابلہ کرو حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو پھر جب مڈبھیڑ ہو جائے تو جم کر لڑو۔ اتنا مضمون صحیح بخاری ص ۴۲۴ ج ۲ میں ہے۔ مسند دارمی ص ۱۳۵ ج ۲ میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں یوں ہے کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، سو جب تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ سو اگر دشمن چیخیں، چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سوال تو عافیت ہی کا کرتے رہیں اور جب دشمنان دین سے لڑنے کا موقعہ آجائے تو کمزوری نہ دکھائیں ثابت قدم رہیں جم کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں اور قتال کے آداب میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خاموشی سے لڑیں۔ شور و شغب سے بچیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین مواقع میں اللہ تعالیٰ کی خاموشی محبوب ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت اور قتال کے وقت اور جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ (ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ ص ۳۱۶ ج ۲)

خوب مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا ﴿وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو۔ یوں تو اللہ کا ذکر ہر وقت ہونا چاہئے لیکن خاص کر جنگ کے موقعہ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، مدد مانگنا، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ مومن بندہ لڑتا ہی اللہ کے لیے ہے۔ اس کا مرنا اور جینا اللہ کے لیے ہے۔ پھر جنگ کے وقت اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کا تو کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اس موقعہ پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو یہ مومن کی خاص شان ہے۔ حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ نماز، روزے اور ذکر ان سب کا ثواب فی سبیل اللہ (عزوجل) مال خرچ کرنے کی بہ نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے (رواہ ابوداؤد ص ۲۵۸ ج ۲) اور ذکر کا ثواب اس سے سات سو گنا زیادہ ہے۔ نیز سہل بن معاذ اپنے والد سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک ہزار آیات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اسے انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ دے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد کما فی الترغیب ص ۲۶۷ ج ۲)

پھر فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ جم کر لڑیں گے ثابت قدم رہیں گے۔ اللہ کا ذکر کریں گے تو کامیاب ہوں گے۔ دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہو گی۔

آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہو جاتی ہے:

پھر فرمایا ﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) ﴿وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی)۔

اور آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے ساکھ ختم ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور انتشار کو دیکھ کر دشمن بے خوف ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ باہمی اختلاف ضعف کا سبب ہے۔ قلوب مجتمع نہ رہیں تو اجسام بھی اتحاد اور اعتماد کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ کافروں کو شکست دینے کی بہت سی تدبیریں ہیں (مثلاً جنگی مشقیں اور اسلحہ کی فراہمی وغیرہ) اُن سب سے بڑھ کر باہمی اتحاد اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ ثابت قدمی بھی جب ہی حاصل ہوتی ہے جب آپس میں انتشار نہ ہو۔ آخر میں فرمایا ﴿وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے)۔

Marfat.com

اہل ایمان کے لیے صبر بہت بڑی چیز ہے۔اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو۔انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، خانگی حالات ہوں یا دوسرے معاملات ہر حال میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نا گوار چیزوں کو برداشت کر لینا بڑے اجر و ثواب کا اور دنیاوی حالات میں اور اپنوں اور پرایوں کے معاملات میں کامیابی کے ساتھ گزرتے ہوئے چلے جانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں۔آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے نا گواری پیش آ جاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لیے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے بیٹھیں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہو جائیں۔کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے، اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں لڑائی ہو جائے گی اور مشورے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دیدے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دلگیر نہ ہو بلکہ صبر کرے۔حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کر لینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو طعنہ نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا؟ اتحاد کے لیے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے نا گواریوں کو بشاشت کے ساتھ قبول اور برداشت کیا جاتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا تو انہوں نے بشاشت سے قبول کر لیا اور کوئی محاذ آرائی نہیں کی۔لہٰذا مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا، اگر وہ چاہتے محاذ بنا لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے۔

درحقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی نا گواری کے ساتھ ہو۔اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ انتشار ہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہوگی۔

اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکڑتے ریاکاری کے لیے نکلے

پھر فرمایا ﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے نکلے) جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان میں اکڑ مکڑ اور اترانے اور فخر کرنے کا مرض ہوتا ہے۔پھر وہ اس کی وجہ سے نیچا دیکھتے ہیں۔علامہ بغوی رحمۃ اللہ معالم التنزیل ص ۲۵۴ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ آیت بالا مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو فخر اور تکبر کے انداز میں چلے۔رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ لوگ اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آتے ہیں آپ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔آپ نے جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق مدد فرمائیے۔ابوسفیان تو اپنا قافلہ لے کر بچ نکلا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے قریش کو رائے دی کہ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس ہونا چاہئے اس پر ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم ہم جب تک بدر نہ پہنچ جائیں واپس نہ ہوں گے وہاں تین دن قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے۔شرابیں پلائیں گے اور گانے والیاں ہمارے پاس گانے گائیں گی اور عرب میں ہماری شہرت ہو جائے گی پھر وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔بات تو بڑی کہی تھی لیکن قریش کے تکبر اور فخر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرابوں کی جگہ موت کے پیالے پئے اور گانے والی عورتوں کی بجائے نوحہ کرنے والی عورتوں نے ان پر نوحہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا اور مومن کو حکم دیا کہ نیت خالص اللہ کی رضا کی رکھیں اور دین کی مدد اور نبی اکرم ﷺ کی تائید میں لگے رہیں۔اھ

اگر لشکر زیادہ ہو تب بھی اترانا اور شہرت کے لیے جنگ کرنا اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کر نالے بیٹھتا ہے اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔غزوۂ حنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو اولاً شکست ہوگئی کیونکہ انہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا۔کما قال تعالیٰ ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

Marfat.com

﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا﴾ (الآیۃ) نماز ہو یا جہاد یا انفاق مال یا کوئی بھی نیک عمل ہو اس کا ثواب اُسی وقت ملتا ہے جبکہ اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ مال غنیمت ملے اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اس کی شہرت ہو اور ایک شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اس کی بہادری کا چرچا ہو تو ارشاد فرمایئے ان میں اللہ کی راہ میں کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے قتال کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

اکڑ مکڑ، اپنی ذات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں ان میں تواضع ہوتی ہے اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لیے لڑتے ہیں اور اسی کے لیے مرتے ہیں عین قتال کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لیے ظاہری طور پر اکڑ مکڑ دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تواضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لیے اتراتے ہوئے کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب و مرغوب ہے۔ في الحديث فاما الخلاء التي يحب الله فاختيال الرجل عند القتال و اختياله عند الصدقة (كمافي المشكوٰة ص ۲۸۷) حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ قاتل کے وقت کا اترانا ہے اور صدقہ کے وقت کا اترانا (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔

مشرکین کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ﴿وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کہ وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، قریش مکہ خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اگر اسلام قبول کر لیتے تو جنگ کا موقعہ ہی نہ آتا لیکن ان کی شرارت نفس نے ان کو یہاں پہنچایا کہ بدر میں آکر مقتول ہوئے۔

﴿وَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ (اور اللہ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے لہٰذا وہ ان کو ان کی سزا دے گا)۔

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

اور جب شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری ہوں بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے

مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لیے پھسلانا پھر بدر کے میدان کارزار سے بھاگ جانا

شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جمے رہیں اور اہل اسلام سے جنگ کرتے رہیں اس کی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو، جیسے وہ قریش مکہ کے اس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے اسی طرح سے وہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی آموجود ہوا۔ اول تو وہ مکہ معظمہ ہی میں اس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لیے روانہ ہونے کا مشورہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی انہیں بنی بکر کی دشمنی کا بھی خیال ہو رہا تھا کہ ممکن ہے وہ حملہ کر دیں اس لیے روانہ ہونے میں کچھ جھجک رہے تھے۔ اس موقعہ پر ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں پہنچ گیا (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ابلیس نے قریش مکہ سے کہا کہ تم لوگ ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آؤ بلکہ چلے

Marfat.com

چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں۔ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکہ میں ہوا پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لیے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صف میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا حارث نے کہا کہ تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی، مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اس کی بالکل خبر نہیں، پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۵ ج ۲، روح المعانی ص ۱۵ ج ۱۰)

شیطان نے یہ جو کہا کہ ﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ﴾ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں) اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کر دے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرما دے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ سخت عقاب والا ہے۔ تم لوگوں پر عذاب آنے ہی والا ہے۔ میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا کلام ﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ﴾ پر ختم ہو گیا اور ﴿وَاللّٰهُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ﴾ جملہ مستانفہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لیے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقعہ پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ ﴿لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴾

اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيۡنُهُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۴۹﴾

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا اور جو کوئی شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے۔

منافقین کی بداعتقادی اور بدزبانی

منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافر تو تھے ہی۔ ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لیے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے وہ توکل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اس کی تعداد تھوڑی ہو وہ اس کی مدد فرمائے گا، وہ حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔

﴿اَلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ﴾ (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ کے ساتھ آ گئے تھے ان کے

Marfat.com

قلوب میں اسلام کے بارے میں تذبذب تھا، اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

معلومات ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر

قرآن مجید میں غزوۂ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع کے بعد آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) سترہ رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔

(۲) مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اوس میں سے بھی خزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۶۹ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(۳) قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے ان کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

(۴) جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا اور فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

(۵) اس موقعہ پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر افراد قید کر لیے گئے جن کی مشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

(۶) انہیں مقتول ہونے والوں میں ابو جہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دو لڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں اُمیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلال کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سر غنہ بچ کر نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

(۷) جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اُوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

(۸) جب ان لوگوں کو کنویں میں ڈال دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اُسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پا لیا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات کہہ رہا ہوں، ان سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا تاکہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

(۹) بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

(۱۰) فتح یابی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ عنہا) کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت

Marfat.com

ﷺ نے ان کو مریضہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

(۱۱) غزوۂ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے نکل کر اُن کے رخسار پر آ پڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بُلا کر اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا اُن کی آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہوگئی۔

بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیر آ کر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آنکھ پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہوگئی۔[1]

(۱۲) جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر میں یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔ (قال فی النہایہ ص ۲۹ ج ۳) تفرد به احمد و هو علی شرط مسلم۔ (اسے صرف امام احمد ہی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے) صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اُن کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنت میں چلا گیا تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی اُمید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں یعنی رو رو کر ڈھیر کر دوں گی۔ (کمافی روایۃ) آپ نے جواب میں فرمایا۔ افسوس کی بات ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کوئی ایک جنت تھوڑی ہی ہے۔ وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ (ص ۳۲۹ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جوان کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا، دشمن سے مقابلہ کیا ان کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

(۱۳) جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت جرائیل علیہ السلام آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آنحضرت ﷺ کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔ حضرت جرائیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۹ ج ۲)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۤئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ

[1] ان مذکورہ امور کے حوالہ کے لیے صحیح بخاری کتاب المغازی اور البدایہ والنہایہ کی مراجعت کی جائے۔

Marfat.com

رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو پکڑ لیا بے شک اللہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی نعمت کا بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے جیسا کہ آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا سو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا۔ اور یہ سب ظالم تھے، بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

موت کے وقت کافروں کی پٹائی

ان آیات میں اول تو کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو انہیں موت کے وقت ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ معرکہ بدر میں جو کفارِ قریش مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تھے اور پھر جنگ میں مارے گئے جب وہ مقتول ہو رہے تھے تو فرشتے ان کو ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مار رہے تھے اور موت کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر انہیں دے رہے تھے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ سے یہی نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اس مضمون کو عام بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کا کافروں کے چہروں اور پشتوں پر مارنا مقتولین بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کافروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت میں ارشاد ہے ﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ (سو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہوں گے اور ان کے چہروں اور پشتوں پر مار رہے ہوں گے) دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے جس کے عموم میں مقتولین بدر بھی آجاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ کہ یہ جو کچھ موت کے وقت اور موت کے بعد سزا ہے تمہارے اپنے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے اور انہیں آگے بھیجتے رہے۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے) کیونکہ جو سزا اللہ کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے۔ وہ بندوں کے اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ان مجرموں پر جو اللہ کی طرف سے عذاب آیا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنی آیات بھیجتا ہے۔ یہ آیات آفاقیہ بھی ہوتی ہیں اور آیاتِ انفسیہ بھی ہوتی ہیں اور آیاتِ صحفیہ بھی جو اللہ کے کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہوتی ہیں۔ بندے اگر غور و فکر سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کو پہچانیں اور اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں اور احکام الٰہیہ کو بجا لائیں تو ایمان قبول کرنے کی طرف ذہن چلے، مجرمین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اللہ کی آیات کے منکر ہوئے اس کے نبیوں کو جھٹلایا اور توحید سے انحراف کیا شرک میں مبتلا ہوئے لہٰذا دنیا میں بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے سزایاب ہوئے اور آخرت میں بھی کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔

سابقہ اُمتوں نے آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ہلاک ہوئیں:

پھر بطور مثال کے فرمایا ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (الآیۃ) (جیسا کہ فرعون اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے

Marfat.com

پہلے تھے) اس میں یہ بتایا ہے کہ جیسے آلِ فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوا اسی طرح اس زمانہ کے مجرمین کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ کے دین پر نہ آئیں گے اللہ کے نبیوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلائیں گے تو یہ بھی مستحق عذاب ہوں گے پھر ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (کسی قوم کو اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدلیں) جب لوگ خود بدل جاتے ہیں۔ کفر و شرک اختیار کرتے ہیں نافرمانیوں پر تل جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ جب لوگ ایمان کو چھوڑ دیں اچھے اعمال کو ترک کر دیں برے اعمال میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت میں بھی تغیر آجاتا ہے۔ یہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور بندے قمت اور عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے) سب کے اقوال کو سنتا ہے سب کے احوال کو جانتا ہے۔ کسی میں کیسا ہی کوئی تغیر فعلی یا قولی ہو جائے وہ سب سے باخبر ہے۔

اس کے بعد مکرر آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔

پہلے ﴿كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ فرمایا اور دوسری جگہ ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بھی انہوں نے خیال نہ کیا جس نے پیدا فرمایا، پرورش فرمائی، پرورش کے سامان پیدا فرمائے۔ حاجات پوری کیں، اس کی آیات کو جھٹلانا سراسر ناشکری اور بے عقلی ہے لہٰذا ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ پھر آلِ فرعون کے غرق کیے جانے کی تصریح فرمائی۔ ﴿وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ (اور ہم نے فرعون والوں کو ہلاک کر دیا)۔

آخر میں فرمایا ﴿وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ﴾ اور یہ سب آلِ فرعون اور اس سے پہلے تکذیب کرنے والی امتیں تھی (جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود) یہ سب ظالم تھے انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کفر اختیار کیا اور معاصی میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کی حرکتیں اُن کی بربادی کا باعث بنیں۔

اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں:

پھر فرمایا ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ (الآیۃ) (بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ برے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا) الدّواب، دآبّۃ کی جمع ہے، ہر وہ چیز جو زمین پر چلے پھرے لغوی اعتبار سے یہ لفظ سب کو شامل ہے۔ لیکن محاورات میں دابۃ چوپایوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۱ ج ۱۰ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شرّ النّاس نہیں فرمایا اس میں اس طرح اشارہ ہے کہ گویا یہ لوگ جنس انسانی سے نہیں ہیں جنس دواب میں سے ہیں اور اس جنس کے بدترین افراد میں سے ہیں ﴿فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) ان کی سرکشی بہت آگے بڑھ گئی ہے اور کفر میں راسخ اور مضبوط ہو چکے ہیں لہٰذا یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ آپ کے کرنے کا جو کام تھا (یعنی دعوت حق اور بلاغ مبین) وہ آپ کر چکے۔

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

Marfat.com

یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر آپ ان کو جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیجیے جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو، اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجیے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کافر لوگ معاہدہ کے بعد غدر کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلی آیت ﴿اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ﴾ میں یہود بنی قریظہ کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے۔ پھر انہوں نے ہتھیار دے کر مشرکین کی مدد کی جب ان سے سوال کیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ اس کے بعد پھر معاہدہ کیا تو اسے بھی توڑ دیا اور غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مددگار بن گئے۔ ان کا سردار (کعب بن اشرف) مکہ معظمہ گیا اور اس نے مشرکین مکہ سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے۔

اسی کو فرمایا ﴿ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ﴾ (پھر ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں) ﴿وَّ ھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور عہد شکنی کی بدنامی سے بھی نہیں بچتے۔

پھر فرمایا ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ﴾ (سو اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں) یعنی لڑائی کے موقعہ پر آپ اُن پر ایسا حملہ کریں کہ یہ ناکام ہو جائیں۔ ان کی ناکامی اور آپ کی کامیابی کا جب شہرہ ہوگا تو ان کے پیچھے یعنی ان کے علاوہ جو بہت سے قبائل ہیں وہ بھی منتشر ہو جائیں گے اور آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے ﴿لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ﴾ تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ جان لیں کہ نقضِ عہد کرنے والوں کا اور کفر سے چمٹنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں:

اہل ایمان کو بھی نقضِ عہد کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقعہ پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں۔ ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتا دیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا۔ ﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے ان سے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجیے تاکہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر ان پر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہو سکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آجاتی کہ چونکہ دشمن، دشمن ہے، کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لیے ہم اپنی حفاظت کے لیے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لیے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لیے معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر ان سے عہد کی خلاف ورزی کا ڈر ہے تو تم پہلے انہیں بتا دو کہ ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہوگا۔ سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور ان چار میں سے جس میں ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا۔ جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

Marfat.com

(۲) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
(۳) اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔
(۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری ص ۱۵۴ ج ۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اس نے غدر کیا۔ اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے کام پورا لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۲ ج ۱)

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة۔ جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۸ ج ۱)

فائدہ: اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے تو پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں یا اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو اور ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب اُن کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطرافِ مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔ (ذکر صاحب الهدایة باب الموادعة و من یجوز امانہ)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے بڑھ کر بچ نکلے۔ وہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے، اور ان کے مقابلہ کے لیے تیاری کرو جو کچھ تم سے ہو سکے قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی، اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان لوگوں کو جو ان کے علاوہ ہیں ڈراتے رہو تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو بھی کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

دشمنوں سے مقابلہ کے لیے سامانِ حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو

ان آیات میں اول تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقعہ پر بچ کر نکل گئے مقتول بھی نہ ہوئے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے اور بچ نکلے تو کامیاب ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر بچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے، وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہرحال ہر کافر کے لیے سخت سزا ہے۔ جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لیے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ ﴿مَا اسْتَطَعْتُم﴾ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِن قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے۔ جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی

Marfat.com

قوتیں اتحاد واتفاق اور باہمی مشورہ یہ سب لفظ ﴿مِنْ قُوَّةٍ﴾ میں داخل ہیں۔ نیز ﴿وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنْ قُوَّةٍ فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اس کی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ﴾ یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا۔ (رواہ مسلم ص ۱۴۲ ج ۱)

اور تیر پھینکنے کی قوت اس لیے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دوبدو سامنے آجائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جاسکتا ہے اسی لیے غزوۂ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔ (رواہ البخاری ص ۵۶۷)

مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آجائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو اُن پر تیروں کی بوچھاڑ کر دو رہا مسئلہ تلوار سے قتل کرنے کا تو جب بالکل سامنے آجائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب بھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے پر اہتمام کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کریں اور خود بنائیں۔ ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آج کل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے، وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا رازدار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے۔

﴿وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ﴾ جو فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہ نے ان کو شکست دی اور اُن کے ممالک فتح کیے۔ ﴿لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لیے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

Marfat.com

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ
يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۶۲﴾ وَ اَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ
اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

اور اگر وہ لوگ صلح کے لیے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لیے مائل ہو جائیں۔ اور اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے، اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے، اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کو قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے، اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی، بے شک وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔ اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور وہ مومن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جاسکتی ہے

اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لیے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نقض عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات دی تھیں۔ ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں۔ یہ امر وجوبی نہیں ہے موقع مصلحت سے متعلق ہے۔ اگر اس میں دارالاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح ہو سکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر صلح سے کام چلتا ہو تو صلح کر لیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیں۔ صلح کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ وہ لوگ اس کی بنیاد پر ملیں جلیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کے ملک میں آنا جانا ہوگا۔ اس سے اہل کفر مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے اذان اور نماز سے متاثر ہوں گے اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ لفظ ﴿وَ اِنْ جَنَحُوْا﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیش کش نہ کریں۔ اور وہ لوگ پیش کش کریں تو صلح کر لیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ (و اذا رای الأمام أن يصالح أهل الحرب أو فريقاً منه و كان في ذلك مصلحة للمسلمين فلابأس به لقوله تعالىٰ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ لأن الموادعة جهاد معنىً كان خيرا للمسلمين لأن المقصود هو دفع الشر حاصل به بخلاف ما اذا لم تكن خيرا لأنه ترك الجهاد صورةً و معنى ص ۵۶۳ ج ۱) (اور جب امام اہل حرب سے یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کے حق میں بھلائی ہو تو صلح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ﴿وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (اور اگر کافر صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی تیار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں) اور اس لیے بھی کہ لڑائی کا چھوڑنا بھی معنی جہاد ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو کیونکہ مقصود شر کا دفع کرنا ہے جو اس سے حاصل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو تو پھر یہ جہاد کو چھوڑنا ہے صورۃً بھی اور معنیً بھی) و ان جنحوا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیش کش نہ ہو اس کی تائید سورۂ محمد کی آیت ﴿فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ﴾ سے بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ پر نرغے میں آ جائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھٹکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیش کش کی گنجائش ہے رہی یہ بات کہ ہو سکتا ہے کہ کافر صلح کر کے بدعہدی کر دیں اور حملہ آور ہو جائیں۔ اس کے لیے فرمایا ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (اور آپ اللہ پر بھروسہ کریں بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصلحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بنا کر صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ذریعہ بنائیں تو اللہ آپ کی مدد کے لیے کافی ہے ان کا مکروفریب اور چالبازی سب خاک میں مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے گا۔

پھر فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کو قوت عطا فرمائی (جس میں فرشتوں کا غیبی امداد کرنا بھی شامل ہے) اور اس نے مسلمانوں کے ذریعہ بھی آپ کو قوت دی اور مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ رہا جنہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی۔

مزید فرمایا ﴿وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ (اور اللہ نے مومنین کے دلوں میں اُلفت پیدا فرمائی) یہ آپس کی الفت ومحبت ایسی چیز ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں جمنے اور اُن کو زک دینے اور زیر کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ جو لوگ زمانہ کفر میں آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق دی پھر ان کے قلوب میں الفت پیدا کردی۔ جس کو آل عمران میں فرمایا ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾ (اور یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر فرمایا جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی) یہ الفت پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے یہ محبت پیدا ہوئی۔ اسی کو فرمایا ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ (اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کردیتے جو زمین میں ہے۔ تب بھی اُن کے درمیان الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے درمیان اُلفت پیدا فرمائی) پھر فرمایا ﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے)۔

اس کے بعد فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا)۔ اصل مدد تو اللہ ہی کی ہے۔ جو حقیقی مدد ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات آپ کا اتباع کرنے والے ہیں جہاں دیگر مسائل معاد اور اسباب معاش میں آپ کا حکم بجالاتے ہیں وہاں جہاد میں بھی وہ دل سے اور جان ومال سے آپ کا اتباع کرنے والے ہیں، اہل ایمان کی جماعت مخلص ہو، رسول اللہ ﷺ کی متبع اور مجتمع ہو تو پھر دشمن ان پر غالب نہیں آسکتا۔ صاحب روح المعانی ص ۳۰ ج ۱۰ نے حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس دن نازل ہوئی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی تھی (اس کے بعد برابر تعداد بھی بڑھتی رہی اور قوت وشوکت میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ و الحمدلله علی ذلك۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾
اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اے نبی آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے، اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ سو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو افراد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

Marfat.com

دشمن کی دوگنی تعداد ہوتب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیں۔ آپ جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے منافع بتاتے تھے جس میں سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے آپ کی ترغیب اور تحریض پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خوب ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے تھے اور جانیں دیتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں میں سے اگر بیس آدمیوں کی تعداد ہوگی اور وہ ثابت قدمی کے ساتھ جم کر لڑیں گے تو اپنے مقابل کافروں کے دوسو افراد پر غالب آئیں گے اور اگر سو مسلمان ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی تھا اور اس وعدہ میں یہ حکم بھی مضمر ہے کہ مسلمان اپنے سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں راہِ فرار اختیار نہ کریں اور جم کر لڑیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں غلبہ پانے کا وعدہ ہوگیا تو اب راہِ فرار اختیار کرنے کا کوئی موقع نہ رہا۔

صاحب روح المعانی ص ۱۳۱ ج ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ شرط فی معنی الامر بمصابرة الواحد العشرة و الوعد بأنهم ان صبروا غلبوا بعون الله و تائید فالجملة خبریة لفظاً انشائیة معنیً۔ (یہاں سے دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مومن کے غلبہ کے معاملہ میں صبر کی شرط لگائی گئی ہے اور وعدہ اس طرح ہے کہ اگر یہ صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید سے غالب آئیں گے پس جملہ لفظی طور پر خبر یہ ہے مگر معنیٰ انشائیہ ہے)۔

یہ جو فرمایا ﴿بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ اس میں یہ بتایا کہ کافر اس وجہ سے مغلوب ہوں گے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے، اللہ کو اور آخرت کے دن کو نہیں جانتے، وہ ثواب کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لیے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے نہیں لڑتے اُن کا لڑنا حمیت جاہلیہ اور شیطان کے اتباع کی وجہ سے ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔ لامحالہ وہ غالب ہوں گے اور کافر مغلوب ہوں گے۔ (کذا فسره صاحب الروح)

اس کے بعد فرمایا ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا﴾ اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ص ۶۷۲ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیت ﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ﴾ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ بات بھاری معلوم ہوئی کہ دشمن کے افراد دس گنے ہوں تب بھی ان کے مقابلہ سے راہ فرار کرنے کی اجازت نہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنے افراد سے مقابلہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بجائے یہ حکم دے دیا کہ سو افراد، دو سو کے مقابلے میں راہ فرار اختیار نہ کریں (یعنی دوگنی جماعت کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا ممنوع ہوگیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنا افراد کے مقابلہ میں لڑنے کا جو حکم تھا اس کے بجائے اپنے سے دوگنی جماعت سے لڑنے کا حکم دے دیا اور راہ فرار اختیار کرنے سے منع فرمادیا تو اسی قدر ان کے صبر میں سے کمی فرمادی۔

بعض حضرات نے ﴿عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا﴾ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عہد اول میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اگرچہ عدد میں تھوڑے تھے لیکن توکل علی اللہ ان میں بہت زیادہ تھا۔ لہٰذا دس گنی جماعت سے بھی ثابت قدمی کے ساتھ لڑ سکتے تھے بعد میں مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو ان بعد کے آنے والے مسلمانوں میں صبر و استقامت کی وہ شان نہیں تھی جو ان سے پہلے والوں میں تھی اور کچھ کثرت پر بھی اعتماد ہوگیا۔ لہٰذا ضعف کی شان پیدا ہوگئی۔ اللہ جل شانہٗ نے دس گنا افراد کے مقابلہ کے بجائے دوگنا افراد سے مقابلہ کا حکم دے دیا اور ان کے مقابلہ سے راہِ فرار اختیار کرنے کی ممانعت فرمادی۔ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ اسی سورت کے دوسرے رکوع میں ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ جو گزرا ہے۔ (اس کی تفسیر دوبارہ دیکھ لی جائے) قانون تو یہ بنادیا کہ دُگنی تعداد کے مقابلے میں راہِ فرار اختیار نہ کریں۔ لیکن اللہ جل شانہٗ نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ فارس اور روم کے جہادوں میں بھاری تعداد میں دشمن سامنے آئے اور مسلمانوں کی تعداد کم ہونے

Marfat.com

پر بھی دشمنان دین کو شکست ہوئی جس کے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اس میں یہ بتا دیا کہ طاعت پر جمنے والوں اور معصیت ترک کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے یعنی وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ لہٰذا مومن بندوں کو طاعات کی پابندی اور معاصی سے ہمیشہ اجتناب لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور میدان جنگ میں بھی ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے کا ذریعہ ہیں۔ ثبات قدمی کا آیت میں دو جگہ تذکرہ فرمایا ہے عشرون کے ساتھ صابرون فرمایا اور مائة کے ساتھ صابرة فرمایا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں، اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجیے! اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجیے کہ ہم ان کی گردنیں ماردیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی جگہ دیکھیے۔ جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرما لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ جو اوپر پہلی دو آیتوں میں مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ کی موافقت کر لوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اُس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے ورے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کر لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی۔ اس لیے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہیے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے۔ جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ اُمید ہے کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ اس وقت

Marfat.com

مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ﴿تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا وَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ﴾ کہ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو، تمہیں آخرت میں اُجور اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت بھی اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

﴿وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ﴾ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اُتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ﴾ (اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُم الکتاب میں چونکہ یہ لکھ دیا تھا کہ مالِ غنیمت امت مسلمہ کے لیے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ اور حضرت اعمش سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ مفسر ابن جریج نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ص ۳۴ ج ۶ پر ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لیے بطور امر و نہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آجاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لیے عذاب روک دیا گیا۔ صاحب رُوح المعانی نے اس قول کو بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے، پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔ جیسا کہ اس سورہ کے رکوع نمبر ۴ میں گزر چکا ہے۔ اس لیے عذاب نہیں آیا اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ اعلان ہو چکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی مغفرت کر دی گئی (اور رائے دینے والوں میں مشورہ دینے والے بھی تھے) اس لیے عذاب نہیں آیا۔ پھر صاحب روح المعانی نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے چونکہ یہ مقرر تھا کہ جو فدیہ تم نے لیا ہے وہ تمہارے لیے حلال کر دیا جائے گا۔ اس لیے عذاب نہیں بھیجا۔ پھر اس پر کچھ سوال و جواب بھی کیا ہے۔ اس کے بعد صاحب روح معانی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر یہ تمام چیزیں مراد ہوں جو مختلف اقوال کی صورت میں بیان ہوئیں تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں ہے۔ و بهذا يجمع بين الروايات المختلفة عن الحبر في بيان هذا الكتاب و ذلك بان يكون في كل مرة ذكر امرا واحدا من تلك الامور، و التنصيص على الشئ بالذكر لا يدل على نفي ما عداه و ليس في شئ من الروايات ما يدل على الحصر فافهم۔ اھ (اور اسی سے ان مختلف روایات میں تطبیق ہوتی ہے جو اہل علم سے اس نوشتہ الٰہی کا ذکر کر دیا گیا اور کسی ایک چیز کے ذکر کی صراحت دوسری چیزوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور روایات میں کوئی ایسی بھی نہیں ہے جو کسی ایک کے حصہ پر دلالت کرے)۔

قیدیوں کے احکام:

اگر کافر قید میں آجائیں تو امیر المومنین کو ان کے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے۔ اس میں چار چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ یہاں سورۃ انفال میں قتل کرنے اور فدیہ لینے کا ذکر ہے اور سورۂ محمد میں مزید دو باتوں کا ذکر ہے۔ ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ احسان کر کے چھوڑ دینا یا اپنے قیدیوں سے مبادلہ کر لینا یعنی اپنے قیدی لے کر ان کے قیدی چھوڑ دینا۔ ان چار چیزوں میں سے اب کس کس چیز کو اختیار کرنے کی اجازت ہے اس میں حضرات فقہاء کرام نے کچھ تفصیل لکھی ہے۔

Marfat.com

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المومنین کو اختیار ہے۔ چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کرے اور چاہے تو انہیں ذمی بنا کر دار الاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہل عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔

اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمانوں کو چھڑانے کے لیے بطور مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟ تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرات صاحبین اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے اور کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔

البتہ امام محمد رحمۃ اللہ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ احکام القرآن ص ۳۹۲ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ براۃ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد نازل ہوئی۔ سورۂ محمد میں جو من اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۂ براۃ کی آیات ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ اور ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ نے منسوخ کر دیا۔ لہٰذا اب فِداء اور مَن کی اجازت نہیں رہی۔ فوجب ان یکون الحکم المذکور فیھا ناسخاً للفداء المذکور فی غیرھا۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر جو ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرما دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿و اتقوا اللہ﴾ (کہ اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ (بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے) رَّحِيْمٌ (رحم فرمانے والا) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرما دیا اور تمہارے لیے حلال قرار دے دیا۔

مفسر ابن کثیر ص ۳۲۶ ج ۲ نے لکھا ہے۔ فعند ذلک اخذوا من الاساری الفداء جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔ اور معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جو کچھ بطور فدیہ مال لے چکے تھے اس سے پرہیز کرتے رہے جب آیت ﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ﴾ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا، ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لے لیا گیا ہو اور اقرب یہی ہے کیونکہ سب کے پاس اس وقت اموال موجود نہیں تھے۔ قیدیوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔

آپ نے صحابہ سے اجازت لے کر ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زینب کو بھیج دینا۔ (زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں) آپ نے جب ہجرت فرمائی تھی تو وہی رہ گئی تھیں۔ اس لیے ان سے فرمایا کہ زینب کو بھیج دینا، انہوں نے وعدہ کو پورا کیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ فی حرف العین۔ (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں حرف عین کے باب میں ذکر کیا ہے)۔

حضرت عباس مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تا کہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیے رہ گئے تھے وہ بیس اوقیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے مقام بدر میں لے لیے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو بیس اوقیے لے لیے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تم ہمارے مقابلے میں خرچ کرنے کے لیے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یا رسول اللہ میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لیے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ لہٰذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور

Marfat.com

اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو۔ عباس نے کہا کہ اے محمد ﷺ تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں۔ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر دفن کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہوگیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ شانہٗ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو بیس اوقیہ میدان جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے۔ وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ حساب میں نہیں لگ سکتا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مال غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التنزیل ص ۲۶۳ ج ۲ و ابن کثیر ص ۳۶۷ ج ۲)

حضرت عباس نے اپنا اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ چلے گئے تھے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کما فی الاصابۃ، حرف العین)

فائدہ: معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اس طرح سے ہر قیدی کا فدیہ سولہ سو درہم ہوا اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔

فائدہ: چونکہ صحابہ کے مشورے سے یہ طے ہوگیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہوگیا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس میں کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں فرمائی اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو چچازاد بھائیوں کا فدیہ بھی چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے جو یہ کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے صاف طور پر فرما دیا کہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ہم تو ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے۔ قیدی ہوگئے ہم تو فدیہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ لہٰذا اُن سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱ میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اجازت دیجیے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو اور اپنے داماد ابو العاص ابن الربیع کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرائے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں قانون غیروں کے لیے ہوتا ہے اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے طریقے کے خلاف ہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان سے فرما دیجیے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا، اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ لوگ آپ کی خیانت کا ارادہ کریں سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا۔ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب عباس بن عبدالمطلب نے یہ کہا کہ میں تو مسلمان تھا اور میرا مال جو غزوۂ بدر میں لے لیا گیا ہے اسی کو

Marfat.com

میری جان کے فدیہ میں لگالیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرمادیا جس پر انہوں نے اپنا اور مزید تین آدمیوں کا فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰی﴾ نازل فرمائی جس میں یہ فرمایا کہ اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان کو فرمادیں اگر تمہارے دل میں ایمان ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ تم کو اس سے بہتر عطا فرمادے گا جو تم سے لیا گیا اور اللہ تمہیں بخش دے گا۔ حضرت عباس جب پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ کی جگہ بیس غلام عطا فرمائے ہیں جو مال کما کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید بھی رکھتا ہوں کیونکہ آیت شریفہ میں اس کا بھی وعدہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سوگنا مال عطا فرمادیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ سبب نزول خواہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ ہو لیکن الفاظ آیت کا عموم تمام قیدیوں کو شامل ہے لما قالوا من أن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب اھ۔ (اس وجہ سے کہ علماء نے کہا ہے کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے سبب کی خصوصیت کا نہیں ہوتا)۔

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ﴾ کہ یہ قیدی اگر آپ کی خیانت کا ارادہ کریں۔ واپس جا کر جنگ کرنے کی نیت سے لوٹ آئیں یا آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد کرنے لگیں تو آپ فکرمند نہ ہوں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خیانت کر چکے ہیں اللہ نے جو ہر عاقل سے توحید کے بارے میں عہد لیا تھا اسے توڑا اور کفر اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو ان پر قدرت دے دی اور انہیں بدر میں مقتول کروادیا اور قیدی بنا کر مدینہ میں حاضر کروادیا۔ اگر پھر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پھر آپ کی مدد فرمائے گا ﴿وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے وہ سب کی نیتوں کا حال جانتا ہے۔ حَکِیْمٌ وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے۔ جس کو جب چاہے سزا دیتا ہے اور جس کو جب چاہے انعام دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ کَبِیْرٌ ﴿۷۳﴾ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی مدد لازم ہے۔ سوائے اس قوم کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہوگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں

Marfat.com

جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں، اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

مجاہدین، مہاجرین، اور انصار سے متعلق بعض احکام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ان آیات میں میراث کے احکام بتائے ہیں۔ ان کے نزدیک ﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ سے ایک دوسرے کا وارث ہونا مراد ہے۔ نیز وَلَا يَتِهِمْ سے بھی میراث پانا ہی مراد ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ اس اعتبار سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یعنی انصاری حضرات یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان سلسلہ توارث جاری فرمایا یعنی ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ایک مہاجر، غیر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا اگرچہ آپس میں رشتہ داری ہو یہ سلسلہ فتح تک جاری رہا اس کے بعد میراث نسبی رشتہ داری کی بنیاد پر ملنے لگی۔ اگرچہ ایک شخص مہاجر ہو اور دوسرا مہاجر نہ ہو بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ رشتہ داری کے اصول پر جو میراث کے احکام ہیں سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکے ہیں۔ (انوار البیان ج ۱)

اس کے بعد ان لوگوں کا حکم بتایا جنہوں نے ایمان تو قبول کیا لیکن ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں آئے اور فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان کی میراث سے کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔ چونکہ سلسلہ توارث کے لیے ایمان اور ہجرت دونوں کو ضروری قرار دیا تھا اس لیے واضح طور پر فرما دیا گیا کہ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ اسلام قبول کر لیا اس کے اور مہاجرین کے درمیان سلسلۂ توارث جاری نہیں ہوگا۔ یہ سابقہ مضمون کا تتمہ ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکورہ ہوا اور قرابت داری کے اصول پر میراث کے احکام بتا دیئے گئے۔

پھر فرمایا ﴿وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ (الآیۃ) یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کر لیا اور ابھی ہجرت نہیں کی اور مشرکین کے درمیان محبوس ہیں اگر وہ تم سے مدد چاہیں تو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ آپس میں میراث کا جاری ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور کافروں کے مقابلہ میں مدد کرنا یہ دوسری چیز ہے۔ اس ضروری کام کو ہاتھ سے نہ جانے دو، مومن بھائیوں کی مدد کرو اگرچہ انہوں نے ہجرت کی۔ ہاں اتنی بات کا دھیان رہے کہ جس کسی قوم سے تمہارا کوئی معاہدہ ہے اور آپس میں یہ طے ہے کہ مثلاً اتنے عرصہ تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے تو پھر ان کے درمیان رہنے والے اہل ایمان کی مدد طلب کرنے کے باوجود ان پر حملہ نہ کیا جائے تاکہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔ معاہدہ کی پابندی کا اہتمام اسلام میں کس درجہ ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا، اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمان سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد طلب کریں جس سے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لیے بھی ان کافروں پر حملہ کرنا جائز نہیں جن سے معاہدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔) وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔ کافروں کے درمیان آپس میں میراث جاری ہوگی کوئی مومن کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پہلا حکم یعنی یہ کہ مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہو منسوخ کر دیا گیا اور ہجرت کے بجائے رشتہ داری کے اصول پر میراث کے احکام نازل ہو گئے لیکن یہ دوسرا حکم کہ مومن اور کافر کے درمیان توارث نہیں، دائمی ہے اور قیامت تک کے

Marfat.com

لیے یہی قانون ہے ہاں کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ لوگ مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہوں گے تو قاضی اسلام ان کے درمیان میراث تقسیم کردے گا اگر کوئی مسلمان کسی کافر کا بیٹا ہو یا کوئی کافر کسی مسلمان کا بیٹا ہو تو ان کے درمیان میراث جاری نہ ہوگی۔ اگرچہ دارالاسلام میں رہتے ہوں۔

پھر فرمایا: ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ کہ جو احکام اوپر بیان کیے گئے اگر ان پر عمل نہ کرو گے اور ان کی خلاف ورزی کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اگر اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے جوش میں معاہدے کی خلاف ورزی کر بیٹھے یا کافروں کو اپنا ولی یا وارث سمجھ لیا تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے اور زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا﴾ (الآیة) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ دونوں جماعتیں یعنی مہاجرین اور انصار سچے پکے مسلمان ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کے لیے بڑی مغفرت کا وعدہ ہے اور ان کے لیے عزت والی روزی مقرر ہے جو جنت میں ان کو نصیب ہوگی۔ اس آیت میں جہاں مہاجرین کی مدح ہے وہاں حضرات انصار کی بھی تعریف ہے اور دونوں جماعتوں کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے آخری آیت میں تین مضمون بیان فرمائے۔

اولاً تو یہ فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ﴾ اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تم ہی میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گو یہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کردیئے تو تم ہی میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں لہٰذا رشتہ داریوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کردیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کردیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی الفروع اور عصبات سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)۔

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرمانبرداری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

تمّ سورة الانفال فی اواخر ذی الحجة ۱۴۱۲ھ و الحمدلله اولا وأخرا و باطنا و ظاهرا۔

Marfat.com

آیاتہا ۱۲۹ ۹ سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۳ رکوعاتہا ۱۶

سورۂ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سوانتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ

اس کا دوسرا نام سورہ برأت بھی ہے اس میں کافروں سے برأت کا اعلان ہے اس لیے اس کو سورہ برأت کہا جاتا ہے اور غزوہ تبوک کے موقعہ پر جو صحابی پیچھے رہ گئے تھے ان کی توبہ کا بھی اس میں ذکر ہے اس لیے دوسرا نام بھی معروف ہو گیا۔ یہ سورت مصحف عثمانی کی ترتیب میں سورہ الانفال اور سورہ یونس کے درمیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ لکھنے کی وجہ:

دیگر تمام سورتوں کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی ہے لیکن سورہ برأت کے شروع میں نہیں ہے۔ جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں ہے (یعنی جس کی آیات سو سے کم ہیں) سورۂ برأت سے پہلے رکھ دیا حالانکہ برأت ان سورتوں میں سے ہے جن کی آیات سو سے زیادہ ہیں اور آپ نے ان دونوں کو ملا بھی دیا اور مزید یہ کیا کہ ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی۔ اور ان دونوں کو ملا کر سبع طوال (یعنی لمبی سات سورتوں) میں شامل کر دیا۔ ایسا کرنے کا کیا باعث ہے؟

حضرت عثمان نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوئی تھی تو آپ کاتبوں میں سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں شامل کر دو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے اور سورۂ انفال اس سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد شروع میں نازل ہوئیں اور سورۂ برأت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورۂ برأت سورہ انفال کا حصہ ہے اور چونکہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے کے مضمون سے ملتا جلتا تھا اس لیے میں نے دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی (کیونکہ نہ اس بات کا علم تھا کہ دونوں سورتیں مستقل ہیں اور نہ اس بات کی توضیح تھی کہ دونوں ایک ہی ہیں) اور میں نے ان کو ملا کر سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتوں) میں شامل کر دیا۔ (مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد چھ سورتیں تعداد آیات کے اعتبار سے خوب لمبی لمبی ہیں اور ان دونوں کا مجموعہ مل کر سات لمبی سورتیں ہو گئیں جن کو سبع طوال کہا جاتا ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب التفسیر اوائل سورۃ التوبۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ سورۂ انفال اور سورۂ برأت کو اس لیے ملایا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے اور درمیان میں ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ اس لیے نہیں لکھی کہ واضح طور پر ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے دونوں کا علیحدہ علیحدہ سورت ہونا معلوم ہوتا۔

قرآن مجید کی ترتیب یوں ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اول سبع طوال یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران اور سورہ نساء اور سورہ مائدہ اور سورہ انعام اور سورہ اعراف اور سورہ انفال اور سورہ توبہ کا مجموعہ ہے (ان کو سات لمبی سورتیں کہا جاتا ہے) ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مئین کہا جاتا ہے اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ پھر وہ سورتیں ہیں جنہیں مثانی کہا جاتا ہے۔ یہ سورتیں سورہ یونس سے شروع ہوتی ہیں اور سورۂ حجرات سے لے کر ختم قرآن شریف تک جو سورتیں ہیں انہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ پھر ان میں بھی تفصیل ہے سورۂ حجرات سے

Marfat.com

سورہ بروج تک طوال مفصل اور سورہ الطارق سے سورہ بینہ تک اوساط مفصل اور سورہ زلزال سے لے کر سورۂ والناس تک قصار مفصل ہیں۔[1]

سورۂ توبہ کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ پڑھی جائے

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب کوئی تلاوت کرنے والا سورۂ انفال پڑھے اور اسے ختم کر کے متصلاً ہی سورۂ برأت شروع کرے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھے۔ کیونکہ سورۂ برأت کا مستقل سورہ ہونا یقینی نہیں ہے۔

اگر سورۂ برأت ہی سے تلاوت کی ابتداء کرنا ہو تو اعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے یا نہ پڑھے اس میں دو قول ہیں راجح قول یہی ہے کہ اس صورت میں بسم اللہ نہ پڑھے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ وقال

وَ مَھْمَا تَصِلْھَا أَوْ بَدَاْتَ بَرَاۃً لِتَنْزِیْلِھَا بِالسَّیْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلَا

اور جب برأت کی تلاوت کو انفال کے ساتھ ملاتے یا سورۂ برأت ہی سے تلاوت شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھ کیونکہ یہ سورۃ تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے)۔

محقق ابن الجزری رحمہ اللہ النشر میں لکھتے ہیں۔ لا خلاف في حذف البسملة بين الانفال و براة عن كل من بسمل بين السورتين و كذا في الابتداء ببراة على الصحيح عند أهل الاداء۔ (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انفال اور برأت کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے اور اسی طرح قرأ کے نزدیک سورۂ براۃ سے تلاوت کی ابتداء کی صورت میں بھی بسم اللہ نہیں ہے)۔

اس کے بعد برأت سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں بعض قرأ سے بسم اللہ پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے لیکن اس کو تسلیم نہیں کیا اور آخر میں لکھا ہے و الصحيح عند الائمه اولى بالاتباع و نعوذ بالله من شر الابتداء۔ (جو صحیح ہے وہی ائمہ کے نزدیک اتباع کے لائق ہے اور ابتداء کی شرارت سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں) حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا لِتَنْزِیْلِھَا بِالسَّیْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلَا یہ حضرت علی سے منقول ہے، علامہ ابن القاصح سراج القاری شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں: قال ابن عباس سالت عليا رضی اللہ عنہ لما لم تكتب في براة بسم الله الرحمن الرحيم فقال لأن بسم الله أمان و براة ليس فيها امان نزلت بالسيف۔ اھ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سورۂ برأت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو انہوں نے فرمایا اس لیے کہ بسم اللہ تو امن کا پیغام ہے اور سورۂ برأت میں امان نہیں ہے وہ تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے)۔

---

[1] علامہ سیوطی نے الاتقان ص ۶۵ میں قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ پہلے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں ہیں جو سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو ملا کر (گویا دونوں کو ایک قرار دے کر) سورۂ توبہ پر ختم ہو رہی ہیں (ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سورت مانا جائے تو سبع طوال میں نہیں آتی ہیں) سبع طوال کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مئتین کہا جاتا ہے (یہ ملئة کی جمع ہے) یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو کے قریب یا سو سے زیادہ ہیں پھر ان کے بعد وہ سورتیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ مفصل کی ابتداء کہاں سے ہے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ سورۃ حجرات سے شروع ہو کر آخر قرآن تک جو سورتیں ہیں ان سب کا مجموعہ مفصل ہے۔ یہی قول ہم نے اوپر تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ مثانی کی انتہاء تو مفصل کی ابتداء سے معلوم ہو گئی۔ لیکن مثانی کی ابتداء کہاں سے ہے۔ اس کے بارے میں اکابر کے اقوال میں کوئی تصریح نہیں دیکھی۔

سورتوں کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ مثانی کی ابتداء بظاہر سورۂ قصص سے ہونی چاہئے کیونکہ اس سے پہلی سورۃ میں ترانوے آیات اور اس میں اٹھاسی آیات ہیں (گو اس سے پہلے سورۂ حج میں اٹھہتر اور سورۂ نور میں چونسٹھ آیات گزر چکی ہیں) سورۂ قصص کے بعد عموماً وہ سورتیں ہیں جن کی آیات مئین والی سورتوں کی آیات سے کم ہی ہیں۔ البتہ درمیان میں سورۂ شعراء میں دو سو ستائیس اور سورۂ صافات میں ایک سو بیالیس آیات ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آیات کی تعداد کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ ہر اگلی سورت پچھلی سورت کی آیات کے اعتبار سے چھوٹی ہو۔ پھر یہ طول اور قصر بھی تقریبی ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو ان حضرات کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ یہ جو ہم نے عرض کیا کہ ترتیب سورت میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ چھوٹی سورت میں آیات زیادہ ہوتی ہیں۔ (کمافی الصافات) اور بڑی سورت میں آیات کی تعداد کم ہوتی ہے (كمافي سورة الاحزاب فانها اطول من الصافات وعدد آياتها اقل منها)۔

Marfat.com

اب ایک شق اور رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۂ براۃ کے درمیان سے کسی جگہ سے تلاوت کی ابتداء کرے تو جس طرح دوسری سورتوں کے درمیان سے تلاوت کی صورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں درست ہیں اسی طرح سورۃ براۃ کے درمیان سے ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ محقق ابن الجزری ''النشر'' میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں متقدمین کی کوئی نص نہیں دیکھی اور علی الاطلاق بہت سے اہل اداء نے سورتوں کے درمیان سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں جو دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ برأت کے درمیان سے شروع کرنے کی صورت میں بھی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ابوالحسن سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں سورہ برأت کے درمیان سے تلاوت کی ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے کا جواز لکھا ہے اور ابواسحاق جعبری کا رجحان نہ پڑھنے کی طرف ہے۔ پھر آخر میں محقق ابن الجزری نے دونوں باتوں کی تائید کی ہے اور کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ گویا وہ بھی تخییر کے قائل ہیں۔ یعنی پڑھنا نہ پڑھنا دونوں کی گنجائش دی ہے۔

فائدہ: یہ جو بعض مصاحف میں سورۂ برأت کی ابتدا میں حاشیہ پر اعوذ باللہ من النار و من غضب الجبار و من شر الکفار لکھا ہوا ہے اور بہت سے حفاظ اس کے پڑھنے کو مستحب یا سنت سمجھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (کما ذکرہ فی الفتاوی الرشیدیۃ)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ
اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ۝٣ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ
الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ
مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ
مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ ع

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف برأت ہے جن سے تم نے عہد کیا۔ سو تم چلو پھرو زمین میں چار مہینے اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ سوائے ان مشرک لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔ سو

Marfat.com

تم ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پھر جب اشہر الحرام گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پالو۔ اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں گھات کے ہر موقعہ پر بیٹھو۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجیے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں

آیات بالا کی تفسیر سمجھنے کے لیے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس وقت سورۂ برأت نازل ہوئی ہے اس وقت کفار کی چار قسمیں تھیں۔ پہلی قسم کے تو وہ لوگ تھے جن سے مقام حدیبیہ میں ۶ ھ میں معاہدہ ہوا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا اور بڑی ردوکد کے بعد دس سال کے لیے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس صلح میں یہ تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہیں کرے گا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ آور ہوگا۔ پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ بنی بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) رات کے وقت قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش مکہ نے بنی بکر کو ہتھیار دیئے اور اپنے جوان ان کی امداد کے لیے بھیجے۔ اس طرح سے قریش نے عہد شکنی کی کیونکہ بنی خزاعہ پر حملہ کرنے والوں کے مددگار بن گئے جو مسلمانوں کے حلیف تھے جب آنحضرت ﷺ کو قریش کی عہد شکنی کی خبر ملی تو آپ نے جنگ کی تیاری کی اور ۸ ھ میں اپنے صحابہ کو لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔

کافروں کا دوسرا فریق وہ تھا جن سے صلح کا معاہدہ ایک خاص میعاد کے لیے کیا گیا تھا وہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم تھے۔ نقضِ عہد نہیں کیا تھا جیسے قبیلہ بنی ضمرہ اور قبیلہ بنی مدلج (یہ دونوں قبیلے بنی کنانہ میں سے تھے) ان سے جتنی مدت کے لیے صلح ہوئی تھی سورۂ برأت کے نزول کے وقت اس کے اختتام میں چند ماہ باقی تھے۔

مشرکین کا تیسرا فریق وہ تھا جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا اور چوتھا فریق وہ تھا جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

پہلا فریق:

یعنی قریش مکہ جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا وہ تو کسی رعایت اور مہلت کے مستحق نہ تھے ان کو بلا مہلت ہی جزیرہ عرب سے نکال دینا یا قتل کر دینا درست تھا لیکن پھر بھی اشہر الحرام کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ رعایت کی گئی کہ اشہر الحرام میں ان سے تعرض نہ کیا جائے اور اشہر الحرام گزر جانے کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کفر سے توبہ کر لیں اور اسلام کے کام کرنے لگیں (جس میں نمازیں پڑھنا اور زکوٰتیں ادا کرنا سب سے زیادہ اہم ہے) تو نہ انہیں قتل کریں نہ قید کریں کیونکہ وہ اب اپنے ہو گئے۔

دوسرا فریق:

وہ تھا جن سے کسی خاص میعاد کے لیے صلح کا معاہدہ کیا گیا تھا وہ اس پر قائم رہے نقضِ عہد نہ کیا تو ان کے بارے میں یہ حکم دیا ﴿فَاَتِمُّوْا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ﴾ کہ ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو کیونکہ عہد کی خلاف ورزی اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔ جب مقابل فریق اپنا عہد پورا کر رہا ہے تو اہل ایمان تو بطور اولیٰ عہد پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ حکم قبیلہ بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے متعلق تھا۔ اگر اہل ایمان نقض عہد کریں گے تو تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ مومن کا کام ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اسی لیے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ تقویٰ والوں کو پسند فرماتا ہے)۔

تیسرا فریق:

(جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا) اور چوتھا فریق (جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا) ان کے بارے میں سورۂ برأت کے

Marfat.com

شروع سے لے کر ﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ تک تین آیات میں اعلان فرمایا اور ان کو چار مہینے کی مدت دی گئی اور کافروں سے فرمایا کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ سرزمین عرب میں چار مہینے چلو پھرو اور چار ماہ کے بعد بھی یہ نہ سمجھنا کہ جزیرۃ العرب سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آزاد ہو جاؤ گے تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے وہ کافروں کو ضرور ذلیل کرے گا۔ الفاظ کا رخ تو ان لوگوں کی طرف ہے جن سے کوئی عہد تھا اور اس کی میعاد مقرر نہ تھی لیکن اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے جن سے کچھ بھی معاہدہ نہ تھا۔

۹ھ میں حضرت ابوبکر کے زیر امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے برأت کا اعلان:

برأت کے مفہوم کو دوبارہ ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ فرما کر دہرا دیا اور ۹ھ میں جو حج ہوا (جو فتح مکہ کے بعد پہلا حج تھا) اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ مواقف حج میں اعلان کروا دیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (ص ۶۷۱ ج ۲) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو امیر بنا کر بھیجا تھا اس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا ان میں میں بھی تھا تا کہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کر دیں الا لا یحج بعد العام مشرك لا یطوف بالبیت عریان۔ (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ اعلان کروایا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج بنا کر بھیج دیا تھا پھر پیچھے سے حضرت علی کو بھی بھیجا تا کہ ان کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقض عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اسی قبیلے کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ قبیلے کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔ حضرت علی سورۂ برأت کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لیے حضرت ابوہریرہ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابوبکر نے اس کام پر لگایا۔

معالم التنزیل (ص ۲۶۷ ج ۲) میں زید بن تبیع سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی سے سوال کیا کہ آپ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا (جس میں آپ اعلان کرنے پر مامور ہوئے تھے) انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اول یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قبیلے سے کوئی معاہدہ ہے تو یہ معاہدہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں) مسلمان ان سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوم یہ کہ جنت میں مومن کے سوا کوئی شخص داخل نہ ہوگا۔ چہارم یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی نیز صاحب معالم التنزیل (ص ۲۶۶ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی اس کی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں برأت کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی چونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہو سکتا ہے۔

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ (الآیۃ) حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اَشہر الحرام کا ذکر ہے ان سے وہی مہینے مراد ہیں جن کا شروع سورت میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ بلا تعیین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ

Marfat.com

کی مہلت دی گئی اور جنہوں نے نقض عہد کیا تھا یعنی قریش مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں سے بیس دن ذی الحجہ کے اور پورا مہینہ محرم کا گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفی نے بھی مدارک التنزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے

صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے کہ اشہر الحرام سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذیقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب[1]) اور یہ اس لیے فرمایا کہ جس وقت برأت کا اعلان ہوا تھا ان میں سے صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا اور رجب تک پہنچنے کے لیے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا اگر ان پانچ مہینوں کو بھی حساب میں لگا دیا جائے تو میعاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب اشہر الحرام نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو پکڑو اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کر دو، باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو، مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو۔ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ﴾ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلام قبول کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب اسلام قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر دار و گیر نہیں۔

وَاحْصُرُوْهُمْ سے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور ﴿وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ﴾ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لیے ان سے چوکنا رہنے کے لیے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن (ص ۸۳ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ﴾ سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص شرک و کفر سے توبہ کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ البتہ حصر اور حبس کا حکم باقی رہے گا۔ جو شخص قصداً نماز چھوڑے اور اس پر اصرار کرے اور زکوٰۃ نہ دے امام المسلمین کے لیے جائز ہے کہ اسے محبوس رکھے۔ اس کا چھوڑ دینا اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے۔

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجیے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے)

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔ وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے، توحید کو سمجھے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لیے ایسا موقعہ فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری طرح حجت قائم کریں اور توحید و رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ ﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی حربی امان لے کر آئے اس کی حفاظت کرے تاکہ کوئی شخص اسے قتل نہ کرے اور کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائے نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ ہیں امام المسلمین کے ذمہ ان کی حفاظت واجب ہے تاکہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے دیا جائے۔ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو ذمی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن ص ۸۴۔۸۳ ج ۳)

[1] اہل عرب ان مہینوں میں قتال نہیں کرتے تھے اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان میں قتال کرنا ممنوع تھا۔۱۲

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جونہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟) فلا بد من اعطائهم الامان حتى يسمعوا اويفهموا الحق (پس انہیں امان دینا ضروری ہے تاکہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں)۔ (مدارک التنزیل ص ۱۱۷ ج ۲)

فائدہ: یوم الحج الاکبر جو فرمایا ہے اس سے ایام حج مراد ہیں یہ خاص کر وہ ایام جن میں منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ لفظ یوم کو بطور جنس لایا گیا ہے۔ اور الحج الاکبر سے کیا مراد ہے؟ حضرت زہری شعبی اور عطا نے فرمایا کہ اس سے حج مراد ہے کیونکہ عمرہ حج اصغر ہے اور حج، حج اکبر ہے حج اکبر کا وہ معنی جو مشہور ہے کہ یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو یہاں وہ معنی مراد نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ جمعہ کے دن حج ہو تو اس کی فضیلت دوسرے حجوں سے زیادہ ہے یا نہیں؟ بعض روایات سے اس کی فضیلت عام حجوں سے ستر گنا زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے اس بارے میں "الحظ الاوفر في الحج الاكبر" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا
عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۗ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیسے رہے گا مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا، سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ان کا عہد کیسے رہے گا اور حال ان کا یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کی پاسداری کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا خیال کریں۔ یہ لوگ تمہیں اپنے مونہوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کا بدلہ تھوڑی قیمت کو خرید لیا، سو انہوں نے اللہ کے راستہ سے روک دیا۔ بلاشبہ وہ جو کام کرتے ہیں برے کام ہیں، وہ کسی مومن کے بارے میں کسی قرابت داری کا اور کسی ذمہ داری کا پاس نہیں رکھتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے، اور ہم تفصیل کے ساتھ احکام بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں

ان آیات میں اول تو مشرکین کی بدعہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور ان کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں

Marfat.com

ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکا دکا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے حقیر دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جو وہم تھا اس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستہ پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً﴾ (کسی مومن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ﴾ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم وزیادتی کرنے والے ہیں۔) ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖ﴾ فرمانے کے بعد متصلاً ہی یوں فرمایا۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ استثناء میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جن سے مسجد حرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو عہد پر قائم رہے۔ اور ان کی مدت معاہدہ باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کے عہد کی رعایت کرو۔ ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ﴾ (جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں یعنی مدت معاہدہ میں نقض عہد نہ کریں) ﴿فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاء عہد کرو عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں ﴿اَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ﴾ کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی پابندی نہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔ وأيا ما كان فحكم الامر بالاستقامة ينتهي بانتهاء مدة العهد فيرجع هذا الى الامر بالاتمام المار الخ (ص ۵۵ ج ۱۰) (اور جو بھی ہو عہد پر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ حکم گزشتہ عہد کی تکمیل کی طرف لوٹتا ہے)۔

آخر میں فرمایا ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ کہ لوگ اگر کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے لڑنے کا کوئی موقع نہیں) ﴿وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (اور ہم ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں) تا کہ فکر سے کام لیں اور ہر بات کو سمجھیں اور احکام خداوندی کے پابند رہیں۔

فائدہ: آیات بالا میں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ''اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری کا معاہدہ کا لحاظ نہ کریں گے وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں''۔ ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے قتل وقتال سے بچنے کے لیے اور ان کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قومیت، وطنیت اور یک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں اور معاہدات بھی کر لیتے ہیں لیکن اگر کبھی ان کو اپنا موقعہ لگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر سارے معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمان کی کمر میں خنجر گھونپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے۔ جب بھی موقعہ لگتا ہے مسلمانوں کے قتل وخون سے باز نہیں آتے۔ صدہا سال سے یہی ہو رہا ہے۔

وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ

Marfat.com

هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ
يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ
تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا
الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بلاشبہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے یہاں قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالنے کا پختہ ارادہ کیا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ چھاڑ کی ابتداء کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ اس سے جنگ کرو اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور مسلمانوں کے سینوں کو شفاء دے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو دور فرمادے گا۔ اور اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا تم کو یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور حالانکہ اللہ نے ابھی تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا، جنہوں نے جہاد کیا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے علاوہ کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو

کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں

ان آیات میں قریش مکہ کی بدعہدی اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے اور ان سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے۔ ان لوگوں سے ۶ ھ میں حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی دس شرطوں میں سے ایک یہ شرط بھی تھی کہ دس سال تک ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ آور نہ ہوگا اور نہ کوئی فریق کے حلیف پر حملہ کرے گا اور نہ کسی حملہ آور کی مدد کرے گا لیکن قریش مکہ نے معاہدہ توڑ دیا اور قبیلہ بنی خزاعہ (جو رسول اللہ ﷺ کا حلیف تھا) کے خلاف قریش مکہ نے قبیلہ بنی بکر کی ہتھیاروں سے اور جوانوں سے مدد کی۔ اب جبکہ انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا، اور نہ صرف یہ کہ عہد توڑا بلکہ تمہارے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو ان سے جنگ کرو۔

فَقَاتِلُوْهُمْ کی بجائے ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ فرمایا۔ اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب کے مشرکوں کے سرغنے بنے ہوئے تھے نہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدیٰ بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا ﴿اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابوجہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے جلاوطن کرنے کا مشورہ بھی دیا جبکہ دار الندوہ میں جمع ہوئے تھے ﴿اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ﴾ (ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں) ﴿لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾ تم ان سے جنگ کرو تاکہ یہ تمہارے دین پر طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لیے کھڑے ہونے سے باز آجائیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آجائیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۲ ج ۲ ببعض زیادۃ)

قریش مکہ تو عہد توڑ چکے تھے پھر حرف شرط کے ساتھ ان کے عہد کو توڑنے کو کیوں ذکر فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اس کا مطلب

Marfat.com

یہ ہے کہ وہ نقضِ عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔ احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ لا کر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جو جماعت نقضِ عہد کرے اور تمہارے دین میں طعن کرے ان سے جنگ کرنا اور خاص کر کفر کے سرغنوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا۔ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز رہیں گے۔

علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ جب کوئی ذمی دین اسلام میں علانیہ طور پر طعن کرے اس کا قتل جائز ہے کیونکہ عہد ذمہ میں یہ بات بھی ہے کہ اسلام پر طعن نہ کریں گے سو جب طعن کر دیا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور عہد ذمہ سے نکل گیا۔ اھ

پھر فرمایا ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی قتال کی ابتداء کی) یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں (جو تمہارے حلیف تھے) بنی بکر کی مدد کی۔ ﴿اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور ترک قتال کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو (اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو) اگر تم مومن ہو (تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو جس میں حکم قتال کی تعمیل بھی ہے)۔

اس کے بعد فرمایا ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اس آیت میں قتال کا حکم بھی ہے اور مدد کا وعدہ بھی فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کی طرف سے جو عہد شکنی ہوئی اور جو انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے حرکتیں کیں اس سے جو مسلمانوں کے دلوں میں رنج و غم ہے اس جنگ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرما دے گا۔ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ شفا دے گا ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں کافر مقتول اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مسلمان اپنی آنکھوں سے کافروں کا برا انجام دیکھ لیں گے۔ مزید فرمایا ﴿وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ﴾ اور اللہ ان کے دلوں کی جلن کو دور فرما دے گا۔ یہ جملہ اولیٰ پر عطف ہے اور اس کے مفہوم کی تاکید ہے اور اس میں اہل ایمان کی خوشی کو دوسرے الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ جس سے مبالغہ مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خوب زیادہ خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی یہ بات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اذہاب الغیظ شفاء صدور سے زیادہ ابلغ ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ شفاء الصدور فتح مکہ کے وعدہ سے ہو گیا اذہاب الغیظ فتح مکہ سے ہو گیا لیکن صاحب روح المعانی اس قول سے راضی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے) تمہیں جو حکم ہوا ہے وہ کرو۔ تمہارا کام قتال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں جو کچھ ہے وہ بھی واقع ہو گا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق دے گا اور کفر چھوڑنے پر جوان کی توبہ قبول فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنا فضل فرما دے جسے اسلام کی نعمت سے نوازنا ہو گا وہ تمہارے مقابل صف آرا ہو کر بھی بچ کر نکل جائے گا اور اسلام قبول کر لے گا۔ جیسا کہ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو جو مشرکین کے رؤساء تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ﴿وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ جاننے والا ہے اسے معلوم ہے کہ کون اسلام قبول کرے گا اور کون کفر پر مرے گا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ اپنی حکمت کے موافق جس کو چاہے نوازدے۔ کسی کا اس میں دخل نہیں ہے۔

فائدہ: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سورۂ براۃ ۹ھ میں نازل ہوئی۔ پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۶۲ ج ۱۰ لکھتے ہیں کہ سورۂ براءت کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اھ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ و غضب ہو

Marfat.com

کا اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفا عطا فرمائے گا۔ جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لیے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ ﷺ کو جلا وطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پہل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آ سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے اور ان کے بعد کوئی نبی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آ سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تا کہ کافر ذلیل و خوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رخ حضرات صحابہ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔

اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا﴾ (الآیۃ) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو۔ امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چھڑائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو راز دار بنایا۔ یہ امتحان والا مضمون دیگر آیات میں بھی ہے۔ سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے متمیز نہ فرما دے)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ (کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ کی جائے گی)۔ آخر میں فرمایا۔ ﴿وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ۘ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

مشرکین اس کے اہل نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہو گئے۔ اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر

Marfat.com

اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ سو توقع ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے برابر بنا دیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر، اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے کے اعتبار سے بڑے ہیں، اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں

معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عباس کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کیے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علی نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس نے کہا کہ آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے حضرت علی نے فرمایا کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اور یہ بتا دیا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔ مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔ کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرات ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد توحید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ در و دیوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر اور شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورۂ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے، صاحب معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) لکھتے ہیں: أي ما ینبغي للمشرکین أن یعمروا مساجد اللہ، اوجب علی المسلمین منعھم من ذلك لأن المساجد انما تعمر لعبادۃ اللہ وحدہ، فمن کان کافرا باللہ فلیس من شانہ ان یعمرھا (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہوتی ہیں جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے) پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ کہ ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے (کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) ﴿وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)۔

مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے:

اس کے بعد فرمایا ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا زکوۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا اللہ کے دین پر کسی کا

Marfat.com

خیال کیے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اُخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ دنیا میں اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ اطاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی، مسجد بنانا اور اس کا نظم ونسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آبادکاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازوں سے، ذکر سے تلاوت سے تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی اُمور کے لیے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹ عن الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں؟

جیسے اعمال صالحہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آبادکاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید وفروخت کرنا اور بدبودار چیزیں کھا پی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بدبو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک، بلغم ڈالنا، گم شدہ چیز تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گمشدہ چیز کے تلاش کرنے والے کی آواز سنے تو یوں کہہ دے لا ردھا اللہ علیك (کہ اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۰ ج ۱، ابوداؤد ص ۶۸ ج ۱)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا ہے یا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور کے بارے میں ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو ان کی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱ عن البیہقی فی شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا برا نہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں حدود وقصاص جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا (رواہ ابوداؤد ص ۲۶۱ ج ۲) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بدبو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد، ص ۱۷۹ ج ۲، وفی مسلم عدۃ روایات فی ہذا المعنیٰ ص ۲۰۹ ج ۱)

مسجد کی صفائی کا اجر وثواب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیز نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا تنکا ہو) تو وہ بھی مجھے اُمت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا اور مجھ پر میری اُمت کے گناہ پیش کیے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت

Marfat.com

عطا کی گئی پھر وہ اُسے بھول گیا۔ (ابوداؤد ص ۶۶ ج ۱)

آج کل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قالین، جھاڑ، فانوس، درودیوار پر پھول دار نقشے، چمکدار فرش وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ میں حصہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تلاوت اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور یہ ظاہری زیب وزینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع وخضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا بنا کر آپس میں فخر کریں گے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۵ ج ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب وزینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ مساجد هم عامرة وهي خراب من الهدیٰ (ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸)

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں:

پھر فرمایا ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الآیۃ) اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور عباس کو کفر اختیار کرنے پر عار دلائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے درودیوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر وشرک کے ساتھ کوئی بھی عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا کوئی نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں، تیسرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے، ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو، چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ﴿لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ ﴿وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (ظالموں سے مشرک مراد ہیں وہ شرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے)۔

مومن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت:

اس کے بعد ایمان اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ لوگ بہت بڑے ہیں، اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں) مزید فرمایا ﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ

Marfat.com

﴿رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ﴾ (ان کا رب انہیں بشارت دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضا مندی کی اور باغوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ١قْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کرتے ہوں، اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نہ چلنے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ، بھائی، بیوی، کنبہ، قبیلہ، مکان، دوکان، آل اولاد کی کوئی حقیقت نہیں

گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کی فضیلت بیان فرمائی۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تھا اس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ہجرت کرنے میں پس و پیش کرتے تھے اور ہجرت کی ہمت کرنے سے عاجز بنے ہوئے تھے۔ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ معالم التنزیل (ص ۲۷۶ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا حکم فرمایا (اور یہ وہ وقت تھا جبکہ مدینہ منورہ ہی دار الاسلام تھا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض تھا) تو بعض لوگوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اہل وعیال نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا اور انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ضائع نہ کریں ان کی یہ بات سن کر ان پر ترس آ گیا اور ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا﴾ (الآیۃ) نازل فرمائی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارے باپ اور بھائی اگر کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں انہیں کفر محبوب ہے تو انہیں دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ محبت اور دوستی کے لائق نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ بھی ایمان قبول کر لیتے اور تمہارے ساتھ ہجرت کرتے اب وہ کافر ہیں اور تم مومن ہو، تمہارا دین تو قبول کرتے نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ تم ہجرت کر کے جاؤ گے تو ہم ضائع ہو جائیں گے، جو لوگ اللہ کے فرمانبردار نہیں بنتے حق کو قبول نہیں کرتے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے دوستی کی جائے۔ وہ تو ایمان قبول کرنے کو تیار نہیں اور تم ان پر اتنے مہربان ہو رہے ہو کہ ان کی وجہ سے ہجرت (جو فرض ہے اور ایمان کا جزو ہے) نہیں کرتے وہ تو ایمان پر نہیں آتے اور تم ان کے لیے اپنا ایمان ضائع کر رہے ہو! یہ تو تمہاری اپنی جانوں پر ظلم ہوا۔ اس آخری بات کو یوں بیان فرمایا ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں) یعنی ان سے دوستی رکھنا جبکہ ان کو کفر محبوب ہے ظلم کی بات ہے اور یہ اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ جب ایمان لے آئے اللہ کے ہو گئے تو اللہ کے حکموں کے سامنے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ داری لائق توجہ نہیں جو اللہ کے

Marfat.com

احکام پر عمل کرنے سے روکے، مومن کا اپنا وہی ہے جو اللہ کا فرمانبردار ہو جو اللہ کا نہیں ہے وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔

بزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　فدائے یک تن بیگانہ کو آشنا باشد

جب آیت بالا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا﴾ نازل ہوئی تو بعض وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت نہیں کی تھی کہنے لگے کہ اگر ہم ہجرت کرتے ہیں تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے اور تجارتیں ختم ہو جائیں گی اور گھر ویران ہو جائیں گے اور رشتہ داریاں کٹ جائیں گی اس پر دوسری آیت ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ (الآیۃ) نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۷ ج ۲) جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ اعلان کروا دیا کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بیویاں اور کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کما رکھے ہیں اور وہ تجارت جس میں تم مشغول ہو اور ہجرت کرنے کی وجہ سے اس کے ناکام ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ تو تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ دنیاوی چیزیں تمہیں ہجرت سے روک رہی ہیں یہ تمہارے لیے عذاب کا باعث ہیں یہ جو عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت میں تو بہرحال ترک ہجرت کرنے پر عذاب ہے ہی۔ اگر اس حالت میں مر گئے کہ ہجرت نہ کی جبکہ اس کے بغیر ایمان مقبول نہیں۔ قال صاحب الروح أي بعقوبته سبحانه لکم عاجلا او اجلا علی ما روی عن الحسن (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے اوپر اللہ کے غضب سے ڈرو جلدی آئے یا دیر سے۔ حضرت حسن سے جو مروی ہے اس کے مطابق یہی مطلب ہے) (ص ۷۱ ج ۱)

سورۂ نساء (آیت ۵۸) میں ہجرت پر قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرنے والوں کے لیے ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ فرمایا ہے اللہ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ داریوں اور تجارتوں اور گھروں کا دھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ اور جو لوگ فاسق ہیں اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں اور اپنے نفع اور ضرر کو سمجھیں۔ دنیا کو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں جو ترجیح دی اس کی سزا میں ان کا یہ حال ہوا۔

فائدہ: ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی احکام میں بہت سی ایسی چیزیں آجاتی ہیں جو نفس پر گراں ہوتی ہیں ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق اپنوں سے قطع تعلق کرنا بھی ہے اور بہت سے امور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اسی نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی ان کی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

پہلا: وہ شخص جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

دوسرا: وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ ہی کے لیے محبت کرے۔

تیسرا: وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچا دیا وہ واپس کفر میں جانے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

Marfat.com

ایمان کی مٹھاس سے یہ مراد ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

فائدہ: محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک محبت طبعی جس میں اختیار نہیں ہوتا اور دوسری محبت اختیاری یہ محبت عقلی ہوتی ہے اوپر جس محبت کا تذکرہ ہوا اس سے محبت اختیاری مراد ہے چونکہ غیر اختیاری امور کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف نہیں بنایا (اور طبعی محبت اختیاری نہیں ہے) اس لیے اوامر شرعیہ میں محبت عقلی اور اختیاری ہی مراد ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں طبعی طور پر آل اولاد اور رشتہ داروں کی اور مال کی محبت ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ طبعی محبت عقلی اور اختیاری محبت پر غالب نہ آ جائے۔ یعنی طبعی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی پر آمادہ نہ کر دے۔ ایمانی تقاضوں کا پورا کرنا بعض مرتبہ آل اولاد، مال اور دکانداری کی محبت کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر لگ جاتے ہیں۔ بچوں کو خوش کرنے کے لیے تصویریں خرید دیں۔ گھر میں ٹی وی لے آئے انہیں غیر شرعی لباس پہنا دیا ان کی رواجی ضرورتیں پورا کرنے کے لیے رشوت لے لی۔ ان کے لیے زیادہ مال فراہم کرنے کی نیت سے سود لے لیا۔ حرام محکموں میں ملازمت کر لی یا کسی طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے۔ دوستوں کو خوش کرنے کے لیے داڑھی مونڈ لی، نصرانی لباس پہن لیا حرام کمائی والے کی دعوت کھالی یہ ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسے مواقع میں عقلی ایمانی محبت اور طبعی محبت میں مقابلہ کی صورت بن جاتی ہے۔ عموماً لوگ طبعی محبت سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ایمانی تقاضوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

﴿اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ﴾ کے عموم میں اس طرح کی سب باتیں آ جاتی ہیں۔ بہت سے نیک بندوں کو ایمانیات کی محنتیں کرتے ہوئے اور جنت کا یقین رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے ہوئے یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ طبعی محبت بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ مقام بہت مبارک ہے اور برتر و بالا ہے۔ زہے نصیب جسے حاصل ہو جائے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾

یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پہ گھمنڈ ہو گیا۔ پھر اس کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتار دیئے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی، پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کثرت پر گھمنڈ ہونا اور اس کی وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ پھر خصوصیت کے ساتھ غزوۂ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی، بعض صحابہ کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ

Marfat.com

کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوۂ حنین کا مفصل واقعہ:

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جوان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بنو ثقیف بنو نصر بنو جشم بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے قتال کریں، ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جا کر رہو اور صحیح حال معلوم کر کے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لیے سفر شروع فرمایا تھا تو آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت سہل بن حنظلیہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھوڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنے بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا انشاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس ابن ابی مرثد چوکیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھاٹیوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لیے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔ اَیُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْا اِلَیَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ (اے لوگو! میری طرف آ جاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں) اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں...... میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

اس موقعہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ (اے اللہ اپنی مدد نازل فرما) آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحاب شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ یہ حضرات آواز سن کر لبیک لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاهت الوجوه۔[1] اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہوگئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کیے گئے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال انشاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے)۔

[1] ان کی صورتیں بگڑ جائیں۔ ۱۲

Marfat.com

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقعہ پر اسلام قبول کرلیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مال غنیمت کو جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے۔ مقام جعرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاری کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست:

اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لیے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہو گئے ان کے بعد ان کے چچازاد بھائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامر کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقعہ پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی:

غزوہ حنین سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہ آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے منجنیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے منجنیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کل واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دعا کی۔

(اے اللہ! ان کو ہدایت دے اور ہمارے لیے تو ہی کافی ہو جا (تا کہ ہمیں ان سے نبٹنا نہ پڑے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے)۔

جعرانہ میں تقسیم غنائم:

آپ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے۔ جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بڑی بھاری تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آ جائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۸ مختصراً وملتقطاً)

Marfat.com

حنین میں فرشتوں کا نزول:

مسلمانوں کو اول شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لیے تنگ ہوگئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمایا اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کا ذکر کرتے ہوئے ﴿وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل (ص ۲۸۱ ج ۲) میں فرماتے ہیں یعنی: الملائكة قيل لا للقتال و لكن لتجبين الكفار و تشجيع المسلمين لانه يروى أن الملائكة لم يقاتلوا الايوم بدر (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قتال کے لیے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر، کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لیے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لیے نازل کیے گئے تھے۔ کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقعہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی ص ۷۵ ج ۱۰ نے بھی ﴿جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مومنین کے قلوب کی تقویت کے لیے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن آخیر میں لکھا ہے و ليس له سند يعول عليه یعنی اس کی کوئی سند معتمد نہیں۔

فرشتوں کے اُتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا ﴿وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے) ﴿وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ آخر میں فرمایا۔ ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب یہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت کو لے کر مقابلہ کے لیے حنین میں آیا تھا۔ جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم ﷺ کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنا دیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جا کر آپ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے۔ زمانہ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرما دیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہل علم کی دلچسپی کے لیے نقل کیے جاتے ہیں:

ما ان رأيت و لا سمعت بمثله — فی الناس كلهم بمثل محمد
أوفى و أعطى للجزيل اذا اجتدى — و متى تشأ يخبرك عما فى غد
و اذا الكتيبة عردت أنيابها — بالسمهرى وضرب كل مهند
فكأنه ليث على أشباله — وسط الهباة خادر فى مرصد

Marfat.com

جن کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) میں نے تمام لوگوں میں محمد (ﷺ) جیسا نہ دیکھا اور نہ سنا۔

(۲) خوب زیادہ مال کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دیدے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرمادیا تھا کہ بنی ہوازن کے مال کل انشاء اللہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے)

(۳،۴) اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسنے لگے نیزوں کے ساتھ، اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے، تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں (کی نگرانی) پر غبار کے درمیان ہر گھات کی جگہ میں۔ ذکرھا الحافظ ابن کثیر فی البدایة ص ۳۶۱ ج ۴ و الخادر (بالخاء) الاسد الذی اختفی فی اجمته کما فی القاموس (اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے۔ الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہوا ہو)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے، بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

یہ آیت بھی سورۃ برأت کی شروع کی اُن چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابوبکر امیر الحج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ اُن میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ''مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔'' اس میں حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ حکم دیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے، مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور پلید ہونے سے مراد اُن کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفریہ مراد ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مومن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔ دیگر ائمہ کا مذہب اس میں مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا ویزہ لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعی دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے درمنثور (ص ۲۲۶ ج ۳) میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا الا أن يكون عبدا او أحدا من أهل الذمة (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی غلام ہو یا کوئی شخص ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام

Marfat.com

باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام اور ذمی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ حدیث بالا درمنثور میں موقوفاً ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن (ص ۸۹ ج ۳) میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابر نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لیے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوا دیا تا کہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اور اُن کا رکوع سجدہ دیکھیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔ امام طحاوی نے اس واقعہ کو شرح معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔ اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ فقال رسول اللہ ﷺ انہ لیس علی الارض من انجاس الناس شئ انما انجاس الناس علی أنفسھم (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں ان کی نجاستیں ان کی اپنی جانوں پر ہیں)۔

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم گرفتار کر کے لے آئے تھے اور ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۶۶ ج ۱)

﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ (الآیۃ) (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ﴾ (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے)۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لیے آتے تھے تو اپنے ساتھ غلہ (گیہوں، جو وغیرہ) بھی لے آتے تھے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لیے ان کا آنا روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور ان اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو معاشی مشکلات کا اندیشہ تھا انہیں دور فرما دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ نے اور ان کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی، ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ وہ ماتحت ہو کر ذلت کی حالت میں اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم

سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب وہ اپنے ہوگئے ان سے جنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان

Marfat.com

سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک ہمارا ہو گا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ ہمیں مال دینا ہوگا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آور ہوگا تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہوگا۔ اگر وہ اس کو قبول کریں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہوگا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیٰ یجزی کا مصدر ہے، جو فعلۃ کے وزن پر ہے جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ ابھی لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے بھی انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احترازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لیے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچ ہوئی ہوا نہیں قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی، اللہ کی توحید کو بھی چھوڑ چکے تھے اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جانتے بوجھتے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی، اسے بھگتنے کے لیے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجہ میں ہے۔ نیز وہ حشر اجساد یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لیے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ فرمایا۔ قال صاحب الروح و ایمانھم الذی یزعمونہ لیس علی ما ینبغی فھو کلا ایمان (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں وہ تو ایمان کا نہ ہونا ہے)۔ (ص ۷۸ ج ۱۰)

اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ﴿وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جس چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حرمت ان کی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ کہ وہ دین حق یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو مقتضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال روک دیا جائے گا اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ﴾ اس میں لفظ عَنْ يَّدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کر دیا گیا وہ خود آ کر ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تحقیر بھی مقصود ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو وکیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لیے وکیل کے واسطہ سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ خود آ کر ادا کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر نے اس قول کے مطابق یوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

Marfat.com

پھر آخر میں فرمایا ﴿وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط الجزیة یا ذمی (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے ادِّ حقّ اللہ تعالیٰ یاعدو اللہ (اے اللہ کے دشمن، اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے۔ یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۷۹ ج ۱۰) نقل کیے ہیں، پھر آخیر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی علم نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں۔ سوار نہ ہوں اور اس کی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اھ صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ قبول کر لیتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسمبلی کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شناعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں کوئی عبادت خانہ نیا بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو ان کا کوئی عبادت خانہ ہو اور وہ منہدم ہو جائے تو اسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سواریوں میں اور ٹوپیوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سواریوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے (العیاذ باللہ)۔ مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے دین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے ڈرتے بھی ہیں اور جھینپتے بھی ہیں، ملک مسلمانوں کا ہو اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فاللہ یھدیھم۔

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں ان کے جو ذمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المومنین کو پہنچا دیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد لینا دینا طے ہوا اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حلہ ادا کیا کرے حلہ دو چادروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہبند اور ایک چادر اور ہر حلے کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ (چاندی) کی قیمت کا ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی اور ۵/۱ رتی ہوتا تھا۔

ایک دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المومنین ان کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی املاک پر باقی رکھے اور ان پر فی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالدار آدمی پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کیے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار ہو اس پر چوبیس درہم مقرر کیے تھے۔ ہر ماہ اس سے دو درہم لیے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو مزدوری کر کے کھاتا کماتا ہو اس پر بارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

مسئلہ: عورت، بچہ اپاہج اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

Marfat.com

مسئلہ: اہل کتاب بت پرست، آتش پرست ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بت پرست ہیں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسئلہ: مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لیے تلوار ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا۔ اللہ انہیں غارت کرے۔ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور درویشوں کو رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ اور حالانکہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس چیز سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا

پہلی آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا عقیدہ شرکیہ بیان فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ جیسے دوسرے مشرک اپنے شرک میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی مشرک ہیں۔ جن انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں انہوں نے توحید کی دعوت دی تھی اور اسی دعوت کو لے کر اللہ پاک کی طرح مبعوث ہوئے تھے بعد میں ان کے ماننے والوں نے (جو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں) توحید کو چھوڑ دیا اور عقائد شرکیہ اختیار کر لیے اور زبانوں سے بھی شرکیہ باتیں کرنے لگے۔ یہودیوں نے تو یوں کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یوں کہا کہ مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا ﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ کہ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہیں یہ اپنی باتوں میں جھوٹے ہیں۔ ان کی باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی باتوں کی کوئی دلیل اور کوئی سند نہیں۔

پھر فرمایا ﴿يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ﴾ (ان سے پہلے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی باتیں ان کی باتوں کے مشابہ ہیں) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ﴾ (جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا) سے مشرکین مراد ہیں۔ جنہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا اور اس عقیدہ کے جو لوگ ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اپنے اسلاف کی بات پر جمے ہوئے ہیں۔ (روح المعانی ص ۸۳ ج ۱۰)

پھر فرمایا ﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ﴾ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ اور حضرت ابن عباس نے اس کے مجازی معنی لیے ہیں اور فرمایا بات کہ اس سے لعنت کرنا مراد ہے۔ ﴿أَنّٰى يُؤْفَكُونَ﴾ (وہ کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں) ان کو توحید کی دعوت دی گئی ہے اسے چھوڑ کر شرک اختیار کیے ہوئے ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل میں لگے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے:

پھر فرمایا ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار (یعنی علماء یہود) کو اور راہبوں (یعنی نصاریٰ کے درویشوں) کو اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) رب بنالیا۔ نصاریٰ کے راہب تارک دنیا ہو کر اپنے ان گھروں میں رہتے تھے جو جنگلوں میں بنالیتے تھے اس لیے رہبان کا ترجمہ درویش کیا گیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا، اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو میں نے اس کو پھینک دیا واپس آیا تو آپ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ احبار اور رہبان کو رب بنالیا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لیے حرام کر دیں تم اسے حرام کر لیتے ہو اور جو چیز حلال کر دیں تم اسے حلال کر لیتے ہو میں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے آپ نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۸۵ ج ۲)

اور سنن ترمذی وغیرہ میں اس طرح ہے کہ عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سورہ برأت کی آیت ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کر دیتے تھے ان کو حرام مان لیتے تھے۔ (درمنثور ص ۲۳۰ ج ۳)

تحلیل وتحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے:

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے جن چیزوں سے نفع حاصل کرتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا کیں اور جو لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں ان کو بھی اسی نے پیدا فرمایا، اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو جس کے لیے حلال قرار دے اور جس کے لیے حرام قرار دے اس نے سابقہ امتوں کے لیے بعض چیزیں حرام قرار دیں اور اس امت کے لیے حلال کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے پاس سے تحلیل وتحریم کے قانون بنائے۔ جو شخص اپنے طور پر کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دے چاہے اپنے لیے خواہ دوسروں پر ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ یہ تو بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے رزق نازل فرمایا سو اس میں سے تم نے حرام اور حلال تجویز کر لیا۔ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر تہمت باندھتے ہو)۔

جب تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے جو خالق اور مالک ہے تو اس کے سوا جو کوئی شخص تحلیل وتحریم کے قانون بنائے اور اپنے پاس سے حلال وحرام قرار دے اس کی بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک بنانا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اس کی عبادت ہے اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ ان کی عبادت ہے چاہے ان کو سجدہ نہ کریں چونکہ ان جاری کیے ہوئے احکام کے ساتھ فرمانبرداری کا وہی معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہونا چاہئے اس لیے ان کے اتباع اور اطاعت کو عبادت قرار دیا۔

پھر فرمایا: ﴿وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ (اور انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کریں) یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (کوئی معبود نہیں اس کے سوا) وہی معبود حقیقی ہے اس کی عبادت کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے۔ ﴿سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے)۔

فائدہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ لوگ اپنے علماء کو اور درویشوں کو اس طرح اپنا رب بنالیتے تھے کہ

Marfat.com

ان کی تحلیل وتحریم پر عمل کرتے تھے اس میں عبادت بالمعنی المعروف کی نفی نہیں ہے۔ عام طور پر جوان کا طریقہ تھا اسے بیان فرمادیا، ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے۔ اور ان کو ﴿ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ یعنی تیسرا معبود مانتے تھے بلکہ صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ آیت بالا میں جو ﴿وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ فرمایا ہے (اور اس لفظ کو جو احبار اور رہبان پر معطوف کر کے علیحدہ سے ذکر فرمایا ہے) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باقاعدہ معبود مانتے تھے وہ تو اللہ کے پیغمبر تھے اپنی طرف سے تحلیل وتحریم کرنے والے نہ تھے ان کا بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

فائدہ: اوپر جو سورۂ نحل کی آیت نقل کی گئی ہے اس کا مضمون دوسری آیات میں بھی ہے جن میں صاف صاف بتایا ہے کہ تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اسلام کے دعویداروں میں بعض فرقے ایسے ہیں جو تحلیل وتحریم میں اور احکام کو منسوخ کرنے اور بدلنے میں اور عبادت کے طریقے تجویز کرنے میں اپنے امام اور مجتہد کو بااختیار سمجھتے ہیں اور اپنے امام کو قرآن وحدیث کا پابند نہیں سمجھتے۔ ان کا امام اور مجتہد جو کچھ کہتا ہے اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کی تصریحات اور تعلیمات ان کے نزدیک بے حیثیت ہیں۔ ایسے فرقوں کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تصریحات قرآنیہ کو کوئی وزن نہیں دیتے ان کے نزدیک امام کو سب کچھ اختیار ہے جن لوگوں نے ان کا مذہب ایجاد کیا ہے انہوں نے اپنے ہاتھ میں تحلیل وتحریم کے اختیارات رکھنے کے لیے اپنے عوام کو یہ عقیدہ بتایا اور سمجھایا ہے کہ امام ہی سب کچھ ہے۔ روافض کا امام جب چاہے نماز جمعہ جاری کردے اور جب چاہے منسوخ کردے۔ اور اسی طرح دیگر امور میں بھی ان کے یہاں یہی صورت حال ہے۔ ایک بہائیہ فرقہ ہے۔ ان کے ہاں بھی دین اسلام سے ہٹ کر فرائض اور محرمات کی تفصیلات ہیں۔ اور بعض معاصی کی تعزیرات انہوں نے خود سے مقرر کی ہیں جو ان کے بعض رسالوں کو دیکھ کر مطالعہ میں آئیں، منکرین حدیث میں ایک شخص چکڑالوی تھا اس نے نماز کی ترتیب اور ترکیب اور طریقۂ عبادت اپنے پاس سے تجویز کیا تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی گمراہی ہے جو سراپا کفر ہے۔

فائدہ: اب دور حاضر میں جبکہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں، اور اسلامی احکام کے بارے میں غور وفکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کردیں اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔ اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہوجائیں گے اور اگر کسی حرام چیز کو حلال قرار دے دیں گے تو ان کے حلال کردینے سے حلال نہ ہوگی۔ اباحی (یعنی حرام چیزوں کو مباح قرار دینے والے) قسم کے لوگ جو نام نہاد عالم کہلاتے ہیں انہوں نے سود، بیمہ اور تصویروں کو اور بعض دیگر محرمات کو حلال کہہ دیا ہے ان کے کہنے اور لکھنے سے وہ چیزیں حلال نہیں ہوسکتیں۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ کو اس کے علاوہ کوئی بات منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا

ان دونوں آیات میں دشمنان اسلام کے عزائم باطلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا

Marfat.com

دینا چاہتے ہیں، یعنی اسلام پر اعتراض کر کے مہمل باتیں کر کے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے اسلام کا نور بجھنے والا نہیں اور ان کی شرارتوں سے اسلام کو ٹھیس لگنے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ اس کا نور پورا ہو کر رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اور برا لگے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔ پہلی آیت کے ختم پر ﴿وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر ﴿وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ فرمایا۔ جو لوگ شرک کی وجہ سے مشرک ہیں اور جو لوگ مشرک نہیں کسی دوسری وجہ سے کافر ہیں مثلاً خدائے تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے یا اس کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں یا اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو جھٹلاتے ہیں ان دونوں قسم کے دشمنوں کی ناگواری کا تذکرہ فرمادیا کہ کافر اور مشرک یہ جو چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین نہ پھیلے اور اس کا غلبہ نہ ہو ان کے ارادوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا۔ یہ جلتے رہیں۔ حسد کرتے رہیں۔ ان کی نیتوں اور ارادوں پر خاک پڑے گی اور دین اسلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا۔

غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی بھی شخص خواہ دین آسمانی کا مدعی ہو، خواہ بت پرست ہو۔ خواہ آتش پرست ہو خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ ملحد اور زندیق ہو وہ اپنے دعویٰ اور اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آسکتا اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ اسلام کے دلائل سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور ملحدین سب پر حجت قائم ہے۔ اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامل بھی فرمادیا اور قرآن مجید میں اعلان فرمادیا۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی) اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لیے بیٹھے ہیں۔ عبادات، معاملات، مناکحات، معیشت اور معاشرت، سیاست اور حکومت، اخلاق اور آداب کا کوئی مذہبی نظام ان کے پاس نہیں ہے۔ خود سے قوانین بنا لیتے ہیں اور پھر انہیں توڑ دیتے ہیں (بلکہ یوں کہتے ہی نہیں کہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) خود ساختہ قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کریں۔ اسلام نے انسانوں کو ہر شعبۂ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے جن کی تصریحات اور تفصیلات قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

دوسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور ان کا راج ہو۔ ایسا قیامت سے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا اور زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تصریح آتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہوگا کہ لات اور عزیٰ کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (یعنی دین حق تمام دینوں پر غالب ہوگا) آپ نے فرمایا، کہ جب تک اللہ چاہے گا ایسا ہوگا (جو آیت شریفہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج دے گا۔ جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آجائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس کے بعد صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی لہٰذا وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (رواہ مسلم ص ۳۹۴ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ و یبطل الملل حتی یھلك اللہ فی زمانه الملل کلھا غیر الاسلام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کر دیں گے یہاں

Marfat.com

تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرمادیں گے۔ (مسند احمد ص ۴۳۷ ج ۲)

تیسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جاتا ہے اور یہ ہو چکا ہے کہ جب مسلمان جہاد کرتے تھے اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں سے جو قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے۔ صدیوں یورپ اور ایشیا، افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ (اور اس وقت یہی تین براعظم دنیا میں معروف تھے) اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بہت بڑے حصے پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں کافروں سے بغض رکھیں۔ کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آسکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہو گا ان شاء اللہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ۔ حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶ از مسند احمد)

جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا۔ انہیں کلمۂ اسلام کا قبول کرنے والا بنادے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہو گا یا مجبور ہو کر جزیہ کرے گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو! بلاشبہ بہت سے علماء اور راہب ایسے ہیں جو لوگوں کے مال باطل طریقہ پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے، جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان کی پیشانیوں اور کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کیا تھا سو اب اسے تم چکھ لو جسے تم جمع کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں

اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے ہوں گے اس لیے لفظ کثیرا کا اضافہ فرمادیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس طرح سے تھا کہ توریت شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنا دیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے پیر جو گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ نہ

Marfat.com

صاحب شریعت، نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف وخشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لیے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے، جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے اس کا لینا اس شخص کے لیے حلال نہیں ہے جو اندر سے فاسق ہو، اگر دینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپ کی صفات کو بدل دیا اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نوجوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ بھی دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نوجوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اموال کفر اور شرک کو پھیلانے کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں اور اسلام کو پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر کے درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے جو دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر داخل ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں فیل ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور ایشیاء کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب انشاء اللہ رکنے والا نہیں ہے دلیل و حجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر میں داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں ہیں پھر بھی اپنی ناسمجھی سے اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے۔ چرچ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر اور شرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے۔ اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام کے دل اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری کاغذات میں پیدائشی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے اس سے منحرف ہیں گو زبان سے اظہار نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا انشاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا۔ اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں وہ اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کریں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے، آگے بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے ان پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیں۔ ہم بالکل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد ان لوگوں کے لیے وعید ذکر فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یَکْنِزُوْنَ کو ماقبل پر معطوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لا کر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لیے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے توریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے اور اس امت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا ﴿وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ (اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ مال جمع کرنے کو اپنے لیے اچھا سمجھتے تھے۔ ان کے گمان کے برخلاف ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

﴿یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَ جُنُوْبُھُمْ وَ ظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ﴾ (جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور اس کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کیا تھا۔ سو اب تم چکھ لو جسے جمع کرتے تھے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی سونے کا مالک تھا جس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی، پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کے ذریعہ اس کے پہلو اور اس کی پیشانی اور اس کی کمر کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو ان کو (پھر سے گرم کر کے) واپس لوٹا دیا جائے گا۔ یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کا ہوگا پھر نتیجہ میں وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا۔ (اس کے بعد) ان لوگوں کی وعید کا تذکرہ فرمایا جو مویشیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (رواہ مسلم ص ۳۱۸ ج ۱)

اول تو آگ کی تختیاں پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے پھر ان سے پہلوؤں، پیشانیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے اور جب ٹھنڈی ہو جائیں تو دوبارہ گرم کر لی جائیں اور پچاس ہزار سال تک یہی عذاب کا سلسلہ جاری رہے اور پھر بھی دونوں احتمال ہیں کہ جنت میں جائے یا دوزخ میں۔ اس کا ہر وہ شخص تصور کرے جو مال جمع کرتا ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا۔ پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دینے میں علماء نے یہ حکمت بتائی ہے کہ جب ایسے لوگوں کے پاس کوئی سائل (مال زکوٰۃ کا طلب گار) سامنے سے آتا ہے تو اسے دیکھ کر پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں پھر اس سے نظر بچانے کے لیے دائیں طرف یا بائیں طرف مڑتے ہیں اور سوال کرنے والا اس طرح سے بھی پیچھا نہ چھوڑے تو پھر اس کی طرف پشت کر لیتے ہیں اس لیے پیشانی اور پہلو اور پشت کو عذاب کے لیے مخصوص کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فائدہ: سونا اور چاندی کو چونکہ بین الاقوامی طور پر اصل ثمن ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور اسلام میں انہیں اثمان قرار دیا ہے اس لیے جس قسم کا بھی مال ہو اس کو سونا چاندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں نوٹ آئے ہیں تو چونکہ ان کے ذریعہ چاندی سونا خریدا جا سکتا ہے۔ اس لیے وہ چاندی سونے ہی کے حکم میں ہیں اور مال تجارت بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ سونا چاندی ہو یا مال تجارت یا نقد کیش ان سب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ جتنی بھی زکوٰۃ قاعدہ شرعیہ کے مطابق فرض ہو وہ حساب سے ادا کی جاتی رہے تو باقی مال کو کنز نہیں کہا جائے گا جس پر حدیث بالا میں وعید آئی ہے۔ اسی لیے بعض احادیث میں فرمایا ہے: مابلغ أن تودی زکوته فزکی فلیس بکنز۔ یعنی جو مال اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (رواہ ابو داؤد ص ۲۱۸ ج ۱)

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض فرمائی ہے۔ اور قرآن مجید میں دسیوں جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے: ﴿وَ وَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ ھُمْ بِالْاٰخِرَةِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ﴾ (سو خرابی ہے مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور ان لوگوں کا کام ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ زکوٰۃ کے

Marfat.com

علاوہ قواعد شرعیہ کے مطابق دوسرے اخراجات بھی واجب ہیں قربانی کرنا، صدقہ فطر ادا کرنا عندالضرورۃ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں پر قواعد کے مطابق خرچ کرنا۔ یہ سب حقوق ہیں جو مال سے متعلق ہیں اور حقوق واجبہ کے علاوہ جو کوئی شخص جتنا بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کردے گا اس کا ثواب پائے گا جس کو نفلی صدقات کہا جاتا ہے لیکن فرائض اور واجبات میں خرچ کرنے کا خاص دھیان رکھے تاکہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔

فائدہ: آیت کریمہ میں اولاً سونا چاندی دونوں کے جمع کرنے کا تذکرہ فرمایا پھر ﴿وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا﴾ فرمایا پھر تثنیہ کی ضمیر کے بجائے واحد کی ضمیر لائی گئی جو فضہ (چاندی) کی طرف راجع ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ سونا چاندی ایک ہی چیز ہے لہٰذا اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور علیحدہ علیحدہ ان میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا دی جائے گی مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کی قیمت اگر نصاب چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

چاندی سونے کا کیا نصاب ہے؟ اس کی تفصیل کے لیے دو رکوع کے بعد آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ کی تفسیر دیکھیے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ
يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

بلاشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ دین مستقیم ہے سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کی حرمت کو آگے بڑھا دینا کفر میں ترقی کرنا ہے جس سے کافر لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ اس مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں، ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیئے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مہینوں کی حلت و حرمت میں ہیرا پھیری اور تقدیم و تاخیر کرنا کفر میں ترقی کرنا ہے

اوپر دو آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا تھا اسی دن سے اس نے مہینوں کی تعداد بارہ عدد مقرر فرمائی ہے۔ ان میں سے چار مہینوں کو حرام قرار دے دیا جن میں قتال کرنے کی ممانعت فرما دی (یہ چار مہینے ذی القعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب تھے) جمہور علماء کا فرمانا ہے کہ ان کی حرمت منسوخ ہے اور اب ان مہینوں میں بھی قتال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی آیت ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ﴾ کی تفسیر میں بیان کر آئے۔ (دیکھو انوارالبیان جلد اول)

پھر فرمایا کہ یہ دین مستقیم ہے یعنی سال کے مہینوں کا بارہ عدد ہونا اور چار مہینوں کا بالتخصیص اَشہر الحرام ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ چیز ہے اور یہ دین صحیح ہے۔ جاہلیت کے لوگ کبھی سال کے مہینوں کا عدد بڑھا دیتے تھے اور کبھی اشہر الحرام کی تخصیص کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی طرف سے بعض مہینوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیتے تھے۔

﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ سو تم ان سب مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ یعنی گناہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مت

Marfat.com

چھوڑ و۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے معالم التنزیل (ص ۲۸۶ ج ۲) میں محمد بن اسحٰق سے اس کا مطلب یوں نقل کیا ہے کہ حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال نہ بناؤ۔ لا تجعلوا حلالها حراماً و حرامها حلالاً كفعل أهل الشرك و هو النسيء۔ (حلال مہینوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ جیسا کہ اہل شرک کرتے تھے یعنی نسی کا عمل)۔

پھر فرمایا ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ کہ تمام کافروں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

دوسری آیت میں جاہلیت والوں کے ایک طریقہء کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ حرام مہینے کو موخر کر دینا کفر میں زیادتی ہے، مشرکین عرب مشرک تو تھے ہی اپنے اس طریقہ کار سے بھی مزید کفر میں ترقی کر گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تحریم کو بدل کر اشہر الحرام کو حلال کر لیتے تھے۔ آگے بڑھنے سے پہلے النَّسِيْٓءُ یعنی حرام مہینوں کو موخر کرنے کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے چار مہینوں کو حرام قرار دیا تھا یعنی ان میں قتل وقتال کی اجازت نہ تھی۔ قریش مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تھے اور کعبہ شریف کے متولی بھی تھے جو ان کے جدامجد حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا، ان لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو باتیں باقی رہ گئی تھیں، ان میں حج کرنا بھی تھا اور چار مہینوں کو محترم بھی سمجھتے تھے اور ان میں قتل وقتال کو حرام مانتے تھے۔ لیکن ان میں اور عرب کے دیگر قبائل میں جاہلیت کی وجہ سے شر وفساد اور قتل وقتال ایک پیشہ بن کر رہ گیا تھا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے لوٹ مار کے ذریعہ مال حاصل کر کے اپنی معیشت بناتا تھا۔ کبھی لڑائی ٹھن جاتی تھی اور لوٹ مار اور جنگ کی ضرورت ان چار مہینوں میں سے کسی مہینے میں محسوس کرتے تھے تو یوں کر لیتے تھے کہ کسی مہینے کو موخر کر دیتے تھے۔ مثلاً ماہ محرم میں انہیں جنگ کرنا ہوتا تو یوں کہتے تھے کہ یہ ماہ محرم نہیں ہے بلکہ ماہ صفر ہے۔ محرم اس سے آئندہ مہینہ ہوگا۔ اس طرح سے محرم کو صفر قرار دے کر جنگ کر لیتے تھے اور ماہ صفر کو شہر حرام قرار دے دیتے تھے، اللہ کی طرف سے جو مہینہ حرمت والا تھا اس کو اپنی طرف سے حلال اور جو مہینہ حلال تھا اسے حرام قرار دے دیتے تھے۔ اس طرح اللہ کی تحلیل وتحریم کو بدل دیتے تھے اور اپنے نفسوں کو یوں سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ جو قتال کیا ہے وہ شہر حرام میں نہیں کیا (حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مہینہ حرمت والا تھا) ان لوگوں کے آگے پیچھے کر دینے سے نہ حقیقت میں کوئی مہینہ بدلا اور نہ تحلیل وتحریم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حکم بدلا۔ اوپر ماہ محرم و ماہ صفر کے آگے پیچھے کرنے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے۔ اس طرح سے وہ سال کے بارہ مہینوں کو اپنی اپنی جگہ سے ہٹا چکے تھے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ حج کا مہینہ ماہ ذوالحجہ ہی ہے آگے بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ حج بھی ذوالحجہ کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہونے لگا۔ ۱۰ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ تو وہ ٹھیک نو ذی الحجہ کو واقع ہوا تھا۔ آپ نے یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو جو خطبہ دیا اس میں فرمایا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کہ بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اسی جگہ پر آ گیا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ یعنی مشرکین کے آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے کی تغییر اور تبدیل جو تھی اس کا کوئی دخل اور اثر مہینوں کی ترتیب میں نہیں رہا۔ اگر یہ لوگ تغییر اور تبدیل نہ کرتے تب بھی یہ مہینہ اپنی اصل کے اعتبار سے ذی الحجہ ہی ہوتا لہٰذا بارہ مہینے اب اپنی جگہ پر آ گئے ہیں۔

مشرکین عرب کی اس النَّسِيْٓءُ والی رسم جاہلی کے بارے میں فرمایا ﴿يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کہ اس کے ذریعہ کفار گمراہ کیے جاتے ہیں ﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ﴾ کسی مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے تھے اور ایک سال حرام قرار دے دیتے تھے۔ ﴿لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ تاکہ وہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جو اللہ نے حرام قرار دیئے تھے یعنی سال میں گنتی کے اعتبار سے چار مہینوں کی حرمت اپنے خیال میں اس طرح برقرار رکھتے تھے کہ کوئی سے چار مہینے اپنی اغراض کے مطابق حرام مان لیتے تھے۔ چاہے وہ وہی مہینے ہوں جو اللہ کی طرف سے حلال ہیں اسی طرح اللہ کے حرام قرار دیئے ہوئے مہینوں کو حلال قرار دے دیتے تھے۔ ﴿فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ اور صرف یہ دیکھتے تھے

Marfat.com

کہ گنتی کے اعتبار سے آٹھ مہینے ہم نے حلال قرار دیئے حالانکہ ان حلال قرار دیئے ہوئے مہینوں میں وہ مہینے بھی آ جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام قرار دیئے گئے تھے۔ کبھی تو مہینوں کو آگے پیچھے کر کے تحریم اور تحلیل کی رسم کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے اور کبھی یوں کہتے تھے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں ہے اس کی جگہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا پھر اپنی اغراض نفسانیہ کے لیے ضرورت محسوس کرتے تو صفر کا مہینہ آنے پر کہہ دیتے تھے کہ یہ مہینہ حرام نہیں ہے۔ آئندہ مہینہ یعنی ربیع الاول حرام ہوگا۔

شیطان نے انہیں اس قسم کا سبق پڑھایا تھا اور ان کے اعمال کو اچھا کر کے پیش کر دیا تھا۔ اسی کو فرمایا ﴿زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ﴾ کہ ان کے لیے ان کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے)۔

فائدہ: احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے۔ عبادات، حج، زکوٰۃ، عدت کا اعتبار چاند کے مہینوں سے ہے۔ اسی لیے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔ بعض قوموں میں ہر تیسرا سال تیرہ مہینے کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی وضع کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ دنیاوی معاملات کے لیے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا جو دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دشمنان دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو زمین پر بوجھل بن جاتے ہو، کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہے، اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارے بدلہ پیدا فرما دے گا اور تم اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے ہو، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جب کہ ان کافروں نے نکال دیا تھا۔ جب کہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے۔ جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جب کہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جو کفر اختیار کیے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اونچی ہی ہے اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔

Marfat.com

خروج فی سبیل اللہ کے لیے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے کر آئے گا!

معالم التنزیل (ص ۲۹۲ ج ۲) میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا﴾ (الآیۃ) غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کی ترغیب دینے کے لیے نازل ہوئی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف کے حصار کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے حکم دیا کہ اب رومیوں سے جہاد کرنے کے لیے چلو (خبر ملی تھی کہ رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے شام کی سرحد پر جمع ہو گئے ہیں) صوبہ شام اس وقت رومیوں کے زیر نگین تھا اور وہاں ہرقل کی حکومت تھی جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے وہیں چل کر مقابلہ کر لیا جائے اور دفاع کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب جہاد کے لیے جانا ہوتا تھا تو توریہ سے کام لیتے تھے (یعنی نام لے کر واضح طور پر نہیں بتاتے تھے کہ فلاں مقام پر جانا اور فلاں قوم سے جنگ کرنا ہے) یہ موقعہ ایسا تھا کہ پھل پک رہے تھے کھیتیاں تیار تھیں ان کے کاٹنے کا زمانہ تھا اور تنگدستی بھی چل رہی تھی۔ گرمی سخت تھی اور سفر دور کا تھا اور درمیان میں خوفناک میدان تھے اور دشمن بھی تعداد میں زیادہ تھا۔ آپ نے واضح طور پر مسلمانوں کو بتا دیا کہ تبوک جانا ہے تاکہ دشمن سے مقابل ہونے کے لیے تیاری کر لیں۔ اس موقعہ پر آپ کا جہاد کے لیے حکم فرمانا بھاری پڑ گیا اور مسلمانوں میں سستی اپنا اثر کرنے لگی، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل ایمان کو خطاب فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین پر بوجھل بن گئے، کیا آخرت کے بدلہ میں دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہے۔ مزید فرمایا ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ (الآیۃ) اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو پیدا فرما دے گا اور تم اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) وہ عذاب دے سکتا ہے اور تمہارے بدلہ دوسری قوم بھی پیدا فرما سکتا ہے (جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو) اور دشمنوں کو تمہارے سفر اور تمہارے جنگ کیے بغیر بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم جہاد میں نہ گئے تو اللہ کو یا اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جو جائے گا اپنا ثواب پائے گا آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا۔

﴿یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے دنیا میں بارش کو روک لینا مراد ہے۔ (معالم التنزیل)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول مقام کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کھیتوں اور باغوں کی پیداوار جمع کرنے کا موقعہ آ گیا تھا اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا کہ اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو بارش روک دی جائے گی۔ اگر اس سال غلے اور پھل حاصل کر بھی لیے تو آئندہ آنے والے برسوں میں بارش رک جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم ہو نگے۔

جن لوگوں نے سستی دکھائی ان کی تعداد زیادہ نہ تھی کیونکہ اس سورت میں دوسری جگہ ان کے بارے میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ﴾ فرمایا ہے، سستی کے بعد یہ حضرات غزوہ میں شریک ہو گئے تھے گو سستی چند افراد سے ظاہر ہوئی لیکن خطاب تمام مومنین سے فرمایا تاکہ ہمیشہ رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کو سبق مل جائے اور اللہ کی راہ میں خوشی خوشی نکل کھڑے ہوں اور حقیر دنیا کے لیے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمانے پر مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت تبوک جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئی جس میں تیس ہزار مسلمان تھے اور اس سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کی تعداد اس قدر کسی جنگ میں بھی شریک نہ ہوئی تھی اور ہوا بھی صرف آنا جانا اور چند روز قیام کرنا، کیونکہ ان حضرات کے تبوک پہنچنے سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے:

اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول کریم ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اوّل تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو نا کام واپس کر دینا اور پھر غار ثور سے نکال کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر لٹا دیا اور آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، وہ لوگ آپ کو تلاش کرنے کے لیے چل دیئے۔ اور غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپ نے تین دن غار ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتے تھے۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکڑی نے غار کے دروازہ پر جالا بن دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالا ٹوٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

غار ثور کے ذکر کے ساتھ ﴿وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ بھی فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کی ایسے لشکروں کے ذریعہ سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے صاحب معالم التنزیل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لیے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں۔ اور ان کی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ دوم یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ سوم یہ کہ خاص اسی موقعہ پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لیے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا ﴿وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ جملہ مستانفہ ہے۔ جس میں بدر کے موقعہ پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلائی، پھر فرمایا ﴿وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچا کر دیا) اس سے کلمہ شرک مراد ہے جو قیامت تک کے لیے نیچا ہو گیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے، ﴿وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۹۶ ج ۲)

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔ اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط تر ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی بڑی

Marfat.com

مشکلات سے نجات دی ہے۔
فائدہ: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ جو فرمایا اس سے حضرت ابوبکر ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لیے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہوگا۔ روافض (قبحهم الله) جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اور ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کا خطاب انہیں کو تھا۔
رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا، یار غار بنایا۔ انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اٹھائیں، سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دودھ بھیجنے پر مامور کیا، ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتے تھے اور مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتے تھے۔ یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (دشمن کو تو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے۔ ان کی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور راز دار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے۔ ان بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور پر کافروں کے پہنچنے سے گھبرا گئے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ یہ امور طبعیہ میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے جب ان کے سامنے جادوگروں نے لاٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس سے پہلے ان کی لاٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کی لاٹھی بنا کر دکھا دیا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لیے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا: ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی﴾ اس سب کے باوجود جب جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبعی طور پر خوف محسوس کرنے لگے۔ یہ خوف طبعی تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پہنچنے سے طبعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال و اعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ﴾ فرمایا علیهما نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بلا واسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے تسلی دی آپ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا مَعَنَا میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور عَلَیْهِ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ عَلَیْهِ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور یہ احتمال اس لیے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبر ہی کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہو انزال سکینہ اسی پر ہونا چاہئے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو بہت ہی مطمئن تھے اور آپ کو پہلے ہی سے سکینہ حاصل تھا۔ ورنہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آجاتا ہے۔
صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکرمند ہونا بزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا ان اقتل فانا رجل واحد و ان قتلت هلکت الامة (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کر دیا تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی)۔
درمنثور (ص ۲۴۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں، اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت ﷺ کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔

Marfat.com

پھر جب غار ثور میں پہنچے تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ملا لہٰذا انہوں نے اس پر ایڑھی لگادی اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو اندر بلالیا۔ آپ تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی آنکھ نہ کھل جائے سوراخ کے منہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی۔ تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے ان کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور ص ۲۴۱ ج ۳ و مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶)

اس جاں نثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ لِصَاحِبِهٖ سے ساتھی ہونا مراد ہے صحابی ہونا نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو تو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اس کی موت ہو جائے۔ سورۃ الفتح میں شرکاء حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے جو فرمایا ہے۔ ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ﴾ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مومن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سکینہ نازل ہونے کی بھی، بیعت حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی تھی اگر انزال سکینہ ایمان کے لیے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن روافض نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسول سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکر نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہئے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گمراہی مسلط ہو جائے اسے کہاں، سے ہدایت نصیب ہوگی۔ ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾ (پس بے شک ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنیے۔ ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن عمر رضی اللہ عنہ کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو یہی غار ثور والی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہوگئے ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے اور بعض نے کہا نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے ان سے جہاد کا اعلان فرمادیا۔ میں خیر خواہ بن کر ان کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو مانوس رکھیے اور نرمی اختیار فرمائیے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بزدل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ وحی آنا ختم ہوگیا۔ اللہ کی قسم اگر ایک رسی بھی رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ کی مد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے۔ تب بھی ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے اعمال اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (درمنثور ص ۲۴۲ ج ۳)

روافض نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب ان سے کوئی مسلمان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں ہم تو انہیں مسلم مانتے ہیں یہ بھی تقیۃً کہتے ہیں اور تقیہ میں بھی تقیہ کرتے ہیں کیونکہ مسلم کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے انہوں نے اسلام کے اعمال قبول کرلیے تھے۔ یہ لوگ انہیں مومن کہنے کے لیے تیار نہیں۔ مومن کا لفظ اپنے لیے ہی الاٹ کر رکھا ہے۔ روافض اپنی اہواء نفسانیہ کے پابند ہیں جو یہود کے سکھانے سے ان میں رچ بس گئی ہیں۔ اعاذ الله تعالىٰ الامة من خرافاتهم۔

Marfat.com

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

نکل کھڑے ہو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں، اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اگر قریب ہی میں سامان ملنے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو مسافت دور دراز نظر آتی۔ اور وہ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے، وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

غزوۂ تبوک میں مومنین مخلصین کی شرکت اور منافقین کی بے ایمانی اور بدحالی کا مظاہرہ

جب تبوک چلنے کے لیے حکم ہوا تو مسلمان بھاری تعداد میں آپ کے ہمراہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے، اور جن کو کچھ تردد ہوا تھا بعد میں وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ کچھ لوگ مریض تھے وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے نہ جا سکے اور کچھ لوگ منافق تھے جن کے دو فریق تھے۔ ایک فریق تو وہ تھا جس نے جھوٹے عذر پیش کر کے آپ سے اس بات کی اجازت لے لی کہ آپ کے ساتھ نہ جائیں۔ اور اس وقت ان کا نفاق بالکل کھل کر سامنے آ گیا اور منافقین کا دوسرا فریق وہ تھا جو جاسوسی کے لیے اور شرارت کرنے کے لیے ساتھ ہو لیا تھا۔ ان کی باتوں کا تذکرہ اسی سورت میں آ رہا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ) ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ میں اول تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ہلکے ہو یا بھاری ہو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو، اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ ﴿خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ کا ترجمہ تو یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (یعنی ہلکے اور پھلکے) لیکن اس کا مصداق بتاتے ہوئے مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صحیح اور مریض ہونا مراد ہے اور بعض حضرات نے مالدار اور تنگدست ہونا مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے بوڑھا اور نوعمر ہونا اور بعض حضرات نے موٹا پا اور دبلا پن مراد لیا ہے، چونکہ الفاظ میں ان سب باتوں کی گنجائش ہے اس لیے سبھی کو مراد لیا جا سکتا ہے لیکن ثِقَالًا سے مریض مراد لینا محل نظر ہے کیونکہ مریض عذر شرعی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے خروج کا حکم کیسے ہوا؟

چونکہ اس آیت کا حکم ہوا ہے کہ ہر حالت میں فی سبیل اللہ نکل کھڑے ہوں اور جہاد ہمیشہ بطور فرض عین فرض نہیں ہوتا اور دوسری آیت میں ﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ فرمایا ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے اس آیت کے عموم کو منسوخ مانا ہے۔ اگر آیت کو غزوۂ تبوک ہی سے متعلق مانا جائے اور امراض والوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ جیسا کہ آیت شریفہ ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى﴾ میں مذکور ہے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ معذور نہیں ہیں وہ کھڑے ہوں۔ مالدار بھی نکلے اور تندرست بھی نکلے، بوڑھا بھی اور جوان بھی، موٹا بھی دبلا بھی۔ اس کے بعد ان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ جانا منظور نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیاوی سامان مل جائے گا یا سفر ہی ایسا ہوتا کہ اسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے۔ اس ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لیے انہوں نے ظاہراً اسلام قبول کیا ہے ان منافع کی امید بدستور قائم رہتی لیکن سفر کے بارے میں جو انہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا، اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لیے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے۔ منافقین تھوڑی بہت تکلیف تو جھیل جاتے تھے لیکن جب زیادہ تکلیف کا موقع آتا تھا تو ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم میں جانے کی قوت اور

Marfat.com

طاقت نہ تھی اگر ہم میں سکت ہوتی اور ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے اس کے بارے میں پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تھی۔ ﴿وَ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ﴾ منافقین کے عذر پیش کرنے کا تذکرہ چند رکوع کے بعد آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر ﴿یُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ (یہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر رہے ہیں) کیونکہ نفاق کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نہ جانے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو دوزخ میں داخل کرنے کا ڈھنگ بنا چکے ہیں۔ پھر فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم میں سکت ہوتی یا ہمارے بس میں ہوتا تو ساتھ چلے چلتے یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ قوت اور طاقت ہوتے ہوئے ساتھ نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَا
یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ
عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ
قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ
انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ
ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ
كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَ لَا تَفْتِنِّیْ ؕ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ
جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۹﴾

اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک آپ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔ آپ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔ اور اللہ متقیوں کو جانتا ہے۔ آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں حیران ہیں۔ اور اگر وہ لوگ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے ضرور تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند فرمایا سو ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل جاتے تو زیادہ فساد کرنے کے سوا کچھ کام نہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں تیزی کے ساتھ دوڑے پھرتے، اور تمہارے اندر وہ لوگ ہیں جو ان کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ وہ پہلے سے فتنہ پردازی کی فکر میں لگے رہے ہیں اور آپ کے لیے کارروائیوں کا الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا حالانکہ ان کو ناگوار ہو رہا تھا۔ اور ان میں ایسا شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے خبردار وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔

Marfat.com

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک میں شرکت سے رہ گئے

منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپ نے اجازت دے دی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔ لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے، اول یوں فرمایا ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا) اس کے بعد عتاب فرمایا، اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی، یہ موقعہ سچوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔

حضرت عمرو بن میمون نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو کام ایسے کیے جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ تھا۔ اول یہ کہ آپ نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے اعذار سن کر شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی اور دوسرے یہ کہ آپ نے بدر کے قیدیوں کے بدلہ فدیہ لینے والی رائے کو اختیار فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پر عتاب نازل فرمایا (معالم التنزیل ص ۲۹۷ ج ۲) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترک اولیٰ پر ہے۔ آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاً اہل ایمان کا حال بیان فرمایا ہے ﴿لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں۔ ﴿وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ﴾ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے اور پھر منافقین کا ذکر فرمایا) ﴿اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک ہے) ﴿فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (سو وہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تاکہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر میں اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لیے نہ جائیں تو اچھا رہے گا۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ ہم جہاد میں نہ جائیں اور ان کو کوئی عذر نہ تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ ۳۹ آدمی تھے۔

پھر فرمایا کہ منافقین تمہارے ساتھ نہیں گئے۔ ان کے جانے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ اگر جانے کا ارادہ ہوتا تو کچھ سامان کرتے۔ سامان کا بھی انتظام نہیں کیا اور آپ سے اجازت لے کر اپنے لیے ایک بہانہ بھی بنا لیا کہ ہمیں اجازت مل گئی۔ اجازت نہ دی جاتی تب بھی ان کو جانا ہی نہ تھا۔ اگر واقعی جانے کا ارادہ ہوتا تو جانے کے لیے تیاری کرتے پھر کچھ عذر پیش آ جاتا اور اجازت لیتے تو اجازت لینے کا کچھ معنی بھی ہوتا، بات یہ ہے کہ ان کا جانے کا اپنا ارادہ ہی نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ یہ لوگ نہ جائیں، تکوینی طور پر اللہ نے ان کو روک دیا اور ان کو تمہارے ساتھ جانے کی توفیق نہیں دی اور تکوینی طور پر انہیں بیٹھنے والوں یعنی اپاہج اور واقعی معذورین کے ساتھ رہ جانے کا جو فیصلہ ہوا تھا اسی کی وجہ سے بیٹھے رہ گئے اور جانے سے رک گئے۔

پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! ان کے نہ جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا۔ کیونکہ اگر یہ تمہارے ساتھ نکل جاتے تو تمہارے بارے میں شر اور فساد کو بڑھانے ہی کا کام کرتے۔ اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ مثلاً لگائی بجھائی کرتے تمہارے دلوں کو مرعوب کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگتے۔ مزید فرمایا ﴿وَ فِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ (اور تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں جو ان کے لیے جاسوسی کرتے ہیں) گو ساتھ چل کر آ گئے ہیں لیکن ان کی نیت جہاد فی سبیل اللہ کی نہیں ہے۔ تمہارے اندر گھل مل کر تمہاری خبریں لینا اور ان لوگوں کو پہنچانا جو تمہارے ساتھ نہیں آئے، یہ ان کا مشغلہ ہے۔

Marfat.com

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ (اور اللہ کو ظالموں کا پوری طرح علم ہے) وہ ان کے ظلم کا بدلہ دے گا۔ اس کے بعد منافقین کی جماعت کی پرانی شرارتوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ کہ (اس غزوہ سے پہلے بھی وہ فتنہ کی راہ تلاش کر چکے ہیں) یہ لوگ غزوۂ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے۔ ﴿وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ اور آپ کو تکلیف دینے کی کارروائیوں میں الٹ پھیر اور طرح طرح کی مکاریوں اور ایذاء پہنچانے کی تدبیر کرتے رہے ہیں۔

﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (یہاں تک کہ سچا وعدہ آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ انہیں ناگوار ہو رہا تھا) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ان کی تدبیریں اور شرارتیں پہلے سے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ کے لیے بھی ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال نہ لانا اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لیے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمربستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ﴾ اور ان میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے معالم التنزیل (ص ۲۹۹ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جد بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غزوۂ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے رومیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا رومیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہوگا آپ مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کی کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ (خبردار وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ ﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ (اور بلاشبہ جہنم کافروں کو اپنے گھیرے میں لینے والا ہے) یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

اگر آپ کو اچھی حالت پیش آ جائے تو انہیں بری لگتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا اور پشت پھیر کر خوش ہوتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اس کے علاوہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہ ہمارا کارساز ہے اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ آپ فرما دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں یہی انتظار کرتے ہو کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مل جائے اور ہم تمہارے بارے میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے دے، سو تم انتظار کرو۔ بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔

منافقین کی بدباطنی کا مزید تذکرہ

ان آیات میں منافقین کی مزید بدباطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ یہ لوگ ایمان کے مدعی ہیں کہنے کو آپ کے ساتھ

Marfat.com

ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے ان کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے۔ اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے، یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، مومن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہے، خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (ص ۱۱۴ ج ۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ منافقین غزوہ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ صحیح سالم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں تو انہیں یہ برا لگا۔ اس پر آیت شریفہ ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ نازل ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ یعنی آپ ان سے فرما دیجیے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرما دی ہے۔ خوشحالی خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا دکھ تکلیف سے دوچار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہے۔ ﴿هُوَ مَوْلٰىنَا﴾ اللہ وہ ہمارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے ہم اس کی قضاء اور قدر پر راضی ہیں۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے۔ فتح و ظفر ہو جائے۔ مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے جو لوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے۔ ﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مومنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے امور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر و خوبی اور خوشحالی کی امید رکھیں۔ مومنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے۔ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے توکل بھی سکھایا اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا آپ نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں اور نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں بأن یفوضوا الامر الیه سبحانه و لا ینافی ذلك التشبث بالاسباب العادیة اذا لم یعتمد علیها (اس طرح کہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیں اور معروف اسباب اختیار کرنا اس کے منافی نہیں ہے جب کہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو) (ص ۱۱۵ ج ۱۰)

پھر فرمایا ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ (الآیۃ) کہ اے منافقو! دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں جو انسانوں کو پیش آتی رہتی ہیں ایک اچھی صورت حال دوسری تکلیف دہ حالت، تم ہمارے بارے میں انہیں دونوں حالتوں کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھو آگے ان کو بہتر حالت پیش آتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے لیے تو دونوں ہی حالتیں فائدہ کی ہیں۔ فتح و ظفر نصیب ہو جائے مال غنیمت مل جائے اور کسی بھی طرح کی بہتری سے اللہ تعالیٰ ہمیں نواز دے تو یہ بھی ہمارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف دہ صورت پیش آ جائے تو ہمارے لیے وہ بھی خیر ہے۔ ہمارے افراد مقتول ہوتے ہیں تو شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور ہمیں ہر حال میں ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے۔ ہمارے لیے ہر صورت حال بہتر ہے اور ہم ہر حال میں نفع میں ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جیسے تم ہمارے بارے میں حالات کے سازگار یا ناسازگار ہونے کے منتظر رہتے ہو ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں لیکن ہمارے اور تمہارے انتظار میں فرق ہے۔ تم تو ہمارے بارے میں دو بہتر صورتوں میں سے کسی ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) لیکن ہم تمہارے بارے میں اسی کے منتظر ہیں کہ ہمیں استعمال کیے بغیر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں تم کو عذاب دے۔ اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور سمجھ لو کہ انجام

Marfat.com

کے طور پر تباہی بربادی ہوگی۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

آپ فرما دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائے گا، بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو۔ اور ان کے صدقات قبول کیے جانے سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر سستی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ، سو آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیا والی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعہ عذاب دے اور یہ کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ کفر کی حالت میں ہوں۔ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں، اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار مل جائے یا گھس بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ حاصل ہو جائے تو پیٹھ پھیر کر جلدی سے اسی کی طرف دوڑے چلے جائیں۔

منافقین کا مال مقبول نہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم سے ہیں

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا۔ اس لیے مجھے ساتھ نہ لے جایئے لیکن مال کے ذریعہ آپ کی مدد کر دوں گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ قبول نہ ہونے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول ﷺ قبول نہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ ﴿اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ آیت کا سبب نزول خواہ جد بن قیس ہی کا واقعہ ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔

اس کے بعد منافقین کے کفر اور نماز میں سستی اور خرچ کرنے میں بددلی کا تذکرہ فرمایا ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ (ان کے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کفر کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں۔ اور گو وہ اسلام کے مدعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا کفر ان کے ڈھنگ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لیے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ ہارے جی آتے ہیں۔ گویا کہ ان پر بہت بڑی مصیبت آگئی۔ چونکہ دل سے نماز پڑھتے نہیں۔ دکھانے کے لیے پڑھتے ہیں اس لیے بددلی کا اثر اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں میں دیر سے آتے ہیں اور اس طرح سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک طرح ادا نہیں کرتے، جلدی جلدی نمٹانے کی دھن میں رہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آجاتی ہے۔ اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ یعنی جلدی جلدی سجدہ کر لیتا ہے اس میں بس اللہ کو ذرا یاد کرتا ہے۔ (رواہ مسلم) (ملاحظہ فرمائیے انوار البیان ج ۲)

یہ تو ان کی نماز کا حال ہے اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقعہ آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بد دلی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں لہٰذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی امید بھی نہیں۔ جب ثواب کی امید نہیں تو خوش دلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، لامحالہ بد دلی سے خرچ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ﴾ (الآیہ) (کہ ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں) کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو ان کے لیے باعث عذاب ہے۔ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبت جھیلتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال ان کے لیے اس لیے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرما کر تھوڑی زکوٰۃ بھی دے دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا۔ اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی امید نہیں پھر بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا ﴿وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔ (تاکہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں) اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ رہتے ہیں اس کی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں، پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا ﴿وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ﴾ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں) سچے مومن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مومن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں اس لیے اہل ایمان اس سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہٰذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ﴾ (اور تم میں سے نہیں ہیں)۔

﴿وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴾ (لیکن بات یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا۔ اب جبکہ مدینہ دار الاسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقعہ نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تاکہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ حاصل ہوتے رہیں۔ ڈرپوک آدمی کھل کر سامنے نہیں آسکتا۔ اس لیے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں تاکہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں۔

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں، اس لیے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لیے دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے۔ اور پوری طرح طوطا چشمی

Marfat.com

اختیار کر لیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور قسمیں کھا کے تمہیں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں، سو اگر اس میں سے ان کو دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اس میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں، اور ان کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ نے اور اس کے رسول نے انہیں دیا اور وہ یوں کہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے، عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم پر راضی نہ ہونا

درمنثور (ص ۲۵۰ ج ۳) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقعہ پر غنیمت کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا (العیاذ باللہ) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر بھی انہوں نے صبر کیا، اور آیت ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ نازل ہوئی۔

جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں دین و ایمان اور اعمال صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمت اسلام مل گئی اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوگئی بلکہ حب دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے منتظر رہتے ہیں، دنیا مل گئی تو خوش، اور نہ ملی تو ناخوش۔ منافقوں کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اور دنیا کے منافع ہی کے لیے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا اس لیے مال نہ ملنے پر ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ اسی کو فرمایا ﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا﴾ (سو اگر ان کو صدقات میں سے مال دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں)

﴿وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴾ (اور اگر ان کو ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں) طالب دنیا کو بس مال چاہئے جو فانی ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہلاک ہو دینار کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے۔ یہ شخص ہلاک ہو اور اوندھے منہ گرے اور جب اسے کانٹا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کانٹا نہ نکلے۔ (رواہ البخاری)

غور کرو رحمۃ للعالمین ﷺ نے طالب دنیا کو کیسی بددعا دی منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾ (اور ان کے لیے بہتر تھا کہ جو کچھ اللہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے انہیں دیا اس پر راضی ہوتے اور یوں کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول دے گا۔ اور یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں) بات یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے امیدیں باندھے رکھتا ہے تھوڑا مال جو اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے۔ اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا۔ برکتوں سے واقف نہیں ہوتا اللہ سے لو نہیں لگاتا، ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔

Marfat.com

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞۶۰

صدقات صرف فقراء کے لیے اور مساکین کے لیے اور ان کارکنوں کے لیے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قرض داروں کے قرضہ میں اور اللہ کے راستہ میں، اور مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ حکم اللہ کی طرف کیا ہوا ہے اور اللہ علیم ہے اور حکیم ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

صدقات سے یہاں زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور اس کو جمع اس لیے لایا گیا کہ زکوٰۃ متعدد اموال پر واجب ہوتی ہے۔ چاندی، سونا، مال تجارت، اونٹ، گائے بکریاں، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ بشرطیکہ نصاب پورا ہو۔ آیت شریفہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ اور لفظ اِنَّمَا سے آیت کو شروع فرمایا ہے جو حصر پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مال زکوٰۃ میں سے عطا فرمانے کا سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اموال کے بارے میں نبی یا غیر نبی کسی کا فیصلہ بھی منظور نہیں فرمایا، بلکہ خود ہی فیصلہ فرمایا اور آٹھ مصارف متعین فرما دیئے۔ اگر تو ان آٹھ مصارف میں سے ہے تو میں دے سکتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

اول تو فقراء کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا اور اس کے بعد مساکین کا مستحق ہونا بیان فرمایا۔ فقراء فقیر کی جمع ہے اور مساکن، مسکین کی جمع ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو مگر نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مال زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں فقیر اور مسکین دونوں ہی مال زکوٰۃ کے مستحق ہیں البتہ بعض دیگر مسائل میں فرق کا اعتبار کیا گیا ہے مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میرا اتنا مال مسکینوں کو دے دیا جائے تو یہ مال مساکین کو ملے گا فقراء کو نہیں ملے گا۔ اور ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ فقیر کو سوال کرنے کی اجازت نہیں۔ جبکہ اس کے پاس کھانے کو ایک دن کی خوراک موجود ہو اور تن ڈھکنے کو کپڑا بھی ہو اور مسکین کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مال کی وہ کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ایک دن کے صبح و شام کے کھانے کی ضرورت پورا کرنے کے لیے کچھ موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہے (رواہ ابوداؤد ص ۲۳۰ ج ۱) اور مسکین بھی ضرورت پوری کرنے کے لیے وقتی طور پر سوال کر لے اس کو عادت نہ بنائے جب مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو مسکین، مسکین نہیں رہتا۔ وہ بہت سے مالداروں سے بھی مال میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور فقر و مسکنت کی حدود سے نکل کر بھی زکوٰۃ اور دیگر صدقات لیتا رہتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ پیسے والے کے لیے اور قوت والے تندرست آدمی کے لیے حلال نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات میں مالدار کا اور تندرست کا جو کمائی کر سکتا ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان میں تیسرے نمبر پر ﴿الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ کا ذکر فرمایا۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں امیر المومنین صدقات اور عشر وصول کرنے پر مقرر کر دے۔ ان لوگوں کو ان کی مشغولیت کی وجہ سے صدقات میں سے اتنا مال دے دے جو ان کی محنت اور عمل کی حیثیت کے مطابق ہو نیز جو لوگ ان کے ماتحت کام کرنے والے ہوں ان کی تنخواہیں بھی ان کی محنت کے انداز سے دے دی جائیں۔ البتہ فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ جو مال وصول ہوا س اور ان کے نصف تک عاملین اور ان کے معاونین کی تنخواہیں دی جا سکتی ہیں۔ نصف سے زائد مال نہ دیا جائے۔

Marfat.com

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے چوتھے نمبر پر ﴿مُؤَلَّفَةِ الْقُلُوْبِ﴾ کوذکر فرمایا ان کے بارے میں ہم انشاء اللہ آئندہ صفحات میں کلام کریں گے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے پانچویں نمبر پر ﴿وَ فِی الرِّقَابِ﴾ فرمایا۔ رقاب، رقبہ کی جمع ہے۔ یہ لفظ مملوک کے لیے بولا جاتا ہے۔ جس کسی شخص کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ اس غلام کو مکاتب بنادے یعنی یوں کہہ دے کہ تو اتنا مال دیدے تو آزاد ہے۔ اسے مکاتب کہتے ہیں جب کسی آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنادیا اور اب اسے اپنی آزادی کے لئے مال کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آقا کو مال دے کر آزاد ہو جائے تو اس مکاتب کو زکوٰۃ کے مال سے دینا جائز ہے۔

چھٹے نمبر پر ﴿اَلْغَارِمِیْنَ﴾ فرمایا۔ یہ غارم کی جمع ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کے ذمہ قرض ہو اور ادائیگی کا انتظام نہ ہو۔ اگرچہ خود لوگوں پر ان کے قرضے ہوں لیکن ان کو وصول کرنے سے عاجز ہوں، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری (ص ۱۸۸ ج ۱) میں لکھا ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا تاکہ اس کا قرضہ ادا ہو جائے عام فقراء کو دینے سے اولیٰ ہے، البحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس آدمی پر قرضہ ہو اس کی ملکیت میں اتنا مال نہ ہو جس سے قرضہ ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب مال بچ جائے۔ اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اھ۔ بہت سے لوگوں پر قرضے ہوتے ہیں لیکن مال بھی پاس ہوتا ہے اس مال سے قرضے ادا کردیں تو قرضے ادا ہو کر بھی بقدر نصاب بلکہ اس سے بھی زیادہ مال بچ سکتا ہے ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ لوگوں کو یہ بتا کر کہ ہم مقروض ہیں زکوٰۃ لیتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال لینا حلال نہیں ہے اور نہ ان کو دینا جائز ہے۔ مستحقین زکوٰۃ کو بیان فرماتے ہوئے ساتویں نمبر پر ﴿وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ فرمایا۔ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو جہاد کرنے کے لیے نکلے تھے۔ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس خرچ نہیں ہے۔ کھانا پینا بھی ہے اور وطن بھی پہنچنا ہے۔ ان کو زکوٰۃ کا مال دے دیا جائے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے حجاج مراد ہیں جو قافلہ سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس مال نہیں ہے اور انہیں خرچ کرنے کے لیے اور گھر پہنچنے کے لیے پیسہ کی ضرورت ہے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس سے طالب علم مراد ہیں جو دینی علوم کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور صاحب بدائع نے فرمایا ہے اس سے وہ سب لوگ مراد ہیں جو کسی بھی صورت میں اللہ کی اطاعت میں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ وہ محتاج ہوں۔ (بحر الرائق ص ۲۶۰ ج ۲)

مستحقین زکوٰۃ بتاتے ہوئے آٹھویں نمبر پر ﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ فرمایا۔ ابن السبیل عربی زبان میں مسافر کو کہتے ہیں جو مسافر ضرورت مند ہے اس کے پاس سفر میں مال موجود نہیں ہے۔ اسے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کے گھر میں کتنا ہی مال ہو۔ جو لوگ غازیوں کی جماعت سے بچھڑ گئے یا حجاج کے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے حاجت مندی کی وجہ سے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ ان کے احتیاج کو دیکھا جائے گا۔ ان کے گھروں میں اگرچہ خوب زیادہ مال ہو۔ البتہ یہ لوگ وقتی ضرورت سے زیادہ نہ لیں۔

﴿مُؤَلَّفَةِ الْقُلُوْبِ﴾ وہ لوگ تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ تالیف قلب کے لیے اموال زکوٰۃ میں سے عطا فرمایا کرتے تھے، یہ لوگ اپنے قبائل کے سردار اور ذمہ دار تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کے قبیلوں کے اسلام قبول کرنے کی امید تھی۔ اور ان میں ایک قسم وہ تھی جنہیں دفع شر کے لیے مال عنایت فرماتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے تاکہ وہ دین اسلام پر جمے رہیں اور پختہ ہو جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مؤلفۃ القلوب کی یہ تین قسمیں لکھی ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کسی غیر مسلم کو آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کے لیے مال زکوٰۃ سے کچھ نہیں دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کی تینوں قسموں کو اب اموال زکوٰۃ میں سے نہ دیا جائے ان کا حصہ ختم ہو گیا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ و قد سقط منها المؤلفة قلوبهم لأن الله تعالىٰ اعز الاسلام و اغنى عنهم کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو گیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دے دیا اور ان کی طرف سے بے نیاز فرما دیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک بعض شرائط سے اب بھی ان کو مال زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے امیر المؤمنین مناسب جانے تو اب بھی ان کو

Marfat.com

اموال زکوٰۃ میں سے دے سکتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص غنی ہو یعنی اس کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ میں سے کسی بھی قسم کا کوئی نصاب ہو جس کا وہ مالک ہو یا ضرورت سے زیادہ اتنا سامان اس کی ملکیت میں ہو جو فروخت کر دے تو بقدر نصاب قیمت مل جائے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ:

بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ فقراء اور مساکین ہوں بنی ہاشم سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی اولاد اور اولاد الاولاد مراد ہے۔[1]

اگر بنی ہاشم تنگدست حاجتمند ہوں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ دیگر اموال سے ان کی مدد کر دی جائے بہت سے لوگوں کو سادات کی غریبی دیکھ کر رحم تو آتا ہے لیکن زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال سے دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ مال میں زکوٰۃ تو ۴۰/۱ ہی فرض ہے۔ باقی ۳۹/۴۰ میں سے خرچ کرنا بھی تو ثواب ہے۔ لیکن اس کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں ہوتے اور سادات کو اپنے اموال کا میل یعنی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں اس میں ان کی بے ادبی بھی ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ بعض سادات بھی اس مسئلہ کو سن کر دل میں کچھ تکدر لے آتے ہیں۔ اور بنی ہاشم کے لیے مال زکوٰۃ ناجائز ہونے کے قانون شرعی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے جداعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اکرام و احترام کے لیے یہ قانون بنایا ہے کہ بنی ہاشم کو اموال کا میل کچیل نہ دیا جائے۔ جدامجد نے تو ان کی توقع کی اور وہ رنجیدہ ہو رہے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے اموال کا میل نہ ملا۔ دنیا حقیر ہے فانی ہے تھوڑی سی تکلیف اٹھا لیں اپنے شرف کو باقی رکھیں اور میل کچیل سے گریز کریں۔ اور یوں تکلیفیں تو سبھی کو آتی ہیں۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاریں، اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ بڑھانے کو اور اپنے نسب کو اچھالنے کو تو تیار ہیں۔ لیکن اس نسب کی وجہ سے جو شرف دیا گیا ہے اسے اپنانے کو تیار نہیں۔

مسئلہ: اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دہرا ثواب ہے ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ جب انہیں زکوٰۃ دے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے بلکہ ہدیہ کہہ کر پیش کر دے اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین ہوں۔ لیکن اتنی بات یاد رہے کہ جن رشتہ داروں سے رشتہ ولادت ہے۔ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یعنی والدین کو، دادا دادی کو، نانا نانی کو، اور پڑدادا اور پڑدادی کو اور پرنانا پرنانی کو اور اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بھائیوں کو، بہنوں کو چچاؤں کو پھوپھیوں کو ماموؤں خالاؤں کو اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

مسئلہ: شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: جو شخص اموال زکوٰۃ میں سے کسی نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور یہ شخص شریعت کی اصطلاح میں غنی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جس غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا اور دینا جائز نہیں۔ ضروری نہیں کہ اموال زکوٰۃ ہی میں سے کوئی چیز بقدر نصاب اس کی ملکیت میں ہو۔ بلکہ

---

[1] و لا یدفع الی بنی ہاشم و ہم آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل الحارث بن عبدالمطلب کذا فی الہدایۃ و فی المشکوٰۃ ص ۱۶۱ عن عبدالمطلب بن ربیعہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہذہ الصدقات انما ہی اوساخ الناس و انہا لا تحل لمحمد و لا لآل محمد رواہ مسلم و فی حاشیۃ المشکوٰۃ اِنَّمَا سماہا اوساخاً لانہا تطہر اموالہم و نفوسہم قال تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم و تزکیہم بہا فہی کغسالۃ الاوساخ ففی الکلام تشبیہ بلیغ ۱۲ من المرقاۃ (اور زکوٰۃ بنی ہاشم کو نہ دی جائے اور بنی ہاشم حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ صدقات تو لوگوں کی میل ہے اور یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں ہیں۔ اور مشکوٰۃ کے حاشیہ میں مرقاۃ سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کو میل اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے مالوں اور ان کے دلوں کو پاک کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو جس سے تو انہیں پاک کر دے اور ان کا تزکیہ کر دے۔ تو زکوٰۃ میل کے دھوون کی طرح ہو گئی پس اس کلام میں بڑی بلیغ تشبیہ ہے)۔

Marfat.com

اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدرضروری حاجات سے فاضل سامان پڑا ہوا ہے۔اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ایسے شخص پر اگرچہ زکوٰۃ فرض نہیں لیکن صدقہ فطر اور قربانی لازم ہے۔بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض مرتبہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوتا جس کی مثال اوپر گزری۔

نصاب زکوٰۃ:

سونے چاندی پر اوران کی قیمت پر اور مال تجارت پر اور مویشیوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔جب کسی شخص کی ملکیت میں ۵۹۵ گرام چاندی ہو یا ۸۵ گرام سونا ہو یا ان دونوں سے کسی ایک کی قیمت ہو تو جب سے مالک ہوا ہے اس وقت سے لے کر چاند کے حساب سے ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ۱/۴۰ مستحقین کو دے دینا فرض ہے۔پھر اگر کچھ مال تجارت ہو اور کچھ سونا چاندی ہو یا کچھ سونا اور ساتھ ہی کچھ چاندی ہو تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ مجموعے کی قیمت ۵۹۵ گرام چاندی کو پہنچ جائے۔اس صورت میں بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا واضح رہے کہ نوٹ بھی چاندی کے حکم میں ہے کسی بھی ملک کے نوٹ اگر کسی کی ملکیت میں ہوں جن کے عوض ۵۹۵ گرام چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اگر کسی کی ملکیت میں نہ چاندی ہو اور نہ نقد رقم (ایک دوروپیہ بھی ملکیت میں نہ ہو) تو ۸۵ گرام سونا ملکیت میں ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی۔احادیث شریفہ میں دوسو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے کا نصاب بتایا ہے،علمائے ہند نے ڈیڑھ سو سال پہلے اپنے ملک کے سکہ کے اعتبار سے حساب کیا تھا تو دوسو درہم چاندی کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال سونے کے ساڑھے سات تولے بنتے تھے۔
اب نئے اوزان سے حساب کیا تو چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہوا۔
تنبیہ:یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ سونا ہو تو اس زائد پر زکوٰۃ فرض ہوگی یہ غلط ہے،جب نصاب پورا ہو جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو پورے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے (چاندی ہو یا سونا ہو یا مال تجارت ہو یا ان کا مجموعہ ہو)

زکوٰۃ کے ضروری مسائل

مسئلہ:سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے خواہ سکہ کی صورت میں ہو،خواہ ان کی اینٹیں رکھی ہوں۔خواہ زیور ہو،استعمال میں ہو یا غیر استعمالی ہو،خواہ برتن ہوں۔بہر صورت ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ:زمین کی پیداوار،باغ کی پیداوار اور مویشیوں میں بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں لکھی ہیں۔اور پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں ضروری مسائل سورۃ بقرہ کی آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ کی تفسیر میں بیان کردیئے گئے ہیں۔(انوارالبیان ج۱)

مسئلہ:زکوٰۃ کی رقم کسی کافر کو نہیں دی جاسکتی۔

مسئلہ:مدرسوں میں اگر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں سے مستحقین طلباء کو وظیفہ دے دیا جائے یا ان کو کھانا دے کر مالک بنادیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اباحت کے طور پر کھانا کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔اسی طرح مال زکوٰۃ سے مدارس کے کتب خانوں میں مال زکوٰۃ سے کتابیں جمع کردینا طلباء کے لیے لحاف،بستر ے اور چارپائیاں جمع کردینا اور ان کو عاریۃً دے دینا اور جاتے وقت واپس لے لینا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیک نہیں ہوئی۔ان چیزوں کے لیے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اصحاب اموال سے مستقل چندہ کرلیا جائے۔

مسئلہ:کسی مریض کے علاج کی فیس یا ایکسرے وغیرہ کی اجرت بالا مال زکوٰۃ سے ادائیگی کردی جائے اور مریض کو قبضہ نہ کرایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔کیونکہ تملیک نہیں ہوتی۔

مسئلہ:اگر مال زکوٰۃ سے دوائیں خرید کر ہسپتال میں رکھ دی جائیں اور مستحقین زکوٰۃ کو دے دی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔یہ خیال رکھا جائے کہ یہ دوائیں صاحب نصاب کو اور بنی ہاشم کو اور کافر کو نہ دی جائیں۔

Marfat.com

مسئلہ: اگر کوئی شخص مقروض ہے اور صاحب نصاب نہیں ہے اور اس کے کہنے سے (کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کر دو) کوئی شخص اس کی طرف سے قرض خواہ کو مال زکوٰۃ دے دے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور اگر قرضدار کے کہے بغیر اس کی طرف سے مال زکوٰۃ سے قرضے کی ادائیگی کے طور پر دے دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں صاحب مال متبرع ہو گیا۔

مسئلہ: اگر دکاندار یا کسی بھی شخص کا کوئی شخص مقروض ہو اور اس کے پاس ادائیگی کے لیے مال نہ ہو تو جس کا قرضہ ہے وہ اپنے قرضہ کو زکوٰۃ میں منہا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ کر سکتا ہے کہ قرضدار کو بلا کر زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھ میں دیدے۔ پھر اس سے اسی وقت اپنے قرضہ میں وصول کر لے جب اس کی ملکیت میں مال پہنچ گیا تو اب زبردستی بھی وصول کر سکتے ہیں کیونکہ قرض خواہ کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا حق ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو ثواب کے طور پر مال دے دیا اور ادائیگی زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے کہ مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے دوسرے مال سے الگ کر کے کسی بکس وغیرہ میں رکھ لے اور یہ نیت کرے کہ فقراء آتے رہیں گے تو اس میں سے دیتا رہوں گا اس صورت میں فقراء کو دیتے وقت نیت کا استحضار نہ ہوا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مال علیحدہ کرتے وقت جو نیت کی تھی وہی کافی ہوگی۔

مسئلہ: جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے کسی عمل کے عوض میں نہ ہو لہٰذا امام مؤذن اور مدرس اور کسی بھی ملازم کی تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ البتہ ﴿الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا﴾ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ: جنہیں امیر المؤمنین نے زکوٰۃ کے اموال وصول کرنے پر مامور کر دیا ان کے علاوہ جتنے بھی مصارف ہیں ان سب میں اس شخص کا غیر صاحب نصاب ہونا ضروری ہے جس کو زکوٰۃ دی جائے۔ فی البحر الرائق (ص ۲۵۹ ج ۲) و انما حلت للغنی (العامل) مع حرمة الصدقة علیه لأنه فرّغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الكفایة و فیه ایضاً بعد صفحة و لا یخفی أن قید الفقیر لا بدمنه علی الوجوه كلها۔ (بحرالرائق میں ہے مالدار پر زکوٰۃ کے حرام ہونے کے باوجود، مالدار عامل کے لیے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے فارغ کیا ہے لہٰذا وہ ضرورت کی کفالت کا محتاج ہے اور ایک صفحہ کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مصارف میں فقیر والی قید کا ہونا ضروری ہے)

تنبیہ: لفظ ''وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' لغوی ترجمہ کے اعتبار سے تو بہت عام ہے لیکن حضرات ائمہ تفسیر اور فقہاء کرام نے اس کو عام نہیں لیا اسی لیے بعض حضرات نے اس سے وہ مجاہدین مراد لیے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے رہ جائیں اور پیسہ پاس نہ ہو اور بعض حضرات نے وہ لوگ مراد لیے ہیں جو سفر حج میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر ان کی ملکیت میں مال نہ ہو تو فقراء میں شمار ہوں گے اور اگر وطن میں مال ہو اور یہاں موجود نہ ہو تو ابن السبیل میں داخل ہو گئے لہٰذا کل اقسام سات بنتے ہیں (اور ان کو یعنی منقطع الغزاة منقطع الحاج کو مختلف قسم بنا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی) پھر اس کا جواب یوں دیا کہ واقعی یہ لوگ فقیر کی تعریف میں داخل ہیں لیکن علیحدہ ان کو اس لیے بیان فرمایا کہ مطلق فقیر کی بہ نسبت ان کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ مجاہد اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لیے نکلا ہوا ہے اور حاجی بیت اللہ کے زائرین میں سے ہے۔ ان کی طرف زیادہ دھیان دینا چاہئے۔

آج کل ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو تفسیر قرآن اور احکام و مسائل کے بارے میں سلف کا دامن چھوڑ کر جو چاہتے ہیں اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں مسجدیں، مدرسے شفا خانے مسافر خانے کنوئیں سڑکیں اور پل بنانا اور رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں دینا۔ دفتروں کے مصارف میں خرچ کرنا میت کو قبرستان پہنچانے کے لیے ایمبولینس کا انتظام کرنا اور غریب میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا یہ سب جائز ہے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی باتیں ہیں۔ مفسرین اور محدثین اور فقہاء نے جو کچھ قرآن مجید کو سامنے رکھ کر اخذ کیے ہیں ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے قول کی کوئی حیثیت نہیں جو عربی زبان کا ایک صیغہ بھی نہیں بتا سکتے اور جو قرآن مجید کی ایک سورت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے کہتے ہیں، زکوٰۃ کا مال جہاں چاہو خرچ کرو۔ تملیک فقیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ

Marfat.com

بات چاروں مذہبوں کے خلاف ہے۔ اگر ہر کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت ہوتی تو قرآن مجید میں آٹھ قسمیں بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا تھا۔ ان الله قد فرض عليهم صدقة توخذ من اغنيا ئهم فترد على فقراء هم۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو دے دی جائے۔ (رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ ص ۱۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوگی جب فقراء کو دے دی جائے۔ جو لوگ تملیک کی شرط کو مولویانہ اپچ قرار دیتے ہیں ان کے سامنے احادیث نہیں ہیں۔ آراء اور اھواء کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

مسئلہ: چاندی۔ سونا۔ نقدی اور مال تجارت میں جو زکوٰۃ فرض ہے اس کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سال چاند کے حساب سے جب سال گزر جائے پورے مال سے چالیسواں حصہ دے دے اگر اصل مال نہ دے اور اس کی قیمت دیدے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۴۰ را سے کم نہ ہو۔ سو روپے میں ڈھائی روپے اور ایک ہزار میں ۲۵ روپے اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپے کے موافق حساب لگا لیا جائے۔

مسئلہ: جس شہر میں رہتے ہوئے زکوٰۃ فرض ہوئی ہے وہاں کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء پر خرچ کی جائے۔ ہاں اگر دوسری جگہ کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا اعزہ واقرباء ہوں تو ان کے لیے بھیج دینا مناسب ہے!

مسئلہ: بعض لوگ حج کرنے کے لیے چندہ مانگتے پھرتے ہیں اور بعض صاحب حیثیت انہیں زکوٰۃ کی رقم سے دے دیتے ہیں جب ایک دو آدمی کے دے دینے سے سوال کرنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اسے زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں۔ لوگ اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ جس کسی پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض نہیں کیا وہ حج کے نام پر سوال کرتا پھرے اولاً تو یہ طریقہ ہی غلط ہے دوسرے جب مانگنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں رہا۔

مسئلہ: بہت سے لوگ لڑکیوں کی شادیوں کے لیے زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی سادی کیوں نہیں کی جاتی؟ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں اور اسی پر دونوں فریق راضی رہیں۔ اصل نکاح تو ایجاب وقبول کا نام ہے جو دو گواہوں کے سامنے ہو اس میں ذرا سا خرچہ بھی نہیں ہوتا پھر ایجاب وقبول کے بعد جو بیٹی والے کو میسر ہو وہ بطور جہیز لڑکی کے سسرال میں روانہ کر دے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ ریاکاری کی گناہگاری میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ صاحب نصاب ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر لڑکی صاحب نصاب ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں پھر اگر صاحب نصاب نہ ہونے اور غیر بنی ہاشم ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جائے تو ایک دو آدمی کے دینے سے بقدر نصاب ملکیت میں مال آ جاتا ہے۔ جب تک وہ مال ملکیت میں رہے گا اس وقت تک زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ: بعض قوموں میں رواج ہے کہ اپنی قوم کی زکوتیں وصول کر کے بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اس مسئلہ کا بالکل دھیان نہیں رکھتے کہ جب تک یہ مال فقراء اور مساکین کی ملکیت میں نہیں جائے گا اس وقت تک ان سب لوگوں کی زکوتیں ادا نہ ہوں گی جنہوں نے یہ رقمیں دی ہیں لہٰذا جلد سے جلد مصارف زکوٰۃ میں ان کو خرچ کر دینا لازم ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بینک دیوالیہ ہو گیا یا بنک پر کسی حکومت نے قبضہ کر لیا۔ یا ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا تو ان سب صورتوں میں ان سب لوگوں کی زکوتوں کی ادائیگی رہ جاتی ہے۔ جن کے اموال لے کر بینک میں جمع کر دیئے گئے تھے۔

مسئلہ: جو لوگ سوال کرنے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں عموماً صاحب نصاب ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے دکانداروں سے ان کی ملکیت میں زیادہ پیسہ ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کسی سائل کو زکوٰۃ دیں تو پہلے یقین کر لیں کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ صحیح بخاری (ص ۲۰۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اسے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں واپس کرتی ہیں لیکن مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جس سے اس کی ضرورت پوری ہو اور اس کے

Marfat.com

حاجت مند ہونے کا پتہ نہیں چلتا تا کہ اس کو صدقہ دے دیا جائے۔ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واقعی حاجتمند کو تلاش کر کے زکوٰۃ کا مال دیا جائے۔ بہت سے لوگ بہت زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے اور ننگے بھوکے گھروں میں اپنی زندگیاں گزارتے ہیں ایسے لوگوں کا خاص خیال کیا جائے یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح سے فرض ہے۔ جس طرح نماز کے احکام و مسائل کا جاننا اور نماز کو شرعی قواعد کے مطابق پڑھنا طہارت کے لیے پاک پانی کا دیکھنا استنجا ٹھیک کرنا، کپڑوں کا پاک رکھنا۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ اور جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں صحیح طریقے پر ان کو یاد کرنا لازم ہے اسی طرح سے زکوٰۃ کے مسائل اور احکام کا جاننا بھی ضروری ہے، زکوٰۃ کا مال جس کو چاہا دے دیا جس مصرف میں چاہا خرچ کر دیا جس انجمن میں چاہا جمع کر دیا۔ زکوٰۃ ادا ہو یا نہ ہو۔ یہ فرض کی ادائیگی کا طریقہ نہیں۔ مال حلال کماؤ حلال مواقع میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ فرض ہو جائے تو ٹھیک حساب سے ادا کرو اور جس کو دو اس کے بارے میں پہلے یقین کر لو کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ
يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس وہ تو کان ہیں آپ فرما دیجیے کہ وہ تمہارے لیے خیر کا کان ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور یقین کرتے ہیں مومنین کی بات کا، اور وہ ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو تم میں سے مومن ہیں، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں اگر یہ لوگ مومن ہیں، کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ جو شخص اللہ کی اور ان کے رسول کی مخالفت کرے اس کے لیے دوزخ کا عذاب ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

منافقین نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں اور مؤمنین کو راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں

منافقین چونکہ دل سے مؤمن نہیں تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کے حق میں نازیبا کلمات بھی کہتے رہتے تھے۔ سامنے آتے تو قسمیں کھا کر کہتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ آیت بالا ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو پیچھے بدگوئی کرتے تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ یہ تو تکلیف دینے والی باتیں ہیں رسول اللہ ﷺ کو پہنچ جائیں گی تو ان کو تکلیف ہوگی تو اس پر ان میں سے بعض لوگوں نے یوں جواب دیا کہ کوئی بات نہیں ہے ان کو راضی کرنا اور سمجھانا آسان ہے وہ تو بس ''کان'' ہیں۔ یعنی جو کہو سن لیتے ہیں اور باور کر لیتے ہیں اگر کوئی ہماری بات پہنچے گی تو ہم دوسری بات کہہ دیں گے۔ اور وہ اس کو سن کر یقین کر لیں گے۔ روح المعانی میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ایک منافق نبتل بن حارث تھا۔ جو بدصورت بھی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر منافقین کے پاس لے جاتا تھا۔ اس کا مقصد خیر نہیں تھا بلکہ چغل خوری مقصود تھی اور منافقین کو یہ بتاتا تھا کہ دیکھو تمہارے بارے میں ایسے ایسے مشورے ہو رہے ہیں جب اس سے کہا گیا کہ ایسا نہ کر تیرے طرز عمل سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی تو اس پر اس نے کہا کہ ان کو سمجھانا آسان ہے وہ تو ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں ان کی شخصیت تو بس کان ہی کان ہے۔ یعنی وہ نہ تکذیب کرتے ہیں نہ غور و فکر کرتے ہیں۔ اول تو آپ کی مجلس کی باتیں بطور چغل خوری کے نقل کرنا اور پھر اوپر سے آپ کے بارے میں یہ کہنا کہ العیاذ باللہ وہ کچھ غور و فکر نہیں کرتے ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور ہر الزام دینا کہ انہیں اونچ نیچ کی کچھ خبر نہیں اس میں

Marfat.com

کئی طرح سے تکلیف دینا ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ وہ خیر کی بات سنتے ہیں اور جس چیز کے سننے میں اور قبول کرنے میں خیر ہے وہ اس پر کان دھرتے ہیں تم نے یہ جو سمجھا ہے کہ ہم جو بھی بات کہیں گے آپ اس پر یقین لے آئیں گے اور ہماری شرارت کا احساس نہ ہوگا۔ یہ تمہاری سفاہت اور حماقت ہے۔ مزید فرمایا ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ ﴿وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ایمان والوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، جو مخلص مؤمن ہیں وہ ان کو جانتے ہیں اور ان کی باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں (اور منافقین کے طور طریق سے بے خبر نہیں ہیں) ارے منافقو! تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہماری ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور آپ کو حقیقت حال کا پتہ نہیں چلتا یہ تمہارا جھوٹا خیال ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ کہ آپ کی ذات گرامی تم میں سے ان لوگوں کے لیے رحمت ہے جو ایمان لائیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ سے منافقین مراد ہیں۔ مومنین مخلصین مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ ظاہر کر دیا کہ ہم مومن ہیں ان کی بات سن لیتے ہیں ان کی تصدیق کی وجہ سے نہیں بلکہ بطور شفقت سن لیتے ہیں پھر ان کے بھید نہیں کھولتے اور پردہ دری نہیں کرتے (لہٰذا منافقوں کو اس دھوکہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ چونکہ آپ سب کچھ سن لیتے ہیں اس لیے ہم جو چاہیں گے کہہ دیں گے ہماری شرارت کا پتہ نہ چلے گا)

پھر فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے) اس میں عذاب دنیوی یا عذاب اخروی کی قید نہیں ہے دونوں جہاں میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں بھی یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے دربار نبوی ﷺ سے ذلت کے ساتھ نکالے گئے اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ تو ہر کافر کے لیے مقرر ہی ہے۔

پھر منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ﴾ (وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں) منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ طرح طرح کی باتیں کرتے اور اپنی باتوں سے منحرف ہو جاتے تھے۔ پھر چونکہ زیادہ تر واسطہ عامۃ المسلمین سے پڑتا تھا اس لیے انہیں راضی رکھنے کے لیے بار بار قسمیں کھا کر ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے تاکہ یہ لوگ انہیں اپنے سے جدا نہ سمجھیں۔

پھر فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (اور اللہ اور اللہ کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے) ظاہری طور پر بندوں کو راضی کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر واقعی مومن ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرتے ان کی نافرمانی سے بچتے۔ ایسا کرنے سے اہل ایمان بھی راضی ہو جاتے۔ لیکن چونکہ دنیا کے طالب ہیں اس لیے مسلمانوں سے ظاہری میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ کے لیے قسمیں کھاتے ہیں اور اندر جو کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے اسے نہیں چھوڑتے پھر بطور زجر اور توبیخ کے فرمایا ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (الآیۃ) (کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب بڑی رسوائی ہے) یہ لوگ دنیاوی رسوائی سے بچتے ہیں اور انہیں آخرت کی رسوائی سے بچنے کا دھیان نہیں ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ
مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ
رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ
مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

Marfat.com

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان باتوں کو بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ تم مذاق بنالو۔ بلاشبہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو، اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بس یونہی باتوں میں مشغول تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ فرما دیجیے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے۔ عذر بیان نہ کرو۔ تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے، اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں گے تو دوسری جماعت کو ہم عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ

منافقوں کی شرارتیں جاری رہتی تھیں۔ ان میں سے جو لوگ غزوۂ تبوک کے لیے جانے والے مسلمانوں کے ساتھ سفر میں چلے گئے تھے (جن میں اہل نفاق کے لیے جاسوسی کرنے والے بھی تھے) انہوں نے طرح طرح سے تکلیفیں دیں اور برے منصوبے بنائے۔ منافقین کی عادت تھی کہ آپس میں مل کر اسلام اور داعی اسلام ﷺ اور اہل اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہمارے دلوں کی باتوں کو کھول دے۔ ان کی نیتوں، باتوں اور ارادوں کو سورۂ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سورت کا ایک نام سورۃ الفاضحہ بھی ہے کیونکہ اس میں منافقوں کے بھیدوں اور حالوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ منافقین آپس میں چپکے چپکے اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور رسوائی سے ڈرتے بھی رہتے تھے لیکن اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿قُلِ اسْتَهْزِءُ وْا﴾ تم مذاق بنالو، یہ لوگ ایک[1] دن آپس میں یوں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص اس بات کی امید رکھتا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعے اس کے لیے فتح ہو جائیں گے یہ تو کبھی بھی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی ان باتوں کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دے دی۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا ان لوگوں کو روک لو۔ جب آپ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا ہے اس پر انہوں نے اقرار تو کر لیا لیکن بات بناتے ہوئے عذر پیش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی زبانی باتیں تھیں۔ جو آپس میں دل لگی کے طور پر ہو رہی تھیں۔ سفر کی مسافت طے کرنے کے لیے کچھ باتیں ہونی چاہئیں لہٰذا یوں ہی وقت گزاری کے طور پر ہم ایسی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَ﴾ (آپ فرما دیجیے کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے) یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ دل لگی اور وقت گزارنے کے لیے کیا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس کے لیے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق ہی رہ گیا تھا۔ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ جو عذر پیش کیا ہے وہ عذر نہیں ہے۔ وقت گزاری کی ضرورت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا جائز نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا تو کفر ہے تم ظاہری طور پر کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں۔ اول تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ لیکن اب تو اپنے اقرار سے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے اندر سے تو پہلے ہی کافر تھے، زبانی طور پر جو ایمان کا دعویٰ تھا اس کے بارے میں فرمایا ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ پھر فرمایا ﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ﴾ اگر ہم تم میں سے بعض کو اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مالا مال کر کے معاف کر دیں گے اور کفریہ باتوں سے درگزر کر دیں گے۔ ﴿نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ (تو ایک جماعت کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے) یہ لوگ مجرم ہی رہیں گے اور آخر دم تک اسلام قبول نہ کریں گے۔

منافقین میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور پکے مسلمان ہوئے ان میں مخشی بن حمیر کا نام لیا جاتا ہے انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا تھا اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تھی کہ شہادت نصیب ہو اور قتل کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ غزوۂ یمامہ میں ان کی شہادت ہو گئی، نہ قاتل کا پتہ چلا نہ مقتول کا، اور ان کی کوئی خیر و خبر نہ ملی۔ (درمنثور ص ۲۵۴ ج ۲)

[1] تبوک کے سفر میں ۱۲۔

Marfat.com

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ
خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ
اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے، سو اللہ انہیں بھول گیا، بے شک منافقین نافرمان ہی ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لیے دوزخ کافی ہے اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیدیا اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ تمہاری حالت انہیں لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے، وہ لوگ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔ سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور تم بھی ایسے ہی گھستے چلے گئے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے۔ ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے، اور وہ لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے یعنی قوم نوح، اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے لوگ اور الٹی ہوئی بستیاں۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

منافق مرد و عورت نیکیوں سے روکتے ہیں، بخیل ہیں، اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں

ان آیات میں منافقین کی مزید بدحالی بیان فرمائی ہے اول تو یوں فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی طرح کے ہیں۔ نفاق کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں سے یہ بھی ہے کہ برائی کا حکم دیتے ہیں۔ جس میں سے سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ اور نیکیوں سے روکتے ہیں۔ جن میں سب سے بڑی نیکی کلمہ توحید کی گواہی ہے۔ ﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں اور کنجوس ہیں مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ نہیں کرتے۔

پھر فرمایا ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ کہ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کی طرف سے بالکل پشت پھیر لی۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو بھولنے والا کیا کرتا ہے، انہیں اپنے لطف اور مہربانی سے محروم فرما دیا۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (بلاشبہ منافق فاسق ہی ہیں جو سرکشی میں اور نافرمانی میں کمال رکھتے ہیں)۔

Marfat.com

منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لیے عذاب دوزخ ہے

اس کے بعد منافقین اور دیگر عام کفار کے لیے وعید کا تذکرہ فرمایا ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿هِیَ حَسْبُهُمْ﴾ یہ آگ ان کے لیے کافی ہوگی۔ یہ کلمہ بطور توبیخ ہے۔ وہ چونکہ دنیا ہی کو اپنے لیے سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے فرمایا کہ دنیا تو ختم ہو جائے گی اب دوزخ کی آگ ہی ان کے لیے سب کچھ ہوگی ﴿وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیا۔ ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے جو برقرار رہے گا یعنی دائمی ہوگا ہمیشہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا ﴿كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (الآیۃ) اس میں منافقوں سے خطاب ہے کہ تم لوگ انہیں لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے۔ وہ لوگ تم سے بڑھ کر قوت اور طاقت والے اور تم سے زیادہ اموال اور اولاد والے تھے۔ وہ لوگ اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے اور تم بھی دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے وہ لوگ بھی دنیا ہی میں لگے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا تم لوگ بھی انہیں کی راہ پر ہو۔ تم لوگ بھی باطل میں اور برائیوں میں اسی طرح گھس گئے جس طرح تم سے پہلے لوگ گھسے تھے۔ ان کا جو انجام ہوا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔ پھر انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں بیکار چلے گئے۔ دنیا تھوڑی سی تھی۔ فانی تھی جو ختم ہوگئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بطریق استدراج تھا۔ انعام و اکرام کے طور پر نہ تھا۔ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کسی کافر کے لیے کوئی نعمت ہے ہی نہیں ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (یہ لوگ پوری طرح خسارے میں ہیں) دنیا بھی گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم ہوئے تم بھی انہیں کے طریقے پر چل رہے ہو خسارہ میں ہو۔

اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں:

اس کے بعد پرانی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ﴾ کیا ان لوگوں کے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جو ان سے پہلے تھے، کیا نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا حال اور عاد و ثمود کی ہلاکت کے واقعات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین والوں کی ہلاکت کے قصے انہیں معلوم نہیں ہیں؟ اور جو بستیاں برے کرتوتوں کی وجہ سے الٹ دی گئی تھیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی کیا ان کے واقعات معلوم نہیں ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں پر عذاب اس لیے آیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو اور واضح دلائل کو جھٹلا دیا۔ پھر بھی کفر سے باز نہیں آتے۔ ﴿اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ (ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

اور مومن مرد اور عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے

Marfat.com

گا۔ بے شک اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے عمدہ مکانوں کا وعدہ فرمایا جو ہمیشگی والے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات، اور ان کے لیے رحمت اور جنت کا وعدہ

منافقین کی صفات اور ان کے بارے میں وعیدیں بیان فرمانے اور ان کو پہلی امتوں کے واقعات یاد دلانے کے بعد مومنین کی صفات بیان فرمائیں۔ اولاً تو یوں فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں اولیاء ہیں یعنی ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں پھر فرمایا ﴿یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ کہ یہ لوگ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، برعکس منافقین کے کہ وہ برائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بھلائیوں سے روکتے ہیں پھر مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ یُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور صرف نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ہر موقعہ پر اور ہر معاملہ میں اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان سے اپنی مہربانی کا وعدہ فرمایا کہ ﴿اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ (اللہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا) دنیا میں ان پر رحم فرما دیا کہ ان کو ایمان کی توفیق دے دی اور آخرت میں ان پر رحم فرمائے گا اور نعمتوں سے نوازے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا ہے حکمت والا ہے) وہ غالب ہے ہر چیز پر قادر ہے۔ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اس کے سب کام اور فیصلے حکمت کے موافق ہیں۔

پھر اہل ایمان کی آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (منافقین سے نار جہنم کا وعدہ فرمایا اور اہل ایمان سے باغوں کا وعدہ فرمایا اور دونوں جماعتوں کے بارے میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فرمایا کہ اپنی اپنی جزا اور سزا کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے مزید فرمایا ﴿وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ یعنی ان حضرات کے لیے عمدہ مکان ہوں گے جن میں وہ رہیں گے۔ اور یہ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے اولاً باغوں کا ذکر فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ پھر عمدہ مکانوں کا تذکرہ فرمایا جو ان باغوں میں ہوں گے اور عدن کی طرف ان باغوں کی اضافت فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ باغ واقعی رہنے کی جگہیں ہیں۔ جہاں سے نہ کبھی منتقل ہونا چاہیں گے اور نہ انہیں وہاں سے منتقل کیا جائے گا۔ صاحب روح المعانی ص ۱۳۶ ج ۱۰ نے لفظ عدن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ اور بعض روایات بھی نقل کی ہیں۔ پھر آخیر میں لکھا ہے۔ و قیل العدن فی الاصل الاستقرار و یقال عدن بالمکان اذا اقام و المراد به هنا الاقامة علی وجه الخلود لانه الفرد الکامل المناسب لمقام المدح ای فی جنات اقامة و خلود، و علی هذا الجنات کلها جنات عدن لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا الی آخر ما قال۔ (کہا گیا ہے کہ عدن کا معنی ہے ثبات و استقرار اور عَدَنَ بِالْمَكَانِ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی کہیں اقامت پذیر ہو جائے یہاں دائمی طور پر رہنا مراد ہے کیونکہ یہی مقام تعریف کے مناسب رہائش کا فرد کامل ہے یعنی رہائش کے اور ہمیشہ کے باغات میں۔ اس بنیاد پر تمام جنتیں، جنات عدن ہیں جنتی اس سے نکلنا نہیں چاہیں گے۔ الی آخرہ)

سورۂ صف میں اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے جو وعدہ فرمایا ہے اس میں بھی ﴿مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ فرمایا ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عدن سے کوئی مخصوص جنت یا جنت کا کوئی مخصوص مقام مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مراد ہے کہ ہر جنتی کا جنت میں مستقل قیام ہوگا۔ جنت کے علاوہ دوسری جگہ جانا نہ ہوگا سورہ حجر میں فرمایا ﴿لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ﴾ (وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے) اور سورۂ کہف میں فرمایا ﴿لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ کہ وہ وہاں سے کہیں منتقل ہونا پسند نہ

Marfat.com

کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے باغوں اور اپنے مکانوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ جگہ واقعی رہنے کی جگہ ہوگی وہاں سے نہ نکالے جانے کا احتمال ہوگا اور نہ وہاں رہتے رہتے جی بھرے گا۔

پھر فرمایا ﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (اور اللہ کی رضامندی تمام نعمتوں سے بڑی ہے) یعنی اہل ایمان جن نعمتوں میں ہوں گے وہ اپنی جگہ بڑی بڑی بے مثال نعمتیں ہوں گی۔ لیکن ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے اے جنت والو! وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لیے موجود ہیں۔ اور ساری خیر آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ عرض کریں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ کیا میں تمہیں اس سے افضل چیز عطا نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب اس سے افضل اور کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (صحیح بخاری)

پھر آخر میں فرمایا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (یہ جو کچھ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی نعمتوں کا تذکرہ ہوا یہ بڑی کامیابی ہے) اس میں منافقین سے تعریض ہے کہ دنیا جو تھوڑی سی ہے اور حقیر ہے اس کے لیے کفر اختیار کر کے ایسی ایسی نعمتوں سے گریز کر رہے ہیں اور تھوڑی بہت دنیا مل جانے کو جو کامیابی سمجھ رہے ہیں جس کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کرتے یہ ان کی بے وقوفی ہے اور بڑی کامیابی کی طرف سے غفلت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ
وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا
يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجیے۔ اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہ ملی اور صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا، سو اگر وہ توبہ کرلیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اور ان کے لیے روئے زمین میں نہ کوئی یار ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم

عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھی۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورۂ حج میں ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ فرمایا۔ پھر کفار سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم فرما دیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔ اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ان میں پہلی آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرح کی کوششوں کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا اور جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ان سے جہاد باللسان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم

Marfat.com

کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔
مزید فرمایا ﴿وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجیے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کیے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اس کے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی ومعالم التنزیل)
پھر فرمایا ﴿وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہونگے۔ دوزخ کو لا لی چیز نہ سمجھیں، وہ برا ٹھکانہ ہے۔

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں:

آگے بڑھنے سے پہلے آیت ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا﴾ کا سبب نزول جان لینا چاہیے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا جب وہ آجائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نیلی آنکھوں والا ایک شخص آ گیا اسے رسول اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا، تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ وہ فوراً گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا، اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اور دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور ان کو رجس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہو تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کی اس بات کو عامر بن قیس (صحابی رضی اللہ عنہ) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کو جلاس کی بات بتا دی۔ جلاس نے کہا کہ یارسول اللہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد منبر کے پاس قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے۔ اس کے بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لیے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمائیے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اور جو منافقین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا﴾ کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (دل سے تو پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں جو اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہو گیا)
اب ﴿وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ سے متعلقہ سبب نزول تم کیجیے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کی اندھیری میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو ان کی نیتوں کا حال بتا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جو ان کا رخ دوسری طرف کو موڑ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے بھیج دیا۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۲ ج ۲) نے بالاجمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی (ص ۱۳۹ ج ۱۰) نے بیہقی کی دلائل النبوۃ سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور عمار پیچھے پیچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آ گئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو

Marfat.com

سواریوں پر سوار تھے اور انہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتادی آپ نے جو زور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ لوگ چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں م ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو گھاٹی میں نیچے گرادیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد ﷺ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے۔ منافقین کی نیتوں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ﴿وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ (انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں کامیاب نہ ہوئے)

منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا:

﴿وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منصوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کردیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو اس کی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہوگئیں۔ اللہ کے اس فضل و کرم کا انہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعی اسلام ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا۔ الٹی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کی بجائے برے منصوبے بنانے میں مشغول ہوگئے۔ عام طور سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل تھیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص جلاس نامی شخص کو اس کے ایک غلام کے مقتول ہوجانے پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم کی دیت دلا دی تھی۔ یہ معالم التنزیل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے ذمہ قرضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرمادیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ (پس اگر یہ توبہ کرلیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا) معالم التنزیل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے یہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنی میں اس نے توبہ کرلی۔

مزید فرمایا ﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ نہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا)

﴿وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچالے) آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا۔ اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لیے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ

Marfat.com

مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور ضرور خیرات کریں گے اور ضرور ضرور ہم نیک آدمیوں میں شمار ہو جائیں گے سو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرما دیا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے، سو اللہ نے اس دن تک جو اللہ کی ملاقات کا دن ہوگا ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہمیں مال دیا جائے گا تو صدقہ کریں گے پھر انہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی

آیت بالا کے سبب نزول سے متعلق صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۲ ج ۲) نے اور حافظ ابن کثیر (ص ۳۷۴ ج ۲) نے ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب ایک شخص تھا اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ سے دعا فرمایئے مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی تجھے برداشت نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرما دی اس نے بکریاں پالنا شروع کر دیا ان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی تو وہ مدینہ منورہ سے باہر کسی وادی میں چلا گیا۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز میں حاضر ہوتا تھا پھر وہ وقت آیا کہ اسے مدینہ منورہ شہر میں حاضر ہونے کی فرصت ہی نہیں رہی۔ جمعہ کی حاضری بھی ختم ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمی مویشیوں کے صدقات وصول فرمانے کے لیے بھیجے۔ جب یہ دونوں ثعلبہ بن حاطب کے پاس پہنچے تو اس نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی بہن ہے۔ اور یوں بھی کہا کہ ذرا غور کرلوں کہ مجھے کیا دینا ہے۔ اور کتنا دینا ہے۔ جب یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کو دیکھ کر صورت حال بیان کرنے سے پہلے فرما دیا کہ ثعلبہ پر افسوس ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اپنے فضل سے ہمیں مال دیدے تو ہم ضرور ضرور صدقہ کریں گے اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے) اس موقعہ پر ثعلبہ کے رشتہ دار بھی خدمت میں عالی میں موجود تھے انہوں نے جا کر خبر دی کہ تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے۔ اس پر وہ صدقہ لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے منع فرما دیا ہے کہ تیرا صدقہ قبول کروں۔ اس پر وہ سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے کہا تھا (کہ تھوڑا مال شکر کے ساتھ زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی برداشت نہ ہو) تو نے میری بات پر عمل نہ کیا۔ جب آپ نے اس کا صدقہ قبول فرمانے سے انکار کر دیا تو وہ اپنا مال لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ لے کر آیا تو ان حضرات میں سے کسی نے قبول نہ کیا۔ اور خلافت عثمانی میں ثعلبہ کی موت ہوگئی۔ مال میں مشغول ہو کر اس نے جماعتوں اور جمعہ کی حاضری چھوڑ دی اور آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کو صدقہ نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا کہ مال ملے گا تو صدقہ دوں گا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا اس کی خلاف ورزی کی۔ اسی کو فرمایا ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ﴾

Marfat.com

وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے مال عطا فرما دیا تو کنجوسی اختیار کر لی اور اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے) ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴾ (سو اللہ نے اپنی ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) پھر فرمایا ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ (کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور خفیہ مشورے کو جانتا ہے اور بے شک اللہ غیبوں کا جاننے والا ہے) اس آخری آیت میں اس شخص کے لیے وعید ہے جو خلاف ورزی کی نیت سے وعدہ کرے یا وعدہ کر کے خلاف ورزی کرے، ہر شخص کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کو سب کے دلوں کا حال تام ہے جو جیسی نیت رکھے گا اور جیسا عمل کرے گا اللہ جل شانہٗ کو اس کا علم ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

فائدہ: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ مال طلب کرنے اور پھر صدقہ نہ دینے کا واقعہ ابن کثیر اور معالم التنزیل نے ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں لکھا ہے۔ ثعلبہ بن حاطب کو حافظ ابن حجر نے شرکاء بدر میں شمار کیا ہے۔ اور ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد ثعلبہ بن حاطب اور ابن ابی حاطب کے نام سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صدقہ نہ دینے کا جو واقعہ منقول ہے وہ ثعلبہ حاطب مدنی کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شرکاء بدر کے لیے مغفرت کی خوشخبری ہے۔ لہٰذا صاحب واقعہ دوسرا کوئی شخص ہو گا (خواہ ثعلبہ نامی ہو یا اور کسی نام کا کوئی شخص) واللہ اعلم۔

واقعہ جس کسی کا بھی ہو بہر حال پیش ضرور آیا ہے کیونکہ نص قطعی سے ثابت ہوا کہ کسی نے مال ملنے پر صدقہ دینے کا وعدہ کیا تھا پھر جب مال مل گیا تو نہیں دیا۔

یہاں حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس کا جواب دیا ہے کہ جب وہ مال لے کر آیا اور توبہ کی تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں کی گئی؟ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا بلکہ دفع عار اور بدنامی کے لیے تھا کیونکہ اَعْقَبَهُمْ سے اس کا دائماً کافر ہونا رم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے؟ الی آخر ماقال

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾

یہ ایسے لوگ ہیں جو ان مومنین پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقات دیتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو اپنی محنت کے علاوہ کچھ میسر نہیں آتا، سو یہ ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں تب بھی اللہ انہیں نہ بخشے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اللہ نے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا

منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لیے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور وہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (ص ۶۷۳ ج ۲) میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل

Marfat.com

کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے)۔ اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو وسق کھجوریں حاضر کر دیں اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے ابھی کچھ نہیں، یہ تو ریا کاری ہے، ایک صحابی حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لیے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابوعقیل نے خوب زیادہ محنت کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع ساڑھے سیر کا ہوتا ہے) ان میں سے ایک صاع گھر والوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر دی، آپ نے فرمایا اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق ان کا تمسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تمسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تمسخر پر سزا دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۵ ج ۲، ص ۳۷۶ ج ۲)

حضرت ابوعقیل جو محنت شیطا کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ (جو لوگ اپنی محنت شیطا کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں) اس میں صدقہ کرنے کے لیے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں، محنت و ل سے کچھ مال حاصل کر کے اللہ کی رضامندی کے لیے پیش کر دیتے ہیں، ت م ہوا کہ صدقہ کرنے کے لیے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادات کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ حضرات صحابہ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لیے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ کمافی سورة المنافقین ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یعنی آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں (یہ ان کے لیے برابر ہے) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) ﴿وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ

اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳

جو لوگ رسول اللہ کے بعد پیچھے ڈالے گئے وہ اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی

Marfat.com

راہ میں جہاد کریں اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو۔ آپ فرما دیجیے کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ سمجھتے۔ سو یہ لوگ تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلہ جو وہ کیا کرتے تھے سو اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف واپس لے جائے پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرما دیجیے کہ تم ہرگز کبھی میرے ساتھ نہ نکلو گے۔ اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے۔ سو تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ گئے

ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جائے، دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے، تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آ گئے دوزخ کی آگ کی کس کو سہار ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے کو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی بہ نسبت دوزخ کی آگ میں ۶۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھا دی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر ہے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے۔ (بخاری ص ۴۶۲ ج ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرائض اور واجبات چھوڑنے والے اس پر غور کر لیں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا اور تکوینی طور پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ ﴿وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ﴾ میں فرمایا ہے اس لیے اَلْمُخَلَّفُوْنَ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے۔

پھر فرمایا ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ کہ یہ دنیا میں تھوڑا سا ہنس لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوش طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بدحالی ہوگی اس پر جو روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ذرا سی خوشی کو بھول جائیں۔ وہاں تو ان کا رونا ہی رونا ہے۔ حضرت عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک (ص ۶۰۵ ج ۴) قال هذا حديث صحيح الاسناد و أقرة الذهبي) (حاکم نے اسے متفرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اسے یہی مقام دیا ہے)۔

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں ان کا یہ رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھ تاکہ تجھے نقصان نہ پہنچا دے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے۔ (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے گناہوں پر روتا رہ) (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

Marfat.com

جو لوگ آخرت کے فکرمند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ ﴿جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی ان کا یہ بہت زیادہ رونا کفر و نفاق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

پھر فرمایا ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ (الآیۃ) یعنی اگر اللہ آپ کو غزوۂ تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائیں جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقعہ پر جہاد کے لیے جانا ہو اور یہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے فرمادیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا۔ چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہٰذا اب بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوڑھے بچے اور عورتیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تو بغیر معذوری ہی کے ان کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لیتا قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهي للمبالغة۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ خبر دینا ہے نہی کے معنی میں مبالغہ کی وجہ سے)

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی کے طور پر ہے۔ جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔ لہٰذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کرلو جھوٹی اجازت لے کر اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔ فهو خبر بمعنى الخبر و هو المتبادر من لفظ التنزيل العزيز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ان میں سے جو کوئی شخص مرجائے تو آپ اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں، اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، بے شک ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ نافرمان تھے۔ اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوجایئے

صحیح بخاری (ص ۶۷۳، ص ۶۷۴ ج ۲) میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہوگئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرمادیں جو اسے بطور کفن پہنا دیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑلیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی اس کی نماز پڑھادی اس پر آیت بالا ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ (آخر تک) نازل ہوئی۔ فتح الباری (ص ۳۳۶ ج ۸) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ کی خوشی کے لیے اور قبیلہ خزرج کی تالیف قلب کے لیے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لیے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہوجائیں اھ روح المعانی (ص ۱۵۴ ج ۱۰) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہوجائیں

Marfat.com

گے، پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ عبداللہ بن ابی کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ تفسیر و حدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا تو اس وقت ان کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا ان کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہٰذا آپ نے اس کی مکافات کے لیے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لیے عنایت فرما دیا۔ (روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ﴾ (الآیة) یہ آیت تھوڑے سے لفظی اختلافات کے ساتھ چند صفحات پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَإِذَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھروں میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے۔

وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں

منافقین کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے تو اس میں سے پیسے والے اور مالی وسعت والے اجازت لینے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے گھروں میں بیٹھے رہ جانے والوں میں ہمیں بھی شمار فرما لیجیے۔ اس میں ان کی بے غیرتی کی طرف اشارہ ہے۔ بہادر مردوں میں شمار ہونے کو تیار نہیں۔ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ رہنے کو تیار ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی (جنہیں اپنے نفع و نقصان کی بھی سمجھ نہیں)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے خوبیاں ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت

منافقین کا حال بد بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کو خوشخبری دی اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان کے لیے خیرات یعنی خوبیاں ہیں یعنی وہ دنیوی اور اُخروی منافع ہیں جو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کے لیے نصرت ہے

Marfat.com

اور مال غنیمت ہے اور آخرت میں جنت ہے اور اس کی نعمتیں ہیں۔ بعض مفسرین نے الخیرات سے جنت کی حوریں مراد لی ہیں۔ کیونکہ سورۃ رحمٰن میں یہ کلمہ جنت کی حوروں کے لیے آیا ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ ﴿فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ﴾

پھر فرمایا ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں) دنیا میں بھی خوب رہے اور آخرت میں بھی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہوئے، اس میں منافقین پر تعریض ہے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جو غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ گئے اور گرمی سے بچ گئے اس میں کامیابی ہے۔ درحقیقت یہ ان کی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ کامیابی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانے میں نہیں ہے۔ پھر ان حضرات کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (یہ بڑی کامیابی ہے)

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَّيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

اور دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تا کہ ان کو اجازت دے دی جائے، اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہ گئے، جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر رہیں گے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خلوص دل سے حاضر ہوں، محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے، اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ ان کو سواری دے دیں۔ آپ نے کہہ دیا کہ میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کردوں، وہ اس حال میں واپس ہو گئے کہ اس رنج میں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے۔ الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں، وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے

جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رو رہے تھے

رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کے لیے اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تو یہ دعوت اہل مدینہ کو اور آس پاس کے دیہات کے رہنے والے جو لوگ تھے ان سب کو عام تھی بہت سے منافقین ایسے تھے جنہوں نے عذر پیش نہ کیا اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے گھروں ہی میں رہ گئے اور بہت سے دیہات کے رہنے والے عذر پیش کرنے کے لیے آئے وہ عذر پیش کر کے پیچھے رہ گئے۔ پہلی آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا ﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (ان میں سے جو لوگ کفر ہی پر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہو گا) منافقین کے بارے میں جو ﴿الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے

Marfat.com

دعوائے ایمان میں اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، دیہات کے جو لوگ عذر کرنے کے لیے آئے تھے ان کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ تھے اور بعض حضرات نے قبیلہ بنی غفار کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کے بعد ان مخلصین مسلمانوں کا ذکر فرمایا جن کو واقعی عذر تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو معذور ہوتے ہوئے بھی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی سواری دے دیجیے ہم بھی ساتھ چلیں گے۔

ارشاد ربانی ہے ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ﴾ کہ وہ لوگ جو ضعیف ہیں اور جو لوگ مریض ہیں اور جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے ان پر غزوہ میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ حاضر ہوں، ان کا ایمان بھی سچا، اقرار بھی سچا، شرکت جہاد کے جذبات بھی سچے ہیں، مجبوری سے رہ گئے، ان کے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو غزوہ میں ضرور شریک ہوتے۔ انہوں نے عذر بنایا نہیں تھا۔ واقعی معذور تھے۔ مزید فرمایا ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ کہ جو لوگ نیکوکار ہیں ان پر کوئی الزام نہیں اور کوئی گرفت بھی نہیں ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ مخلصین اور محسنین کی کوتاہی کو معاف فرما دے گا۔

پھر فرمایا ﴿وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ (اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دے دیں ان کے جواب میں آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرا دوں)۔

البدایہ والنہایہ (ص ۵ ج ۵) میں لکھا ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سالم بن عمیر، دوسرے علبہ بن زید، تیسرے ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب چوتھے عمرو بن الحمام، پانچویں عبداللہ بن معلق چھٹے حرمی بن عبداللہ اور ساتویں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دل سے پوری طرف تیار ہیں آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں لیکن سواری نہ ہونے سے مجبور ہیں آپ ہمیں سواری عنایت فرمادیں ﴿قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تاکہ تمہارے لیے سواری کا انتظام کردوں۔

﴿تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے) اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا۔ اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیں۔ جب آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا کہ اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کر لی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا حرج ہے؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور رنج بھی ایسی نہیں۔ ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جا رہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں ہے انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقعہ پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے، ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لیے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کے لیے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض حضرات کے لیے سواری کا انتظام فرمادیا۔ اور بعض حضرات کے لیے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کی راستہ میں یامین بن عمیر نضری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جا رہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تاکہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرمادیتے ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہے جا رہے ہیں۔ اس پر یامین نے اپنی ایک اونٹنی پیش کر دی اور اپنے پاس

Marfat.com

سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور علبہ بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعا کی کہ اے اللہ آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لیے قوت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تا کہ میرے لیے سواری کا انتظام فرما دیتے۔ اب میں جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔ کسی نے بھی جواب نہ دیا، آپ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہو جائے اس پر علبہ بن زید کھڑے ہوئے اور اپنا حال بتایا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لیے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابوموسیٰ کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے ان کے لیے چھ اونٹوں کا انتظام فرما دیا۔ (ایضاً ص ٦ ج ۵)

اس کے بعد فرمایا ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ﴾ الزام انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جا سکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گئیں اور نہ یہ لوگ جانے پر راضی ہوئے۔ ﴿وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہٰذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ٘ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

وہ لوگ آپ کے پاس عذر پیش کریں گے جب آپ ان کی طرف واپس ہوں گے، آپ فرما دیجیے عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کو سچ نہ مانیں گے۔ اللہ نے تمہاری خبریں ہمیں بتا دی ہیں، اور عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی ہوئی اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تمہیں ان کاموں سے باخبر فرما دے گا جو تم کیا کرتے تھے، وہ عنقریب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو آپ ان سے اعراض کریں بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ان کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم راضی ہو جاؤ سو اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب

جن لوگوں نے تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کیے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے پہلے

Marfat.com

ہی خبر دے دی تھی کہ آپ کی واپسی پر یہ لوگ عذر پیش کریں گے۔ آپ ان سے فرما دیں کہ ہم تمہاری بات سچی نہیں مانیں گے تمہارے حالات کی اللہ نے ہمیں پہلے سے خبر دے دی ہے۔ اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لے گا۔ اور تمہاری پول کھلتی رہے گی۔ یہ ذلت تو دنیا میں ہوگی پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور شہادت سب کا جاننے والا ہے جو چیزیں ظاہر ہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے اور جو چیزیں مخلوق سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے جب قیامت کے دن حاضری ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر فرما دے گا۔ تم جو برے عمل کرتے تھے وہ سب تمہارے سامنے آ جائیں گے۔ مسلمانوں سے مزید خطاب فرمایا کہ جب تم سفر سے واپس ہو کر ان کے پاس پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو اور درگزر کرنے کا معاملہ کرو۔ اعراض تو تم کر لینا لیکن رضامندی کے طور پر نہیں بلکہ ناراضگی والا اعراض کرنا کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں (ان کے عقائد اور اعمال گندے ہیں) اور انجام کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ دوزخ ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ (تم ان سے راضی مت ہونا بالفرض) اگر تم ان سے راضی ہو گئے تو (اس رضامندی سے) انہیں کچھ نفع نہ دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسی آدمی تھے جو اپنے نفاق کی وجہ سے تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ اٹھیں بیٹھیں اور نہ ان سے بات کریں۔ (یہ حکم ﴿اَعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ پر عمل کرنے کے لیے تھا)۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں۔ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لیے مصیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ ان پر بری گردش ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار یہ ان کے لیے نزدیکی کا سبب ہے۔ اللہ عنقریب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی

ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اوّل تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔ اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے۔ ایمان ویقین اور علم وعمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بھی بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم وعمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۲ ج ۱۱) أشد كفراً و

Marfat.com

نفاقاً من اهل الحضر الكفار و المنافقين لتوحشهم و قساوة قلوبهم وعدم مخالطتهم اهل الحكمة و حرمانهم استماع الكتاب و السنة و هم أشبه شئ بالبهائم اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار ومنافقین اپنے کفر اور نفاق میں سخت اس لیے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے اور کتاب وسنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من سكن البادية جفا و من اتبع الصيد غفل و من اتى السلطان افتتن۔ (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہوا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آجاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے علم سے بھی محروم رہتے ہیں اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لیے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں دل ہی دل میں رہ گئیں وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر ونفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال واعمال کے مطابق سزا دے دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (الآیة) اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ان کا مقصد اجر وثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہٰذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تاوان بد دلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے

اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے ان کی تعریف فرمائی۔ اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی، اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ان کے لیے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور آخر میں فرمایا

Marfat.com

کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور منقبت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان میں وہ صحابہ بھی ہیں جو ان کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صحابیت کے عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین وانصار کی راہ پر چلے۔ جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، سابقین اولین میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

روافض کی گمراہی:

روافض کا جو یہ کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر مسلمان ہی نہیں تھے اور یہ کہ تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ (العیاذ باللہ) ان کی یہ بات آیت بالا کی تکذیب کر رہی ہے۔ جو شخص کسی آیت کی تکذیب کرے وہ خود کافر ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سابقین اولین اور ان کے متبعین سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا اور ہمیشہ ہمیشہ ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بدا گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت تک علم نہیں تھا جب رضامندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی پیچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ملحدوں اور زندیقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین وانصار میں جو سابقین اولین تھے وہ اور ان کا اتباع کرنے والوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین وانصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الفتح کی آیت ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ﴾ میں ان سب حضرات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پھر سورۃ الفتح کے ختم پر تمام صحابہ کی تعریف بیان فرمائی۔ اور فرمایا ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الآیۃ) اور آخر میں ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان سب آیات کی تصریحات کے خلاف روافض کہتے ہیں کہ بجز تین چار صحابہ کے کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔ انہیں حضرات صحابہ پر کفر چپکانے پر تو اصرار ہے لیکن اپنے مومن ہونے کی طرف ذرا دھیان نہیں۔ اپنی طرف بھی تو دیکھو قرآنی آیات کے منکر ہو کر تم کیسے مومن ہو؟ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہہ دینے سے آخرت میں نجات ہو جائے گی۔ یوم آخرت میں خود مومن ہو کر پیش ہونے کو کیوں ضروری نہیں سمجھتے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾

حضرات مہاجرین وانصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں

فائدہ: ﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں اہل السنّت والجماعت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دین پر نہیں ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے ملا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعہ پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لیے

Marfat.com

مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اور اسی لیے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں ہیں آیت بالا میں اور سورۃ نساء کی آیت ﴿وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں حضرات صحابہ اور ان کے متبعین کو اور اہل ایمان کو معیار حق قرار دیا ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (تمہارے لیے میری سنت اور میری خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے اس کو تھامے رہو اور اسے دانتوں سے قبضوط پکڑو) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰) پھر جب تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا تو اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کون سا ہے اس پر آپ نے فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِي کہ جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہوگی وہ نجات والی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) اس میں بھی حضرات صحابہ کو معیار حق بتایا، اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے راستہ پر ہے یا نہیں، اپنے افکار، عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور تمہارے گرد و پیش جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پر اڑ گئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ

اس آیت میں بتایا ہے کہ مدینہ منورہ کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں میں منافقین ہیں صاحب معالم التنزیل نے اس سلسلہ میں بنی مزینہ و بنی جہینہ وغیرہم کے نام لکھے ہیں اور یہ فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے بھی بعض لوگ منافق ہیں اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اوس اور خزرج میں منافق تھے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ منافقت پر مصر ہیں۔ ڈھٹی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں (جو لوگ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں وہ صرف مدینہ منورہ ہی میں رہنے کو سب کچھ نہ سمجھیں اپنے ایمان و اعمال کی بھی خبر لیں۔ اب بھی مدینہ منورہ میں خاصی تعداد میں روافض ہیں۔ اور دجال کے تذکرہ میں احادیث شریفہ میں بتایا ہے کہ جب دجال مدینہ منورہ کا رخ کرے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا (احد پہاڑ کے پیچھے) شور زمین میں ٹھہر جائے گا اس وقت مدینہ منورہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر منافق مدینہ منورہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جائے گا بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ محض اقامت مدینہ منورہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ خواہ عقائد و اعمال کیسے ہی ہوں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے پھر فرمایا ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (آپ انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں) ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ (عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے) ﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ (پھر وہ بڑے عذاب (یعنی دوزخ) کی طرف لوٹائے جائیں گے) ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بار بار عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے اور بعض اکابر نے اس کا ترجمہ دہری سزا کا کیا ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کو ایک دن جمعہ کے روز جب آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا۔ اور فرمایا کہ فلاں تو منافق ہے نکل جا، پہلا عذاب تو یہ رسوائی کا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے عذاب قبر مراد ہے۔ یہ اقوال علامہ بغوی نے معالم التنزیل (ص ۳۲۲ ج ۲) میں نقل کیے ہیں۔ جن حضرات نے دوسرا عذاب، عذاب آخرت بتایا ہے۔ بظاہر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ دوزخ کا عذاب بعد میں مذکور ہے۔ و ھو قولہ تعالیٰ ﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾

Marfat.com

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ
اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ
وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا انہوں نے ملے جلے عمل کیے جن میں نیک عمل بھی ہیں اور برے عمل بھی۔ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجیے جو انہیں پاک کرے گا اور ان کا تزکیہ کرے گا۔ اور ان کو دعا دیجیے۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور آپ فرما دیجیے کہ عمل کرتے رہو سو عنقریب اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی، اور عنقریب تم اس ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جسے چھپی ہوئی چیزوں کا اور کھلی ہوئی چیزوں کا علم ہے پھر وہ تمہیں جتا دے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے سے مؤخر کیا ہوا ہے۔ وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے

جو منافقین غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان چند مومنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی تو اور تکلیف میں ہیں ہمارے لیے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں، آپ کا جب ان کی طرف گزر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہٰذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کرونگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا﴾ (الآیۃ) نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مومن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزو اعظم

Marfat.com

ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ بھی کر لی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی ادائے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لیے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو برے عمل کے ساتھ ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی) ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہٰذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں۔[1]

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (اور آپ ان کے لیے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے) ﴿وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہرہ باطنہ جانتا ہے اس سے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کیے۔ اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کیے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے، جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیر اور زید بن اسلم نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے ان سب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگرچہ رہی یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا (کہ انہوں نے انہیں پہلے سے اشارہ کر کے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے) معالم التنزیل (ص ۳۲۳۔۳۲۴ ج ۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ اگرچہ چند خاص افراد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لیے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث رہتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سیئات کا کفارہ بھی بنتے رہتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرط اخلاص نیک اعمال نیکیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الا ما کان حابطا للاعمال)

پھر فرمایا ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (الآیۃ) اس کا شان نزول بتاتے ہوئے (در منثور ص ۲۷۵ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہوگئی جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا تو وہ پھر بے تکلف مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے اس پر منافقین نے کہا کہ کل تک تو یہ لوگ اسی حال میں تھے جس میں ہم ہیں نہ ان سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی شخص بیٹھتا تھا آج کیا ہوا (کہ سب مسلمان ان سے خوش ہیں اور ہم سے بدستور ناراض ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ نازل فرمائی (کیا انہیں پہلے معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے) اس میں منافقوں

[1] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہوگیا تو صدقہ کے آلہ تطہیر و تزکیہ ہونے کا کیا معنی؟ حکیم الامت قدس سرہٗ نے بیان القرآن میں اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اس کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقۃ تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت مندفع ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

کو جواب دے دیا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ کل تک یہ لوگ ہماری طرح سے تھے آج ان کی شان ہی اور ہے اور ہم سے مختلف ہیں اس میں تعجب اور اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے یہ پہلے سے مومن تھے اور اپنی بے عذر والی غیر حاضری پر نادم بھی ہوئے اور توبہ بھی کی اور صدقہ بھی دیا، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے طالب ہوئے اور تم وہی اپنے نفاق پر جمے ہوئے ہو تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اپنے کیے پر ندامت نہیں تو ان کے جیسے کس طرح ہو سکتے ہو۔

پھر فرمایا ﴿وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (اور آپ ان سے فرما دیجیے کہ عمل کیے جاؤ، اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور مومنین بھی دیکھ لیں گے) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا ہے کہ یہ وعید کے طور پر فرمایا ہے دنیا میں جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ کو تو بہرحال اس کا علم ہی ہے وہ ازل سے سب کچھ جانتا ہے۔ اور جب کوئی عمل کسی سے صادر ہو اس کے وقوع کو بھی جان لیتا ہے۔ نیز لوگوں کے اعمال مخلوق سے بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ جب جیسا کوئی عمل کرے گا اگر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہو گا تو آپ بھی اسے جان لیں گے اور مومنین کے سامنے جس کا جو عمل سامنے آئے گا وہ بھی اس سے واقف ہو جائیں گے اگر کوئی شخص برا عمل کرے تو بعض مرتبہ دنیا میں بھی اس کی ذلت اور خواری سامنے آ جاتی ہے۔ اور اس عمل پر دنیا کے عذاب میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔ ﴿وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (اور عنقریب ایسی ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر اور پوشیدہ تمام اعمال و اقوال اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ بتا دے گا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کے بعد آخرت کی پیشی بھی ہے وہاں محاسبہ اور مواخذہ ہے۔ منافق اپنے نفاق سے باز آ جائیں اور مومنین جن سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہ بھی آئندہ احتیاط رکھیں اور گناہوں سے پرہیز کریں۔

پھر فرمایا ﴿وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (اور جو لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے) اس آیت میں ان تین صحابیوں کا ذکر ہے جو بلا عذر تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے۔ انہیں اس پر ندامت بھی تھی اور سچائی کے ساتھ انہوں نے عرض کر دیا تھا کہ ہم واقعی بلا عذر رہ گئے۔ لیکن ان لوگوں کی طرح سے توبہ کے لیے پیش بھی نہ ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ یہ تین آدمی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بول چال کرنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے صحابہ کو منع فرما دیا تھا۔ جب ان کو یہ تکلیف بھاری پڑی اور زمین ان پر تنگ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کا تفصیلی واقعہ آئندہ رکوع کی آیت ﴿وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا
تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ
يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ
رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۚ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ

Marfat.com

قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾

اور جن لوگوں نے اس لیے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر اختیار کیے رہیں اور مومنین کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا انتظار کریں جس نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ کیا جس کی بنیاد اللہ کے ڈر اور خوشنودی پر رکھی گئی وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی گئی ہو جو گرنے والی ہے پھر وہ اسے لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ انہوں نے جو عمارت بنائی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ اِلّا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

منافقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (ص ۳۸۷ ج ۲) میں ان آیات کا شان نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے قبیلہ بنو خزرج میں سے ایک شخص (جسے ابو عامر کہا جاتا تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا۔ وہ راہب تھا اور عبادت گزار تھا۔ اس نے اہل کتاب سے علم بھی حاصل کر لیا تھا۔ قبیلہ بنی خزرج میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اور اسلام کا کلمہ بلند ہو گیا۔ تو اس ملعون کو بہت ہی ناگوار ہوا (جیسا کہ منافقین نے دشمنی کا مظاہرہ کیا) یہ مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گیا۔

وہاں اس نے مشرکین کو رسول اللہ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے لوگ دیگر قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لیے آ گئے اور اس کے نتیجے میں احد کا معرکہ پیش آیا کہتے ہیں کہ اسی لعین نے وہاں چند گڑھے کھود دیے تھے جس میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے تھے جو آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا سبب بنا۔ (جس کا ذکر سورۂ آل عمران کی تفسیر میں گزر چکا ہے) (انوار البیان ج ۱) جب احد میں مومنین، اور کافرین کا مقابلہ شروع ہوا تو ابو عامر اپنی قوم (یعنی انصار) کی طرف بڑھا اور ان کو اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے اسے بہت برا کہا اور اس سے کہا کہ تو اللہ کا دشمن ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس کا ساتھ نہیں دیا۔ تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل (ص ۳۶۲ ج ۲) میں لکھا ہے کہ ابو عامر (جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں آپ نے فرمایا میں ملت حنیفیہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت لے کر آیا ہوں۔ ابو عامر نے کہا ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہو اللہ اسے ایسی جگہ موت دے جہاں وہ تنہا ہو، پردیسی ہو، دور پھینکا ہوا ہو، اس پر آپ نے آمین فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی بددعا کے مطابق شام میں جا کر مر گیا۔ جہاں کوئی اس کی خبر لینے والا نہ تھا۔ معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ابو عامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جو لوگ بھی آپ سے جنگ کریں گے میں ان کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا۔ اس کے بعد وہ آپ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر آپ کے مقابلہ میں آتا رہا۔ اور غزوۂ حنین تک اس نے اس پر عمل کیا۔ جب حنین میں بنی ہوازن کو شکست ہو گئی تو یہ ناامید ہو گیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا، وہاں سے اس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو قوت اور ہتھیار جمع کر لو اور میرے لیے ایک مسجد بنا لو، میں قیصر کے پاس جا رہا ہوں جو روم کا بادشاہ ہے میں رومیوں کے لشکر لے کر آؤں گا اور محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ اس کا یہ پیغام آنے پر مسجد قباء کے قریب ہی مسجد ضرار بنائی گئی تھی۔

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی

Marfat.com

مشورہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جاسکتا تھا اس لیے ان لوگوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنالی جو مسجد قبا کے قریب تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے آپ اس میں نماز ادا فرمالیں اور مقصد ان کا یہ تھا کہ جب آپ اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک و شبہ نہ کرسکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لیے بنائی ہے تاکہ سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں، دور جانا نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کردی جائے گی۔ آپ تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ابھی ایک دن یا اس سے کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دے دی کہ یہ مسجد، مسجد ضرار ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر جمار ہنا اور مومنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آنے لگیں۔ اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جاسکے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ ابھی مدینہ منورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستہ ہی سے آپ نے بعض صحابہ کو بھیج دیا جنہوں نے مسجد ضرار کو آگ لگادی اور اسے گرادیا جن حضرات نے یہ کام کیا وہ مالک بن دخشم اور معن بن عدی تھے۔ بعض حضرات نے معن کے بھائی عامر بن عدی کا بھی نام لیا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم دے کر یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس کو کوڑا ڈالنے کی جگہ بنالیا جائے جس میں مردہ جانور اور بدبودار چیزیں ڈالی جایا کریں۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کے بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جب ان لوگوں کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا ﴿اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى﴾ (کہ ہم نے تو صرف خیر ہی کا ارادہ کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی، اور فرمایا ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اسلام اور مسلمان اور مسجد قباء کو ضرر دینا اور کفر پر جمے رہنا اور اہل ایمان میں تفریق ڈالنا اور اس شخص کے لیے سامان فراہم کرنا جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی یہ ان کے مقاصد ہیں جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اس سے ابو عامر مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا۔ ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ (آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں) خطاب تو آپ کو ہے لیکن مسلمان آپ کے تابع تھے اس لیے سب مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ پھر فرمایا ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر ڈالی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں) اس سے مسجد قباء مراد ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے سفر ہجرت میں بنایا تھا۔ سفر ہجرت کے بعد جب آپ نے چند دن قباء میں قیام فرمایا انہی دنوں میں یہ مسجد تعمیر فرمائی اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے آپ سوار ہو کر اور کبھی پیدل اس مسجد میں شہر مدینہ سے تشریف لایا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری و ن)

(اس وقت قباء شہر سے دور تھا راستہ میں جنگل پڑتا تھا آج کل مسلسل قباء تک اور اس کے بعد تک آبادی ہوگئی ہے) آپ نے جب یہ مسجد بنائی تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا کعبہ متعین کر کے بتایا تھا۔ اس مسجد کی یہ بھی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی ص ۴۷ ج ۱)

پھر فرمایا: ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (اس میں ایسے آدمی ہیں جو یہ پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ بہت پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابوایوب، حضرت جابر، حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب آیت شریفہ ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت بے شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی اور یہ تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے انہوں نے عرض کیا ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جنابت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی بات ہے لہٰذا تم اس کے پابند رہو۔ (رواہ ابن ماجہ

Marfat.com

المشکوٰۃ ص ۴۴ رواہ ابوداؤد ایضا باب الاستنجاء بالماء)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت کما بزار میں بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم پہلے پتھروں سے استنجاء کرتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف پتھروں سے بڑا یا چھوٹا استنجا کرے اور نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو (یعنی جتنی مقدار صحت صلوٰۃ کے لیے معاف ہے اس سے زیادہ نہ ہو) تو صرف پتھروں کے استنجاء پر اکتفا کر لینا درست ہے۔ عام طور سے اہل عرب پتھروں ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ قباء کے نمازیوں نے پتھروں سے استنجا کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کا طریقہ بھی اختیار کیا۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے پابند رہو۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر یا ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔ اہل قباء کی پاکیزگی کی تعریف فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ﴿ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ کہ اللہ خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ جو شخص بھی ناپاکیوں سے بچنے اور ان سے دور رہے اور ناپاکی کی لگ جائے تو اس کے دھونے کا اہتمام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو گا جب ظاہری ناپاکی سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے تو گناہوں سے بچنا تو اور زیادہ محبوبیت کا ذریعہ بنے گا کیونکہ باطنی ناپاکی زیادہ گندی ہے اس پر غور کر لیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر حضرت ابوالعالیہ نے فرمایا کہ پانی سے طہارت حاصل کرنا تو بلاشبہ اچھی بات ہے لیکن آیت میں گناہوں سے پاک ہونے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا ہے۔ درحقیقت الفاظ کا عموم ہر طرح کی تطہیر کو شامل ہے، اور گناہوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے اور ظاہری ناپاکیوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پھر فرمایا ﴿ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى ﴾ (الآیۃ) کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی کو ہو رہی ہو۔ پھر وہ عمارت اس بنانے والے کو دوزخ کی آگ میں لے کر گر پڑے۔ جس جگہ پانی بہتا ہو وہاں پانی زمین کو کاٹتا رہتا ہے اور جس کنارے سے کاٹتا ہے اس میں اندر کی جگہ کھوکھلی رہ جاتی ہے۔ اور اوپر سے ۔ م ہوتا ہے کہ دوسری جگہ کی طرح یہ جگہ بھی ط ہو گی لیکن چونکہ وہ اندر سے خالی ہو چکی ہوتی ہے اس لیے وہ تھوڑی دیر میں گر جاتی ہے اسی کو ﴿ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ﴾ فرمایا یعنی جن لوگوں نے اغراض باطلہ کفریہ کے لیے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اس کے لیے بقا نہیں ہے جیسا کہ پانی کی کاٹی ہوئی زمین اندر سے خالی ہونے کی وجہ سے جلدی گر جاتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کی یہ عمارت گرنے والی ہے وہ خود بھی گرے گی اور اس کے بنانے والے بھی گریں گے اور ان لوگوں کا گرنا دوزخ میں ہو گا۔ کیونکہ اعمال کفریہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ ﴿ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا انہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اور اس میں اپنی اغراض کفریہ داخل کر دیں۔ مسجد شعائر دین میں سے ہے انہوں نے اسے کفر کا مرکز بنایا ہدایت قبول کرنے کی بجائے گمراہی سے چپکے رہے۔

پھر فرمایا ﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ کہ انہوں نے جو یہ عمارت بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی کیونکہ جس غرض سے مسجد بنائی تھی پوری نہ ہوئی پھر وہ منہدم کر دی گئی، اور جلا دی گئی اور بنانے والوں کی رسوائی بھی ہوئی۔ یہ ان کے دلوں کا کانٹا ہے جو ہمیشہ چبھتا رہے گا۔ ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ﴾ مگر یہ کہ ان کے دلوں میں ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مر جائیں گے تو یہ دلوں کی کھٹک ختم ہو گی، نہ خود رہیں گے نہ کھٹک رہے گی۔ (البتہ آخرت میں جو عذاب ہو گا وہ اپنی جگہ مستقل ہے) ﴿ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ اور اللہ علم والا ہے اور حکمت والا ہے۔

فائدہ: جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کون سی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے ۔ م ہوتا ہے کہ اس سے مسجد مراد ہے۔ لیکن بعض روایات میں ہے کہ اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ صحیح مسلم (ص ۴۴۷ ج ۱) میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دونوں مسجدوں میں سے وہ کون سی مسجد

Marfat.com

ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ آپ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اوران کو زمین پر مار دیا اور فرمایا کہ مسجد نبوی یہ میری مسجد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی سے مسجد نبوی مراد ہے۔ محققین نے فرمایا ہے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں دونوں مسجدیں (مسجد قباء اور مسجد نبوی) آنحضرت ﷺ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے۔ اس میں اس کی نفی نہیں ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص دور حاضر میں تفریق بین المسلمین یا ریا ونمود کے لیے اور ضد کی وجہ سے کوئی مسجد بنا دے تو چونکہ اس کی نیت خیر نہیں اس لیے اس مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ وہ اپنی بری نیت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ لیکن چونکہ یقینی طور پر دلوں کا حال بندوں کو معلوم نہیں اس لیے اس کو گرانا اور جلانا جائز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق مسجد بنانے والے سے معاملہ فرمائے گا۔ اور اس مسجد کے آداب واحکام وہی ہوں گے جو دیگر مساجد کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ریا ونمود اور ضد وعناد کے لیے مسجد بنائے تو بہتر ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے تا کہ اسے رسوائی کی سزا مل جائے لیکن اگر کسی نے اس میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

فائدہ: شیطان بہت چالاک ہے۔ وہ اپنے لوگوں کو متعدد طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ دین اور اہل دین کے خلاف کسی کو کھڑا کرنا ہو تو دین سے متعلقہ چیزوں ہی کو سامنے لاتا ہے اور اسی کو ذریعہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسلام کے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ منافقین نے جو کفر اور نفاق اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی اور جنگی تیاری کے لیے مرکز بنایا اس کا نام انہوں نے مسجد تجویز کر دیا اور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تا کہ اس کے مسجد ہونے میں عامۃ المسلمین کو شبہ نہ رہے۔ اور جیسے خوشی کے ساتھ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اسی طرح ان کی اس مسجد ضرار میں نماز پڑھتے رہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ہماری دشمنی پوشیدہ رہے گی اور ہماری نیتوں پر پردہ پڑا رہے گا اور اپنے مقصد بد میں چپکے چپکے آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ اس کی سب سے پہلی کڑی شیعیت کی بنیاد ہے۔ جب یہود کو اسلام کی ترقی بہت زیادہ کھلنے لگی تو انہوں نے پیش رفت کو روکنے کے لیے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور خاص کر حضرات شیخین حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کاٹنے کے لیے ایک شوشہ چھوڑا۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد ماجد کی میراث نہیں دی گئی (ﷺ) چونکہ اس میں حضرت سیدہ فاطمہ کی ہمدردی سامنے رکھی گئی اس لیے بہت سے سیدھے سادھے لوگ ان کے جال میں پھنس گئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے میراث نہیں دی۔ جیسے مسجد ضرار والوں نے اپنے مرکز فساد کو مسجد کے نام سے موسوم کیا جو اسلامی شعائر میں سے ہے اسی طرح یہود نے اس موقع پر حضرت سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گے میت کو سامنے رکھ کر شیعیت کا آغاز کیا۔ ہر مسلمان کو آنحضرت سید عالم ﷺ کی آل اولاد سے قلبی تعلق ہے اس لیے اہل بیت کی ہمدردی اور غم خواری کا دم بھرنا سیدھے سادھے مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے کارگر ہو گیا۔

اس کے بعد شیعیت کے علم برداروں نے یہ نکتہ نکالا کہ حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق تھے انہیں خلافت نہیں دی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تمام مومنین کو محبت ہے اس لیے ان کی ذات کو سامنے رکھ کر یہودیوں نے اپنا کام اور آگے بڑھایا۔ پھر استاد یعنی یہودی خواہ الگ ہو گئے ہوں لیکن جن لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا ان کے اتنے زیادہ فرقے بنے کہ ان کا شمار بھی دشوار ہے۔ حتیٰ کہ ایک فرقہ حضرت علی کی الوہیت کا بھی قائل ہو گیا اور پھر طرح طرح کے فتنے اٹھے اور ہر جماعت کے قائد نے اپنے پیش نظر کوئی دینی بات ہی رکھی اور اپنے اوپر ایسا لیبل لگایا جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں (نام دین کا ہو اور کام کفر کا) دور حاضر میں ایسی بہت سی جماعتیں ہیں جن میں سے ایک جماعت نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے۔ یہ لوگ اپنے خیال میں قرآن کو اکابر اہل علم سے زیادہ جانتے ہیں۔ حالانکہ عربی کے صیغے بھی نہیں بتا سکتے اور کسی آیت کی ترکیب نحوی سے بھی واقف نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے خدمت قرآن کا لیبل لگا کر سامنے آئے ہیں جس کی وجہ سے احادیث شریفہ کی حجیت کے بھی منکر ہیں اور نمازوں کی فرضیت کے بھی اور ضروریات دین کو نہیں مانتے۔ ہیں کافر لیکن قرآن دانی کا دعویٰ

Marfat.com

کرتے ہیں اور سادہ مسلمانوں کو (جن کا علماء سے ربط نہیں ہے) قرآن کے نام پر اپنی گمراہی کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے اس لیے حبِ نبی کا نام سن کر بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کی جھوٹی محبت کا یہ عالم ہے کہ قرآن کو بھی جھٹلا دیتے ہیں اور رسول ﷺ کے ارشادات کو بھی نہیں مانتے۔ حب نبی ﷺ کا عنوان ان لوگوں کا ظاہری لیبل ہے جس سے عامۃ الناس کو متاثر کرتے ہیں اور اپنے ایجاد کردہ عقائد اور اعمال پر جمنے کے لیے قرآن و حدیث کی تصریحات کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک یہ بات ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بشر نہیں تھے۔ حالانکہ قرآن کریم میں آپ کو بشر فرمایا ہے آپ نے خود فرمایا کہ میں بشر ہوں لیکن یہ لوگ آیات اور احادیث کو نہیں مانتے اور عجیب بات یہ ہے کہ محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ یہ عجیب محبت ہے کہ جس سے محبت ہے اس کے ارشادات سے انحراف ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں مستشرقین نے ریسرچ کے نام پر پھیلا رکھی ہیں اور ان کے لیے نام نہاد مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں نام تحقیق کا اور کام اسلامیات سے منحرف ہونے کا اور دوسروں کا منحرف کرنے کا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من جمیع أھل الفتن۔

انگریزوں کو اپنے اقتدار میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان جہاد کے لیے کھڑے نہ ہو جائیں اس لیے انہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام ہی کی راہ سے جہاد کو منسوخ کرائیں۔ جہاد اسلام کا بہت بڑا عمل ہے۔ اپنے وفادار نام نہاد علماء سے منسوخ کراتے تو کون سنتا اس لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا پھر اس سے جہاد منسوخ ہونے کا اعلان کرا دیا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان جہاد کو منسوخ مان لیں گے۔ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مسلمان انگریزوں کے بنائے ہوئے نبی کو کافر قرار دیدیں گے۔ اور اس کی جھوٹی نبوت کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ بہر حال انہوں نے اپنا یہ حربہ استعمال کیا یعنی ایک شخص سے نبوت کا اعلان کرا کے جہاد منسوخ کرانے کی سعی لا حاصل کی۔ بہت سے لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں شرک اور بدعات میں مبتلا ہیں، عوام کو قبروں پر بلاتے ہیں، چڑھاوے چڑھواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے اس طریقہ کار کو غیر شرعی بتاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، ان لوگوں نے اولیاء اللہ کے ناموں کو جعل سازی اور کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس طرح کے بہت سے نعرے ہیں جو دشمنان دین، دین کے نام پر لگاتے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منھم۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ
اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ
الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ
الْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

بے شک اللہ نے مومنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کر دیے جاتے ہیں اس پر اللہ کا سچا وعدہ ہے جو توریت، انجیل اور قرآن میں ہے، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ یہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں۔ روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں۔ سجدہ کرنے والے ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دینے والے ہیں، اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور آپ مومنین کو

Marfat.com

خوشخبری سنا دیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے

معالم التنزیل (ص ۳۲۹ ج ۲) اور ابن کثیر (ص ۳۹۱ ج ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو چاہیں مشروط فرما لیں آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے اس بات کو مشروط کرتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے ہم اس معاملہ کو فسخ نہیں کریں گے اس پر آیت شریفہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی﴾ آخر تک نازل ہوئی۔ اس آیت میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے پھر بھی اس نے نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی راہ میں مقتول ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرما لیا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا وعدہ فرما دیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ توریت، انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کر لیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے اس پر خوشی منائیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطاء فرمایا تھا یعنی جان اور مال اسی کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی۔ جنت کے سامنے اس　الی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور ملا بے حساب وہ بھی دائمی ابد الآباد کے لیے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا ثامنهم الله عزوجل فاغلى لهم کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی، حضرت حسن نے فرمایا کہ اسعوا الى بيعة ربيحة یعنی نفع والی بیع کی طرف دوڑو جس کا معاملہ اللہ نے ہر مومن سے کیا ہے۔

آیت کریمہ میں ﴿فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ﴾ فرمایا کہ مومنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مومن کے لیے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اولاً کافروں کو قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہو جاتے ہیں۔ سورہ نساء میں فرمایا ﴿وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب ہو جائے تو ہم اسے عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے) مومن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ　۔ دنہ ہو　۔ دصرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گھر سے نکلا اور اس کا یہ نکلنا (کسی دنیاوی مقصد کے لیے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضا مندی کے لیے اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کو ثواب اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹا دے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی الموطا اول کتاب الجہاد)

مطلب یہ ہے کہ اگر شہید ہو گیا تو اس شہادت کی وجہ سے مستحق جنت ہو گیا اور اگر زندہ واپس آ گیا تب بھی نقصان میں نہیں۔ آخرت کا

Marfat.com

ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔ اور بعض مرتبہ اس ثواب کے ساتھ مال غنیمت بھی مل جاتا ہے۔ و هو في صحيح البخاري (ص ۳۹۱ ج ۱) تو كل الله للمجاهد في سبيله يتوفاه أن يدخله الجنه أو يرجعه سالماً مع أجر و غنيمة۔ (صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے ضمانت دی ہے کہ یا تو اسے شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا وہ صحیح سالم واپس لوٹے گا تو اجر اور مال غنیمت کے ساتھ ہیں)

فائدہ: جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ﴾ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے بھی جہاد مشروع تھا۔ یہ جو کہتے ہیں کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ و فيه دليل على أن أهل الملل كلهم أمروا بالجهاد على ثواب الجنة۔

مومنین کی صفات:

اس کے بعد مومنین کی صفات بتائیں اور یہ نو صفات ہیں۔

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ (توبہ کرنے والے) ﴿الْعٰبِدُوْنَ﴾ (عبادت کرنے والے) ﴿الْحٰمِدُوْنَ﴾ (حمد بیان کرنے والے) ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ (روزہ رکھنے والے) ﴿الرّٰكِعُوْنَ﴾ (رکوع کرنے والے) ﴿السّٰجِدُوْنَ﴾ (سجدہ کرنے والے) ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (بھلائیوں کا حکم دینے والے) ﴿وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (اور برائیوں سے روکنے والے) ﴿وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے)۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اور ایمان والوں کو بشارت دے دو)۔

اَلتَّآئِبُوْنَ کی ترکیب نحوی بتاتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی التائبون و من ذكر معهم هم اهل الجنة ايضاً یعنی جس طرح مجاہدین کے لیے جنت کا وعدہ ہے اسی طرح سے دوسرے اہل ایمان کے لیے بھی جنت کا وعدہ ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جہاد عام احوال میں فرض عین نہیں ہوتا۔ جب فرض عین نہیں ہے تو جو لوگ اس میں مشغول نہ ہوں گے دوسرے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہوں گے ان کے لیے بھی اللہ کی رضا ہے اور جنت ہے۔ اس جنت کی خوشخبری دینے کے لیے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اسی زمین میں بیٹھا رہے جس میں پیدا ہوا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سنا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار فرمایا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۱ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ جنت تو اپنے وطن میں بیٹھ کر اعمال صالحہ کرنے سے بھی ملے گی لیکن مجاہدین کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے سو درجات تیار فرمائے ہیں ان کی بھی طلب رہنی چاہئے اور جہاد میں شریک ہونے کے مواقع نکالنے چاہئیں۔

فائدہ: مومنین کی صفات بتاتے ہوئے جو اَلسَّآئِحُوْنَ بھی فرمایا ہے۔ اس کا معنی ایک تو وہی ہے جو اوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا یعنی روزہ رکھنے والے۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے

Marfat.com

مراد ہیں، کیونکہ یہ سَائح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے سیاحت کرنا یعنی سفر کرنا اور حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس سے طلبۃ العلم مراد ہیں جو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے وطن کو چھوڑتے ہیں اور سفر میں جاتے ہیں۔

حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے:

مومنین کے اوصاف میں ﴿وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ بھی فرمایا ہے یہ بہت بڑی صفت ہے اس میں اہل ایمان کی بہت بڑی ذمہ داری بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں اور دوسروں سے عمل کرانے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کریں ان حدود سے تجاوز نہ کریں۔ نہ حلال کو حرام قرار دیں نہ حرام کو حلال بتائیں نہ بدعتیں نکالیں نہ مستحبات کے ساتھ فرائض اور واجبات جیسا معاملہ کریں۔ اور نہ فرائض و واجبات کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو سورۂ بقرہ میں فرمایا ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں) تمام اعمال میں حدود کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

فائدہ: آیت کریمہ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ﴾ (الآیۃ) کے ساتھ سورۃ بقرہ کی آیت ﴿وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ کی تفسیر کی بھی مراجعت کرلی جائے۔ (ملاحظہ ہو انوار البیان جلد اول)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس لیے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے رحم دل برداشت کرنے والے تھے

مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت

صحیح البخاری (ص ۱۸۱ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب (آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا) ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لیے) اللہ کے حضور میں پیش کردوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو موجود تھے یعنی ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابوطالب سے کہتے رہے، کیا تم عبدالمطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو؟ بالآخر ابوطالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابوطالب کو موت آگئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ آخر تک نازل فرمائی۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں قیامت کے دن تمہارے لیے گواہی دوں گا تو اس پر ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لا الہ الا اللہ کا

Marfat.com

اقرار کرلیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور دین شرک پر ہی ان کی موت ہوگئی) چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے قلب میں ان کے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لیے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (سورۂ قصص رکوع ۶) نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرمادی۔ سو تم قبروں کی زیارت کرو وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا:

مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا ﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ﴾ (الآیۃ) (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس لیے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کرلیا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی، توحید کی طرف بلایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لیے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ آپ نے فرمایا ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا﴾ (سورۂ مریم رکوع ۳) (اب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں مذکور ہے۔ ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ (اور میرے باپ کو بخش دیجیے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ کہ جب ان پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہو گئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہوگیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیزاری کا اظہار کردیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اگر ﴿تَبَیَّنَ لَهٗ﴾ کا مطلب یہ لیا جائے جو حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے تو سورۂ شعراء میں جو ﴿كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجیے جو گمراہوں میں سے ہے۔ كَانَ اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا۔ اور چونکہ کافروں کی مغفرت نہیں ہوسکتی اس لیے دعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دعا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ﴾ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح ہوگیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آگئی تو انہوں نے بیزاری اختیار کرلی (کما ذکرہ فی الروح) اس صورت میں سورۂ شعراء میں جو ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ ہے اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ جب میں اپنا وطن چھوڑ کر چلا ہوں اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال ت م نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ م ہوگیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہرحال اب کسی کافر کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔ سورۂ ممتحنہ میں جو ﴿اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ﴾ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور ان کے ساتھی جو توحید اور اعمال میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ﴾ کہ بلاشبہ ابراہیم بڑے رحم دل تھے بردبار تھے۔ ان کے باپ نے بڑی سخت باتیں کیں انہوں نے حلم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ بھی فرمالیا۔ جب تک استغفار کے نفع کی امید تھی اس کے لیے استغفار کیا پھر

Marfat.com

جب یہ واضح ہو گیا کہ استغفار کرنا اس لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر سے کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہی ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لیے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما دیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بھی بخشش نہ ہو گی تو اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا یوں ہی بے سود ہے۔ ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرمادی گئی تو آگے اور کسی کے لیے اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔

بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مر جاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا بعض لیڈر اور رؤساء، وزراء ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ نماز پڑھا دیتے ہیں اور اسے روا داری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہو سکتی ہے (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحافی کفریہ عقیدہ والوں کی موت کے بعد "مرحوم" لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گئی یا اس پر رحمت ہو جائے یہ روا داری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو واضح طور پر بیان نہ فرما دے جن سے وہ بچتے رہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے بے شک اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہیں

کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے جنہوں نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے مشرکین کے لیے استغفار کیا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اہل ایمان کی مذمت اور مواخذہ فرمائے کہ تم نے مشرکین کے لیے استغفار کیوں کیا جبکہ یہ استغفار کرنا ممانعت نازل فرمانے سے پہلے تھا، جن لوگوں نے استغفار کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو گمراہی قرار نہیں دے گا۔ ہاں جب بات واضح طور پر بیان کر دی گئی تو اس کی خلاف ورزی باعث مذمت اور سبب مواخذہ ہو گی ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے) وہ جانتا ہے کہ کس نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے کوئی عمل کیا اور کس نے ممانعت نازل ہونے کے بعد خلاف ورزی کی۔

جن کاموں پر گرفت ہو سکتی ہے وہ کام وہی ہیں جن کی پہلے اللہ جل شانہٗ کی طرف سے واضح طور پر ممانعت کر دی جاتی ہے۔ اس کو ﴿حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ میں بیان فرمایا ہے۔ ممانعت کے بعد جب بندے خلاف ورزی کرتے ہیں تو مذمت اور مواخذہ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الآیۃ) (بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں (ص ۳۹۶ ج ۲) ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں۔ اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور رؤساء کفر سے قتال کرو اور اللہ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو۔ اللہ تمہارا مولیٰ اور مددگار ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

بلاشبہ اللہ نے نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے اس کے بعد تنگی کے وقت نبی کا ساتھ دیا جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ وہ ان پر مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے، اور اللہ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ رجوع کریں بے شک اللہ خوب توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جب کہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا

تاب یتوب کا اصل معنی رجوع کرنے کا ہے بندہ اللہ کی طرف گناہ کے بعد رجوع کرتا ہے اس لیے اسے تائب اور تواب کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ مہربانی فرماتا ہے اسی لیے لفظ تواب اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا، توبہ کی توفیق دینا۔ توبہ کو قبول فرمانا۔ معاملہ میں آسانی فرما دینا، تاب اللہ علیہ اس سب کو شامل ہے۔ قال صاحب القاموس تاب اللہ علیہ وفقه للتوبة ورجع به من التشدید الی التخفیف اَو رجع علیه بفضله و قبوله و هو توّاب علی عبادہ۔ (صاحب قاموس کہتے ہیں تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کر دی یا اپنے فضل وقبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لیے تواب ہے)۔

لفظ تَابَ کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور ان مہاجرین وانصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت کی اور گناہ کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی، تَابَ کے مفہوم میں فضل فرمانا۔ معاملہ میں آسانی دینا، توبہ کی توفیق فرمانا یہ سب کچھ آتا ہے۔ اس لیے تَابَ کا ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی جو تعریف فرمائی (کہ ان لوگوں نے سختی کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا اتباع کیا) یہ کون سی سختی تھی اور کیا مصیبت تھی اس کے بارے میں تفسیر وحدیث اور سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ایک بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں ابھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں

Marfat.com

پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھری کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے پیٹ پر رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ آپ نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ بارش ہونی شروع ہوگئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ذکرہ الهیثمی فی مجمع الزوائد ص ۱۹۴ ج ۲ و قال رواہ البزار و الطبرانی فی الأوسط و رجال البزار ثقات)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضرات شرکت کرنے کے لیے گئے تھے ان کے پاس سواریاں بھی بہت کم تھیں ایک اونٹ پر دس افراد نمبروار سوار ہوتے تھے اور ان کے پاس توشہ یعنی سفر کا جو سامان تھا وہ ایسی کھجوریں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جو پرانی کھجوروں میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ جو تھے جن میں بدبو پیدا ہوگئی تھی جو تھوڑی بہت کھجوریں تھیں وہ بھی ختم ہوگئیں تو کھجور کی گٹھلی کو چوس کر اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔ سات سو کلومیٹر کا یک طرفہ سفر، سخت گرمی اور سفر کی تکلیف کا یہ عالم! انہیں حالات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی۔ تمام مخلصین صحابہ حکم سنتے ہی تیار ہوگئے البتہ بعض لوگوں کو جو تھوڑا سا کچھ تردد ہوا بعد میں وہ بھی ساتھ ہوگئے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانثاری اور فداکاری کو دیکھئے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ اور روافض کو دیکھئے جو انہیں کافر کہتے ہیں۔ ھداھم اللہ تعالیٰ۔

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے۔ اور غزوہ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے یہ حضرات کعب بن مالک ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ ﴿وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہو چکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا بہت زیادہ دشوار اور دوبھر ہوگیا۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور اوپر مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئے تھے جن کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالک کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب المغازی (ص ۶۳۴ ج ۲) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے زیادہ فکر لاحق ہوگئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کر دوں گا۔ اور اپنے گھر والوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال تھا وہ بالکل ختم ہوگیا اور میں نے یہ طے کر لیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہوگئے تو وہ لوگ آگئے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور ان کے لیے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔

حضرت کعب نے بیان کیا میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ ۔۔۔ ءائے جیسے کوئی غصہ والا شخص ۔۔۔ شما تا ہو پھر فرمایا آجا،

Marfat.com

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا واقعی میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی اُمید رکھتا ہوں، اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقعہ پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لیے انہوں نے اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کیے اور پھر رسول اللہ ﷺ کا استغفار فرمانا تمہارے لیے کافی ہو جاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا ہے اور ان کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو ان کا حال ہو گا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لہٰذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی، آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لیے آپ ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا۔ لیکن میرے جو دو ساتھی تھے وہ تو بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے یہ نسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں ضعیفوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والا ہے) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور

Marfat.com

کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہٰذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آ گئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ ہلال بن اُمیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لیے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سنی جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ یہ آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمالی۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سنادی۔ اس شخص کی آواز گھوڑ سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگر چہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لیے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارکبادی دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی۔ میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ (وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر سبھی اٹھتے تو مسجد نبوی جو سکون واطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے (کمافی حاشیۃ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپ کا چہرہ انور ایسا روشن ہو جاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے خرچ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیبر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مبتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج

Marfat.com

تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ سے لے کر ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت کعب نے یہ بھی فرمایا کہ نعمت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہو گئے۔

فوائد ضروریہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) مومن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے۔ اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔ منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں جانیں چھڑا لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مومنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا اعلان فرما دیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتی ہے۔ اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۲) امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آ جائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

(۳) بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ تو ہم تمہاری قدر دانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

(۴) حضرت کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے، جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

(۵) جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہ جو حضرت کعب بن مالک کے چچازاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

(۶) جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہ نے کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلدی سے بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو اسے بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

(۷) پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوق در جوق ان سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں رہے یہ مبارک بادی توبہ قبول ہونے پر تھی، تو معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اسے مبارک بادی دینا چاہئے۔

(۸) جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعب پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک بادی دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک بادی کے ساتھ عملی طور پر مبارکباد دینا بھی مستحب ہے۔

(۹) آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ

Marfat.com

اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لیے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لیے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے۔ حضرت کعب نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے بطور صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوٰۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

(۱۰) حضرت کعب نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے [illegible] م ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آ جائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کر دینا تا کہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعب کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی، اس لیے جتنا مال روک لیا تھا۔ اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

(۱۱) جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعب نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لیے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم

اوپر کی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت کعب اور ان کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ ہی کی وجہ سے نجات ہوئی (جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے) اس آیت میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لیے عامۃ المسلمین کو حکم فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ حاصل ہونے کا ایک طریقہ بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ عربی میں صادق سچے کو کہتے ہیں اور سچائی کو صدق کہتے ہیں۔ دین اسلام میں صدق کی بہت بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی ایمان، اقوال اور اعمال سب میں ضرورت ہے۔ اس کی ضد کذب یعنی جھوٹ ہے۔ جھوٹ سے دین اسلام کو بہت سخت نفرت ہے۔ اور اس کی شدید ممانعت ہے۔

مومن بندہ پر لازم ہے کہ ان وعدوں میں سچا ہو جو وہ مخلوق سے کرتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جو رہنا سہنا ہو اس میں بھی سچائی کو سامنے رکھے۔ اگر سچائی پیش نظر نہ رہے تو جھوٹ بولے گا اور دھوکہ دے گا۔ سورۂ زمر میں فرمایا ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی سو یہ لوگ تقویٰ والے ہیں) اس میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفت تقویٰ سے متصف بتایا ہے۔ سورۂ حجرات میں فرمایا ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (بلاشبہ مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں) اس میں یہ بتا دیا

Marfat.com

ایمان میں سچائی ہونا لازم ہے۔ اگر دین کی کسی بات کو نہ مانا یا عقائد دینیہ کے کسی عقیدہ میں شک کیا گو وہ لوگوں کے سامنے بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے مومن سمجھا جائے گا لیکن اللہ کے ہاں مومن نہ ہوگا کیونکہ اس کے ایمان میں سچائی نہیں ہے پھر عملی طور پر بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھانا لازم ہے۔ اللہ کی راہ میں مالوں سے، جانوں سے جہاد کریں اور یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے پوری سچائی کے ساتھ ہو۔ اللہ کی خوشنودی کے لیے نہ جان جانے کی پرواہ ہو نہ مال خرچ ہونے سے نفس میں کوئی خلش اور چبھن محسوس ہوتی ہو۔

جو بھی عمل کریں اس میں نیت کی سچائی ہو یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ بندوں کو معتقد بنانا ان سے تعریف کروانا اعمال صالحہ کے ذریعہ دنیا طلب کرنا اور شہرت کے لیے علم حاصل کرنا　مادنہ ہو۔ جیسی عبادت مخلوق کے سامنے کرے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو، ایسی ہی عبادت تنہائی میں کرے۔ ایسا نہ کرے کہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز اور اچھی نماز پڑھے اور تنہائی میں نماز پڑھے تو جلدی جلدی نمٹا دے نہ رکوع سجدہ ٹھیک ہو نہ تلاوت صحیح ہو نہ خشوع و خضوع ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندہ ظاہر میں نماز پڑھتا ہے اور اچھی نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں نماز پڑھتا ہے تب بھی اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هٰذَا عَبْدِيْ حَقًّا﴾ کہ سچ مچ یہ میرا بندہ ہے۔ (رواہ ابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۵۵)

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو بزرگ سمجھے جاتے تھے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ بادشاہ کے مہمان ہوئے وہاں انہوں نے نماز پڑھی اور کھانا کم کھایا، جب واپس گھر آئے تو اہل خانہ سے کھانا طلب کیا۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان نماز بھی دوبارہ پڑھیئے، کیونکہ جیسے وہاں کھانا کم کھانا اللہ تعالیٰ کے لیے نہ تھا ایسے ہی آپ کی نماز بھی اللہ کے لیے نہ تھی۔

جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو اسے ظاہر سے اور باطن سے اللہ ہی کا بندہ بننا لازم ہے۔ زبان سے اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور عملی طور پر دنیا کا بندہ، خواہشوں کا بندہ۔ دینار اور درہم کا بندہ۔ یہ شان عبدیت کو زیب نہیں دیتا، دعوائے بندگی میں سچا ہونا لازم ہے۔

جب دعا کرے تو دعا میں بھی سچائی ہونی چاہیے یعنی جب یوں کہے کہ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر حقیقی سوالی بن کر سوال کرے۔ زبان سے دعاء کے الفاظ جاری ہیں لیکن دل غافل ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں؟ یہ سچ اور سچائی کے خلاف ہے۔ جب اللہ سے مغفرت کی دعا مانگے تو سچے دل سے حضور قلب کے ساتھ مغفرت طلب کرے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو یوں کہہ رہا ہے کہ میں مغفرت چاہتا ہوں لیکن دل اور کہیں لگا ہوا ہے۔ یہ صدق اور سچائی کے خلاف ہے۔ اسی لیے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ کہ ہمارا استغفار کرنا بھی صحیح استغفار نہیں ہے۔ اس کے لیے بھی استغفار کی ضرورت ہے (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن) اگر قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے اور سچی قسم کھائے آئندہ کسی عمل کے کرنے پر قسم کھائی تو قسم پورا کرے (شرط اس میں بھی وہی ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو)۔ جب کسی نیک کام کرنے کا ارادہ اور وعدہ کرے تو سچا کر دکھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس کا انہیں بہت رنج ہوا، کہنے لگے کہ افسوس ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار مشرکین سے جنگ کی اور اس میں شریک نہ ہوا۔ اگر اللہ نے مجھے مشرکین سے قتال کرنے کا موقعہ دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ آئندہ سال جب غزوۂ اُحد پیش آیا اور اس میں مسلمان شکست کھا گئے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ میں مشرکین کے عمل سے برأت ظاہر کرتا ہوں اور یہ جو مسلمانوں نے شکست کھائی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے اُحد سے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور مشرکین سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم میں تلواروں اور نیزوں کے اسی سے کچھ اوپر زخم تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ﴾ (مومنین میں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن نضر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص ۱۹۴ ج ۵) و عزاہ الی الترمذی و النسائی و البیہقی

Marfat.com

فی الدلائل۔ و رواہ البخاری مختصراً ص ۶۰۵ ج ۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے ان کو مقتول پڑا ہوا دیکھا اور آیت ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ تلاوت فرمائی۔ (درمنثور ص ۱۹۱ ج ۵ عن الحاکم والبیہقی فی الدلائل)

جو شخص عالم نہ ہو وہ طرز ، سے یہ ظاہر نہ کرے کہ میں عالم ہوں۔ اگر کوئی شخص عالم بھی ہو اور مسئلہ معلوم نہ ہو تو اٹکل سے مسئلہ نہ بتائے کیونکہ اس میں اس کا دعویٰ ہے کہ میں جانتا ہوں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے پھر اٹکل سے بتانے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور سوال کرنے والے کو بھی دھوکہ دینا ہے اور گمراہ کرنا ہے۔

اگر کسی کے پاس مالی یا علم وعمل کا کمال نہ ہو تو اپنی حقیقی حالت کے خلاف ظاہر نہ کرے، کیونکہ یہ صدق وسچائی کے خلاف ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوتن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اسے جلانے کے لیے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱ از بخاری و مسلم) کہ جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لیے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے دعویداروں کو شامل ہے۔ سچ اور جھوٹ اقوال میں منحصر نہیں، اعمال واحوال اور لباس اور دعاوی اور عزائم ان سب میں سچ اور جھوٹ کی شان پیدا ہو جاتی ہے ہر مومن بندہ اپنی نگرانی کرے اور سچ ہی کو اختیار کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے بچے۔ اصلاح بین الناس یا بعض دیگر مواقع میں جو جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، وہ مستثنیٰ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۱) جب بولو تو سچ بولو (۲) وعدوں کو پورا کرو

(۳) جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔ (۴) اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو۔

(۵) اپنی نظروں کو نیچا رکھو۔ (۶) اپنے ہاتھوں کو (ظلم وزیادتی سے) بچائے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے میری والدہ نے کہا آ میں تجھے دے رہی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا آپ نے فرمایا اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو راضی کرنے کے لیے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ان سے جو وعدہ کریں وہ بھی سچا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بےشک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گنہگاری کی طرف لے جاتا ہے اور گنہگاری دوزخ میں لیجاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لیے فکرمند رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ڈر نہیں۔

(۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی

(۳) اخلاق کی خوبی (۴) لقمہ کی پاکیزگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

Marfat.com

صادقین کی مصاحبت

ابھی صدق کی فضیلت اور اہمیت اور اس کے مقابل جو صفت کذب ہے اس کی مذمت اور شناعت وقباحت رقم ہوئی۔ حضرات مفسرین کرام نے ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کا ایک مطلب تو یہ بھی لکھا ہے کہ کونوا مثلھم فی صدقھم جو لوگ صادقین ہیں انہیں کی طرح ہو جاؤ یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمان واعمال واقوال میں صادقین کی راہ پر چلو اور جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس کی مناسبت سے یہی معنی زیادہ اظہر ہیں۔ کیونکہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے وہ ان کے ساتھ عمل صدق میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں جو اچھوں کی صحبت اٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی اور اس کا نفس برائیوں سے مانوس ہو جائے گا اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَ لَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ﴾ صرف مومن کی صحبت اختیار کرو اور تیرا کھانا (یعنی طعام ضیافت) متقی کے سوا کوئی نہ کھائے (رواہ الترمذی)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ اس کی دوستی کس سے ہے (رواہ الترمذی) (اگر اچھے لوگوں سے دوستی ہے تو اچھا آدمی ہے اور برے لوگوں سے دوستی ہے تو سمجھ لے کہ تو برا آدمی ہے)۔

پس ہر شخص کو معاشرت کے لیے اٹھنے بیٹھنے کے لیے مسافرت کے لیے اور مصاحبت کے لیے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جس کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سچوں کے ساتھ ہونے میں تقویٰ کا حکم دینے کے بعد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا۔ اپنے لیے بھی صادقین اور صالحین کی مصاحبت کا فکر کریں اور اپنی اولاد کے لیے بھی اسی کو سوچیں، صادقین کے ساتھ بھی رہیں ان کی کتابیں بھی پڑھیں۔ کتاب بھی بہترین ساتھی ہے مگر کتاب اچھی ہو۔ اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مدینے والے اور ان کے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لیے یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنی جانوں کو لے کر بیٹھ جائیں، یہ اس وجہ سے کہ انہیں جو بھی کوئی پیاس یا تھکن یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے اور دشمن سے جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی وجہ سے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور وہ لوگ جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچہ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

Marfat.com

فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ

رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیارے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔ غزوات میں خود تشریف لے جاتے تھے تمام تکلیفوں میں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے لیے کوئی آرام کی صورت نکالی ہو اور اپنے صحابہ کو تکلیف میں چھوڑ دیا ہو ایسا ہرگز کبھی نہیں ہوا آپ ہر تکلیف میں شریک تھے بلکہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ محنت کرتے تھے، تکلیف اٹھاتے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص خواہ اہل مدینہ میں سے ہو خواہ آس پاس کے رہنے والے دیہاتیوں میں سے ہو کسی کے لیے یہ کہاں روا ہو سکتا تھا کہ آپ غزوہ میں چلے جائیں اور خود اپنی جان کو عیش و آرام اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں لیے ہوئے بیٹھا رہے۔ ایمانی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ سب آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں البتہ جو معذور تھے وہ ساتھ نہ جائیں تو یہ دوسری بات ہے جو لوگ غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ جانے سے بچھڑ گئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ انہیں اور تمام صحابہ کو متنبہ فرما دیا کہ اللہ کے نبی کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہ جانا ایمان تقاضوں کے خلاف ہے ہاں جسے رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اپنی جانب سے مدینہ طیبہ کا امیر بنا دیا تا کہ آپ کے پیچھے انتظام سنبھالے (یہ محمد بن مسلمہ اور ایک قول کے مطابق سباع بن عرفطہ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر اپنا خلیفہ بنا دیا تھا) یا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا (یہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ تھے) یا جو حضرات معذورین تھے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آیت شریفہ کا سیاق اور طرز بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد میں جائیں تو کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ آپ کے پیچھے رہ جائے اسی لیے بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جہاد کرنا فرض عین تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے۔ جب مسلمان تعداد میں زیادہ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (کما ذکرہ فی الروح)

جو تین حضرات مومنین مخلصین میں سے پیچھے رہ گئے تھے ان کا واقعہ تفصیل سے چند صفحات پہلے گزر چکا ہے پیچھے رہ جانے والے مخلصین میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین بھی برے دل سے ساتھ لگ لیے تھے، پھر وہ راستہ سے واپس ہوتے رہے۔ راستہ سے واپس ہونے والوں میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے۔ سخت گرمی اور دھوپ کی وجہ سے یہ بھی راستہ سے واپس آ گئے تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ واپس آئے تو دیکھا کہ باغ میں دو چھپروں کے نیچے ان کی بیویوں نے پانی چھڑک رکھا ہے اور کھانا تیار کر رکھا ہے۔ ابھی دروازہ ہی میں کھڑے تھے کہ اپنی دونوں بیویوں اور انہوں نے جو کچھ تیار رکھا تھا اس سب پر نظر پڑی اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ تو سخت گرمی میں ہیں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں ہے اس کے لیے کھانا حاضر ہے اور اس کی خوبصورت بیوی سامنے موجود ہے یہ انصاف کی بات نہیں۔ اللہ کی قسم میں ان میں سے کسی ایک چھپر میں بھی داخل نہ ہوں گا۔ میں روانہ ہوتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہوں۔ دونوں بیویوں نے سفر کا سامان تیار کیا انہوں نے اپنا اونٹ لیا اور روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تبوک میں پہنچ چکے تھے انہوں نے آپ کو وہیں جا کر پایا ابھی یہ دور ہی تھے کہ حاضرین نے کہا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوخیثمہ ہے۔ چنانچہ یہ تھوڑی دیر میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوخیثمہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا قصہ سنایا اور آپ نے ان کے لیے خیر کی دعا فرمائی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو ساتھ ہی چلے تھے لیکن ان کا اونٹ رفتار میں کمزور تھا، وہ پیچھے رہ گیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا سامان اپنی کمر پر لادا پھر پیدل ہی چل دیئے اور راستہ ہی میں ایک منزل پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۷، ۸ ج ۵)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کا ایمانی تقاضا تو تھا ہی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اجر وثواب کا بھی وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ﴾ (الآیتین) یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو جو بھی پیاس، تھکن اور بھوک اللہ کے راستہ میں پہنچتی ہے اور جہاں بھی قدم رکھتے ہیں جس سے دشمنوں کو جلن ہوتی ہے اور دشمنوں کو جو کچھ تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہ سب ان کے

Marfat.com

اعمال صالحہ کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

نیز جو بھی کوئی خرچ کریں چھوٹا ہو یا بڑا اور جس میدان کو بھی قطع کریں تو یہ سب لکھا جاتا ہے۔اور یہ لکھنا صرف لکھنے کے لیے نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اچھے سے اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ صرف جنگ کرنا اور ہتھیار چلانا ہی جہاد نہیں ہے اس راہ میں جو تکلیفیں آنے جانے میں پیش آئیں بھوک، پیاس، دکھن، قدم اٹھانا، خرچ کرنا وادیوں کو قطع ان سب میں ثواب ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کے دل جلانے کے لیے بھی نیت رکھنی چاہئے۔ان کے دل جلانے میں بھی ثواب ہے۔غزوہ تبوک میں تو قتال ہوا ہی نہیں، آنا جانا اور تکلیف اٹھانا ہی تھا۔اس پر بھی اجر و ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پورے سفر میں تمہارے ساتھی تھے تم جو بھی راستہ چلے اور جس میدان کو بھی تم نے قطع کیا وہ لوگ تمہارے ساتھ ہی رہے۔(یعنی اجر و ثواب میں وہ بھی تمہارے برابر کے شریک ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھی تھے، وہ عذر کی وجہ سے رک گئے تھے۔(صحیح بخاری ص ۶۳۷ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے عمل پر بھی ثواب اور نیت کرنے پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔جو شخص معذور ہو اور عمل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اس کو بھی ثواب سے نواز دیا جاتا ہے۔فالحمدللہ العلی الکبیر۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور مومنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، کیوں نہ نکلی چھوٹی جماعت ہر بڑی جماعت میں سے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرائیں۔جب کہ وہ ان کے پاس واپس آجائیں

جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت

دین اسلام کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے۔انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اعتقادیات بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی، معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی، بیاہ شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی، مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نیچا دکھانے کا اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے جہاد اور قتال بھی مشروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔جسے حدیث شریف میں چوٹی کا عمل بتلایا ہے (ذروۃ سنامہ الجہاد) لیکن اگر سارے ہی افراد جہاد میں لگ جائیں تو تعلیم و تعلم کا کام کون کرے جس کے ذریعہ علم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں:

اس لیے عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے۔فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوا بول دیں۔عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔پس جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ کا جاننا، اور پہنچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کے لیے ہر ہر فرد نکل کھڑا ہو، اسی کو فرمایا ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً﴾ (الآیۃ) کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا

Marfat.com

کرے۔ اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا ہے۔

تفقیہ اور تفقہ کی ضرورت:

جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ دینی سمجھ حاصل کریں۔ یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے۔ جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگے رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ فقہ فی الدین حاصل ہونا ضروری ہے۔ علوم کی وسعت بھی حاصل ہو اور علوم کی گہرائی میں اتریں، تاکہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں اور جو لوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آ کر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ علم دین سے نابلد رہیں۔ اگر جاہل محض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تعمیل نہ کر سکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آ جائیں تو وہ جو حضرات علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرائیں یعنی دینی احکام سکھائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہیں۔ اسی کو فرمایا ﴿لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ جہاد میں جانے والے نوبت بہ نوبت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آ جائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لیے جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور ان کی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جایا کرے۔ جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آ جائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

بطور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا (مطبوعہ مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا، قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کیے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف و نحو، معانی و بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن و حدیث کا فہم موقوف ہے۔ اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو ملحدین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں گے اور قرآن و حدیث کے مفاہیم اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا، نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو سیکھنا اور یاد رکھنا، طہارت و نجاست کے مسائل جاننا، اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جو لوگ زراعت میں صنعت و حرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو ان پر فرض عین ہے تاکہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کھائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمانے میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر کے گنہگار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام ت م کریں۔ جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل یم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں بیوی کے حقوق کا پتہ، نہ اولاد کی تعلیم و تادیب کی خبر، نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر، نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔

فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا معرفة النفس مالها و ما عليها کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دنیا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسئول ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں، جن کا انجام دینا میرے ذمے لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ان سب کو جانے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔ اس

Marfat.com

میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافذ کرنا آ گیا۔ درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے۔ اور ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ کے مفہوم میں یہ سب احکام و مسائل آ جاتے ہیں احکام و مسائل کا جو علم ہے اور جو امور روح قلب اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں فقہ ان سب کو شامل ہے۔

حضرت حسن سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا، سائل نے کہا دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا انما الفقیه الزاهد فی الدنیا، الراغب فی الاخرة، البصیر بدینه المداوم علی عبادة ربه الورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالهم الناصح لجماعتهم۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی ان کی غیبتیں نہ کرتا ہو۔ ان پر تہمت نہ دھرتا ہو) ان کے مالوں سے دور رہتا ہو، اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو۔ (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۱)

تفقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے، جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ کہ اے اللہ اسے تفقہ فی الدین نصیب فرما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تفقهوا قبل اَن تُسَوَّدوا یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو سرداری سپرد کی جائے یعنی نوعمری ہی سے فقہ میں لگنا چاہئے۔ (صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱)

جو حضرات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی تفقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاح قلوب اور تزکیہ نفوس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور امت کی اصلاح کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی تفقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہیں اسے تفقہ فی الدین سے نواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کر لیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناسخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہو اس کے رفع کرنے کے لیے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار و اعلم أن تعلم العلم یکون فرض عین وهو بقدر ما یحتاج لدینه و فرض کفایة و هو ما زاد علیه لنفع غیره و مندوبا و هو التبحر فی الفقه و علم القلب، و حرام و هو علم الفلسفة و الشعبدة و التنجیم و الرمل و علوم الطبعیین و السحر و الکهانة اهـ۔ قال الشامی فی حاشیة قوله علم القلب أی علم الاخلاق و هو علم یعرف به انواع الفضائل و کیفیة اکتسابها و أنواع الرذائل و کیفیة اجتنابها۔ (صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ جان لے! ایک علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کے لیے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے سے نفع کے لیے اور ایک مندوب ہے اور یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا عمل ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ، شعبدہ بازی، نجوم، رمل مادہ پرستی کا علم اور جادو و کہانت کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے)۔ (ردالمحتار ص ۳۰ ج ۱)

فائدہ: لفظ لِيَتَفَقَّهُوْا باب تفعل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ تفقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لِيُنْذِرُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد اور انذار ہونی چاہئے یعنی امور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے۔ اور متعلم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس کے دل میں خوف و خشیت ہو، وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف و خشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ

Marfat.com

بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی سننہ ص ۸۵ ج ۱)

چونکہ لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ کے بعد ﴿وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ﴾ بھی فرمایا اس لیے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی، ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ (یہ حضرات صحابہ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے تاکہ وہ تفقہ فی الدین حاصل کریں۔ سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اس کی وصیت کرتا ہوں۔ راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے مَرْحَباً بوصیة رسول الله ﷺ۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں (رواہ ... ن ص ۳۰۷) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی سمجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

فقیہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزار عابدوں سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان کے مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اسے آسانی سے ورغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہو وہ شیطان کے داؤ گھات مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم و فقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اسے دوسروں تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵)

اس حدیث سے ...م ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا، جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ ان مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں، اور احادیث کی عبارات اور سیاق کلام، طرز بیان، وجوہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کو نہیں ملتیں جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کو کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو ...موم ہو گیا کہ دین اسلام میں تفقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود ہی عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ عربی جانتے ہیں نہ صرف و نحو سے واقف ہیں۔ نہ وجوہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت و بلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پر حاوی ہیں۔ حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار

Marfat.com

ہیں۔ اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی لپیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لیے چند سوال رکھے ہیں۔ عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کر لیں کہ مُتَمَنِّی کیا صیغہ ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروفِ محذوفہ اور زائد بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ یَخِصِّمُوْنَ اور ﴿اَمْ مَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ﴾ اور وَادَّکَرَ کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے اور یہ بھی واضح کریں کہ فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ اور فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم، فعل حروف کیا کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب ومبنی کی تعیین بھی کرتے چلیں؟

اجتہاد، استنباط اور تفقہ کوئی حلوہ کا لقمہ نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے مجتہد اور فقیہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دور حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے امت کو محفوظ رکھنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی یہ اس بنیاد پر ہے کہ لِیَتَفَقَّهُوْا اور وَلِیُنْذِرُوْا کی ضمیر اس جماعت کی طرف راجع ہو جو جہاد کے لیے نکلنے والوں کے ساتھ نہ گئے اور گھروں میں رہ گئے اور ان کا یہ رہنا اس لیے ہے کہ علم دین حاصل کریں اور مجاہدین واپس ہوں تو ان کو علم سکھائیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے لِیَتَفَقَّهُوْا اور وَلِیُنْذِرُوْا کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لیے سفر کرنے والے مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لیے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لیے بھی اہل ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔ پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے لیے باہر نہ گئے تھے۔ یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے۔ وہ وہاں کی چیزوں سے منتفع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آکر بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ان کی پریشانی دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلانا اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے لِیَتَفَقَّهُوْا اور وَلِیُنْذِرُوْا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رخ بھی اختیار کیا جائے ہر حال میں آیت شریفہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایک جماعت کا تفقہ فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو علمی باتیں بتائیں، اوامر ونواہی سے آگاہ کریں تاکہ قوم کے افراد گنہگاری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔ انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اسلام کے تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ علوم قرآن کریم میں اور احادیث شریف میں کتب تفسیر میں شروح حدیث میں۔ فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں۔ پوری اُمت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علماً وعملاً محفوظ رکھے۔ ان علوم کی تعلیم وتدریس ہوتی رہے۔ خود بھی پڑھیں۔ اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں۔ اور تمام مسلمانوں کے لیے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو سکیں۔ اس میں کتابیں لکھنا بھی ہے مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے۔ بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے مدارس قائم کیے جن کے نصاب سے کتاب الجہاد اور کتاب العتاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہٰذا ان کے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب کبھی حالات پلٹا کھائیں گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقعہ آجائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقعہ نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر کیسے عمل ہو گا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو اُمت ہی کا قصور ہے نہ جہاد چھوڑتے جو فرض کفایہ ہے نہ یہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد واحکام استرقاق کو نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ
رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ
مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ
هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾

اے ایمان والو! ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے، اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا، سو جو لوگ اہل ایمان ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے سو اس سورت نے ان کی گندگی پر گندگی بڑھا دی۔ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی مصیبت میں ڈالے جاتے ہیں پھر وہ رجوع نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی شخص دیکھ تو نہیں رہا، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا۔ اس وجہ سے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں

ان آیات میں اولاً اہل ایمان کو یہ حکم دیا کہ جو کفار تمہارے آس پاس رہتے ہیں ان سے قتال کرو۔ اور اس انداز سے اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی گزارو (جن میں جنگ کی تیاری کرتے رہنے اور جنگ کا سامان فراہم کرنا بھی داخل ہے) کہ وہ لوگ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ یہ تمہیں اپنی طرف سے غافل نہ سمجھیں۔ صاحب معالم التنزیل حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ ﴿يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (جو لوگ تم سے قریب ہیں) سے بنو قریظہ، بنو نضیر اور خیبر میں بسنے والے یہودی مراد ہیں اور جو لوگ ان کے آس پاس تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے روم کے لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ وہ شام میں تھے اور وہاں قیصر روم کی حکومت قائم تھی اور شام بہ نسبت عراق کے مدینہ منورہ سے قریب تر ہے۔ آیت کی تفسیر میں یہ دونوں قول اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھے۔ جیسے جیسے مسلمان مختلف علاقوں میں بڑھتے گئے ان کے حالات کے اعتبار سے آیت شریفہ کا حکم شامل ہوتا چلا گیا۔ جس زمانہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں ان کافروں سے قتال کریں جو ان سے قریب تر ہیں۔ قریب والے دبے رہیں گے تو اس کا دور والے کافروں پر بھی اثر پڑے گا۔ پھر فرمایا۔ ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں شِدَّةً و حمية کہ کافر لوگ تمہارے اندر شدت اور حمیت اور قوت محسوس کریں، پھر حضرت حسن سے غِلْظَةً کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ صبراً علی جهادهم یعنی جب کافروں سے مقابلہ و مقاتلہ ہونے لگے تو جم کر مقابلہ کرو، وہ تمہارے اندر نرمی اور کمزوری محسوس نہ کریں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہو کہ تم لوگ قوت اور شوکت والے ہو۔ دبنے والے اور راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں ہو پھر فرمایا ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے) وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ تقویٰ اختیار کرو۔ گناہوں سے بچو، شریعت کے خلاف کام نہ کرو۔ ظلم و زیادتی سے پرہیز کرو۔

Marfat.com

منافقوں کی کافرانہ باتیں:

اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں ان کے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کے دل کی گندگی میں اس سے اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جو نئی سورت نازل ہو گئی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہٰذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور یہ کفر پر جمنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا ان کے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا یہ منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور عبرت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لیے ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہیں، اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے دیکھ نہ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہو تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب دیکھا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے کھسک دیتے تھے۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا جب کوئی ایسی آیت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زجر و توبیخ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے۔

آخر میں فرمایا ﴿بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ﴾ کہ ان لوگوں کی یہ حرکتیں اور ان حرکتوں کا انجام بد اس وجہ سے سامنے آیا کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر حق اور حقیقت کو سمجھتے تو نہ منافقت اختیار کرتے نہ ان سے منافقانہ حرکتیں صادر ہوتی۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾

بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے، جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لیے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لیے حریص ہے مومنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔ سو اگر لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان

یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورۂ توبہ ختم ہو رہی ہے۔ پہلی آیت میں سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعض صفات بیان فرمائیں۔ اول تو فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر رَسُوْلٌ کی تنکیر دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تم ہی میں سے ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے، جو مخاطبین اولین ہیں ان کا ہم

Marfat.com

زبان ہے وہ اس کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تم ہی میں سے ہے اس کے نسب کو، اس کی ذات کو اور اس کی صفات کو اچھی طرح سے جانتے ہو۔ مفسر ابن کثیر (ص ۴۰۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن　نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا ان اللہ بعث فینا رسولا منا نعرفہ نسبہ و صفتہ و مدخلہ و مخرجہ و صدقہ و امانتہ۔ (اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب کو اور اس کے حالات کو جانتے ہیں ہم ہر طرح سے اس کی سچائی و امانت کو جانتے ہیں) آپ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی انہیں میں رہے، آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنے اور آپ کی باتیں سننے اور سمجھنے کا خوب موقعہ تھا۔ اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا مثلاً فرشتہ ہوتا یا ان کا ہم زبان نہ ہوتا یا رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہیں میں سے رسول بھیج دیا۔ کما قال تعالیٰ (فی سورة آل عمران) ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ کہ اُمت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ کو شاق گزرتی ہے۔ اور آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور آپ اُمت کے نفع کے لیے حریص ہیں آپ کو یہ بھی حرص ہے کہ جملہ مخاطبین ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپ کو مومنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے، آپ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپ کا اپنی اُمت سے قلبی تعلق ہے۔ ظاہراً بھی آپ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی، اُمت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے اور ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کو کڑھن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یعنی مومنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ کیجیے) ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی، اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ آ رہے تھے آپ نے فرمایا لَمْ تُرَاعُوْا۔ ڈرو نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری ص ۴۱۷ ج ۱)

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لیے فکرمند ہوتے تھے۔ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ دوا بتاتے تھے۔ مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لیے ان امور کی تعلیم دیتے تھے۔ جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ پر چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ ص ۳۶۶) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ گھسا دے کیونکہ اسے نہیں پہلے معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری و ن)

جوتے پہننے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (رواہ ن) نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسرے چپل کو درست نہ کر لے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا (رواہ ن) آپ اُمت کو اسی طرح تعلیم دیتے

Marfat.com

تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو، اور آپ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجانہ کرو۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲) نیز آپ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائے گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں۔اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آ کر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں، یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لیے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری و م)

پھر فرمایا کہ اگر لوگ روگردانی کریں حق کو قبول نہ کریں۔محبت، شفقت اور رافت و رحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ ان کی طرف سے ایذاء پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں آپ یوں اعلان کر دیں ﴿حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) ﴿عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾ (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے) توکل علی اللہ نبیوں کا اور ان کے اُمتیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام سات مرتبہ ﴿حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾ کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکرمندیوں کی کفایت فرمائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۵ ج ۵)

تم تفسیر سورۃ التوبۃ و الحمدللہ اولاً و آخراً و ظاھراً و باطناً

Marfat.com

ایاتہا ۱۱۰ | ۱۰ سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ٥١ | رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورۂ یونس مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سونو آیات اور گیارہ رکوع ہیں
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ
النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ
مُّبِيْنٌ ۝٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝٤

الرٰ یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی، کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈرائیے اور ان لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے یہ کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں، وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اسی کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے، اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے بلاشبہ وہی مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تا کہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کیلئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور درد ناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

توحید و رسالت اور معاد کا اثبات

یہ سورۂ یونس کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس کی ابتدا الٓر سے ہے۔ جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد فرمایا ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ (یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں) مفسرین کرام نے حکیم کے دو معنی لکھے ہیں اول ذو حکمۃ یعنی حکمت والی کتاب دوم بمعنی محکم، پھر محکم کے دو معنی ہیں اول بمعنی تیاط کہ اس کے الفاظ اور کلمات اور طریقہ بیان اور اسلوب کلام نہایت ہی درجہ پختہ ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ غیر منسوخ ہے۔ جن مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں ان کی بات کی بنیاد یہ ہے کہ سورۂ یونس میں کوئی آیت منسوخ نہیں لیکن چونکہ صفت مضاف الیہ یعنی الکتاب کی ہے اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جو ان سورتوں پر بھی مشتمل ہے جن میں آیات منسوخ الحکم بھی موجود ہیں اس لئے یہاں یہ معنی لینا مناسب نہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۴۲ ج ۲) نے لکھا ہے کہ حکیم حاکم کے

Marfat.com

معنی ہے یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو فیصلہ دینے والی ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ایک تعجب کا تذکرہ فرمایا اور بطور استفہام انکاری یوں فرمایا ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا﴾ (الآیۃ) کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی جو انہیں میں سے ہے؟ یہاں الناس سے کفار عرب اور خاص کر اہل مکہ مراد ہیں انہوں نے اول تو اس بات پر تعجب کیا کہ آدمی کو رسول بنایا گیا اور دوسرے انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ابو طالب کے یتیم کو رسول بنا دیا گیا' ان کے تعجب کی استفہام انکاری کی صورت میں تردید فرمائی کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انسانوں کی طرف انہیں کی جنس میں سے کسی انسان کو مبعوث فرمانا عقل اور سمجھ کے بالکل موافق ہے تاکہ اپنے جنس کے فرد اس سے مانوس ہوں اس سے قولی اور عملی طور پر احکام سیکھیں اور عمل کریں اس بارے میں مزید توضیح کے لئے سورہ انعام کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسرا جو تعجب تھا وہ بھی بے وقوفی پر مبنی تھا' یہ لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا مالدار رئیس اور چودھری نبی ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ اہل دنیا کو دنیا والوں ہی میں برائی نظر آتی ہے اور دنیا والوں ہی کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے ایسی جاہلانہ بات کی۔ مال و دولت کو اللہ کا محبوب بندہ ہونے میں کوئی بھی دخل نہیں' اور خصوصاً نبوت جو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص عطیہ ہے اس میں یہ دیکھنا کہ جسے نبوت ملی ہے اس کے پاس دنیاوی مال و متاع ہے یا نہیں سراپا حماقت اور جہالت ہے۔

نبی میں اخلاق عالیہ کا ہونا ضروری ہے جن کی دعوت الی الحق کے لئے ضرورت ہے' اہل دنیا اخلاق عالیہ سے خالی اور عاری ہوتے ہیں ان کو کیسے نبوت دی جائے' پھر جس کو اللہ نے نواز دیا اس سے کون آگے بڑھنے والا ہے۔ اللہ نے جس کو چاہا نبوت و رسالت کے مرتبہ سے سرفراز فرما دیا اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہی ابو طالب کا یتیم جس کی نبوت و رسالت پر عرب کے جاہل معترض ہو رہے تھے اللہ نے اسے اتنی بلندی دی کہ جس کے سامنے فرشتوں کی بلندی بھی نیچے رہ گئی۔ اس یتیم ابو طالب کی دعوت پورے عالم میں پھیلی' اس کی امت کے قبضہ میں بڑے بڑے ممالک آئے عرب اور عجم نے اس کا دین قبول کیا' قیصر و کسریٰ کے خزانے امت کے قدموں میں حاضر ہو گئے پرانی تمام آسمان کی کتابوں کو اس کتاب نے منسوخ کر دیا جو ابو طالب کے یتیم پر نازل ہوئی اور تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

یتیمی　که　ناکرده　قرآن　درست
کتب　خانہ　چند　ملت　بشست

پھر نبی اکرم ﷺ کو ایسا کام بتایا جو بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے آپ کے سپرد کیا گیا تھا اور فرمایا ﴿اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ کہ جس شخص کی رسالت اور نبوت پر تعجب کر رہے ہیں اسے ہم نے اس بات پر مامور کیا کہ لوگوں کو ڈرایئے (کہ جو نافرمان ہوں گے وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے) اور یہ کہ جو لوگ ایمان قبول کریں انہیں اس بات کی بشارت دیں کہ ان کے رب کے پاس ان کے لئے بڑا مرتبہ ہے' لفظ قدم تو پاؤں کے لئے بولا جاتا ہے چونکہ انسان کی مسلسل سعی اور عمل پیہم میں قدم کا استعمال کیا جاتا ہے اس لئے بلند مرتبہ بتانے کیلئے لفظ قدم صدق استعمال فرمایا' صدق سچائی کو کہتے ہیں ''قدم صدق'' سے سچائی کا قدم یعنی وہ مرتبہ مراد ہے جس کے ملنے میں کوئی شک نہیں۔ سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ کہ بلاشبہ متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے سچائی کے مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے۔ وہاں اہل تقویٰ کے مقام کو مقعد صدق سے تعبیر فرمایا ہے۔ سچے ایمان اور سچے اقوال والوں کے لئے قدم صدق اور مقعد صدق ہی ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا ﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (جس نبی کو انذار اور تبشیر کا کام سپرد کیا اس کے بارے میں منکرین نے کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا جادوگر ہے) یہ بات ان لوگوں نے قرآن کریم کے اعجاز سے متاثر ہو کر کہی جب قرآن کی فصاحت اور بلاغت سامنے آئی تو اس جیسا

Marfat.com

بنا کر تو نہ لا سکے لیکن اس کو جادو بتا دیا اور نبی اکرم ﷺ کو جادوگر کہنے لگے قال صاحب الروح (ص۶۳ ج۱۱) ان هذا ای ما اوحی الیہ ﷺ من الکتاب المنطوی علی الانذار والتبشیر (الی ان قال) وفی هذا اعتراف بان ماعاینوه خارج عن طوق البشر نازل من حضرة خلاف القوی والقدر الخ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بے شک یہ یعنی حضور اکرم ﷺ کی طرف ڈرانے اور خوشخبری پر مشتمل جو کتاب نازل کی گئی ہے اور اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ جو کتاب وہ دیکھ رہے ہیں انسان کی طاقت سے خارج ہے یہ تو اللہ تعالیٰ قوی اور قادر کی طرف سے نازل ہو رہی ہے)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی قوموں کا یہی معاملہ رہا ہے۔ سورۂ ذاریات میں فرمایا ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ (اسی طرح سے بات ہے ان سے پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا تذکرہ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا' سورۂ فرقان رکوع (۴) میں اور سورۂ الم سجدہ رکوع (۱) میں اور سورۂ ق رکوع (۳) میں لفظ وما بینهما کا اضافہ بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ کو ذرا سی دیر میں پلک جھپکنے سے کم مدت میں سارے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کرنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے احوال واطوار میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ تدریجی طور پر کام کریں۔ قال صاحب الروح (ص۶۴ ج۱۱) فی خلقها مع القدرة التامة علی ابداعها فی طرفة عین اعتبار للنظار وحث لهم علی التانی فی الاحوال والاطوار. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پلک جھپکنے کی دیر میں آسمان وزمین کو پیدا کرنے کی کامل قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا انہیں تدریجاً پیدا کرنے میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے اور ان کے لئے احوال واطوار میں غور وتدبر کی ترغیب ہے۔)

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (پھر عرش پر مستوی ہوا) استواء علی العرش کے بارے میں سورۂ اعراف کی آیت ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ﴾ (رکوع ۷) میں ضروری مضمون لکھ دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ (انوارالبیان ص۴۴۰ ج۳)

پھر فرمایا ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ (اللہ تعالیٰ تمام اُمور کی تدبیر فرماتا ہے) سورۂ الم سجدہ میں فرمایا ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) یعنی تمام اموراس کی تدبیر کے مطابق اور حکمت کے موافق اور اسی کی قضاء وقدر کے مطابق وجود میں آتے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد به هاهنا التقدير الجاری علی وفق الحكمة والوجه الاتم الاكمل' اخرج ابو الشيخ وغيره عن مجاهد ان المعنی يقضی الامر والمراد بالامر امر الكائنات علويها وسفليها حتی العرش الی آخر قال (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں مراد وہ تقدیر الٰہی ہے جو کہ حکمت الٰہی کے موافق تمام وکامل طور پر جاری ہے۔ ابوالشیخ وغیرہ نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امور کا فیصلہ فرماتے ہیں اور امر سے مراد کائنات کا معاملہ ہے خواہ آسمانوں کے یا زمینوں کے معاملات حتیٰ کہ عرش بھی) (ص۶۵ ج۱۱)

﴿مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ (اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے والا نہیں ہے) اس کے حضور میں کسی کو سفارش کرنے کی جرأت وہمت نہیں' ہاں وہ جسے اجازت دے دے وہی سفارش کر سکے گا اور یہ سفارش صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ سورۂ مومن میں فرمایا ﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ﴾ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے)۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ﴾ (وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔) ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے) ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ (اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے) ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اس کا

Marfat.com

وعدہ حق ہے) اس کے علم میں قیامت کا جو وقت مقرر ہے اس وقت آ جائے گی سب زندہ ہو جائیں گے پھر پشیمانیاں ہوں گی۔ حساب دینا ہو گا۔ قیامت کے آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس دیر کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ نہیں آئے گی اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ الْاٰخِرَةَ وَعْدٌ صَادِقٌ يَحْكُمُ فِيهَا مَلِكٌ عَادِلٌ قَادِرٌ﴾ (بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا وعدہ ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو عادل بھی ہے اور قادر بھی ہے۔) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

﴿اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ یعنی بلاشبہ وہ ابتداءً مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ پھر (موت دے کر) دوبارہ زندہ فرما دے گا۔ اس میں منکرین قیامت کے اس اشکال کا جواب ہے کہ قبروں میں جا کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہوں گے۔ ان لوگوں کو بتا دیا کہ جس نے ابتداءً پیدا فرمایا وہی دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا سورۂ روم میں فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (اور وہی اول بار پیدا فرماتا ہے پھر دوبارہ زندگی دے گا اور وہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے)۔

یہ اعتراض کرنے والوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس نے پہلی بار پیدا فرمایا ہے اسے تو تمہاری سمجھ کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا آسان ہونا چاہئے حالانکہ اس کے لئے ابتداء اور اعادہ قدرت کاملہ کی وجہ سے دونوں برابر ہیں۔

اس کے بعد اہل ایمان و اہل کفر کی جزا کا تذکرہ فرمایا ﴿لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ﴾ (تاکہ اللہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پینے کے لئے ملے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے) سورۂ محمد میں اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے بارے میں فرمایا ہے ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِى اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر فرما دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی جان لو اور حساب کو معلوم کر لو یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں وہ جاننے والوں کیلئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان فرماتا ہے بے شک رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے ان میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا، منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو

ان آیات میں مزید مظاہر قدرت بیان فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اول آفتاب کی روشنی کا اور پھر چاند کی روشنی کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سراپا روشنی بنایا۔ ان کی روشنی کا تذکرہ فرماتے ہوئے آفتاب کے لئے لفظ ضِيَآءً اور چاند کے لئے لفظ نُوْرًا استعمال فرمایا۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ضیاء بڑی اور قوی روشنی کو کہتے ہیں اور نور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا آفتاب کے لئے لفظ ضیاء استعمال میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آفتاب کو زیادہ قوی روشنی دی جب وہ طلوع ہوتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور دن آ جاتا ہے دن میں چونکہ چلنے پھرنے اور کاروبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے دن کو بہت زیادہ روشن بنایا اور رات کو سکون اور آرام کے لئے بنایا ہے۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں فرمایا ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

Marfat.com

فَضْلِهٖ﴾ (اوراس کی ایک یہ رحمت ہے کہ اس نے دن بنایا اور رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اللہ کے رزق کو تلاش کرو) چونکہ آرام وسکون کے لئے دھیمی روشنی کی ضرورت ہے اس لئے چاند کو ضعیف روشنی عطا فرمائی جس کے لئے لفظ نور استعمال فرمایا۔

پھر فرمایا ﴿وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ (اور اس کے لئے منزلیں مقرر کردیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلو) اس میں واحد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے بظاہر قَدَّرَهٗ کی ضمیر مفرد قمر کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قَدَّرَهٗ میں مفعول کی ضمیر لفظوں میں تو مفرد ہی ہے لیکن شمس وقمر دونوں کی طرف راجع ہے۔ اور عربی محاورات بتاویل کل واحد اس طرح ضمیریں لوٹانا درست ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر دونوں کی رفتار کے لیے منزلیں مقرر فرمائی انہیں منزلوں کو وہ طے کرتے ہیں اور ان کے لیے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہیں نکل سکتے چاند اپنی منزلیں انتیس یا تیس دنوں میں قطع کرتا ہے اور جب وہ مغرب کی طرف سے بصورت ہلال طلوع ہوتا ہے تو مہینہ شروع ہوتا ہے۔ آفتاب کی بھی منزلیں مقرر ہیں۔ وہ مقررہ حدود کے اندر ہی سفر کرسکتا ہے۔ سورۂ یٰسین میں فرمایا۔ ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (اور آفتاب اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے یہ مقرر کردینا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر کو پیدا فرمایا ان کو روشنی دی ان کے لئے منزلیں مقرر فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت کے دلائل میں سے ہے، پھر جو منزلیں مقرر فرمائیں اس سے بندوں کا یہ نفع بھی متعلق فرمادیا کہ وہ ان کے ذریعہ یہ معلوم کرلیتے ہیں کہ فلاں معاملہ یا معاہدہ کو کتنے برس گزر گئے اور میعاد پورا ہونے میں کتنے برس باقی ہیں۔ آفتاب کی منازل کا پتہ تو اہل رصد کو ہی ہوسکتا ہے لیکن چاند کے طلوع اور غروب اور گھٹنے بڑھنے سے عام طور سے تاریخ کا پتہ چل جاتا ہے، پڑھا لکھا شہری دیہاتی ہر شخص آسانی سے مہینہ کی ابتداء اور انتہا سمجھ لیتا ہے اور شرعاً احکام شرعیہ میں چاند کے مہینوں ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی چاند ہی کے اعتبار سے بارہ مہینے گزرنے پر فرض ہوتی ہے، اور رمضان کا مہینہ بھی چاند ہی کے حساب سے پہچانا جاتا ہے جو قمری سال کا نواں مہینہ ہے، اور حج بھی چاند ہی کے حساب سے ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے عدت کے مہینوں میں بھی چاند کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ چاند کا حساب باقی رکھنا فرض کفایہ ہے۔ (گو دنیاوی معاملات میں شمسی سال سے حساب رکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے)

پھر فرمایا ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں یوں ہی بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی ہیں) ان کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔

﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (اللہ تعالیٰ دانش مندوں کے لئے خوب واضح طریقہ پر دلائل بیان فرماتا ہے)

کیونکہ جو بے علم ہیں یا بے علموں کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ان دلائل سے مستفید نہیں ہوتے پھر فرمایا ﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ﴾ (بلاشبہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور ان سب چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا فرمائی ہیں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں) رات کے بعد دن کا آنا، دن کے بعد رات کا آنا اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل موجود ہے۔ ان کا الٹ پھیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اور اس کے اختیار سے ہے وہ چاہے تو دن سرمدی ہو جائے یعنی ہمیشہ دن ہی دن رہے اور وہ چاہے تو ہمیشہ رات ہی رات رہے۔ لیکن اس نے بندوں کی مصلحت کے لئے ایسا نہیں کیا، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے اس کا ایک ایک ذرہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کی اور تدبیر محکم کی گواہی دیتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ لوگ نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں جو خالق ومالک جل مجدہ سے ڈرتے ہیں جو منکرین ہیں نہ ان میں تقویٰ ہے نہ ایمان ہے نہ یقین ہے یہ لوگ دلائل سے متاثر اور مستفید نہیں ہوتے۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا
غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا
سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰

بلاشبہ جولوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے' بے شک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں راہ بتادے گا' ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ نعمت کے باغوں میں ہوں گے' ان میں ان کی یہ بات ہو گی کہ اے اللہ! تو پاک ہے' اور اس میں ان کا تحیہ سلام ہو گا اور ان کی آخری بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہو گی۔

اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا

ان آیات میں اول تو ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جنہیں قیامت کا اور وہاں کی پیشی کا کوئی کھٹکا نہیں وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور پوری طرح دنیا میں جی لگا رکھا ہے۔ اور اس دنیا والی زندگی سے خوش ہیں ایسے لوگ اور وہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے' دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے انہوں نے اعمال ہی ایسے کئے جو انہیں دوزخ میں لے جائیں۔ پھر اہل ایمان کو بشارت دی اور فرمایا کہ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں جنت کی راہ بتائے گا' یعنی جس طرح انہیں دنیا میں ہدایت دی ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا اسی طرح آخرت میں ان کو جنت میں جانے کا راستہ بتادے گا وہ اپنی اپنی راہ پر چل کر اپنے اپنے منازل و مساکن میں پہنچ جائیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جنتی وہاں اپنے اپنے گھروں کا راستہ اس سے زیادہ پہچاننے والے ہوں گے جیسا کہ دنیا میں اپنے اپنے گھروں کا راستہ پہچانتے تھے۔ یہ حضرات باغوں میں ہوں گے جو چین اور آرام کے باغ ہوں گے ان کا تحیہ سلام ہو گا اور آخری بات ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ہو گی ملاقات کے وقت جو دعائیہ کلمات ادا کئے جاتے ہیں انہیں تحیہ کہا جاتا ہے۔ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہیں گے اور اللہ کی پاکی بیان کریں گے یعنی ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ کہتے رہیں گے اور آخر میں ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے تو یوں کہیں گے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار ہے) اہل جنت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں ہمیشہ اور ہر وقت مشغول رہیں گے اور وہاں کی زندگی کی بقاء کا ذریعہ تسبیح اور تحمید ہی ہو گا۔

صحیح مسلم (ص ۳۷۹ ج ۲) میں ہے۔ یلهمون التسبیح والتحمید کما تلهمون النفس ان کی تسبیح اور تحمید ایسے جاری ہو گی جیسے (دنیا میں) تمہارا سانس جاری رہتا ہے' یعنی تسبیح و تحمید سے نہ تھکیں گے نہ اکتائیں گے' نہ نعمتوں کی مشغولیت انہیں تسبیح اور تحمید سے غافل کرے گی' جیسے فرشتے تسبیح و تحمید میں لگے ہوئے تمام کام انجام دیتے ہیں جن کا انہیں حکم ہوتا ہے اسی طرح اہل جنت ہر وقت ہی اللہ کی تسبیح میں مشغول ہوں گے وہاں کی نعمتیں اور عجیب چیزوں کا معائنہ کریں گے تو ان کے منہ سے سبحان اللہ نکلے گا۔

تفسیر ابن کثیر (ص ۴۰۸ ج ۲) میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی پرندہ گزر رہا ہو گا اہل جنت کو اس کے کھانے کی خواہش ہو گی تو وہ ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ﴾ کہہ دیں گے ان کی خواہش کے مطابق فرشتہ اسے حاضر کر دے گا اور جب فرشتہ آئے گا تو سلام کے الفاظ ادا کرے گا جس کا وہ حضرات جواب دیں گے' جب وہ اپنی خواہش کی چیزیں کھالیں گے تو آخیر میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہیں گے۔

لفظ دعویٰ کا ترجمہ مطلق کلام بھی کیا گیا ہے' اور بعض مفسرین نے کسی چیز کے طلب کرنے کا معنی بھی لیا ہے اور بعض حضرات نے دعاء کا

Marfat.com

ترجمہ بھی کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے تو اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور دعاء کے ختم پر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہیں گے یہ تینوں معنی لغت عربی کے اعتبار سے درست ہیں اگر دعاء کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے کسی چیز کی کمی تو نہ ہوگی جو اپنی ضرورت کے لئے دعاء مانگیں لیکن تلذذ کے طور پر اور آداب بندگی بجالانے کے لئے وہ حضرات دعاء مانگا کریں گے۔

یہ جو فرمایا ﴿وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ﴾ اس کے عموم الفاظ میں ہر سلام آ گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا جیسا کہ سورۂ یٰسین میں فرمایا ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ اور فرشتے بھی ان پر سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے جیسا کہ سورۂ رعد میں فرمایا ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، جنت دارالسلام ہے وہاں سلام ہی سلام ہے سورۂ واقعہ میں فرمایا ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ (وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے وہ سلام ہی سلام سنیں گے)۔

جب جنت میں داخل ہوں گے تو یوں کہیں گے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ﴾ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے سختی کو ہم سے دور فرما دیا، بے شک ہمارا رب مغفرت فرمانے والا ہے قدردان ہے جس نے ہمیں رہنے کی جگہ میں اتارا ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ تھکن)۔
(سورۂ فاطر)

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا
یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ
قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا
كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ
مَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کیلئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا، سو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہم ان کی سرکشی میں انہیں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں، اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو وہ اس حال میں گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارا ہی نہ تھا، اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کیلئے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں، پھر ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد خلیفہ بنا دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

انسان جلد باز ہے، مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے

انسان کے مزاج میں جلد بازی ہے سورہ انبیاء میں فرمایا ہے۔ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) اس

Marfat.com

کی جلد بازی کا مزاج ہر جگہ کام کرتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے منکرین کو عذاب کی وعیدیں سنائیں تو بجائے ایمان قبول کرنے کے یوں کہتے تھے کہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا' سورہ رعد میں فرمایا ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ﴾ (اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے واقعات عقوبت گزر چکے ہیں) ان لوگوں کا عذاب آنے کے لئے جلدی کرنا تکذیب اور استہزاء کے طور پر تھا وعدہ عذاب کو سچا نہیں جانتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے عذاب بھیجے۔ لوگوں کے جلدی مچانے سے وہ عذاب جلدی نہیں بھیجتا' ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ﴾ اور اگر ان لوگوں پر ان کے جلدی مچانے کے موافق اللہ تعالیٰ جلدی عذاب بھیج دیتا جیسا کہ وہ خیر کے لئے جلدی مچاتے ہیں (اور ان کے جلدی مچانے پر اللہ تعالیٰ خیر بھیج دیتا ہے) تو عذاب کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جلدی کرنے پر اسی وقت عذاب نہیں بھیجتا اسی وقت عذاب نہ بھیجنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ سرکشوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں اور یہ بطور استدراج ہوتا ہے تاکہ سرکشی میں بڑھتے جائیں' اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں۔ اس میں واضح طور پر بتادیا کہ عذاب کا مؤخر ہونا اور عذاب کی جلدی مچانے کے باوجود جلدی نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عذاب کی وعید سچی نہیں' بلکہ وعید سچی ہے لیکن عذاب اس وقت واقع ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی حکمت متقاضی ہوگی۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (اور وہ آپ سے جلد عذاب آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی) اور سورہ ص میں فرمایا ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہم کو دے دے) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر قیامت آنی ہی ہے تو اس کے آنے کے انتظار کی ضرورت نہیں اس وقت جو عذاب دیا جائے گا وہ ہمیں ابھی مطلوب ہے۔ جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا وہ ایسی ہی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد انسان کی ایک اور بے راہی بیان فرمائی جو اس کی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا﴾ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کردیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورہ زمر میں فرمایا ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لئے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لئے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے) پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گناہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے وہ کام مزین کردیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)۔

ل　قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۴۵ ج۲) معناہ لو یعجل اللّٰہ الناس اجابۃ دعائھم فی الشر والمکروہ استعجالھم بالخیر ای کما یحبون استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم ای لاھلك من دعا علیہ واماتہ' وفی روح المعانی (ص ۷۸ ج۱۱) والاصل علی ما قال ابو البقاء تعجیلا مثل تعجیلھم' فحذف تعجیلا وصفتہ المضافۃ واقیم المضاف الیہ مقامھما. اھ۔ (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف وہ معاملہ میں بھی ان کی دعاء اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی ملنے کو پسند کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا اور موت دے دیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابو البقاء کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجیلاً مثل تعجیلھم پھر تعجیلاً اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کردیا گیا اور مضاف الیہ کو اس جگہ رکھا گیا)

Marfat.com

فائدہ: آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ شر کی دعا نہیں مانگنی چاہئے، انسان شر کی بھی دعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لئے جلدی مچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے، شر کی دعا جلد قبولیت نہیں پاتی، اور خیر کی دعاء عموماً جلدی قبول فرمالیتا ہے مؤمن بندوں کو چاہئے کہ شرعی نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اموال کے لئے بد دعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بد دعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بد دعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعا ہمیشہ خیر کی کرے اور جلدی نہ مچائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعاء قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچائے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچانا کیا ہے؟ فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دعا سے تنگ دل ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعاءِ خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دعا نہ چھوڑے۔

آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھ، تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو یا آرام و راحت اور خیر و خوبی سے مالا مال ہو ہر حال میں دعا کرتے رہنا چاہئے، یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دعائیں کرتے ہیں وظیفے پڑھتے ہیں، تسبیحیں گھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا، مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرما دی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کر لیا اور ساری خیر و خوبی کو اپنی ہنرمندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کر دیا یہ سب آداب عبودیت کے خلاف ہے سورۂ زمر میں فرمایا ﴿فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانے میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ (الآیتین) یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان لوگوں کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے۔ وہ ایمان لانے والے نہ تھے لہٰذا وہ ایمان نہ لائے (جب وہ ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک فرما دیا) ہم مجرمین کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں منکرین کو تنبیہ ہے کہ ہمارے ڈھیل دینے سے یہ نہ سمجھ لو کہ عذاب نہ آئے گا گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کی سرکشی اور نافرمانی اور پھر ان پر عذاب آنے کے واقعات سے عبرت حاصل کر لو۔ عذاب الٰہی سے بے فکر ہو جانا بہت بڑی ناسمجھی ہے مختلف ممالک میں وقفہ وقفہ سے عذاب آتا رہتا ہے پھر بھی آنکھ نہیں کھولتے۔

پھر فرمایا ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ﴾ (پھر ہم نے تمہیں ان لوگوں کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا)۔

گزشتہ قومیں ہلاک ہو گئیں ان لوگوں کی حکومتیں، سلطنتیں خاک میں مل گئیں تعمیرات برباد ہوئیں، منصوبے خاک میں ملے جو دنیاوی ترقیاں کی تھیں وہ سب ختم ہوئیں ان کی جگہ اب موجودہ اقوام دنیا میں آباد ہیں۔ حکومتیں ہیں، دولتیں ہیں یہ لوگ پرانی قوموں کے خلیفہ ہیں۔ یعنی ان کے بعد زمین میں بسے ہیں اور زمین میں انہیں اقتدار ملا ہے۔ یہ خلافت اس لئے نہیں ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں اور دنیا ہی کیلئے مریں اور جئیں اور دنیا میں فساد کریں، یہ خلافت آزمائش کے لئے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اگر گزشتہ امتوں کی طرح فساد کیا اللہ کی کتاب کو اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا کفر میں اور بد اعمالیوں میں لگے تو

Marfat.com

آزمائش میں فیل ہوں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ اس میں تمہیں پہلے لوگوں کے بعد بسانے والا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے ہو سو تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ (رواہ مسلم)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے' آپ فرما دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں' میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' بیشک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں' آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم لوگوں پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں اللہ اس کی اطلاع دیتا' سو میں تمہارے درمیان اس سے پہلے عمر کے ایک بڑے حصہ تک رہ چکا ہوں' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے' سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے

معالم التنزیل (ص ۳۴۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ سے مشرکین مکہ مراد ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزیٰ اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو' اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنا دیں یا اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن پانچ آدمیوں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبداللہ بن امیہ (۲) ولید بن مغیرہ (۳) مکرز بن حفص (۴) عمرو بن عبیداللہ بن ابی قیس (۵) عاص بن عامر بن ہشام' ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے پاس سے بدل دوں' میں تو صرف وحی کا پابند ہوں' میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں۔ وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا۔ میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے' میں تو اللہ کا بندہ ہوں' نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اس کی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں

Marfat.com

بتا تا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

مخاطبین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین پر چالیس سال تک زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے بہت پہلے ایسا کر چکا ہوتا' جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے ترمیم کر دوں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بول سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور سراپا جرم ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ ''بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے''۔

فائدہ: یہ جو فرمایا ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ (کہ میں اپنی عمر کے بڑے حصہ تک تمہارے اندر رہا ہوں) اس میں تحدی ہے یعنی مخاطبین کو چیلنج ہے کہ میں نے عمر کا بہت بڑا حصہ تمہارے اندر گزارا ہے اس حصہ میں میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس کے تم گواہ ہو تو پھر میں اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہوں سوال جواب تو قرآن مجید کو بدلنے یا اپنے پاس سے بنانے سے متعلق تھا لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے اخلاق عالیہ اور افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور بتا دیا کہ مجھے دیکھ چکے ہو ہر طرح سے پرکھ چکے ہو۔ ہمیشہ سے صادق اور امین کہتے آئے ہو اب جب اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں تو کیوں دور بھاگتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی عہدہ سپرد کیا جائے تو اس کا ماضی دیکھ لیا جائے اب تک اس کا کیا کردار تھا اس کے اعمال کیا تھے' اس میں تقویٰ اور رجوع الی اللہ کتنا تھا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر کسی عہدہ کا اہل ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ
اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا
كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ
مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں' اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں' آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں' وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے' اور برتر ہے' اور لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا' اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کی گئی' سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

مشرکین کی گمراہی' اور ان کے قول و عمل کی تردید

ان آیات میں اول تو مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توحید کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جن کی

Marfat.com

عبادت کرتے ہیں ان میں بعض جاندار بھی ہیں جیسے بعض حیوانات اور بے جان بھی ہیں جیسے اصنام واوثان یعنی بت اور یہ ان کے معبودان باطل نفع اور ضرر پہنچانے سے بالکل ہی عاجز ہیں' جو نفع ضرر کچھ بھی نہ پہنچا سکے اس کی عبادت کرنا اور اپنے خالق کو چھوڑنا بہت بڑی حماقت ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔ جب مشرکین کو ان کی گمراہی پر متنبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی جہالت سے یہ نکتہ نکالا کہ ہمارا اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا ہے۔ ہم ان چیزوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دیں گے' گمراہی پر جمنے اور شرک پر باقی رہنے کے لئے شیطان نے مشرکین کو یہ نکتہ سمجھایا تا کہ مشرکین یوں سمجھتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور شرک کرنے سے اس لئے گناہگار نہیں کہ ان معبودان باطلہ کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہی پوجتے ہیں۔ حالانکہ سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ جسے راضی کیا جائے اسے ان اعمال کے ذریعہ راضی کریں جن سے وہ راضی ہوتا ہو اور جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہو' اللہ تعالیٰ شانہٗ شرک سے بیزار ہے اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ شرک سے منع فرمایا ہے اور اسے سب سے بڑی نافرمانی قرار دیا ہے اور جن لوگوں کے بارے میں مشرکین نے سفارشی ہونے کا عقیدہ بنایا ہے یہ عقیدہ انہوں نے اپنے پاس سے تجویز کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر عقیدہ اور ہر عمل اسی سے معلوم کرے جو اس کی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے معلوم ہو گا' اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کی مخلوق کو شریک بھی کر دیا پھر ان کے بارے میں سفارشی ہونے کا عقیدہ بھی تراشا' یہ سب سراسر گمراہی ہے۔ جن لوگوں نے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کرنے والا مانا اور اپنے پاس سے اس عقیدہ کو تجویز کیا ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ﴿قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ (آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے تجویز کردہ معبودوں کو سفارشی نہیں بنایا اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے اس سب کا علم ہے اس کے علم میں تو ان چیزوں کا سفارشی ہونا نہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ سفارشی ہیں۔ جو چیز اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے اور جس کا وجود اس کے علم میں نہیں ہے تم اس کے وجود کے کیسے قائل ہوئے۔ کوئی چیز وجود میں ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو یہ تو محال ہے تم محال کے پیچھے لگے ہو۔ مطلب یہ کہ تم جن لوگوں کو اللہ کے یہاں سفارشی مانتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سفارشی نہیں بنایا ان کے سفارشی ہونے کا عقیدہ تمہاری اپنی اپج اور اپنی تجویز ہے کسی عقیدہ کسی عمل کو خود سے تجویز کر لینا اور اسے اللہ کی رضامندی کا سبب سمجھ لینا یہ جرم ہے اور گناہ ہے' جو عذاب کا سبب ہے یہ چیز نجات دینے والی نہیں دوزخ میں داخل کرانے والی ہے۔

پھر فرمایا ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ (وہ ذات پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں)

پھر فرمایا ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾ یعنی سب لوگ ایک ہی جماعت تھے سو انہوں نے اختلاف کر لیا یعنی بنی آدم کا ایک ہی دین تھا سب موحد تھے اور دین اسلام پر تھے پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور بہت سے لوگ ایمان کو چھوڑ کر کافر ہو گئے اور بہت سے لوگ کافر ہی نہیں مشرک بھی ہو گئے۔

حضرت قتادہ سے تفسیر درمنثور (ص ۲۴۳ ج ا) میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان جو قرنیں تھیں یہ سب ہدایت پر حق شریعت پر تھیں' پھر لوگوں نے اختلاف کی راہیں نکالیں۔ بہت سے لوگوں نے دین حق کو چھوڑ دیا اور مؤمن و کافر دو جماعتیں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا وہ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کی بت پرستی اور بتوں کے ناموں کا تذکرہ سورہ نوح میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تشریف لانے سے کچھ عرصہ پہلے لوگ مشرک ہو گئے تھے مشرک عذاب کے مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ اجل سے پہلے مشرکین پر عذاب نہیں بھیجا جاتا' اس کے بارے میں فرمایا ﴿وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ (اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں) اور وہ کون سی بات ہے جو پہلے سے طے ہو چکی ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے جو ایک اجل مقرر فرما دی ہے اس اجل سے پہلے ہلاک نہیں فرمائے گا اور مطلب یہ ہے کہ اگر اجل مقرر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

فیصلہ فرما دیتا اور مکذبین (جھٹلانے والوں) پر عذاب بھیج دیتا اور یہیں حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا یعنی اہل کفر ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان باقی رہ جاتے اور حضرت حسن نے آیت کا مطلب بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ بات طے فرمادی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے ثواب اور عقاب کا فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس لئے دنیا میں ایسا فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ ثواب والوں کو یہیں بدلہ مل جائے اور مستحقین عذاب پر یہیں عذاب آجائے' تیسرا قول مفسر کلبی سے نقل کیا گیا ہے جو دل کو نہیں لگا لہٰذا ہم نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کی آیت کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے مراجعت کر لی جائے۔ (دیکھو انوارالبیان جلد اول)

پھر فرمایا ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہ ہوئی) یعنی ہم جو معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا ظہور کیوں نہیں ہوا؟ چونکہ ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے' طالب حق کے لئے ایک ہی معجزہ کافی ہے۔

معجزے بہت دیکھے لیکن فرمائشی معجزہ چاہتے تھے' اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کی مرضی کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے' پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سابقہ امتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ رہا ہے کہ فرمائشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ لہٰذا فرمائش کے مطابق معجزہ نہ بھیجنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے' پھر فرمایا ﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تمہاری فرمائش پوری ہوتی ہے یا نہیں؟

اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے موجودہ معجزات کی قدر نہ کی اور ایمان نہ لائے بلکہ عناد اور ضد کی وجہ سے فرمائشی معجزات کے درپے ہو گئے۔ تمہارا یہ کفر اور عناد نزول عذاب کا باعث ہے غیب کا علم اللہ ہی کو ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تم پر کب عذاب آجائے لہٰذا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھا دیں تو اچانک ہماری آیتوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ مکر کی سزا جلد ہی دینے والا ہے' بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ لیتے ہیں' اللہ وہ ہے جو تمہیں سمندر اور خشکی میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں موجود ہوا اور وہ کشتی اچھی ہوا کے ساتھ چلنے لگے اور جو لوگ اس میں سوار ہوں وہ اس پر خوش ہو جائیں تو اس کشتی پر ایک سخت ہوا آجائے اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگیں اور وہ یقین کر لیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کو

Marfat.com

پکارنے لگتے ہیں اس کیلئے خالص اعتقاد کر کے اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے' پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں' اے لوگو تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں بتا دیں گے جو تم کرتے تھے۔

صاحب روح المعانی (ص ۹۳ ج ۱۱) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط بھیج دیا تھا' قریب تھا کہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں' انہیں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خوشحالی کے لئے دعا فرمائیں اگر یہ قحط کی مصیبت دور ہو جائے اور ہمیں خوشحالی مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اہل مکہ پر رحم فرمایا تو ایمان لانے کی بجائے وہی پرانا ڈھنگ اختیار کر لیا اور اللہ کی آیات میں طعن کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سے وہی معاندانہ سلوک کرنے لگے جو پہلے کرتے تھے اور ایسی شرارتیں اور حیلہ بازیاں کرنے لگے جن کو انہوں نے قرآن پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں۔ یعنی آیات کو نہ ماننے کے بہانے تراش لیتے ہیں اور طعن و تشنیع سے پیش آتے ہیں ﴿قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا﴾ آپ فرما دیجئے کہ مکر کی سزا اللہ تعالیٰ جلد ہی دینے والا ہے' جب شرارت و بغاوت پر اتر آئیں تو اطمینان سے نہ بیٹھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد ہی اس کا بدلہ مل جائے گا۔ ﴿اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ﴾ (بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تم حیلہ سازیاں کرتے ہو) اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہوئے تمہاری حرکتیں اور شرارتیں اور حیلہ سازیاں دفتروں میں بھی محفوظ ہیں' آیت کریمہ کا سبب نزول خواہ وہی ہو جو صاحب روح نے لکھا ہے لیکن قرآن کریم میں انسانوں کا ایک عام طریقہ کار بیان فرمایا کہ جب انسان کو دکھ تکلیف کے بعد کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے لگتا ہے اور حیلہ سازی اور کٹ حجتی پر اتر آتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ پھر بھی مجھے تکلیف پہنچ سکتی ہے' بعض مرتبہ دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت بھی تو جلدی ہی آنی ہے ہر کافر کا موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے پھر آخرت میں پیشی ہوگی' اعمال نامے سامنے آئیں گے جن میں فرشتوں نے ان لوگوں کی کجروی اور حیلہ سازی کو لکھ لیا تھا' یہ اعمال نامے ان پر حجت ہوں گے اور دوزخ میں دائمی آگ میں جلنے کی سزا پائیں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے اپنے بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (الآیة) (اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی میں اور سمندر میں چلاتا ہے) خشکی میں تو پاؤں سے اور جانوروں پر اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر چلتے پھرتے ہیں۔ دور دراز کا سفر کر کے اپنی حاجت کی چیزیں فراہم کرتے ہیں اور سمندر کا سفر چھوٹی بڑی کشتیوں میں کرتے ہیں یہ کشتیاں بھی انسان کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہیں اس کنارہ سے اس کنارہ اس شہر سے دوسرے شہر' اور اس براعظم سے دوسرے براعظم تک پانی کے جہاز آتے جاتے ہیں اور انسان کی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔ ہوا موافق ہوئی تو کشتیاں چلنے لگیں۔ ہوا بند ہوگئی تو کھڑی ہوگئیں ﴿فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ﴾ ہوا موافق ہے اور نرم ہے خوشگوار ہے تو خوش ہو رہے ہیں اور اگر تیز ہوا چلنے لگی اور ہر طرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر آنے لگیں تو میاں ڈرنے لگے اور یقین کر لیا کہ اب تو گھیرے میں آگئے اس وقت سوچتے ہیں کہ جان کیسے بچے؟ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی جو اس مصیبت سے بچائے اور بھنور کو ہٹائے' لہٰذا اللہ کے حضور میں خالص اعتقاد کے ساتھ دعا کرنے لگتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ضرور ضرور آپ کے شکر گزار بندوں میں ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے بچا دیتا ہے تو پھر وہی اللہ کی زمین میں بغاوت' شرارت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اول تو خالق و مالک کی بغاوت ہی ناحق ہے پھر اوپر سے وعدہ کر کے بھول بھلیاں کر دینا اور شکر کے بجائے کفران نعمت میں لگ جانا اور توحید کی بجائے شرک کو اپنا لینا یہ سب بغاوت در بغاوت ہے اور کفر ہی کفر ہے۔ اسی کو فرمایا ﴿فَلَمَّا اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (سو جب اللہ نے انہیں نجات دے دی تو اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں)۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ﴾ (اے لوگو تمہاری بغاوت اپنی ہی جانوں پر ہے' کیونکہ اس کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑنے والا ہے) ﴿مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ (تم دنیا والی زندگی میں نفع حاصل کر رہے ہو) یہ تھوڑا سا نفع ہے اور تھوڑے دن کا نفع ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ النساء ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ﴾ پھر فرمایا ﴿ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہوگا تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو کام تم کیا کرتے تھے (تمہارے اعمال تمہارے سامنے آئیں گے' محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔ لہٰذا اسی دنیا میں اپنے اعمال درست کرلو)۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا' پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی ہری بھری چیزیں جنہیں انسان اور مویشی کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں' یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کرلیا کہ ہم اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا۔ سو ہم نے اسے ایسا بنا دیا جیسے کٹا ہوا ڈھیر ہو' گویا کہ کل اس کا وجود ہی نہ تھا' ہم اس طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو سوچتے ہیں۔

دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال

اس آیت میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے۔ دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور ٹیپ ٹاپ پر جو لوگ ریجھے جاتے ہیں اور آخرت سے غافل رہتے ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تھوڑی سی حقیر دنیا کی وجہ سے آخرت سے غافل نہ ہوں' ارشاد فرمایا کہ دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے طرح طرح کے پودے اُگے' سبزیاں نکلیں' گھاس برآمد ہوئی' اور ان چیزوں کی وجہ سے زمین ہری بھری اور دیکھنے میں خوب خوشنما ہوگئی' سبزہ لہلہانے لگا' نظروں کو بھانے لگے' جن لوگوں کی زمینیں تھیں وہ بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ بس اب تو یہ سب کچھ ہمارے قبضہ میں ہے اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کریں گے اسی سوچ و بچار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات میں یا دن میں کوئی مصیبت آ گئی اور اس نے اسے ڈھیر کر دیا۔

اب جب دیکھنے والے نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا اس دنیا میں جو ہری بھری گھاس اور کھیتی کی حالت ہے کہ ابھی تو ہری بھری تھی اور ابھی کچھ بھی نہیں یہ ہی مثال پوری دنیا کی ہے' افراد کی بھی یہ ہی مثال ہے اور قوموں کی بھی' حکومتوں کی بھی اور مال و جائداد کی بھی' کچھ دن لوگ منتفع ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں اچھی زندگی گزارتے ہیں پھر افراد کو موت آ جاتی ہے جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں۔ تجارتیں تباہ ہو جاتی ہیں' باغ اجڑ جاتے ہیں اور اس سب کے بعد قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور وہاں ابد الآباد کے فیصلے ہونے ہیں' وہاں کی ابدی زندگی کے سامنے جتنی بھی بڑی زندگی ہو ہیچ ہے' اور جنت کی نعمتوں کے سامنے یہ معمولی سی نعمتیں کچھ بھی نہیں' اگر کوئی شخص دوزخ میں چلا گیا (العیاذ باللہ) تو دنیا کے سارے مال اور زینت اور سجاوٹ (جو تھوڑے دن کی تھی) کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ آخرت کے میدان میں پہنچیں گے تو ﴿كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ﴾ کا مظاہرہ ہوگا اور سمجھ میں آ جائے گا کہ دنیا میں جو کچھ تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔

Marfat.com

آخر میں فرمایا ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں) جو فکر کرتے ہیں وہی منتفع اور مستفید ہوتے ہیں جو فکر نہیں کرتے وہ اپنی مستیوں ہی میں لگے رہتے ہیں' اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے' جن لوگوں نے اچھائی کے کام کئے ان کیلئے خوبی ہے اور اس سے زائد بھی ہے' اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت' یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھا جائے گی' انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا' گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل جنت کی نعمتوں' اور اہل دوزخ کی بدصورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ

یہ تین آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دار السلام (سلامتی کے گھر) یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے جو دین اسلام اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے سراپا سلامتی کا راستہ ہے اس میں دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی چونکہ جنت میں جانے والے ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے' وہاں نہ موت آئے گی نہ وہاں سے کہیں جانا ہوگا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لئے اس کا ایک نام دار السلام بھی ہے یعنی ''سلامتی کا گھر'' جنت میں لے جانے والے عقائد اور اعمال کو ﴿سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ فرمایا ہے (کما فی سورۃ المائدہ رکوع ۳) اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں ملاقات کریں تو السلام علیکم کہیں اور جواب دینے والے وعلیکم السلام کہیں اس طرح آپس میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں۔ جنت میں بھی آپس کی ملاقات میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے کما قال تعالیٰ ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے لئے سلامتی کی خوشخبریاں آتی رہیں گی۔ کما فی سورۃ یٰس ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ فرشتے اہل جنت والوں کے پاس آئیں گی تو وہ بھی سلام پیش کریں گے۔ کما فی سورۃ الرعد ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾

رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو دعوت اسلام کے لئے خط لکھا تو تحریر فرمایا اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ تو اسلام لے آ سلامت رہے گا اللہ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری ص ۵ ج ۱)

الحاصل اسلام میں سلامتی ہی سلامتی ہے پھر فرمایا ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے) سیدھا راستہ جنت کا راستہ ہے جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا جامع ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے حسنیٰ ہے اور زیادہ انعام ہے حسنیٰ فعلی کے وزن پر ہے جس کا لغوی ترجمہ

Marfat.com

''خوبی'' سے کیا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حسنیٰ سے جنت مراد ہے اور زیادہ سے دیدار الٰہی مراد ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی کسی کی کمی نہ ہوگی۔ وہ خود بہت بڑی جگہ ہے لیکن اس نعمت پر مزید نعمت یہ ہوگی کہ اہل جنت اپنے رب جل مجدہ کا دیدار بھی کریں گے۔ تفسیر درمنثور (ص ۳۰۵) میں حضرت صہیب' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے متعدد کتب حدیث کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زِیَادَۃٌ کی تفسیر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ زِیَادَۃٌ سے اللہ جل شانہ کا دیدار مراد ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ جل شانہ' کا ارشاد ہوگا کیا تم کچھ اور چاہتے ہو جو تمہیں عطا کردوں وہ عرض کریں گے (ہمیں اور کیا چاہئے) کیا آپ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیئے اور کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (یہ بہت بڑا انعام ہے) اس کے بعد پردہ اٹھا دیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے' انہیں کوئی بھی ایسی چیز نہ دی جائے گی جو انہیں اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر محبوب ہو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (رواہ مسلم ص ۱۰۰ ج ۱)

پھر اہل جنت کے ایک مزید انعام کا تذکرہ فرمایا ﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ (ان کے چہروں پر کدورت چھائی ہوئی نہ ہوگی اور نہ ذلت) یعنی ان کے چہرے بدصورت نہ ہوں گے ان پر ذلت کا کوئی اثر نہ ہوگا سورۃ القیامہ میں فرمایا ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے) سورۃ المطففین میں فرمایا ﴿تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ﴾ (اے مخاطب تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی کو پہچانے گا) جو شخص دار السلام میں ہو اپنے رب کا دیدار کرتا ہو اس کا چہرہ کیوں حسین و جمیل اور پررونق نہ ہوگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ساری امتوں کے درمیان سے میں اپنی امت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰)

پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (یہ لوگ جنت والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) تیسری آیت میں دوزخیوں کا تذکرہ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ م بِمِثْلِهَا﴾ اور جن لوگوں نے برے کام کئے (جن میں سب سے زیادہ برا عمل کفر و شرک ہے) ان کی سزا ان کے اعمال جیسی ہوگی ان پر نہ کوئی ظلم ہوگا نہ زیادتی ہوگی۔ برابر سرابر کا بدلہ ہوگا ﴿وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ (اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی) ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ قیامت کے دن انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ ان کی بدصورتی کا یہ حال ہوگا کہ گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے کافر دنیا میں کتنا ہی خوبصورت ہو قیامت کے دن نہایت ہی بدترین صورت میں ہوگا' جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے' سورہ زمر میں فرمایا ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھے گا جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں کیا دوزخ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ سورہ عبس میں فرمایا ﴿وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ (اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر بدرونقی ہوگی ان پر بدصورتی چھائی ہوئی ہوگی۔ وہ لوگ کافر اور فاجر ہوں گے)۔

پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ
قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ

Marfat.com

عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، پھر ہم ان کے آپس میں جدائی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ ہمارے تمہارے درمیان گواہ کافی ہے بے شک بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے اس موقعہ پر ہر شخص اپنے ان کاموں کو جانچ لے گا جو اس نے پہلے کئے تھے اور وہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ تراش رکھا تھا وہ سب غائب ہو جائے گا۔

باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے

ان آیات میں روز قیامت کا ایک منظر بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ وہ دن قابل ذکر ہے جبکہ ہم سب کو جمع کریں گے۔ جمع ہونے والوں میں موحدین بھی ہوں گے اور مشرکین بھی، مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ شرک کرنے والو! تم اور تمہارے وہ معبود جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے تھے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یعنی انتظار کرو اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ اپنی پرستش کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہاں ضرور ہم تمہارے پرستار تھے۔ اس پر ان کے معبود کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ اشکال کیا ہے کہ وہ دن سچ بولنے کا ہے وہاں ان سے جھوٹ کیسے صادر ہو گا؟ یہ اشکال بے وزن ہے کیونکہ مشرکین کے جھوٹ بولنے کی تصریح سورۂ انعام میں موجود ہے پھر اسی ذیل میں یہ بات بھی آ گئی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ بنائیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ان کا اللہ تعالیٰ کو گواہی کے طور پر پیش کرنا بھی جھوٹ ہو گا بہر صورت مشرکوں اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ تعلقات منقطع ہو جائیں گے (خواہ ایک ہی طرف سے ہوں جیسا کہ بتوں سے ان کا تعلق تھا اور بت جامد اور ناسمجھ تھے) اور یہ واضح ہو جائے گا کہ مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ جن لوگوں کو سفارشی بنا کر عبادت کی تھی وہ خود دوزخ میں ہوں گے اور اپنے عبادت گزاروں سے بیزار ہو چکے ہوں گے، کمافی سورۃ الانعام ﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ (اور ہم تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارا آپس کا تعلق ختم ہو گیا اور تمہارا دعویٰ سب گیا گزرا ہو گیا۔)

آخر میں فرمایا ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ﴾ (الایۃ) وہاں یعنی روز قیامت ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کو جانچ لے گا۔ یعنی ہر ایک کے اپنے اپنے عمل کا نتیجہ سامنے آ جائے گا جس میں مشرکین کے شرک کی حقیقت کھل جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کی عبادت کرتے تھے ان سے ہمیں جو نفع کی امید تھی وہ غلط تھی وہ تو آج ہمارے خلاف بول رہے ہیں ان لوگوں کی ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو حقیقی مولا اور مالک ہے، اور جو کچھ باتیں تراشتے تھے غیر اللہ کو معبود جانتے تھے وہ سب کچھ غائب ہو جائے گا۔ اور کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کا مولیٰ یعنی مالک حقیقی ہے۔ اور سورۂ محمد میں جو ﴿وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ فرمایا ہے وہاں مولا مددگار کے معنی میں ہے یعنی کافروں کا وہاں کوئی مددگار نہ ہو گا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

Marfat.com

الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱
فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے' یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے سو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے' تو آپ فرما دیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو' سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جا رہے ہو۔

مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟

دنیا میں جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے دریافت فرمائیے کہ آسمان سے اور زمین سے تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے سننے کی قوت اور دیکھنے کی قوت کا کون مالک ہے یعنی تمہارے کانوں اور آنکھوں پر کسے پورا اختیار ہے کون ہے جس نے یہ چیزیں تمہیں دی ہیں اور جو ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ چاہتا ہے تو ان کو سلب کر لیتا ہے' اور یہ بھی بتاؤ کہ مردہ سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ عالم میں جو تصرفات ہیں ان کی تدبیر کون فرماتا ہے جب ان لوگوں سے یہ سوالات کرو گے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہ ہوگا کہ ان افعال کا مالک ومختار اور ان صفات سے متصف صرف اللہ ہی ہے۔ جب وہ یہ جواب دیں تو آپ فرما دیجئے کہ پھر تم اس رازق' خالق اور مالک سے کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کو چھوڑ کر جو دوسروں کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے نزدیک بھی بے اختیار ہیں۔ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ ذات پاک جس کی یہ صفات ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں وہی واقعی اور حقیقی رب ہے۔ اس کے مالک اور رب حقیقی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہو اور پھر دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو سراپا گمراہی ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا رہ ہی کیا گیا؟ جانتے بوجھتے گمراہی میں پڑنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ حق کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو (باطل کو چھوڑو اور حق کی طرف واپس آؤ) حق اور ضلال یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی اور چیز نہیں ہے جو حق نہ ہو وہ گمراہی ہے۔ دونوں میں تضاد ہے۔ حق اور گمراہی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ
اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ
الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہ بتائے؟ آپ

Marfat.com

فرما دیجئے کہ اللہ حق کی راہ بتاتا ہے سو جو حق کی راہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اسے راہ بتائی جائے، سو تمہیں کیا ہوا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو اور ان میں سے اکثر لوگ صرف اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں بلاشبہ اٹکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔

مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ مشرکین نے جو شرک کو اپنا رکھا ہے اور سمجھانے کے باوجود توحید پر نہیں آتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے بارے میں مغموم نہ ہوں ان کو ایمان لانا نہیں' اس کے بعد فرمایا کہ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر موت دے کر دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ اس بات کو جان لو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے اور موت دے کر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے سوال فرمائیے کہ بتاؤ تمہارے شرکاء میں وہ کون ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہے آپ خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے جو حق کا راستہ بتائے وہ زیادہ لائق اتباع ہے یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے ہدایت دی جائے؟ مطلب یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی پوجا کرتے ہو وہ تو خود ہی بے راہ ہیں اور اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں راہ بتائی جائے۔ سو تمہیں کیا ہو گیا؟ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو اور تم کیسی جاہلانہ تجویزیں کرتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتے ہو؟

پھر مشرکین کا حال بیان فرمایا کہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو محض اٹکل' گمان اور خیال کے پیچھے چلتے ہیں اپنے انہی خیالات کی وجہ سے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ گمان اور اٹکل سے حق واضح اور ثابت نہیں ہوتا اس کے لیے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے بغیر علم اور بلا دلیل انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے باطل معبود بنا رکھے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ نجم میں فرمایا ﴿اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ (یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ صرف گمان اور اپنے نفسوں کی خواہشوں پر چل رہے ہیں)۔

آخر میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ کہ بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اپنے علم کے مطابق وہ انہیں سزا دے گا۔

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں' اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے' کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم

Marfat.com

سچے ہو۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے جھٹلایا جسے اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا' ایسے ہی جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے' سو دیکھ لیجئے ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے' تم اس سے بری ہو جو میں کام کرتا ہوں' اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل' اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج

توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید تصدیق ہوگئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے اول تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھیجے ہیں اس میں ان کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کیا اور فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا ساری مخلوق میں سے اس مقصد کے لئے جس جس سے مدد لے سکتے ہو ان سب سے مدد لے لو۔ سورۂ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱) سورۂ ھود (رکوع ۲) میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ' پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آگئی' آج تک کوئی بھی قرآن کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لا سکا' اور نہ کبھی لا سکیں گے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (آپ فرما دیجئے کہ اگر سارے انسان اور سارے جنات اس بات کیلئے جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لا سکیں گے اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں)۔

جب قرآن کی سچائی ثابت ہوگئی تو قرآن لانے والا یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آجاتی اب جبکہ جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی اس تکذیب کا برا انجام سامنے آئے گا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے' ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہے۔ دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنا کام کئے جائیں۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو ایمان نہ لائے گا اس کی سزا بھگت لے گا۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا۔ مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔ تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بدعملی کی سزا بھگتو گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ

Marfat.com

النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ
يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَ لِكُلِّ
اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ
اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ
عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ ع

اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں' کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے اگرچہ وہ سمجھ بھی نہ رکھتے ہوں' اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں' کیا آپ اندھوں کو راہ بتا دیں گے اگرچہ وہ دیکھتے بھی نہ ہوں' بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں' اور جس دن اللہ انہیں جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے حصہ میں سے صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں' وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے' بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ اور اگر ہم اس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف ان سب کو لوٹنا ہے پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو کام وہ لوگ کرتے ہیں اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے سو جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کیلئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی مجرمین جلدی مچا رہے ہیں' کیا پھر جب وہ واقع ہو ہی جائے تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلد آنے کا تقاضا کرتے تھے' پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھ لو' تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمائی کرتے تھے اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجئے ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

تکذیب کرنے والوں کی بے حسی' قیامت کا منظر' دنیا میں عذاب آنے کی وعید

گزشتہ آیات میں مکذبین اور معاندین کا ذکر تھا' ان آیات میں ان کے مزید عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔ اوّلاً تو یہ فرمایا کہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ لہٰذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہو گئی۔ جیسے بہروں کو سنانا فائدہ مند نہیں ہو سکتا اسی طرح ان کو سنانا اور نہ سنانا برابر ہے۔ یہ

Marfat.com

لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہٰذا دیکھا ان دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں' آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ نہیں رہے۔ اس مضمون کو سورۂ انفال میں یوں بیان فرمایا ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (اور تم لوگ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) اسی ظلم میں سے یہ ہے کہ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اور اپنے حواس کو استعمال نہیں کرتے اور اگر حق سمجھ میں آجائے تو عناداً اس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں یہ سب ان کی جانوں پر ظلم ہے اور وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے دن کا ایک منظر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ﴾ (اور انہیں وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ ان کو جمع فرمائے گا گویا وہ دن کے ایک حصہ میں سے صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے) یعنی جب وہاں حاضر ہوں گے تو دنیا میں لمبی عمر گزری تھی اور برزخ میں جو عرصہ دراز تک رہے تھے اس سارے وقت کو یوں سمجھیں گے کہ گویا ہم صرف ذرا سی ہی دیر دنیا میں اور برزخ میں رہے قیامت کے دن کی سختی کو دیکھ کر دنیا اور برزخ کی مدت دراز کو بھول کر یوں سمجھیں گے کہ گویا دن میں سے صرف ایک گھڑی ہی وہاں گزاری ہے۔

سورۂ روم میں فرمایا ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) یہ جو فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یہ صرف پہچاننے ہی کی حد تک ہوگا آپس میں ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ مدد تو کجا ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے بڑوں پر اور بڑے چھوٹوں پر پھٹکار ڈالیں گے۔ اور سارے تعلقات وہاں ٹوٹ جائیں گے۔ پھر فرمایا ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا اور حساب اور جزا سزا کا انکار کیا یہ لوگ نقصان میں پڑ گئے اور اپنی جانوں کو ہلاک کر دیا۔ دنیا میں ہدایت یافتہ نہ ہوئے آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا ﴿وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ (اور جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آنا ہے) رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جو عذاب میں مبتلا کیے جانے کی وعیدیں نازل ہوتی رہتی تھیں ان کے بارے میں فرمایا کہ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھا دیں یعنی آپ کی حیات ہی میں اس کا نزول ہو جائے یا ہم آپ کو اس سے پہلے وفات دے دیں سو یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کے سامنے ہی عذاب آجائے اور یہ بھی ضرورت نہیں کہ آپ کے بعد ان پر عذاب آجائے یعنی دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں' ہمارے پاس ان کو آنا ہی ہے جو بڑا عذاب ہے (یعنی آخرت کا عذاب) اس میں تو ہر منکر اور کافر کو مبتلا ہونا ہی ہے ﴿ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ﴾ پھر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کا علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ کہ قیامت کے دن ہر امت کا رسول موجود ہوگا جو دنیا میں ان کی طرف مبعوث ہوا تھا امتیں موجود ہوں گی اور ان کے رسول بھی موجود ہوں گے جو اہل کفر کے کفر اور اہل ایمان کے ایمان پر گواہی دیں گے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم سورۂ نساء کی یہ آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ اور سورۂ زمر کی آیت ﴿وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ کے موافق

Marfat.com

ہے۔اور بعض مفسرین نے آیت بالا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دنیا میں جو رسول امتوں کے پاس آئے ان کی انہوں نے تکذیب کی اور اس تکذیب پر جو ان پر عذاب آیا اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ہے وہ پیغمبر جب ان کے پاس آ جاتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے پھر اس کے بعد کچھ لوگ مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔اہل ایمان کی نجات ہو جاتی ہے اور کافر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اتمام حجت کے بعد ہوتا رہا ہے۔[1]

﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ جب بار بار عذاب کی وعید سنتے تھے تو منکرین کہتے تھے کہ عذاب وعید کہاں تک سنیں' کب ہو گا یہ عذاب؟ ایک مرتبہ آ ہی جائے تو ہم بھی دیکھ لیں کیسا عذاب ہوتا ہے' عذاب آنے میں جو دیر محسوس کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ڈھیل تھی اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید تکذیب میں آگے بڑھ جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو تو اسے پورا کر کے دکھاؤ اور عذاب بھی لے آؤ۔ان کا یہ قول استفہام انکاری کے طور پر تھا۔اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّنَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ اللہ چاہے) جب اپنے بارے میں میرا یہ حال ہے تو تم پر عذاب لانا یہ میرے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔مجھ سے تقاضا کرنا جاہلانہ بات ہے۔﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (ہر امت کیلئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقررہ وقت آ پہنچے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں)۔

عذاب کا وقت آ جانے پر عذاب واقع ہو جائے گا جن امتوں کیلئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وقت مقرر ہے وہ دونوں میں مبتلائے عذاب ہوں گے اور جن کے لئے دنیا میں عمومی عذاب دینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا آخرت میں تو ان کے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب ہونا ہی ہے۔اجل مقرر پر عذاب سامنے آ ہی جائے گا۔یہ جو جلدی مچاتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ عذاب کب آئے گا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ اپنی مقرر کردہ اجل سے پہلے عذاب نہیں لائے گا۔یہ جو جلدی مچاتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ عذاب کب آئے گا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ اپنی مقرر کردہ اجل سے پہلے عذاب نہیں لائے گا۔ان لوگوں کے قول متی هذا الوعد کا پہلا جواب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ اعلان کرا دیا کہ میرے بس میں عذاب لانا نہیں' اور دوسرا جواب یہ دے دیا کہ عذاب اپنے مقرر وقت پر آئے گا۔تمہارے جلدی مچانے سے اجل مقرر سے پہلے نہیں آئے گا۔

پھر فرمایا ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ﴾ (الآیة) آپ ان سے فرما دیجئے یعنی سوال کیجئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو آ جائے تو عذاب میں ایسی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے مجرمین عذاب کے جلدی لانے کا تقاضا کر رہے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ عذاب تو رات یا دن میں کسی وقت بھی نازل ہو سکتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ عذاب سخت چیز ہے اس کے آنے کی جلدی کیوں مچاتے ہیں' عذاب میں ایسی کون سی چیز مرغوب ہے جسے جلد بلانا چاہتے ہیں۔جب حقیقۃً عذاب مطلوب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ عذاب لانے کی جلدی مچانے سے وعدہ عذاب کی تکذیب مقصود ہے۔﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہو گا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہو گی) ﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ جب عذاب آ جائے گا تو سوال ہو گا کیا اب تصدیق کرتے ہو حالانکہ تم (بقصد تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔اس وقت کا ایمان لانا اور تصدیق کرنا فائدہ مند نہ ہو گا ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی والا عذاب چکھو ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ (تمہیں انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کسب کرتے تھے) یعنی دنیا میں جن کاموں کو کیا کرتے تھے ان ہی کی جزا ملے گی۔

[1] خاتم النبیین ﷺ سے پہلے جو امتوں کے احوال گزرے ان کا ذکر۔۱۲

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ﴾ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا عذاب واقعی چیز ہے؟ ﴿قُلْ اِيْ وَرَبِّيْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ آپ فرما دیجئے کہ ہاں میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ حق ہے واقعی ہو جانے والی چیز ہے۔ ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ (اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو) یعنی جب عذاب آ جائے گا تو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے' یہ نہ سمجھو کہ جب عذاب آئے گا تو ہم بھاگ نکلیں گے اور کہیں پناہ لے لیں گے۔ سارا ملک اللہ ہی کا ہے کہیں بھی فرار ہو کر نہیں جا سکتے۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ (اور تم آسمان میں اور زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے جو اس کے عذاب سے بچا دے)۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہر وہ شخص جس نے ظلم کیا اگر اس کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کیلئے اس سب کو خرچ کر ڈالے گا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے' اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے خبردار بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے' وہی زندہ فرماتا ہے وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ظالم لوگ جان چھڑانے کیلئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا

منکرین اور معاندین دنیا میں حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کر کے اور راہ کفر اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اس کی آخرت میں سزا ملے گی۔ اور جب وہاں عذاب سامنے آئے گا تو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے بچنے کے لئے سب کچھ خرچ کر دینے کو راضی ہوں گے۔ اگر بالفرض انہیں پوری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اور اس جیسا اور بھی ان کو مل جائے وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ وہاں کچھ بھی پاس نہ ہوگا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو اور جان کے بدلہ دینے لگیں تو قبول نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفسیر سورۂ آل عمران کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ اور سورۂ مائدہ کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱)

﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت اور پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور دل ہی دل میں پشیمان ہوتے رہیں گے کہ کاش مومن ہوتے تو آج مبتلائے عذاب نہ ہوتے۔ ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا)

﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب کچھ اس کی ملکیت ہے' یہ مجرمین بھی اس کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ اسے ہر طرح تصرف کرنے کا حق ہے۔ مجرمین کو عذاب دینا اس کے لئے آسان ہے۔ اس کی قدرت اور تصرف سے کوئی باہر نہیں۔

﴿اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ (خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے) قیامت ضرور آنی ہے۔ انکار کرنے سے اور شک کرنے سے وہ رک نہ جائے گی۔

﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے جو قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں ﴿هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ

Marfat.com

﴿تُرْجَعُوْنَ﴾ (وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اس میں منکرین بعث کے استبعاد کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ موت کے بعد کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور یہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے' اسی سے سمجھ لو کہ وہ موت کے بعد بھی زندہ فرمادے گا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے مومنین کے لئے' آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں' یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن موعظت ہے' سینوں کیلئے شفا ہے' اور ہدایت ورحمت ہے

منکرین سے خطاب کرنے کے بعد مومنین کو خطاب فرمایا لیکن اسے یایھا الناس سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کیلئے ہے سب انسان اسے قبول کریں۔ جن لوگوں نے اسے قبول کرلیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام اور رحمت واکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا ہیچ ہے' دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت بتایا۔ موعظت' نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور حکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہو اور آخرت کے احوال اور اہوال کی تذکیر ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ان سب امور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو ﴿شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایات پر عمل کرے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ حسد' کینہ' تکبر' بخل' خود پسندی اور حب دنیا اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہوگی۔ نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لفظ ﴿لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا اضافہ فرمادیا۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے لیکن چونکہ اس سے اہل ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لئے ذریعہ ہدایت اور رحمت بنا لیتے ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لئے ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہو جائیں۔

صاحب مدارک التنزیل لکھتے ہیں کہ فضل اور رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور انعام بر انعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دنیاوی نعمتوں پر اترانا دوسری چیز ہے پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری چیز سے منع فرمایا ہے۔ دنیاوی مال اور جاہ پر اترانا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے۔ ﴿حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ اور سورۂ قصص میں فرمایا ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حب دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذریعہ ہے

Marfat.com

اس لئے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور فانی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ
عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا تم نے اس میں سے خود ہی بعض کو حرام اور بعض کو حلال تجویز کر لیا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو؟ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے

اللہ جل شانہ نے بندوں کو پیدا فرمایا ان کو رزق بھی عطا فرمایا۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں نے احکام بتائے اور حلال و حرام کی وہ تفصیلات بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کو کامل فرما دیا اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا قرآن و حدیث میں حرام و حلال کی تفصیلات موجود ہیں۔ مشرکین نے جو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کر رکھا ہے اس کی بھی تردید فرمائی اور امت محمدیہ علیہ صاحبہ الصلوات والتحیہ کیلئے بھی پیش بندی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے ہٹ کر اپنے طور پر حرام و حلال قرار نہ دیں اور واضح طور پر بتا دیا کہ تحلیل و تحریم یعنی حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے بندوں کو اس میں دخل دینا حرام ہے اور اصول بندگی کے خلاف ہے۔

اللہ نے جو رزق نازل فرمایا ہے تم نے اس میں سے بطور خود بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا حق تم نے کیسے استعمال کر لیا۔ کیا اللہ نے تمہیں تحلیل و تحریم کی اجازت دی ہے۔ یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے۔ تمہارا اپنے پاس سے یوں کہنا کہ فلاں چیز حلال اور فلاں چیز حرام ہے یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھنا اور افتراء کرنا ہے۔ جو کچھ اس نے حلال و حرام قرار دیا ہے اس کے خلاف جو تم کہتے ہو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ تحلیل و تحریم اللہ نے کی ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا حق اسی کو ہے۔ مخلوق کے حرام کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور مخلوق کے حلال کہنے سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔ مشرکین عرب نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ﴾ کی تفسیر میں اور سورۂ انعام کی آیت ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ﴾ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تحلیل و تحریم کو دانستہ یا نادانستہ طور اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عقیدۃً تو حلال کو حرام نہیں سمجھتے لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح بچتے ہیں جیسے حرام سے بچا جاتا ہے۔ نیاز فاتحہ کا جن لوگوں میں رواج ہے وہ لوگ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے عنوان سے جو کھانا پکاتے ہیں وہ اول تو بدعت ہے پھر اس کے بارے میں یہ قانون بنا رکھا ہے کہ اس سے صرف لڑکیاں کھائیں گی لڑکے نہیں کھائیں گے۔ اللہ کی شریعت میں جو چیز سب کے لئے حلال ہے اسے لڑکوں کے لئے حرام قرار دینا وہی مشرکین والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تغییر اور تبدیلی کر دی اور حلال کو اپنے پاس سے حرام قرار دے دیا' اس طرح کی بہت سی چیزیں پیروں' فقیروں اور اہل بدعت میں مروج ہیں۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ کے قوانین میں تصرف کرتے ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو

Marfat.com

حلال قرار دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کیا گمان ہے۔ کیا انہیں روز قیامت کا یقین نہیں ہے؟ اسی یقین کے نہ ہونے کی بنیاد پر اللہ کے نازل فرمودہ رزق میں اپنی طرف سے حلت و حرمت تجویز کرتے ہیں ایسے نڈر ہو گئے ہیں کہ انہیں آخرت کے مواخذہ کا کچھ بھی دھیان نہیں۔

آخر میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا ہے رزق حلال عطا فرماتا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں) حلال کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔

اللہ کا یہ فضل بھی ہے کہ اس نے لوگوں کو دولت عقل سے نوازا پیغمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں جنہوں نے حق اور ناحق واضح کر کے بتایا جس میں حرام و حلال کی تفصیلات بھی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فضل کی قدر دانی نہیں کرتے اور شکر کے بجائے کفران نعمت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس کفران نعمت میں معصیت اور کفر و شرک کا اختیار کرنا سب داخل ہے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

اور آپ جس کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن مجید کا جو بھی کوئی حصہ تلاوت کر رہے ہوں اور تم لوگ جو بھی کوئی عمل کرتے ہو ہم ضرور اس سے باخبر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور زمین اور آسمان میں ذرہ کے برابر کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے رب کے علم میں نہ ہو۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو جو کتاب مبین میں نہ ہو

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے کوئی ذرہ اور چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں

ان آیات میں اللہ جل شانہ کی صفت علم کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آپ جس حال میں بھی ہوں اور اسی حال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوں اور آپ کے علاوہ دوسرے اشخاص اور افراد جو بھی کوئی عمل کرتے ہوں یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں کسی کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں۔ اور آسمان میں اور زمین میں جو بھی ذرہ کے برابر کوئی چیز ہے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم ہے اور اس کے علم سے غائب نہیں ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوق ہے اور وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ آسمان و زمین کو چونکہ سبھی لوگ جانتے ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں اس لئے خصوصی طور پر ان کا ذکر فرما دیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ارض و سماء سے علوی اور سفلی دونوں جہتیں مراد لی گئی ہیں۔

مزید فرمایا کہ ذرہ سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا کوئی چیز اس سے بڑی ہو کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس کو محیط ہے جو چیزیں وجود میں آئیں یا بعد میں پیدا ہوں گی ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جو چیزیں پیدا نہ ہوں گی ان کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے بلکہ اس کو ممتنعات کا بھی علم ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

خبردار بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے ان کے لئے بشارت

Marfat.com

ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں' یہ بڑی کامیابی ہے۔

اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین

یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور ولایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے' ولی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہیں اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم و بیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت' تلاوت' ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہو جاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے بندے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں' چونکہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا دھیان۔ نوافل کی کثرت۔ ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان ﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ﴾ کا حصول۔ خشوع خضوع' اخلاص' مکارم اخلاق' محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم (ص ۴۷ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَّاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ ستر سے کچھ اوپر ایمان کے شعبے میں سے سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے' اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے' اور خصوصیت کے ساتھ حیاء کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو وہ سب قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ میں بیان فرما دیا۔ حرام سے لے کر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں ان سے بچنا بھی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

﴿اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ﴾ کہ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ' ایسا کرنے سے تو دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہو گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰) جو شخص مامورات پر عمل کرتا رہے اور منہیات سے بچتا رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے اتباع کا اہتمام کرتا رہے جسے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ میں بیان فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الٰہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشغال و افکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوگی اسی قدر قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیًّا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب إلی مما افترضته علیه وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احْبَبْتُهٗ فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصره به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا اور میرے بندے

Marfat.com

میرے فرائض کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے
ںاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ
ں جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے) اس
یث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی تقرب بڑھتا رہتا
ہے ان امور کو سامنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت فرائض واجبات اور مستحباب اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام
ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا
ب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت
بات ہے جو شخص متبع شریعت نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدیاں عموماً جلب زر ہی کے لئے رہ گئی ہیں۔

جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر و شغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں
م کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں
ھتا ہوں بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی کے
ئے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبیعت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا آسان ہو جائے۔ اب تو گدی نشینوں کے
یک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی پلٹ گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کون ہیں اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے
ئے جس انعام کا وعدہ فرمایا وہ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
لصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے
نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں
ے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لئے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے
ے ولایت کا مصداق بھی معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
ہ اللہ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے اس مرتبہ کی وجہ
ے جو اللہ کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں
آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہو گی اور نہ اموال کے
ن دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہو گی) اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے جس
ن لوگ خوف زدہ ہوں گے۔ یہ خوف زدہ نہ ہوں گے اور جس دن لوگ رنجیدہ ہوں گے اس دن یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں گے اس کے بعد رسول
ہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابو داؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۶) اس حدیث سے معلوم
گیا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور بے اطمینان
نا مراد ہے لہٰذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہوا اور بعض احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح
ت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف و حزن سے
غوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور
ہداء خوف زدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی

Marfat.com

دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہدا کرام بھی سفارش میں لگے ہوئے ہوں گے دوسرے اولیاء اللہ بے فکر بے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لئے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مومن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخلہ مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعے اس ولایت کو مکدر کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لئے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اسی ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لاج رکھتا اور گناہوں سے بچتا جس سے اونچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لئے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ کہ اولیا کے لئے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کی پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لیے دیکھ لی جائے (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ مومن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لئے خیر و خوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عند اللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو ایسی خوابیں دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مومن بندے کے لئے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرما دیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایئے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (اس کی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مومن کے لئے ایک بشارت ہے جو اس دنیا میں اسے مل گئی۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور ان کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اس کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس میں موت کے وقت اللہ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے۔ نیز قبر میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲)

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور ان کے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ (ع ۳) میں فرمایا ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اور سورۃ بقرہ (ع ۱۹) ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اور سورۂ بقرہ (ع ۲۸) میں ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ فرمایا ہے۔ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں ان کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾۔ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

Marfat.com

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ
اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ
الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور آپ کو ان کی بات رنجیدہ نہ کرے' بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔ خبردار اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں' اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شرکاء کو پکار رہے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور صرف اٹکل پچو گمان کرتے ہیں۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے وہ اس سے پاک ہے وہ غنی ہے' اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھائیں گے۔

مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے اللہ کیلئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ان کی باتیں سن کر غمگین اور دلگیر نہ ہوں ساری عزت اور ہر طرح کا غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ غالب ہے آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ﴿لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (مجادلہ ع ۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ وہ ان کے اقوال اور اعمال کی سزا دے گا وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں) اس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ (اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ جو لوگ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے گمان ہی گمان ہے۔ حالانکہ معبود بنانا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد گمان اور اٹکل پر رکھ لی جائے۔ اس کیلئے واضح دلیل کی ضرورت ہے۔ اور دلیل وہی ہے جو خالق مالک جل مجدہ کی طرف سے ملے۔ اول تو اس نے عقل سلیم عطا فرمائی غور و فکر کی صلاحیت دی۔ یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے اگر کوئی شخص اس سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے اور یقین کے ساتھ جان سکتا ہے کہ پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا انہوں نے صرف خالق جل مجدہ کی عبادت کرنے کو راہ مستقیم بتایا اور اسی کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ خالق کائنات ہے صرف وہی معبود وحدہ لاشریک ہے۔ مشرکین نہ دلیل عقلی سے کام لیتے ہیں نہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بتانے سے شرک چھوڑتے ہیں۔ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام

Marfat.com

کرو) ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ (اور دن کو ایسی چیز بنایا جس میں دیکھ بھال کرتے ہو) اس میں چیزیں صاف واضح نظر آتی ہیں۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ﴾ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ (یعنی حق کو قبول کرنے کی نیت سے سنتے ہیں اور سنی کو ان سنی نہیں کر دیتے) رات اور دن دونوں ایسی چیزیں ہیں جو نظروں کے سامنے ہیں۔ پوری دنیا ان دونوں وقتوں سے خالی نہیں ہوتی کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اور دنیا کے بسنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو رات میں یا دن میں نہ ہو ہر علاقہ میں یہ دونوں یکے بعد دیگرے گزرتے ہیں۔ ان دونوں کا الٹ پھیر کرنے والا اور آگے پیچھے لانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے آرام کرنے کیلئے بنایا اور دن کو بھی بہت بڑا فائدہ ہے اس میں لوگ چلتے پھرتے ہیں دیکھتے بھالتے ہیں۔ کسب معاش کرتے ہیں یہ سب اوقات اور سب حالات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی نشانیاں سامنے ہیں وہ ان کے سامنے لائی جاتی ہیں تو انہیں سننا نہیں چاہتے اور سن لیتے ہیں تو ان کے تقاضوں کے مطابق نہیں چلتے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ﴾ (ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے۔) ﴿هُوَ الْغَنِيُّ﴾ (وہ بے نیاز ہے) ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اول تو وہ بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی مملوک ہے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اللہ جل شانہ کے لئے اولاد ہونا ہی محال ہے۔ اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب کی بات تجویز کرنا ہے۔ اور اس کی ذات کو محتاج بتانا ہے حالانکہ وہ ان سب باتوں سے پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲)

پھر فرمایا ﴿إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا﴾ (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے) بے سند باتیں ہیں خود تراشیدہ خیالات ہیں ﴿أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تم علم نہیں رکھتے)

پھر فرمایا ﴿قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے) ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (دنیا میں تھوڑا سا نفع ہے پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھا دیں گے) اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ مشرک اور کاذب اور مفتری آرام و راحت میں ہیں۔ ان کے پاس مال بھی ہے حکومتیں بھی ہیں اس طرح تو وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تھوڑی سی دنیاوی زندگی ہے اس میں تھوڑا سا عیش کر لیں گے پھر ہمارے پاس آئیں گے وہاں کفر کا سخت عذاب چکھیں گے۔ اس عذاب کے سامنے یہ ذرا سا چند روزہ دنیا کا عیش کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا' جو دوزخ میں جائے (اور وہ بھی ہمیشہ کیلئے) وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ
اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ
وَلَا تُنظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ

Marfat.com

اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنائیے' جبکہ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا قیام کرنا اور اللہ کی آیات کی یاد دہانی کرنا تم پر بھاری ہے تو میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا سو تم سب مل کر اپنے شرکاء کے ساتھ اپنی تدبیر کر لو پھر وہ تمہاری تدبیر ڈھکی چھپی نہ رہے پھر تم میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ سو اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تم سے کسی معاوضہ کا سوال تو کیا نہیں۔ میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ سو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی' اور ہم نے انہیں پہلے لوگ کے بعد زمین کا آباد کرنے والا بنا دیا' اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' سو اے مخاطب دیکھ لے جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے تفصیل کے ساتھ آئندہ سورۂ ھود اور سورۂ نوح میں مذکور ہے۔ نیز سورۂ اعراف (رکوع ۸) میں بھی گزر چکا ہے۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیں اور سورہ ہود (رکوع ۳) اور (رکوع ۴) کی تفسیر کا مطالعہ کر لیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال قیام فرمایا ان کو طرح طرح سے سمجھایا توحید کی دعوت دی شرک کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی لیکن وہ لوگ برابر مخالفت کرتے رہے اور دشمنی پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ﴾ (کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کئے جانے والے آدمیوں میں سے ہو جاؤ گے) حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شرکاء (جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو) سب مل کر میرے خلاف منصوبے بنا لو اور ایسا منصوبہ ہو جو ڈھکا چھپا نہ ہو پھر تم اپنے اس منصوبہ کے موافق میری ایذا رسانی کے لئے جو چاہو فیصلہ کر لو۔ مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں۔ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا اور مجھے تم سے کوئی لالچ بھی نہیں۔ اگر مجھے تم سے کچھ لالچ ہوتا تو مجھے یہ خیال ہوتا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے تو جس نفع کی امید ہے وہ حاصل نہ ہو گا تم اگر روگردانی کرو اور اپنے اعراض پر باقی رہو تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ برابر جھٹلاتے رہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (کہ جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ) حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی اور اپنے گھر والوں کو اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لیا زبردست پانی کا طوفان آیا جس میں سارے کافر غرق ہو گئے (ان میں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا) اور تمام اہل ایمان نے نجات پائی۔ کافروں کی ہلاکت کے بعد یہ نجات پانے والے اہل ایمان دنیا کے آباد کرنے والے بنے۔ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ اب دیکھنے والے دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا' وہ اپنے کفر پر جمے رہے اور ہلاک ہوئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا

Marfat.com

قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی پیغمبر بھیجے جو اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آئیں۔ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا' سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آ گیا تو کیا تم اس کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ جس چیز پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے تو ہمیں اس سے ہٹا دے۔ اور زمین میں تم دونوں کو سرداری مل جائے اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر جادوگر کو لے آؤ جو خوب جاننے والا ہو۔ سو جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈال دو تم جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے بلاشبہ عنقریب اللہ اسے باطل کر دے گا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا' اور اللہ اپنے وعدہ کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین برا مانیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادوگروں کا شکست کھانا

ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا جو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پہلے سے جس کفر پر جمے ہوئے تھے اسی پر جمے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ لہٰذا حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات و معجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا' جیسا کہ سورۂ مومنون میں ان کا قول نقل فرمایا ہے ﴿اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ (کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر پر ہی جمے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کی ان سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت زیادہ سفید تھا اور اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی تو وہ اژدھا بن گئی' اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور

Marfat.com

یہ بھی سمجھ لو کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے تباہی ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے۔ جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اہل دنیا' دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے۔ اور اس کی ساری محنت کوشش اس لئے ہے کہ اسے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی اور بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو سرزمین مصر کی حکومت چاہتے ہو (والعیاذ باللہ)

چونکہ ان کی لاٹھی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس لئے جادو کا مقابلہ کرانے کے لئے جادوگروں کو طلب کرنے کی سوجھی۔ فرعون نے کہا میری قلمرو میں جتنے بھی ماہر جادوگر ہیں سب کو بلا لو۔ چنانچہ جادوگر بلائے گئے اور مقابلے کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولئے آپ اپنی لاٹھی ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں جو ان کے جادو کی وجہ سے دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اژدھا بن گئی۔ اور ان کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ ابھی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادوگر اپنی جادوگری میں ناکام ہوئے پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فسادی ہوگا وہ مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا۔ ﴿وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناگوار ہو) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وہ پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونیوں کو اور جادوگروں کو شکست فاش ہوئی۔ فالحمد للہ علی ما قضی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں فتنے میں نہ ڈالے' اور بلاشبہ فرعون اس زمین میں بلندی والا تھا' اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے تھا' اور موسیٰ

Marfat.com

نے کہا کہ اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو' انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے' اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو' اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دو۔

مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اپنی قوم کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ فرعون اور ان کی طرف بھی ان کی بعثت ہوئی تھی۔ فرعون کی قوم میں سے ایک شخص نے ایمان قبول کیا جس کا ذکر سورۂ مومن میں ہے اور فرعون کی بیوی بھی مسلمان ہوگئی تھی جس کا سورۂ تحریم میں ذکر ہے اور بعض لوگوں نے ماشطہ (فرعون کی لڑکی کی کنگھی کرنے والی) اور اس کے خزانچی اور اس کی بیوی کے مومن ہونے کا بھی ذکر کیا ہے' بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ مسلمان تو ہو گئے لیکن فرعون سے اور اس کی قوم کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ کہیں انہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ یعنی جو دین حق انہوں نے قبول کرلیا ہے اس سے ہٹا نہ دے۔ فرعون کو زمین میں اقتدار حاصل تھا۔ متکبر بھی تھا اور ظالم بھی' جن لوگوں کو سزا دیتا تھا وہ بہت سخت سزا ہوتی تھی۔ ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اسی لئے اسے سورۃ الفجر میں ذُو الْاَوْتَادِ فرمایا ہے۔

تکبر اور تجبر میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنے بارے میں ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کہتا تھا جو لوگ مومن ہوئے وہ اس سے ڈرتے رہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرمانبردار ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا پھر یوں دعا کی کہ اے اللہ ہمیں ظالموں کیلئے فتنہ نہ بنا جو ہمیں تکلیف دیں اور تختۂ مشق بنائیں اور ہم پر رحم فرما اور کافر قوم سے نجات دے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے والے کو اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ توکل ہوگا تو دعا کی قبولیت کی امید زیادہ بندھ جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل دعاء کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب عادیہ پر نظر نہ رہے اور صرف خالق الاسباب پر بھروسہ ہو جائے۔ اور دعا بھی اسی ذات پاک سے مانگی جاتی ہے جس پر بھروسہ ہے اس لئے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بنائے رکھو اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھتے رہو۔ یہ گھر ہی تمہارے لئے مسجدیں ہیں چونکہ فرعون کے ظلم کی وجہ سے باہر مسجدیں نہیں بنا سکتے تھے اور کھل کر نماز پڑھنے کا موقعہ نہ تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ گھروں میں ہی نماز پڑھیں۔ اور نماز قائم رکھیں۔ (اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ جہاں بھی ہوں مظلومیت کے جن حالات سے بھی گذر رہے ہوں نماز قائم کرنے میں سستی نہ کریں)۔

آخر میں فرمایا ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اہل ایمان کو بشارت دے دو) اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائے گا انہیں ظالموں سے نجات دے گا' اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا۔ اور ان کی مظلومیت کی جو حالت ہے اس سے نجات دے گا۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

Marfat.com

الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾
وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ
الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾
آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بیشک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں زینت اور اموال دیئے ہیں اے ہمارے رب! یہ اس لئے ہیں کہ وہ آپ کے راستے سے ہٹایا کریں' اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔ سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستہ کا ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے' اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا پھر بغاوت اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون اور اس کا لشکر ان کے پیچھے ہولیا' یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں' کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہو وے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بیشک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے۔

فرعون اور آل فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا' فرعون کا غرق ہونا' اور عبرت کیلئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا

فرعون اور اس کی قوم مصر میں صاحب اقتدار تھے ان کے پاس اموال تھے' زیب و زینت کے ساتھ رہتے تھے اور بنی اسرائیل جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر جا کر آباد ہو گئے تھے وہ وہاں پردیسی تھے اور چونکہ اہل مصر یعنی قبطیوں کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے ان سے محنت کے کام لئے جاتے تھے بلکہ ان سے بیگاریں لیتے تھے۔ بنی اسرائیل مال کے اعتبار سے بھی بہت کمزور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! آپ نے ان لوگوں کو دنیاوی ساز و سامان دیا ہے جو اس بات کا ذریعہ بن رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستہ سے ہٹائیں اور گمراہ کریں۔ آپ ان کے مالوں کو ختم کر دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے تاکہ یہ دردناک عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور کفر کی سزا دنیا میں اور آخرت میں چکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور استقامت کے ساتھ کار مفوضہ انجام دیتے رہو اور جو لوگ نادان ہیں ان کی راہ کا اتباع نہ کرو (تمہاری مدد کا وعدہ تو ہے لیکن اس کے ظہور میں جو دیر لگے اس دیر سے مت گھبرانا جیسا کہ وہ لوگ گھبرا جاتے ہیں جو عادۃ اللہ کو نہیں جانتے اور جن کی اللہ کی حکمتوں پر نظر نہیں ہوتی) صاحب روح المعانی نے ﴿فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ کی یہی تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن جریج اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ چالیس سال کے بعد اس دعا کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوا' اور بنی اسرائیل نے ان کے شر سے نجات پائی۔

جب دعاء کی قبولیت یعنی اس کا اثر ظاہر ہونے کا وقت آیا حسب فرمان باری تعالیٰ شانہ حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے۔ سمندر پر لاٹھی ماری تو سمندر ٹھہر گیا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے یعنی اس میں راستے نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر اس میں سے گزر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو مصر چھوڑ کر صحیح سالم جانے دیں۔ یہ لوگ سینکڑوں سال سے بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرتے آ رہے تھے ان کے چلے جانے سے متفکر ہوتے تھے کہ اب ہماری خدمت کون کرے گا ان کا تعاقب کرنے کے لئے فرعون اپنا لشکر لے کر آیا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر کے راستوں میں گھس گئے (جو اللہ نے پیدا فرما دیئے تھے) اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے سمندر کو ملا دیا سارے راستے ختم ہو گئے اور سارا سمندر ایک ہو گیا لہٰذا فرعون اور اس کے لشکری سب اس میں ڈوب گئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء اور سورۂ دخان میں بیان فرمایا ہے۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنا انعام یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا۔ سو ہم نے تمہیں نجات دے دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور حالت یہ تھی کہ تم دیکھ رہے تھے)۔

جب فرعون ڈوبنے لگا تو بولا کہ بنی اسرائیل جس ذات کے معبود ہونے پر ایمان لائے میں اسی ذات پر ایمان لاتا ہوں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں' اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کے دین کو قبول کر کے میں بھی غرق ہونے سے بچ جاؤں جیسا کہ یہ لوگ بچ گئے' لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب موت کے احوال نظر آنے لگیں اس وقت ایمان معتبر نہیں لہٰذا اس وقت اس کا ایمان لانا اس کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ خطاب کیا گیا ﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (کیا اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت جبرائیل یا حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کو یہ بھی کہا گیا ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ سو آج ہم تیرے بدن کو نجات دے دیتے ہیں۔ یعنی تیری لاش کو پانی میں بہا دینے کی بجائے پانی کے اوپر تیرا دیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بن جائے۔ بعد میں آنے والے تجھ سے عبرت لیں اور دیکھیں کہ اللہ کے باغی کا کیا انجام ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا ہی سلطنت اور دبدبہ والا ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ کوئی شخص اپنی سلطنت پر گھمنڈ نہ کرے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں) جو فکر نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس آیت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور اس کی نعش کو پانی میں بہنے سے اور دریائی جانوروں کے کھانے سے محفوظ فرما دیا۔ اس نعش کو لوگوں نے دیکھا اور اس سے لوگوں کو بھی عبرت ہوئی کہ جو شخص اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور جسے معبود سمجھا جاتا تھا اس کا یہ انجام ہوا۔ سارا اقتدار تخت و تاج محلات سب دھرے رہ گئے اور سمندر میں ڈوب کر نہ صرف وہ تنہا بلکہ اس کے لشکری بھی ہلاک ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو بھی یقین آ گیا کہ ہمارا جو دشمن تھا وہ غرق ہو گیا اور جس کے ڈر سے بھاگے تھے اس کی ڈوبی ہوئی نعش کو نظروں کے سامنے دیکھ لیا اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے جو دعا کی تھی اس کی قبولیت واضح طور پر نظروں کے سامنے آ گئی۔

لفظ خَلْفَكَ جو فرمایا (جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تیرے پیچھے ہیں تو ان کیلئے عبرت بن جائے) اس کا عموم اس وقت کے موجودہ لوگوں کو بھی شامل ہے اور بعد میں آنے والوں کو بھی۔ لیکن قرآن مجید میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کتنے عرصہ تک اس کی نعش کو محفوظ رکھا گیا۔ اس زمانہ کے لوگوں کو عبرت حاصل ہونے کے بعد اس کی نعش محفوظ نہ رہی ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں اور اگر زمانہ دراز تک باقی رہی ہو تو یہ بھی ممکن ہے۔ اہل مصر کو نعشوں پر مصالحہ لگا کر باقی رکھنے کا شوق تھا اور اس کو مصالحہ لگا کر باقی رکھتے تھے اس مصالحہ کو ممی کہا جاتا تھا۔ تقریباً تین سو سال سے ممی لگائی ہوئی بہت سی نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور ان میں فرعون کی نعش بھی بتائی جاتی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ یقینی طور پر ایسا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں فرعون کی نعش بھی ہے جو حضرت موسیٰ کا تعاقب کرتے ہوئے غرق ہوا تھا۔ کیونکہ شرعی سند سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے بعض ریسرچ کرنے والوں کا بیان ہے کہ مذکورہ عجائب گھر میں جو نعشیں محفوظ ہیں ان میں ایک نعش اس

Marfat.com

فرعون کی بھی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کے لئے جو بد دعا کی کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔

اس کے بارے میں یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ وہ تو ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنے مخاطبین کے لئے گمراہی پر مرنے کی بد دعا کیسے فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرعون اور آل فرعون پر تبلیغ کی محنت کرنے اور ان سے ناامید ہو جانے کے بعد کی بات ہے اور یہ بد دعا ایسی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کیلئے بد دعا کی تھی۔ ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ (اے رب زمین پر ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ)۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان چیزوں میں ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ سو اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق آگیا ہے۔ سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں، اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جایئے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے، بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس تمام دلیلیں آ جائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا

فرعون اور اس کے لشکر تو ڈبو دیئے گئے اور بنی اسرائیل سمندر پار کر کے اپنے علاقہ فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے چالیس سال میدان تیہ میں گھومتے رہے اس کے بعد انہیں اپنے وطن میں ٹھکانہ مل گیا اور یہ لوگ وہاں صاحب اقتدار ہو گئے۔ ٹھکانہ بھی اچھا ملا اور کھانے پینے کیلئے پاکیزہ چیزیں نصیب ہوئیں۔ اللہ کی ان عظیم نعمتوں پر انہیں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے دین میں اختلاف شروع کر دیا اور جہل کی وجہ سے نہیں بلکہ علم پہنچنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرما دے گا جن میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے پہلے یہ لوگ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے اور قرآن مجید کو سن لیا اور آپ کے بارے میں جان لیا کہ آپ ہی

Marfat.com

اللہ کے آخری نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اختلاف کر بیٹھے۔ اکثر نے تو تکذیب کی اور معدودے چند ہی مسلمان ہوئے اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا۔ مکذبین آتش دوزخ میں داخل ہوں گے اور اہل ایمان نجات پائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ﴾ (الآیتین)۔ اس میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آپ کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں شک کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ﴾ اور ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ کہہ کر خطاب فرمایا ان میں صورت خطاب تو آپ کو ہے لیکن معنوی طور پر خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اسی طرح آیت بالا میں ظاہری خطاب آپ کو ہے اور مقصود وہ لوگ ہیں جو شک کی دلدل میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک کرنے والے ان لوگوں سے پوچھ لیں جو پہلے سے کتاب پڑھتے تھے یعنی یہود و نصاریٰ سے معلوم کرلیں کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں جو تمہارے پاس علم ہے اس کے مطابق آپ پر وہ صفات منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟ جو تم پڑھتے آئے ہو۔ اگر وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حقیقت واقعہ کے مطابق بتائیں گے تو یہی بتائیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی واقعی اللہ کی کتاب ہے۔ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ فَاِنْ کُنْتَ میں جو خطاب ہے اس سے عام انسان مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے انسان اگر تجھے اس وحی میں شک ہے جو بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تیری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے دریافت کرلے جو اس سے پہلے اللہ کی کتاب یعنی توریت و انجیل پڑھتے آرہے ہیں وہ تجھے بتادیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ کی بعثت کی بشارتیں دی ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی خبر موجود ہے۔ یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔

﴿لَقَدْ جَآءَکَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ﴾ (بلاشبہ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آ گیا سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو) ﴿وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَتَکُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (اور ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہو جا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ تو تباہ کاروں میں سے ہوگا)

پھر فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ بلاشبہ جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ﴿وَلَوْ جَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ (اگرچہ ان کے پاس تمام دلیلیں آجائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں) اس وقت ایمان لانا معتبر نہ ہوگا اور اس وقت کا ایمان عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ جیسا کہ فرعون نے ڈوبتے وقت یوں کہا کہ میں اسی معبود پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے لیکن اس کا یہ ایمان اس کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۹۸﴾

سو کوئی بستی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا مگر یونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی والا عذاب دنیا والی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔

عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا

اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا لیکن اس کا ایمان لانا نامقبول ہوا۔ دوسری آیات میں واضح طور پر بتایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورۂ ہود میں فرمایا ﴿یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ﴾ (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے

Marfat.com

آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا) اور سورۂ والنازعات میں فرمایا ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى﴾ (سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورۂ قصص میں فرمایا ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ○ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ○﴾ (ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا پیشوا بنایا تھا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے۔ اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)۔

اور سورہ والذاریات میں فرمایا ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ﴾ (سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نظر آ جائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورۂ مومن میں فرمایا ﴿فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے)۔

اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثناء فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ فائدہ پہنچایا' ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جو ہلاکت کا معاملہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوی بستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب آ جائے گا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ یہاں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کو رہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں گے کہ صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو ان کی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے آثار دیکھ لئے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دھواں نازل ہونے لگا جو ان کی بستی اور ان کے گھروں کی چھتوں پر چھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہو گیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرما دیا۔ وہ اپنی جانوں' عورتوں' بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں نکل گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چیخے چلائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا' ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا۔ لہٰذا وہاں سے چلے گئے دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہٰذا ہم قرعہ ڈال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کئے بغیر بھاگ آیا ہوں' لہٰذا انہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد آبق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے سواروں کو بچانے کے لئے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہئے۔ لہٰذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگا دی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی‘ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ ذُوالنُّوْن اور کسی جگہ صَاحِبُ الْحُوْتِ فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ ہے مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۃ انبیاء (ع ۶) اور سورہ صافات (ع ۵) اور سورہ ن والقلم (ع ۲) میں مذکور ہے۔ سورہ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور قرعہ ڈالنے پھر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور ان کے اوپر کدو کا درخت اگا دینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یوں فرمایا ہے ﴿فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے‘ تفصیل کے لئے سورہ انبیاء اور سورہ والصافات کی تفسیر دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے تکوینی اور تشریعی قانون نافذ فرمائے‘ اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۱۹۳ ج ۱۱) وظاهر الآية يستدعي ان القوم شاهدوا العذاب لمكان (كشفنا) وهو الذي يقتضيه اكثر الاخبار واليه ذهب كثير من المفسرين‘ ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان باس غير نافع لارتفاع التكليف حينئذ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہوں نے عذاب دیکھا تھا لفظ ''کشفنا'' کی وجہ سے اور اکثر احادیث بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں اور اکثر مفسرین کی رائے بھی یہی ہے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا نافع ہونا اسی قوم کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ عذاب موعود کے مشاہدہ کے بعد کافروں کا ایمان لانا ایمان باس ہے جو کہ نفع مند نہیں ہے کہ اس وقت شرعی تکلیف ختم ہو جاتی ہے)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ
انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ
يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے‘ کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے تاکہ وہ مومن ہو جائیں‘ اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے‘ اور اللہ ان لوگوں پر گندگی واقع فرماتا ہے جو سمجھ نہیں رکھتے[ل] آپ فرما دیجئے دیکھ لو آسمانوں میں اور زمین میں کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں دلائل اور ڈرانے والی چیزیں نفع نہیں دیتیں‘ سو کیا وہ یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس انہیں لوگوں کے واقعات آ جائیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کر لو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں‘ پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو ایمان لائے‘ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

ل اس میں یہ بتایا کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے کفر پر جمے رہنے ہی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کے ایمان سے متعلق نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾۔

Marfat.com

اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے!

ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مومن بھی رہیں گے۔ کافر بھی رہیں گے۔ اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو زمین کے بسنے والے سب لوگ ایمان لے آتے۔ جب اللہ کی حکمت اسی میں ہے کہ زمین پر کافر بھی بسیں اور مومن بھی رہیں تو آپ کو اس پر اصرار نہ ہونا چاہئے کہ سب لوگ مومن ہو جائیں۔ کیا آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مومن بنائیں گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مومن بنالیں۔ جو شخص مومن ہوتا ہے اللہ کے اذن یعنی اس کی مشیت سے مومن ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے ایمان کی خوبی اور برتری انہیں ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ان پر کفر کی گندگی واقع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم غور کر لو اور دیکھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ دلیلیں بھی ہیں اور ڈرانے والی وعیدیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پہنچی ہیں لیکن جو لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ان کو یہ چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔

اب جبکہ دلائل سامنے آ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ایسے واقعات ان کے سامنے آ جائیں جو ان سے پہلی امتوں کے واقعات گذر چکے ہیں۔ انہوں نے تکذیب کی اور کفر کو اختیار کیا۔ پھر عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے فرمایا ﴿قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرتے رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں) تکذیب کرنے والوں کا جو برا حال ہوگا وہ سامنے آ جائے گا۔

آخر میں فرمایا ﴿ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ﴾ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ہم مکذبین کو ہلاک کر دیتے ہیں پھر اپنے رسولوں کو نجات دے دیتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں ﴿حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں) اس میں اہل ایمان کو خوشخبری ہے اور مواقع عذاب سے نجات پانے کی بشارت ہے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں، اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین کی طرف اس طرح سے متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں اور یہ کہ ہرگز مشرکوں میں سے مت ہو جانا، اور تو اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر دے سکے، سو اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ تو ظالموں میں سے ہو جائے گا، اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اللہ کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔ وہ غفور ہے رحیم ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرما دیں کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو یہ تمہاری جہالت اور گمراہی ہے' حق میں شک کرتے ہو اور شرک سے چپکے ہوئے ہو' تمہارے اس شک کا مجھ پر کوئی اثر کبھی بھی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو میں کبھی بھی ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں کبھی العیاذ باللہ تمہارا دین قبول کرلوں گا تو یہ تمہاری گمراہی اور خام خیالی ہے' میں تو اس ذات پاک کی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔ تم اپنی جان کو عذاب سے بچانے کے لئے فکر کرو اگر تم نے دین توحید کو قبول نہ کیا اور دین شرک اور کفر پر تمہاری موت آ گئی تو تمہارا موت کے بعد کیا بنے گا؟ اس پر غور کرلو اور اس بارے میں بھی غور کرلو کہ خالق اور مالک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کو معبود بنانا بے سمجھی اور ناعقلی کی بات ہے۔ ﴿یَتَوَفّٰىكُمْ﴾ فرمایا اور یَتَوَفّانِی نہیں فرمایا کیونکہ جو لوگ مخاطب تھے انہیں احساس دلانا تھا کہ تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے مرنا بھی ہے۔ ان کو بتانا یہ مقصود تھا کہ تم مرو گے اور موت کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور کفر کی سزا پاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کیا گیا ہے کہ میں اللہ کے ان بندوں میں شامل رہوں جو اہل ایمان ہیں۔ لہٰذا میں ایمان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کفر کو چھوڑ دو۔ ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا﴾ اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین (یعنی دین توحید) کی طرف اس طرح متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں۔ لہٰذا میں تمہاری طرف نہ مائل ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے کوئی اونچ نیچ کر کے مصالحت اور مسامحت ہو سکتی ہے۔ ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (اور میرے رب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہرگز مشرکین میں سے مت ہو جانا) لہٰذا میں تو ہمیشہ موحد ہی رہوں گا۔ وھذا كما فی سورة الانعام ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا کیونکہ اس حال میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پر نہ رہوں گا)

اس کے بعد یوں فرمایا ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ﴾ (اور اے مخاطب اسے مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر، جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس میں ان کی بے وقوفی اور حماقت بیان فرمائی' نفع اور ضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے جو ذرا بھی نفع یا ضرر نہیں دے سکتے۔ مزید فرمایا ﴿فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (سو اگر تو نے ایسا کیا یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جو نفع اور ضرر کا مالک نہیں تو ظالموں میں سے ہو جائے گا) مشرک اپنی جان پر ظلم کرتا ہے جس کی سزا دوزخ کا عذاب ہے اور اپنی عقل وفہم پر بھی ظلم کرتا ہے جو مشرکین کی اتباع کرتا ہے اور اپنی عقل سے نہیں سوچتا کہ میں کس کو پوجتا ہوں' مجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کی عبادت نہ کروں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ خالق اور مالک کو چھوڑ کر اپنے سے بھی کم حیثیت والی مخلوق کی عبادت کرنا جو نہ بولے اور نہ سنے اور جو اپنی تراشی اور بنائی ہوئی ہے۔ یہ اپنی جان اور اپنی عقل وفہم پر ظلم کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟

پھر فرمایا ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ (اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں)

﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ (اور اگر وہ تجھے کوئی خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی رد کرنے والا نہیں ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ جسے اللہ کی طرف سے جو بھی کوئی خیر پہنچ جائے وہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ ﴿یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دے) فضل کا عموم دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ اور وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ مغفرت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اس سے آخرت کی نجات ہوتی ہے۔ نیز حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں' اور وہ رحیم بھی ہے۔ رحمت کے عموم میں دنیاوی نعمتوں کا اور ہر دکھ تکلیف سے بچانے کا تذکرہ آ گیا۔ اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے کہ ایسے غفور اور رحیم کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو جن سے کچھ بھی ملنے والا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی ہی جان کے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہی میں رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا' اور آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے' اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے

یہ سورۂ یونس کی آخری دو آیات ہیں اس سے چار آیات پہلے تمام انسانوں کو خطاب تھا۔ اور اب سورت کے ختم پر آنحضرت سرور عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں سے فرما دیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ پہنچا ہے اسے قبول کرو' اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں کہ تم سے قبول کروا کے چھوڑوں' جو شخص قبول کرے گا ہدایت کی طرف آئے گا اس کا نفع اس کی جان ہی کو ہوگا اور جو شخص گمراہی پر جما رہے اور حق کا اتباع نہ کرے اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ ہدایت پر آنا اور گمراہی پر جمار ہنا یہ ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے ہدایت کا نفع ہدایت والے ہی کو پہنچے گا۔ وہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا' اور جو شخص گمراہ ہوگا اس کی گمراہی اسے دوزخ میں پہنچا دے گی' لہٰذا اپنا نفع نقصان ہر شخص خود ہی سمجھ لے' اس کام کے کرنے پر لوگوں سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ آپ ان تکلیفوں پر صبر کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کیجئے وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے' جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و عدل کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ دنیا میں اور آخرت میں یا صرف آخرت میں مبتلائے عذاب ہوں گے۔

قال صاحب الروح (ص ۲۰۴ ج۱۱) ولا یخفی ما فی هذه الایات من الموعظة الحسنة وتسلیة النبی صلی الله علیه وسلم ووعد المومنین والوعید للکافرین والحمد لله تعالیٰ رب العلمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین' الذی یونس ذکره قلوب الموحدین' وعلی اله وصحبه اجمعین۔

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان آیات میں جو عمدہ نصیحت ہے اور حضور ﷺ کے لئے تسلی ہے اور مومنوں کے لیے وعدہ اور کافروں کیلئے وعید ہے وہ واضح ہے)

Marfat.com

اٰیاتھا ۱۲۴ ۱۱ سُوْرَۃُ ھُوْدٍ مَّکِّیَّۃٌ ۵۲ رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۂ ہود مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ۱۲۳ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ۳ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۴ اَلَآ اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْہُ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۵

الر یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں پھر واضح طور پر بیان کی گئی ہیں' حکمت والے باخبر کی طرف سے ہے' یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بیشک میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں' اور یہ بات کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو' وہ تمہیں مقرر کردہ اجل تک خوش عیش زندگی دے گا' اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا ثواب عنایت فرمائے گا اور اگر تم اعراض کرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں' تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' خبردار وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپالیں خبردار جب وہ اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیتے ہیں وہ اس وقت سب باتیں جانتا ہے جو پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اور جو بظاہر کرتے ہیں' بلاشبہ وہ سینوں کے اندر کی چیزوں کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے حضور توبہ کرنے پر انعام کا وعدہ اور اعراض کرنے والوں کیلئے وعید

یہاں سے سورۂ ہود شروع ہے اس کا بیشتر حصہ (از رکوع ۳ تا رکوع ۸) متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات پر مشتمل ہے یہ قومیں' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں' ان کے واقعات میں امت حاضرہ کیلئے بڑی عبرت ہے' ان واقعات کے شروع کرنے' سے پہلے توحید کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق و ایجاد کا اور منکرین کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرمایا ہے آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور اہل ایمان کو بشارت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں پھر ان آیات کو واضح طریقہ پر بیان کر دیا گیا ہے اور اس کتاب کی توضیح ایسی ذات پاک کی طرف سے کی گئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے اس کتاب میں خوب زیادہ واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی بتادیا جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یعنی یہ کہ ﴿اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ﴾ (بلاشبہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں) مزید فرمایا ﴿وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ﴾ (اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو) یعنی کفر کو

Marfat.com

چھوڑ دو اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کے حضور میں اعمال صالحہ پیش کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو جب بھی کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرو پھر توبہ واستغفار کا دنیاوی اور اخروی فائدہ بتایا۔ ﴿یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ (اللہ تمہیں خوش عیش اچھی زندگی عطا فرمائے گا) یہ خوش عیش زندگی ایک وقت مقررہ تک ہوگی جب تقدیر کے مطابق اجل آجائے گی اور موت واقع ہوگی اس وقت تک یہ عمدہ زندگی ہی رہے گی اور آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ (اور ہر فضیلت والے کو جو زیادہ عمل صالح کرے اس کے اعمال فاضلہ کا بدلہ عطا فرمادے گا) اس میں آخرت کے اجر وثواب کا ذکر ہے۔ ثواب تو تھوڑے سے عمل کا بھی ملے گا لیکن زیادہ عمل والے کا خصوصیت کے ساتھ جو ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے بہت نیک عمل کر لئے اب آگے کیا نیک عمل کروں جو جس قدر زیادہ عمل کرے گا اسی قدر ثواب پائے گا۔ واضح رہے کہ خوش زندگی کے لئے پیسہ زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ اصل راحت دل کی راحت اور دل کا اطمینان ہے وہ اہل ایمان کو ہمیشہ نصیب ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی زندگی ہے پھر اس زندگی میں اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں ان کا ثواب آخرت میں ملے گا۔ ان تکلیفوں کے پہنچنے سے بھی آیت کے مضمون پر اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اہل ایمان ان میں بھی لذت محسوس کرتے ہیں اور ان کا اجر وثواب جو آخرت میں موعود ہے اس کا یقین رکھنے کی وجہ سے روحانی تکلیف ہوتی ہی نہیں البتہ کبھی کبھی جسمانی تکلیف ہو جاتی ہے نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یُمَتِّعْکُمْ فرمایا ہے۔ یمتع کُلَّکُمْ نہیں فرمایا اور فِیْ کُلِّ الْاَزْمَانِ وَالْاَحْوَالِ نہیں فرمایا۔ لہٰذا اگر کبھی کبھی کسی کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو یہ آیت کے مفہوم کے معارض نہیں۔ برخلاف اس کے آخرت کا ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے ﴿یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ فرمایا یعنی ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا اس میں لفظ ''کل'' کا اضافہ ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ﴾ اور اگر تم اس سے اعراض کرو جو میں نے تم کو بتایا نہ توحید کو مانو نہ بشارت کو قبول کرو نہ ڈرانے کا اثر لو تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ﴿یَوْمٍ کَبِیْرٍ﴾ (بڑے دن) سے قیامت کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔

﴿اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اسے سب کو لوٹانے پر بھی قدرت ہے اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دینے پر بھی قدرت ہے۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کا سبب نزول:

پھر فرمایا ﴿اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ (الآیۃ) اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے معالم التنزیل (ص ۳۷۳ ج ۲) میں عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرتا تھا تو اپنا سینہ پھیر کر اور کمر کو خم دے کر اور سر کو جھکا کر اور چہرہ کو ڈھک کر جاتا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منافقین اپنے سینوں کو پھیر کر بیٹھتے تھے تاکہ اللہ کی کتاب نہ سن پائیں اور اللہ کا ذکر ان کے کانوں میں نہ آجائے اور بعض حضرات سے یوں بھی نقل کیا ہے کہ بعض کافر گھر میں داخل ہو کر پردہ ڈال کر اپنی کمر کو موڑ اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا اللہ کو اب بھی معلوم ہوگا جو کچھ میرے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبردار وہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں۔ خوب سمجھ لیں کہ جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اقوال اور افعال جو ظاہری چیزیں ہیں وہ ان کو اور دلوں کے ارادوں اور وسوسوں کو اور سب کو جانتا ہے آخری الفاظ یعنی ﴿اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ میں بتا دیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں بغض اور کینہ میں مرے جاتے ہیں اسلام کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اور تدبیریں سوچتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔

Marfat.com

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ
مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا
يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانا کو جانتا ہے وہ ٹھکانہ زیادہ عرصہ رہنے کا ہو یا چند رہنے کا ہو' سب کچھ کتاب مبین میں ہے اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بیشک تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ ضرور یوں کہیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روک رہی ہے' خبردار جس دن ان کے پاس عذاب آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس کا وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بتایا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ان آیات میں رزاقیت اور خالقیت بیان فرمائی' ارشاد فرمایا کہ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان چھوٹے ہو یا موٹے جانور ہوں' کیڑے مکوڑے ہوں ان سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے' یعنی ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لگا لیا ہے یہ اس کا فضل و کرم ہے مہربانی ہے کیونکہ اس پر کسی کا کوئی حق اور رزق واجب نہیں ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کے جو ٹھکانے ہیں اسے سب کا علم ہے اور اسے سب کے رہنے کی جگہوں کا پتہ ہے ایسا نہیں کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو بھول گیا ہو وہ اپنے علم کے موافق اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہاڑوں کے اندر رہنے والے کیڑے اور زمین کے سوراخوں میں آباد ہونے والی چیونٹیاں اور دوسری مخلوق اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے جانور سب اس کے علم میں ہیں وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر:

مستقر و مستودع کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہم نے جو ترجمہ میں ان دونوں کا معنی اختیار کیا ہے وہ شان رازقیت کی توضیح سے قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والوں کے ٹھکانے دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن میں ان کا مستقل قیام ہے اور کچھ عارضی ٹھکانے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں ٹھکانوں پر رزق پہنچاتا ہے۔ بعض چیزیں ایک براعظم میں پیدا ہو رہی ہیں اور دوسرے براعظم کے لوگ کھا رہے ہیں یہ سب کے سامنے ہے اور یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے صاحب روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مستقر سے ماں کا رحم اور مستودع سے موت آنے کے مواقع مراد ہیں اور مطلب اس کا یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر رزق پانے والے کی ابتدائی حالت کا علم ہے کہ اسے کس وقت سے رزق کی حاجت ہوتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی حاجت کب ختم ہوگی یعنی موت کے وقت رزق کی حاجت ختم ہو جائے گی اور موت کب ہوگی' کہاں ہوگی اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ رزق پانے والے کی زندگی جس جگہ ختم ہوگی اس جگہ کا اس کو علم ہے وہ اس کے وہاں پہنچنے تک اس کو رزق دیتا رہے گا۔

Marfat.com

رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی:

اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جتنا رزق مقدر فرما دیا ہے اس کو پورا کئے بغیر وہ دنیا سے نہیں جا سکتا' جتنا رزق مقدر ہے وہ مل کر ہی رہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے دل میں جبرائیل امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے' سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو کیونکہ اللہ کا فضل اس کی نافرمانی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

(رواہ الحاکم کمافی الترغیب ص ۵۳۵ ج ۲)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اسی طرح طلب کر لیتا ہے جس طرح سے موت طلب کر لیتی ہے۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والبزار کمافی الترغیب ص ۵۳۵ ج ۲)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اسے موت پکڑ لے گی۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر باسناد حسن کمافی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ نے اسے لے لیا وہیں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ نے اسے عطا فرما دی اور فرمایا کہ خبردار اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔ (رواہ الطبرانی باسناد جید کمافی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے وہ کافروں کو بھی رزق دیتا ہے اور فاسقوں کو بھی۔ ممکن ہے کہ کسی کو یہ اشکال ہو کہ بہت سے لوگوں کو فاقے ہو جاتے ہیں اور بہت سے لوگ فاقہ کشی میں مر جاتے ہیں اس وقت ان کا رزق کیوں نہیں پہنچتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا رزق مقرر اور مقدر فرمایا ہے رزق کی جو مقدار مقرر ہے وہ ضرور پہنچے گی زندگی بھر میں ہر ایک کا رزق مقرر پورا پہنچ جائے گا۔ ہر وقت ملنے اور ہمیشہ ملنے اس کا وعدہ نہیں ہے اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مر جائے تو اس کا رزق مقرر اس سے پہلے ختم ہو چکا ہے اور موت کے وقت تک جس کسی کا رزق باقی ہے وہ اسے پہنچ جاتا ہے بعض انسان کھاتے کھاتے مر جاتے ہیں اور بعض مرنے والوں کے منہ میں حاضرین پانی وغیرہ دے دیتے ہیں' پھر فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ (اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا) یہ مضمون سورۃ الاعراف کے ساتویں رکوع میں اور سورۂ یونس کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے پھر فرمایا: ﴿وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (اور اس کا عرش پانی پر تھا) یعنی جب اس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اس کا عرش پانی پر تھا۔ معلوم ہوا کہ پانی اور عرش دونوں آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے پیدا ہوئے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا:

پھر فرمایا ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ اچھا عمل کرنے والا کون ہے) آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا ان کا وجود ہی خالق کو پہچاننے کیلئے کافی ہے پھر ان میں طرح طرح کی دوسری جو مخلوق ہے جن میں انسان بھی ہیں ان کے مختلف حالات اور حاجات پورا کرنے کا سامان یہ سب چیزیں خالق مالک اور مدبر الامر اور حکیم اور قادر مطلق کی ذات عالی اور اس کی صفات جلیلہ پر دلالت کرتی ہیں۔ جب کوئی شخص غور کرے گا تو خالق کی توحید پر ایمان لانے کیلئے اپنی عقل کے فیصلے کے مطابق مجبور ہوگا اور جب خالق جل مجدہ پر ایمان لائے گا تو اس کی عبادت بھی کرے گا اور ایسے اخلاق اور اعمال اختیار کرے گا جو اس کے خالق و مالک کو پسندیدہ ہوں' خالق جل مجدہ کی معرفت اسے خالق تعالیٰ شانہ کی عبادت پر متوجہ کرے گی پھر معرفت والوں کے بھی درجات مختلف ہیں اور عبادت کرنے والوں کے بھی لہٰذا عمل کرنے والوں کے اعمال اچھائی اور خوبی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ کا مطلب اور ماقبل سے

Marfat.com

ربط واضح ہو گیا۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا تا کہ تم ان کو دیکھ کر توحید پر استدلال کرو اور اس نے جو تمہاری حاجات پورا کرنے کا سامان پیدا فرمایا ہے اس سے منتفع ہو کر اس کا شکر ادا کرو اور اعمال صالحہ میں لگو اور اچھے سے اچھے عمل کی کوشش کرو۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق تمہاری جانچ اور امتحان کیلئے ہے۔

قال صاحب روح المعاني ص ۱۰ ج ۱۲ أَيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيهِمَا مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ الَّتِي مِنْ جُمْلَتِهَا اَنْتُمْ وَرَتَّبَ فِيهِمَا جَمِيْعَ مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ مَبَادِيْ وُجُوْدِكُمْ وَاَسْبَابِ مَعَاشِكُمْ وَاَوْدَعَ فِيْ تَضَاعِيْفِهِمَا مَا تَسْتَدِلُّوْنَ بِهٖ مِنْ تَعَاجِيْبِ الصَّنَائِعِ وَالْعِبَرِ عَلٰى مَطَالِبِكُمُ الدِّيْنِيَّةِ لِيُعَامِلَكُمْ مُعَامَلَةَ مَنْ يَخْتَبِرُكُمْ (اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) فَيُجَازِيَكُمْ حَسْبَ أَعْمَالِكُمْ

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور ان میں بسنے والی مخلوقات پیدا فرمائی جس میں تم بھی ہو اور آسمان وزمین میں تمہارے وجود کی ضروریات اور تمہارے معاش وغیرہ اور تمہاری تمام ضروریات ترتیب سے رکھ دیں۔ اور ان دونوں میں چیزیں ایسے طریقہ سے رکھیں جن سے تم مختلف قسم کی کاری گریاں اخذ کرتے ہو اور دینی فرائض کی انجام دہی میں عبرت پکڑتے ہو تا کہ وہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو تم اس آدمی سے کرتے ہو جس کا امتحان مقصود ہوتا ہے تا کہ دیکھے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔ پھر تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاء دے)

کثرت عمل سے زیادہ حسن عمل کی کوشش کی جائے:

﴿أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ فرمایا اور اَكْثَرُ عَمَلًا نہیں فرمایا بعض اکابر نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ عمل اچھے سے اچھا ہونا چاہئے اگرچہ مقدار میں کم ہو اور ہر عمل میں اچھائی دو طرح سے آتی ہے اس میں اخلاص ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو دوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہو، بہت سے لوگ عمل زیادہ کرتے ہیں لیکن اخلاص نہیں ہوتا یا اپنے خیال میں مخلص ہوتے ہیں لیکن عمل اس طریقہ کے مطابق نہیں ہوتا جو شرعاً مطلوب ہو یہ دونوں چیزیں ثواب کو کھو دینے والی ہیں، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا اخلص دينك يكفك العمل القليل[1] (تو اپنے دین میں اخلاص رکھ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے برا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے عرض کیا گیا کہ اپنی نماز سے کیسے چراتا ہے؟ فرمایا اس کا رکوع سجدہ پورا نہیں کرتا۔ (الترغیب ص ۳۳۸ ج ۱)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کی نماز کی طرف توجہ نہیں فرماتا جو رکوع اور سجدے کے درمیان کمر کو سیدھا نہیں کرتا۔ (الترغیب ص ۳۳۸ ج ۱ عن احمد)

معلوم ہوا کہ نماز ٹھیک پڑھنا اچھی طرح پڑھنا یہ نماز کی خوبی ہے۔ لپ چھپ جلدی جلدی رکوع سجدہ کر کے نماز کو خراب نہ کرے فرائض میں بھی اس کا دھیان رکھے اور غیر فرض میں بھی نفلوں کی زیادہ رکعتیں جلدی جلدی رکوع اور سجدہ کر کے ناقص پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ رکعتیں کم ہوں اور نماز سنت کے مطابق ہو۔ نماز کے بارے میں یہ ہدایات فرمائی ہیں کہ پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھیں یہ ہدایات اس لئے ہیں کہ اچھی نماز ہو جس طرح نماز میں عمدگی اختیار کرنا لازم ہے اسی طرح اسلام کے دیگر اعمال میں عمدگی اور خوبی کو اختیار کرے کثرت عمل کو نہ دیکھے حسن عمل کو دیکھے وضو بھی خوبی کے ساتھ کرے یعنی پانی اچھی طرح پہنچائے اور لپ چھپ نہ کرے غور کرنے سے حسن عمل کی بہت سی صورتیں سمجھ میں آجائیں گی۔

اس تشریح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کم کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اچھا عمل کرے خوبی کے ساتھ انجام دے اچھا عمل اگر زیادہ ہو تو یہ اور

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۵۴ ج ۱

Marfat.com

اچھی بات ہے اور یہ کثرت حدود شریعت کے اندر ہو۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الآیة) اگر آپ ان سے کہیں کہ تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے (اور اس بارے میں قرآنی آیات ان کے کانوں میں پڑیں گی) تو کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے قرآن کے الفاظ اور معانی سے مخاطبین متاثر ہوتے تھے لیکن اسے قبول کرنے کی بجائے یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ جادو ہے حق سے منہ موڑنے کے لئے انہوں نے یہ ایک بہانہ نکالا تھا۔

پھر کافروں کی مزید جسارت کا ذکر فرمایا ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ﴾ (اور اگر ہم مدت معلومہ تک عذاب کو ملتوی کردیں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے) اس بات کے کہنے سے ان کے دو مقصد تھے۔ ایک تو وعید کو جھٹلایا اور مطلب یہ تھا کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ عذاب آئے گا اور ہمیں مورد عذاب ٹھہراتے ہیں وہ آ کیوں نہیں رہا اسے کس نے روک رکھا ہے۔ دوسرے آخرت کے بارے میں مطلب یہ تھا کہ جیسے دنیا میں عذاب کی وعیدیں سناتے ہیں اور عذاب نہیں آتا ایسے ہی موت کے بعد اٹھایا جانا اور عذاب ہونا یہ بھی ایسی ہی بات ہے جو واقع ہونے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ ﴿اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ (خبردار جس دن ان کے پاس عذاب آجائے گا تو اسے ہٹایا نہ جائے گا) ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (اور وہ چیز انہیں گھیر لے گی جس کا مذاق بناتے تھے) اللہ تعالیٰ نے عذاب مؤخر کر رکھا ہے اس کا وقت معین ہے حکمت کے مطابق وقت معین پر اللہ تعالیٰ بھیج دے گا جب عذاب بھیج دے گا تو ٹلے گا نہیں اور یہ جو کچھ اس کا مذاق بناتے ہیں اس کا انجام دیکھ لیں گے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور ہم اگر انسان کو اپنی رحمت چکھادیں، پھر ہم اسے اس سے چھین لیں تو وہ ناامید ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی ہم اسے نعمت چکھادیں تو وہ کہتا ہے کہ میری ساری بدحالیاں دفع ہوگئیں بے شک وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارتا ہے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کو اختیار کیا اور نیک کام کرتے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

ناامیدی، ناشکری، اترانا، شیخی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے

ان دو آیتوں میں انسان کا مزاج اور اس کا طرز عمل بیان فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھادیں اور پھر اس سے چھین لیں تو وہ ناامید بھی ہو جاتا ہے اور ناشکرا بھی نعمت کے چلے جانے کی وجہ سے واویلا کرتا ہے صبر کر کے آئندہ بھلائی اور خیر کی جو امید ہونی چاہئے تھی اسے بالکل ختم کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے ناامید ہو جاتا ہے بلکہ اس سے پہلے جن نعمتوں میں تھا ان کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اور جو موجودہ نعمتیں ہیں ان کے شکر سے بھی باز رہتا ہے انسان کے طرز عمل کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب اسے دکھ تکلیف کے بعد نعمت مل جائے تو اس نعمت کا مزہ چکھنے کے بعد کہتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا اب تو میں نعمتوں ہی میں رہوں گا اور اپنے وہم میں یہ بات بھی نہیں لاتا کہ یہ نعمتیں چھینی جاسکتی ہیں اور رخصت ہوسکتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری میں لگ جاتا ہے اور پھولا نہیں سماتا۔ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارتا ہے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے یہ انسانوں کا عام مزاج ہے۔ البتہ کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں جنہیں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں بیان فرمایا ہے یعنی انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، یہ لوگ نعمت جانے پر اور مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ہے، وہ نیک اعمال میں لگے

Marfat.com

رہتے ہیں خوشحالی اور دکھ تکلیف کی حالت میں اعمال صالحہ کو نہیں چھوڑتے، نہ اللہ تعالیٰ سے ناامید ہوتے ہیں نہ نعمتوں پر اتراتے ہیں نہ شیخی بگھارتے ہیں نہ دوسروں کو حقیر جانتے ہیں، صبر و توکل کی شان سے متصف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کی امید رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اُولٰٓئِکَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ﴾ ان کے لئے عظیم مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے جو ابدی نعمتوں کی صورت میں انہیں ملے گا۔

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ کَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَکٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ؕ ﴿۱۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

سو ایسا ہونے والا تو نہیں ہے کہ آپ ان احکام میں سے بعض احکام کو چھوڑ دیں جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں اور اس بات سے آپ کا دل تنگ ہو رہا ہے کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں کیا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے، کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس نے خود سے بنالیا ہے، آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ جو بنائی ہوئی ہوں اور اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو، سو اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو یقین کرلو کہ یہ اللہ کے علم کے مطابق اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم اسلام قبول کرنے والے ہو۔

منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اس کی صفت قدرت صفت رازقیت اور صفت خالقیت کو بیان فرمایا پھر بعث بعد الموت کے منکرین کی تردید فرمائی۔ پھر انسان کا مزاج بتایا کہ وہ نعمتوں کے چلے جانے پر ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور نعمتیں ملنے پر شیخی بگھارتا ہے اور فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کی یہ صفات آخرت پر ایمان نہیں لانے دیتی ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ توحید کی بھی دعوت دی اور آخرت پر ایمان لانے کا بھی حکم فرمایا لیکن یہ لوگ نہ اللہ کے رسول کو مانتے تھے اور نہ اللہ کی کتاب پر ایمان لاتے تھے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کے لئے انہوں نے یہ بات نکالی تھی کہ یہ کیسے رسول ہیں نہ کوئی خزانہ ان کو دیا گیا اور نہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ آیا جو ان کی تصدیق کرتا ان باتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو دکھ ہوتا تھا اور قلبی اذیت پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ تنگدلی کی وجہ سے بعض ان چیزوں کو چھوڑ تو نہ بیٹھیں گے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہیں اور وہ کافروں کو ناگوار ہیں اور چونکہ آپ ایسا نہیں کر سکتے لہٰذا تنگ دل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ﴾ (آپ صرف ڈرانے والے ہیں) اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ آپ نے اللہ کی بات پہنچا دی، آپ کی ذمہ داری اتنی ہی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ﴾ (اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا اختیار ہے) یہ لوگ جو معجزات کی فرمائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ ان کی مرضی کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے یا ظاہر نہ فرمائے، جو معجزات سامنے ہیں وہ کیا کم ہیں جسے ماننا نہیں وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی نہ مانے گا، ان کے سامنے جو معجزات موجود ہیں ان میں قرآن مجید بہت بڑا معجزہ ہے اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود سے بنالیا ہے، آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں اپنی بنائی ہوئی لے آؤ اور اللہ

Marfat.com

کے سوا جس جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بلالو اور اس کے مقابلہ میں پیش کرو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا ہے۔ محمد ﷺ تو تم ہی میں سے ایک فرد ہیں جنہوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تم فصحاء بلغاء ہو تو قرآن جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور دو چار دس افراد نہیں جس جس کو بھی چاہو اس کام کے لئے بلالو اور اپنے ساتھ لگالو یہ بہت بڑا چیلنج ہے جسے آج تک کوئی بھی قبول نہیں کر سکا۔ جس کے سامنے بات آئی ہر ایک اپنا سا منہ لے کر رہ گیا' پہلے دس سورتیں بنانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت بنا کر لانے کے لئے فرمایا گیا کسی سے کچھ نہ ہو سکا در حقیقت قرآن بہت بڑا معجزہ ہے اور دائمی معجزہ ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ﴾ (الاية) جن جن کو قرآن جیسی سورت بنانے کی دعوت دو۔ وہ جتنے بھی ہوں جہاں بھی ہوں اگر وہ تمہاری بات کو قبول نہ کریں اور اس بارے میں تمہاری مدد کے لئے کھڑے نہ ہوں (تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) نے بنالیا ہے) ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ سو تم جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ حقیقت ثابت اور واضح ہونے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں؟

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯ أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑰

جو شخص دنیا کو اور اس کی زینت کو چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیں گے۔ اور اس میں ان پر ظلم نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور دنیا میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب برباد ہو گیا۔ اور جو کچھ کرتے تھے وہ سب باطل ہو گیا۔ جو شخص قرآن پر قائم ہے جو اس کے رب کے پاس سے آیا ہے اور اس کے ساتھ اسی میں سے گواہ بھی ہے اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی' کیا منکر آدمی اس کے برابر ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں' اور جماعتوں میں سے جو شخص اس کا منکر ہو سو دوزخ اس کی جگہ ہے جس میں اس کے بھیجنے کا وعدہ ہے۔ سو اے مخاطب تو اس کے بارے میں شک میں نہ پڑ' بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے' اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

کافروں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا

ان آیات میں اول تو ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی ان کا مقصود ہے اور دنیا کو مقصود بنا لینے کی وجہ سے آخرت کے طلب گار نہیں وہ ایمان لانے کے روادار نہیں' دنیا اور دنیا کی زینت ہی ان کے نزدیک سب سے بڑی چیز ہے ایسے لوگ جو کچھ ایسے اعمال کر لیتے ہیں جو نیکی کے دائرے میں آسکتے ہیں مثلاً صلۂ رحمی یا فقراء و مساکین پر خرچ کرنا وغیرہ' دنیا ہی میں ان کا بدلہ دے دیا جائے گا' اور جب یہ اعمال آخرت میں حبط ہو جائیں گے یعنی ان کے عوض کچھ نہ ملے گا۔ اور دنیا داری کے اصول پر جو کام کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان میں ہماری کامیابی ہے وہ بھی وہاں بے فائدہ اور ناکارہ ثابت ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مؤمن کی ایک نیکی کے عوض میں بھی کمی نہ فرمائے گا اس کی وجہ سے دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا لیکن کافر نے جو نیکیاں کیں جن میں اللہ کی رضا کا دھیان رکھا ان نیکیوں کے عوض اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں دے دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس

Marfat.com

کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی۔ جس پر اسے ثواب دیا جائے۔ (رواہ مسلم)

کافر جو دنیا میں کچھ ایسے عمل کرتے ہیں جو نیکی کی فہرست میں آسکتے ہیں مثلاً مریضوں کا مفت علاج کر دیا۔ شفا خانے بنوا دیئے' سڑکیں تیار کر دیں پانی کی سبیلیں لگا دیں ان کی وجہ سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں ان چیزوں کا ثواب ملے گا بلکہ مسلمانوں کی زبان سے جو یہ سنتے ہیں کہ جو مسلمان نہیں اسے آخرت میں دائمی عذاب ہوگا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے ایسے ایسے کام کرتے ہیں پھر ہمیں عذاب کیوں ہوگا؟ ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ دنیا میں جو نیک عمل ہیں ان کا بدلہ تمہیں دنیا ہی میں دے دیا جائے گا اور کفر اور معصیت کی وجہ سے تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب:

اس سے بہت سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کا بھی جواب ہو گیا کہ کافر تو مزے اڑاتے ہیں اور ہم تکلیف میں ہیں' اول تو نہ سارے مسلمان تکلیف میں ہیں اور نہ سارے کافر راحت میں ہیں دوسرے کافر کو آخرت میں آرام ملتا ہی نہیں اس کے اعمال کا بدلہ یہیں دیا جا رہا ہے اور تمہارے اعمال کا بدلہ محفوظ کر لیا گیا ہے۔ پھر جو تکلیفیں ہیں ان پر بھی ثواب ملے گا پھر کس چیز کا واویلا ہے' اللہ تعالیٰ کے قانون کو سمجھو' کافروں کو دیکھ کر کیوں رال ٹپکاتے ہو' بعض جاہل کہہ دیتے ہیں جو بجلی گرتی ہے وہ مسلمان ہی کے آشیانہ کو تلاش کرتی ہے اور بعض جاہل کہتے ہیں کہ غیروں کے لئے محلات اور قصور اور مسلمانوں سے صرف وعدہ حور یہ گمراہی کی باتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے قانون پر اعتراض ہے' قصداً اعتراض کرے تو کفر عائد ہو جاتا ہے' ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا اور آپ کے جسم میں چٹائی کی بناوٹ کے نشان پڑ گئے تھے اور تکیہ بھی چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ سے دعا کیجئے تاکہ وہ آپ کی امت کو مالی وسعت عطا فرما دے۔ کیونکہ فارس و روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے تم ابھی تک ان ہی خیالات میں مبتلا ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مرغوب چیزیں انہیں دنیا میں دے دی گئی ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں ہو کہ مرغوب چیزیں ان کے لئے دنیا میں ہوں اور ہمارے لئے آخرت میں ہوں۔ (رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۷)

پھر فرمایا ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الآیۃ) اس کے شروع میں جو ہمزہ ہے یہ استفہام انکاری کے لئے ہے' مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو قرآن کو تھامے ہوئے ہے اس کی سچائی کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس کے پاس قرآن کی سچائی کے دو گواہ موجود ہیں ایک تو خود قرآن کے اندر ہی ہے یعنی اس کا اعجاز اور اس کی فصاحت و بلاغت اور دوسرا گواہ دنیا میں قرآن کے آنے سے پہلے ہی موجود ہے' یعنی توراۃ شریف جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے وہ امام بھی ہے اور احکام قرآنیہ کی تصدیق کرتی ہے اور امتثال اوامر پر جو ثواب ملنے کے اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں وہ توراۃ میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہیں توراۃ ان کی تصدیق کرتی ہے لہٰذا وہ سراپا رحمت ہے۔ توراۃ شریف کی گواہی بھی قرآن کی سچائی کیلئے کافی ہے۔ اب سمجھ لیا جائے کہ جو شخص قرآن کو تھامے ہوئے ہے اور دلیل اور حجت کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو قرآن کا منکر ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہاں عبارت قرآنی میں حذف ہے مفسرین کرام نے کئی طرح سے عبارت مقدر مانی ہے ہم نے مختصر الفاظ میں مفہوم لکھ دیا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ ان ایمان لانے والوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام افراد مسلمان مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (اور کافروں کی جماعتوں اور گروہوں میں سے جو شخص قرآن کا منکر ہو اس سے یہ وعدہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا) ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ (تو اے مخاطب تو قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ) ﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (بے شک وہ تیرے رب کی طرف حق

Marfat.com

ہے) ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے)۔

اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ اہل اسلام کے علاوہ جتنے بھی گروہ اور جماعتیں ہیں وہ سب دوزخ میں جانے والے ہیں خواہ بظاہر کیسے ہی اچھے عمل کرتے ہوں اور خواہ اپنے دین کو آسمانی دین بتاتے ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مرجائے جو دین میں دے کر بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا چاہے یہودی ہو یا نصرانی (رواہ مسلم) یہود اور نصاریٰ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے پاس دین سماوی کے مدعی ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ
الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا
كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا
كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا
جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى
رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ
وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا' یہ لوگ اپنے رب پر پیش کئے جائیں گے اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی طرف نسبت کر کے جھوٹ بولا' خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو اللہ کی راہ سے روکتے رہے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے اور یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں عاجز کرنے والے نہ تھے اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ان کو دوہرا عذاب کر دیا جائے گا' یہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ دیکھتے تھے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کو برباد کر بیٹھے اور وہ جو کچھ انہوں نے جھوٹ بنایا تھا وہ سب غائب ہوگیا' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسا اندھا ہو اور بہرا ہو اور دیکھنے والا ہو اور سننے والا ہو' کیا دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہوں گے؟ کیا تم نہیں سمجھتے!

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے' اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا انعام

مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اس کے لئے شریک ٹھہراتے تھے اور جب انہیں اس بارے میں نصیحت کی جاتی تھی تو کہتے تھے۔ ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے سفارش کر دیں گے) اور یوں بھی کہتے تھے۔ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے) ظاہر ہے کہ یہ باتیں

Marfat.com

انہوں نے خود ہی تجویز کر لیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی خبر نہ دی گئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ افتراء ہے اور بہتان ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے' اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنا پھر یہ کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے اور یہ کہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے اس کا معنی یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بات بتا دی گئی بلکہ اللہ کی کتابیں اور اللہ کے نبی اس کے خلاف بتاتے رہے لہٰذا ان لوگوں کے یہ سب دعوے اللہ تعالیٰ پر بہتان ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر افتراء کرے اور اس ملک قدوس پر جھوٹ باندھے ان لوگوں کی رسوائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ (کہ یہ لوگ اللہ پر پیش کئے جائیں گے اس وقت ان کے دعووں اور احوال و اقوال کا حساب لیا جائے گا) ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ (اور وہاں جو گواہ ہوں گے وہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا) گواہوں سے حضرات انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام اور دیگر مومنین مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان کے اعضاء اور جوارح مراد ہیں جو ان کے خلاف گواہی دیں گے' یہ گواہی دینے والے حضرات یہ اعلان بھی فرمائیں گے کہ ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) پھر ان ظالموں کی بری حرکتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے رستہ سے روکتے رہے) ﴿وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ (اور اللہ کے راستہ کے بارے میں کجی تلاش کرتے تھے) مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین میں عیب نکالتے تھے اس سے خود بھی بچتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے ان کو بھی اس سے ہٹانا چاہتے تھے ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (اور وہ آخرت کے منکر ہیں) پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ (یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے نہ تھے) کہ کہیں جا کر چھپ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو جاتے اور موت سے بچ جاتے جب دنیا میں اللہ کو عاجز کر کے کہیں نہیں جا سکتے تھے تو آخرت میں کیسے چھوٹ کر جا سکتے ہیں۔ جہاں حساب کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ (اور ان لوگوں کے لئے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا) جن لوگوں کو سفارشی سمجھا تھا وہ کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ ﴿يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ﴾ (ان کے لئے دوہرا عذاب کر دیا جائے گا) ایک عذاب ان کے اپنے کفر کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو ایمان سے روکنے کا اور کفر پر جمائے رکھنے کا ﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ﴾ (یہ لوگ سن نہیں سکتے تھے) یعنی حق سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کو اس قدر مکروہ جانتے تھے کہ گویا اپنی قوت سامعہ ہی ختم کر چکے تھے۔ ﴿وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ﴾ (اور دیکھ نہیں پاتے تھے) یعنی اللہ کی معرفت کی نشانیاں جو خود ان کے اندر موجود ہیں اور جو دوسری مخلوق میں ہیں ان سے قصداً اور ارادۃً اندھے بن جاتے تھے (ان کی ضد اور عناد اور حق سے دور بھاگنے کی کوشش نے انہیں ایمان قبول نہ کرنے دیا)

پھر فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کا خسارہ کر بیٹھے) دنیاوی تجارت میں تو لوگوں کو اموال کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن ان کی تجارت ایسی برباد ہوئی کہ انہیں اپنی جانوں ہی کا خسارہ ہوگیا' انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور آخرت کے بدلے دنیا لے لی اور اس طرح اپنی جانوں ہی کو گنوا بیٹھے۔ اگر کسی کے دل میں یہ سوال اٹھے کہ خسارہ تو جب ہوتا ہے جب جانیں ختم ہو جاتیں اور ان کا وجود ہی نہ رہتا لیکن کافر کی جان دنیا میں بھی موجود ہے اور آخرت میں بھی موجود رہے گی پھر بھی جان کا خسارہ کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کافر دوزخ میں جائے گا جو وہ موت سے بھی بدتر ہے جو جان برابر ہمیشہ کے لئے عذاب میں ہے وہ جان ہلاک بھی ہے اور برباد بھی ہے اور جان کہنے کے لائق بھی نہیں اسی لئے تو فرمایا ﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا) پھر فرمایا ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ (اور ان سے وہ سب کچھ گم ہوگیا جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے) یعنی معبودان باطلہ کی سفارش کا جو گمان کر رکھا تھا۔ وہ جھوٹا خیال تھا اس نے کچھ کام نہ دیا۔ پھر فرمایا ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ

Marfat.com

﴿الْاَخْسَرُوْنَ﴾ (یہ لازمی بات ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں خسارہ میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہیں) اہل کفر کا انجام بتانے کے بعد اہل ایمان کا انعام و ثواب بتایا۔ ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے یہ لوگ اہل جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

اہل ایمان کا انعام اور اہل کفر کا انجام بیان فرمانے کے بعد دونوں فریق کی مثال بیان فرمائی ﴿مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ﴾ (دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا شخص دیکھنے والا اور سننے والا ہو) پہلی مثال کافر کی ہے۔ جو حق کی طرف سے اندھا اور بہرا بنتا ہے اور دوسری مثال مؤمن کی ہے جو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور حق کو قبول کرتا ہے اس نے اپنی سننے اور دیکھنے کی قوت ضائع نہیں کی ﴿هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا﴾ کیا یہ دونوں فریق اپنی حالت کے اعتبار سے برابر ہیں یعنی برابر نہیں ہیں جس طرح اندھا اور بہرا دیکھنے اور سننے والے کے برابر نہیں اسی طرح سے کافر اور مؤمن برابر نہیں ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) جس طرح دنیا میں دیکھنے والے اور سننے والے کو اچھے حال میں جانتے ہو اور اسے کامیاب سمجھتے ہو اور اندھے بہرے کو نامراد سمجھتے ہو اسی طرح کافر کو برباد اور مؤمن کو کامیاب سمجھو۔

فائدہ: قیامت کے دن کافروں کی رسوائی ہوگی اسی طرح اہل ایمان کا اعزاز و اکرام ہوگا ان پر اللہ تعالیٰ شانہ کرم فرمائے گا اور ان کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن اپنے رب سے قریب ہوگا اور اللہ تعالیٰ شانہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ کہ تجھے اپنا فلاں فلاں گناہ یاد ہے وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا۔ اور وہ اپنے دل میں ہی سمجھ لے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا) یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ہوگا' (گناہوں کا اعلان نہیں کیا جائے گا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج ان گناہوں کو بخشتا ہوں اس کے بعد اس کی نیکیوں کا اعمالنامہ اسے دیدیا جائے گا۔ (جو داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اس کے جنتی ہونے کی دلیل ہوگی) رہے کافر اور منافق تو ان کے بارے میں گواہی دینے والے گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا' خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (رواہ البخاری ص ۳۳۰ ج ۱)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ

Marfat.com

اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا کہ میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بلاشبہ میں تمہارے بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں' اس پر سرداروں نے کہا جو کافر تھے کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ تمہارا اتباع کرنے والے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہم میں ذلیل ترین لوگ ہیں جو سرسری رائے میں تمہارے ساتھ ہوئے۔ اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں' انہوں نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا ہم اسے تم پر چپکا دیں گے حالانکہ تم اس سے نفرت کرنے والے ہو حالانکہ تم اسے برا جان رہے ہو' اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مال طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ پر ہی ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں میں ان کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں' لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کر رہے ہو' اور اے میری قوم اگر میں ان کو ہٹا دوں تو مجھے اللہ کے مؤاخذہ سے کون بچائے گا۔ کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب کو نہیں جانتا' میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت کے ساتھ دیکھ رہی ہیں میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز انہیں خیر عطا نہ فرمائے گا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ خوب جاننے والا ہے اگر میں ایسا کروں تو میں بیشک ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا ہٹ دھرمی کے ساتھ معارضہ کرنا

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے دس قرنوں کے بعد تشریف لائے۔ ایک قرن سو سال کی ہوتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی آ چکی تھی انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کو فرمایا ان لوگوں نے ضد و عناد پر کمر باندھ لی اور بت پرستی سے باز نہ آئے اور طرح طرح کی بے تکی باتیں کرتے رہے ان کا واقعہ سورہ اعراف (ع ۸) میں گزر چکا ہے وہاں ہم نے ان کی قوم کی بہت سی باتیں متعدد آیات قرآنیہ کی روشنی میں نقل کر دی ہیں۔ یہاں بعض مضامین زائد ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں واضح ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں' تم نے اگر توحید اختیار نہ کی اور خالص اللہ کی عبادت نہ کی تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے' ان لوگوں نے حق قبول کرنے کی بجائے الٹے جواب دینے شروع کر دیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مخاطبین میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے جو لوگ سرداران قوم تھے انہوں نے جاہلانہ جواب دیئے (کسی قوم کے سردار ہی عموماً شر میں آگے بڑھا کرتے ہیں اور قوم ان کے پیچھے چلتی ہے اگر سردار راہ حق پر آ جائیں تو باقی قوم کا حق قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے) ان سرداروں نے پہلی بات یہ کہی کہ اے نوح علیہ السلام تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہم تمہارے اندر کوئی ایسی خصوصیت نہیں دیکھتے جن کی وجہ سے تم نبوت سے سرفراز ہوئے ہو تمہارا نبی ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہی کہ جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ہے وہ ہم میں سب سے زیادہ بڑھ کر رذیل اور گھٹیا ہیں پھر وہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں وہ بھی کوئی سوچ سمجھ کر ساتھ نہیں لگے یوں ہی بے سوچے سمجھے ساتھ ہو لئے ہیں ان کا آپ کے ساتھ لگ لینا ہمارے لئے حجت نہیں اور تیسری بات انہوں نے یہ کہی کہ اے نوح تم اور تمہارے متبعین کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو ایسی کوئی بات ہمیں تو نظر نہیں آتی نہ پہلے تمہیں کوئی برتری حاصل تھی اور نہ اب حاصل ہے یہ باتیں کہتے ہوئے انہوں نے علی الاعلان تکذیب کر دی اور یوں کہہ دیا ﴿بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ (کہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں) ان کی باتیں سن کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے میری قوم تم ہی بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے حجت پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے رحمت (نبوت) عطا فرما دی اور وہ تم سے پوشیدہ کر دی گئی۔ (جسے تم اپنی

Marfat.com

جاہلانہ سمجھ کی وجہ سے جھٹلا رہے ہو) تو میں کیا کرسکتا ہوں میرا کام تو پہنچا دینا' بتا دینا اور واضح کر دینا ہے' میں تمہیں پہنچا تا ہوں اور تم دور بھاگتے ہو' کیا ہم تم پر اس کو چپکا دیں اور تمہارے سر منڈھ دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اے میری قوم میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور توحید کی جو دعوت دیتا ہوں اس سے میری کوئی دنیاوی منفعت مقصود نہیں ہے اپنے کسی دنیاوی لالچ کیلئے تمہیں تبلیغ کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا یہ کام میں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں مجھے اسی سے ثواب لینا ہے اور میرا اجر اسی کے ذمہ ہے' اگر میں تم سے کچھ مال طلب کرتا تو تم یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی دنیا بنانے اور مال جمع کرنے کے لئے ہمارے پیچھے پڑا ہے' اب جبکہ میں بے لوث ہوں تو تمہیں غور کرنا چاہئے کہ اس کو اتنی محنت کرنے اور مشقت کے کام میں لگنے کی کیا ضرورت ہے؟

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو ایمان لائے تھے اور دنیاوی اعتبار سے اونچے درجہ کے افراد نہ تھے (اور قوم کے بڑے لوگ چاہتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیں) ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (جو لوگ ایمان لائے میں انہیں نہیں ہٹا سکتا) ﴿اِنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ﴾ (بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں) یعنی وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں کامیاب ہیں ان کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے جس کی وہ انہیں جزا دے گا میں انہیں اپنے پاس سے ہٹا کر اللہ کو کیوں ناراض کروں۔ ﴿وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰکُمْ قَوْمًا تَجْھَلُوْنَ﴾ (میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کی باتیں کرتے ہو) اور ایمان قبول نہیں کرتے جو سب سے بڑا شرف ہے اور اپنی حقیر دنیا کے پیش نظر اہل ایمان کو ارزل اور گھٹیا بتا رہے ہو۔ مزید فرمایا ﴿وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّھُمْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ﴾ (اے میری قوم! میں مومنین کو اپنے پاس سے ہٹا دوں اور دور کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے گا پھر اسکی ناراضگی کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا تم اپنی جہالت پر مصر ہو سمجھتے کیوں نہیں)۔ صاحب روح المعانی (ص ۴۱ ج ۲) لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے صاف تو نہ کہا تھا کہ ان لوگوں کو ہٹا دیں لیکن ان کے کلام سے یہ مفہوم ہو رہا تھا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم ایمان لا سکتے ہیں اس لئے ان کی اس بات کی تردید فرمادی۔ فکان ذالک التماساً منھم بطردھم وتعلیقاً لایمانھم بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بذالک انفۃً من الانتظام معھم فی سلک واحد پس سرداروں کی طرف سے غریبوں کو دور کرنے کا مطالبہ حضور ﷺ پر سرداروں کے ایمان لانے کی شرط کے طور پر تھا اس لئے کہ وہ ان غریبوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ (روح المعانی ص ۴۱ ج ۱۲)

ان لوگوں نے جو یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرح کے آدمی ہو اور یہ کہ ہم تمہارے اندر کوئی اپنے سے زیادہ بات نہیں دیکھتے اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے پاس مال بہت ہونا چاہئے تھا جو دنیا میں برتری کا ذریعہ ہے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' دنیا زیادہ ہونا اللہ کے یہاں فضیلت کی کوئی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد پر نبوت دی جائے وہ تو اللہ کا فضل اور عطیہ ہے جسے چاہے عطا فرمادے نبی کی نبوت ماننے کے لئے جو تم اس کے پاس مال تلاش کرتے ہو اللہ کے قانون میں اس کی کوئی حیثیت نہیں نبوت کا تعلق مالدار ہونے سے نہیں ہے۔

وہ لوگ نبی کے اندر غیب دانی کی صفت بھی دیکھنا چاہتے تھے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی صاف فرما دیا کہ ﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ (میں غیب نہیں جانتا) اور غیب کا جاننا بھی ان امور میں سے نہیں ہے جن کی بنیاد پر نبوت دی جاتی۔ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو ہماری طرح سے کیوں ہوتے' بشری صفات سے خالی ہوتے تمہارے اندر فرشتوں جیسی صفات ہوتیں' حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا بھی جواب دے دیا اور فرمایا ﴿وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ﴾ (میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) نبی ہونے کے لئے نہ فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ نہ بشریت موانع نبوت میں سے ہے جو چیزیں لوازم نبوت میں سے نہیں ہیں ان کے ذریعے میرے دعوائے نبوت کو کیوں پرکھتے ہو؟

حضرت نوح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے منکرین ان کو حقیر بھی جانتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے کہ یہ لوگ یوں ہی بے سمجھے سرسری طور پر تمہارے ساتھ لگ لیے ہیں دل سے آپ پر ایمان نہیں لائے' اس لئے جواب میں فرمایا ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ لَنْ

Marfat.com

﴿يُؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا﴾ (کہ تمہاری نظریں جن بے سرمایہ مسکین لوگوں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھ رہی ہیں اور ان کے بارے میں تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے میں ان کے بارے میں تمہاری موافقت نہیں کرسکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا) میں تو انہیں مؤمن سمجھتا ہوں ان کا ظاہر اچھا ہے اللہ سے ان کے لئے خیر وثواب کی امید رکھتا ہوں۔ ایمان کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ دل سے قبول کرنے سے ہے۔ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (اللہ کو خوب معلوم ہے کہ جو ان کے دلوں میں ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا ﴿اِنِّيْ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (اگر میں ان کے بارے میں ایسی بات کہہ دوں کہ اللہ انہیں ثواب عطا نہ فرمائے گا تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا) اس میں ان پر بھی ظلم ہوگا کہ ان کا مرتبہ گھٹانے کی بات کردی اور اپنی جان پر بھی ظلم ہوگا کہ جو بات کہنے کی نہ تھی وہ کہہ دی۔

دنیاوی مال اور عہدہ عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں:

اہل دنیا کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس کے پاس دنیا دیکھتے ہیں اسی کو بڑا سمجھتے ہیں، جس کے پاس دولت نہ ہو اسے حقیر جانتے ہیں۔ خواہ وہ اپنے ایمان اور اخلاص اور اخلاق حسنہ اور علم و عمل کے اعتبار سے کتنا ہی بلند ہو، اصل بڑائی تو ایمان اور اخلاق کی ہے دنیا فانی ہے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے اس سے کسی انسان میں شرافت اور بلندی نہیں آتی چونکہ مالداروں میں اپنی دنیا اور مال کا گھمنڈ ہوتا ہے اور باوجودیکہ ان کے اخلاق پست ہوتے ہیں تکبر میں بدمست ہوتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہیں ان کا یہ غرور اور مال، ملک انہیں حق نہیں قبول کرنے دیتا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جب اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تھے تو عموماً پہلے غریب لوگ ان پر ایمان لے آتے تھے۔ مالداروں کے غرور کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک معیار حق خود ان کی ذات تھی وہ کہتے تھے کہ جسے ہم قبول کرلیں وہی حق ہے کوئی غریب آدمی اگر حق قبول کرلیتا ہے تو کہتے تھے کہ یہ اس لئے حق نہیں کہ ہم نے قبول نہیں کیا۔ (کما ذکر اللہ تعالیٰ) ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (سورۃ الاحقاف رکوع ۲) جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے یوں کہا کہ تمہارے ساتھ گھٹیا لوگ لگ لئے ہیں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی یہ طعن کرتی رہی ہیں۔ جب حضرت خاتم النبیین سیدنا الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت دی جس کی ابتداء مکہ معظمہ میں ہوئی تھی تو سرداران قریش نے اولاً اسلام قبول نہیں کیا اور برابر مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ ان میں سے ستر آدمی غزوہ بدر میں مقتول ہوگئے۔ جو لوگ غلام تھے پردیسی تھے بے پیسہ والے تھے ابتداء میں وہی لوگ اسلام کی طرف بڑھے جن میں حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر حضرت خباب اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قیصر کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو وہ اسے بیت المقدس میں ملا اس نے دریافت کیا کہ یہاں عربوں میں سے کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس وقت وہاں کفار قریش کی ایک جماعت تجارت کے لئے پہنچی ہوئی تھی، قیصر نے ان لوگوں کو بلایا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بہت سی باتیں پوچھیں (اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے) ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہ خط لکھا ہے اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے بڑے بڑے لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں یا کم حیثیت کے لوگ؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ کم حیثیت کے لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں) اس پر قیصر نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کے پیچھے چلنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں (یعنی عموماً شروع میں یہی لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کا اتباع کرتے ہیں) قیصر نے یہ بھی پوچھا کہ ان کے دین کے قبول کرنے کے بعد کیا کوئی شخص مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ایسا نہیں! یہ سن کر قیصر نے کہا جب ایمان کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے (یعنی بشاشت ایمانیہ حاصل ہونے کے بعد کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرتا) یہ تو پرانی باتیں ہیں لیکن تاریخ اپنے کو دہراتی ہے آج بھی امیروں وزیروں اور مال داروں میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن قرآن حدیث پڑھنے والوں کو اور مدرسوں کے طلباء کو اماموں کو اور مؤذنوں کو اور غریب نمازیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اپنے فسق و فجور پر نظر نہیں موت کی فکر نہیں اور صالحین پر پھبتیاں کستے ہیں۔ ھداھم اللّٰہ تعالیٰ الی ما یُحب ویرضٰی۔

Marfat.com

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ

وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور تم نے ہم سے زیادہ جھگڑا کر لیا۔ لہٰذا ہمارے پاس وہ لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو۔ نوح نے جواب دیا کہ اس چیز کو تمہارے پاس اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے' اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو' اور میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں' اگر اللہ کا یہ ارادہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کرے' وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ' اور حضرت نوح علیہ السلام کا جواب

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہے اور انہیں سمجھاتے رہے۔ خوب سمجھایا اور بہت سمجھایا آپ جیسے جیسے ان کو سمجھاتے تھے وہ ضد و عناد میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ کپڑے اوڑھ لیتے تھے تاکہ آپ کی آواز کانوں میں نہ پڑے' ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تم ہم سے بہت جھگڑ لیے اور بہت زیادہ جھگڑا کر چکے جھگڑا بھی کرتے ہو اور یوں بھی کہتے ہو کہ تم نے توحید کو قبول نہ کیا اور شرک چھوڑ کر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نہ لگے تو عذاب آجائے گا اب بات یہ ہے کہ جھگڑے چھوڑو عذاب ہی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں تو اللہ کی طرف سے مامور ہوں۔ عذاب کی وعید بھی میں نے اسی کی طرف سے سنائی ہے میں خود عذاب نہیں لاسکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے گا تو تم پر عذاب لے آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو تم اسے عاجز نہیں کرسکو گے یعنی نہ عذاب کو دفع کرسکو گے نہ بھاگ سکو گے' میں نے تمہیں بہت کچھ سمجھایا' تمہاری خیر خواہی کی لیکن میری خیر خواہی کا تم اثر نہیں لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ تمہیں گمراہی پر ہی رکھے (جس کی وجہ تمہارا عناد و استکبار ہے) تو میری نصیحت تمہیں کوئی کارگر نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے مالک ہے تم اس کے ساتھ شرک کر کے مجرم بنے ہوئے ہو اور پھر مرنے کے بعد بھی تمہیں اسی کی طرف جانا ہے' اپنے مالک کے حقوق ضائع کرنے والے ہو دنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال منکرین کے لئے عذاب ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کو جواب دے دیا کہ میں عذاب نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو عذاب لائے گا۔ پھر ان کے لئے بددعا کردی اور پانی کے طوفان نے انہیں گھیر کر ہلاک کردیا جیسا کہ سورہ نوح کے آخری رکوع میں مذکور ہے اور یہاں بھی آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ؒ

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو اپنے پاس سے بنالیا۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنے پاس سے بنالیا ہے تو مجھ ہی پر اس کا جرم ہے اور میں اس سے بری ہوں جو جرم تم کرتے ہو۔

قرآن کو افتراء بتانے والوں کو جواب

اس آیت کے بارے میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے سوال و جواب کا تتمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے یوں کہا تھا کہ نوح علیہ السلام نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے یہ ان کی بنائی ہوئی بات ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں جواب دے دیں کہ اگر بالفرض میں نے اپنے پاس سے کوئی بات بنائی ہو تو یہ میرا جرم ہے جو مجھ پر عائد ہے اور تم

Marfat.com

میرے جرم سے بری ہوتم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات کہی ہے مجھ پر بہتان لگا رہے ہو یہ تمہارا جرم ہے میں تمہارے جرم سے بری ہوں اس کی سزا تم خود بھگت لو گے۔

صاحب روح المعانی کا رجحان یہی ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے مکالمہ کا تتمہ ہے جو ان کی قوم سے ہوا۔ صاحب معالم التنزیل نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین مکہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ بالفرض اگر یہ قرآن میں نے اپنے پاس سے بنالیا ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے جرم سے بری ہوں، مجھ پر اس کا کوئی وبال نہیں۔ تم جو ظلم کرتے ہو۔ شرک میں لگے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتے تم اس کے وبال سے ڈرو کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانے والوں پر عذاب آیا کرتا ہے۔ میں تمہارے جرم سے بری ہوں اور بیزار ہوں۔ مفسر ابن کثیر نے (ص ۴۴۴ ج ۲) اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بطور جملہ معترضہ کے فرمایا ہے جو حضرت نوح (علیہ السلام) کے قصہ کے درمیان ذکر کر دیا گیا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بھی اسی کو اپنی تفسیر میں لیا ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۛ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بلاشبہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائے گا' سو یہ لوگ جو کام کرتے تھے آپ ان کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں' اور ہمارے حکم سے کشتی بنا لیجئے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا' بلاشبہ یہ لوگ غرق کئے جانے والے ہیں اور وہ کشتی بنا رہے تھے اور جب ان کی قوم کے سرداران پر گزرتے تھے تو ان سے ہنسی کرتے تھے' وہ جواب دیتے تھے کہ اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو بلاشبہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنسی کر رہے ہو' سو عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور کشتی کی تیاری کے وقت سرداران قوم کا تمسخر

حضرت نوح علیہ السلام نے بہت زیادہ محنت کی اور طرح طرح سے اپنی قوم کو سمجھایا توحید کی دعوت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ان کی محنت اور دعوت سے صرف چند افراد مسلمان ہوئے اور قوم کی طرف سے عذاب لانے کی فرمائش ہوتی رہی۔ بالآخر ظالموں پر عذاب آ گیا اور ایمان والے محفوظ رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے اب ان کے علاوہ کوئی شخص ایمان لائے گا آپ ان کے حال پر غمگین نہ ہوں کیونکہ توقع کی چیز کے واقع نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے۔ جب ان سے ایمان لانے کی توقع ہی اٹھ گئی تو کیوں غم کیا جائے۔ کافروں پر عذاب آنا تھا' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے نوح تم ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی لو جس میں سوار ہو کر اہل ایمان ڈوبنے سے محفوظ ہو جائیں گے اور کافر سب غرق ہوں گے' اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ ظالموں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا۔ ان کو ڈوبنا ہی ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانے کیلئے تختے لئے ان میں کیلیں ٹھونکتے رہے جیسا کہ سورۃ القمر میں فرمایا۔ ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ﴾ (اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا)۔

ادھر تو کشتی تیار ہو رہی تھی اور اُدھر ان کی قوم کے سردار اور چودھری گزرتے تھے چونکہ انہیں عذاب آنے کا یقین نہیں تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام پر ہنستے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جی ہاں تم تو اس کشتی میں بیٹھ کر محفوظ ہو جاؤ گے' کبھی کہتے تھے کہ یہ کشتی خشکی میں کیسے چلے گی (کیونکہ وہ خشکی میں بنائی جا رہی تھی) کبھی کہتے تھے کہ اے نوح (علیہ السلام) ابھی تو تم نبی تھے اب تم بڑھئی ہو گئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اگر آج تم ہم پر ہنس رہے ہو تو سمجھ لو کہ وہ دن بھی آنے والا ہے کہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو۔ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۱ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ﰳابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۲ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝۴۳

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور سے پانی ابلنے لگا تو ہم نے کہا اس کشتی میں ایک ایک نر ایک ایک مادہ (یعنی ہر جنس سے دو عدد) سوار کر دو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر دو سوائے اس کے جس کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے' اور ان لوگوں کو بھی سوار کر لو جو ایمان لائے ہیں اور ان کے ساتھ کم آدمی ایمان لائے اور نوح نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا' بلاشبہ میرا رب بالیقین بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ ان سے ہٹا ہوا تھا کہ اے میرے چھوٹے سے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت ہو' وہ کہنے لگا کہ میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' نوح نے جواب دیا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہی جس پر وہی رحم فرمائے اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی سو وہ غرق کئے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

پانی کا طوفان' کافروں کی غرقابی' اور اہل ایمان کی نجات

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر تیار کر لی پانی کا طوفان آنا تھا اس کی ابتداء ہو گئی' اہل ایمان کو غرق ہونے سے بچانا تھا اور چوپائے اور درند پرند کی بھی نسلیں چلانی تھیں اور بعد میں دنیا بھی آباد ہونی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو لوگ اہل ایمان ہیں انہیں اور اپنے گھر والوں کو کشتی میں سوار کر دو' ہاں تمہارے گھر والوں میں جن کا ڈوبنا قضاء وقدر میں طے ہو چکا ہے ان کو سوار مت کرو' ان میں ان کا ایک لڑکا تھا جو ایمان نہیں لایا تھا اور ایک بیوی تھی وہ بھی ایمان نہیں لائی تھی ان دونوں کے کفر کی وجہ سے ان کے ڈوب جانے اور نجات نہ پانے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا' جو حضرات ایمان لائے تھے ان کی تعداد کم تھی یہ کتنے افراد تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں جو کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ اسی افراد تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں ان

Marfat.com

میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور ان بیٹوں کی تینوں بیویاں تھیں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جو کافر تھا اسے کشتی میں سوار نہیں کیا گیا۔

حضرت نوح کی بیوی کو سورۃ التحریم کے آخری رکوع میں کافروں میں شمار فرمایا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگئی بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ ان کی دو بیویاں تھیں ایک مومنہ تھی اور دوسری کافرہ۔ کافرہ غرق ہوئی اور مومنہ کشتی میں سوار کرلی گئی تھی' وہ بھی ڈوبنے سے محفوظ کر لی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ ظالموں (کافروں) کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا۔ لہٰذا کافروں کے لئے سفارش کرنے اور نجات کی دعا کرنے کا موقع نہ تھا۔

بنی آدم اہل ایمان جو کشتی میں سوار ہوئے تھے ان کے علاوہ بحکم خداوندی چرند اور پرند میں ایک ایک جوڑا بھی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں سوار کرلیا تھا۔ پانی آیا جو پہلے تنور سے ابلنا شروع ہوا بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تنور سے پانی ابلنا ابتدائے طوفان کی نشانی کے طور پر تھا حضرت نوح علیہ السلام کو بتادیا گیا تھا کہ جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لوکہ اب طوفان کی ابتداء ہوگئی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سارا پانی تنور ہی سے نکلا کیونکہ سورہ قمر میں رمایا ﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ٥ وَّفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾ سو ہم نے خوب بہنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کردیے پھر پانی اس کام کے لئے مل گیا جو پہلے سے تجویز ہو چکا تھا۔ یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی دونوں مل گئے اور کفاروں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا تھا پانی کی طغیانی کے ذریعے وہ فیصلہ پورا ہوگیا۔ یہ پانی بہت زیادہ تھا جس سے محفوظ رہنے کا اہل کفر کے لیے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ سورۂ حاقہ میں فرمایا ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَا أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴾ بیشک جب پانی میں طغیانی آگئی تو ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے آباواجداد کو تم جن کی پشتوں میں تھے) کشتی میں سوار کردیا تاکہ اسے ہم تمہارے لیے نصیحت بنادیں اور تاکہ اسے یاد کرنے والے کان یاد رکھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے (یعنی اہل ایمان سے) فرمایا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (یعنی اس کے چلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے ہے اور اس کا ٹھہر جانا بھی اللہ ہی کے نام سے ہوگا) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوران طوفان جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی کو روکنا چاہتے تھے تو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کہہ دیتے تھے اور جب چاہتے تھے کہ چل پڑے تو بسم اللہ کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سو جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی) اور دعا کی تلقین فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ﴿وَقُلْ رَّبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (کہ دعا میں کہئے کہ اے رب مجھے برکت والی جگہ میں اتار اور تو بہترین اتارنے والوں میں سے ہے) کشتی سے اترتے وقت کیا دعا کریں اس کیلئے یہ دعا تلقین فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کی لپیٹ میں:

کشتی چل رہی ہے پہاڑوں کی طرح موجیں ہیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا موجوں کے تھپیڑوں سے دوچار ہو رہا ہے قریب ہے کہ ڈوب جائے وہ ان سے علیحدہ تھا' کشتی میں سوار نہ تھا اور ایمانی اعتبار سے بھی ان کے ساتھ نہ تھا۔ آپ نے اسے آواز دی' اے بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہوجا کافروں کے ساتھ نہ ہو ان کے دین کو چھوڑ دے لیکن اس نے نہ مانا اور کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر ٹھکانہ پکڑلوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا اس کا خیال تھا کہ جیسے عام طور پر سیلاب آتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی ایک سیلاب ہے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا تو بچ جاؤں گا کیونکہ عام طور سے سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں جاتا وہ چونکہ ایمان نہیں لایا تھا اس لیے یہ بات ماننا ہی نہ تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جب اللہ کی طرف سے عذاب آجائے تو کہیں پر بھی نہیں بچ سکتا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اسے نجات نہیں دے سکتیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہاں جس پر اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے' وہی بچ سکتا ہے لیکن کافروں پر وہ رحم نہیں فرمائے گا ان سب کو ڈوبنا ہی ڈوبنا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک موج آئی جو دونوں باپ بیٹوں کے درمیان حائل ہوگئی سو وہ غرق کیے جانے والوں میں سے ہوگیا۔

Marfat.com

وَقِيلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۗ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۗ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان تھم جا' اور پانی کم ہو گیا اور فیصلہ کر دیا گیا اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی' اور کہہ دیا گیا کہ کافروں کے لیے دوری ہے اور (نوح علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا اے میرے رب بیشک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح بلاشبہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بیشک اس کا عمل درست نہیں سو تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں' میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں شامل نہ ہونا' نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بیشک میں اس بات کی آپ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں آپ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے میری بخشش نہ فرمائی تو میں خسارہ والوں میں سے ہو جاؤں گا' حکم ہوا کہ اے نوح تم اتر جاؤ سلامتی کے ساتھ جو ہماری طرف سے ہے اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں' اور بہت سی جماعتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نفع پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا

پانی کا طوفان آیا جو خوب زیادہ تھا' پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر پانی پہنچ گیا اور اس کی موجیں بھی پہاڑوں کی طرح تھیں اتنے کثیر پانی سے کون بچ سکتا تھا۔ سوائے ان مومن مخلص بندوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا یہ طوفان کتنے دن رہا اس کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کشتی ایک سو پچاس دن تک پانی پر رہی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ مہینے تیرتی رہی صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو طوفان ختم کرنا منظور ہوا تو زمین کو حکم دے دیا کہ اپنے پانی کو نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ پانی برسانا بند کر دے لہٰذا پانی کم ہو گیا اور اہل کفر کی غرق آبی کا جو اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے مطابق وہ سب ہلاک ہو گئے کشتی چلتے چلتے جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اللہ پاک کی طرف سے ندا دی گئی کہ ظالموں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے کشتی تو پہاڑ پر ٹھہر گئی لیکن اس سے اترنا کب ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک ماہ تک جودی پہاڑ پر رہے جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ پانی ختم ہو گیا اور زمین اس لائق ہو گئی کہ اس پر قیام کیا جائے تو وہاں سے نیچے تشریف لے آئے اور پھر ان سے دنیا بسنی شروع ہوئی اور ان کے تینوں بیٹوں سے (جو کشتی میں ساتھ تھے) آگے دنیا میں نسل چلی جن کے یہ نام مشہور ہیں۔ سام' حام' یافث۔

نوح علیہ السلام کا ایک لڑکا جو کافر ہونے کی وجہ سے غرق ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا کہ ﴿اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ﴾ کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے ﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ اور بیشک آپ کا وعدہ سچا ہے۔ ﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ

Marfat.com

﴿الْحَاكِمِیْنَ﴾ اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان کے اہل وعیال کو نجات دینے کا وعدہ فرمالیا تھا اس پر انہوں نے یہ دعا کی' دعا میں ادب کو ملحوظ رکھا یوں نہیں کہا کہ میری لڑکے کو نجات دیجئے بلکہ یوں کہا میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے (جن کے نجات دینے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے) یہاں مفسرین نے یہ سوال اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو اہل ایمان کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا تھا جن میں ان کے اہل وعیال بھی تھے پھر انہوں نے اپنے کافر بیٹے کو نجات کے وعدہ میں کیسے شامل سمجھا؟ اس کے متعدد جواب لکھے گئے ہیں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ گو یہ لڑکا سردست ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے۔ لیکن یا اللہ اگر آپ چاہیں تو اس کو مؤمن بنادیں تا کہ یہ بھی وعدہ نجات کا محل بن جائے خلاصہ معروض کا اس کے مومن ہونے کیلئے دعا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے انہیں جواب دیا گیا کہ اے نوح (علیہ السلام) تمہارا بیٹا ہمارے علم ازلی میں تمہارے ان گھر والوں میں سے نہیں جو ایمان لا کر نجات پائیں گے۔ اس کے اعمال درست نہیں ہیں اور انہیں اعمال میں سے یہ ہے کہ اسے کفر پر اصرار ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا نہیں تو اس کے لئے نجات کی دعا کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں۔ ﴿فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (سوائے نوح مجھ سے اس بات کا سوال نہ کر و جس کا تمہیں علم نہیں) تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ اس کے ایمان لا کر نجات پانے کا احتمال ہے قضاء وقدر کے فیصلے کے مطابق یہ سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ ﴿اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ﴾ (بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے مت بنو) ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (نوح علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے) ﴿وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ کاروں میں سے ہو جاؤں گا)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیٹے کی نجات کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور عتاب غرق ہونے کے بعد تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انہوں نے اس کے ایمان لانے کیلئے دعا کی تھی تا کہ ایمان لانے والوں میں شمار ہو کر نجات پا جائے کیونکہ اس کا موقع رہا ہی نہ تھا اور اگر اس کے غرق ہونے سے پہلے یہ دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا تھا کہ اسے کفر پر مرنا ہے تو بیٹے سے یہ کیوں فرمایا کہ ایمان لا کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔

احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دعا اور سوال و جواب بیٹے کے جواب ﴿سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾ اور اس کے غرق ہونے کے درمیانی وقفہ میں تھا کیونکہ ابھی موج ہی حائل ہوئی تھی اس کے غرق ہونے کا پتہ نہ چلا تھا بعد میں وہ غرق ہوا اور ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ جو فرمایا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ کسی کافر کے کفر پر رہتے ہوئے اس کی نجات کا سوال نہ کرنا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اترنا:

﴿قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سلامتی کے ساتھ اتر جاؤ اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہوں گی اور ان جماعتوں پر ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی اتر گیا جس کی وجہ سے زمین میں بسنے کی صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ پہاڑ سے اترو تمہارے لئے ہماری طرف سے سلامتی ہے اور برکتیں ہیں اور جو جماعتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی ہماری برکتیں ہیں۔ ﴿وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جو آگے چل کر دائرہ ایمان سے نکل جائیں گی ان لوگوں کو ہم دنیا میں ایسی زندگی دیں گے جس سے فائدہ اٹھالیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا۔ پہلے سے بتادیا تھا کہ اس وقت جو زمین پر تم اتر رہے ہو سب مسلمان ہو لیکن ان اترنے والوں کی نسلوں میں سے پھر اہل کفر پیدا ہوں گے ان کو ہماری طرف سے درد

Marfat.com

ناک عذاب پہنچ جائے گا آخرت میں تو ہر کافر کے لئے سخت عذاب ہے اور بعض امتوں کو دنیا میں بھی اجتماعی عذاب ہوگا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم مانتی تھی، سو آپ صبر کیجئے، بلاشبہ انجام کار متقیوں ہی کیلئے ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کی قوم ان خبروں سے واقف نہیں تھے ان خبروں کا آپ کو علم ہونا جبکہ آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں، پرانی قوموں کے واقعات کسی نے بتائے بھی نہیں یہ سمجھ دار انسان کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر آپ کو مطلع فرمایا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات پانے سے آپ کو تسلی ہونی چاہئے آپ صبر کریں جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام صبر کرتے رہے ہیں اور انجام کار یہی ہوا کہ جو لوگ متقی تھے یعنی کفر اور شرک سے بچتے تھے انہوں نے نجات پائی اور ان کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح آپ کے لیے بھی حسن عاقبت ہے، اور آپ کے اصحاب کے لئے بھی۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو آپ کے مخالف ہیں ان کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ چند دن کا کھانا پینا اور عیش کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انجام اچھا ہونا چاہئے۔ جو متقین ہی کا حصہ ہے۔

فوائد ضروریہ

(۱) حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ طوفان نے ساری زمین کو گھیر لیا تھا جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا کی تھی۔ ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ (اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری زمین کو طوفان نے گھیر لیا تھا لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے، کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا تھا جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہے جن علماء نے اسے اختیار کیا ہے ان کے نزدیک سورۃ نوح کی آیت میں جو الارض آیا اور جو سورۃ قمر میں ﴿وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا﴾ فرمایا ہے ان دونوں میں الف لام عہد کے لیے ہے یہ احتمال بعید نہیں ہے لہٰذا یقین کے ساتھ ان کے قول کی تغلیط بھی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں لہٰذا کاوش میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ قصہ بیان کرنے کا مقصد ہر طرح حاصل ہے یعنی نصیحت اور عبرت و موعظت ہر طرح حاصل ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت ارض معمورہ ہی تھوڑی سی تھی جتنی زمین پر انسانوں کی آبادی تھی اتنے ہی حصہ پر طوفان آیا اور چونکہ تھوڑے سے اہل ایمان کے علاوہ سب ہی بنی آدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اس لیے اس کو عالمی طوفان کہنا بھی صحیح ہے، منکرین کو ہلاک فرمانا تھا، وہ اتنی زمین پر طوفان آنے سے ہلاک ہوگئے جتنی زمین پر آباد تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ (کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں اگر نسبی اعتبار سے قرابت کا رشتہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، کسی نبی یا ولی کا بیٹا ہو اور اس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کا رشتہ اسے کوئی کام نہیں دے سکتا اور اس کے رشتہ کا اعتبار بھی نہیں حضرات مہاجرین کرام کا یہی جذبہ تھا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں خونی رشتے کے لوگ سامنے آئے چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ کافروں نے بھی ان رشتہ داروں پر تلوار کشی کی جو اہل ایمان میں سے تھے بلکہ غزوہ بدر میں تو یہ ہوا کہ بعض انصار مقابلہ کے لئے نکلے تو مشرکین مکہ میں

Marfat.com

سے بعض افراد نے کہا کہ لا نرید هولاء ولکن نبارز بنی عمنا من بنی عبد المطلب (کہ ہم ان کے مقابلہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہم تو بنی عبد المطلب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے چچا کے بیٹے ہیں) اس پر حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے (بدر میں زخمی ہوئے تھے پھر مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں وفات ہوگئی) لیکن ان کے شہید کرنے والے کو (جس کا نام عتبہ تھا) بعد میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا۔ (البدایہ)

جب کافروں کے جذبۂ عداوت کا یہ حال ہے کہ قتل کرنے کے لیے اپنے عزیزوں کو خصوصیت کے ساتھ طلب کرتے ہیں تو اہل ایمان کیوں اہل کفر سے دشمنی نہ رکھیں اور کافروں کو اپنا کیوں سمجھیں۔ کوئی کافر اپنا نہیں خواہ کیسا ہی رشتہ دار ہو۔ ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ میں اس کو واشگاف الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔ حضرت سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا۔ فرماتے ہیں ؎

پسر نوح با بداں بنشست
سگ اصحاب کہف روزے چند
خاندانِ نبوتش گم شد
پئے نیکاں گرفت مردم شد

(۳) جودی پہاڑ کہاں ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی اس کے بارے میں معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو دجلہ سے مشرقی جانب ہے جزیرہ ابن عمر پر محیط ہے اور یہ شہر موصل کے مضافات میں ہے (جو عراق کے شہروں میں سے ہے) یہ جزیرہ ابن عمر برقعبدی کی طرف منسوب ہے۔ محقق ابن جزری امام التجوید والقراۃ کی نسبت بھی اسی کی طرف ہے۔

(۴) آیت کریمہ ﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ﴾ میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بہت سی وجوہ اعجاز ہیں جن کو علامہ سکاکی (رحمہ اللہ) نے جمع کیا ہے پھر حافظ شمس الدین ابن الجزری صاحب مقدمہ الجزریۃ نے کفایۃ الالمعی فی آیۃ یا ارض ابلعی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں علامہ سکاکی کی بیان کردہ وجوہ اعجاز پر اضافہ کیا۔ (ذکرہ حاجی خلیفہ فی کشف الظنون)

وَ إِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا
مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَٰقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا
تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَ يَٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا
وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ
بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا
بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي
جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ
بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ

Marfat.com

اِلَیْکُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾
وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ
تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ
هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں تم صرف جھوٹ بولتے ہوئے۔ اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر صرف اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا کیا تم سمجھ نہیں رکھتے' اور اے میری قوم تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور میں توبہ کرو وہ تم پر خوب بارشیں بھیج دے گا اور تمہیں جو قوت حاصل ہے اس سے زیادہ قوت عطا فرمائے گا اور تم مجرم بن کر روگردانی کرنے والے نہ بنو' کہنے لگے کہ اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے اور ہم تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں' ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کوئی خرابی پہنچا دی ہے۔ ہود نے کہا کہ بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم گواہ ہو جاؤ کہ بیشک میں ان چیزوں سے بری ہوں جنہیں تم اللہ کے علاوہ شریک قرار دیتے ہو' سو تم سب مل کر میرے بارے میں تدبیریں کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بیشک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اس کی گرفت میں نہ ہو' بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہے' سو اگر تم روگردانی کرو تو میں سب کچھ پہنچا چکا ہوں جو پیغام دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور میرا رب تمہارے سوا کسی دوسری قوم کو تمہارے قائم مقام کر دے گا' اور تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے' بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لا کر ان کے ساتھ تھے اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دے دی۔ اور یہ تھے قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور ہر سرکش ضدی کی بات کا اتباع کیا۔ اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی' خبردار بلاشبہ قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا' خبردار عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم ہے۔

قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا

حضرت نوح علیہ السلام کی سرکشی اور ضد و عناد اور کفر و تکذیب کی سزا کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد کی سرکشی و نافرمانی اور ضد و عناد کی تکذیب کا تذکرہ فرمایا یہ لوگ بڑی قوت والے اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے ان کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ سورۃ الفجر میں ہے ﴿اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ o اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ o الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ o﴾ (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کی قد و قامت ستون جیسی تھی جن کے شہروں میں ان جیسا پیدا نہیں کیا گیا)۔

اور سورہ حٰمٓ سجدہ میں ان کے غرور اور گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ لیکن قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے کہا کہ زور آوری میں ہم سے زیادہ بڑھ کر کون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ (کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا فرمایا ان سے بڑھ کر قوت والا ہے) حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی' توحید کی دعوت دی شرک سے باز آنے کی تلقین فرمائی اور ان سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو اور یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو یہ تمہارا افتراء ہے اور جھوٹ ہے۔سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں بھی یاد دلائیں اور ان سے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں بسایا ہے ان کے بعد تم زمین میں رہتے سہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈیل ڈول بھی خوب دیا ہے تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو لیکن انہوں نے کہا کہ تم تو بے وقوف آدمی ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔(سورۂ اعراف رکوع ۹) اور انہیں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل و حجت تو لائے نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تمہیں اللہ کا رسول مانیں (یہ انہوں نے عناداً کہا) اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔یعنی آسیب وغیرہ پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور میں اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اب تو میرے اور تمہارے درمیان کھل کر دشمنی ہوگئی تم میرے دشمن ہو اپنی دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا کر رکھو مجھے دکھ پہنچانے میں تم سے جو کچھ مکر حیلہ سازی ہو سکے تم سب مل کر اس پر عمل کرو پھر مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو' دیکھو تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تم اتنے سارے ہو قوت و شوکت والے ہو میں اکیلا ہوں اللہ کا توکل وہ چیز ہے جسے یہ چیز حاصل ہو جائے اس کے سامنے مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔لہٰذا میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کی پیشانی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ مالک ہے قادر ہے' قاہر ہے تم بھی زمین پر چلتے پھرتے اس کی مخلوق ہو اور مقہور و مجبور ہو تمہیں اس سے ڈرنا چاہیے بیشک میرے رب کی رضا صراطِ مستقیم پر چلنے میں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتیں بھی یاد دلائیں اور آئندہ نعمتیں ملتے رہنے کا عملی طریقہ بتایا اور وہ یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ تمہارا گزشتہ سب کچھ معاف ہو جائے گا اس کے حضور میں توبہ بھی کرو اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش بھیج دے گا جو ضرورت کے وقت خوب برستی رہے گی اور تمہاری جو موجودہ قوت و طاقت و زور آوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ تین سال تک بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور عورتیں بانجھ ہوگئی تھیں اولاد پیدا نہ ہوتی تھیں مال و اولاد نہ ہونے سے قوت میں کمی ہو رہی تھی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو مال بھی ملے گا اور اولاد بھی ہوگی اور ان دونوں کے ذریعے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے واضح طور پر فرما دیا کہ دیکھو اگر تم روگردانی کرو گے اور جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اسے نہ مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد اللہ دوسری قوم کو زمین میں بسا دے گا اپنے زور و قوت پر جو تمہیں گھمنڈ ہے یہ بیجا ہے اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ جب عذاب آئے گا تو سب پر آئے گا' عذاب کافروں پر آئے گا اہل ایمان کو بچا لے گا۔ان کی قوم نے کہا کہ تم ہمیں یہ پیغام دے رہے ہو کہ ہم صرف تنہا اللہ کی عبادت کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (یہ ہم سے نہیں ہو سکتا) تم جو یہ بار بار کہتے ہو کہ عذاب آئے گا' عذاب آئے گا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔ایک تو انہوں نے کفر و شرک کو نہیں چھوڑا دوسرے اپنے منہ سے عذاب طلب کیا۔لہٰذا حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا ﴿قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ﴾ (تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہونے کا فیصلہ ہو چکا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں یعنی اللہ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور باقی قوم کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا جس سے وہ ہلاک ہوگئے اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جو سات رات اور آٹھ دن تک برابر چلتی رہی اور وہ ایسے رہ گئے گویا خالی کھجوروں کے تنے ہوں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے اور سورۃ احقاف میں فرمایا ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا

Marfat.com

﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (سو جب انہوں نے بادل کو دیکھا جو ان کی وادیوں کے سامنے آرہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسانے والا ہے' یہ بات نہیں کہ وہ پانی برسائے گا بلکہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔ سو وہ لوگ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ ان کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ سورۂ حٰمٓ سجدہ اور سورۃ الذریات اور سورۃ الحاقہ میں بھی قوم عاد پر سخت ہوا کے عذاب آنے کا ذکر ہے۔ واقعہ عذاب بتا کر ارشاد فرمایا ﴿وَاُتْبِعُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی' اور قیامت کے دن بھی) یعنی وہ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ان پر لعنت ہوگی' ﴿اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ (خبردار عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) ﴿اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ﴾ (خبردار اللہ کی رحمت سے قوم عاد کیلئے دوری ہے جو ہود کی قوم تھی) قوم ہود کی تکذیب اور ضد و عناد اور ہلاکت و بربادی کا واقعہ سورۂ اعراف رکوع نمبر ۹ میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا
يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ
رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ
نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا' انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں' اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد فرمایا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ وہ کہنے لگے اے صالح اس سے پہلے تو ہمیں تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کیا تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے' اور بلاشبہ ہم اس بات کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو یہ شک تردد میں ڈالنے والا ہے' صالح نے کہا اے میری قوم تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو' پھر وہ کون ہے جو مجھے اللہ سے بچا لے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ سو تم میرے لئے نقصان ہی کو بڑھا رہے ہو اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے یہ بطور نشانی کے ہے سو تم اسے چھوڑے رکھو اللہ کی

Marfat.com

زمین میں کھاتی پھرے اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا پھر تمہیں جلد آنے والا عذاب پکڑ لے گا۔ سوانہوں نے اس کو مار ڈالا اس پر صالح نے کہا کہ تم تین دن اپنے گھروں میں بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں ہے پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ اہل ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے نجات دی' بیشک تیرا رب قوت والا ہے اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں چیخ نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے جیسا کہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے' خبردار قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خبردار دوری ہے ثمود کیلئے۔

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا

سورہ اعراف کے رکوع میں حضرت صالح (علیہ السلام) اور ان کی قوم ثمود کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے وہاں مراجعت فرمالیں مختصر طریقے پر یہاں بھی لکھا جاتا ہے حضرت صالح (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ قوم عاد کے بعد تھی۔ سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت صالح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ م بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْا اٰلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ (اور تم یاد کرو جبکہ اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد آباد کیا اور زمین میں تمہیں رہنے کو ٹھکانہ دیا تم نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو' سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاؤ)

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو استغفار کرنے کے لیے یعنی ایمان لانے کے لیے فرمایا اور آئندہ باقی زندگی میں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ میرا رب قریب ہے جو دعا کرو گے سنے گا اور مجیب بھی ہے' دعا کو قبول فرمائے گا اور انہیں بتا دیا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' ان لوگوں نے ضد و عناد پر کمر باندھ لی اور حضرت صالح (علیہ السلام) سے کہنے لگے کہ میاں تم تو بڑے سمجھدار ہونہار تھے ہم تم کو اپنا سردار بناتے اور اپنے کاموں میں تمہیں آگے آگے رکھتے تم نے جو یہ باتیں نکالی ہیں کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور باپ دادے جن کی عبادت کرتے تھے انہیں یکسر چھوڑ بیٹھیں یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں' تم ہمیں جس بات کی دعوت دے رہے ہو ہمیں تو اس کے صحیح ہونے میں شک بھی معمولی نہیں بڑا شک ہے جو بڑے تذبذب اور تردد میں ڈالنے والا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس نافرمانی میں میرا مواخذہ فرمالیا تو اللہ کے سوا کون میری مدد کرے گا۔ تمہارا اتباع کرنے سے برابر میرا نقصان ہی ہوتا رہے گا۔ ان لوگوں نے بیہودہ اور بے تکی باتیں کیں اور یوں بھی کہا کہ اچھا اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو عذاب لا کر دکھا دو جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو (کمافی سورۃ الاعراف) نیز انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ پہاڑ سے اگر اونٹنی نکل آئے تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی نکال دی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو نشانی کے طور پر ہے اس کو چھوڑ دو تا کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے' اور یہ بھی فرمایا کہ اس اونٹنی کے پانی پینے اور تمہارے مویشیوں کے پانی پینے کے لیے باری مقرر کی جاتی ہے۔ ﴿وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ م بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ﴾ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تم اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا یعنی اس کے درپے آزار نہ ہونا اور اسے قتل مت کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو جلد ہی عذاب آ جائے گا۔

ان لوگوں نے اول تو خود اپنے منہ سے فرمائشی معجزہ طلب کیا پھر معجزہ ظاہر ہو گیا تو ایمان نہ لائے بلکہ اوپر سے اس اونٹنی کے قتل کے مشورے کرنے لگے آپس میں مشورہ کر کے ایک آدمی کو تیار کیا کہ اس اونٹنی کو مار ڈالو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم تین دن اپنے گھروں میں رہ لو اس کے بعد عذاب آ جائے گا یہ وعدہ جھوٹ نہیں ہے۔

تین دن گزرنے کے بعد عذاب آ گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھیوں کو جو اہل ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی نجات دے دی کیونکہ جس قوم پر اللہ کا عذاب آتا ہے۔ وہ ذلیل و رسوا بھی ہوتی ہے یہ اہل ایمان عذاب

Marfat.com

سے بھی محفوظ رہے اور ذلت سے بھی محفوظ رہے۔

قوم پر عذاب آیا اس کے لیے فرمایا ﴿وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ جن لوگوں نے ظلم کیا ان کو چیخ نے پکڑ لیا سو اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے گویا کہ ان میں رہے ہی نہ تھے ﴿اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ (خبردار قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) ﴿اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ (خبردار دوری ہے ثمود کیلئے) یہ قوم دنیا میں بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئی اور آخرت میں بھی۔

فائدہ: سورہ اعراف میں ہے کہ ان لوگوں پر رجفہ یعنی زلزلے کا عذاب آیا تھا اور یہاں چیخ سے ہلاک ہونے کا ذکر ہے ان دونوں میں تعارض نہیں ہے زلزلہ اور چیخ دونوں ہی جمع ہو گئے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اوپر سے چیخ آئی اور نیچے سے زلزلہ آیا دونوں انکی ہلاکت کا سبب بنے۔ مفسر بغوی معالم التنزیل (ص ۳۹۱ ج ۲) میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ
حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ
اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ
یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾
قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ
مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۴﴾ اِنَّ
اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ
اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے انہوں نے سلام کے الفاظ بولے ابراہیم نے سلام کا جواب دیا پھر دیر نہ لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے۔ سو جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچ رہے ہیں تو ان کی طرف سے خوفزدہ ہو گئے انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں بیشک ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھی سو ہنس پڑی سو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی وہ کہنے لگی ہائے خاک پڑے میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بڑے میاں ہیں بے شک یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ وہ کہنے لگے کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں بلاشبہ اللہ مستحق حمد ہے بڑائی والا ہے پھر جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اس کے پاس خوشخبری آ گئی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں جدال شروع کر دیا بیشک ابراہیم بردبار رحمدل رجوع کرنے والے تھے اے ابراہیم اس بات سے اعراض کرو بیشک تمہارے رب کا حکم آ چکا ہے اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا وطن ایران اور عراق کے درمیان تھا ان کی قوم بت پرست تھی نمرود کی حکومت تھی وہاں انہوں نے توحید کی

Marfat.com

دعوت دی، قوم نے مخالفت کی دشمنی پر اتر آئے حتیٰ کہ آپ کے باپ نے بھی یوں کہہ دیا۔ ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ (اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے ماردوں گا اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے) ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا اللہ نے آگ ان پر ٹھنڈی کر دی اور وہ اس میں سے صحیح سلامت باہر نکل آئے اور پھر اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ فلسطین میں آباد ہو گئے۔ حضرت لوط (علیہ السلام) ان کے بھتیجے تھے وہ بھی ساتھ آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی نیز حضرت لوط (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے نوازا تھا۔ شام ہی کے علاقہ میں حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم آباد ہوئی تھی جہاں آج کل بحر میت ہے ان کی قوم نے بڑی سرکشی کی اور بیہودگی اور بدفعلی اور بدکاری کو اپنا مقصد زندگی بنا رکھا تھا جب ان کی قوم پر عذاب بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا تو فرشتے اول حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے جو انسانی صورتوں میں تھے انہوں نے آ کر سلام کیا، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب دیا اور جلدی سے اندر تشریف لے گئے اور بھنا ہوا بچھڑے کا گوشت ان کے لیے مہمانی کے طور پر لے آئے۔ یہ بچھڑا فربہ اور موٹا تازہ تھا جیسا کہ سورۃ الذریات میں فرمایا ہے ﴿بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمانی کی (اول الناس ضیف الضیف کما فی المشکوٰۃ ص ۳۸۵) آنے والے مہمان فرشتے تھے وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ گوشت سامنے رکھا ہوا ہے لیکن ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے کہ یہ کون ہیں عجیب سے لوگ معلوم ہوتے ہیں کھانا سامنے رکھا ہے کھاتے نہیں ہیں، نہ صرف دل سے خوف زدہ ہوئے بلکہ زبان سے بھی کہہ دیا ﴿اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ﴾ (کہ ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے) فرشتوں نے کہا کہ ڈرو نہیں ہم تمہیں ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا، بیٹا ہونے کی بشارت دی اور اس کے ساتھ ہی پوتا ہونے کی بھی بشارت دے دی یہ بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب (علیہ السلام) تھے بیٹے کی بشارت سنی تو کہنے لگے۔ ﴿اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ﴾ (کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آ چکا ہے سو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو) ﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ﴾ (انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشارت دی ہے سو تم ناامید ہو جانے والوں میں سے مت بنو) نیز ان فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں (تا کہ ان پر عذاب لے کر آئیں) وہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ بھی کھڑی تھیں انہیں ہنسی آ گئی، ہنسی کس بات پر آئی اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے کئی قول نقل کئے ہیں اس میں سے ایک قول یہ ہے کہ چونکہ فرشتوں نے یوں بھی کہہ دیا تھا کہ ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں اس لئے مومنہ خاتون کو ان کی غفلت پر ہنسی آ گئی کہ دیکھو وہ لوگ کیسے غافل ہیں عذاب قریب آ چکا اور وہ اپنی مستیوں میں لگے ہوئے ہیں، فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بھی بشارت دی اور کہا کہ تم سے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحٰق (علیہ السلام) ہوگا اور پھر اس لڑکے کا لڑکا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا وہ کہنے لگیں ہائے خاک پڑے (عورتیں تعجب کے وقت یہ لفظ بولا کرتی ہیں) کیا میں اب جنوں گی جب بڑھیا ہو چکی ہوں اور نہ صرف یہ کہ میں بڑھیا ہوں میرے یہ شوہر جو بیٹھے ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں، بوڑھے مرد بوڑھی عورت سے اولاد پیدا ہو یہ تو عجیب بات ہے، فرشتوں نے اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کی دعا دی اور کہا کہ ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (کہ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں) ﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفوں کا مستحق ہے اور بزرگ ہے)۔

اس کے بعد اسی بیوی سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام اسحٰق (علیہ السلام) رکھا گیا اور بعد میں اس صاحبزادہ کا لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام یعقوب (علیہ السلام) رکھا گیا۔ اس بیوی کا نام سارہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی اور ہجرت کر کے ہمراہ آئی تھی۔ دوسری بیوی کا نام ہاجرہ تھا اس سے حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل وہی دونوں ماں بیٹے ہیں جنہیں ابراہیم (علیہ السلام) مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں چھوڑ گئے تھے جس کا واقعہ سورہ بقرہ کی آیت ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ (انوارالبیان جلداول)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا تو اب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہ سے یہ دعا مانگنے لگے کہ ان کو ہلاک نہ کیا جائے کیونکہ ان کے اندر لوط علیہ السلام موجود ہیں، اس کو ﴿يُجَادِلُنَا﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ جدال فرشتوں سے تھا

Marfat.com

کیونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے اس لئے یوں فرمایا کہ وہ ہم سے جدال کرنے لگے سورہ عنکبوت میں ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا﴾ (اس بستی میں لوط موجود ہیں) اس پر فرشتوں نے جواب دیا ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا﴾ ہمیں ان سب کا خوب علم ہے جو اس بستی میں ہیں۔ ﴿لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ (ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے بجز اس کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ عذاب نہ آئے انہوں نے عذاب رکوانے کے لیے وہاں لوط علیہ السلام کے موجود ہونے کو رحم لانے کے لیے پیش کیا ان کے اسی جذبہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ (کہ بلاشبہ ابراہیم (علیہ السلام) بردبار رحم دل تھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے) اللہ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اسی لئے فرشتے آئے تھے انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا کہ اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے ان پر عذاب ضرور آئے گا جو ہٹنے اور واپس ہونے والا نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ
قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ
اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ
عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى
رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ
اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ
سِجِّيْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے آج کا دن مصیبت کا دن ہے اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آ گئے اور وہ اس سے پہلے برے کام کیا کرتے تھے لوط نے کہا اے میری قوم یہ بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں ہے، کہنے لگے کہ تمہیں تو معلوم ہے ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تم تو جانتے ہو ہمارا کیا مطلب ہے لوط نے کہا کاش میرا تم پر زور چلتا ہوتا یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ لے لیتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے سو تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جانا بیشک اسے وہی عذاب پہنچے گا جو ان کو پہنچنا ہے، بیشک صبح کا وقت ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے۔ سو جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے زمین کے اوپر کے تختے کو نیچے کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھر برسا دیئے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر آپ کے رب کے پاس سے نشان لگائے ہوئے تھے اور یہ بستیاں ان ظالموں سے دور نہیں۔

Marfat.com

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا، ان کی بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا

اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے بھیجے تھے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو بشارت دے کر اور ان کے مکالمہ اور مجادلہ سے فارغ ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے جو انسانی شکلوں میں تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو لڑکوں اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کی عادت تھی، وہ منع کرتے تھے تو باز نہ آتے تھے اور الٹا حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھیوں کو طعنہ دیتے تھے اور یوں کہتے تھے ان لوگوں کو بستی سے نکال دو یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں (جیسا کہ سورہ اعراف کے رکوع ۱۰) میں گذر چکا ہے۔ فرشتے حسین اور خوبصورت مردوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رنج ہوا اور تنگ دل ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ مہمانوں کے ساتھ حرکت بد کرنے کا ارادہ کریں گے جب وہ لوگ جلدی جلدی دوڑے ہوئے آئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا یہ دیکھو یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی وہ عورتیں جو میری امت میں ہیں یہ تمہارے لئے بہتر ہیں ان سے نکاح کرو اور اپنا کام چلاؤ' ان پاکیزہ عورتوں کو چھوڑ کر ایسے کام کا ارادہ نہ کرو جو اللہ کی ناراضی لانے والا کام ہے' پھر یہ بھی دیکھو کہ یہ میرے مہمان ہیں تم ان سے اپنے مطلب برآری کا ارادہ کر کے مجھے ان میں رسوا نہ کرو کیا تم سبھی کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے کیا تم میں کوئی اچھا آدمی صحیح رائے والا نہیں ہے؟

ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب اور سروکار نہیں ہمارا جو مطلب ہے وہ تم جانتے ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کی ضد دیکھی اور ان کی طرف سے نصیحت قبول کرنے سے ناامید ہو گئے تو کہنے لگے کہ کاش تمہارے مقابلہ میں مجھے قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ لیتا یعنی میں کسی ایسی قوم کا فرد ہوتا جو کنبہ اور قبیلہ اور جتھہ والی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ نے جو بھی کوئی نبی بھیجا وہ عزت اور زور آور اور عزت والی قوم میں سے تھا۔ (در منثور ص ۳۴۳ ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ لوط پر رحمت فرمائے وہ مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ رہے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۸ ج ۱)

فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی دیکھی تو انہوں نے کہہ دیا کہ بیشک ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ آپ تک ان کی رسائی ہرگز نہ ہوگی اور یہ تو خود ہلاک ہونے والے ہیں ہم ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں اور چونکہ اہل ایمان کو محفوظ رکھنا (اور اہل ایمان صرف حضرت لوط کے گھر والے ہی تھے) ضروری ہے اس لئے آپ رات کے وقت میں انہیں لے کر باہر چلے جائیے اور برابر چلتے جائیں تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے مگر آپ کی جو بیوی ہے وہ ساتھ نہ جائے گی (وہ کافرہ تھی) اس پر بھی وہی عذاب آنے والا ہے جو بستی کے دوسرے لوگوں پر آئے گا اور یہ عذاب صبح کے وقت میں نازل ہوگا' حضرت لوط علیہ السلام چونکہ بہت ہی زیادہ تنگ آ چکے تھے اس لئے انہوں نے صبح تک مہلت دینا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ ابھی عذاب آ جائے (کما ذکر فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ) فرشتوں نے کہا ﴿أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ﴾ (کیا صبح قریب نہیں) جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے ان بستیوں کا تختہ اٹھا کر پلٹ دیا۔ نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہوگئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر بھی برسا دیئے جو کنکر کے پتھر تھے وہ لگاتار برس رہے تھے اور ان پر نشان بھی لگے ہوئے تھے۔ بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو مُسَوَّمَةً یعنی نشان زدہ فرمایا۔ (کما ذکرہ فی معالم التنزیل وفیہ اقوال اخر)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان پر زمین الٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسے اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوط میں سے کوئی رہ گیا تھا انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لیے گیا ہوا تھا وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر

Marfat.com

لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا ای علی شذاذها و مسافریها یعنی ان میں سے جو لوگ مسافر تھے ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش بھیج دی جس سے وہ ہلاک ہو گئے پھر لکھا ہے وقیل بعد ما قلبها امطر علیها (یعنی جب تختہ الٹ دیا تو اوپر سے پتھر برسا دیئے گئے) یہ قول صحیح ہے جو قرآن کے سیاق کے مطابق ہے۔ اور یہ اس کے معارض نہیں کہ جو لوگ ادھر ادھر گئے ہوئے تھے ان پر بھی پتھر آئے ہوں اور وہ پتھروں کے ذریعہ ہلاک کئے گئے ہوں' ان لوگوں پر جو پتھر آئے تھے ان کے بارے میں ﴿مِنْ سِجِّيْلٍ﴾ فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لفظ معرب ہے سنگ اور گل سے مرکب ہے فارس میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ پتھر ایسے تھے جو مٹی سے بنائے ہوئے تھے اسی لئے اس کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں فرمایا ہے کہ اس سے جھانوہ مراد ہے جو پک کر مثل پتھر کے ہو جاتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ چند بستیاں تھیں جن کے نام مفسرین نے میعہ صعرہ عصرہ، دوما' سدوم بتائے ہیں ان کے ناموں کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے ان کی قوم کے اعمال بد کی وجہ سے ان بستیوں پر عذاب آیا۔ یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحر میت جاری کر دیا گیا جو آج بھی موجود ہے یہ پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا صرف ان بستیوں کے حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتوں کو کسی قسم کا انتفاع نہیں ہوتا۔ سورہ حجر میں زمین کا تختہ الٹنے کے تذکرہ سے پہلے یہ بھی فرمایا ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ﴾ (سورج نکلتے نکلتے انہیں چیخ نے پکڑ لیا) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا' چیخ نے بھی پکڑا اور ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی وہ بھی ہلاک کر دی گئی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی جب پوری قوم پر عذاب آیا تو وہ بھی انہی میں ہلاک ہو گئی اور بعض حضرات نے فرمایا ساتھ تو نکلی تھی لیکن جب اس نے عذاب آنے کی آہٹ سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی اور اپنی قوم کی ہلاکت کا یقین کرتے ہوئے یوں کہا ''ہائے میری قوم'' اس وقت اسے ایک پتھر آ کر لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ ہم نے تفصیل سے سورۃ انعام (ع ۱۰) کی تفصیل کے ذیل میں بیان کیا ہے وہاں بھی ملاحظہ فرما لیں (انوار البیان جلد اول) وہاں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا عمل کرنے والوں کی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے علماء نے کیا سزا بتائی ہے' قصہ کے ختم ہونے پر فرمایا ﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾ (یہ بستیاں ظالموں سے دور نہیں ہیں) یعنی جو لوگ ایمان نہیں رکھتے کفر پر مصر ہیں ان لوگوں کو حضرت لوط والے واقعہ سے عبرت لینا چاہئے یہ بستیاں ان سے دور نہیں ہیں سورہ حجر میں فرمایا ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴾ (یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ہیں) عرب کے لوگ جب تجارت کے لئے شام کو جاتے تھے تو ان تباہ بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنا لازم تھا' سورہ صٰفّٰت میں فرمایا ﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ٥ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے)۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَ لَا تَنْقُصُوا

الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَ يٰقَوْمِ

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

Marfat.com

مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو بیشک میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ آسودہ حال ہو بیشک میں تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں جو گھیر لینے والا ہوگا اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد مچانے والے نہ بنو۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر پہرہ دینے والا نہیں ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں' بیشک تم تو بڑے بردبار ہو نیک چلن ہو۔

مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور ان لوگوں کا الٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا

حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث فرمایا تھا اصحاب ایکہ کا ذکر سورۃ الشعرا (ع ۱۰) میں ہے اور سورۂ اعراف (ع ۱۱) میں اور یہاں سورۂ ہود میں اور سورۃ عنکبوت (ع ۴) میں اصحاب مدین کا ذکر ہے۔

یہ لوگ بھی مشرک تھے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور لوگوں کو جو مال بیچتے تھے تو ناپ تول میں کمی کرتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی اور ان سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو' اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے' نیز یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مال پورے پورے انصاف کے ساتھ دو ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اللہ کا دیا ہوا جو حلال مال بچ جائے تمہارے لئے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کٹوتی کرتے ہو۔ حلال میں برکت ہوتی ہے اگر چہ کم ہو اور حرام اگر چہ زیادہ ہو بے برکت ہوتا ہے اور آخرت میں جہنم میں لے جانے والا ہے لہٰذا تم حلال پر اکتفا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں تمہارا پہرہ دار نہیں ہوں کہ تم سے جبراً وہ عمل کروا کر ہی چھوڑوں جس کا میں حکم دے رہا ہوں۔ وہ لوگ بیہودگی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ واہ میاں تم بڑے نمازی آئے کیا تمہاری نماز یہی بتاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے ہوئے آئے ہیں' نماز کا ذکر انہوں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تمہاری نماز عجیب ہے' ہم جو سامان بیچتے ہیں اس پر پابندی لگاتی ہے ہمارا مال ہے ہم اس میں جو چاہیں تصرف کریں۔ یہی بات اس زمانہ کے لوگ بھی کہہ دیتے ہیں جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ سود نہ لو اور سود نہ دو۔ رشوت کا لین دین نہ کرو بیمہ کمپنی میں رقم جمع نہ کرو۔ گناہ کی چیزیں نہ خریدو اور نہ انہیں فروخت کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ مولویوں کا عجیب ڈھنگ ہے ہر شخص کا اپنا مال ہے جیسے چاہے تصرف کرے مولویوں کو لوگوں کے معاملات میں بولنے اور زیادہ مال کمانے کے سلسلہ میں روڑے اٹکانے کی کیا ضرورت ہے' یہ لوگ اول تو یہ بات غلط کہتے ہیں کہ مال ہمارا ہے' تمہارا مال کہاں سے ہوگا تم خود اپنے نہیں ہو تم اور تمہارے اموال کو پیدا فرمایا اسے اختیار ہے کہ جو چاہے احکام نافذ فرمائے اور جس چیز سے چاہے منع کرے اور جس چیز کی چاہے اجازت دے اور جس عمل سے چاہے روکے۔ مولوی اپنے پاس سے کچھ کہیں تو قصوروار ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

Marfat.com

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَآ أَصَابَ قَوْمَ
نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا
إِلَيْهِ ۭ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَّدُودٌ ﴿٩٠﴾

شعیب نے کہا کہ اے میری قوم تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک بڑی دولت عطا فرمادی ہے تو میں تمہیں حق کی دعوت دینا کیسے چھوڑ دوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اس طرح تمہاری مخالفت کروں کہ جن کاموں سے روکتا ہوں انہیں خود کرنے لگوں میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے اور جو کچھ مجھے توفیق ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اے میری قوم تمہیں میری مخالفت اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تمہیں اس طرح کا عذاب پہنچ جائے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا' اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو بیشک میرا رب رحم فرمانے والا ہے بڑی محبت فرمانے والا ہے۔

حضرت شعیب کا قوم سے فرمانا کہ جہاں تک ہو سکے میں اصلاح چاہتا ہوں اور میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن جائے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں کو حق کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا اور بے تکے جواب دیئے اور توحید قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر ہوں حق بات کہتا ہوں اور حق کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی رحمت یعنی نبوت سے نوازا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تبلیغ کرنا اور حق کی دعوت دینا چھوڑ دوں اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں خود اس کے خلاف نہیں کرتا' اگر میرا قول و فعل ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ دیکھو دوسرے کو نصیحت اپنے کو فضیحت' لیکن میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں میرا مقصد تمہاری ہمدردی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک میرے امکان میں ہے اصلاح کرتا رہوں اور جو کچھ میں نیک کام کرتا ہوں (جس میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے) اور جو کچھ تبلیغ ہوتا ہوں یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مزید فرمایا دیکھو تم ضد نہ کرو عناد پر کمربستہ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری یہ مخالفت تمہارے لئے عذاب آنے کا ذریعہ بن جائے جیسے قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان پر عذاب آیا' ان ہلاک شدہ قوموں میں سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی تھی جسے زیادہ زمانہ نہیں گزرا ان کے عذاب کے واقعات تمہیں معلوم ہیں ان سے عبرت حاصل کرو بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ﴾ سے دونوں مطلب لئے جا سکتے ہیں یعنی زمانے کے لحاظ سے بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم دور نہیں اور خطۂ ارضی کے اعتبار سے بھی۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کا علاقہ اصحاب مدین کے علاقے سے دور نہیں تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اپنے رب سے استغفار کرو۔ کفر کو چھوڑو ایمان پر آؤ۔ پھر باقی زندگی بھی اسی طرح سے گذارو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہو اور اس کے حضور میں توبہ کیا کرو۔ ﴿إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَّدُودٌ﴾ (بے شک میرا رب بہت زیادہ رحمت اور بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے) جو شخص اس کے حضور میں توبہ کرے اس پر رحم فرماتا ہے اور اسے دوست رکھتا ہے۔

فائدہ: ﴿وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ کی ایک تفسیر تو وہی ہے کہ میرے رب نے مجھے بڑی دولت یعنی نبوت عطا فرمائی اور بعض مفسرین نے

Marfat.com

اس کا معنی متبادلہ لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حلال مال عطا فرمایا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر بھی ہوں اور اللہ نے مجھے حلال مال بھی عطا فرمایا اور یہ حلال مال کسی طرح کی خیانت کئے بغیر مجھے مل گیا ہے نہ میں ناپ تول میں کمی کرتا ہوں نہ کسی طرح سے کسی کا حق مارتا ہوں تو اس صورت میں میرے لئے یہ کیسے درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کاموں کی موافقت کروں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے' اور بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان کمزور ہو اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور ہمارے نزدیک تم کچھ عزت والے نہیں ہو' شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک عزت میں بڑھ کر اللہ سے زیادہ ہے۔ اور تم نے اسے پس پشت ڈال دیا' بلاشبہ میرا رب ان کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جنہیں تم کرتے ہو اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں' تم عنقریب جان لوگے کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا' اور یہ بھی جان لوگے کہ وہ کون شخص ہے جو جھوٹا ہے۔ انتظار کرو بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں' اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب کو اور ان لوگوں کو نجات دیدی جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گھرے ہوئے رہ گئے گویا کہ وہ ان میں رہے ہی نہ تھے خبردار مدین کے لیے دوری ہے جیسا کہ ثمود دور ہوئے۔

اہل مدین کا بری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت برابر جاری رہی' قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ لوگ اپنے کفر و شرک پر جمے رہے انہوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ بات انہوں نے استہزاءً یا تحقیراً کہی جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہاری باتیں سمجھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ بعض باتیں نہ سمجھتے ہوں کیونکہ توجہ کے ساتھ سنتے ہی نہ تھے۔ اپنی اس بے ہودہ بات کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا تم ہماری جماعت کے سامنے کمزور آدمی ہو لیکن تمہارے خاندان کے لوگ جو ہمارے ہم مذہب ہیں ان کی پاس داری ہے اگر ان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے گو کہ تمہاری کچھ عزت اور وقعت ہمارے نزدیک نہیں ہے تمہارے خاندان کا خیال ہے جس کی وجہ سے ہم حملہ کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں یہ اس بناء پر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جو میری نسبت ہے (کہ میں اس کا نبی ہوں) اس کا تمہیں کچھ خیال نہیں اور میرے خاندان کا تمہیں خیال ہے اگر میرا خاندان نہ ہوتا تو تم مجھے ہلاک کر

Marfat.com

دیتے کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ عزت والا ہے تم نے میرے خاندان کا تو خیال کیا اور اللہ تعالیٰ کو تم نے پس پشت ڈال دیا اسے راضی رکھنے کا تمہیں بالکل خیال نہ آیا بلاشبہ میرا رب تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے تم عذاب کے مستحق ہو چکے ہو جب تم ایمان نہیں لاتے تو اب عذاب آنے ہی کو ہے وہ ایسا عذاب ہوگا جو رسوا کر دے گا اور بتا دے گا کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا تم مجھے دعوائے نبوت میں جھوٹا بتا رہے ہو عذاب آنے سے واضح ہو جائے گا کہ میں جھوٹا نہیں ہوں بلکہ تم جھوٹے ہو۔ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں اپنی جگہ اعمال میں مشغول ہوں تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں کہ دیکھیں عذاب کب آتا ہے اور کس پر آتا ہے؟

ان لوگوں کے لیے عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا اللہ کا عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے اپنی مہربانی سے بچا لیا اور ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا اس چیخ کی وجہ سے سب ہلاک ہو گئے یہ لوگ بھی اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ پڑے رہ گئے کہ گویا وہ ان میں رہے ہی نہ تھے یہ لوگ بھی اللہ کی رحم سے دور ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمانا اور انہیں دیگر نصیحتیں فرمانا پھر ان لوگوں کے سوال و جواب اور بالآخر ان کی ہلاکت اور بربادی کا مفصل واقعہ سورہ اعراف (ع ۱۱) میں گزر چکا ہے وہاں بعض باتیں زائد ہیں جو یہاں مذکور نہیں اس کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ ایک یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ وہاں فرمایا ہے ﴿اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ (انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا) اور یہاں فرمایا ہے ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ (ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا) لیکن اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ ان پر دونوں طرح کا عذاب آیا تھا زبردست چیخ آئی اور زلزلہ بھی آیا ناپ تول میں کمی کے بارے میں جو بعض احادیث مروی ہیں وہ سورہ اعراف کی تفسیر میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو ان لوگوں نے فرعون کی بات کا اتباع کیا اور فرعون کی بات صحیح نہ تھی قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر وہ ان کو دوزخ میں اتار دے گا اور وہ بری جگہ ہے جس میں ان لوگوں کا اترنا ہوگا اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت ہوگی۔ برا انعام ہے جو انہیں دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت، فرعون اور آل فرعون کی بغاوت اور دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت

ان آیات میں فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بربادی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا وہ ان لوگوں کے پاس معجزات اور روشن دلیل لے کر آئے ان کے یہ معجزات سورۂ اعراف کے رکوع (۱۳، ۱۴) میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث تو ہوئے تھے فرعون کی پوری ہی قوم کیلئے لیکن خاص طور سے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قوموں کے سردار ہی اصل ہوتے ہیں عامۃ الناس انہیں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق قبول کر لیتے ہیں تو عوام بھی حق کو مان لیتے ہیں قوم کے سردار اگر حق کے منکر ہوں تو عوام دو وجہ سے حق قبول نہیں کرتے اول تو اس وجہ سے کہ سردار لوگ انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے اگر وہ حق قبول کریں تو یہ لوگ ان پر سختی کرتے ہیں اور انہیں اس سے باز رکھتے ہیں، اور دوسری وجہ یہ کہ عامۃ الناس یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے جس راہ پر ہیں ہمیں بھی

Marfat.com

اس راہ پر ہونا چاہئے اگر چہ ہوتا یہی رہا ہے کہ ضعفائے قوم ہی پہلے حق کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سرداروں کو خطاب کریں تا کہ وہ ہدایت قبول کرلیں اور عوام بھی ان کے ساتھ ہدایت پر آجائیں۔

فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون کی ہی بات مانی اور اسی کی رائے پر چلتے رہے اور ان کے عوام بھی انہیں کے پیچھے رہے فرعون ہی سب کا قائد تھا' دنیا میں کفر وضلال کا قائد بنا قیامت کے دن بھی اپنی قوم کا قائد بنے گا یعنی انہیں آگے لے کر چلے گا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی قوم کو بھی دوزخ میں اتار دے گا۔ یہ لوگ دنیا میں ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی مطعون ہوں گے یہ لعنت برا انعام ہے جوانہیں دیا گیا فرعون اور اہل فرعون کی ہلاکت کا واقعہ سورہ بقرہ ع ۱۴ اور سورہ اعراف ۱۶ میں اور سورہ یونس (ع ۹) میں گزر چکا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اس میں روشن دلیل سے بعض حضرات نے ان کی عصا اور بعض نے ید بیضاء مراد لیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

یہ بستیوں کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض بستیاں قائم ہیں اور بعض بالکل ختم ہوگئیں' اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' ان کے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ جب آپ کے رب کا حکم آ گیا اور انہوں نے ہلاکت کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اس کی گرفت دردناک اور سخت ہے

سورۂ ہود کے رکوع ۳ سے لے کر یہاں تک ۷ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ کو ان بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے ﴿وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا بالکل خاتمہ ہوگیا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات مخاطبین نے پہلے بھی سن رکھے ہیں اور آپ نے بھی بتادیئے اور صرف زبانی کہا سنا نہیں ہے ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں اور یہ لوگ ادھر کو گزرتے بھی ہیں انہیں ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور جب عذاب کا وقت آ گیا تو ان کے معبودوں نے جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا اور ذرا بھی ان کے کام نہ آئے ان کی عقیدت اور تعظیم اور عبادت کی وجہ سے ان کے پرستاروں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملا' ان عبادت کی وجہ سے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوتا رہا بالآخر ہلاک اور برباد ہوئے۔

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

Marfat.com

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۝۱۰۶ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۰۷ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝۱۰۸
فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا
لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝۱۰۹

اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی۔ بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہوگا جو سب کی حاضری کا دن ہے اور ہم اسے مؤخر نہیں کر رہے ہیں مگر تھوڑی سی مدت کیلئے' جس وقت وہ دن آئے گا کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا سو ان میں شقی ہوں گے اور سعید ہوں گے' سو جو لوگ شقی ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کی چیخ و پکار ہوگی وہ اس میں ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں الا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو' بے شک آپ کا رب جو کچھ چاہے پورے طور پر کر سکتا ہے۔ اور لیکن وہ لوگ جو سعید ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں الا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو' یہ بخشش کبھی منقطع نہ ہوگی' سواے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شک میں نہ پڑنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسا کہ پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دے دیں گے جس میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو' پھر یہ فرمایا کہ آخرت کے دن میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ حاضری کا دن ہے یہ جبری حاضری ہوگی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں حاضر نہ ہوں تو ایسا ہو نہیں سکتا' حاضر ہونا ہی پڑے گا مزید فرمایا کہ ہم اس دن کو تھوڑی مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں جس وقت اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے اس وقت آجائے گی اس سے پہلے نہیں آئے گی لیکن فوری اور ابھی نہ آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ آنی ہی نہیں اس میں ان جاہلوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے سن رہے ہیں کہ قیامت ایک دن آئے گی۔ ابھی تک تو آئی نہیں' یہ بات کہہ کر جاہل لوگ قیامت کے دن کا انکار کرنا چاہتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کسی چیز کا اپنے مقررہ وقت تک مؤخر ہو جانا اگرچہ تاخیر زیادہ ہو جائے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع نہ ہوگا پھر فرمایا ﴿يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (جس وقت وہ دن آجائے گا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا) یہ ابتدائی حالت کا بیان ہے جیسے ہی صور پھونکا جائے گا لوگ حیران و پریشان اور بے ہوش ہو جائیں گے اس وقت کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کسی کو بھی بولنے کی تاب نہ ہوگی سورۂ ابراہیم میں فرمایا ﴿اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ (وہ انہیں اسی دن کے لئے مؤخر فرما رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ لوٹے گی اور ان کے دل بالکل ہوا ہوں گے)۔

پھر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ لہٰذا اس آیت میں اور ان دیگر آیات میں کوئی تعارض نہیں جن

Marfat.com

میں انکار کرنے پھر اقرار کرنے اور معذرت پیش کرنے کا ذکر ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء اور شہداء اجازت کے بعد سفارش کریں گے، اس کے بعد حاضرین محشر کی دو قسمیں بتائیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ شقی یعنی بد بخت ہوں گے اور بہت سے لوگ سعید نیک بخت ہوں گے پھر ہر فریق کا مقام بتایا جو لوگ بد بخت ہوں گے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے جس میں وہ چیخ پکار کرتے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے ''چیخ وپکار'' زفیر اور شھیق کا ترجمہ کیا گیا ہے زفیر گدھے کی ابتدائی آواز کو اور شھیق اس کی آخری آواز کو کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا چیخنا پکارنا گدھوں کی آواز کی طرح ہوگا۔ اور نیک بختوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اہل جنت کو جو کچھ عطا فرمایا جائے گا وہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ اے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو پوجتے ہیں ان کے اس عمل کے موجب سزا ہونے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ جیسے ان کے باپ دادے ان سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ جو کچھ دنیا میں کر رہے ہیں اس کا بدلہ انہیں پورا پورا مل جائے گا جس میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

فوائد ضروریہ

(۱) آیت بالا سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی دو ہی قسمیں ہوں گی کچھ لوگ شقی (بد بخت) اور کچھ لوگ سعید (نیک بخت) ہوں گے یعنی ایک جماعت اہل ایمان کی اور دوسری اہل کفر کی ہوگی۔ اہل ایمان سعید یعنی نیک بخت ہوں گے اور اہل کفر شقی یعنی بد بخت ہوں گے سورۂ شوریٰ میں فرمایا ﴿فریق فی الجنة و فریق فی السعیر﴾ (ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت دوزخ میں ہے) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔ اہل کفر تو کبھی دوزخ سے نہ نکلیں گے۔ البتہ جو اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ اس میں سے نکال لیے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف نہ فرمایا ہوگا اور بہت سے گنہگار وہ ہوں گے جن کی معافی عذاب بھگتے بغیر ہی ہو جائے گی اللہ بلا شفاعت ہی معاف فرمائیں گے۔ اور شفاعتیں بھی قبول فرمائیں گے انجام کے اعتبار سے سارے مومن جنت میں اور سارے کافر دوزخ میں رہ جائیں گے کافر کبھی دوزخ سے نہ نکالے جائیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ اور اہل جنت شروع داخلہ سے لے کر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے نہ اس میں سے نکالے جائیں گے نہ اس میں سے کہیں جانا پسند کریں گے سورۂ حجر میں فرمایا ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾ اور سورہ کہف میں فرمایا ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ جب سارے اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا اور یہ ندا دی جائے گی کہ یا اهل الجنة خلودٌ لا موت ویا اهل النار خلودٌ لا موت۔ کہ اے جنتیو! اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں۔ (رواہ البخاری ص ۶۹۱ ج ۲ و مسلم ص ۳۸۲ ج ۲)

قرآن مجید میں جیسے اہل جنت کے بارے میں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ فرمایا ہے اسی طرح سے اہل دوزخ کے بارے میں بھی فرمایا کہ (دیکھو سورۂ نساء رکوع ۲۳) اور سورۂ احزاب (رکوع ۸) اور سورۂ جن (رکوع ۲) بعض لوگوں کو اہل کفر سے ہمدردی پیدا ہو گئی اور انہوں نے خواہ مخواہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا انکار کر کے اپنی جان کو گمراہی میں پھنسا دیا۔

بہت سے لوگ اس گمراہی کی تائید کیلئے لکیر پیٹ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر کبھی نہ کبھی دوزخ سے نجات پا جائیں گے۔ اور دوزخ ختم ہو جائے گی۔ یہ لوگ قرآن مجید کو جھٹلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔ (آمین)

(۲) آیت بالا میں اہل شقاوت کی سزا اور اہل سعادت کی جزا بیان کرنے کے بعد دونوں جگہ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ کے ساتھ ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ بھی فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے یہ اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہے اہل عرب یہ الفاظ بول

Marfat.com

کردوام اور ہمیشگی مراد لیا کرتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین مراد ہیں جو چیز ان کے نیچے ہو گی اس سے زمین مراد لی ہے اور جو چیز ان کے اوپر سقف یعنی چھت کے طور پر ہوگی اس سے آسمان مراد لیا ہے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بات کسی درجہ میں سمجھ میں آتی تو ہے کیونکہ جنت کیلئے ارض کا لفظ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ کما فی سورۃ الزمر ﴿اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ﴾ اور سروں کے اوپر جو کچھ ہوگا اسے اوپر ہونے کی وجہ سے سماء بھی کہا جاسکتا ہے لِاَنَّ کُلَّ مَا اَظَلَّکَ فھو سَمَآءٌ (لیکن چونکہ سَمٰوٰتٌ جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے اس لئے جب تک وہاں تعداد سماء ثابت نہ ہو اس وقت تک اس بات کے سمجھنے میں تامل ہے)

(۳) ﴿مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کے ساتھ دونوں جگہ ﴿اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ﴾ بھی فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے یہاں بڑی بحث کی ہے مستثنیٰ منہ کون ہے استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اور استثناء کا مطلب کیا ہے احقر کے نزدیک سب سے زیادہ راجح بات وہ ہے جو علامہ بغوی رحمۃ اللہ نے معالم التنزیل (ص ۴۰۲ ج ۲) میں فرآء سے نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ ھٰذا استثناءٌ استثناہُ اللّٰہُ وَلَا یَفْعَلُہٗ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء تو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اہل دوزخ کو دوزخ سے اور اہل جنت کو جنت سے نکال لے لیکن وہ نکالے گا نہیں (کیونکہ ہر فریق کے خلود و دوام کا فیصلہ فرما دیا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے) فرآء کے اس قول کو صاحب روح المعانی نے بھی بحوالہ امام بغوی نقل کیا ہے پھر بعض افاضل سے نقل کیا ہے کہ اس استثناء کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ دوزخیوں کو عذاب دینا اور جنتیوں کو جنت میں نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے کرے نہ وہ عذاب دینے پر مجبور ہے اور نہ اکرام و انعام پر، اگر وہ کسی دوزخی کو دوزخ سے نکال لے یا کسی جنتی کو جنت سے باہر لائے تو وہ یہ کرسکتا ہے اس کی مشیت اور ارادہ اور اختیار کبھی نہ سلب ہوا نہ سلب ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ
اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا
تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى
لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی تو اس کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور بلاشبہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ اور بے شک جتنے لوگ ہیں آپ کا رب انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیگا بیشک وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے، سو آپ استقامت پر رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھی ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو بیشک وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی، اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے

Marfat.com

والوں کے لیے اور آپ صبر کیجئے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اللہ اچھے کام والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو استقامت پر رہنے کا حکم

ان آیات میں اولاً موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے انہیں کتاب دی تھی (یعنی توریت شریف) اس میں اختلاف کیا گیا کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں اگر لوگ اختلاف کر رہے ہیں کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا موسیٰ علیہ السلام پر ہم نے کتاب نازل کی تو اسے بھی کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ (آپ کے رب کی طرف سے اگر پہلے سے ایک بات طے کی ہوئی نہ ہوتی تو اس کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جو عذاب بھیجنے کی ایک اجل مقرر فرما رکھی ہے اگر اس کا تعین نہ کر دیا گیا ہوتا تو جلدی عذاب بھیج کر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور معذب اور ہلاک ہو چکے ہوتے۔

﴿وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾ (اور بلاشبہ یہ لوگ قرآن کی طرف سے بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے تذبذب اور تردد میں ڈال رکھا ہے) ان کا وہی حال ہے جو ان لوگوں کا تھا جن کے لیے توریت شریف نازل کی گئی لہٰذا آپ رنج نہ کریں۔ پھر فرمایا۔ ﴿وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (اور بے شک آپ کا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دے گا) ﴿اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (بیشک وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے) طاعات اور عاصی کی سب تفصیلات اسے معلوم ہیں۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی علم باہر نہیں وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے مصاحبین کو خطاب فرمایا ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ (سو آپ استقامت پر رہیں) صحیح طور پر قائم رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے اور سیدھے راستہ کو ﴿صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ کہتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں کو اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے بتایا ہے۔ اور اس پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین چلتے رہے ہیں صراطِ مستقیم کو پوری طرح پکڑ لینا اور تمام احکام الٰہیہ کو پوری طرح بجالانا ادھر ادھر مائل نہ ہونا اور برابر آخر دم تک اس پر چلتے رہنا استقامت ہے اس آیت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے بالکل اسی طرح اہتمام اور پابندی کے ساتھ چلتے رہیں اور ساتھ ہی ﴿وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ بھی فرمایا کہ جن لوگوں نے شرک وکفر سے توبہ کی ہے اور ایمان کو قبول کیا وہ لوگ بھی استقامت کے ساتھ چلتے رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو با استقامت تھے ہی پھر بھی آپ کو اس کا تاکیدی حکم فرمایا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی مامور فرمایا کہ استقامت اختیار کریں ہمیشہ پابندی سے معمولات پر عمل کریں اور منہیات سے بچیں۔ قال صاحب الروح (ص ۱۵۳ ج ۱۲) وھی کلمة جامعة لکل ما یتعلق بالعلم والعمل وسائر الاخلاق فتشمل العقائد والاعمال المشترکة بینه صلی اللہ علیه واله وسلم وبین سائر المومنین والامور الخاصة به علیه الصلوة والسلام من تبلیغ الاحکام والقیام بوظائف النبوة وتحمل اعباء الرسالة وغیر ذلک. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ استقامت کا لفظ علم وعمل اور اخلاق کے تمام متعلقات کو جامع ہے پس یہ عقائد اور اعمال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مؤمنین میں مشترک ہیں ان کو بھی شامل ہے اور احکام کی تبلیغ اور نبوت کے وظائف اور رسالت کی ذمہ داریوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص امور کو بھی شامل ہے) درحقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے اور کام بھی سخت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف جو لوگ بڑھتے ہیں اور استقامت کو چاہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے ہر مؤمن بندہ کو اس کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دین اسلام سے متعلق کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ مجھے آپ کے بعد کسی اور سے دریافت کرنا نہ پڑے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ﴿قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ﴾ کہ تو آمنت باللہ کہہ دے (یعنی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے) پھر اپنی اس بات پر استقامت رکھ یعنی اس پر مضبوطی کے ساتھ جمارہ اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتا رہ (رواہ

Marfat.com

مسلم)۔سوال بھی مختصر تھا اور جواب بھی مختصر' لیکن اختصار کے ساتھ اس میں سارا دین بیان فرما دیا۔ در منثور (ص ۳۵۱ ج ۳) میں ہے کہ حضرت حسن نے بیان فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شمّروا شمّروا (تیار ہو جاؤ تیار ہو جاؤ) نیز حضرت حسن نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ بوڑھے ہو گئے (یعنی آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے) آپ نے فرمایا سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ اور سورۂ والمرسلات اور سورۂ عم یتساء لون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۸) ان سورتوں میں قیامت کے احوال مذکور ہیں۔ ان احوال کی فکرمندی نے آپ کو اتنا متاثر کیا۔

روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس آیت سے زیادہ شدید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ بعض اکابر سے اس سلسلہ میں ایک خواب بھی نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود میں ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا اس میں جو استقامت کا حکم ہے اس نے مجھے بوڑھا کر دیا (راجع حاشیۃ المشکوٰۃ) یہ خواب اس کے معارض نہیں ہے کہ سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں میں جو قیامت کے دن کے احوال واھوال مذکور ہیں ان کی وجہ سے بڑھاپا آ گیا کیونکہ وہ سب امور اور امر بالاستقامت سب بڑھاپے کا سبب بن سکتے ہیں۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا استقامت کے باوجود آپ کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے استقامت کا حکم دیا ہے وہ پوری نہیں ہوئی اس فکرمندی نے آپ کی صحت کو متاثر کر دیا۔

حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت:

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ اس میں حد سے زیادہ جانے کی ممانعت فرمائی' استقامت کا حکم دے کر یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھ گئے تو اس سے استقامت میں فرق آئے گا۔ یہ حدود سے آگے بڑھ جانا ہی تو بدعات اعتقادیہ اور بدعاتِ اعمالیہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس حد سے نکلنے ہی کو غلو کہا جاتا ہے اسی غلو نے تو نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا' اور بہت سے مدعیان اسلام کو اس پر آمادہ کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بشریت کا انکار کریں جبکہ قرآن کریم میں آپ کے بشر ہونے کی تصریح ہے۔ یہ بدعت اعتقادی کی مثال ہے اور بدعات اعمالیہ بھی لوگوں میں بہت زیادہ رائج ہیں جو انہوں نے اپنی طبیعت سے وضع کی ہیں اور انہیں دین بنا کر اور دین سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت:

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ (اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی) اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی نصیحت فرمائی اور وہ یہ ہے کہ ظالموں کی طرف نہ جھکو' یہ جھکنا تمہیں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا سبب بنے گا کسی کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کی جتنی بھی صورتیں تصور ہو سکتی ہیں آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے اگر کوئی شخص کافروں ملحدوں زندیقوں کی طرف مائل ہو جائے اور ان کے کسی کفر والے اعتقاد کو اپنا لے تو یہ دوزخ کے دائمی عذاب کا سبب ہے الا ان یتوب قبل موته۔ (مگر یہ کہ موت سے پہلے توبہ کر لے) چونکہ انسان بروں کی صحبت سے برا ہو جاتا ہے زندیقوں کی صحبت میں زندیق ہو جاتا ہے اسی لئے ایسے لوگوں کی صحبت سے سختی سے منع کیا جاتا ہے اعتقادیات کے علاوہ اعمال میں بھی کافروں اور فاسقوں کی طرف جھکنے اور مائل ہونے سے پرہیز کرنا لازم ہے اور ان لوگوں کی دوستی اور مصاحبت رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے فساق و فجار کی صحبت فاسق فاجر بنا کر چھوڑتی ہے فاسقوں کے ساتھ رہ کر ان جیسا بننا پڑتا ہے اور ان کی صحبت اختیار کرنے والے عموماً

Marfat.com

گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ یہ مشابہت بھی دوزخ میں لے جانے والی ہے' کافروں فاسقوں جیسا لباس پہننا ان کی طرح شکل وصورت بنانا ان کی معاشرت اختیار کرنا سیاست میں ان کے طریق اپنانا جمہوریت جاہلیہ کا معتقد ہونا کافروں کے وضع کردہ طور طریق اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق چلنا اور ان کے مطابق حکومت کرنا ان سب میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے آیت شریفہ کی خلاف ورزی ہے اس قسم کے سب لوگ اپنی آخرت کی فکر کریں۔

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ (اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی) اس میں تنبیہ اور تہدید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی فکر کرو اللہ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ (اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے) مفسرین کرام نے اس سے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ دن کے دونوں طرفوں سے صبح اور ظہر اور عصر مراد ہے اور رات کے حصوں میں مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فجر اور ظہر سے دن کے ایک طرف کی نمازیں مراد ہیں اور عصر اور مغرب سے دن کی دوسری طرف کی نمازیں مراد ہیں۔ اور ﴿زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ سے عشاء کی نماز مراد ہے۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت شریفہ میں صرف فجر اور عصر کی نماز کا ذکر ہو چونکہ فجر کو اٹھنے میں دشواری ہوتی ہے اور عصر کاروبار کا وقت ہوتا ہے اس لئے ان کی پابندی کا خصوصی ذکر فرمایا اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے عشاء بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کی تاکید اس لئے فرمائی کہ یہ سونے کا وقت ہے اور نماز تہجد بھی مراد لی جا سکتی ہے کیونکہ وہ رات کے مختلف حصوں میں ادا کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں پانچوں ہی نمازوں کا ذکر ہو۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں سورۂ روم کی آیت ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ﴿طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ سے صبح اور عصر کی نماز اور ﴿زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ظہر کی نماز سورۃ الاسراء کی آیت ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ میں مذکور ہے۔

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں:

پھر فرمایا ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے مدینے کے دور والے حصہ میں ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ کی ہے اور یہ چھیڑنا جماع کرنے کی حد تک نہیں پہنچا میں حاضر ہوں آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں۔ حضرت عمرؓ وہیں موجود تھے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری پردہ پوشی فرمائی تو بھی اپنی پردہ پوشی کر لیتا تو اچھا تھا (لیکن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا' وہ شخص وہاں سے اٹھ کر چلا گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا وہ اسے بلا کر لایا' آپ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنا دی۔ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ (ترجمہ اوپر دیکھ لیں) حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اسی کے لئے خاص ہے آپ نے فرمایا بلکہ یہ تمام لوگوں کے لئے ہے) (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۵۷) یوں تو ہر نیکی گناہوں کے معاف ہونے کا سبب ہے جو بھی کوئی نیکی کر سکتا ہو کرتا رہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہوں کے بعد نیکی کر وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نہ کوئی نیکی بھی کرے اور توبہ بھی کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میرے لیے توبہ کا موقع ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا تیری خالہ؟ عرض کیا ہاں ہے۔ فرمایا تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰) توبہ تو دراصل اسی کا نام ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا

Marfat.com

عہد ہو اور گزشتہ گناہوں میں پچھتاوا ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی پختہ نیت ہو لیکن نیکیاں توبہ کی قبولیت میں معاون ہو جاتی ہیں اسی لئے توبہ کے لئے نماز مشروع کی گئی ہے یوں تو ہر نیکی گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس بارے میں بعض نیکیوں کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو جس میں وہ پانچ وقت غسل کرتا ہو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس صورت میں تو اس کے بدن پر ذرا بھی میل نہیں رہے گا آپ نے فرمایا یہی مثال ہے پانچوں نمازوں کی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین کرتے ہوئے شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے قیام کیا اس کے پیچھے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا سو اس میں فحش باتیں نہ کیں اور گناہ نہ کئے تو ایسا واپس ہو گیا جیسا اس دن (گناہوں سے پاک وصاف) تھا جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک جو گناہ ہو جائیں یہ دونوں عمرے ان کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور حج مبرور (جو مقبول ہو جائے) اس کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (صحیح البخاری ص ۲۳۸ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ان گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہو جائیں جبکہ گناہ کبیرہ نہ کئے جائیں۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح پانی پہنچایا پھر فرض نماز کے لئے چلا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی موجودگی میں نماز کا وقت ہو گیا پھر اس نے اس کا وضو اچھی طرح سے کیا اور اس کا رکوع سجدہ اچھی طرح کیا تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ جب تک کہ بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور یہ ثواب ہمیشہ (یعنی ہر نماز کے موقع پر) ملتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۱ ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا تو اس کے جسم سے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے تک سے نکل جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کر کے پھر مسجد میں آئے اور اس کا یہ عمل کرنا صرف نماز ہی کے لئے ہو تو جو بھی قدم رکھے گا اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند ہو گا اور اس کا ایک گناہ ختم کر دیا جائے گا۔ مسجد میں داخل ہونے تک (اس کو یہی ثواب ملے گا) (صحیح مسلم ص ۲۳۴ ج ۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل

Marfat.com

فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کر دیئے جائیں گے۔ (نسائی ص ۱۹۱ ج ۱)

فائدہ: جن حدیثوں میں گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس سے چھوٹے گناہ مراد ہیں اور صحیح مسلم کی بعض روایات میں مَا لَمْ یُؤْتَ کَبِیْرَۃً کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کا کفارہ نیکیوں سے نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ: علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے چھوٹے گناہ کم ہوں اور نیکیاں بہت زیادہ ہوں تو پھر چھوٹے گناہوں کے کفارہ کے بعد اس کے بڑے گناہ کی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ اگر بڑے گناہ نہ ہوں یا بہت تھوڑے ہوں کہ خفیف ہوتے ہوتے معاف ہو چکے ہوں تو پھر نیکیوں کے ذریعہ درجات بلند ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ (نصیحت ہے یہ نصیحت ماننے والوں کے لیے) یعنی یہ قرآن ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے ذالك سے سورت کے مضامین کی طرف اشارہ ہے جن میں گذشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات بھی ہیں اور قیامت، جنت اور دوزخ کا تذکرہ بھی ہے اور نماز قائم کرنے کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں جنہیں نصیحت ماننے کی طرف توجہ ہے وہی نصیحت مانتے ہیں اور جو لوگ کٹ حجتی کرتے ہیں ان کے حق میں نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کہ آپ صبر کیجئے جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اسے انجام دیتے رہئے آپ کی دعوت کوئی قبول کرے یا نہ کرے آپ تو برابر اجر کے مستحق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

سو جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے بجز چند آدمیوں کے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا، اور جن لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی وہ اس عیش و عشرت کے پیچھے پڑے رہے جس میں وہ تھے اور یہ لوگ مجرم تھے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو بطور ظلم کے ہلاک فرما دے حالانکہ ان کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ برابر اختلاف میں رہیں گے مگر جس پر آپ کا رب رحم فرمائے اور اللہ نے انہیں اسی لئے پیدا فرمایا اور آپ کے رب کی بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں جماعتوں سے بھر دوں گا۔

گزشتہ امتیں جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو گزشتہ امتیں گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار بصیرت والے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے، ہاں ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو فساد سے روکنے کے کام میں لگے انہیں ہم نے نجات دے دی یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ لَوْ لَا اپنے اصلی معنی میں ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لو لانفی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں ایسے اہل رائے اور اہل فہم نہ تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جنہوں نے یہ کام کیا ادھر تو نہی عن المنکر کرنے والوں کا فقدان اور ادھر مال والوں کے پاس مال کی فراوانی ان لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر اختیار کیا اور اپنی مستیوں اور لذتوں میں

Marfat.com

پڑے رہے اور جرم کا ارتکاب کرتے رہے لہٰذا ان کو ہلاک کر دیا گیا بس چند ہی آدمی بچے جنہیں ہم نے نجات دیدی یہ لوگ ایمان پر اور ایمان تقاضوں پر قائم تھے منکرات سے بچتے تھے اور دوسروں کو بھی برائیوں سے روکتے تھے۔ اس میں اس امت حاضرہ کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور بصیرت کو کام میں لائیں اور لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکیں۔ علامہ قرطبی تفسیر (ص ۱۱۲ ج ۹) میں لکھتے ہیں اُولُوْا بَقِیَّۃٍ ای اَصْحَابُ طاعة ودين وعقل وبصر ينهون قومهم عن الفساد في الارض لِمَا اَعطاهم الله تعالىٰ من المعقول واَراهم من الايات وهذا توبيخ لكفار وقيل لو لا ههُنا للنفي اي ما كان من قبلكم۔ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یعنی فرمانبردار دیندار عقلمند بصیرت والے جو قوم کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے تھے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھ عطا کی تھی اور انہیں نشانیاں دکھائی تھیں اور یہ کافروں کے لیے تنبیہ ہے۔ بعض نے کہا لو لا یہاں پر نفی کے لیے ہے یعنی تم سے پہلے نہیں تھے)۔

پھر فرمایا ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾ یعنی آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ لوگوں پر ظلم کرے وہ جو عذاب دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اس کا سبب کفر اور شرک ہوتا ہے اور کبھی معاصی بھی ہوتے ہیں ان معاصی میں سے یہ بھی ہے کہ جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں قدرت ہوتے ہوئے انہیں نہ روکا جائے جب لوگ اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں آئے گا ورنہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس کسی بھی قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو ان میں رہتے ہوئے گناہوں میں مبتلا ہو اور وہ قدرت ہوتے ہوئے اس کی حالت کو نہ بدلیں تو مرنے سے پہلے اللہ ان پر عذاب بھیجے گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں گناہ کیے جاتے ہوں پھر وہ قدرت ہوتے ہوئے گنہگاروں کی حالت نہ بدلیں تو اللہ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

آیت کا معنی اور مفہوم بتانے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ احقر نے جو مطلب ترجمہ و تفسیر میں اختیار کیا ہے وہ اقرب الی الفہم ہے اس آیت کا دوسرا مفہوم علامہ قرطبیؒ نے زجاجؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: قال الزجاج يجوز ان يكون المعنى ما كان ربك ليهلك احدا وهو بظلمه وان كان على نهاية الصلاح لانه تصرف في ملكه اھ (زجاج نے کہا ہے ہوسکتا ہے یہ معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ہلاک کرتا ہے تو یہ ظلم نہیں ہے اگرچہ وہ آدمی انتہائی نیک ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے۔)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (الایة) مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور سب ایک ہی دین پر ہوتے' دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا اور وہ سب تکوینی طور پر قہراً و جبراً مسلمان ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ حق اور باطل دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اور جسے ایمان قبول کرنا ہو وہ اپنے اختیار سے قبول کرے اور جسے کفر پر رہنا ہو وہ اپنے اختیار سے کفر پر رہے' جیسا کہ سورۂ کہف میں فرمایا ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا﴾ (اور آپ فرما دیجئے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے بے شک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کی ہے) پس جب حق قبول کرنے پر جبر نہیں کیا بااختیار بنا دیا تو شیاطین کی کوششوں اور نفوس انسانیت کے تقاضوں پر چلنے والے کافر رہیں گے اور اس طرح سے اہل حق اور اہل باطل میں ہمیشہ اختلاف رہے گا ہاں جس پر اللہ کی مہربانی ہو وہ حق ہی کو اختیار کرے گا اور حق ہی پر رہے گا۔ ﴿وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ (اور لوگوں کو اسی لئے پیدا فرمایا کہ وہ مختلف رہیں) اور اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک فریق جنت میں ایک فریق دوزخ میں ہوگا جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا: ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ (الایة) (ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا)۔

آخر میں فرمایا ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ (الآية) اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جس میں سب دوزخی موجود ہوں گے۔

Marfat.com

اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو سورۃ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا ہے۔ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ (اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے لیکن میرا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں اکٹھے موجود ہوں گے) جب یہ فیصلہ ہے تو اہل کفر کا وجود بھی تکوینی طور پر ضروری ہے کفر والے انسانوں میں سے بھی ہوں گے اور جنات میں سے بھی ہوں گے دونوں جماعتوں کے کفاروں سے جہنم بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں اور سورۂ صٓ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو خطاب کر کے فرمایا ﴿لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ (میں تجھ سے اور ان سب جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دوں گا جو تیرا اتباع کریں گے)۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور رسولوں کے قصوں میں سے یہ قصے ہم ایسے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آ گیا ہے اور اہل ایمان کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے اور آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو ہم اپنی جگہ عمل کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں' اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمان کی اور زمین کی غیب کی چیزوں کا علم' اور اسی کی طرف تمام امور رجع ہوں گے' سو آپ اس کی عبادت کریں اور اس پر توکل کریں اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کے لئے تقویت قلب کا باعث ہیں

سورۂ ہود کا اکثر حصہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہے سورت کے ختم پر ارشاد ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم جب حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصے آپ کو سناتے ہیں ان کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور یہ جو قصے آپ سے بیان کئے گئے ہیں ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب حق سچ ہے اس میں اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قصوں کا بیان کرنا قصہ گوئی کے طور پر نہیں ہے ان قصوں سے آپ کے دل کو مضبوط کرنا اور اہل ایمان کو نصیحت اور یاد دہانی کرانا مقصود ہے' جو لوگ ان قصوں کو پڑھیں اور سنیں محض ایک قصہ پڑھ کر اور سن کر فارغ نہ ہو جائیں بلکہ ان سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں' پھر فرمایا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو' ہم اپنی جگہ عمل کرتے ہیں اللہ کی بات میں نے پہنچا دی تم نہیں مانتے تو تم جانو' انکار اور کفر پر اصرار کے نتیجہ میں جو تمہیں سزا ملے گی اس کا انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ غیب کی چیزیں ہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تمام امور اسی کی طرف راجع ہیں یہاں دنیا میں تمہاری سمجھ میں حق بات نہیں آتی تو آخرت میں سمجھ لو گے جب اللہ تعالیٰ شانہ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا لیکن اس دن کا سمجھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ وہاں کہیں گے۔ ﴿یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (ہائے کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہوتے) اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ﴾ کہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا کریں ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جنہیں تم

Marfat.com

کرتے ہو۔اس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مومنین کو اور کافرین سب کو خطاب ہے اللہ کو سب کے اعمال کا علم ہے وہ اس کے مطابق اہل ایمان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا اور کافروں کو ان کے کفر کی اور ان کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

جمعہ کے دن سورۃ ہود کی تلاوت کرنا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن سورۃ ہود پڑھا کرو۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۹ عن الدارمی)

وَهٰذَا آخِرُ تَفْسِيْرِ سُوْرَةِ هُوْدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى التَّمَامِ وَحُسْنِ الْخِتَامِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنَامِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ وَمَنْ يَّتْبَعُهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامِ۔

Marfat.com

ایاتہا ۱۱۲ ۱۲ سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ ۵۳ رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورہ یوسف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ
عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ
رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ
الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٥﴾ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦﴾ ع

الٓرٰ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں بیشک ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے عربی تاکہ تم سمجھو ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے ذریعہ سے ہم آپ سے سب سے اچھا قصہ بیان کرتے ہیں اور اس سے پہلے آپ محض بے خبر تھے جب کہ یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے ابا میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے والد نے کہا کہ اے میرے چھوٹے بیٹے تم اپنا خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا ورنہ وہ تمہارے لئے کوئی تدبیر کریں گے بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور تمہارا رب اسی طرح تمہیں منتخب فرمالے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور وہ تم پر اور یعقوب کی آل پر اپنی نعمت پوری فرمادے گا جیسا کہ اس نے اپنی نعمت اس سے پہلے تمہارے دونوں دادوں ابراہیم اور اسحٰق پر پوری فرمادی بے شک آپ کا رب جاننے والا حکمت والا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری تاکید

یہاں سے سورۂ یوسف شروع ہو رہی ہے اس سورت میں تفصیل کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ بیان فرمایا اور اس کو احسن القصص بتایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے آپ اس قصہ کو نہیں جانتے تھے۔ آپ کو اس کا علم صرف وحی کے ذریعہ ہوا ہے لوگوں کو آپ کا بتانا آپ کی نبوت کی بھی دلیل ہے اور قرآن مجید کے حق اور منزل من اللہ ہونے کی بھی تصدیق کرنے والے سنیں گے اور غور کریں گے تو یہ سمجھ لیں گے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل عرب ہی تھے۔ انہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی اگر قرآن غیر عربی میں ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ زبان ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن عربی میں نازل ہوا تو اہل عرب پر لازم تھا کہ اس کی تصدیق کرتے لیکن جنہیں ایمان لانا نہ تھا وہ ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے اور کفر پر جمے رہے۔ یہودیوں کے لئے بھی عبرت تھی اور سمجھنے کی بات تھی انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ معلوم تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی

Marfat.com

سے پڑھا نہیں آپ کا کوئی استاد نہیں تھا جس نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات بتائے ہوں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عموماً یہودی کافر ہی رہے اور ان میں سے بعض نے سورۂ یوسف (علیہ السلام) سن کر اسلام قبول کر لیا۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ سورۂ یوسف تلاوت فرما رہے تھے وہ کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت آپ کو کس نے سکھائی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ سورت مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا اور یہودیوں کے پاس واپس پہنچ کر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ اسی طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسا کہ توریت میں (بعض) چیزیں نازل ہوئی ہیں اس کے بعد وہ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ان صفات سے پہچان لیا جنہیں وہ جانتے تھے اور مہر نبوت کو بھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھ لیا پھر آپ کی قرأت سننے لگے آپ سورۂ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ انہیں بھی تعجب ہوا اور پھر اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (درمنثور ص ۲ ج ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے (یہ وہی یعقوب ہیں جن کا لقب اسرائیل تھا اور یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت اسحٰق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ دوسری بیوی سے تھے' ان کا ایک حقیقی بھائی بھی تھا جس کا نام بنیامین بتایا جاتا ہے پہلی بیوی سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان میں جو بیٹے تھے ان کی تعداد دس تھی' حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنے والد سے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ مجھے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں' ان کے والد کے ذہن میں اس کی یہ تعبیر آ گئی کہ یوسف عروج والا ہو گا اور اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ اسے سجدہ کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا وہ اس خواب کو سن کر گیارہ کے عدد پر غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ تم کو اللہ بلندی دے گا اور وہ لوگ تمہارے مقابلہ میں نیچے رہیں گے' خواب کی تعبیر سے متاثر ہو کر اندیشہ ہے کہ وہ کوئی ایسی تدبیر نہ کر بیٹھیں جس سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے' (اللہ کی قضا و قدر کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی کسی کو گوارا ہو یا نہ ہو بہرحال وہ ہو گا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جسے بلندی عطا فرمائے وہ ضرور بلند ہو گا لیکن حسد کرنے والے اپنی جہالت اور حماقت سے اور شیطان کے سمجھانے بجھانے سے اس کے خلاف مخالفانہ تدبیریں کرتے ہیں جس کی علمی' عملی اور مرتبہ کی بلندی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ بالآخر یہ مخالفین سب ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ آگے بڑھائیں وہ بڑھ کر ہی رہتا ہے۔ حسد بری بلا ہے حاسد اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر دے۔ العیاذ باللہ۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اول تو یہ نصیحت کی کہ تو اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا اور پھر فرمایا کہ میں سمجھ رہا ہوں اور یقین کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منتخب فرمالے گا اور تمہیں تعبیر خواب کا علم بھی عطا فرمائے گا اور تم پر اپنا انعام پورا فرمائے گا جس میں نبوت کا عطا فرمانا بھی ہے' اللہ تعالیٰ تم پر اور آل یعقوب پر اپنا انعام کامل فرمائے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے پردادا ابراہیم علیہ السلام پر اور تمہارے دادا اسحٰق علیہ السلام پر انعام کامل فرمایا ہے۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (بے شک تیرا رب علم والا ہے حکم والا ہے) اس کے فیصلے علم اور حکمت کے موافق ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۞ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۞ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۞ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ

Marfat.com

وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰﴾

بلاشبہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کیلئے دلائل ہیں، جب کہ ان کے بھائیوں نے یوں کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم سب مل کر پوری ایک جماعت ہیں، بلاشبہ ہمارے والد کھلی غلطی پر ہیں، یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی زمین میں ڈال دو، ایسا کرنے سے تمہارے والد کا رخ تمہاری طرف ہو جائے گا اور اس کے بعد تم صلاح والے بن جاؤ، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو تا کہ اس کو قافلہ والوں میں سے کوئی مسافر اٹھائے اگر تم کو کرنا ہی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا مشورہ کہ اسے قتل کر دو یا کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دو

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا جو واقعہ ہے اس میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آزمائش کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسفؑ کا واقعہ معلوم کیا تھا قرآن کریم میں واقعہ بیان کر دیا گیا جسے رسول اللہ ﷺ نے سنا دیا لہٰذا سوال کرنے والوں کیلئے لائی ہوئی بات کے دلائل قائم ہو گئے کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں ممکن ہے کہ بعض یہود نے بطور امتحان سوال کیا ہو اور بعض نے آپ سے تلاوت کرتے ہوئے سنا ہو پھر دوسروں کو سنانے کے لیے لائے ہوں اس کے بعد یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے آپس میں یوں کہا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کا حقیقی بھائی یعنی بنیامین زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہماری پوری جماعت ہے (اور اس جماعت کا ہمارے والد کو فائدہ بھی ہے کیونکہ ہم لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یہ دونوں چھوٹے بچے خدمت کے قابل بھی نہیں ہیں) ہمارے ابا جان کا جو محبت کا رخ ان دونوں کی طرف ہے یہ صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے والد اس بارے میں صریح غلطی پر ہیں، والد کا رخ ہماری طرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ہم یوسف کو ان کے سامنے سے ہٹا دیں اور اس کے دو طریقے ہیں یا تو اس کو قتل کر دیں یا کہیں دور دراز جگہ پر پھینک دیں جہاں سے کوئی خیر خبر نہ پہنچے جب یوسف ان کے سامنے سے دور ہو جائے گا تو سارا رخ ہماری ہی طرف ہو گا اور ہمیں اپنے والد کی طرف سے بہت کچھ مل سکے گا جس کی وجہ سے ہم صلاح اور فلاح والے ہو جائیں گے (چونکہ یوسف اور بنیامین میں یوسف ہی زیادہ محبوب تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ دونوں میں سے ایک کو جدا کر دینا ہماری کامیابی کا ذریعہ بن جائے گا) مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ انہیں میں سے ایک بھائی نے کہا کہ اگر تمہیں ایسا کرنا ہی ہے تو یوسف کو قتل نہ کرو البتہ یوسف کو کسی اندھے کنویں میں ڈال دو قتل کے گناہ سے بچ جاؤ گے اور گزرنے والے تو گزرا ہی کرتے ہیں کنویں کے پاس سے کوئی قافلہ گزرے گا تو اس کی آواز سن لے گا یا پانی نکالنے کے لئے کنویں کے پاس پہنچ کر ڈول ڈالے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ یہاں کوئی بچہ ہے لہٰذا وہ اسے نکال لے گا اور اٹھا کر لے جائے گا اس طرح بچہ باپ سے بھی دور ہو جائے گا اور اس کی جان بھی نہ جائے گی۔ مفسر ابن کثیر نے قتادہ اور محمد بن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ یہ رائے سب سے بڑے بھائی نے دی تھی جس کا نام روبیل تھا اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا تھی اور مصر میں با اقتدار بنانا تھا لہٰذا قتل تو کر ہی نہیں سکتے تھے بڑے بھائی کا مشورہ قبول کر لیا اور اندھیرے کنویں میں ڈال دیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے محمد ابن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے متعدد وجوہ سے بہت ہی بری بات کا فیصلہ کیا قطع رحمی، والد کو تکلیف دینا، معصوم چھوٹے بچے پر شفقت نہ کرنا، بوڑھے باپ پر ترس نہ آنا، یہ سب ایسے کام ہیں جو مجموعی حیثیت سے متعدد گناہوں پر مشتمل ہیں۔

﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ﴾ ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو یہ ہے تو گناہ کا کام لیکن بعد میں توبہ کر کے نیک بن جانا، اس مضمون کی طرف مفسر ابن کثیر نے ص ۴۷۱ ج ۲ میں اشارہ فرمایا فاضمروا التوبة قبل الذنب۔

Marfat.com

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ
وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ
وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہنے لگے کہ اے ہمارے ابا کیا بات ہے آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں' آپ اس کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے' تاکہ وہ ہمارے ساتھ کھائے اور کھیلے اور ہم اس کی پوری حفاظت کرنے والے ہیں' یعقوب نے کہا کہ بیشک مجھے یہ بات رنجیدہ کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے' کہنے لگے کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے اور ہماری پوری جماعت ہے تو ہم بالکل ہی خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی والد سے درخواست کرنا اور ان کا اندیشہ کرنا کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے

ان لوگوں کا مشورہ تو ہو ہی چکا تھا کہ یوسف کو لے جانا ہے اور باپ کی نظروں سے اوجھل کرنا ہے لیکن اس کا طریقہ کیا ہو باپ تو اپنی نظروں سے دور کرنے کے لیے تیار نہیں ہمراہ لے جانے کے لیے کم از کم والد کی اجازت تو ہونی چاہئے' لہٰذا والد کی خدمت میں آ کر یوں کہنے لگے کہ ہم لوگ جنگل جاتے رہتے ہیں وہاں کھاتے بھی ہیں کھیلتے بھی ہیں' یوسف بھی ہمارا چھوٹا بھائی ہے ہم اس کے خیر خواہ بھی ہیں اور محافظ بھی ہیں آخر کیا بات ہے آپ اسے ایک دن بھی ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے اس کے بارے میں آپ کو ہم پر ذرا بھی اطمینان نہیں' کل کو آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہمارے ساتھ کھانے اور کھیلنے میں شریک ہوگا' ان کے والد نے کہا کہ دیکھو دو باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجتا ہوں۔ اول تو یہ کہ تمہارا اسے ساتھ لے جانا ہی مجھ پر شاق ہے اور میرے رنج و غم کا باعث ہے اگر تم اسے لے گئے جب تک اسے واپس لے کر آؤ گے میرا دل کڑھتا ہی رہے گا اور میرے دل پر رنج و غم چھایا رہے گا' اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ' تم تو بکریاں چراؤ اور تیر اندازی کرو اور کوئی بھیڑیا آ کر اسے کھا جائے' پہلی بات کا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے کیونکہ ان کی نظروں سے بیٹے کا غائب ہونا بہر حال ان کے نزدیک والد کے لیے رنج و غم کا باعث تھا اور ان کی قلبی تکلیف کا احساس ہوتے ہوئے ہی انہوں نے ان کے جدا کرنے کا فیصلہ کیا تھا البتہ دوسری بات کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے اگر ہمارے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم بالکل ہی کسی بات کے نہ رہے اور ہم تو سب کچھ گنوا دینے والے اور ضائع کر دینے والے ہو جائیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور حفاظت کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں ہماری اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنے لمبے تڑنگے قوت اور طاقت رکھنے والے جوانوں کی قوت اور جوانی کچھ بھی نہ ہوئی اور گویا بالکل ہی اپاہج بن کر رہ گئے۔ آپ ہمارے بارے میں ایسا خیال تو نہ فرمائیے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ
هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ
تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ

Marfat.com

عَلٰى قَمِيصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر جب یوسف کو لے گئے اور اس پر متفق ہو گئے کہ اسے اندھیرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کے پاس وحی بھیج دی کہ تم ضرور انہیں یہ بات جتلاؤ گے اور وہ نہیں جانیں گے، اور وہ لوگ شام کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے، کہنے لگے اے ابا جی بلاشبہ بات یہ ہے کہ ہم سب آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کیلئے دوڑ لگانے میں مشغول ہو گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اسے بھیڑیا کھا گیا، اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں، اور اس کے کرتہ پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے، یعقوب نے کہا بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے تمہیں ایک بات بنا کر دی ہے سو میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا اور کرتہ پر جھوٹا خون لگا کر واپس آنا اور ان کے والد کا فرمانا کہ یہ تمہارے نفسوں نے سمجھایا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کو کسی طرح سمجھا بجھا کر یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور جنگل میں لے جا کر ایک اندھیرے کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور انہیں اس میں ڈال بھی دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی کہ تم ان لوگوں کو یہ بات بتلاؤ گے کہ تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا، اور وہ یہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ جو شخص ہمیں جتلا رہا ہے یہ وہی ہے جسے ہم نے کنویں میں ڈال دیا تھا، چنانچہ وہ وقت آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ﴾ (کیا تمہیں اس کا علم ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جبکہ تم جاہل تھے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یوسف علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ تم انہیں ان کی یہ حرکت بتاؤ گے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو تسلی بھی تھی اور یہ خبر بھی تھی کہ تم اس کنویں میں سے زندہ نکلو گے اور ایسے مقام پر پہنچو گے کہ ان سے خطاب کر سکو گے۔ برادران یوسف علیہ السلام شام کو روتے ہوئے اپنے والد کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ابا جی ہم سب تو آپس میں دوڑ لگانے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا ہمارا خیال تھا کہ اس جگہ بھیڑیا نہ آئے گا لیکن بھیڑیا آ گیا اور یوسف کو کھا گیا، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہم کیسے ہی سچے ہوں آپ یقین کرنے والے نہیں ہیں اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے انہوں نے یہ کیا کہ کنویں میں ڈالنے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ اتار لیا تھا اس میں کسی جانور کا خون لگا لیا تھا یہ کرتہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا کہ دیکھئے یہ یوسف کا کرتہ ہے اس میں ان کا خون لگا ہوا ہے بھیڑیئے نے چیر پھاڑ کر کے یوسف کو کھا لیا اور اس کے کرتہ میں یہ خون لگ گیا ہے یہ کرتہ ہم اٹھا کر لے آئے ہیں، عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے کرتہ میں خون لگا لیا لیکن یہ دھیان نہ آیا کہ کرتہ پھٹ جاتا میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بھیڑیئے نے یوسف کو نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے ایک بات سمجھا دی ہے اور ایک بہانہ بنا کر لے آئے ہو اور میں اب کر بھی کیا سکتا ہوں، اب تو میں صبر جمیل ہی اختیار کروں گا (صبر جمیل وہ ہے جس میں کوئی حرف شکایت نہ ہو) اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو اس میں میں اللہ ہی سے مدد طلب کروں گا (معلوم ہوا کہ مومن بندہ مصیبت میں صبر بھی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا ہے)۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ

Marfat.com

مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝٢٠ ع

اور ایک قافلہ آ گیا انہوں نے اپنے آدمی پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا وہ کہنے لگا کیا ہی خوشی کی بات ہے کہ یہ ایک لڑکا ہے' اور انہوں نے اسے سامان تجارت بنا کر چھپالیا اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں' اور انہوں نے اسے معمولی سی قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہم تھے اور یہ لوگ اس سے بے رغبت تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا اور فروخت کیا جانا

ادھر تو یہ ہوا کہ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے جا کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ راہ گیروں کا ایک قافلہ وہاں پہنچا دیا یہ قافلہ اسی کنویں کے قریب آ کر ٹھہرا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ڈالا تھا قافلہ والوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو پانی لانے کے لیے بھیجا وہ آدمی پانی لینے گیا تو کنویں میں اپنا ڈول ڈال دیا' ڈول کا اندر پہنچنا تھا کہ حضرت یوسفؑ نے اسے پکڑ لیا جب اس شخص نے ڈول کھینچا تو دیکھا کہ ڈول کے ساتھ ایک لڑکا کھنچا چلا آ رہا ہے اور لڑکا بھی خوبصورت ہے اسے دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً اس کے منہ سے نکلا کہ واہ واہ کیسی خوشی کی بات ہے یہ لڑکا نکل آیا' یہ پانی لے جانے والا شخص لڑکے کو ہمراہ لے گیا اسے دیکھ کر قافلہ کے دوسرے افراد حیران بھی ہوئے اور آپس میں انہوں نے یہ طے کر لیا کہ اسے چھپا کر رکھو اور اپنی سوداگری کی پونجی میں شامل کر لو جب مصر پہنچیں گے تو اچھے داموں کے عوض بیچ دیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی خبر گیری کے لئے ادھر ادھر لگے ہوئے تھے انہیں پتہ چل گیا کہ یوسف کنویں میں نہیں ہے ادھر ادھر تلاش کرتے ہوئے قافلہ تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ یوسف علیہ السلام موجود ہیں فوراً بات بنائی اور کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا غلام ہے' بھاگ کر آ گیا ہے اور اب ہم اسے رکھنا بھی نہیں چاہتے اب اسے تم ہی لوگ رکھ لو اور ہمیں اس کی قیمت دے دو۔ ان لوگوں نے قیمت پوچھی تو معمولی سی قیمت بتائی اور گنتی کے چند درہم کے عوض یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاتھ بیچ دیا۔ اگر وہ چاہتے تو بڑی قیمت مانگ لیتے لیکن چونکہ ان کو ٹالنا تھا اور اس علاقہ سے دور کرنا تھا اور ان کی طرف سے بے رغبت تھے اس لئے چند درہم پر ہی اکتفا کر لیا جیسے کوئی شخص کسی فالتو چیز کو بیچنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ تھوڑا بہت جو کچھ مل جائے وہی بہت ہے' مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس (۲۰) درہم میں بیچا تھا اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بائیس درہم میں بیچا اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا چالیس (۴۰) درہم میں بیچا' ان اقوال میں کوئی چیز مستند نہیں ہے اور نہ ان دراہم کی تعداد جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف ہے البتہ یہاں دو حدیثیں ذکر کر دینا ضروری ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مدعی ہوں گا۔

(۱) وہ شخص جس نے میرا نام لے کر کسی سے عہد کیا اور پھر دھوکہ دیا۔

(۲) جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھا گیا۔

(۳) جس نے کسی شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے کام لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۸ از بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

(۱) جو شخص کچھ لوگوں کا امام بنا اور وہ اسے پسند نہیں کرتے۔

(۲) جو آدمی ایسے وقت میں نماز پڑھے جب کہ اس کا وقت جا تا رہا ہو۔

(۳) جو شخص کسی کو غلام بنا لے (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے بیچ دیا تھا اور انہیں غلام بنا کر بیچا (جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے) لہٰذا انہوں نے اس موقع پر مزید دو بڑے گناہ کئے اول تو یہ جھوٹا بیان دیا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور دوسرا یہ کہ آزاد کو بیچ

Marfat.com

کر اس کی قیمت وصول کر لی، رہی قطع رحمی تو اس پر وہ پہلے ہی سے تلے ہوئے تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا اس نے اپنی عورت سے کہا اسے عزت کے ساتھ رکھنا، ممکن ہے ہمارے کام آ جائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں، اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں قوت دے دی اور تاکہ اسے خوابوں کی تعبیر دینا بتلا دیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کا خریدنا اور اپنے گھر میں اکرام کے ساتھ رکھنا، اور نبوت سے سرفراز کیا جانا

جس قافلے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خرید لیا تھا وہ انہیں مصر لے گئے اور وہاں لے جا کر فروخت کر دیا۔ خریدنے والا عزیز مصر تھا جو بادشاہ کا وزیر خزانہ تھا اس کے ذمہ مالیات کی دیکھ بھال تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ تک پہنچنے میں چند سال لگے اولاً عزیز مصر ہی کے گھر میں رہے، عزیز مصر نے ان کو ہونہار دیکھ کر اپنی بیوی سے کہا کہ اس بچہ کو اچھی طرح اکرام کے ساتھ رکھنا، اس کے لیے لیٹنے بیٹھنے کی جگہ اچھی ہو اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ممکن ہے کہ آئندہ چل کر یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں (بیان کیا جاتا ہے کہ عزیز مصر لاولد تھا اس لئے اس نے یہ بات کہی)۔ عزیز مصر کا نام بعض مفسرین نے قطفیر بتایا ہے اور اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی بیوی کا نام زلیخا مشہور ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام راعیل تھا، جس شخص کو چند روز پہلے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا وہی شخص آج عزیز مصر کے گھر میں اکرام وانعام وراحت وآرام کے ساتھ رہ رہا ہے اللہ جل شانہ جسے بلند کرنا چاہے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ (اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین میں قوت عطا کی)۔

عزیز مصر کے دل اور گھر میں تو ان کا مقام اور مرتبہ ہو ہی گیا تھا اس کے یہاں معزز ہونے کی وجہ سے مصر کے دوسرے لوگوں کے دل میں بھی ان کی بڑی حیثیت بن گئی تھی۔ ﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ (اور تاکہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر کا علم دیں) اللہ جل شانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا جو علم عطا فرمایا تھا وہی آگے بڑھ کر مصر کے خزانوں کا والی اور متصرف ہونے کا ذریعہ بنا ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾ (اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے) اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے جس کو چاہے بلندی دے اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کا اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بنایا کہ انہیں عزیز مصر کے گھر میں رکھا ظاہری پرورش کے ساتھ امور انتظامیہ کے بارے میں بھی ان کی تربیت ہو گئی عزیز مصر خزائن مصر کا منتظم تھا بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی خزائن مصر سپرد کر دیئے گئے۔ عزیز مصر کے گھر میں رہنا ہوا تو مالیات کی حفاظت اور دیکھ بھال کا طریقہ اور سلیقہ بھی سمجھ میں آ گیا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ (اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کیا) حکمت اور علم سے نبوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بعد میں نبوت عطا کی گئی کنویں میں ہوتے ہوئے جو وحی بھیجی تھی وہ وحی نبوت نہیں تھی دل میں ڈالنے کو بھی

Marfat.com

وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں فرمایا ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) صفت احسان بہت بڑی چیز ہے حسن نیت اور حسن عمل سے جو شخص بھی متصف ہے وہ محسن ہے احسان والوں کو اللہ تعالیٰ بلند فرماتا ہے اور انہیں ان کے احسان کا اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے ان کو پھسلایا اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آجاؤ میں تم ہی سے کہہ رہی ہوں، انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بیشک تیرا شوہر میرا مربی ہے اس نے میرا اچھا ٹھکانہ بنایا ہے، بیشک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب براری کے لئے پیش ہونا اور آپ کا پاک دامن رہنا

سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں رہتے رہے وہیں پلے بڑھے جوان ہوئے بہت زیادہ حسین تھے عزیز مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو پھسلانے لگی، اس نے نہ صرف اشاروں سے اپنا مطلب ظاہر کیا بلکہ گھر کے سارے دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی آجاؤ میں تمہارے لئے تیار ہوں، حضرت یوسفؑ کے لیے بڑا ہی امتحان کا موقع تھا خود بھی نوجوان تھے اور عورت پھسلا بھی رہی تھی اور وہ کوئی گری پڑی عورت نہیں عزیز مصر کی بیوی ہے پھر وہ ایک طرح سے اس کے پروردہ بھی تھے وہ گھر کی بڑی تھی اور آپ چھٹ پنے سے اس کے ساتھ رہے تھے، جو عورت گھر کی سردار تھی اس کا حکم رد کرنا بھی مشکل تھا۔ ان سب امور کے ہوتے ہوئے حضرت یوسفؑ کے لئے گناہ سے بچنے کے لئے متعدد مشکلات تھیں اس موقع پر گناہ سے بچ جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوسکتا ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے عورت کی درخواست پر معاذ اللہ کہہ دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں وہی مجھے گناہ سے بچا سکتا ہے، پھر یہ فرمایا کہ تو میرے آقا اور مربی کی بیوی ہے اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے مجھے آرام کی جگہ دی ہے، عزت سے رکھا ہے میری شرافت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ میں اس کے اہل خانہ پر دست درازی کروں (اس میں اس عورت کو بھی نصیحت فرما دی کہ تو بھی اللہ سے پناہ مانگ اور اپنے شوہر کی خیانت نہ کر مجھے تو اس گھر میں آئے ہوئے چند سال ہی ہوئے ہیں اور تو مجھ سے بہت پہلے سے عزیز مصر کے پاس رہتی ہے۔ تجھے بھی عفت و عصمت اختیار کرنا لازمی ہے) سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (بلاشبہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) یہ ظلم کی بات ہے کہ میں اپنے آقا کا حق شناس نہ بنوں تو مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہے اس میں اللہ جل شانہ کی بھی خیانت ہے یہ دونوں ظلم کی باتیں ہیں ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس کامیابی کو چاہتے ہیں وہ گناہوں کے ذریعہ نہیں ملتی دنیا کی مطلوبہ کامیابی ہو یا آخرت کی یہ ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ میں جو ضمیر منصوب ہے یہ عزیز مصر کی طرف راجع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے میں کیسے اس کی نافرمانی کر سکتا ہوں یہ معنی لینے سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ کے لیے لفظ ربی کیسے استعمال فرمایا لیکن اگر انہ کی ضمیر عزیز مصر کی طرف راجع ہو تب بھی اشکال یوں ختم ہو جاتا ہے کہ رب بمعنی مالک اور مستحق اور صاحب بھی آیا ہے۔ (کما ذکرہ صاحب القاموس) اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ولا یقل العبد ربی یہ ممانعت اس اعتبار سے ہے کہ لفظ رب عام محاورات میں اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے سداً للباب ممانعت فرما دی گئی۔

Marfat.com

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ
الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا
سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ
قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾
يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿۲۹﴾

اوراس عورت نے ان کے ساتھ اپنا کام نکالنے کا مضبوط ارادہ کرلیا تھا اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے' اسی طرح تا کہ ہم ان سے برائی کو اور بے حیائی کو دور رکھیں' بیشک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے' اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اوراس عورت نے پیچھے سے اس کا کرتہ چیر دیا اور دونوں نے اس عورت کے سردار کو دروازہ کے پاس پالیا' وہ کہنے لگی جو شخص تیرے گھر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا دردناک سزا دی جائے' یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی مطلب براری کیلئے پھسلایا اوراس کے خاندان میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ اگراس کا کرتہ سامنے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور یہ شخص جھوٹے لوگوں میں سے ہے' اوراگراس کا کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا تو اس عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں میں سے ہے' پھر جب اس کے کرتے کو دیکھا گیا کہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو کہنے لگا کہ بیشک یہ تم عورتوں کی فریب کاری میں سے ہے۔ بیشک تمہارا فریب بڑا ہے' یوسف اس بات کو جانے دو' اوراے عورت تو اپنے گناہ سے استغفار کر' بلاشبہ تو ہی گناہگاروں میں سے ہے۔

دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کو بچانا اور عزیز کو دروازہ پر پانا' اوراس کا اپنی بیوی کو خطا کار بتانا اور استغفار کا حکم دینا

ان آیات میں عزیز مصر کی بیوی کی بدنیتی اوراس کے مطابق عزم مصمم کرنے کا ذکر ہے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اور ان کو برائی سے اور بے حیائی کے کام سے دور رکھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کرنے کا مضبوط ارادہ کرلیا تھا جو اس کے عمل سے صاف ظاہر ہے اس نے دروازے بند کر لئے اور صاف لفظوں میں هَيْتَ لَكَ (آجا میں تیرے لئے حاضر ہوں) کہہ دیا' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا اور گناہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے لیکن قرآن مجید میں ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ کے ساتھ وَهَمَّ بِهَا بھی مذکور ہے اس وَهَمَّ بِهَا کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے ﴿وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ یہ ایک جملہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ جوانی کا تقاضا پورا کرنے کا ارادہ کر لیتے لیکن چونکہ انہوں نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی اس لئے ارادہ نہیں کیا۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ هَمَّ بِهَا سے گناہ کا ارادہ کرنا مراد نہیں ہے بلکہ بشری طور پر جو ایسے موقع پر میلان طبعی ہو جاتا ہے وہ مراد ہے انہوں

Marfat.com

نے اس درجہ کا ارادہ نہیں کیا تھا جو معصیت کے درجہ میں ہو یوں ہی وسوسہ کے درجے میں خیال آ گیا اس صورت میں لَوْ لَا کا جواب محذوف مانا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے رب کی طرف سے دلیل نہ دیکھ لیتے تو میلان طبعی کے مطابق کام کر گزرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دلیل دکھائی جو اقدام کرنے سے مانع ہوگئی۔

وہ کون سی دلیل تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں صاحب روح المعانی ص ۲۱۴ ج ۱۲ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ ظاہر ہوگئی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ مار دیا و ذکرہ الحاکم ایضا فی المستدرک ج ۲ ص ۳۴۶ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مثل له یعقوب فضرب صدرہ فخرجت شهوته من انامله اور بحوالہ حلیہ ابو نعیم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس عورت نے عمل بد کا ارادہ کیا تو اس نے بت کے اوپر کپڑا ڈال دیا جو گھر کے ایک کونے میں تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو یہ کیا کرتی ہے وہ کہنے لگی کہ میں اپنے معبود سے شرماتی ہوں کہ میں ایسا کام کروں اور یہ مجھے دیکھتا رہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک بت سے شرمارہی ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے (یعنی بے جان ہے کچھ جانتا ہی نہیں) پھر بھلا میں اپنے رب سے کیوں نہ شرماؤں جو ہر شخص کے ہر عمل کو جانتا ہے تو مجھ سے اپنی مطلب براری نہیں کر سکتی' اس بارے میں اور بھی بہت اقوال ہیں لیکن کوئی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں' بعض حضرت نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو علم و حکمت سے نوازا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے وہی مراد ہے' نبوت اور معرفت الٰہیہ ہی ایک ایسی دلیل تھی جس نے انہیں چونکا دیا اور گناہ سے بچا دیا' یہ بات دل کو لگتی تو ہے لیکن اس صورت میں رای بمعنی عرف کیا جائے گا یعنی رای سے رؤیت بصری نہیں بلکہ رؤیت قلبی بمعنی علم و معرفت مراد ہوگی۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے عام طور پر اہل ایمان کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ جب کوئی گناہ کی بات دل میں آئے تو دل کھٹک جاتا ہے اور ہر ایک مومن کے دل میں اللہ کا ایک واعظ بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دروازے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں اور ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس ہے اسے مت کھول اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا (اور یہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا) اس کے بعد آپ نے اس مثال کی توضیح فرمائی' اور وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے' اور دونوں طرف جو دیواریں ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں' اور جو دروازے کھلے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں' اور راستے کے شروع میں جو پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے' اور اس کے اوپر جو پکارنے والا ہے وہ اللہ کا واعظ ہے جو ہر مسلم کے دل میں ہے (رواہ بیہقی فی شعب الایمان ص ۴۴۵ ج ۵) جب ہر مومن کے دل میں واعظ موجود ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے صدیق کے دل میں ہونا تو ضروری ہی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں عبارت کا کچھ حصہ محذوف ہے صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ جرت افعالنا و اقدارنا كذالك لنصرف یعنی ہماری قضاء و قدر کے مطابق ایسا ہوا تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں قال صاحب الروح وقدر ابو البقاء نراعيه كذلك والحوفي اريناه البراهين كذلك وجوز الجميع كونه في موقع رفع فقيل اى الامر او عصمته مثل ذالك اھ۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: ابوالبقا نے یہاں نراعیہ مقدر مانا ہے اور حوفی نے کہا مقدر عبارت اس طرح ہے کہ اریناہ البراهین كذالك اور سب نے اس کا رفع کے مقام پر ہونا جائز رکھا ہے لہٰذا بعض نے کہا اصل یوں ہے کہ الامر مثل ذلك یا عصمته مثل ذلك۔

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ﴾ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے برے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تو وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے پیچھے سے عورت بھی دوڑی۔ بالآخر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کا پچھلا دامن پکڑ لیا چونکہ

Marfat.com

بھاگتے ہوئے آدمی کا دامن پکڑا تھا اس لئے کرتہ پھٹ گیا۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ قد یقد اکثر لمباؤ میں پھاڑ دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی لئے ہم نے چیرنے کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بڑھے تو دروازہ بند پایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی' دروازے کھلتے چلے گئے اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہ میں مبتلا کرنے کے لیے مجبور کیا جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی کوشش وطاقت کے بقدر اس سے بچے جب سچ مچ اس سے بچنے کا عزم کرے گا اور اپنی ہمت اور قدرت کے بقدر کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شاء اللہ ضرور مدد کی جائے گی۔

بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دروازے مختلف جہات میں تھے اس عورت نے بند تو سبھی کو کر دیا تھا لیکن کسی ایک دروازے میں کوئی ایسی کھڑکی تھی جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دھیان ہوا کہ میں اس سے نکل سکتا ہوں بہر حال انہوں نے گناہ سے بچنے کی انتہائی کوشش کی اور اس کوشش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی۔

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جب دروازے پر پہنچے تو ادھر سے مذکورہ عورت کا شوہر آ رہا تھا اس سے مڈبھیڑ ہو گئی عورتوں کی چالیں تو مشہور ہی ہیں ظاہری خفت مٹانے کے لیے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے عورت بول پڑی کہ اس نے مجھ پر بدنیتی سے مجرمانہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کو سزا دی جانی ضروری ہے سزا بھی اس نے خود ہی تجویز کر دی کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اس کو سخت سزا دی جائے' سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا اور فرمایا ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي﴾ کہ اس نے مجھے پھسلایا اور غلط کام کرنے کا ارادہ کیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کا دفاع کرنا شان بزرگی کے خلاف نہیں ہے بلکہ دفاع کرنا ضروری ہے کیونکہ مجرم بن کر رہنا مومن کی شان نہیں ہے اپنا دفاع کرتے ہوئے صحیح صورت بیان کرنے میں اگر تہمت لگانے والے کی طرف تہمت کا انتساب کرنا پڑے تو یہ بھی جائز ہے)۔

صورت حال دیکھ کر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم قرار نہیں دیا وہ ان کی نیک نفسی اور صالحیت سے واقف تھا وہ برسوں سے اس کے گھر میں رہتے تھے اس کے پیش نظر جوان کے احوال دیکھے تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی طرح بھی اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ان کو مجرم سمجھے اور اپنی بیوی کی تصدیق کرے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ اس عورت نے ہی مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی اس کے پیش نظر عورت ہی کو اول وہلہ میں مجرم سمجھنا چاہئے تھا اور ممکن ہے کہ اس نے مجرم سمجھ بھی لیا ہو لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا' البتہ غیب سے ایک گواہ نکل آیا اور وہ اسی عورت کے خاندان میں سے تھا یہ گواہ ایک بچہ تھا وہ بچہ بول پڑا اور اس نے یوں کہا کہ یوسف کے کرتہ کو دیکھو آگے سے پھاڑا گیا ہے یا پیچھے سے؟ اگر پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ عورت اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے کہ یوسف نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور یوسف سچے ہیں' اور اگر ان کا کرتہ آگے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے' عزیز مصر کو تو اصل صورت حال سمجھنے کی ضرورت ہی تھی اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر نظر ڈالی دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے۔ بس اس کی سمجھ میں آ گیا اور فوراً اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ یہ عورتوں والی مکاری ہے۔ کریں خود اور نام رکھیں دوسرے کا' یہ کہہ کر اس نے اپنی عورت کو جھٹلا دیا اور حضرت یوسفؑ کی تصدیق کر دی' گواہی دینے والے نے جو یوں کہا تھا کہ کرتہ دیکھا جائے اس کا مطلب یہ تھا کہ جب عورت نے اپنی خواہش ظاہر کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جان گناہ سے بچانے کی کوشش کی اور راہ فرار اختیار فرمائی اور عورت نے ان کے کرتہ کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تبھی تو کرتہ پھٹا اس کے پھٹنے کا ظاہری سبب اور کوئی نہ تھا' یہ جو سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہاں تو ایک ہی عورت تھی جمع کی ضمیر کیوں لائی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں عورتوں کا مزاج اور طبیعت اور خاصیت کی طرف اشارہ ہے اکیلی یہی عورت مکر اور فریب والی نہیں عموماً عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں اسی لئے آخیر میں یوں کہا ﴿إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ (بلاشبہ تمہارا مکر بڑا ہے) اردو کے محاورہ میں اس مکر کو عورتوں کے چھل اور چالوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے بڑے بڑے چھل ہوتے ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

رسول اللہ علیہ السلام نے ایک مرتبہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ما رایت اذھب للب الرجل الحازم من

Marfat.com

احدا کن (ہوشمند آدمی کی عقل کو ختم کرنے میں میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا) (رواہ البخاری ص ۱۹۷ ج ۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما ترکت بعدی فتنة ھی اضر علی الرجال من النساء کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو ضرر دینے میں عورتوں سے بڑھ کر ہو (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۶۷) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء کہ دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو (یعنی ان دونوں کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ان کے فریب میں نہ آجانا) کیونکہ بنی اسرائیل کا جو سب سے پہلا فتنہ تھا اس کی ابتداء عورتوں ہی سے تھی۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۳ ج ۲) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا النساء حبائل الشیطان (کہ عورتیں شیطان کے جال ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) شیطان ان کے ذریعے بہکاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔

جس گواہ نے گواہی دی اس نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ عورت نے یوں کیا بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جو عورت کے مجرم ہونے پر دلالت کرتی تھی یعنی کرتے کا پھٹا ہونا اس کو گواہی سے تعبیر فرمایا قال صاحب الروح وسمی شاھدا لانہ ادی تادیتہ فی ان ثبت بکلامہ قول یوسف وبطل قولھا وقیل سمی بذلک من حیث دل علی الشاھد وھو تخریق القمیص۔

یہ گواہی دینے والا کون تھا اس کے بارے میں مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے پہلے تو صاحب مستدرک نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی تو مجھے ایک خوشبو محسوس ہوئی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی خوشبو ہے بتانے والوں نے (یعنی فرشتوں) نے بتایا کہ جو عورت فرعون کی بیٹی اور اس کی اولاد کی کنگھی کیا کرتی تھی یہ اس کی خوشبو ہے ایک دن کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی اس پر اس نے بسم اللہ کہا فرعون کی بیٹی نے کہا یہ تو نے کس کا نام لیا' کیا تو نے میرے باپ کا نام نہیں لیا اس نے کہا میں نے اس کا نام لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے اور تیرے باپ کا بھی رب ہے کہنے لگی کہ میں یہ بات اپنے باپ کو بتادوں گی اس عورت نے کہا ہاں بتا دینا فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کو یہ بات بتادی' اس پر فرعون نے اس عورت کو اور اس کے بچوں کو بلایا تا کہ انہیں قتل کردے' اس عورت نے فرعون سے کہا کہ میری ایک حاجت ہے وہ پوری کر دینا' فرعون نے کہا وہ کیا حاجت ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیوں کو دفن کر دینا فرعون نے اس کا اقرار کر لیا پھر اس کے بچوں کو لایا گیا اور ایک ایک کر کے قتل کر کے گڑھے یا آگ میں ڈالا جاتا رہا، یہاں تک کہ جب آخری بچہ رہ گیا جو چھوٹا دودھ پیتا بچہ تھا تو اس نے کہا کہ اے میری ماں صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں اس کے بعد اس عورت کو اس چھوٹے بچے کے ساتھ ڈال دیا گیا' یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چھوٹے بچے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے ہونے کے زمانہ میں بات کی ہے' ان میں سے ایک تو یہی بچہ تھا یعنی کنگھی کرنے والی کا بچہ' دوسرا یوسف علیہ السلام کے بارے میں گواہی دینے والا، تیسرے جریج (راہب کی براءت ظاہر کرنے) والا چوتھے عیسٰی ابن مریم (قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ و وافقہ الذھبی مستدرک حاکم ص ۴۹۶۔ج ۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی تھی وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جو بولنے کی عمر کو نہیں پہنچا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت دی اور اس نے گواہی دے دی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے اس گواہی دینے والے کے بارے میں من اھلھا بھی فرمایا ہے کہ یہ گواہ اس عورت کے خاندان سے تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اس عورت کی خالہ کا بیٹا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا کا بیٹا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال۔

معاملہ کی صورت حال سمجھنے کے بعد عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور اس نے درخواست کی کہ ﴿یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا﴾ اے یوسف اس بات سے اعراض کرنا یعنی اسے یہیں تک رہنے دینا اور آگے مت بڑھانا کسی سے نہ کہنا' پھر اپنی بیوی سے کہا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِكِ (کہ تو اپنے گناہ کے لیے استغفار کر) ﴿اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ﴾ (بلاشبہ تو خطا کرنے والوں میں سے ہے) معاملہ کی صورت حال سے اور گواہ کی گواہی سے ثابت ہو گیا کہ تو ہی گناہ گاروں میں سے ہے' اصل گناہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچنے اور پرہیز

Marfat.com

کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے نہ ہوسکا لیکن گناہ کے لیے جو اس نے پکا اور مضبوط ارادہ کرلیا تھا وہ بھی گناہ ہی تھا پھر وہ پیچھے دوڑی بھی تھی اور پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی لہٰذا اپنی نیت اور عمل دونوں کے اعتبار سے گناہ گار ہوئی' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اسے سچا یا جھوٹا کر دیتی ہے یعنی گناہ کی آخری حد کا موقع لگ گیا تو شرمگاہ سے صادر ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے کی کوششیں گناہ میں شمار ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو مسلمان نہیں تھے پھر استغفار کرنے کے لیے کیوں کہا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے لیکن خالق کے وجود کا بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ بہت سی چیزیں گناہ ہیں اور ان گناہوں کی سزا بھی ملتی ہے صاحب روح المعانی کا یہ فرمانا درست ہے کہ مشرکین خالق کو بھی مانتے ہیں اور بہت سی چیزوں کا گناہ ہونا ان کے ہاں معروف و مشہور ہے ہندوستان کے مشرکین میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور چند عورتوں نے کہا جو شہر میں رہتی تھیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو مطلب حاصل کرنے کیلئے پھسلاتی ہے اس غلام کے عشق نے اس کے دل میں پوری طرح جگہ پکڑ لی ہے۔ بیشک ہم تو اس عورت کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں پھر جب اس نے ان عورتوں کی مکر کی باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کیلئے ایک مجلس تیار کی جس میں تکیہ لگا کر بیٹھیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آ' سو جب ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گئیں' اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشاللہ یہ شخص بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ وہ عورت کہنے لگی سو یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی سو وہ بچ گیا اگر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا میں اسے حکم دے رہی ہوں تو ضرور اس کو جیل میں بھیج دیا جائے گا اور یہ ضرور بے عزت ہوگا۔

شہر کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی پر طعن کرنا اور ان کا جواب دینے کے لیے عورتوں کو بلانا' پھر ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا

عزیز مصر نے تو معاملہ کو وقتی طور پر رفع دفع کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اس قصے کو یہیں تک رہنے دینا آگے مت بڑھانا لیکن خبر کسی طرح شہر کی عورتوں کو پہنچ گئی وہ آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ دیکھو عزیز مصر کی بیوی کو کیا ہوا بڑے گھر کی عورت ہے لیکن اپنے غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے پھسلا رہی ہے۔ غلام اس لئے کہا کہ اس کا شوہر حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کر لایا تھا اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ

Marfat.com

اول تو یہ عورت شوہر والی ہے اسے اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف مائل ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ پھر مائل بھی ہوئی تو کس پر جو اس کے برابر کا نہیں، نہ تو عمر میں برابر نہ مرتبہ میں برابر، دونوں میں سے کوئی ایک برابری بھی ہوتی تو ایک بات تھی ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ بس جی اس غلام کی محبت تو بری طرح اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ اسے اس محبت نے یہ بات سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں کس سے لگ رہی ہوں اور کس کی طرف مائل ہو رہی ہوں۔ ﴿إِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گئی۔

عزیز مصر کی بیوی کو عورتوں کی باتیں پہنچ گئیں انہوں نے جو باتیں کی تھیں وہ اس نے سن لیں ان کی باتوں کو مکر سے تعبیر کیا کیونکہ وہ ظاہر میں تو اسے بے وقوف بنا رہی تھیں اور اندر سے ان کا جذبہ یہ تھا کہ ہم اس پر لعن طعن کریں گے تو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے ہمیں بھی غلام کا مشاہدہ کرا دے گی (ذکرہ صاحب الروح عن البعض) بہر حال جب عزیز مصر کی بیوی کو عورتوں کی باتوں کا علم ہوا تو اس نے ان عورتوں کو بلوا بھیجا کہ وہ میرے گھر آئیں اور کچھ کھا پی لیں ان عورتوں کے بیٹھنے کے لیے اس نے عمدہ قسم کے بستر بچھا دیئے اور تکیے لگا دیئے تا کہ وہ آئیں تو تکیہ لگا کر بیٹھ جائیں جب وہ آئیں تو انہیں بٹھا دیا اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک چھری دے دی چھری دینے کا کیا مطلب تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس نے چھریوں کے ساتھ کھانے کے لیے گوشت بھی دے دیا تھا کیونکہ گوشت کو دانتوں سے نوچ کر نہیں کھاتے تھے بلکہ چھری سے کاٹتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ سنترہ کی طرح کوئی چیز کھانے کو دے دی تھی تا کہ وہ اس چھری سے کاٹ کر کھائیں اس قول کی تائید مُتْكًا کی قرأت سے ہوتی ہے جس کا معنی ترنج یا سنترہ کیا گیا ہے یہ قرأت عشرہ میں سے تو نہیں ہے البتہ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے قرأت شاذہ سے کسی ایک محتمل معنی کی تائید ہو سکتی ہے، عین اس وقت میں جبکہ ان عورتوں کے ہاتھ میں چھریاں تھیں اور جو کچھ ان کے سامنے تھا اسے کاٹنا ہی چاہتی تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ آؤ اندر سے نکلو اور ان عورتوں کے سامنے آ جاؤ جب حضرت یوسف علیہ السلام سامنے آئے تو ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر وہ عورتیں ششدر رہ گئیں اور ایسی مبہوت اور حیران ہوئیں کہ انہیں یہ بھی دھیان نہ رہا کہ ہم کیا کاٹ رہی ہیں سنترہ وغیرہ جو کچھ ان کے سامنے تھا اسے کاٹنے کی بجائے انہوں نے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں کہ حاشا اللہ یہ شخص بشر نہیں ہے بلکہ یہ تو بڑے مرتبہ کا فرشتہ ہی ہے، یہ ان عورتوں نے اس لئے کہا کہ فرشتے کا بے مثال حسین و جمیل ہونا ان کے یہاں معروف و مشہور تھا جیسے کہ شیطان کی بدصورتی کو سبھی جانتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کی رات میں آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اذا هو قد اعطى شطر الحسن (یعنی ان کو آدھا حسن دیا گیا ہے)۔ (رواہ مسلم ص ۹۱ ج ۱)

جب عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مبہوت ہو گئیں اور ایسی حیران ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو عزیز مصر کی بیوی ان عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے بول اٹھی کہ تم نے دیکھا یہ غلام کیسا ہے؟ تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کر رہی تھیں اب اپنا حال دیکھ لو تم تو اسے دیکھ کر اپنے ہاتھ ہی کاٹ بیٹھیں، یہ بات کہہ کر اس عورت نے اپنی صفائی پیش کر دی بلکہ اپنی مجبوری ظاہر کر دی میں عاشق نہ ہوتی تو کیا کرتی وہ تو چیز ہی ایسی ہے جس پر فریفتہ ہوئے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ واقعی میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے اسے پھسلایا تھا لیکن یہ بچ گیا اس طرح سے اس نے اس بات کا صاف اقرار کر لیا جس کا اپنے شوہر کے سامنے انکار کر چکی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت بھی ظاہر کر دی اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ یہ ابھی میرے پھندہ سے نکلا نہیں ہے میرا تقاضا برابر جاری رہے گا اگر اس نے میری بات نہ مانی اور میرے حکم پر عمل نہ کیا تو اسے ضرور بالضرور جیل ہی میں بھیج دیا جائے گا اور اسے ضرور بالضرور ذلت اٹھانی پڑے گی۔

Marfat.com

قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ ۚ وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡهِنَّ وَ اَکُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنۡهُ کَیۡدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۵﴾

یوسف نے کہا کہ اے میرے رب یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں اس کے مقابلہ میں مجھے جیل جانا محبوب ہے اور اگر آپ مجھ سے ان کی چال بازی کو دفع نہ کریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا' سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی سو عورتوں کی چال بازی کو یوسف سے ہٹا دیا' بلاشبہ وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے پھر نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ ایک وقت تک یوسف کو جیل میں رکھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دعا کرنا کہ اے میرے رب ان عورتوں کے مطالبہ کے مطابق عمل کرنے کی بجائے میرے لئے جیل بہتر ہے اس کے بعد جیل میں تشریف لے جانا

پہلے معلوم ہو چکا کہ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کو دروازہ کے قریب دیکھ کر یہ مشورہ دے دیا تھا کہ اسے جیل میں ڈالا جائے یا دردناک سزا دی جائے' پھر جب شہر کی دوسری عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر مبہوت ہو گئیں اور عزیز مصر کی بیوی نے ان سے کہا کہ دیکھو تم مجھ پر طعن و تشنیع کر رہی تھیں خود تمہارا کیا حال بنا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو جیل جانا پڑے گا تو اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بظاہر دو ہی راستے تھے اول یہ کہ حسب سابق اسی گھر میں رہتے رہیں جہاں اب تک تھے وہاں وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بدکرداری کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ ختم نہیں ہوا تھا صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو جیل میں جانا پڑے گا وہ اپنے پھندہ میں پھنسانے کے لیے مصر تھی اس کے گھر میں رہنے سے اندیشہ تھا کہ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ جیل میں چلے جائیں انہوں نے جیل میں جانے کو پسند کیا اور یہ مناسب جانا کہ عزیز مصر کا گھر چھوٹ جائے تاکہ خود عزیز کی بیوی اور دیگر عورتوں کی تدبیروں اور مکاریوں سے دور ہو جائیں' چونکہ دوسری عورتیں بھی حسن و جمال دیکھ کر قائل ہو گئی تھیں اس لئے یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ بھی عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ میں استعمال کرنے کی تدبیریں بتانے لگیں یا حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے لگیں' اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی کہ اے اللہ یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں یا آئندہ دعوت دیں گی مجھے اس میں مبتلا ہونے کی بہ نسبت یہ محبوب اور مرغوب ہے کہ جیل میں چلا جاؤں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ یا اللہ آپ میری مدد فرمائیے اور عورتوں کے مکر و فریب کو دفع فرمائیے تاکہ میری حفاظت ہو اگر آپ نے ان کی چال بازیوں کو دفع نہ فرمایا اور مجھے ان سے نہ بچایا تو بتقاضائے بشریت میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں شمار ہو جاؤں گا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم تھے اور ان کو معصوم رکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا عہدہ نبوت پر سرفراز ہوتے ہوئے معصیت صادر ہونے کا احتمال تو نہ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مزید دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ ہی کی حفاظت مجھے محفوظ رکھ سکتی ہے اگر آپ نے میری حفاظت نہ فرمائی تو عورتوں کے اتنے زیادہ پیچھے پڑنے پر نفسانی اور شہوانی ابھار کے باعث ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف مائل ہونا جاہلوں کا کام ہے جو گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای الذین لا یعملون بما یعلمون لان من لاجدوی لعلمه فهو ومن لا یعلم سواء

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے کیونکہ جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وہ اور جو نہیں جانتا

Marfat.com

دونوں برابر ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور انہیں عورتوں کے مکر وفریب سے بچا دیا یعنی ایسی صورت پیدا فرما دی کہ انہیں جیل میں بھیج دیا گیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ عزیز مصر اور اس کے مشورہ دینے والے سوچ بچار کرتے رہے کہ اس مسئلے کا کیا حل ہو آیات (یعنی نشانیاں) اور حالات سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ یوسف بے گناہ ہے لیکن شہر میں جو چرچا ہو گیا اور باتیں عورتوں سے نکل کر مردوں تک پہنچ گئیں اس کے دبانے کے لئے یہی صورت سمجھ میں آتی ہے کہ ایک عرصہ تک یوسف علیہ السلام کو جیل میں رکھا جائے چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا۔

وہ کون سی آیات اور نشانیاں تھیں جنہیں دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت کا یقین کیا گیا تھا ان میں سے ایک تو یہی تھا کہ ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا اور دوسرے گود کے بچے کا بولنا یہ بہت بڑی نشانی تھی بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم میں بھاگنے کے وقت کوئی خراش بھی آ گئی تھی یہ بھی ایک نشانی تھی اور ممکن ہے اور بھی نشانیاں ہوں جو تذکرہ میں نہیں آئیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو جیل میں جانے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اگر وہ مطلق حفاظت کی دعا کرتے تو جیل میں گئے بغیر دوسری طرح بھی ان کی حفاظت ہو سکتی تھی اللہ جل شانہ کو اس پر قدرت تھی کہ کسی دوسری صورت سے ان کی حفاظت کا انتظام ہو جاتا لیکن وقتی پریشانی کی وجہ سے ان کا ذہن اس طرف نہ گیا اور اپنی حفاظت کے لئے جیل میں جانے کی دعا کر لی، تفسیر قرطبی (ص ۱۸۴ ج ۹) میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے اللہ جیل مجھے پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے یوسف تم نے خود اپنی جان کو قید میں رکھوانے کی دعا کر لی اگر تم عافیت کی دعا کرتے تو تم کو عافیت دی جاتی' اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمیشہ عافیت کی دعا کرے اور کسی بھی مصیبت سے بچنے کے لیے اپنی طرف سے کوئی صورت تجویز نہ کرے مطلقاً مصیبت سے بچنے کے لیے دعا کرے پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے محفوظ فرمائے اس طرح کے متعدد واقعات سنے گئے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی صورت تجویز کر کے دعا کر لی پھر جب اس دعا کا ظہور ہوا تو پشیمان ہوئے' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو بہت زیادہ بیمار تھے ان کی آواز بہت زیادہ ضعیف تھی اور چوزہ کی طرح دبلے پتلے ہو گئے تھے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے تو اس کے بدلہ میں اسی دنیا میں تکلیف پہنچا دیجئے یہ سن کر آپ نے فرمایا سبحان اللہ تمہیں عذاب کی کہاں سہار ہے تم نے یہ دعا کیوں نہ کی ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ (رواہ مسلم ص ۳۴۳ ج ۲)

ایک اور صحابی نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے صبر دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے مصیبت کا سوال کیا (کیونکہ صبر مصیبت پر ہوتا ہے) لہٰذا اب تو عافیت کا بھی سوال کر لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۴ از ترمذی) مومن بندوں کو ہمیشہ عافیت ہی کا سوال کرنا چاہئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ سے معافی کا اور عافیت کا سوال کرو کیونکہ ایمان کی دولت کے بعد کسی کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی جو عافیت سے بہتر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹ از ترمذی)

البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ گناہ سے بچنے کا مضبوط پختہ عزم وارادہ رکھنا چاہئے گناہ سے بچنے کے سلسلے میں اگر کوئی تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو بشاشت کے ساتھ قبول کر لے اور گناہ نہ کرے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾

Marfat.com

اور یوسف کے ساتھ دو جوان جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے بلاشبہ ہم آپ کو نیک آدمیوں میں سے سمجھ رہے ہیں۔

جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا عزیز مصر کے مشورہ دینے والوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیل میں بھجوادیا۔ اسی موقع پر دو جوان بھی جیل میں داخل ہوئے تھے اور ان کے علاوہ پہلے سے بھی قیدی موجود تھے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے عبادت گزار تھے خوش اخلاق تھے قیدیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے صالحین کے چہرے پر تو نور ہوتا ہی ہے پھر یہاں تو نور نبوت بھی تھا اور ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال تھا قیدی لوگ دلدادہ ہو گئے یہاں تک کہ جیلر بھی بہت زیادہ متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میں خود مختار ہوتا تو آپ کو جیل سے رہا کر دیتا ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو اچھے طریقے پر رکھوں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۴۲۶ ج ۲)

یہ دو جوان جو نئے انہیں دنوں جیل میں داخل ہوئے تھے ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے بادشاہ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا تھا ان لوگوں نے ان دونوں کو استعمال کرنا چاہا ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جو اسے پینے کی چیزیں پلایا کرتا تھا اور دوسرا خباز یعنی روٹی تیار کرنے والا تھا' منصوبہ بنانے والوں نے ان دونوں سے کہا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا کر بادشاہ کو کھلا پلا دو' پہلے تو دونوں نے بات قبول کر لی کیونکہ رشوت کی پیش کش کی گئی تھی پھر ساقی تو منکر ہو گیا اور خباز نے رشوت قبول کر لی اور کھانے میں زہر ملا دیا' جب بادشاہ کھانے بیٹھا تو ساقی نے کہا کہ آپ کھانا نہ کھایئے کیونکہ اس میں زہر ہے اور خباز نے کہا آپ پینے کی کوئی چیز نہ پیجئے کیونکہ اس میں زہر ہے' بادشاہ نے ساقی سے کہا کہ تو یہ جو کچھ میرے پلانے کے لئے لایا ہے اس میں سے پی لے اس نے پی لیا تو کوئی نقصان نہ ہوا پھر بادشاہ نے خباز کو کہا کہ تو اس کھانے میں سے کھالے وہ انکاری ہو گیا پھر وہ کھانا ایک جانور کو کھلایا گیا وہ جانور کھا کر ہلاک ہو گیا بادشاہ نے ساقی اور خباز دونوں کو جیل بھجوادیا (بھیجنا تو چاہئے تھا صرف خباز کو لیکن تحقیق و تفتیش کی ضرورت سے ساقی کو بھی بھیج دیا) ان دونوں کو فکر پڑی ہوئی تھی کہ دیکھو کیا ہوتا ہے ہماری رہائی ہوتی ہے یا جان جاتی ہے اسی اثناء میں ان میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ وہ انگور سے شیرہ نچوڑ رہا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے (یہ خواب دیکھنے والا بادشاہ کا ساقی تھا) اور دوسرے یعنی (خباز) نے یہ خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے اور ان روٹیوں میں سے پرندے کھاتے جا رہے ہیں' دونوں نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب پیش کیا اور تعبیر دینے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ آپ ہمیں اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں اندازہ یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعبیر درست ہوگی' حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تعبیر بتانے کا اقرار فرما لیا لیکن پہلے توحید کی تبلیغ فرمائی۔ (من معالم التنزیل)

قَالَ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ
رَبِّيْ ۭ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ
اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ
اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ

Marfat.com

اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دوں گا یہ اس علم میں ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے' بلاشبہ میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے دین کا اتباع کیا ہے' یہ ہمارے لیے کسی طرح بھی درست نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں' یہ ہم پر اور دوسرے لوگوں پر اللہ کا فضل ہے اور لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے' اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو کیا بہت سے معبود جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ بہتر ہے جو تنہا ہے زبردست ہے' تم لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو وہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی' حکم بس اللہ ہی کا ہے' اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تعبیر دینے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور توحید کی دعوت دینا

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دونوں جوانوں نے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو ان سے فرمایا کہ میں کھانا آنے سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا لیکن اس سے پہلے تم مجھے پہچانو کہ میں کون ہوں' عالم مبلغ اور داعی کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے دعوت کے کام کے لیے طریقے سوچتا رہے اور راستہ نکالے اور ایسے موقع پر تو خاص طور پر موقع نکل آتا ہے جب کسی بے راہ کو مبلغ اور داعی کی ضرورت پڑ جائے' جب وہ اپنی حاجت لے کر آئے تو اس کو غنیمت جانے اور پہلے اپنی دعوت حق والی بات کہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا اور موقع مناسب جان کر توحید کی تبلیغ فرما دی' بظاہر تو یہ خطاب ان دونوں شخصوں کے لیے تھا جنہوں نے تعبیر پوچھی تھی لیکن حقیقت میں جیل کے تمام افراد کو توحید کی دعوت دینے کا راستہ نکل آیا کیونکہ ان دو شخصوں سے جو بات فرمائی وہ دوسرے قیدیوں بلکہ جیل کے عملہ سے چھپنے والی نہیں تھی اسی لئے خطاب میں سمیتم بصیغہ جمع فرمایا سمیتما بصیغہ تثنیہ نہیں فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اول تو اپنا تعارف کرایا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کو نہیں مانتے اور آخرت کے منکر ہیں بلکہ میں اپنے باپ یعقوب اور دادا اسحٰق و ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہوں جو موحد تھے اور توحید کے داعی تھے اور شرک سے بہت دور تھے اور ساتھ ہی شرک کی برائی عقلی طور پر بھی بیان فرمائی کہ ہمیں یہ کسی طرح سے زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو اللہ کا شریک بنائیں' جب اللہ نے پیدا کیا اور وہی رازق اور مالک ہے اور تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے تو پھر یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے' مزید فرمایا کہ یہ جو اللہ نے ہمیں عقیدہ توحید کی نعمت سے نوازا ہے اور جو کچھ علم عطا فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور ہم پر ہی نہیں ان سب لوگوں پر بھی اس کا فضل ہے جو ہماری بات مانیں اور ہماری طرح موحد ہو جائیں اور ہمارے ساتھ توحید کی دعوت دینے میں شریک ہو جائیں' ہر وہ شخص جسے اللہ نے کوئی بھی نعمت عطا فرمائی ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شرک کی مزید قباحت اور مذمت بیان کرتے ہوئے خود انہی پر ایک سوال ڈال دیا اور عقلی طور پر انہیں فکر مند بنا دیا تا کہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود جدا جدا تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبود حقیقی وحدہ لاشریک ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے؟ ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکے پھر سونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے

Marfat.com

سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوت کرو یہ کیا سمجھ داری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں پھر ان کی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔

مزید فرمایا کہ تمہارے جو معبود ہیں یہ صرف نام ہی نام ہیں ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں ہے ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کئے اور خود ہی ان کو معبود بنا لیا ہے انہیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے ہر فیصلہ وہی معتبر ہے جو اس کی طرف سے ہو اس نے تو ان چیزوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ جو کچھ غیر اللہ کی عبادت ہے سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں اور باطل تخیلات ہیں اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہ اپنی جہالت سے شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ ﴿۴۱﴾

اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھایا جائے گا اور اس کے سر میں سے پرندے کھائیں گے جس بات کے بارے میں تم معلوم کر رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر دینا

توحید کی دعوت دے کر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوانوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی فرمایا کہ دیکھو تم میں سے ایک شخص اپنے آقا کو شراب پلائے گا (یہ وہی شخص تھا جو بادشاہ کا ساقی تھا جو پہلے بھی بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا) اور اس کے علاوہ جو دوسرا آدمی ہے اس کو سولی دی جائے گی۔

یعنی سولی پر لٹکا کر قتل کیا جائے گا اور سولی اتارے جانے سے پہلے (جو وہ لٹکا رہے گا) اس کے سر میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھاتے رہیں گے۔ تم نے جو خواب دریافت کیا ان کی یہ تعبیر ہے اور جو میں نے تعبیر دی اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کی تعبیر دیدی تو وہ کہنے لگے کہ نہیں نہیں ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ ہم تو یوں ہی دل لگی کے طور پر سوال لے کر آئے تھے اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ﴾ جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے اب تو وہی فیصلہ ہوگا جو تعبیر کے ذریعہ بتایا جا چکا ہے۔ (روح المعانی ص ۲۴۲ ج ۱۲)
اس بنا پر بعض علماء نے کہا ہے کہ جو شخص جھوٹا خواب بنا کر کسی تعبیر کے جاننے والے سے تعبیر لے گا تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جائے گا اور جھوٹ بنانے کی اسے سزا مل جائے گی۔ (ابن کثیر ص ۴۸۹ ج ۲)

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾

اور جن دو جوانوں نے خواب کی تعبیر دریافت کی تھی ان میں سے جس شخص کے بارے میں یوسف نے گمان کیا کہ وہ رہا ہونے والا ہے اس سے کہا کہ تو اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کر دینا پھر اس شخص کو شیطان نے اپنے آقا سے تذکرہ کرنا بھلا دیا سو یوسف جیل میں چند سال رہے۔

Marfat.com

حضرت یوسف علیہ السلام کا نجات پانے والے قیدی سے یہ فرمانا کہ تم اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا اور آپ کا مزید چند سال جیل میں رہنا

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں جوانوں کے خواب کی تعبیر دے دی جن میں سے ایک شخص کے سولی دیئے جانے کا اور ایک شخص کے جرم سے اور جیل سے خلاصی پا جانے کا ذکر تھا جس شخص کے بارے میں اپنی تعبیر کے مطابق انہیں یہ خیال ہوا کہ اسے نجات ہو گی اس سے فرمایا کہ رہائی پا کر تم اپنے آقا کے پاس جاؤ تو اس سے میرا تذکرہ کر دینا کہ جیل میں ایک ایسا شخص ہے۔

واقعہ مذکورہ میں قصوروار تو عزیز مصر کی بیوی تھی لیکن جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بند کر دیا گیا تھا جو بے قصور تھے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسے جزوی معاملات کی سربراہ مملکت یعنی بادشاہ کو بھی اطلاع ہو اور اگر اسے خبر بھی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ جسے جیل میں ڈالا گیا ہے اس کے بے قصور ہونے کا علم بھی ہو۔ اس لیے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب جانا کہ بادشاہ کو اپنی شخصیت سے متعارف کرا دیں خواہ مخواہ جیل میں پڑا رہنا وہ بھی بغیر کسی قصور کے کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔ تکوینی طور پر جو کوئی مصیبت آ جائے اس پر صبر کرنا چاہئے لیکن اس مصیبت سے نکلنے کی کوشش کی جائے یہ بھی کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل کی مصیبت سے چھٹکارے کا ایک ذریعہ ملا اسے استعمال فرما لیا یعنی جس شخص کے بارے میں یہ گمان ہوا کہ جیل سے رہائی پا کر اپنے آقا کی خدمت میں پھر لگا دیا جائے گا اس سے فرمایا کہ تو اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا کہ جیل میں ایک ایسا شخص ہے۔ وہ شخص جیل سے رہا تو ہو گیا اور آقا کی خدمت میں بھی لگ گیا لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے آقا سے ذکر کرے لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام مزید جیل میں رہے۔ قرآن مجید میں ﴿فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾ فرمایا ہے کتنے سال جیل میں رہنا ہوا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صاحب روح المعانی نے سات سال اور بارہ سال کے اقوال لکھے ہیں لفظ بضع تین سے لے کر نو تک کے عدد پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال قرآن کے بیان سے بہر حال یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر دینے سے نجات پانے والے قیدی سے اپنی بات کہہ دینے کے بعد بھی چند سال جیل میں رہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَ
أُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ
أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ
أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ
يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ۖ فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا
مِّمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا
تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

اور بادشاہ نے کہا کہ بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات گائیں موٹی ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں

Marfat.com

ہری ہیں اور ان کے علاوہ خشک بالیں ہیں اے درباروالو مجھے میرے خواب کے بارے میں جواب دو اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی خیالی خواب ہیں' اور ہم خوابوں کی تعبیر دینا جانتے نہیں ہیں' اور وہ شخص بول اٹھا جو دو قیدیوں میں سے رہا ہوا تھا اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آ گیا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر سے باخبر کردوں گا لہٰذا تم لوگ مجھے بھیج دو۔ اے یوسف اے سچے ہمیں ایسی سات موٹی گایوں کے بارے میں جواب دیجئے جنہیں سات دبلی گائیں کھائے جارہی ہیں اور سات ہری بالوں اور ان کے علاوہ خشک بالوں کے بارے میں بتائیے تاکہ میں ان لوگوں کی طرف واپس ہو جاؤں امید ہے کہ وہ بھی جان لیں گے۔ یوسف نے کہا کہ سات سال لگاتار متواتر کھیتی تار کرو گے پھر جو تم کھیتی کاٹ لو تو اسے اس کی بالوں ہی میں چھوڑے رکھنا مگر تھوڑا سا جس سے تم کھاتے رہو' پھر اس کے بعد سخت سات سال آئیں گے جو اس سب کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے سے بچا کر رکھا ہو گا بجز اس کے جو تم چھوڑو گے' پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہو گی اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تعبیر دینا

اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر کے مطابق جب حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل سے رہا ہونے کا وقت آ گیا تو اس کا یہ بہانہ بنا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا یہ ایک عجیب خواب تھا اور وہ یہ کہ سات موٹی موٹی گائیں ہیں انہیں سات دبلی گائیں کھائے جارہی ہیں نیز سات ہری بالیں ہیں اور ان کے علاوہ ایسی بالیں ہیں جو خشک ہیں۔ یہ خشک بالیں ہری بالوں پر لپٹ رہی ہیں ان کے لپٹنے سے وہ ہری بالیں بھی خشک ہو گئیں' بادشاہ نے اپنا خواب اپنے درباریوں سے بیان کیا اور ان سے کہا کہ میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم تعبیر دینا جانتے ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو یہ خواب تعبیر کے لائق ہی نہیں ہے ادھر ادھر کے خیالات ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے اور ہم تعبیر دینا جانتے بھی نہیں ہیں آپ کے خیالات پریشانی کی وجہ سے ہیں کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ یہ باتیں اس شخص کے کان میں پڑ گئیں جو جیل سے رہا ہو کر دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں لگا لیا گیا تھا وہ کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسا شخص معلوم ہے جو اس خواب کی صحیح تعبیر دے دے گا آپ لوگ مجھے بھیج دیں میں اس خواب کی تعبیر لے کر آتا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں جو خواب کی تعبیر دی تھی اس نے سمجھ لیا کہ اس خواب کی تعبیر وہی صاحب دے سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے خواب کی تعبیر دی تھی اس شخص کو لوگوں نے روانہ کر دیا جیل میں جا کر اس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دے دی وہ شخص واپس آیا اور درباریوں کو خواب کی تعبیر بتائی جس سے وہ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب فرمالیا جس کا آئندہ آیات میں ذکر آرہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تعبیر دی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سات سال متواتر ایسے آئیں گے جن میں خوب پیداوار ہو گی اور پھر سات سال ایسے آئیں گے جن میں قحط ہو گا یہ قحط کے سات سال گزشتہ سالوں کی جمع شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے سات موٹی گایوں اور سات ہری بالوں سے وہ سات سال مراد ہیں جو خوب ہرے بھرے ہوں گے اور خوب پیداوار کا زمانہ ہو گا اور سات دبلی گایوں سے اور سوکھی ہوئی سات بالوں سے قحط کے سات سال مراد ہیں ان سات سالوں میں گزشتہ سات سالوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ سب ختم ہو جائے گا تھوڑا سا جو اگلی پیداوار کی تخم ریزی کے لیے چھوڑے رکھو گے وہی بچ جائے گا' حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف تعبیر دی بلکہ قحط کے سات سالوں کی معیشت پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتادیا اور فرمایا کہ پہلے سات سالوں میں جو لگ کر محنت اور کوشش کے ساتھ کھیتی کرو گے جب اس کھیتی کو کاٹو تو بس کھانے کی ضرورت بقدر ہی بالیوں میں سے دانے نکالنا باقی دانے بالوں میں ہی رہنے دینا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بالوں کے اندر جو غلہ رہتا ہے اسے گھن نہیں لگتا' کیڑا نہیں کھاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ قحط کے سات سال گزر جانے کے بعد ایک سال ایسا آئے جس میں خوب بارش ہو گی اور اس کی وجہ سے کھیتیاں بھی خوب ہوں گی اور باغوں میں بھی خوب پھل آئیں گے ان پھلوں میں انگور بھی ہوں گے جنہیں لوگ نچوڑ کر شراب بنائیں گے'

Marfat.com

بعض حضرات نے لفظ یَعْصِرُوْنَ کا معنی عام لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ انگور ہی کو نہیں نچوڑیں گے بلکہ دوسری چیزوں کو بھی نچوڑیں گے مثلاً زیتون کا تیل اور تل تیل نکالیں گے وغیرہ ذالک مطلب یہ ہے کہ پیداوار خوب ہوگی بافراغت زندگی گزاریں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّىْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے آؤ سو جب قاصد یوسف کے پاس آیا تو یوسف نے کہا کہ تو اپنے آقا کے پاس واپس جا پھر اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے' بے شک میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے' اس نے کہا کہ اے عورتو! تمہارا کیا واقعہ ہے جب کہ تم نے یوسف سے اپنی مطلب براری کی خواہش کی' انہوں نے جواب میں کہا حاش للہ ہم اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ ہمارے علم میں ایسی کوئی بات نہیں کہ ہم یوسف کی طرف کوئی برائی منسوب کرسکیں' عزیز کی بیوی نے کہا اس وقت حق ظاہر ہو گیا میں نے ہی اپنی مطلب براری کے لیے اسے پھسلایا اور بے شک وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور بلاشبہ اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو نہیں چلنے دیتا' اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا بلاشبہ نفس برائی کرنے کا خوب زیادہ حکم دیتا ہے۔ بجز اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے بیشک میرا رب غفور ہے رحیم ہے

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب کرنا اور آپ کا تحقیق حال کے بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دے دی اور جو شخص تعبیر پوچھنے کے لیے آیا تھا اس نے واپس جا کر تعبیر بتا دی تو لوگوں کی سمجھ میں بات آ گئی اور بادشاہ نے سمجھ لیا کہ واقعی یہ تعبیر بتانے والا کوئی صاحب علم ہے جو تعبیر خواب کے فن میں ماہر ہے۔ اس نے صرف تعبیر ہی نہیں دی بلکہ معیشت پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ پہلے سات سال کی پیداوار کو محفوظ رکھنا اور دانوں کو بالوں کے اندر ہی رہنے دینا تا کہ اسے کیڑا نہ کھا جائے اس پر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا شوق ہوا اور اس نے آدمی بھیجا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کی خواہش کا اظہار کر دیا اور یوں کہا کہ بادشاہ نے آپ کو یاد کیا ہے اور طلب کیا ہے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت تک جیل سے نہ نکلوں گا جب تک یہ بات صاف نہ ہو جائے کہ مجھے جس واقعہ کی وجہ سے جیل میں ڈالا گیا ہے اس واقعہ میں کس کا قصور تھا۔ قاصد سے کہا کہ تو واپس جا اور بادشاہ سے تحقیق کر کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ان سے دریافت کرے کہ اس موقعہ پر اصل صورت حال کیا تھی ان کا قصور تھا یا میرا قصور تھا (عزیز مصر کی بیوی نے تو خواہش ظاہر کی ہی تھی دوسری عورتیں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر ان پر ریجھ گئی تھیں) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلانے لگی اور دعوت دینے لگی تھیں (کمافی روح المعانی ص ۲۴۵ ج ۱۲)۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سن کر قاصد واپس آیا اور اس نے بادشاہ سے حضرت یوسف کی بات نقل کر دی تو اس نے عورتوں سے پوچھا کہ صحیح صورت حال بتاؤ وہ کیا واقعہ ہے جس میں تم یوسف کی طرف

Marfat.com

مائل ہو رہی تھیں اور انہیں پھسلا رہی تھیں، ان عورتوں نے جواب دیا ہم نے یوسف میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف کوئی برائی منسوب کر سکیں، اگر ہم کوئی ایسی بات کہہ دیں جو حقیقت کے خلاف ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم اپنی بات کو سچا بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ یہ بات اللہ کے علم میں بھی ہے اللہ کا علم تو صحیح ہے ہم ایسی بات کہہ کر غلط بات اللہ کے علم کی طرف کیسے منسوب کریں گی؟ لفظ حاش للہ میں اسی مضمون کو بتایا ہے، جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر کر دی تو عزیز مصر کی بیوی بول پڑی کہ اس وقت حق ظاہر ہو گیا یوسف بے قصور ہے میں قصوروار ہوں میں نے ہی اسے اپنی طرف بلایا اور پھسلایا تھا یوسف نے جو یہ کہا ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي﴾ (کہ اس عورت نے مجھے پھسلایا) اس میں وہ سچا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اس بات کا علم ہو گیا کہ شاہی دربار میں میری براءت اور عفت و عصمت عورتوں کے اپنے اقرار سے ثابت ہو چکی ہے تو فرمایا ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾ کہ میں نے جو جیل سے نکلنے میں دیر لگائی اور صورت حال کی تحقیق کے لیے بادشاہ کو آمادہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ عزیز مصر کو پتہ چل جائے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کے گھر میں کوئی خیانت نہیں کی ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴾ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو نہیں چلنے دیتا (چنانچہ عزیز مصر کی بیوی نے جو خیانت کی تھی تحقیق کرنے پر خود اس کے اپنے اقرار سے اس کا خائن ہونا ثابت ہو گیا)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتاتا نفس انسانی کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بار بار برائی کا حکم دیتا ہے، ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے وہ نفس امارہ کے شر سے بچ سکتا ہے بلکہ اس کا نفس ہی برائی کا حکم نہیں دیتا (وھو شان الانبیاء علیہم السلام) میرا کمال نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ اس نے مجھے بچا لیا چونکہ اپنی تعریف اور اپنا تزکیہ اچھی بات نہیں ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت ظاہر ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا، سورۃ نجم میں ارشاد ہے ﴿فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ اپنے نفسوں کی پاک بازی بیان نہ کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔

فائدہ: جب بادشاہ کا قاصد آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں بلکہ اس واقعہ کی تحقیق کرنے کی فرمائش کی جو عزیز مصر کے گھر میں پیش آیا تھا اور اس کی بیوی نے اپنی خطا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سر منڈھنے کی کوشش کی تھی، اس میں دو حکمتیں تھیں۔ اول تو یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تبلیغ و اصلاح کا تھا جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو جب تک وہ صاف نہ ہو جائے اور تہمت کا جھوٹا ہونا ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک لوگوں میں تبلیغ مؤثر نہیں ہو سکتی لوگ کہیں گے کہ واہ میاں تم ہمیں تبلیغ کرتے ہو اور تمہارا اپنا یہ حال ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو اپنی ذات کو گناہوں سے اور شکوک و شبہات سے دور رکھنا اور مواضع تہمت سے بچ کر رہنا چاہئے اور اگر کوئی تہمت لگ جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی صفائی کی کوشش کی جائے کیونکہ مطعون اور متہم ہو کر رہنا کوئی کمال کی چیز نہیں ہے اور نہ کوئی محمود چیز ہے۔ خاص کر جو لوگ دین داری میں مشہور ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو دعوت کا کام کرتے ہیں تعلیم و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں انہیں اپنی پوزیشن صاف رکھنی چاہئے اگر کوئی شخص تہمت لگا دے تو اس کی تردید کرے اور ایسی تدبیر کرے کہ لوگوں کے سامنے اس کی ذات مطعون اور متہم نہ بنی رہے۔ بہت سے لوگوں کو اس طرف توجہ نہیں رہتی وہ کہتے ہیں کہ اجی لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے جھوٹا اپنے جھوٹ کی سزا پالے گا، ہمیں تردید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کیونکہ اول تو عوام الناس کی خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے لوگوں کو غیبت اور تہمت میں مبتلا رکھنا یہ کوئی اچھی بات نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ مطعون اور متہم ہوتے ہوئے لوگوں کے پاس دینی بات لے کر جائیں گے تو وہ اثر نہ لیں گے اپنا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ اپنی حیثیت کو صاف ستھرا رکھیں اور دوسروں کا بھی فائدہ اسی میں ہے تاکہ وہ غیبت سے محفوظ ہو جائیں اور انہیں داعی کی طرف سے جو بات پہنچے اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ حضرات معلمین مصلحین، مرشدین، مبلغین حضرات کو اس طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اندازہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بڑا مرتبہ عطا فرمائے گا

Marfat.com

خواب میں گیارہ ستاروں اور چاند وسورج کا ان کو سجدہ کرنا اور بھائیوں نے جب انہیں کنویں میں ڈال دیا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ وحی آنا کہ یہ بات تم انہیں بتاؤ گے اس سے ظاہر تھا کہ انہیں دنیا میں بھی کوئی بڑا اعزاز ملے گا لیکن ساتھ ہی ان پر تہمت بھی لگ گئی تھی انہوں نے مناسب جانا کہ میری حیثیت کو جو دھبہ لگایا گیا ہے وہ دھبہ دور ہو جائے بادشاہ جو بلا رہا ہے یہ اعزاز ملنے کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے لہٰذا جب موقعہ مل رہا ہے تو اپنی حیثیت کو صاف کر دینا چاہئے تا کہ عہدہ ملنے کے بعد جن لوگوں سے واسطے پڑے ان کے دلوں میں یہ تکدر نہ آئے کہ اچھا یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں ایسا ایسا مشہور ہے جب کسی عہدہ والے کے بارے میں اس طرح کی بات پھیلی ہوئی ہو تو صاحب عہد کے دل میں بھی تکدر رہتا ہے اور کار مفوضہ کے ادا کرنے میں بشاشت نہیں ہوتی۔

یہاں ایک حدیث کا مضمون بھی سامنے رکھنا چاہئے' حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں جیل میں اتنی مدت رہا ہوتا جتنی مدت یوسف جیل میں رہے پھر میرے پاس قاصد آتا تو میں اس کی بات مان لیتا (یعنی اسی وقت جیل سے نکل کر اس کے ساتھ چلا جاتا۔) (رواہ البخاری ج ا۔ص ۴۷۸)

رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیوں فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ علی سبیل التواضع ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے حاشیہ بخاری (ج ا ص ۴۷۹) میں شاہ اسحٰق صاحب سے نقل کیا ہے کہ آپ نے تبلیغ کے شوق شدید میں ایسا فرمایا یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ جیل سے جلدی نکل کر توحید کی دعوت میں اور احکام الٰہی کے پہنچانے میں لگ جاتا اور آگے پیچھے کچھ نہ دیکھتا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِىْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۗ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ میں اسے خالص اپنے لئے رکھوں گا پھر جب ان سے بات کی تو کہا بیشک آج تم ہمارے پاس باعزت ہو معتبر آدمی ہو' یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں ان کی حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں' اور ہم نے اسی طرح یوسف کو زمین میں با اختیار بنا دیا اس میں جہاں چاہے رہے ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں اور ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے' اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار بننا

مصر کے بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر سنتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلانے کی فرمائش کر دی تھی اور اس مقصد کے لیے قاصد کو ان کے پاس جیل میں بھیج دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک جیل سے نکلنا گوارہ نہ فرمایا جب تک عزیز کی بیوی کی لگائی ہوئی تہمت سے برأت نہ ہو جائے۔ اس لیے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہو کہ معاملہ کی تحقیق کرے اور عورتوں سے پوچھے کہ صحیح صورت حال کیا ہے؟ بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کر دی عزیز کی بیوی بھی اقراری ہو گئی کہ میرا قصور تھا یوسف کا قصور نہیں تھا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی لہٰذا بادشاہ نے دوبارہ قاصد بھیجا تو اس کے ساتھ تشریف لے آئے بادشاہ نے اول تو خواب کی تعبیر مل جانے کی وجہ سے اور پھر تعبیر میں معیشت کے انتظام کی طرف جو اشارہ فرمایا تھا اس کے

Marfat.com

جان لینے سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس حوصلے سے کہ میں بات کی صفائی ہونے تک جیل سے نہیں جاؤں گا یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم بھی ہے تعبیر خواب میں ماہر بھی ہے اور متقی اور صالح بھی ہے اور ہمت اور حوصلے والا بھی ہے لہٰذا اسے اپنے پاس بلانا چاہئے اور اپنے مشوروں اور انتظامی امور میں ان کو خاص درجہ دینا چاہئے' اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ میں اسے خالص اپنے ہی لئے مقرر کرلوں گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے اور بادشاہ مصر سے ملاقات ہوئی تو آپس میں گفتگو ہونے لگی اس گفتگو سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اور زیادہ قیمت و وقعت بڑھ گئی اسے جو اپنے خواب کی تعبیر پہنچی تھی اس میں یہ بتایا تھا کہ اول کے سات سال سرسبزی اور شادابی کے ہوں گے اور اس کے بعد والے سات سال ایسے ہوں گے جن میں قحط پڑے گا اس کے لیے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا اول کے سات سالوں میں خوب زیادہ کاشت کرانے اور غلہ اگانے کی طرف توجہ دی جائے اور جو پیداوار ہو اس میں سے بقدر ضرورت ہی کھائیں پئیں اور جو باقی بچے اسے محفوظ رکھیں اور پہلے بتا چکے تھے کہ غلے کو بالوں سے نہ نکالیں اسے انہیں میں رہنے دیں اور اسی طرح اسی کو ذخیرہ بنایا جائے' حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قحط صرف تمہارے ہی ملک میں نہیں آس پاس کے دیگر ملکوں میں بھی ہوگا وہاں کے حاجت مند غلہ لینے کے لیے آپ کے پاس آئیں گے ذخیرہ شدہ غلہ سے ان کی مدد بھی کریں اور تھوڑی بہت قیمت بھی ان سے وصول کریں اس طرح سے سرکاری خزانہ میں بھی مال جمع ہو جائے گا اور لوگوں کی مدد بھی ہو جائے گی' شاہ مصر اس مشورہ سے بہت خوش اور مطمئن ہوا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوال کیا کہ اس منصوبہ پر کیسے عمل ہوگا اور کون اس کے مطابق عمل کر سکے گا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ﴾ کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے ﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ بلاشبہ میں حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں' چونکہ مالیات کا انتظام کرنے میں ایسی بیدار مغزی کی ضرورت ہے جس سے مال کی حفاظت ہو سکے چور بھی نہ لے سکیں اور نیچے کے لوگ بھی بیجا نہ اڑا سکیں اور بے وقت' بے محل اور بے ضرورت بھی خرچ نہ کیا جائے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں علیم ہوں یعنی حفاظت کے طریقے بھی جانتا ہوں خرچ کرنے کے مواقع سے بھی باخبر ہوں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں (یعنی سرزمین مصر میں) بااختیار بنا دیا ﴿يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ﴾ (وہ اس میں جہاں چاہے اپنا رہنا سہنا کرے) ﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ﴾ (ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں) اللہ تعالیٰ کی رحمت جسے شامل حال ہو جائے وہ کیسی ہی مصیبت ہو مصیبت میں سے نکل کر اچھے رتبہ پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ کی طرف سے کسی کے بلند کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی چیز اسے آڑے نہیں آسکتی اور مانع نہیں بن سکتی۔ ﴿وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (اور ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) محسنین کو دنیا میں بھی نواز دیتے ہیں اور آخرت میں بھی ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے' اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ محسنین کو جو کچھ انعام عطا فرما دے بلاشبہ وہ اپنی جگہ انعام ہے لیکن آخرت کا ثواب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لیے بہتر ہے' اسی کا طالب رہنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام منتظم مالیات اور منتظم معاشیات تو بنا دیئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید کے سیاق سے معلوم ہوا مفسرین نے لکھا ہے کہ دیگر امور سلطنت بھی بادشاہ نے ان کے سپرد کر دیئے تھے اور خود گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

یہاں مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ خود سے عہدہ کا طالب نہ ہونا چاہئے اور جو شخص عہدہ کا طالب ہو اسے عہدہ نہ دیا جائے احادیث شریفہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے امارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (رواہ البخاری)

Marfat.com

اور ایک حدیث میں ہے (جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انا واللہ لا نولی علی هذا العمل احدا ساله ولا احدا حرص علیه۔ اللہ کی قسم ہم اپنے کام پر ایسے شخص کو نہیں لگاتے جو اس کا سوال کرے یا اس کی حرص کرے (رواہ البخاری)۔ جب مسئلہ اس طرح سے ہے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے لیے عہدہ کا مطالبہ کیوں فرمایا؟ حضرات علماء کرام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عامۃ الناس کی خیر خواہی کے لیے عہدہ کا سوال کیا انہیں معلوم تھا کہ سات سال تک ایک زبردست قحط آنے والا ہے۔ جب عام قحط پڑتا ہے تو لوگوں کی بری حالت ہوتی ہے ایک دوسرے پر رحم نہیں کھاتے اپنے بچوں تک کو بیچ کر کھا جاتے ہیں' بادشاہ کافر ہے اس کا عملہ بھی کافر ہے قحط کا سامنا ہے' اس میں بڑے انتظام کی ضرورت ہے کافروں سے امید نہیں جو غریبوں پر رحم کھائیں اور کوئی ایسا شخص سامنے نہیں جو معیشت کا انتظام سنبھال سکے لہٰذا انہوں نے اس خدمت کے لیے اپنی ذات کو پیش کر دیا یہ تو ٹھیک ہے کہ عام حالات میں خود سے عہدہ طلب نہ کیا جائے اور جو عہدہ طلب کرے اسے نہ دیا جائے لیکن جہاں کہیں ایسی صورت پیش آ جائے کہ مبتلیٰ بہ محسوس کرے کہ میرے علاوہ فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ذریعہ میں اس کام کو انجام دیتا رہوں گا تو ایسے شخص کے لیے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ عہدہ کی ذمہ داری خود سنبھال لے اور آگے بڑھ کر لے لے' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے علم دیا تھا اور انتظام کے لیے جس ہوشمندی کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھی اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے جس سے انہیں ہر وقت اللہ کی مدد کی امید تھی اور عہدہ پر فائز ہو کر توحید کی اشاعت اور تبلیغ حق کا راستہ کھلنے کا بھی بہت اچھا موقع تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ عہدہ قبول فرمالیا بلکہ خود سے اس کا بار اٹھانے کی پیش کش کر دی اور بادشاہ کو مطمئن کرنے کے لیے ﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ بھی فرمادیا' اس سے معلوم ہوا کہ اپنا علم وفضل کسی صورت سے ظاہر کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں حظ نفس نہ ہو اور تزکیہ نفس مقصود ہو۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کافر کی طرف سے عہدہ قبول کرنا اور کافر کی حکومت کا جز و بننا حضرت یوسف علیہ السلام نے کیسے گوارہ فرمایا جبکہ کافر حکومت کا کارکن بننے میں قوانین کفریہ کو برداشت کرنا بلکہ ان کو نافذ کرنا پڑتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذمہ مالیات کا انتظام لیا تھا اور انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی صوابدید کے مطابق انتظام کریں اور غلہ تقسیم کریں اپنے متعلقہ عہدے میں مختار ہونے کی صورت میں قانون کفریہ اور مظالم سلطانیہ کے نافذ کرنے کے لیے مجبور نہ ہوا پنا مفوضہ کام انجام دیتا ہے ایسی صورت میں کافروں کی طرف سے عہدہ قبول کرنے میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ (قال صاحب الروح ج ۱۳۔ ص ۵) وفیه دلیل علی جواز مدح الانسان نفسه بالحق اذا جهل امره وجواز طلب الولایة اذا کان الطالب ممن یقدر علی اقامة العدل واجراء الاحکام الشریعه وان کان من ید الجائر والکافر و ربما یجب علیه الطلب اذا توقف علی ولایته اقامة واجب مثلا وکان متعینا لذلك' وقال النسفی فی المدارك ج ۲ ص ۲۲۷ وانما قال ذلك لیتوصل الی امضاء احکام الله و اقامة الحق وبسط العدل والتمکن مما لاجله بعث الانبیاء الی العباد ولعلمه ان احدا غیره لا یقول مقامه فی ذلك فطلبه ابتغاء وجه الله لا لحب الملك والدنیا. قالوا وفیه دلیل علی انه یجوزان یتولی الانسان عمالة من ید سلطان جائر وقد کان السلف یولون القضاء من جهة الظلمة.

وقیل کان الملك یصدر عن رایه ولا یعترض علیه فی کل مارای وکان فی حکم التابع له.

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ
قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ
تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ

Marfat.com

قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور یوسف کے بھائی آئے سو وہ ان کے پاس اندر چلے گئے سو یوسف نے انہیں پہچان لیا اور وہ انہیں نہیں پہچان رہے تھے اور جب یوسف نے انہیں سامان تیار کر دیا تو فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اسے میرے پاس لے آنا کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرنے والا ہوں سو اگر تم اس بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہے جو میں تمہیں ناپ کر دوں اور میرے پاس مت آنا' بھائیوں نے کہا کہ ہم اس کے باپ سے اس کے بارے میں درخواست کریں گے اور ہمیں یہ کام ضرور کرنا ہے' اور یوسف نے اپنے خدمت گزاروں سے کہا کہ ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھ دو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جائیں تو اسے پہچان لیں شاید وہ پھر واپس آ جائیں پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ اے ابا جان ہمیں غلہ دینے کی ممانعت کر دی گئی ہے سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ان کے والد نے کہا کیا میں اس پر تمہارا اعتبار کروں مگر جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی پر تمہارا اعتبار کر چکا ہوں' سو اللہ سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

برادران یوسف کا غلہ لینے کے لیے مصر آنا اور سامان دے کر آپ کا یہ فرمایا کہ آئندہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا اور ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھوا دینا

سرسبزی و شادابی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط آ گیا یہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا آس پاس کے علاقوں میں بھی تھا۔ ملک شام بھی مصر کے ساتھ ملتا ہے یہاں بھی قحط تھا اور غلے کی ضرورت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی سرزمین فلسطین میں رہتے تھے جو شام کا ایک حصہ ہے ان لوگوں کو بھی علم ہوا کہ مصر میں غلہ ملتا ہے اور حکومت کی طرف سے دیا جا رہا ہے لیکن حکومت کا یہ دینا مفت میں نہیں ہے غلہ حاصل کرنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر کے لئے روانہ ہو گئے ساتھ ہی مال بھی لیا تا کہ اس کے ذریعہ غلہ حاصل کر سکیں وہ زمانہ اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کرنے کا تھا یہ لوگ سفر کر کے مصر کی خدمت میں پہنچ گئے جہاں وہ اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے محکموں کے جو افسر اعلیٰ ہوتے ہیں وہ خود تو اشیاء و اجناس اپنے ہاتھ سے تقسیم نہیں کرتے ان کے کارندے ہی تقسیم کرتے ہیں لیکن منظوری افسر اعلیٰ سے ہی لی جاتی ہے کہ کس کو مال دیا جائے اور کس قدر دیا جائے اس لیے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا پڑا' جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے بھائی ہیں یہ دس بھائی تھے جو پہلی والدہ سے تھے (حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین نامی ان کے ساتھ نہیں تھا) بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ جسے ہم نے کنعان کے جنگل میں مصر کے قافلے کے کسی شخص کے ہاتھ بیچ دیا تھا وہ آج اتنے بڑے عہدہ پر ہو گا' حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی تدبیر سے ان سے یہ کہلوا لیا کہ ہمارا ایک بھائی اور ہے جسے ہم اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے ہیں اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ بھر کر ان سب کو دے دیا تو انہوں نے کہا ہمارا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی ہے اس کو ہمارے والد نے اس وجہ سے پاس رکھ لیا ہے اور ہمارے ساتھ نہیں بھیجا کہ ان کا ایک بیٹا گم ہو گیا تھا اس سے ان کی دلبستگی ہوتی ہے اور تسلی ہوتی ہے اس لئے اس کا حصہ بھی دے دیا جائے یعنی ایک اونٹ کا غلہ زیادہ مل

Marfat.com

جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ تو ہمارے قانون کے خلاف ہے جو شخص حاضر ہوتا ہے ہم اسی کو دیتے ہیں۔

برادران یوسف جب غلہ حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آنا ہو تو اپنے علاتی بھائی کو بھی لے آنا دیکھو میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی بھی کرتا ہوں تمہارا وہ بھائی آئے گا تو ان شاء اللہ اس کو بھی پورا حصہ دوں گا اور ساتھ یہ فرمادیا کہ اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس تمہارے نام کا کوئی غلہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا قحط کا زمانہ تو تھا ہی فی اونٹ جو غلہ ملا تھا اس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ کتنے دن کام دے سکتا ہے دوبارہ آنے کی بہر حال ضرورت پڑے گی اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے والد سے عرض معروض کریں گے اور انہیں راضی کریں گے کہ اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ یہ لوگ جو پونجی لے کر آئے ہیں جس کے ذریعے غلہ خریدا ہے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے کجاووں میں رکھ دیں امید ہے کہ جب یہ لوگ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں گے اور سامان کھولیں گے تو یہ انہیں نظر آجائے گی اور اسے پہچان لیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم غلے کی قیمت میں دے کر آئے ہیں جب اس پونجی کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ پھر آئیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر اس لیے کی کہ وہ کسی طرح پھر واپس آئیں اور اپنے بھائی کو بھی لے کر آئیں اول تو ان سے آنے کا وعدہ لیا کہ جس بھائی کو چھوڑ آئے ہو اسے آئندہ سفر میں لے کر آنا اور دوسرے یہ وعید بھی سنادی کہ اگر تم اس بھائی کو نہ لائے تو تم میں سے کسی کو اپنا حصہ بھی نہ ملے گا تیسرے یہ کیا جو پونجی انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر پیش کی تھی وہ انہیں کے سامان میں رکھوادی۔ علماء تفسیر نے فرمایا کہ یہ انہوں نے اس لیے کیا کہ انہیں اس کا یقین نہ تھا کہ ان کے پاس اس پونجی کے علاوہ مزید مال بھی ہوگا ممکن ہے مزید مال نہ ہو اگر یہ مال واپس چلا جائے گا تو اسی کو لے کر دوبارہ واپس آسکیں گے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب انہیں یہ خیال ہوگا کہ جس شخص نے ہمیں غلہ دیا اور پونجی بھی واپس کر دی وہ کریم النفس ہے محسن ہے ایسے شخص کے پاس تو پھر جانا چاہئے' اور بعض حضرات نے ایک نکتہ اور نکالا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت والد صاحب کو یہ معلوم ہوگا کہ ہماری پونجی واپس آگئی ہے جو مصری خزانے میں داخل ہونی چاہئے تھی اور ازاغلب ہے کہ بھول کر آگئی ہو لہٰذا حق بہ حق دار رسید کے تقاضے کے مطابق وہیں پہنچانی چاہئے جہاں سے واپس آئی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ کہاں برداشت ہو سکتا تھا کہ کسی کا حق ان کی طرف رہ جائے' لہٰذا وہ اپنے بیٹوں کو دوبارہ ضرور بھیجیں گے اور اس طرح سے اپنے حقیقی بھائی بنیامین سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام نے خود ہی مشورہ دیا تھا کہ قحط کے زمانے میں غلہ قیمتاً دیا جائے گا اور اس میں کوئی استثناء نہیں تھا تو پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کی پونجی کیسے واپس کر دی؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی پونجی انہوں نے اپنے پاس سے شاہی خزانے میں جمع فرمادی' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انہیں چونکہ اس بات کا یقین تھا کہ والد ماجد علیہ السلام اس پونجی کو ضرور واپس بھجوادیں گے اس لیے ایک اعتبار سے ادھار دینا ہوا بالکل ہی بخش دینا نہ ہوا' بہر حال جو بھی صورت ہو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پاک تھے' معصوم تھے' خیانت سے دور تھے انہوں نے جو بھی کیا ٹھیک کیا ہم تک ہر بات کا پہنچنا ضروری نہیں۔

یہ لوگ غلہ لے کر اپنے وطن پہنچ گئے اور اپنے والد سے کہا کہ اباجی اس مرتبہ تو غلہ لے آئے ہیں لیکن جو شخص غلہ دینے کا مختار ہے اس نے ہمیں غلہ دینے کی پابندی لگادی ہے اور بندش کر دی ہے ہاں صرف ایک صورت میں غلہ دینے کا وعدہ کیا ہے کہ ہمارا یہ بھائی بھی ہمارے ساتھ جائے لہٰذا آپ ہمارے اس بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لاسکیں اس کے حصے کا تو غلہ ملے ہی گا ہمارے حصہ پر جو پابندی لگادی گئی ہے وہ بھی دور ہو جائے گی یہ بات ضرور ہے کہ آپ کو ہماری طرف سے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ ہو سکتا ہے لیکن آپ بھروسہ رکھیں ہم اس کی حفاظت کریں گے' ان کے والد نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسا ہی بھروسہ کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ میں تم پر بھروسہ نہیں کروں گا' اب تو بس یہ ہی کہتا ہوں کہ اللہ سب سے بہتر حفاظت فرمانے والا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے تمہارے اوپر میں بھروسہ نہیں کرتا اب جاؤ تو اسے لے جانا میں اسے اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں۔

قال صاحب الروح استفهام انكارى الاكما امنتكم اى الا ائتمانا مثل ائتمانى اياكم على اخيه يوسف من قبل وقد

Marfat.com

قلتم ایضا فی حقه ماقلتم ثم فعلتم به ما فعلتم فلا اثق بکم ولا بحفظکم وانما افوض امری الی الله ص ۱۱ ج ۳ اقلت و باعتبار ان لفظة هل جاء ت للاستفهام الانکاری الذی یدل علی النفی جیئ بحرف الاستثناء ای لا امنکم علیه الا کما امنتکم علی اخیه من قبل وذلك لم ینفعنی فکذلك لا ینفعنی الان وقد ترجمنا الآیة بالحاصل فافهم.

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾

اور جب انہوں نے سامان کو کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی کو پایا کہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے کہنے لگے کہ ابا جی اور ہمیں کیا چاہئے یہ ہماری پونجی ہے ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کیلئے لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لے آئیں گے' یہ غلہ تھوڑا سا ہے' انہوں نے کہا کہ میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھے اللہ کی طرف سے مضبوط عہد نہ دیدو کہ تم اسے ضرور لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم کو گھیر لیا جائے سو جب انہوں نے اپنے والد کو اپنا عہد دے دیا تو والد نے کہا کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔

برادرانِ یوسف کا اپنی پونجی کو سامان میں پا کر اپنے والد سے دوبارہ مصر جانے کی درخواست کرنا اور چھوٹے بھائی کی حفاظت کا وعدہ کرنا

باپ بیٹوں کی باتیں ہو رہی تھیں کہ مصر میں غلہ لینے گئے تو وہاں سے غلہ تو لے آئے لیکن جو صاحب غلہ تقسیم کرتے ہیں انہوں نے آئندہ کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ اپنے بھائی کو بھی لاؤ گے تو غلہ ملے گا ورنہ نہیں پھر جب سامان کی طرف متوجہ ہوئے سامان کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جو پونجی وہاں غلہ کے عوض دی تھی وہ تو اپنے ہی سامان میں موجود ہے۔ پونجی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ابا جان ہمیں اور کیا چاہئے ہم غلہ بھی لے آئے اور پونجی بھی واپس مل گئی ایسے کریم اور محسن آدمی کی طرف پھر جانا چاہئے لیکن شرط کے خلاف جانا بے فائدہ ہو گا لہٰذا بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ اس مرتبہ پھر جائیں اور غلہ لائیں اور جب بھائی کو ساتھ لے جانا ضروری ہے تو ہم بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک فرد زیادہ ہونے کی وجہ سے مزید ایک اونٹ کا بوجھ بھی لے آئیں گے کیونکہ بنیامین کے حصے کا بھی غلہ ملے گا جو غلہ اب لائے ہیں یہ تو تھوڑا سا ہے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا لامحالہ دوبارہ جانا ہی پڑے گا۔ ان کے والد نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن تمہارا بھروسہ کیا ہے تم اس کی حفاظت کا وعدہ تو کر رہے ہو لیکن میں اسے جبھی تمہارے حوالہ کروں گا جبکہ اللہ کا نام لے کر خوب مضبوط عہد کرو یعنی قسم کھاؤ کہ اسے ضرور لاؤ گے اس پر انہوں نے قسم کھالی لہٰذا یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھیجنے پر راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر نگہبان ہے وہ ہماری ان باتوں پر گواہ ہے لیکن ساتھ ہی ﴿إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ﴾ بھی کہہ دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو بھائی کی خوب حفاظت کرنا اور حفاظت میں کمی نہ کرنا لیکن اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تم سب گھیرے میں آ جاؤ (تم سب ہی ہلاک ہو جاؤ یا اس کی حفاظت سے واقعتاً عاجز ہو جاؤ تو اس پر میں کیا مواخذہ کر سکوں گا معذوری اور مجبوری پر تو مواخذہ نہیں ہو سکتا) اس میں یہ بات بتا دی کہ مجبوری کی حالت مواخذہ سے مستثنیٰ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے فرما دیا تھا کہ اب تم پر بھروسہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے یوسف کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا اس بھروسہ کا انجام تو یہ ہوا کہ یوسف سے جدائی ہو گئی لیکن اب یوسف کے بھائی کو لے جانے کی ضرورت پڑی تو تمہارے وعدہ کا بھروسہ نہیں کروں گا صرف اللہ تعالیٰ

Marfat.com

ہی کی حفاظت میں دوں گا پھر جب سامان سے پونجی نکل آئی اور دوبارہ غلہ لانے کے لیے مصر جانا مشورہ سے طے ہو ہی گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ کی مضبوط قسم کھاؤ کہ اس بھائی کی حفاظت کرو گے اس سے معلوم ہوا کہ بھروسہ صرف اللہ ہی پر تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سے حفاظت کی امید تھی لیکن اسباب ظاہرہ کے طور پر بھائیوں سے بھی حفاظت کی قسم لے لی۔ معلوم ہوا کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنا توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل مت ہونا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اور میں اللہ کے حکم کو تم سے ذرا بھی ٹال نہیں سکتا، حکم صرف اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور چاہئے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں۔ اور جب وہ اسی طرح داخل ہوئے جیسے ان کے والد نے انہیں حکم دیا تھا اللہ کے حکم سے ذرا بھی انہیں کوئی چیز بچانے والی نہ تھی مگر یعقوب کے جی میں ایک حاجت تھی جسے اس نے پورا کرلیا اور بلاشبہ وہ علم والے تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں سکھایا اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو وصیت فرمانا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور یہ کہنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی دوبارہ مصر کے لئے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے لیا چلنے لگے تو ان کے والد نے کہا کہ اے بیٹو! تم سب ایک دروازہ سے داخل مت ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، مفسرین نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ وصیت اس لئے فرمائی کہ یہ لوگ خوبصورت تھے ان کو نظر لگ جانے کا خطرہ تھا نیز ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے بحیثیت ایک جماعت کے کسی جگہ پہنچیں تو اس میں حسد کا بھی اندیشہ تھا اس لیے انہوں نے متفرق دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت اور وصیت فرمائی نظر کا لگ جانا حق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے بدنظری سے بچنے کے لیے کوئی جائز تدبیر اختیار کرلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی وصیت تو فرما دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ﴿وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (اور میں اللہ کے حکم کو تم سے ذرا بھی ٹال نہیں سکتا) مطلب یہ تھا کہ یہ جو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی فرمائش کی ہے یہ ایک محض ظاہری تدبیر ہے ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا وہ اگر کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اسے کوئی رد نہیں کرسکتا۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (حکم تو بس اللہ ہی کا ہے) ﴿عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ نظر بد سے محفوظ رہنے کی ظاہری تدبیر تو میں نے بتادی جو سبب ظاہری کے طور پر ہے لیکن میرا بھروسہ اس تدبیر پر نہیں بلکہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

یہ گیارہ بھائی جب ملک مصر پہنچے تو جس شہر میں ان کو جانا تھا اس میں اپنے والد کے فرمان کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہوئے ان کا یہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اللہ کی کسی قضا اور قدر کو ٹالنے والا نہ تھا بس اتنی سی بات تھی کہ یعقوب علیہ السلام کے دل میں جو ایک حاجت تھی وہ پوری ہوگئی یعنی انہوں نے نظر بد سے بچنے کا ایک نسخہ بتایا تھا اس پر عمل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا

Marfat.com

عَلَّمْنٰهُ﴾ (اور بلاشبہ وہ علم والے تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علم عطا فرمایا تھا) وہ یہ سمجھتے تھے کہ تدبیر ایک ظاہری سبب ہے' موثر حقیقی فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جہالت سے اپنی تدبیر کو موثر حقیقی سمجھ لیتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾
فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ
لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ
حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا
سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ
جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

سو جب وہ یوسف پر داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اس سے کہا کہ میں بیشک تیرا بھائی ہوں لہٰذا تو اس کا رنج مت کر جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ پھر جب انہیں سامان دے کر تیار کر دیا تو ایک پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوہ میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلہ والو بلاشبہ تم چور ہو' وہ لوگ کہنے لگے اور ان کی طرف آگے بڑھے کہ تم کس چیز کو گم پا رہے ہو' انہوں نے کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا ہے' اور جو شخص اسے لے کر آئے اس کیلئے ایک اونٹ کا بوجھ ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں' وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم لوگ اس لیے نہیں آئے کہ زمین میں فساد کریں اور نہ ہم چور ہیں' وہ کہنے لگے کہ پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے؟ کہنے لگے کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے کجاوہ میں یہ پیمانہ پایا جائے سو خود اس کی ذات ہی اس کا بدلہ ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف کا مصر پہنچنا اور ان کا اپنے سگے بھائی کو یہ بتانا کہ رنج نہ کرنا میں تمہارا بھائی ہوں' پھر اس کو روکنے کے لیے کجاوہ میں پیمانہ رکھ دینا' یوسف علیہ السلام کے کارندوں کا چوری ہونے کا اعلان کرنا' اور برادران یوسف کا یوں فیصلہ دینا کہ جس کے کجاوہ میں پیمانہ نکلے اسی کو رکھ لیا جائے

یہ گیارہ بھائی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے جن میں بنیامین بھی تھے تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بنیامین کو پیش کر دیا اور کہا کہ لیجئے آپ کی شرط کے مطابق ہم اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بنیامین کو پیش کر دیا اور کہا کہ لیجئے آپ کی شرط کے مطابق ہم اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا دس آدمی پانچ کمروں میں ٹھہر گئے گیارہواں بھائی بنیامین بچ گیا اس کو انہوں نے اپنے پاس ٹھہرا لیا' اور بنیامین سے فرمایا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی ہوں' یہ لوگ اب تک جو عمل کرتے رہے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچی اس کے بارے میں رنجیدہ نہ ہونا۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے صرف نظر کرو اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہمیں اور تمہیں جمع فرما دیا۔ بھائیوں کو اکرام کے ساتھ ٹھہرایا ان کو سامان دیا لیکن چپکے سے پانی پینے کا ایک برتن جس سے غلہ ناپ کر دیتے تھے اپنے بھائی کے کجاوہ میں رکھ دیا جو لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے کارندے تھے غلہ ماپ کر دیتے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ پیالہ غائب ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے انہیں پتہ نہ تھا کہ

Marfat.com

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں قافلہ والوں میں سے کسی کے سامان میں رکھ دیا ہے ان لوگوں کو حیرانی ہوئی اور باز پرس کا بھی ڈر ہوا لہٰذا ان میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو تم تو چور ہو یہ سنتے ہی برادران یوسف حیران رہ گئے انہیں اپنی جماعت کے کسی فرد کے بارے میں بھی چوری کرنے کا گمان نہ تھا لہٰذا وہ کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی کیا چیز گم ہے۔ جس کے بارے میں یہ اعلان ہو رہا ہے اور ہمیں مطعون اور متہم کیا جا رہا ہے‘ ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا ہے۔ جس کے ذریعہ غلہ ناپ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص اس پیمانہ کو لے کر آئے ہم اسے ایک اونٹ بھر کر مزید غلہ دیں گے جو ہماری گمشدہ چیز کے لانے کا اکرامیہ ہوگا۔

جس شخص نے گمشدگی کا اعلان کیا تھا اس نے یہ بھی کہا کہ یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے جو بھی شخص یہ پیمانہ لے کر آئے گا اسے واقعی انعام دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن اور ذمہ دار ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ بھلا ہم اور چوری؟ آپ لوگ خود ہی جانتے ہیں ہمارے طور طریق اور اعمال اور اخلاق کو دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین پر فساد کرنے کے لئے نہیں آئے ہم بھلا چوری کہاں کر سکتے ہیں؟ نہ ہم پہلے سے چور ہیں اور نہ اب چوری کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خدمت گزاروں نے کہا کہ اگر تفتیش اور تلاش کے بعد تم لوگ اپنی بات میں جھوٹے نکلے اور تمہارے پاس سے ہمارا گمشدہ پیمانہ برآمد ہو گیا تو بتاؤ اس کے چرانے والے کی کیا سزا ہوگی؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے بھی کجاوہ میں وہ پیمانہ آئے اسی کو اس کے بدلہ میں رکھ لیا جائے یعنی اسے غلام بنا لیا جائے اور ساتھ ہی ﴿كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ ہمارے دین اور شریعت میں چور کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے (کہ چور کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے)۔

فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ اَخِيۡهِ ثُمَّ اسۡتَخۡرَجَهَا مِنۡ وِّعَآءِ اَخِيۡهِ‌ ؕ كَذٰلِكَ كِدۡنَا لِيُوۡسُفَ‌ ؕ مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ‌ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ‌ ؕ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ ﴿۷۶﴾

پھر یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے کی تلاشی لینے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی لینے سے ابتداء کی‘ پھر اس پیمانہ کو اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا‘ ہم نے یوسف کو اسی طرح تدبیر بتا دی‘ بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے‘ ہم جسے چاہیں درجات کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر زیادہ جاننے والا ہے۔

برادران یوسف کے سامان کی تلاشی لینا اور بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکل آنا اور اس کو بہانہ بنا کر بنیامین کو روک لینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے خود ہی یہ کہہ دیا کہ جس کے سامان میں آپ لوگوں کا گمشدہ پیمانہ نکل آئے اس کی ذات ہی کو اس کے بدلہ میں غلام بنا لیا جائے اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اسی طرح چور کو سزا دیا کرتے ہیں یعنی یہ اسی شریعت کے مطابق ہے جس پر ہم چلتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سامانوں کی تلاشی لینا شروع کر دی‘ پہلے دوسرے بھائیوں کے کجاووں کو دیکھا پھر جب اپنے حقیقی بھائی کے کجاوہ کو ٹٹولا تو اس میں سے پیمانہ کو نکال لیا‘ رکھا تو خود ہی تھا اور معلوم تھا کہ اس کے کجاوہ میں ہے لیکن پہلے اس میں ہاتھ نہ ڈالا تا کہ وہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ان کی آپس کی سازش ہے۔ بنیامین کے کجاوہ سے پیمانہ نکل آیا تو سب بھائی حیران رہ گئے۔ یہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بتائی کیونکہ شاہ مصر کے قوانین میں کوئی قانون نہ تھا کہ چوری کرنے والے کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دنیا اور آخرت میں درجات بلند فرمائے اور انہیں علوم عطا فرمائے انہیں علوم میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی جو ان کے اپنے بھائی کو

Marfat.com

روکنے کے لیے ان کے دل میں ڈالی۔ ﴿وفوق کل ذی علم علیم﴾ (اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں کوئی ایسا ضرور ہے جو اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہے اور جسے ساری مخلوق سے زیادہ علم ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ علم ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے رنج اور صدمہ کا کیوں احساس نہیں فرمایا وہ برس ہا برس سے خود حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں گھل رہے تھے تھوڑی بہت جو تسلی بنیامین سے تھی وہ بھی ختم ہوئی انہیں مزید تکلیف پہنچانے کی کیسے ہمت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام اپنے والدین اور اپنے بھائیوں کو جلد ہی بلانے کا تھا اور بھائی کا روک لینا اس لئے تھا کہ والد ماجد ان دونوں کو تلاش کرنے کے لیے بھیجیں اور یہ لوگ تیسری بار پھر آئیں اگر بھائی کو نہ روکتے تو ممکن تھا کہ پھر والد کے بھیجنے پر بھی یہ لوگ نہ آتے کیونکہ یوسف علیہ السلام کو یہ لوگ مردہ کہہ ہی چکے تھے اب کم از کم ایک بھائی کی تلاش کرنا تو لازم ہی تھا لامحالہ انہیں اپنے والد کے فرمان پر تیسری بار آنا پڑا جیسا کہ آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آ رہا ہے' یہاں بعض حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آزاد کو غلام بنانا کیسے درست ہوا؟ یہ سوال کوئی وزنی نہیں ہے کیونکہ حقیقی غلام نہیں بنایا تھا صرف روکنے کا بہانہ تھا پھر یہ استرقاق شریعت یعقوبی کے مطابق تھا جو اس زمانہ میں شریعت اسلامیہ تھی جسے ان کے بھائیوں نے ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہہ کر ظاہر کر دیا تھا' اور ممکن ہے حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کی طرف سے جس شریعت پر تھے اس میں بھی چور کا استرقاق جائز ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ اپنی ضرورت سے دوسرے کو چوری کا الزام لگانا کیسے درست ہوا؟ جو شخص بری ہو اسے الزام لگانا معاصی کبیرہ میں سے ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے الزام نہیں لگایا انہوں نے تو صرف کجاوہ میں پیمانہ رکھ دیا تھا البتہ کارندوں نے پیالہ نہ پا کر چوری ہونے کا اعلان کر دیا ان لوگوں نے بھی اپنے خیال میں الزام نہیں لگایا تھا بلکہ حالات کے اعتبار سے انہیں یقین تھا کہ انہیں میں سے کسی نہ کسی شخص نے پیمانہ رکھ لیا ہے' لیکن یہ اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ پیمانہ رکھنے کے بعد جب برآمد ہو گا تو چھوٹے بھائی پر پوری طرح چوری کرنے والی بات لگ جائے گی اور اس طرح اس کی بے آبروئی ہو گی' بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بنیامین اپنے بھائیوں کے ساتھ رہنے سے ایسے تنگ ہو گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہ جانے کے لیے چوری کے الزام میں گرفتار ہونا تک گوارہ کر لیا اور دونوں بھائیوں کے مشورے سے ایسا ہوا۔

یہاں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس الزام کی حقیقت جلد ہی کھل جانے والی تھی اور آئندہ سب پر آشکارا ہو جانے والا تھا کہ انہوں نے چوری نہیں کی تھی بلکہ یہ ان کے روکنے کے لیے ایک تدبیر کی گئی تھی تو اس الزام کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے بھائی کو روکنے کا راستہ بھی نکل آیا اور پھر وہ الزام جلد ہی دفع بھی ہو گیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

برادران یوسف کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے سو یوسف نے اس بات کو اپنے جی میں چھپا لیا اور اس کو ظاہر نہ کیا' کہا کہ تم زیادہ برے ہو اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو' وہ کہنے لگے کہ اے عزیز اس کے والد ہیں جو زیادہ بوڑھے ہیں سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے بلاشبہ ہم آپ کو اچھا برتاؤ کرنے والوں میں سے دیکھ رہے ہیں'

Marfat.com

یوسف نے کہا کہ اللہ ہمیں اس سے پناہ دے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہو اس کے سوا کسی دوسرے کو پکڑ لیں اگر ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے ہو جائیں گے۔

برادران یوسف علیہ السلام کا درخواست کرنا کہ بنیامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا

جب بنیامین کے کجاوہ سے پیالہ برآمد ہو گیا تو بھائیوں کو سخت ندامت ہوئی' کچھ تو غصہ اور کچھ خفت مٹانے کا جذبہ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو کون سے تعجب کی بات ہے اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے' اس بھائی سے حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں کی بات سن تو لی جس میں ان کی ذات پر حملہ تھا لیکن ان کی بات کا جو جواب دینا تھا اسے زبان پر نہ لائے البتہ اپنے دل میں کہا کہ تم اسے اور اس کے بھائی کو چور بتا رہے ہو حالانکہ تم چوری کے درجہ سے اور بھی زیادہ برے ہو' ہم دونوں بھائیوں نے تو چوری کی ہی نہیں لیکن تم نے اتنا بڑا برا کام کیا کہ آدمی غائب کر دیا۔ یعنی مجھے باپ سے چھڑا دیا اور بہانہ کر کے ان کے پاس سے لے آئے پھر ان کے پاس واپس نہ لے گئے اور چند درہم کے عوض آزاد کو غلام بنا کر بیچ دیا یہ تو دل میں کہا اور علانیہ طور پر فرمایا ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف جوان کے بھائیوں نے چوری کی نسبت کی اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے پانچ قول نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دستر خوان سے کھانا لے کر چھپا لیتے تھے اور فقراء کو دے دیتے تھے اسی کو بھائیوں نے چوری بنا لیا ممکن ہے ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو' اسرائیلی روایات ہیں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا علامہ قرطبی نے ص ۲۳۹ ج ۹ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ چوری کا کوئی قصہ تھا ہی نہیں ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات بالکل ہی جھوٹ کہی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جو جواب دیا اور ﴿اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ فرمایا یہ سب دل ہی دل میں تھا لیکن برادران یوسف پہلے ہی اپنے والد سے شرمندہ تھے اور ان کے ایک چہیتے لڑکے کو گم کر چکے تھے اور اب یہ دوسرا واقعہ پیش آ گیا کہ بڑے عہد و پیمان کے ساتھ ان کے دوسرے پیارے کو لائے تھے اب وہ بھی گرفتار کر لیا گیا اور روک لیا گیا' حیران تھے اور پریشان تھے کہ والد کو کیا جواب دیں گے کیا کریں اور کیا نہ کریں پھر ایک تدبیر سوچی اور وہ یہ کہ عزیز سے عرض کریں کہ یہ جو ہمارا سوتیلا بھائی چوری کی وجہ سے پکڑا گیا یہ اس کے بوڑھے باپ کے لئے بہت زیادہ مصیبت کی بات ہوگی ان کو اس سے بہت زیادہ محبت اور انس ہے اور ان کی عمر بھی بہت زیادہ ہے اس کے واپس نہ بھیجنے سے ان کا برا حال ہو گا لہٰذا آپ ہم میں سے کسی بھی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیجئے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں سے ہیں لہٰذا آپ کرم فرمائیے اور ہماری یہ تجویز منظور کر لیجئے (اپنے والد کے سامنے شرمندہ ہونا ان کو اتنا زیادہ کھل رہا تھا کہ غلام بن کر رہنے کو تیار تھے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں' ہم اللہ سے اس بات کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم کسی غیر مجرم کو پکڑ لیں' اگر ہم ایسا کریں گے تو ظالم ہو جاویں گے ہم تو صرف اسی کو پکڑیں گے' جس کے پاس سے سامان پایا (حضرت یوسف علیہ السلام نے احتیاط سے کام لیا اور یوں نہیں فرمایا کہ جس نے ہمارا سامان چرایا ہم اسی کو رکھیں گے (کیونکہ چوری تھی ہی نہیں) بلکہ یوں فرمایا جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے اسی کو رکھ سکتے ہیں)۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا

Marfat.com

عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

پھر جب یوسف سے ناامید ہو گئے تو وہاں سے علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پکا وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو سو اب میں اس سرزمین سے نہیں ٹلوں گا جب تک میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا اللہ میرے لئے فیصلہ نہ فرما دے اور وہ فیصلہ دینے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ دینے والا ہے' تم لوگ اپنے والد کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ابا جان بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم اسی بات کی گواہی دے رہے ہیں جس کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کی باتوں کے حافظ نہیں تھے اور آپ اس بستی سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں اور بلاشبہ ہم سچ کہہ رہے ہیں۔

برادران یوسف کا ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنا اور بڑے بھائی کا یوں کہنا کہ میں تو یہاں سے نہیں جاتا تم لوگ جاؤ اور والد کو چوری والی بات بتا دو

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ناامید ہو گئے کہ وہ کسی طرح سے بنیامین کو واپس کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور یہ جو پیشکش کی تھی کہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں اس کو بھی انہوں نے نہیں مانا بلکہ اسے ظلم قرار دے دیا تو وہاں سے ہٹ کر اب مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں ان میں جو بڑا بھائی تھا جس کا نام کسی نے یہودا اور کسی نے شمعون اور کسی نے روبیل بتایا ہے اس نے باقی بھائیوں سے خطاب کر کے کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب اپنے والد سے رخصت ہو رہے تھے تو مضبوط قسم لی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے تم ضرور ساتھ لے کر آؤ گے (لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ) اب یہاں یہ صورت حال پیش آ گئی کہ بنیامین کو عزیز مصر نے روک لیا اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو اب والد صاحب کے پاس کس منہ سے جائیں پہلے ہی ان کو یوسف کی جدائی سے بہت زیادہ رنج تھا اور اب یک نہ شد دو شد بنیامین کی جدائی کا مسئلہ سامنے آ گیا لہٰذا میں تو اب یہاں سے ٹلنے کا نہیں اگر والد صاحب کو پوری صورت حال معلوم ہو جائے اور وہ مجھے آنے کی اجازت دے دیں یا اللہ پاک کی طرف سے کوئی ایسا فیصلہ ہو جائے جس سے ہماری مشکل حل ہو جائے (مثلاً ہمارا بھائی واپس مل جائے) تب ہی میں یہاں سے جا سکتا ہوں اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

بڑے بھائی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بھائیوں سے یوں بھی کہا کہ تم لوگ اپنے والد کے پاس چلے جاؤ اور ان کی خدمت میں عرض کر دو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور چوری کی وجہ سے انہیں وہیں روک لیا گیا اور ہماری یہ گواہی ہمارے علم کے مطابق ہے (ہم نے خود دیکھا کہ اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا) ﴿وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ﴾ ہم جو قسم کھا کر اس کی حفاظت کا وعدہ کر کے گئے تھے وہ ہماری قدرت اور اختیار تک محدود تھا ہمیں کیا معلوم تھا کہ چوری کا واقعہ پیش آ جائے گا اور ایسی صورتحال بن جائے گی کہ ہم آپ کے بیٹے کو واپس لانے سے عاجز ہو جائیں گے گویا کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کو یہ تلقین کی کہ ہم جو بنیامین کو اپنے ہمراہ نہ لا سکے یہ اسی استثناء والی صورت میں داخل ہے جو والد صاحب سے ﴿اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ﴾ کہہ کر خود ہی بیان کر دی تھی۔ مفسرین نے ان کے کلام کا یہ مطلب بتایا کہ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکلا اس نے اسے خود رکھ لیا تھا یا مقامی لوگوں میں سے کسی نے رکھ دیا تھا اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بڑے بھائی نے مزید کہا کہ اپنی بات والد صاحب کو باور کرانے کے لیے یہ بھی کہنا کہ ہمارے بیان پر آپ اعتماد نہ کریں تو مصر کی جس بستی میں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کے لوگوں سے دریافت کر لیجئے اور اس سے بھی آسان تر بات یہ ہے کہ یہاں سے غلہ لینے کے لیے صرف ہم ہی لوگ

Marfat.com

نہیں گئے تھے ہماری بستی کے رہنے والوں میں سے اور لوگ بھی گئے تھے ہم جس قافلہ کے ساتھ مصر سے واپس آئے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے وہ تو یہیں اسی بستی میں موجود ہیں ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ آپ مانیں یا نہ مانیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِیْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

یعقوب نے کہا کہ بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہیں ایک بات سمجھا دی ہے سو میں صبر جمیل کو ہی اختیار کروں گا امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بلاشبہ وہ علم والا ہے حکمت والا ہے اور ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور کہا کہ یوسف پر افسوس ہے اور غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں سو وہ گھٹتے رہتے تھے بیٹے کہنے لگے اللہ کی قسم آپ تو برابر یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں یعقوب نے کہا کہ میں اپنے رنج اور غم کی اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے مجھے وہ علم عطا ہوا ہے جو تم نہیں جانتے اے میرے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلاشبہ اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

برادران یوسف کا اپنے والد کو چوری کا قصہ بتانا اور ان کا یقین نہ کرنا اور فرمانا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب سارا ماجرا سنایا اور بنیامین کے پکڑے جانے کا واقعہ بتایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین نہ آیا۔ انہوں نے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت یوسف کی گمشدگی کے موقع پر فرمائے تھے یعنی ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ کہ میرے نزدیک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ بنیامین نے چوری کی ہو اور اسے وہیں دھر لیا گیا ہو میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ تمہارے نفسوں نے اپنے پاس سے بات بنالی ہے جو مجھے سمجھا رہے ہو واقعہ کچھ اور ہے اور بیان کچھ اور فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت نہ ہو (اور کر بھی کیا سکتا ہوں) میرے دل کی تو یہی آواز ہے کہ ان شاء اللہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین اور تیرا بھائی (جو تمہارے ساتھ نہیں آیا) ان تینوں کو اللہ تعالیٰ میرے پاس پہنچا ہی دے گا اسے پورے حالات کا علم ہے اور ان سب واقعات کے پیش آنے میں حکمتیں ہیں یہ فرما کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے کہ یوسف کی جدائی پر افسوس ہے یوسف علیہ السلام کی جدائی پر روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور شدت غم کی وجہ سے اندر سے گھٹے ہوئے رہتے تھے ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ کی قسم آپ یوسف کو بھولتے ہی نہیں اسے آپ برابر یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل کر رہ جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک ہو جائیں گے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں میرے رونے سے کیا بحث ہے میں اپنے رنج و غم کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں مجھے اللہ کی طرف سے جو علم دیا گیا ہے وہ تمہیں نہیں دیا گیا میں تو یہی جانتا ہوں کہ یوسف اور اس کے بھائی سے ضرور ملاقات ہوگی اب تم میری بات مانو اور یوسف اور اس بھائی

Marfat.com

کو تلاش کرو انشاء اللہ ان سے ملاقات ہو جائے گی اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جیسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں ان کے بھائیوں کی بات کی تصدیق نہ کی (جو انہوں نے کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا) اسی طرح بنیامین کے بارے میں انہوں نے چوری اور چوری کی وجہ سے پکڑے جانے والی جو بات کہی تھی اس کو بھی سچا نہیں مانا۔ حالانکہ وہ بظاہر اس بیان میں سچے تھے' جب کوئی شخص ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں رہتا' حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس علم کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں اس کی تعبیر اب تک پوری نہیں ہوئی تھی وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ضروری ہے کہ یوسف موجود ہو اور گیارہ ستارے یعنی سارے بھائی (جن میں بنیامین بھی تھے اور وہ بڑا بھائی بھی تھا جو مصر میں رہ گیا تھا) اور ماں باپ سجدہ کریں گے لہٰذا نہ یوسف کو موت آئی ہے نہ اس کی ملاقات سے پہلے مجھے دنیا سے جانا ہے' سب کو ایک دن جمع ہونا ہی ہے' اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہو گیا ہو یا بذریعہ وحی اطلاع دے دی گئی ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اسی علم و یقین کی بنیاد پر کہ یوسف دنیا میں زندہ موجود ہے اور اس گمان پر کہ یوسف کے بھائی بنیامین کے بارے میں جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ (اس میں تیسرے بھائی کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ بھائیوں کے بیان کے مطابق مصر میں موجود تھا اور اپنے قصد و ارادہ سے وہاں رہ گیا تھا)۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾

سو جب یہ لوگ یوسف پر داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہمارے اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم یہ ایسی پونجی لائے ہیں جو رد کئے جانے کی مستحق ہے سو آپ ہمیں پورا غلہ دے دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے' بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اس کی جزاء دیتا ہے' یوسف نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب کہ تم جاہل تھے' کہنے لگے واقعی کیا آپ یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان فرمایا بلاشبہ بات یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا' کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دے دی اور بلاشبہ ہم خطا کرنے والوں میں سے تھے' یوسف نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

Marfat.com

برادران یوسف کا تیسری بار مصر پہنچنا اور غلہ طلب کرنا اور ان کا سوال فرمانا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا، پھر بھائیوں کا قصور معاف فرمانا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرمانے پر ان کے بیٹے پھر مصر کی طرف روانہ ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں تو اندازہ نہ تھا کہ کہاں ہوں گے البتہ بنیامین اور بڑے بھائی کو مصر ہی میں چھوڑ آئے تھے اس لئے اپنے والد کے فرمان کے مطابق کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کروانہوں نے مصر ہی کی راہ لی نیز اس میں غلہ لانے کا فائدہ بھی پیش نظر تھا جب مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام تک رسائی ہونے کے بعد پھر غلہ ملنے کا سوال اٹھایا اور ان سے کہا کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے ہمیں غلہ کی ضرورت ہے لیکن ہمارے پاس غلہ لینے کے لئے وہ قیمت بھی نہیں جو قیمت کہنے کے لائق ہو کچھ لائے تو ہیں جو نکمی چیز ہے اس لائق تو نہیں کہ اسے آپ قبول کریں لیکن پھر بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں پورا غلہ دے دیجئے (مفسرین نے اس بارے میں کئی باتیں لکھی ہیں کہ وہ پونجی کیا تھی جسے وہ خود ہی نکمی چیز بتا رہے تھے صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ کھوٹے درہم تھے جن کی قیمت پوری نہیں ملتی تھی)۔

غلہ طلب کرنے کے ساتھ انہوں نے ﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ بھی کہا مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری پونجی نکمی بھی ہے اور تھوڑی بھی ہے۔ آپ اسے قبول فرمائیں اور ایک معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی طرف سے کچھ مزید بلا قیمت بطور صدقہ عطا فرما دیجئے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ غلہ عطا فرمانے کے ساتھ یہ کرم فرمایئے کہ ہمارے بھائی بنیامین کو واپس کر دیجئے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس صورت میں تصدق بمعنی تفضّل ہو گا یعنی مہربانی فرما کر ہمارے بھائی کو ساتھ بھیج دیجئے لیکن ﴿إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ سے معنی اول ہی کی تائید ہوتی ہے۔ (کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزاء عطا فرماتا ہے)۔

وہ لوگ اپنی معروض پیش کر ہی رہے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سوال فرما لیا ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ (کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے) بھائیوں نے تو غلہ طلب کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے یہ فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ بعض حضرات نے ان دونوں باتوں میں ربط بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ قحط سالی کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے یہ تو بہت بڑی تکلیف نہیں کسی نہ کسی طرح زندگی گزار ہی رہے ہو پھر یہ تکلیف ابھی قریب زمانہ ہی سے شروع ہوئی ہے لیکن تم نے برسہا برس سے جو اپنے والد کو یوسف سے جدا کر کے تکلیف پہنچائی ہے' اور بنیامین کے ساتھ جو یوسف کے بعد بدسلوکی کرتے رہے ہو بتاؤ تمہارے والد کے لئے اور سارے گھر والوں کے لیے کونسی تکلیف زیادہ ہے۔ یہ عارضی غلے کی کمی زیادہ تکلیف دہ ہے یا وہ تمہاری سابقہ حرکتیں زیادہ تکلیف دہ ہیں؟ اپنے اس سوال کو انہوں نے استفہام تقریری کی صورت میں ان پر ڈال دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ یہ بات سن کر انہیں بڑا اچنبھا ہوا کہ عزیز مصر کو یوسف کا قصہ کہاں سے اور کیسے معلوم ہوا؟ اور مزید یہ کہ اسے اس کے بارے میں دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں اس کا ذرا احتمال نہ تھا کہ یہ سوال کرنے والا شخص یوسف ہو سکتا ہے اور یوسف ایسے بڑے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے سوال کا جو انداز تھا اس سے انہوں نے بھانپ لیا کہ ہو نہ ہو یہ سوال کرنے والا شخص یوسف ہی ہے' لہٰذا وہ کہنے لگے ﴿أَئِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ﴾ (کیا واقعی تم یوسف ہو) حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا ﴿أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي﴾ (میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے) ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ (بلاشبہ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا) گویا اشارۃً یوں فرما دیا کہ تم نے تو ظلم و زیادتی میں کسر نہ چھوڑی لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا جو تکلیفیں پہنچی تھی ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا' مومن کی یہی شان ہے کہ تکلیف میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے اور مصیبت کے ٹل جانے کے بعد بھی جو نعمتیں ملتی رہتی ہیں ان پر نظر رکھتا ہے اور برابر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہتا ہے پھر یہ شکر نعمتوں کے اور زیادہ بڑھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دوں گا)۔

مزید فرمایا: ﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرماتا) حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات بتادی کہ تقویٰ اور صبر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور یہ دونوں چیزیں مصائب سے نجات دلانے والی ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ میں نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا اس لئے اس مرتبہ کو پہنچا کیونکہ اس میں ایک طرح سے اپنی تعریف تھی، اور بھائیوں سے یوں نہیں کہا کہ تم متقی اور صابر نہیں ہو بلکہ قاعدہ بتا کر انہیں تنبیہ فرمادی کہ تمہیں متقی ہونا چاہئے تھا در حقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے آخرت میں تو اس کا نفع سامنے آہی جائے گا دنیا میں بھی مشکلات اور مصائب سے نکلنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، سورہ نحل میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ﴾ (بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں) سورۂ طلاق میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوتا اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کو کافی ہے۔) نیز فرمایا۔ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾ (جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور اس کے لیے بڑا اجر مقرر فرمادے گا)۔

صبر بھی بہت بڑی چیز ہے صابر آدمی کو وقتی طور پر تکلیف تو ہوتی ہے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد پہنچ جاتی ہے سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (اے ایمان والو مدد طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے) سورہ زمر میں فرمایا ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (صبر کرنے والوں کو بلاحساب پورا پورا اجر دیا جائے گا) جسے صبر کی نعمت مل گئی اسے بہت بڑی نعمت مل گئی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ومن یتصبر یصبرہ اللہ وما اعطی احد عطاء ھو خیر و اوسع من الصبر (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۱۶۳) جو شخص صبر کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کسی چیز کی بخشش نہیں کی گئی) بعض اہل معرفت کا قول ہے الصبر امر من الصبر واحلی من الثمر (صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے اور پھلوں سے زیادہ میٹھا ہے) حضرت یوسف ویعقوب علیہما السلام نے صبر کیا اس کا پھل پایا اہل ایمان کو صبر اختیار کرنا چاہئے صبر میں اجر بھی ہے اور وہ دفع مصائب اور حل مشکلات کا ذریعہ بھی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پتہ چل گیا کہ عزیز مصر جو ہمیں غلہ دیتا رہا ہے یہ تو ہمارا بھائی یوسف ہے جسے ہم نے کنویں میں ڈالا تھا، پہلے دوبار جو غلہ لینے کے لئے آئے تھے یوسف علیہ السلام کو نہ انہوں نے پہچانا تھا اور نہ انہیں یہ گمان تھا کہ یہ شخص ہمارا بھائی یوسف ہوسکتا ہے لیکن تیسری مرتبہ کے چکر میں جب بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ یوسف ہے تو آنکھیں نیچی ہوگئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جو اللہ نے احسان فرمایا اس کے اقرار کے ساتھ اپنے جرم کے اعتراف کے بغیر چارہ نہ رہا لہٰذا ان کی زبان سے یہ نکلا ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾ (اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دے دی اور فضیلت اور برتری سے نواز دیا اور بلاشبہ ہم خطا کار ہیں) یہاں صرف اقرار جرم کا ذکر ہے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے لیکن بلند اخلاق کریم النفس لوگوں کا بڑا حوصلہ ہوتا ہے ان کے نزدیک جرم کا اقرار کرلینا ہی معافی مانگنے کے درجے میں ہوتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو معاف کیا ہی تھا اللہ تعالیٰ سے بھی ان کے لئے مغفرت کی یوں دعا کردی ﴿يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ (۱۳) سال جن مصیبتوں کے ساتھ گزارے اور قریش مکہ کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچیں حتیٰ کہ آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کردیا یہ سب واقعات معروف و مشہور ہیں جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو اہل مکہ کو خوف تھا کہ دیکھئے ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے جب مکہ مکرمہ فتح کرلیا تو قریش مکہ خوف زدہ

Marfat.com

ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ آج تو تلوار ہمارا خاتمہ کر دے گی اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر کعبہ شریف کی چوکھٹ کے درمیان کھڑے ہو کر قریش مکہ سے دریافت فرمایا تم کیا کہتے ہو اور تمہارا (میرے بارے میں) کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھائی کے بیٹے ہیں اور ہمارے چچا کے بیٹے ہیں حلیم ہیں اور رحیم ہیں تین بار یہ سوال جواب ہوا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں وہی کہتا ہوں جیسے یوسفؑ نے کہا تھا ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ﴾ اس کے بعد وہ خوشی خوشی اسلام میں داخل ہو گئے (دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۸۵ ج ۵)۔

سیرت ابن ہشام میں یوں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں انہوں نے کہا کہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ ہوگا آپ ہمارے کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا اذهبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم سب آزاد ہو)۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

میرا یہ کرتہ لے جاؤ سو اسے میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے اور میرے پاس اپنے سارے گھر والوں کو لے آؤ اور جب قافلہ روانہ ہو گیا تو ان کے والد نے کہا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ میں بہکی ہوئی باتیں کرنے والا ہوں تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں وہ لوگ کہنے لگے اللہ کی قسم آپ اپنی پرانی غلطی پر ہیں پھر جب خوشخبری لانے والا آ پہنچا تو اس نے وہ کرتہ ان کے منہ پر ڈال دیا لہٰذا وہ پھر سے آنکھوں والے ہو گئے اور (بیٹوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ان کے بیٹے کہنے لگے کہ اے اباجی ہمارے گناہوں کی مغفرت کیلئے دعا کیجئے بلاشبہ ہم خطا کرنے والے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا بلاشبہ وہ غفور ہے اور رحیم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھیجنا اور والد کے چہرہ پر ڈالنے سے بینائی واپس آ جانا اور بیٹوں کا اقرار کرنا کہ ہم خطاوار ہیں اور استغفار کرنے کی درخواست کرنا

جب بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مذکورہ بالا گفتگو ہو چکی تو واپسی کا موقع آ گیا (اور مقصد بھی حل ہو گیا کیونکہ اپنے والد کے حکم سے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرنے کے لیے سفر کر کے آئے تھے دونوں بھائی مل گئے) جب چلنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ لو یہ میرا کرتہ لے جاؤ میرے غم میں روتے روتے والد کی آنکھیں چلی گئیں اب تم میرا یہ کرتہ ان کے چہرہ پر ڈال دینا ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی بینائی واپس آ جائے گی اور وہاں پہنچ کر اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے کر آ جاؤ۔

یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے رخصت ہوئے قافلہ روانہ ہو گیا ابھی سرزمین مصر ہی میں تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ جو ان کے پاس موجود تھے میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں بات تو میں نے کہہ دی لیکن تم لوگوں سے ڈر ہے کہ میری بات کو سچی نہیں

Marfat.com

مانو گے اگر تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ اور یوں نہ کہو کہ بڑھاپے میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہوں تو تم میری میری تصدیق کر سکتے ہو (ای لو لا تفنیدں کم ایای لصدقتمونی' کذا فی الروح) ان کے پاس رشتہ دار وغیرہ جو وہاں پر موجود تھے کہنے لگے کہ آپ تو اپنی اسی پرانی خام خیالی میں پڑے ہوئے ہیں یوسف کی محبت نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اب یوسف کی ملاقات کی کہاں امید ہے اور کہاں یوسف کا کرتہ ہے جس کی خوشبو آپ کو محسوس ہوگئی ہے یہ بہکی بہکی باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں ہیں' جب قافلہ وطن واپس پہنچ گیا اور کنعان میں داخل ہوگیا تو بھائیوں میں سے جس نے وہ کرتہ لے کر اپنے والد کو بشارت دینے کا کام اپنے ذمہ لیا تھا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور یوسف علیہ السلام کا کرتہ یعقوب علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر ڈال دیا چہرہ پر کرتہ کا پڑنا تھا کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی واپس فرمادی اس پر انہوں نے حاضرین سے کہا (جن میں وہ بیٹے بھی تھے جو مصر سے واپس آ گئے تھے) کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے' جب بیٹوں نے کہا تھا کہ آپ تو یوسف کی یاد میں گھل ہی جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات فرمائی تھی' اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جو یوں کہا تھا کہ ہم واقعی خطا کار تھے اپنے والد کے سامنے بھی انہوں نے اپنی یہ بات دہرادی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں' حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ تمہارے لئے استغفار کروں گا اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت دعا کیوں نہیں کردی اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رات کے آخری وقت میں دعا قبول ہوتی ہے اس لئے سَاَسْتَغْفِرُ فرمایا اور دعاء کو مؤخر کیا۔ امام ترمذی نے دعا حفظ قرآن کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم شب جمعہ کے آخری تہائی حصہ میں چار رکعت نماز پڑھنا اور پھر یہ دعا کرنا (آگے حدیث میں نماز کی تلقین اور دعا کے الفاظ مذکور ہیں) کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا کہ عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا اس سے یہی شب جمعہ آنے کا انتظار مقصود تھا۔ (در منثور ص ۳۶ ج ۴)

صاحب روح المعانی نے حضرت شعبی سے یہ بات نقل کی ہے کہ تاخیر استغفار کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے بیٹوں نے اپنے بھائی یوسف کے ساتھ زیادتی کی تھی اور چونکہ حقوق العباد توبہ استغفار سے معاف نہیں ہوتے اس لئے انہوں نے چاہا کہ یوسف سے بھی دریافت کرلیں کہ انہوں نے معاف کردیا ہے یا نہیں' ان کے معاف کرنے کا علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معاف کروانے کے لئے دعا کی جائے۔

فائدہ: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات دیگر تمام امور کی طرح ان کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے' جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو اور اس کی حکمت کا تقاضا ہو تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات ظاہر ہو جاتے تھے اور ان کے بعد ان کے متبعین سے کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں اس میں ان حضرات کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں مشرکین مکہ طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی ہوتی تھی کہ ان کی طلب کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی جب حکمت اور مشیت ہوتی تھی تو اس وقت معجزہ کا ظہور ہوتا تھا' حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے چہیتے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال پر مطلع نہ ہونا (کہ وہ وہیں اپنے علاقہ کے کنویں میں ڈالے گئے ہیں) اور مصر سے جب ان کا کرتہ لے کر قافلہ چلا کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لینا (جبکہ قافلہ کنعان سے بہت زیادہ دور تھا) اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے' شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اچھے انداز میں اس کا یوں تذکرہ فرمایا ہے جو لطیف بھی ہے اور پر لطف بھی۔ فرماتے ہیں:

یکے پرسد زاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی

بگفت احوال ما برق جہان است　دمے پیدا دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ
اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا
رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ
الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ
قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ
وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور کہا کہ مصر میں ان شاءاللہ امن و امان کے ساتھ داخل ہو جائیے' اور یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اوپر بٹھایا اور وہ لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور یوسف نے کہا کہ اے ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا میرے رب نے اس کو سچا کر دیا اور میرے ساتھ احسان فرمایا جب کہ مجھے جیل سے نکالا اور آپ لوگوں کو دیہاتی علاقہ سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا' بیشک میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر فرماتا ہے بے شک وہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے' اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی' اے آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں مجھے اس حالت میں موت دینا کہ میں فرماں بردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرمایئے۔

پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا' ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا' اور خواب کی تعبیر پوری ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے تیسری بار جب اپنے بھائیوں کو مصر سے رخصت کیا تھا اور اپنا کرتہ دیا تھا کہ اسے میرے والدین کے چہرہ پر ڈال دینا اس وقت یہ بھی فرماتا تھا کہ تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آنا' جب یہ لوگ واپس کنعان پہنچے اور اپنے والد ماجد کے چہرہ انور پر پیراہن یوسف کو ڈال دیا جس سے ان کی بینائی واپس آ گئی اور پھر اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی اور انہوں نے دعا کر دی تو اب مصر کی روانگی کا ارادہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ اور گیارہ بیٹے اور ان کی ازواج و اولاد نے رخت سفر باندھا اور مصر کے لئے روانہ ہو گئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے پہنچنے کی خبر ملی تو شہر سے باہر آ کر ایک خیمہ میں (جو پہلے سے لگایا ہوا تھا) ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے نزدیک جگہ دی اور پھر شہر میں داخل ہونے کے لیے فرمایا کہ ﴿اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ﴾ کہ مصر میں اندر چلئے ان شاءاللہ تعالیٰ امن و چین سے رہئے' جب شہر میں اندر پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کے اکرام اور احترام سے ٹھہرانے کا انتظام فرمایا اور جس تخت شاہی پر خود جلوہ افروز ہوتے تھے اس پر اپنے والدین کو بٹھایا اور جس سے ان کی رفعت شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس وقت والدین اور گیارہ بھائی سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے یہ سجدہ بطور تعظیم کے تھا جو سابقہ امتوں میں مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ میں غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنا حرام کر دیا گیا ہے سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لیے حرام ہے'

Marfat.com

اس کی کچھ تفصیل سورہ بقرہ رکوع نمبر ۴ میں گزر چکی ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے اس خواب کی تعبیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت سمجھ لی تھی کہ اگر یہ خواب یوسف کے بھائیوں نے سن لیا تو اندیشہ ہے کہ وہ گیارہ ستاروں کا مصداق اپنے ہی کو سمجھ لیں گے اس لئے کچھ ایسی تدبیر کریں گے کہ یوسف کی ہلاکت ہو جائے یا وہاں سے دور ہو جائے بھائیوں کے کان میں ان کے خواب کی بھنک پڑی تھی یا یونہی دشمنی پر اتر آئے تھے بہر حال وہ تو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر اور پھر چند درہم کے عوض فروخت کر کے اپنے خیال میں فارغ ہو چکے تھے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ اب یوسف کو نہ گھر واپس آنا ہے نہ اسے کوئی برتری اور بلندی حاصل ہونی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو آخر وہ دن آ گیا کہ یہ لوگ ان کے سامنے شرمندہ بھی ہوئے اور ان کو تعظیمی سجدہ بھی کیا سجدہ کرنے والوں میں گیارہ ستارے تو بھائی ہوئے اور چاند اور سورج والدین ہوئے جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ اے ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہوگئی' میں نے جو خواب دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر سچی فرما دی قرآن مجید میں ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ فرمایا ہے' معنی حقیقی کے اعتبار سے عربی زبان میں ابوین ماں باپ کے لئے بولا جاتا ہے ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام تو حقیقی طور پر والد کا مصداق تھے لیکن ان کے ساتھ جس خاتون کو تخت شاہی پر بٹھایا اور سب سجدہ ریز ہوئے ان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تھیں یا بطور مجاز خالہ کو والدہ فرمایا ہے جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں نکاح فرما لیا تھا تفسیر کی کتابوں میں دونوں باتیں لکھی ہیں حضرت حسن اور مورخ ابن اسحٰق سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ اس وقت تک ان کی حقیقی والدہ زندہ تھیں اگر ایسا ہو تو مجاز کی طرف جانے اور والدہ سے خالہ مراد لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے مجھے جیل سے نکالا چونکہ جیل سے نکلنے کے بعد ہی بلند مرتبہ پر پہنچے تھے اس لئے مصر میں جن نعمتوں سے سرفراز ہوئے ان میں ابتدائی نعمت کا تذکرہ فرما دیا اور چونکہ حصول اقتدار ہی سارے خاندان کو مصر بلانے کا ذریعہ بنا اس لئے ساتھ ہی دوسری نعمت کا تذکرہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو دیہاتیوں والی آبادی سے لے آیا اور یہاں میرے پاس لا کر بسا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ ﴿مِنْ م بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾ کہ یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا جبکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بگاڑ کی صورت بنا دی تھی' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں سے نکالنے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ جیل سے نکالے جانے کا تذکرہ فرمایا اور مزید یہ کیا کہ بھائیوں نے جو کچھ کیا تھا اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا ان دونوں باتوں میں حکمت یہ تھی کہ بھائی مزید شرمندہ نہ ہوں۔ جب معاف کر دیا اور ہر بات بھول بھلیاں کر دی تو اب اس کا تذکرہ کر کے دل دکھانا مناسب نہ جانا کریموں کی یہی شان ہوتی ہے۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ﴾ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر کر دیتا ہے۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالنے کے لیے دو قیدیوں کے خواب کی تعبیر کو تدبیر بنا دیا) ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ (بلاشبہ میرا رب جاننے والا ہے حکمت والا ہے) وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں' اس کے بعد غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرمایا (کما فی سورۃ الفاتحۃ) اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ (اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا ایک حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا ہے) اس میں اللہ کے دو انعامات کا تذکرہ فرمایا ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ملک عطا فرمایا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں من تبعیض کے لئے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ملک کا بڑا حصہ عطا فرمایا چونکہ اس جگہ بڑی نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لئے بڑا ملک مراد لینا مناسب ہے ای بعضا عظیما منہ اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ لفظ من اس لئے زیادہ فرمایا ہے کہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار تو حاصل تھا لیکن شاہی اقتدار دوسرے ہی شخص کا تھا جس نے اقتدار سپرد کیا تھا' دوسری نعمت جس کا تذکرہ فرمایا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم نصیب فرمایا' خوابوں کی تعبیر کا علم بہت بڑا علم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اسی تعبیر دانی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے نکلے اور مصر میں انہیں

Marfat.com

اقتدار حاصل ہوا۔

خواب کے بارے میں ضروری معلومات:

خواب میں جو کچھ دیکھا جائے اس کے اشاروں کو سمجھ کر جو تعبیر دی جائے اس تعبیر کا صحیح ہونا ضروری نہیں لیکن جن کو اللہ تعالیٰ خوابوں کے اشاروں کی سمجھ اور بصیرت نصیب فرماتا ہے وہ ان کو عموماً سمجھ لیتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مبشرات کے علاوہ نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات (بشارت دینے والی چیزیں) کیا ہیں آپ نے فرمایا اچھے خواب ہیں جنہیں کوئی مسلمان خود دیکھ لے یا اس کے لیے دیکھ لئے جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۴ صحیح بخاری و موطا امام مالک)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (بخاری ص ۱۰۳۰ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت بنا کر نہیں آسکتا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۳۶ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آخری زمانہ ہوگا تو مومن کا خواب جھوٹا ہونے کے قریب ہی نہ ہوگا اور سب سے سچا اس شخص کا خواب ہوگا جو اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہوگا پھر فرمایا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس میں اللہ کی طرف سے بشارت ہے اور دوسرا وہ ہے جو انسان کے اپنے خیالات ہوتے ہیں اپنے نفس سے جو باتیں کرتا ہے وہ خواب میں نظر آجاتی ہیں اور تیسرا خواب وہ ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ رنجیدہ کرنے کے لیے خواب میں آتا ہے (پھر فرمایا) سو تم میں سے جو کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو کسی سے بیان نہ کرے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الرؤیا)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو بائیں طرف کو تین بار تھتکارے اور تین بار اللہ کی پناہ مانگے شیطان سے (یعنی ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ پڑھے اور جس کروٹ پر لیٹا ہوا ہے اسے بدل دے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۹۴)۔

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کے چھالیس (۴۶) حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور وہ پرندہ کی ٹانگ پر ہے جب تک خواب بیان کرنے والا بیان نہ کر دے سو جب وہ (کسی کے سامنے) بیان کر دے گا اور اس کی تعبیر دے دی جائے گی تو تعبیر کے مطابق ظاہر ہو جائے گا اور اپنا خواب صرف ایسے شخص سے بیان کرو جو تم سے محبت رکھنے والا ہے (جو نامناسب تعبیر نہ دے) یا عقلمند آدمی سے بیان کرو جو اچھی تعبیر دے یا کم از کم یہی کرے کہ بری تعبیر سمجھ میں آئے تو خاموش رہ جائے۔ (رواہ الترمذی)

یہ جو فرمایا کہ خواب پرندہ کی ٹانگ پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے قرار نہیں ہے جیسی تعبیر دی جائے گی اس کے مطابق ہو جائے گا لہٰذا ایسے شخص سے ذکر نہ کرے جو محبت اور تعلق نہ رکھتا ہو اور ایسے دوست سے بھی بیان نہ کرے جو عقلمند نہ ہو۔

بعض خوابوں کی تعبیریں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خواب سنتے تھے اور ان کی تعبیر دیا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا (جو ان کے چچا زاد بھائی تھے) کہ ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ (کی دعوت) کا ظہور ہونے سے پہلے ان کو موت آگئی ان کے بارے میں کیا سمجھا جائے؟ آپ نے فرمایا میں نے انہیں خواب میں اس طرح دیکھا ہے کہ ان کے اوپر سفید کپڑے ہیں اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتے تو ان کے اوپر اس کے علاوہ دوسرا لباس ہوتا (رواہ

Marfat.com

الترمذی) آپ نے سفید کپڑوں سے اس پر استدلال کیا کہ انہوں نے جو تصدیق کی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان کے درجہ میں معتبر ہوگئی اور وہ دوزخ سے بچا دیئے گئے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے پیا اور اتنا پیا کہ یہ معلوم ہونے لگا کہ سیرابی ناخنوں سے ظاہر ہو رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا' حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس کی کیا تعبیر دی آپ نے فرمایا میں نے اس کی تعبیر علم سے دی یعنی مجھے اللہ نے بہت علم دیا اور اس علم میں سے عمر بن خطاب کو بھی عطا فرمایا۔ (بخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲)

اس حدیث میں دودھ سے علم مراد لیا ہے جیسا کہ دودھ اجسام کی پرورش کا ذریعہ ہے اسی طرح علم قلوب کی حیات کا سبب ہے۔

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان بن مظعون کے لیے ایک نہر جاری ہے میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا' آپ نے فرمایا کہ ان کا عمل جاری ہے (صحیح بخاری ص ۱۰۳۹ ج ۲) اس میں نہر جاری کی تعبیر آپ نے عمل جاری سے دی' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک کالی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ میں مقیم ہوگئی آپ نے اس کی تعبیر دی کہ مدینہ کی وباء نکل کر جحفہ میں چلی جائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۴۴ ج ۲)

آپ نے کالی عورت کو وباء سے تعبیر فرمایا اور آپ کی تعبیر کے مطابق ہی ہوا کیونکہ مدینہ کی آب و ہوا درست ہوگئی اور جحفہ برباد ہو گیا وہاں اس وقت یہودی رہتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے دیگر خوابوں کی تعبیر بھی مروی ہے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں حضرت محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کو اس میں بڑی مہارت تھی جیسا کہ مشہور ہے' بعض مرتبہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کی وجہ سے حیرت اور استعجاب اور فکر و رنج میں پڑ جاتا ہے لیکن اس کی تعبیر بہت اچھی ہوتی ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کو کھود کر ہڈیاں نکال رہا ہوں خواب دیکھ کر گھبرا گئے حضرت محمد بن سیرینؒ کے پاس آدمی بھیج کر تعبیر پوچھی تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو پھیلائے گا۔

ضروری نہیں کہ خواب کی جو تعبیر دی جائے صحیح ہونے کے باوجود اس کا ظہور جلدی ہو جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں لیکن اس کا ظہور طویل عرصے کے بعد ہوا جب اس کا ظہور ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ ﴿یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا﴾

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا بھی شکر کا ایک شعبہ ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہیں' نعمتوں کا اقرار کرنا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا اور پھر ان نعمتوں کو اعمال صالحہ میں لگانا اور گناہوں میں خرچ نہ کرنا یہ سب شکر کے شعبے ہیں نعمتوں کا انکار کرنا ناشکری ہے۔ سورہ نحل میں ایک ناشکری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾ (کیا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں) قارون کو اللہ تعالیٰ شانہ نے مال کثیر عطا فرمایا تھا جب اس سے کہا گیا ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (اور تو زمین میں فساد کا خواہاں مت ہو بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) تو اس نے جواب میں کہا ﴿اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ﴾ (کہ یہ مال جو مجھے ملا ہے صرف میرے ذاتی ہنر کی وجہ سے دیا گیا ہے) اس نے اسے اللہ کا دیا ہوا مال ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے ہی ہنر کی طرف نسبت کر دی پھر جو اس کا انجام ہوا سب کو معلوم ہے رسول اللہ ﷺ نے جو قولاً اور فعلاً اوقات مختلفہ کی دعائیں بتائی ہیں ان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار ہے صبح شام پڑھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو دعائیں بتائی ہیں ان میں سے سید الاستغفار بھی ہے اس دعا کے یہ الفاظ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ

Marfat.com

أَنْتَ رَبِّيْ خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ۔ (اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا فرمایا اور جہاں تک ہو سکے تیرے وعدہ پر قائم ہوں میں اپنے گناہوں کے شر سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور مجھ پر آپ کی جو نعمتیں ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں لہٰذا میری مغفرت فرما دیجئے کیونکہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا)۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار ہے اور اپنے گناہوں کا بھی اور مغفرت کی دعا بھی' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص اس کو دن میں یقین کے ساتھ پڑھ لے پھر صبح ہونے سے پہلے اس رات میں مرجائے تو اہل جنت میں ہوگا۔ (رواہ البخاری ص ۹۳۳/ ج ۲)

اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل ہونے کی دعا:

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں دعا کی ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (اے زمین و آسمان کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں)۔ ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھے نیک بندں میں شامل فرما دیجئے) اس سے معلوم ہوا کہ باایمان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتے ہوئے موت آجانا سب سے بڑی سعادت ہے' اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات مرتبہ کے اعتبار سے اپنے سے زیادہ ہوں ان کے احوال اور اعمال میں اور ان کی طرح اجر و ثواب کے استحقاق میں شامل ہونے کی دعا کرنا چاہئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خود نبی تھے پھر بھی دعا کی کہ اے اللہ مجھے صالحین میں شامل فرما دے یعنی باپ دادے حضرت یعقوب' اسحٰق اور ابراہیم علیہم السلام کے درجات میں پہنچا دے۔

یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کیوں کی وہ تو اچھے حال میں تھے' نعمتوں کی فراوانی تھی' حالانکہ دکھ تکلیف کی وجہ سے بھی موت کی دعا کرنا ممنوع ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں نہیں کہا کہ مجھے ابھی موت دے دی جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ مقررہ وقت پر جب مجھے موت آئے تو یہ سعادت نصیب ہو جس کا سوال کر رہا ہوں۔

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوْٓا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں' اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور وہ تدبیر کر رہے تھے' اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ حرص کریں' اور آپ اس پر ان سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتے یہ تو جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے۔

غیب کی خبریں بتانا آنحضرت ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے

یہ تو ہر دوست اور ہر دشمن کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا اور نہ ایسے لوگوں کی صحبت اٹھائی تھی جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کو بتاتے اور سناتے تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بتا دینا یہ واضح طریقہ پر آپ کی نبوت کی دلیل ہے' اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو یہ قصہ بتایا اور آپ نے لوگوں کو سنایا یہودیوں نے جب یہ قصہ سنا جسے وہ اپنے آباؤ اجداد سے سنتے آئے تھے تو انہیں اسلام قبول کر لینا لازم تھا لیکن انہوں نے پھر بھی اسلام قبول نہیں کیا' صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے کفار مکہ سے کہا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کہ وہ کیا سبب تھا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل اپنے وطن کو چھوڑ کر مصر میں آ کر آباد ہوئے قریش نے آپ سے سوال کیا تو سورۃ

Marfat.com

یوسف نازل ہوئی' یہودی اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی اٹھا کر لائے تھے اور انہوں نے سمجھا تھا کہ آپ کی طرف سے اس کا جواب نہ مل سکے گا اور قریش مکہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کو کسی طرح زچ کریں لیکن جب جواب مل گیا تو دونوں فریق وہیں رہے جہاں تھے یعنی اسلام قبول نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتاتے ہیں' جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مل کر یہ طے کر لیا کہ ان کو کنویں میں ڈال دیں اور وہ طرح طرح کی تدبیریں سوچ رہے تھے اس وقت وہاں آپ موجود نہیں تھے' یہ بات یہودیوں کو معلوم تھی اور قریش مکہ کو بھی سمجھا دی تھی پھر یہ بات آپ کو کس نے بتادی' ظاہر ہے کہ وحی کے ذریعہ اس بات کا علم ہوا لہٰذا سوال کرنے والوں اور سوال کی تلقین کرنے والوں پر لازم ہوا کہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں' آپ کا دل چاہتا تھا کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن اسلام قبول نہیں کرتے تھے' آپ کو امید تھی کہ یہ قصہ سن کر یہودی اور قریش مسلمان ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا حالانکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بتادیں تو اسلام قبول کر لیں گے (کما ذکرہ صاحب الروح عن بعضھم ص ۶۵ ج ۱۳) آپ کو حرص تھی کہ لوگ اسلام قبول کر لیں اور خصوصاً قصہ یوسفی سنانے کے بعد تو اور زیادہ امید ہو گئی تھی جب وہ لوگ ایمان نہ لائے تو آپ کو رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ اس بات میں حرص کریں اس کے بعد فرمایا ﴿وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ آپ ان سے اس پر کسی معاوضے کا سوال نہیں کرتے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (یہ جہاں والوں کے لئے صرف نصیحت ہی ہے) ان کے ایمان نہ لانے میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ان کا اپنا خسارہ ہے کہ نصیحت کو نہیں مانتے اور حق کی طرف نہیں آتے۔

فوائد و مسائل:

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ ختم ہوا قصہ بیان کرتے ہوئے تفسیر کے دوران ہم نے بہت سے فوائد اور ضروری امور لکھ دیئے ہیں لیکن بعض باتیں رہ گئی ہیں جنہیں مفسرین نے بیان کیا ہے ذیل میں وہ بھی لکھی جاتی ہیں جو کوئی بات مکرر آ گئی ہے قند مکرر سمجھ کر لکھ دیا گیا ہے۔

(۱) اچھا خواب اللہ کی نعمت ہے' مومن کے لئے بشارت ہے اور خواب کی تعبیر جاننا بھی اللہ کی نعمت ہے۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تجھے تکلیف دینے کی تدبیر کریں' اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ گمان ہو کہ اسے فلاں شخص نقصان پہنچائے گا تو جسے تکلیف پہنچانے کا احتمال ہو اسے یہ بات بتا دینا کہ تم احتیاط سے رہو فلاں شخص کی طرف سے تمہیں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے یہ غیبت حرام میں شامل نہیں۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پیغمبر نہیں تھے ورنہ وہ یوسف علیہ السلام کو بوڑھے باپ سے جدا کرنے کی تدبیر نہ کرتے' باپ کو تکلیف پہنچانا اور باپ بھی وہ جو اللہ کا پیغمبر ہے اس کا صدور کسی پیغمبر سے نہیں ہو سکتا انہوں نے بہت بڑے فسق کا عمل کیا' معلوم ہوا کہ صالحین کی اولاد سے بھی گناہ کبیرہ ہو سکتا ہے' اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کے گناہوں کی وجہ سے ماں باپ پر طعن و تشنیع کرنا یا انہیں گناہوں میں شامل سمجھنا صحیح نہیں جب کہ انہوں نے تعلیم اور تربیت میں کوتاہی نہ کی ہو جب انہوں نے نیکی کی راہ بتادی اور یہ بتادیا کہ یہ چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام بارہ بھائی تھے دس حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے تھے اور دو ان کی دوسری بیوی سے تھے' یعنی یوسف علیہ السلام اور بنیامین (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے) ان بارہ بیٹوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل چلی حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اس لئے ان کے تمام بیٹوں کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے' حضرت یعقوب علیہ السلام اور اس وقت جو آپ کی بیوی تھی اور بارہ بیٹے اپنی ازواج و اولاد کے

Marfat.com

ساتھ مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کا مصر میں انتقال ہو گیا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کو سابقہ وطن یعنی کنعان میں لا کر دفن کر دیا گیا جیسا کہ کتب تفسیر میں مرقوم ہے ان کے بیٹے مصر ہی میں رہتے رہے ان کی نسلیں آگے بڑھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ بھی حصہ نہ رہا اور وہاں سے واپس آ کر اپنے وطن کنعان میں بھی آباد نہ ہوئے مصریوں نے انہیں بری طرح غلام بنا رکھا تھا سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں گزر چکا ہے کہ مصری ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ ان کے سامنے اف بھی نہ کر سکتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو مصر سے لے کر نکلے جس کا واقعہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی بارہ بھائیوں کی اولاد بارہ قبیلوں میں منقسم تھی یہی وہ بارہ قبیلے تھے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں پانی کے لئے پتھر میں لاٹھی مارتے تھے تو بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے تو ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے پانی پی لیتا تھا تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ لوگ چار سو سال (۴۰۰) کے بعد مصر سے نکلے تھے۔

(۵) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جو اپنے والد سے یوں کہا کہ یوسف کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے وہ کھائے گا اور کھیلے گا اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ کھیلنا ممنوع کام ہے میں اس کے لئے نہیں بھیجتا بلکہ یوں فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے' حضرات علمائے کرام نے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ سیر و تفریح اور کھیل کود جو حدود شرعیہ کے اندر ہو جائز اور مباح ہے بچوں کو اس کا کھیلنا جائز ہے' اور بالغین بھی آپس میں دوڑ لگا سکتے ہیں بلکہ خیر کی نیت سے ہو تو اس میں ثواب بھی ہے' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ملک روم (یورپ کا علاقہ) فتح ہو گا اور اللہ ان کے شر کو تم سے دور رکھے گا تو تم میں سے کوئی ایک شخص اس سے عاجز نہ ہو جائے کہ اپنے تیروں سے کھیلا کرے (یعنی تیر اندازی کی مشق ہمیشہ کرتے رہو) (رواہ مسلم) چونکہ تیروں کا پھینکنا جنگ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے (اور اب تو جدید آلات حرب کا پھینکنا جنگ کا معیار بن گیا ہے) اس لیے آپ نے تیر اندازی کی مشق کا حکم دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے جس میں گھوڑوں کا مقابلہ ہوتا تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۶) جو بھی کوئی کھیل ایسا ہو جس میں کشف عورت نہ ہو' نماز سے غفلت نہ ہو' جوا نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو' ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے۔

(۶) جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قتل کا ارادہ کیا تو ان میں سے ایک بھائی نے جو سب سے بڑا تھا یوں کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ کسی کنویں میں ڈال دو تا کہ اسے آنے جانے والے قافلے اٹھا لیں' اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی جماعت کسی شر کا ارادہ کر ہی لے تو جس سے ہو سکے انہیں منع کر دے اگر بالکل منع نہ کر سکے تو کم از کم ایسی بات کا مشورہ دے دے جو فساد اور قباحت اور شناعت کے اعتبار سے ہلکی ہو۔

(۷) جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر فرما دیا کہ ایسا وقت آئے گا جبکہ تم ان کا یہ عمل یاد دلاؤ گے اور اسے لفظ اوحینا سے تعبیر فرمایا' عام طور سے لفظ وحی اللہ تعالیٰ کے انہی پیغامات کے لئے استعمال ہوتا تھا جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے پاس فرشتے کے ذریعے آتے تھے لیکن بعض دیگر مواقع کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں فرمایا ﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ اور شہد کی مکھی کے لئے ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ فرمایا ہے' چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے جانے کے وقت کمسن تھے اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو تسلی دینا اور یہ ارشاد فرمانا کہ تم اس بات کو اپنے بھائیوں کو بتاؤ گے الہام کے طور پر تھا' نبوت والی وحی سے اس وقت سرفراز نہیں ہوئے تھے' روح المعانی میں اس قول کو حضرت مجاہد تابعی کی طرف منسوب کیا ہے ان کی اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ چند آیات کے بعد اللہ جل شانہ نے ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکم کو نبوت کے معنی میں لیا ہے۔

Marfat.com

(۸) برادران یوسف جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ پر خون لگا کر لائے اور اپنے والد سے کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اپنی بات کی تصدیق کے لیے بطور سند خون آلود کرتہ پیش کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اندازہ لگالیا کہ یوسف کو بھیڑیا نے نہیں کھایا اور کرتہ کو صحیح سالم دیکھ کر انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کا بیان غلط ہے' بھیڑیا کھاتا تو کرتہ پھٹا ہوا ہوتا اور اپنی فہم وفراست پر انہیں اتنا اعتماد ہوا تو ان سے فرما دیا کہ ﴿سَوَّلَتۡ لَكُمۡ أَنفُسُكُمۡ أَمۡرٗا﴾ (بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے ایک بات بنالی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اور حاکم فریقین کے بیانات کے ساتھ حق اور ناحق کی چھان بین کے لیے اصول کے مطابق فیصلہ تو گواہوں اور قسم ہی کے ذریعہ کرے لیکن احوال اور قرائن میں غور کرنے سے حق اور حقیقت تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

(۹) حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت بڑا صدمہ پہنچا کہ ان کا چہیتا بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا انہوں نے بیٹوں کی غلط بیانی تو پکڑ لی لیکن آگے کچھ کر نہیں سکتے تھے صبر کے سوا چارہ بھی کیا تھا لہٰذا انہوں نے فرمایا فَصَبۡرٞ جَمِيلٞ اور ساتھ ہی یوں بھی کہا ﴿وَٱللَّهُ ٱلۡمُسۡتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگتا ہوں جو تم بیان کرتے ہو) اس سے معلوم ہوا کہ صبر جمیل بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف برابر توجہ بھی رہے' اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے اور مشکل حل ہونے کے لیے دعا کرتا رہے صبر جمیل وہ ہے جس میں شکوہ شکایت نہ ہو۔

(۱۰) قرآن مجید میں تصریح ہے کہ جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ عزیز تھا اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وزیر خزانہ تھا اور نام اس کا قطفیر تھا اور مصر کا بادشاہ دوسرا شخص تھا کیونکہ بادشاہ کا ذکر قرآن مجید میں عزیز مصر کے واقعہ کے بعد موجود ہے' مفسرین لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا نام ریان تھا جو قوم عمالقہ میں سے تھا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے ہی بحالت اسلام انتقال کر گیا۔

(۱۱) عزیز مصر کی بیوی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برے کام کے لئے پھسلایا تھا اس کا نام عام طور سے زلیخا مشہور ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کا نکاح ہوا یہ باتیں اسرائیلیات سے لی گئی ہیں قرآن مجید میں یا احادیث شریف میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

(۱۲) عزیز مصر کی بیوی نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلایا اور لبھایا تو اس نے دروازے بند کر دیئے اور هَيۡتَ لَكَ کہہ کر اپنا مقصد ظاہر کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ایسے کام سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں' اور یہ بھی کہا کہ تیرا شوہر میرا محسن ہے اس نے میری پرورش کی ہے۔ مجھے اچھی طرح رکھا ہے اب میں یہ خیانت کیسے کر سکتا ہوں کہ اس کی بیوی کے ساتھ ایسا کام کروں اگر میں ایسا کروں تو یہ ظلم اور ناشکری کی بات ہو گی' ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے' وقتی طور پر ان کے نفس کی کوئی خواہش پوری ہو جائے لیکن آئندہ زندگی میں وہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں گے۔

(۱۳) یہ تو انہوں نے زبانی طور پر اس عورت کو سمجھایا اور اپنی طرف سے اسے ناامید کرنے کی کوشش کی لیکن ساتھ ہی یہ ہوا کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے وہ عورت بھی پیچھے دوڑی حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ دروازے بند ہیں اس کے باوجود بھی انہوں نے دوڑ لگا دی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی گناہ کے موقع میں پھنس جائے تو اس سے بچنے کی ہر طرح کی تدبیر کر لے اور اپنے بس میں جو کچھ ہو گناہ سے بچنے کے لیے اسے استعمال کرے جب اپنی طاقت کے بقدر محنت اور کوشش کر گزرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آ جائے گی۔

(۱۴) جیسے مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے نیکی کا وزن بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچنے کی لائن میں بھی بعض حیثیتوں سے ثواب بڑھ جاتا ہے کسی شخص سے کوئی بدصورت گری ہوئی عورت بھنگن چمارن برے کام کے لئے کہے تو اس سے بچنا بھی بڑی ہمت کی بات ہے لیکن اگر کسی شخص سے کوئی دنیاوی اعتبار سے بڑے مرتبہ والی عورت اور وہ بھی جو حسین جمیل ہو بدکاری کی دعوت دے اس سے بچ جانا بہت بڑے درجہ کی بات ہے اور یہ تقویٰ پہلے شخص کے تقویٰ سے بہت زیادہ بلند ہے' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے سات آدمیوں کا ذکر فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا' جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا ان سات آدمیوں میں

Marfat.com

سے ایک شخص کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا ورجل دعته امراة ذات حسب وجمال فقال انی اخاف الله (اور ایک وہ شخص جسے مرتبہ اور حسن وجمال والی عورت نے برے کام کے لئے دعوت دی تو اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸)

حضرت یوسف علیہ السلام کو جس عورت نے برے کام کی دعوت دی تھی وہ وزیر کی بیوی تھی بظاہر وہ خوب صورت بھی ہوگی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے صاف انکار کر دیا' درحقیقت یہ بڑے دل گردہ کی بات ہے ایسے موقع پر گناہ سے بچ جانا بڑی ہمت اور قوی ایمان کی دلیل ہے اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے کوئی نشانی ظاہر فرما دی جو گناہ سے مانع بن گئی اور نشانی کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ (ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں۔)

(۱۵) حسن اخلاق اور حسن معاشرت بڑی عمدہ چیز ہے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں پہنچے تو وہاں جو دوسرے قیدی تھے (عموماً جرائم کی وجہ سے محبوس اور مسجون ہوتے ہیں) ان کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے خوش خلقی کا ایسا عمدہ برتاؤ کیا کہ وہ لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے دو شخصوں نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ نکل گیا کہ ﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ خاص کر مبلغ' مصلح اور داعی کو تو اور زیادہ خوش اخلاق ہونا ضروری ہے اس کے بغیر اس کا کام آگے نہیں بڑھتا حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق صدق وسچائی اور حسن معاشرت نے قیدیوں کے دلوں میں اس قدر گھر کر لیا تھا کہ بادشاہ کے خواب کی کوئی شخص تعبیر نہ دے سکا تو اس ایک شخص نے کہا جو جیل سے رہا ہوا تھا کہ میں تمہیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا وہ جیل میں آیا حضرت یوسف علیہ السلام سے ﴿يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ کہہ کر خطاب کیا اور اپنی عقیدت کی وجہ سے لفظ الصدیق کے بغیر بات کرنا گوارہ نہ کیا۔

(۱۶) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ واضح ہوا کہ جب کسی داعی مبلغ سے کسی کا کام پڑ جائے تو اسے ارشاد واصلاح کا ذریعہ بنا لے' جب حضرت یوسف علیہ السلام سے دو جوانوں نے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے تعبیر بعد میں بتائی اور موقع مناسب جان کر پہلے توحید کی دعوت دے دی اور اپنا تعارف بھی کرا دیا کہ میں کافروں کی ملت پر نہیں ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم' اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے دین پر ہوں جو اللہ کے نبی تھے۔

(۱۷) جیل سے جس شخص کی رہائی ہوئی اس سے یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت سے چھٹکارا کے لئے کوشش کرنا اور کسی کو واسطہ بنانا یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۸) کیسے بھی اسباب اختیار کر لئے جائیں ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر میں ہو' جب اللہ کی مشیت ہو اور قضا وقدر کے اعتبار سے مقرر وقت آچکا ہو سبب بھی اسی وقت کام دیتا ہے اور دوا بھی اسی وقت فائدہ مند ہوتی ہے دوا بنانے والے طبیب سے بھی اسی وقت ملاقات ہوتی ہے بلکہ بعض مرتبہ دعا کی بھی توفیق اسی وقت ہوتی ہے جب کام ہونے کا وقت مقرر آپہنچا ہو قد جرب ذلك كثيرا دعا' دوا اسباب اختیار کرتا رہے اللہ کے فضل کا امیدوار رہے' جب اللہ چاہے گا فائدہ پہنچ جائے گا' حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہا ہونے والے شخص سے فرما دیا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کر دینا لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا' لہٰذا چند سال جیل میں رہنا پڑا' پھر جب قضاء وقدر کے موافق جیل سے نکلنے کا وقت آیا تو بادشاہ کا خواب اور جیل سے نجات پانے والے کو یاد آجانا حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا ظاہری سبب بن گیا۔

(۱۹) جیل سے رہا ہونے والا ساتھی برسوں کے بعد جب خواب کی تعبیر لینے کے لیے واپس لوٹا تو حضرت یوسفؑ نے بڑے حلم اور بردباری سے کام لیا آپ نے اسے کچھ ملامت نہ کی اور یوں نہ فرمایا کہ تجھ سے اتنا کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو نے کچھ بھی نہ کیا۔

(۲۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بھی دی اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا کہ سات سال تک جو غلہ پیدا ہوگا اس کو بالوں میں محفوظ رکھنا تاکہ غلہ میں کیڑا نہ لگ جائے یہ ایک تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے اسے کیڑا نہیں لگتا اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور کے بارے میں مشورہ دینا اور اپنے تجربہ کے موافق انتظام کے طریقے سمجھانا یہ کوئی بزرگی اور نیکی کے خلاف نہیں ہے' اگر

Marfat.com

معاشی حالات درست کرنے کے لیے تجربات کو کام میں لایا جائے (جو شریعت کے خلاف نہ ہوں) تو یہ بات قابل نکیر نہیں ہے۔

(۲۱) عزیز مصر کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام کئی سال رہے اس نے اور اس کی بیوی نے اکرام سے رکھا کھلایا پلایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی احسان مندی کو سامنے رکھا اور جب بادشاہ کے سامنے اپنے معاملہ کی تحقیقات کا موقع آیا تو انہوں نے معاملہ کو ان عورتوں پر ڈال دیا جو عزیز مصر کی بیوی کی دعوت پر جمع ہوئی تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے' بات کو صاف کرنے کے لئے یوں فرمایا: ﴿مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ﴾ اور یوں نہیں فرمایا کہ عزیز کی بیوی سے دریافت کیا جائے'

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کا تو نام نہ لیا لیکن عزیز مصر کی بیوی خود بول اٹھی اور اپنے جرم کی اقراری ہوگئی اور اس نے برملا اقرار کیا۔ ﴿اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ کہ اب حق ظاہر ہوگیا میں نے اس سے اپنے مطلب نکالنے کا ارادہ کیا بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے۔

(۲۲) جب شاہی دربار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر ہوگئی تو انہوں نے یوں فرمایا ﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ (کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے) اس میں یہ بات بتائی کہ جس موقع پر میں گناہ سے بچا ہوں یہ بچ جانا میرا ذاتی کوئی کمال نہ تھا نفس کا کام تو یہی ہے کہ گناہوں کا حکم دیا کرے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (ہاں اللہ تعالیٰ دستگیری فرمالے تو انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے) اس میں متقیوں پرہیزگاروں کو تنبیہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کی جو توفیق ہوتی رہتی ہے اس پر نہ اترائیں اور نہ ناز کریں ﴿اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے)۔

(۲۳) قرآن حکیم میں نفس امارہ اور نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ تینوں کا ذکر آیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ امارہ اگر توبہ کر لے تو اس کی مغفرت فرمائی جاتی ہے اور مرتبہ توبہ میں وہ لوامہ کہلاتا ہے اور جو مطمئنہ ہے وہ کمال اس کا لازم ذات نہیں بلکہ عنایت ورحمت کا اثر ہے' پس امارہ کے لوامہ ہونے پر غفور کا ظہور ہوتا ہے اور مطمئنہ میں رحیم کا۔

(۲۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اپنے بارے میں ﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ دینی ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کر دینا جائز ہے اور یہ اس تزکیہ نفس میں نہیں آتا جس کی ممانعت قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا غرور وتکبر اور فخر کے لیے نہ ہو۔

(۲۵) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلی بار جب مصر سے غلہ لے کر واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اب کی مرتبہ اس کو بھی لے آنا اگر تم اسے ساتھ نہ لائے تو پھر تمہیں غلہ نہیں ملے گا' جب ان لوگوں نے واپس ہو کر اپنے والد سے بیان کیا کہ عزیز مصر نے یہ بات کہی ہے کہ اپنے بھائی کو نہ لاؤ گے تو غلہ نہیں ملے گا اور یہ بیان کر کے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں پھر جانا ہے لہٰذا چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ بھیج دیا جائے والد صاحب کو بھیجنے میں تردد تو ہوا لیکن انہوں نے فرمایا کہ جاؤ اللہ بہترین حافظ ہے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور حقیقی محافظ وہی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ حفاظت کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر دی اور ان سے قسم بھی لی کہ اسے تم ضرور واپس اپنے ہمراہ لے کر آؤ گے جب انہیں قسم دی تو ساتھ ہی ﴿اِلَّآ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ﴾ بھی فرما دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم واقعی اس کے لانے سے مجبور ہو جاؤ تو یہ دوسری بات ہے' اس میں اس بات کو بیان فرمایا کہ تم کیسا ہی وعدہ کر لو کیسی ہی قسم کھالو ہوگا وہی جو اللہ کی قضاء وقدر میں ہوگا اگر تم کسی ایسی مصیبت میں گھر گئے کہ اسے ساتھ نہ لاسکے اور اللہ کی قضاء وقدر غالب آگئی تو یہ صورت قسم میں شامل نہیں اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص قسم کھائے یا قسم کھلائے تو ساتھ یہ بھی کہہ دے کہ اللہ کی طرف سے کوئی مجبوری اور معذوری پیش آگئی تو وہ مستثنیٰ ہے اگر کسی نے کسی سے وعدہ لیا اور اس نے پختہ وعدہ کر لیا اور اپنی طاقت کے بقدر اس نے پورا کرنے کی کوشش کی اور پھر بے بس اور مجبور ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کر سکا تو اس کو سرزنش اور ملامت نہ کی جائے۔

Marfat.com

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر یہ لوگ گذرتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کیے ہوئے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ شرک کرنے والے ہیں، کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں کہ ان پر اللہ کی طرف سے عذاب کی کوئی ایسی آفت آپڑے جو ان کو گھیر لے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان فرمانے کے بعد (جو آپ کی نبوت پر واضح دلیل ہے) مخاطبین کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں کو توحید سے اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے سے عناد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بہت سی تکوینی نشانیاں دیکھتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے آسمان میں نشانیاں ہیں مثلاً ستارے ہیں اور خود آسمان کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی صفت تخلیق پر دلالت کرتا ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح زمین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، ان سب نشانیوں کو یہ لوگ دیکھتے ہیں سفر میں جاتے ہیں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف نہیں آتے، جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے شرکاء بھی تجویز کرتے ہیں یعنی ان باطل معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، شرک کے ساتھ ماننا کوئی ماننا نہیں ہے یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ ان لوگوں کا نہ توحید پر ایمان ہے نہ آپ کی رسالت کا انہیں اقرار ہے، کفر و شرک کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور بالکل اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں، اللہ کے عذاب اور غضب سے نہیں ڈرتے کیا انہیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آئے گا اور کیا اچانک قیامت نہیں آسکتی ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا عذاب آسکتا ہے جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے یا اچانک قیامت آجائے، اور انہیں خبر بھی نہ ہو، وھذا کقولہ تعالیٰ ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (الآیتین) اور آخرت میں ہر کافر کے لئے دائمی عذاب ضروری ہے ہی۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں بصیرت پر ہوں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم فرمایا ہے کہ آپ واضح طور پر لوگوں سے کہہ دیں اور کفار اور مشرکین کے سامنے اعلان فرما دیں کہ میں جس راہ پر ہوں یہ میرا راستہ ہے جو توحید کا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میری یہ دعوت پوری بصیرت کے ساتھ ہے اور نہ صرف یہ کہ میں بصیرت پر ہوں بلکہ جن لوگوں نے میرا اتباع کیا وہ بھی بصیرت پر ہیں اس میں یہ بتا دیا کہ یہ میری دعوت حق

Marfat.com

ہے صحیح ہے سمجھ کر ہوش گوش کے ساتھ ہے، میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں تم میری کیسی ہی مخالفت کرلو میں بہر حال اپنے عقیدہ اور عمل پر قائم ہوں، جو شخص بھی یوں کہے کہ میں مسلمان ہوں محمد رسول اللہ ﷺ کے دین پر ہوں اس پر لازم ہے کہ پوری طرح دین اسلام پر جمے کسی قسم کی کچائی کو نفس میں اور قلب میں جگہ نہ دے اور دشمنوں سے واضح طور پر ٹھوک بجا کر ڈنکے کی چوٹ پر بات کرے اور ان سے کہہ دے کہ میں حق پر ہوں پوری بصیرت کے ساتھ ہوں تم لوگ باطل ہو، جو کوئی شخص دین اسلام پر اعتراض کرے تو خوب بڑھ چڑھ کر اس کا منہ توڑ جواب دے اور دلائل سے بات کرے کسی دشمن سے ذرا بھی نہ دبے نہ لچک اختیار کرے وَسُبْحَانَ اللّٰهِ (اور میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں) ہر طرح کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرتا ہوں۔ ﴿وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) مشرکین جو بھی کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں میں اس سے بری ہوں بیزار ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب آدمی ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گذرے اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے

مشرکین مکہ اور دوسرے کفار کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں تو ان لوگوں نے کٹ حجتی کی اور طرح طرح کے بے تکے سوالات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا جواب دیا کہ ہم نے جتنے بھی رسول پہلے بھیجے ہیں وہ سب انسان ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے، یہ حضرات اپنی اپنی امتوں کی طرف بھیجے گئے اور ان کو حق کی دعوت دی اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ ہم جنس ہی ہم جنس کو صحیح طریقہ پر ہدایت دے سکتا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی، یعنی زبان سے بھی بتا سکتا ہے اور فعلاً عمل کر کے بھی دکھا سکتا ہے اور یہ بات فرشتوں کے ذریعے حاصل نہیں کیونکہ ان میں انسانی مزاج اور طبیعت نہیں ہے لہٰذا عمل کر کے نہیں دکھا سکتے آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بھی انسان ہی تھے، ان حضرات کی امتوں نے ایسے ہی بے تکے سوال کیے تھے جو آپ کے مخاطبین اٹھا رہے ہیں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے جو آپ کو پیش آیا آپ سے پہلے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔ ﴿کما فی سورة الرعد قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (الی اخر الایتین)

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ اس میں مخاطبین کو تذکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم توحید پر نہیں آتے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے کیوں اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے، کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا جس کی وجہ سے ماخوذ ہوئے اور ہلاک ہوئے زمین پر چلیں پھریں تو ان کے مکانوں کے کھنڈر اینٹ اور پتھر بے کار پڑے ہوئے کنویں نظر آئیں گے، اگر عبرت حاصل کرنے کا مزاج ہو تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ یعنی جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں کفر و شرک سے بچتے ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں

Marfat.com

فرائض واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دار آخرت میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور دار آخرت ان کے لئے ان دنیاوی نفع کی چیزوں سے بہتر ہے جن سے اہل دنیا چپکے ہوئے ہیں اور یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں اور اعمال خیر سے دور رکھ رہی ہیں اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ گرفت میں دیر ہونا دلیل اس بات کی نہیں کہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ ہو گے۔

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا جَآءَہُمۡ نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور انہیں یہ گمان ہو گیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی تو ہماری مدد ان کے پاس آ گئی پھر ہم نے جس کو چاہا اسے نجات دیدی' اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹایا جاتا۔

ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا

پہلی آیت میں پرانی امتوں کی تکذیب اور ہلاکت کا ذکر تھا اس آیت میں ان کی تکذیب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ یقین تو تھا کہ مکذبین ومنکرین کے مقابلہ میں ضرور ہماری مدد ہو گی' لیکن مدد میں دیر لگی' دشمن اپنی دنیا میں منہمک رہے عیش وآرام سے زندگی گزارتے رہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انہیں مہلت دی جاتی رہی اس کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے گمان کر لیا کہ ہم نے جو یہ سمجھا تھا کہ جلد ہی ہماری مدد ہو گی اور دشمن جلد ہلاک ہوں گے ہمارا یہ گمان صحیح نہیں تھا وجہ اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق مدد کا وعدہ تھا اس کا کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا لہٰذا جلدی مدد آنے کا خیال کرنا یہ اپنی طرف سے ایک گمان تھا۔ اور دشمنوں کو لمبی مہلت مل جانے کی وجہ سے کچھ ایسا وہم ہونے لگا کہ گویا دنیا میں ہماری مدد نہ ہو گی یہ اس کے قریب ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ ﴿حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ﴾ جب یہ حال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا نجات دیدی' یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان نجات پا گئے' قال صاحب الروح ج ۱۳ ص ۷۹۔

والمعنى ان مدة التكذيب والعداوة من الكفار وانتظار النصر من الله تعالىٰ قد تطاولت وتمادت حتى استشعروا القنوط وتوهموا عنها ان لا نصر لهم فى الدنيا انتهى هذا على قرأة كذبوا بالتخفيف التى هى قرأة الكوفيين وقرأة الاخرين منهم عائشة رضى الله عنها بالتشديد وفسرت الاية كما روى عنها البخارى فى تفسير هذه الاية ج ۲ ص ۶۸۰ هم اتباع الرسل الذين امنوا بربهم وصدقوهم فطال عليهم البلاء واستاخر عنهم النصر حتى اذا استيئس الرسل ممن كذبهم من قومهم وظنت الرسل ان اتباعهم قد كذبوهم جاءهم نصر الله عند ذلك وفى معنى الاية وجه اخر ذكره ابن كثير عن ابن عباس وهو انه لما ايست الرسل ان يستجيب لهم قومهم وظن قومهم ان الرسل قد كذبوهم جاءهم النصر على ذلك (ج ۲ ص ۴۹۸)۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

البتہ ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے یہ قرآن ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تراشی ہوئی ہو بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں یہ کتاب ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والی ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان

Marfat.com

لاتے ہیں۔

ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے

یہ سورۂ یوسف کی آخری آیت ہے اس میں چار باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے جو لوگ اپنی عقل کو کام میں لاتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کر لیتے ہیں دوسری بات یہ بتائی کہ یہ قرآن جو پڑھا جاتا ہے اور دوست و دشمن سب کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تراش لیا ہو اس میں جو امم سابقہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہ بھی تراشے ہوئے نہیں ہیں پھر اس سے دور کیوں بھاگتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو توحید کی دعوت ان کتابوں میں تھی وہی قرآن مجید میں ہے پھر قرآن کی دعوت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے' خاص کر یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان کو تو قرآن سے دور بھاگنے کا کوئی موقع ہی نہیں جب قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہی بیان کرتا ہے جو ان کی کتابوں میں ہے تو سب سے پہلے ان کو قبول کرنا لازم ہے' کما قال تعالیٰ ﴿وَلَا تَكُونُوْا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ﴾ چوتھی بات یہ بتائی کہ قرآن میں ہر بات کی تفصیل ہے یعنی واضح طور پر تمام عقائد اور اصولی طور پر تمام احکام بتا دیئے۔

نیز یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت بھی ہے رحمت بھی' کیونکہ یہی حضرات اس کے احکام قبول کرتے ہیں اور اس کی آیات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

وقد تم تفسير سورة يوسف عليه السلام والحمد لله على الاتمام والصلاة على رسوله البدر التمام وعلى اله وصحبه البررة الكرام

Marfat.com

ایاتها ٤٤ — ١٣ سورة الرعد مدنية ٩٦ — ركوعاتها ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورہ رعد مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ط وَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ
الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ط كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ
تُوْقِنُوْنَ ② وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ط وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ
فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَ فِي الْاَرْضِ
قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف
وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

المر یہ کتاب کی آیتیں ہیں، اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا حق ہے، لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے، اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرمادیا تم ان آسمانوں کو دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمادیا ہر ایک مدت مقررہ کے مطابق چلتا ہے وہ کام کی تدبیر فرماتا ہے، نشانیوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو، اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا فرمادیں اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسمیں پیدا فرمائیں اور رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں، اور زمین میں ٹکڑے ہیں جو آپس میں پڑوسی ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض کی جڑ بعض سے ملی ہوئی ہیں اور بعض ملی ہوئی نہیں ہیں انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں۔

آسمانوں کی بلندی، شمس و قمر کی تسخیر اور زمین کے پھیلاؤ، پھلوں کی انواع و اقسام میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں

یہاں سے سورۃ الرعد شروع ہو رہی ہے اس کی ابتداء المر سے ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے ان کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، پہلے تو فرمایا ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب کی یعنی قرآن کی آیات ہیں، پھر فرمایا ﴿وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ﴾ اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا وہ حق ہے، اس کا حق ہونا امر واقعی ہے کوئی مانے نہ مانے وہ بہر حال حق ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

Marfat.com

النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے) چونکہ لوگ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اپنے رواج اور باپ دادوں کے اتباع ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے ایمان قبول نہیں کرتے۔ پھر فرمایا ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو اونچائی پر بغیر ستونوں کے بنادیا) اتنے بڑے بڑے آسمان ہیں جو بغیر کسی ستون کے بلندی پر قائم ہیں اور آسمان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا) استواء علی العرش کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا جو مسلک ہے ہم سورہ اعراف (رکوع ۶) کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ (اور چاند اور سورج کو مسخر فرمادیا) انہیں جس کام میں لگایا ہے اسی میں لگے ہوئے ہیں ﴿كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ (ان میں سے ہر ایک وقت مقرر کے مطابق چلتا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو نظام ان کے لیے مقرر فرمادیا ہے اسی کے مطابق چلتے ہیں ہر ایک کا مدار مقرر ہے ان کی تیز رفتاری اسی مدار پر ہے۔

سورہ یٰسین میں آفتاب کے بارے میں فرمایا ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ (اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے)۔

پھر فرمایا ﴿لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ (نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں)۔

بعض حضرات نے لِاَجَلٍ مُّسَمًّی سے دنیا کا وجود مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ چاند سورج دونوں وقت معین تک چل رہے ہیں اور وقت معین قیامت کا قائم ہونا ہے جب قیامت قائم ہوگی تو یہ چاند اور سورج کا نظام ختم ہو جائے گا۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی عالم سفلی اور عالم علوی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہے جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرمایا ہے۔ ﴿یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ (وہ آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو) اس سے بعض حضرات نے آیات قرآنیہ مراد لی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیات سے دلائل توحید مراد ہیں خواہ دلائل تشریعیہ ہوں (جو آیات قرآنیہ کو بھی شامل ہیں) اور خواہ دلائل تکوینیہ ہوں جن میں سے بعض کا ذکر اسی آیت میں گزر چکا ہے ان آیات کا بیان فرمانا اس لئے ہے کہ تم غور اور فکر سے کام لو اور یہ سمجھ لو کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی ایسی عظیم چیزوں کے پیدا فرمانے پر قادر ہے تو بدرجہ اولیٰ ان مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے اسی کے حکم سے قیامت قائم ہوگی اور وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا جو حساب کے موقع پر حاضر ہوں گے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے فرمائے گا اسی کو بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ سے تعبیر فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ﴾ (اور اللہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں بوجھل پہاڑ پیدا فرمادیئے جو اپنی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے ہیں) سورہ لقمان میں فرمایا ﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ کہ اللہ نے زمین پر بھاری بوجھل پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ حرکت نہ کرے' اس میں پہاڑوں کے پیدا فرمانے اور ان کو بوجھل بنانے اور زمین پر جما دینے کی حکمت بیان فرمائی وَاَنْهٰرًا (اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا فرمائیں) یہ نہریں انسانوں کے لیے پانی پینے اور جانوں کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں' آیت شریفہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ زمین کو پھیلا دیا یہ پھیلانا زمین کے کرہ ہونے کے منافی نہیں ہے اگر زمین کروی ہو جیسا کہ اہل سائنس کہتے ہیں کہ یہ زمین کے پھیلاؤ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ پھیلاؤ کے لیے کسی چیز کا اول سے آخیر تک سطح واحد ہونا ضروری نہیں ہے' زمین چونکہ بہت بڑی ہے اس لئے انسانوں کو اس پر رہنا چلنا پھرنا اور سفر کرنا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ سطح واحد پر ہی جارہے ہیں' چیونٹی کے طول و عرض کو جو ایک بہت بڑی گیند سے نسبت ہے انسانوں کی آبادیوں کو زمین کے پھیلاؤ سے وہ نسبت بھی نہیں ہے۔

﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ (اور زمین میں ہر طرح کے پھلوں میں سے دو دو قسم کے پھل پیدا فرمائے) مثلاً

Marfat.com

بعض کھٹے ہیں، بعض میٹھے بعض چھوٹے ہیں اور بعض بڑے کسی کا رنگ مثلاً پیلا ہے اور کسی کا رنگ ہرا ہے قال صاحب الروح ص ۱۰ ج ۱۳ جعل من کل نوع من انواع الثمرات الموجودة فی الدنیا ضربین وصنفین اما فی اللون کالابیض والاسود اوفی الطعم کالحلو والحامض او فی القدر کالصغیر والکبیراو فی الکیفیة کالحارو البارد فما اشبه ذالك' صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: دنیا میں موجود تمام پھلوں کی دو دو قسمیں بنائیں یا تو رنگ کے اعتبار سے جیسا کہ سفید اور سیاہ یا ذائقہ کے لحاظ سے جیسے میٹھا اور کھٹایا مقدار کے لحاظ سے جیسے چھوٹا اور بڑا یا کیفیت کے اعتبار سے جیسے ٹھنڈا اور گرم اور اسی طرح دیگر صورتیں چونکہ رنگ اور مزے دو سے زیادہ بھی ہوتے ہیں اس لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ میں تعداد انواع بیان فرمانا مقصود ہے، تعدد کا سب سے پہلا مرتبہ دو ہے اس لیے زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ فرمادیا لہٰذا یہ اس کے معارض نہیں کہ کسی پھل کے انواع کثیرہ ہوں یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ (اللہ تعالیٰ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے) یعنی دن کی روشنی کے بعد رات کو لے آتا ہے جس سے دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے، جس طرح کسی روشن چیز کو کسی پردہ سے ڈھانپ دیا جائے اسی طرح رات ڈھانپ لیتی ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یہ جو کچھ باتیں بیان کی گئیں ان میں فکر کرنے والے فکر کریں اور یہ سوچیں کہ مذکورہ بالا چیزوں کی تخلیق اور ان کی ایجاد اور ان کا بقاء اور ان کی تسخیر اور ترتیب بغیر کسی متصرف کے نہیں ہے' ان کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور ان کو باقی رکھنے والا بھی ہے اور ان کو مسخر کرنے والا بھی ہے غور کریں گے تو خالق اور مالک کی الوہیت اور وحدانیت سمجھ میں آجائے گی۔ ﴿وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ (الایة) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیداوار کا تذکرہ فرمایا اس پیداوار میں جو عجائب قدرت ہیں ان کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ زمین میں بہت سے قطعے ہیں۔ جو آپس میں ملتے ہیں ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے متصل ہے ان میں انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض درخت ایسے ہیں کہ اوپر جاکر ایک تنے دو تنے ہو جاتے ہیں اور عام درختوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور بعض درخت ایسے ہیں جن کا آخر تک ایک ہی تنا رہتا ہے جیسا کہ کھجور کے درخت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے' ان باغوں اور کھیتیوں کو ایک ہی طرح کا پانی پلایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مزوں میں مختلف ہوتے ہیں، بعض پھلوں کو بعض دوسرے پھلوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے ایک ہی زمین ہے ایک ہی جنس کے پھل ہیں لیکن مزہ میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ کھاری زمین اچھی زمین سے متصل ہے اور دونوں میں درخت ہیں لیکن کھاری زمین کا اثر میٹھی جنس کے پھلوں میں نہیں آتا بلکہ خود کھاری زمین کے پھل بھی میٹھے ہوتے ہیں' پھلوں کی میٹھی جنس کا مزاج زمین کے کھاری پن پر غالب آجاتا ہے' ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں سمجھداروں کے لیے نشانیاں ہیں) عقل والے غور کریں گے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے خالق و مالک کو پہچان سکتے ہیں جو ان چیزوں میں اپنی سمجھ کو خرچ نہیں کرتے وہ اہل عقل ہی نہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓىٕكَ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷

Marfat.com

اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کا یہ قول لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا ہوں گے' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے واقعات گزر چکے ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود انہیں بخش دینے والا ہے' اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت عذاب والا ہے' اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں' ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی۔ آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ہدایت دینے والے ہوتے چلے آئے ہیں۔

منکرین بعث کا انکار لائق تعجب ہے' ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر آپ کو مخاطبین کے انکار قیامت سے تعجب ہے تو آپ کا تعجب واقعی برمحل ہے' ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے سرے سے ہماری پیدائش ہوگی' اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہرے ان کے سامنے ہیں ان کے ہوتے ہوئے پھر تعجب کر رہے ہیں کہ ہم کیسے زندہ ہوں گے' وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم خود اور ہمارے آباؤ اجداد موجود نہیں تھے سب کو خالق جل مجدہ نے پیدا فرمایا ہے نطفہ سے' نطفہ بھی بے جان ہے جس نے نطفہ میں جان ڈال دی وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مٹی سے دوبارہ پیدا فرما دے اور مٹی کے اجزاء میں دوبارہ جان ڈال دے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہ تو دنیا میں ان کا حال ہے اور آخرت میں ان کو جو سزا دی جائے گی اس میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں گے ﴿ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

پھر فرمایا ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴾ (آپ سے یہ لوگ عافیت سے پہلے مصیبت کے جلدی آجانے کا تقاضا کرتے ہیں) یعنی ان سے جو کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ورنہ تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب بھگتنا ہوگا تو بطور استہزاء اور تمسخر کہتے ہیں کہ لاؤ عذاب لا کر دکھا دو' یہ لوگ عافیت سے اور سلامتی والی حالت میں جی رہے ہیں اس کے بجائے عذاب طلب کر رہے ہیں' چونکہ عذاب والی بات کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اس لئے عافیت اور سلامتی کا جو وقت اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں مقرر ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی عذاب آنے کی رٹ لگا رہے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ جب عذاب آجائے گا تو ٹالا نہ جائے گا۔ سورہ ہود میں فرمایا ﴿ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ (اور اگر ہم ایک وقت مقرر تک ان سے عذاب موخر کر دیں تو کہتے ہیں کہ اسے کس نے روک رکھا ہے' خبردار جس دن عذاب آئے گا تو وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے وہ ان پر نازل ہو جائے گا)۔

﴿ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ﴾ (حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے رسوا کن واقعات گزر چکے ہیں) یعنی ان سے پہلے قوموں پر عذاب آچکا ہے۔ عذاب کے واقعات کا ان کو علم ہے پھر بھی عذاب آنے کی خواہش کر رہے ہیں۔ یہ ان کی بے ہودگی اور بدفہمی کی بات ہے قال صاحب الروح المثلت جمع مثلة کثمرة وثمرات وهي العقوبة الفاضحة۔

﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ مطلب یہ ہے کہ گناہ کر کے جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمانے والا ہے' کبھی توبہ سے کبھی بلا توبہ' کبھی حسنات کے ذریعہ سیئات کا کفارہ فرما کر اور کبھی اموال و اولاد وغیرہ میں مصیبت بھیج کر) اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا بھی ہے (مغفرت والی بات سن کر سرکشی اور نافرمانی میں آگے بڑھتے ہوئے نہ چلے جائیں' اگر گرفت ہوگی تو عذاب کی مصیبت سے بچ نہ سکیں گے) کافروں کی مغفرت کے لیے لازم ہے کہ کفر سے توبہ کریں اہل ایمان

Marfat.com

سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ان کی مغفرت کی صورتیں متعدد ہیں جو ابھی اوپر بیان کی گئیں۔

فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد:

پھر فرمایا ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ﴾ (یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لیے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہئے جو ہم چاہتے ہیں) جاہلوں نے ضد و عناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لیے جو حیلے تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہئے۔ درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہو گیا اور نبی کی نبوت ثابت ہو گئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی بعض معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے فرمائشی معجزوں کی بات کرنا قبول حق کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنی ضد پر قائم رہنے کے لیے تھا۔

پھر فرمایا ﴿إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ﴾ کہ آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام بس حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ فکر مند نہ ہوں جب آپ نے انذار و تبلیغ کا کام کر دیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا ان کا کام ہے پھر فرمایا ولكل قوم هاد یعنی آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اقوام عالم کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث ہوتے رہے ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی اقوام میں سے کسی نے حق قبول کیا اور کسی نے رد کر دیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے منکرین کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں سورۂ احقاف میں فرمایا ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ﴾ (سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے عذاب آنے کی جلدی نہ کیجئے)۔

فائدہ: ولكل قوم هاد فرمایا ولكل قوم نبی نہیں فرمایا۔ ہادی کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں جو اہل علم تھے وہ اپنے اپنے نبی کی امتوں کو ہدایت دیتے رہے اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا تحقیقی ثبوت نہ ملے تو اس آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی نہ آئے تو ان کے نائب ہادی ضرور آئے گو ہمیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے جس کسی کی نبوت کا ثبوت نہ ہو اسے خواہ مخواہ اس لئے نبیوں کی فہرست میں شمار کر لینا کہ اقوام عالم میں سے کوئی نہ کوئی قوم اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور ان کے مذہب کا پیشوا اور بانی ہے یہ غلط ہے اور گمراہی ہے بعض لوگ ہندوؤں بدھوں اور زرتشتوں کے بڑوں کو نبی ماننے کو تیار ہیں یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے یہ لوگ آیت کریمہ ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ سے استدلال کرتے ہیں اول تو آیت میں لفظ ہاد ہے لفظ نبی ہوتا تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض انکل سے نبی ماننا غلط ہے پھر ان اقوام کے پیشواؤں کی تعلیمات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ان میں شرک ہے اور ان میں سے بعض لوگوں کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں وہ ننگی تصویریں ہیں کوئی نبی ننگا نہیں رہ سکتا شرم اور حیاء تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار ہے ننگا رہنے والا کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ ایک احتمال ہے کہ جو حضرات موحد تھے ان کے ماننے والوں نے ان کے دین میں شرک داخل کر دیا ہو اور ان کی ننگی تصویریں خود سے تجویز کر دی ہوں لیکن یقین کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور بلا دلیل شرعی کسی کی نبوت کا اعتقاد رکھنا بھی باطل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمانے کا اعلان فرما دیا تو ان کے بعد کسی کا دعوائے نبوت کرنا اور اس کی تصدیق کرنا سراپا کفر ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾

Marfat.com

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ ﴿١١﴾

اللہ جانتا ہے جو کوئی کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی اور بیشی ہوتی ہے' اور ہر چیز اللہ کے نزدیک ایک خاص مقدار کے ساتھ ہے' وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے بڑا ہے برتر ہے' تم میں سے جو کوئی شخص کوئی بات آہستہ سے کہے اور جو شخص پکار کر کہے اور جو شخص رات میں چھپا ہوا ہو اور جو شخص دن میں چلتا پھرتا ہو یہ سب برابر ہیں' ہر ایک کیلئے آگے پیچھے آنے جانے والے فرشتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے آتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے' اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اسے کوئی واپس کرنے والا نہیں' اور ان لوگوں کے لیے ان کے سوا کوئی مددگار نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے' وہ علانیہ اور پوشیدہ سب چیزوں کو جانتا ہے' ہر اونچی اور آہستہ آواز اس کے نزدیک برابر ہے' رات میں چھپا ہوا اور دن میں چلنے والا ہر ایک اس کے علم میں ہے۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنی صفات جلیلہ میں سے صفت علم کو بیان فرمایا ہے کہ عورتوں کو جو حمل رہ جاتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتا ہے کب استقرار ہوا اور کب وضع حمل ہوگا اور لڑکا وجود میں آئے گا یا لڑکی' ادھورا بچہ پیدا کرے گا یا پورا بچہ پیدا ہوگا اور اس کا رنگ وروپ کیسا ہوگا اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ رحم میں بچہ ہے یا یوں ہی ہوا کی وجہ سے پھولا ہوا ہے' رحموں میں سے جو چیز کم ہوتی ہے اور جو چیز رحموں میں زیادہ ہوتی ہے یعنی بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے بچہ کی ابتداء کتنے جسم اور کتنے وزن سے ہوتی ہے پھر اس میں کتنا اضافہ ہوا اور یہ بات کہ یہ بچہ تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا دیر لگے گی اور یہ کہ رحم میں ایک بچہ ہے یا جڑواں بچے ہیں اور جڑواں بچوں میں سے ایک باہر آ گیا تو اندر باقی کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ' ان سب باتوں کا اللہ تعالیٰ کو پوری طرح علم ہوتا ہے یہاں پہنچ کر بعض بے علم یہ اشکال کرتے ہیں کہ رحم میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی اس کے بارے میں ڈاکٹر پہلے سے بتا دیتے ہیں لہٰذا یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے محل نظر ہوگئی' ان لوگوں کا یہ سوال اور اشکال غلط ہے اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ آلات اور تجربات کی بنیاد پر نہیں ہے وہ علیم اور خبیر ہے اسے کسی آلہ اور کسی تجربہ کی ضرورت نہیں اور مخلوق کا جو علم ہے وہ تجربہ اور گمان اور آلات پر مبنی ہے' پھر ان کی بات غلط بھی نکل آتی ہے۔ یہ علم جو مخلوق کا محتاج ہے یعنی آلات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے یہ علیم اور خبیر جل مجدہ کے علم کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ جسے تخلیق عالم سے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس مرد کے نطفہ سے اور کس عورت کے رحم سے کیا پیدا ہوگا اور کب پیدا ہوگا اور پورا ہوگا یا ادھورا ہوگا اس کے علم کی شان ہی اور ہے۔ ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر ہے۔ اس عموم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بچہ کتنے دن شکم مادر میں رہے گا کتنے برس دنیا میں جئے گا' اسے کتنا رزق ملے گا اور کیا کیا عمل کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

پھر فرمایا ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ اللہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کو اور تمام امور کو جانتا ہے وہ بڑا ہے (اور) برتر ہے۔

پھر معلومات الٰہیہ کی مزید جزئیات ذکر فرمائیں اور فرمایا ﴿سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ﴾ (الآیۃ) کہ تم میں جو شخص آہستہ سے بات کرے اور جو زور سے بولے اور جو شخص رات میں کہیں چھپا ہوا ہو یا دن میں کہیں چل پھر رہا ہو اللہ تعالیٰ ان سب کو یکساں جانتا ہے کوئی

Marfat.com

شخص کسی حال میں اللہ سے پوشیدہ نہیں اور وہ ہر ایک کی ہر بات کو جانتا ہے' پھر اپنی ایک نعمت کو بیان فرمایا۔

فرشتے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں:

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ کہ انسان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور ضرر دینے والی چیزوں سے بچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس کام پر لگایا ہے کہ وہ انسان کی حفاظت کریں۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن ابی الدنیا وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہر بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر فرما دیئے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں تا کہ اس پر کوئی دیوار نہ گر جائے یا وہ کسی کنویں میں نہ گر پڑے یہاں تک کہ جب اللہ کی قضاء وقدر کے مطابق کوئی تکلیف پہنچنے کا موقع آ جاتا ہے تو فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں لہٰذا جو تکلیف پہنچنی ہوتی ہے پہنچ جاتی ہے۔

جب تک لوگ نافرمانی اختیار کر کے مستحق عذاب نہیں ہوتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کی امن وعافیت والی حالت کو نہیں بدلتا۔

اس کے بعد فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی امن اور عافیت والی حالت کو مصائب اور آفات سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود تبدیلی نہ لے آئیں یعنی بداعمالی اختیار کر کے وہ عذاب اور مصیبت کے مستحق نہ ہو جائیں جب وہ اپنے اچھے حالات کو سرکشی اور نافرمانی سے بدل دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی عافیت کو آفات اور بلیات سے بدل دیتا ہے اور ایسے موقع پر فرشتوں کا جو پہرہ ہے وہ بھی اٹھالیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب آ جاتا ہے آیت کا مضمون وہی ہے جو سورہ نحل کی آیت کریمہ ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً﴾ (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے پھر فرمایا ﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ (اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اسے کوئی واپس کرنے والا نہیں) یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم پر کسی مصیبت کے بھیجنے کا فیصلہ ہو جائے تو وہ مصیبت آ کر رہے گی اسے کوئی ہٹانے والا اور دفع کرنے والا نہیں ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ اور ایسے وقت میں (جبکہ مصیبت آ پہنچے) اللہ کے سوا کوئی ان کا والی نہیں ہوتا جو ان کی مصیبت کو رفع کرے اس وقت حفاظت کے فرشتے ہٹ جاتے ہیں اور مصیبت آ کر رہتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ؕ ﴿۱۳﴾

اللہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تمہیں ڈر لگتا ہے اور امید بندھتی ہے اور وہ بھاری بادلوں کو پیدا فرماتا ہے' اور رعد اس کی تسبیح کے ساتھ اس کی تعریف بیان کرتا ہے' اور فرشتے بھی اس کے خوف سے' اور بجلیاں بھیجتا ہے پھر جسے چاہے پہنچا دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے۔

بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ

ان آیات میں بجلی اور بادل اور کڑک کا تذکرہ فرمایا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے اور اس کی تکوین اور تخلیق سے وجود میں آتی ہیں' اللہ تعالیٰ بجلی کو بھیج دیتا ہے لوگ اسے دیکھتے ہیں پھر دیکھنے والوں میں بعض تو اس سے ڈر جاتے ہیں مثلاً مسافر راستوں میں ہوتے

Marfat.com

ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ بارش ہونے لگی تو ہمارا کیا بنے گا' اور بعض لوگ اسے دیکھ کر نفع کی امید باندھتے ہیں کہ بارش ہوگی تو کھیت کی آبیاری ہوگی اور بارش اچھی ہوگی۔ ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ بھاری بادلوں کو پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ بادل ایسی جگہ جا کر برس پڑتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے سورہ اعراف میں فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ اور اللہ وہی ہے جو خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور اس کی رحمت یعنی بارش کے آنے سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم کسی ایسی جگہ بادل کو روانہ کر دیتے ہیں جو مردہ تھی یعنی اس میں کسی درخت یا گھاس کا کوئی نشان بھی نہ تھا پھر ہم اس جگہ میں پانی اتار دیتے ہیں پھر اس پانی کے ذریعے ہر طرح کے پھل نکال دیتے ہیں۔

رعد کیا ہے؟

پھر فرمایا کہ رعد اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اللہ کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں' سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الرعد) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم ہمیں یہ بتائیے کہ رعد کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں اور ان کے ذریعے بادلوں کو ہانکتا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے' یہودیوں نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آتی ہے' آپ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے' رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔ (قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب)۔

پھر فرمایا ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَاءُ﴾ (اور اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے) ﴿وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ﴾ اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں۔ ﴿وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ﴾ (اور وہ سخت قوت والا ہے)۔

آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ کا سبب نزول:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو رؤسائے جاہلیت میں سے ایک شخص کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کی دعوت دینے کے لیے بھیجا' اس نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے' جس کے ماننے کی دعوت دیتے ہو وہ لوہے کا ہے یا تانبے کا' چاندی کا ہے یا سونے کا' وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو اس کی باتوں کی خبر دی آپ نے دوبارہ انہیں بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی' یہ صحابی رضی اللہ عنہ پھر حاضر خدمت ہوئے اور اس کی بات نقل کر دی آپ نے تیسری بار ان کو پھر بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی اس مرتبہ جب یہ صحابی رضی اللہ عنہ واپس ہو کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس کے سوال سے باخبر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بجلی اس پر نازل فرما دی جس کی وجہ سے وہ جل گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تیسری بار جب وہ شخص بات کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیج دیا وہ بادل گرجا اور اس میں سے ایک بجلی گری جو اس سرکش کافر کی کھوپڑی کو لے کر چلی گئی (مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۷ عن ابی یعلی والبزار والطبرانی فی الاوسط ورجال البزار رجال الصحیح غیر دیلم بن غزوان وھو ثقۃ)۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَن فِي

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا
كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

سچا پکارنا اسی کیلئے خاص ہے اور جو لوگ اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ذرا بھی ان کی درخواست کو منظور نہیں کرتے مگر جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہوتا کہ پانی اس تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار بس ضائع ہے' اور اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں' آپ سوال کیجئے کہ آسمانوں کا اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ جواب دے دیجئے کہ اللہ ہے' آپ سوال کیجئے کیا تم لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار تجویز کر رکھے ہیں جو اپنی جانوں کے لیے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں؟ آپ سوال کیجئے کہ نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں کیا یہ بات ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے شریک تجویز کئے ہیں جنہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو جیسے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے ان پر مخلوق میں اشتباہ پیدا ہو گیا ہو' آپ فرما دیجئے اللہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ تنہا ہے غالب ہے۔

غیر اللہ سے مانگنے والوں کی مثال' سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ واحد ہے قہار ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس سے دعا کرنا ہی سچی پکار ہے اور صحیح پکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کی پکار سنتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے وہ سمیع الدعاء ہے قادر مطلق ہے قاضی الحاجات ہے' بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مشرک ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود عاجز محض ہیں کسی کی پکار پر کوئی بھی مدد نہیں کر سکتے ان لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو اور پانی کو بلا رہا ہو کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں ہے' جس طرح یہ پانی کی درخواست کرنے والا منہ میں پانی پہنچنے کی آرزو سے محروم رہے گا اور پانی خود اس کے منہ میں پہنچنے سے عاجز رہے گا اسی طرح مشرکین کے معبودان باطلہ عاجز محض ہیں وہ پکارنے والے کی کچھ بھی فریاد رسی نہیں کر سکتے سورہ اعراف میں فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ اور اللہ کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور کافر لوگ جو اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں یہ سب ضائع ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الآیۃ) کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں ان سجدہ کرنے والوں میں خوشی سے سجدہ کرنے والے بھی ہیں اور مجبوری سے بھی' اور ان کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ سجدہ صبح و شام کے اوقات میں یعنی ہمیشہ ہر وقت ہوتے ہیں۔

يَسْجُدُ کا معنی:

بعض حضرات نے يَسْجُدُ کا معروف معنی لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو فرشتے ہیں اور مومنین ہیں یہ سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں فرشتے اور مومنین جنات اور انسان تو خوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور جو لوگ منکرین ہیں اور منافقین ہیں وہ

Marfat.com

بھی تلوار کے ڈر سے یا ماحول کے دباؤ سے سجدہ کرتے ہیں اس کو مجبوری کے سجدہ سے تعبیر فرمایا وَظِلٰلُھُمْ ان کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ اس کو گھٹاتا اور بڑھاتا ہے صبح وشام کے وقت ان کے گھٹنے اور بڑھنے کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان وقتوں کی تخصیص کی گئی۔ بعض حضرات نے علیٰ سبیل عموم المجاز اس کا معنی لیا ہے کہ سجدہ کرنے والے جب سجدہ کرتے ہیں تو دھوپ یا روشنی میں ان کا سایہ بھی ان کے تابع ہو کر سجدہ کرتا ہے یعنی سائے کی پشت دیکھنے میں آ جاتی ہے' بعض حضرات نے فرمایا کہ خوشی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جن پر سجدہ کرنا شاق نہیں گزرتا اور زبردستی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جو سجدہ تو کرتے ہیں لیکن سجدہ کرنا ان کی طبیعتوں پر شاق گزرتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یَسْجُدُ کا معنی یخضع اور ینقاد کا لیا ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو مخلوق ہے وہ سب اللہ کے لیے سرخم کیے ہوئے ہے۔ یعنی اللہ کی مشیت اور ارادے کے مطابق چلتے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو با اختیار خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو مجبور ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تکوینی طور پر تو سبھی اس کی قضاء اور قدر کے تابع ہیں' اور ان چیزوں کے جو سائے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں صبح وشام جو بھی سایہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے موافق ہی چلتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کو سورۂ فرقان میں یوں بیان فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا﴾۔ (کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا)۔

﴿طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ کے بارے میں سورۂ آل عمران کی آیت ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے' پھر فرمایا ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الآیۃ) یعنی آپ مشرکین سے سوال کیجئے کہ بتاؤ آسمانوں کا اور زمین کا رب کون ہے پھر آپ خود ہی جواب دے دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ جہل یا عناد کی وجہ سے جواب نہ دے سکیں تو آپ انہیں بتا دیں اور سمجھا دیں' اس کے بعد فرمایا کہ آپ زجر و توبیخ اور سرزنش کے طور پر ان سے سوال فرمائیں کہ یہ جو تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے اولیاء بنا رکھے ہیں اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ ہماری مدد کرنے والے ہیں یہ تو اپنی جانوں تک کے لیے کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں نہ کوئی نفع اپنی طرف لا سکتے ہیں اور نہ اپنے سے کوئی ضرر رفع کر سکتے ہیں جبکہ ان کا اپنی جان کے بارے میں یہ حال ہے جسے تم جانتے ہو تو تمہیں کیا نفع دے سکتے ہیں اور تم سے کیا کسی ضرر کو رفع کر سکتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ جن کو تم نے اولیاء بنایا ہے عاجز محض ہیں پھر بھی تم نے ان کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے تف ہے اس سفاہت اور ضلالت پر۔

بینا اور نابینا اور نور اور اندھیرے برابر نہیں ہو سکتے:

پھر فرمایا ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾ (آپ ان سے سوال کیجئے کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں) نابینا سے مشرک مراد ہیں جو اس ذات پاک کی عبادت نہیں کرتا جو مستحق عبادت ہے' اور غیر اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور بینا سے موحد مراد ہے جو یہ جانتا ہے کہ مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا ہے اور پھر وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے جس طرح آنکھوں سے معذور اندھا دیکھنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا اسی طرح مومن اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے' پھر فرمایا ﴿اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾ (کیا اندھیریاں اور نور برابر ہو سکتے ہیں) اندھیریوں سے تمام انواع کفر مراد ہیں اور اسی لیے اسے جمع لایا گیا ہے اور نور سے ایمان اور توحید مراد ہے۔ جس طرح حسیات میں اندھیریاں اور روشنی برابر نہیں اسی طرح دینیات میں ایمان اور کفر برابر نہیں' کافروں کے جتنے بھی دین ہیں وہ سب ملۃ واحدہ ہیں' ان کا دین اور اہل ایمان کا دین الگ ہے' ایمان اور کفر برابر نہیں' مومن اور کافر بھی برابر نہیں ایمان جنت میں

Marfat.com

لے جانے والا ہے اور کفر دوزخ میں پہنچانے والا ہے۔

سورۂ انعام میں فرمایا ﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیریوں میں ہے اور ان سے نکلنے والا نہیں)۔

پھر فرمایا ﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ﴾ (کیا ایسی بات ہے کہ ان لوگوں نے جنہیں اللہ کا شریک قرار دیا ہے انہوں نے کچھ مخلوق پیدا کی ہے پھر انہیں مخلوق میں اشتباہ ہو گیا ہو کہ یہ مخلوق تو اللہ کی ہے اور یہ مخلوق شرکاء کی ہے اس اشتباہ اور التباس کی وجہ سے وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے) یہ سب استفہام انکاری کے طور پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے سب کو اسی نے وجود بخشا ہے اس کو سب ہی مانتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے' اگر کسی اور نے بھی کوئی مخلوق پیدا کی ہوتی تو اشتباہ ہونے کا موقع ہوتا کہ اس نے بھی بعض چیزوں کی تخلیق کی ہے لہٰذا یہ بھی مستحق عبادت ہونا چاہئے (العیاذ باللہ) لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود انہوں نے تجویز کیے ہیں وہ کسی چیز کی پیدائش پر قادر ہی نہیں اگر سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو پیدا نہیں کر سکتے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا وہی سب کا معبود ہے اور وہی واحد حقیقی ہے اور وہ الوہیت میں اور ربوبیت میں منفرد اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے ساری مخلوق مقہور اور مغلوب ہے جو مخلوق اور مقہور ہو وہ خالق وقہار جل جلالہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا
الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ
الْاَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۬ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے پھر بہتے ہوئے پانی نے اپنے اوپر جھاگ کو اٹھایا جو پانی پر بلند ہے اور جن چیزوں کو آگ میں ڈال کر اوپر سے جلاتے ہیں تاکہ زیور یا کوئی دوسری نفع کی چیز حاصل کریں اس میں بھی اسی طرح کی جھاگ ہے اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے' سو جو جھاگ ہے وہ تو بے فائدہ ہو کر چلا جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے ہی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رب کی اطاعت کی ان کے لیے جنت ہے اور جن لوگوں نے اللہ کی فرمانبرداری نہ کی اگر ان کیلئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس جیسا اور بھی ہو تو وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دے دیں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے۔

Marfat.com

حق اور باطل کی مثال، قیامت کے دن نافرمان اپنی جان کے بدلہ دنیا اور اس جیسا جو کچھ اور مل جائے سب دینے کو تیار ہوں گے:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں حق اور باطل کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں پہلی مثال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے۔ یہ بارش کا پانی وادیوں میں اور نالوں میں چل دیتا ہے جو پانی چلتا ہے خس وخاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے، پانی پر بہت سا کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا ہے جو پھولا ہوا نظر آتا ہے اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا ہے پھر کوڑا کرکٹ تو یوں ہی بلا فائدہ رہ جاتا ہے اور ادھر ادھر کہیں ٹھہر جاتا ہے اور پانی یا تو کہیں جمع ہو جاتا ہے جس سے کھیتیاں سیراب کی جاتی ہیں اور انسان اس میں سے پیتے ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں یا زمین میں اندر چلا جاتا ہے جو اندر کے چشموں میں جا کر مل جاتا ہے، جو اصل چیز ہے یعنی نفع دینے والا پانی وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اور خس وخاشاک جو بے حیثیت چیز ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ اسے کوئی سمیٹتا ہے نہ اس کی کوئی حفاظت کرتا ہے، اور دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ لوگ زیور یا کوئی دوسری کام کی چیز مثلاً برتن وغیرہ حاصل کرنے کے لیے چاندی سونے کو گلاتے ہیں اور گلانے کے لیے نیچے آگ جلاتے ہیں جب آگ جلتی ہے اور سونا چاندی کو تپایا جاتا ہے تو خالص چیز علیحدہ ہو جاتی ہے اور جھاگ علیحدہ ہو جاتی ہے یہ جھاگ بھی سیلاب کے پانی کی طرح اوپر اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں پھر یہ جھاگ تو پھینک دیئے جاتے ہیں اور اصل چیز یعنی سونا چاندی باقی رہ جاتا ہے، دونوں مثالوں میں ایک چیز تو مفید اور نافع ہے جو باقی رہ جاتی ہے اور کام میں لائی جاتی ہے اور دوسری چیز فضول اور بے حیثیت اور بے کار ہوتی ہے، پہلی مثال میں پانی نافع ہے اور خس وخاشاک بے کار چیز ہے اور دوسری مثال میں چاندی سونا یا دوسری دھاتیں نافع ہیں اور تپاتے وقت جو میل کچیل نکلتا ہے وہ بے کار ہے، اسی طرح سے حق اور باطل یعنی ایمان اور کفر کو سمجھ لیا جائے کہ ایمان نافع چیز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور کفر باطل چیز ہے، اس پر اللہ کی طرف سے کوئی اجر وثواب نہیں بلکہ وہ دوزخ کی آگ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہے دنیا میں کفر اگرچہ پھولا پھولا نظر آتا ہے (جیسا کہ بہتے ہوئے پانی پر خس وخاشاک اور پگھلتے ہوئے سونے چاندی کے جھاگ) لیکن انجام کے اعتبار سے بالکل بے وزن بے حقیقت اور بے فائدہ ہے۔

دوسری آیت میں اہل ایمان کے ثواب اور اہل کفر کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى﴾ (جو لوگ اللہ کی دعوت حق قبول کر کے اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کیا ان کے لیے اچھا ثواب ہے یعنی جنت ہے) اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا اس کی فرماں برداری نہ کی وہ لوگ سخت مصیبت میں ہوں گے، اول تو ان سے بری طرح یعنی سخت حساب لیا جائے گا اور پھر انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، جو بہت برا ٹھکانہ ہے جب حساب اور عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو اپنی جان کا بدلہ دینے کے لیے رضامند ہوں گے وہاں کوئی مال پاس نہ ہوگا لیکن اگر بالفرض پوری زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ان کے پاس ہو اور اسی قدر اور بھی ہو تو اس سب کو دے کر جان چھڑانے پر راضی ہوں گے، پارہ سوم کی آخری آیت اور پارہ ششم کے نصف پر آیت کریمہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ﴾ کی تفسیر دوبارہ ملاحظہ کر لی جائے۔ (انوارالبیان جلد اول دوم)

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ۝١٩ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝٢٠ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝٢١ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

Marfat.com

أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۲ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ
ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝۲۳ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى
الدَّارِ ۝۲۴ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۲۵ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶

جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے کیا یہ شخص اس شخص کی طرح سے ہو سکتا ہے جو اندھا ہو' نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے' اور جو اس چیز کو جوڑے رکھتے ہیں جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا' اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں' اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں' اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کیلئے صبر کیا اور نمازوں کو قائم کیا اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طریقے پر خرچ کیا اور حسن سلوک کے ذریعے بدسلوکی کو دفع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے آخرت کا اچھا انجام ہے ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے' اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادمیں جو لائق ہوں گے وہ بھی ان میں داخل ہوں گے' اور ان پر ہر دروازہ سے فرشتے داخل ہوں گے جو یوں کہیں گے کہ تم نے جو صبر کیا اس کے بدلہ تم پر سلام ہو سو اس جہاں میں اچھا انجام ہے' اور جو لوگ مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے لعنت ہے اور آخرت میں بدحالی ہے' اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' اور وہ لوگ دنیاوی زندگی پر اترا رہے ہیں حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ایک ذرا سی کام آنے والی چیز ہے۔

اہل ایمان کے اوصاف' اور ان کے انعامات اور نقض عہد کرنے والوں کی بدحالی کا تذکرہ:

یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ جس شخص کو اس بات کا علم ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے کیا اس بات کا جاننے والا اندھے آدمی کے برابر ہو سکتا ہے جو علم کے اعتبار سے اندھا ہے اور آپ پر جو نازل کیا گیا ہے اسے نہیں جانتا (نہ جاننے میں یہ بھی داخل ہے کہ جانتے ہوئے مانتے نہیں) جاننے والا بینا ہے اور نہ جاننے والا نابینا ہے' کیا بینا نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے! پھر فرمایا ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (بس عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) قرآن مجید تو سبھی کے سامنے ہے جو بہت بڑا معجزہ ہے اور اس کی دعوت بھی عام ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے جن کے پاس قرآن کے مضامین پہنچتے ہیں ان میں سے جنہوں نے اپنی عقل کو بے کار نہیں کر دیا اور اپنی فکر اور فہم کو قرآن کی دعوت حق کے سمجھنے سے معطل نہیں کر دیا وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں' اگر کسی کے پاس عقل ہے لیکن وہ عقل خیر کی طرف نہیں آنے دیتی امور دنیا میں سیاسیات میں ریاضیات میں فلکیات میں کام کرتی ہے لیکن جس ذات پاک نے ان کو عقل اور فہم دی ہے اس کو وحدہ لاشریک ماننے پر تیار نہیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کی عقلیں چونکہ ان کے حق میں مضر ہیں اس لیے یہ لوگ بے عقل ہونے کے درجہ میں ہیں پھر اُولُوا الْاَلْبَاب (عقل والوں) کی چند صفات بیان فرمائیں جن سے وہ ایمان قبول کرنے کے بعد متصف ہوئے پہلی اور دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں ہیں' اللہ سے جو عہد کئے ان میں سے ایک عہد تو وہی ہے جس کا سورہ اعراف میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو ان کی پشت سے نکالا جو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھے پھر ان سے

Marfat.com

عہد لیا اور سوال فرمایا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سب نے جواب میں عرض کیا بلیٰ ہاں آپ ہمارے رب ہیں یہ وعدہ وادی نعمان میں عرفات کے قریب لیا گیا تھا (کمافی المشکوٰۃ ص ۲۴ از مسند احمد) اس وقت سب نے یہ عہد کرلیا تھا پھر عہد کی یاددہانی کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے، ہر شخص کا اپنا عہد الگ بھی ہے جس نے دین اسلام کو اپنا دین بنالیا اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرلیا کہ میں آپ کے حکموں پر چلوں گا اور آپ کی فرماں برداری کروں گا یہ عہد تمام احوال اور اعمال سے متعلق ہے اللہ کی شریعت کے مطابق سب پر لازم ہے سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ﴾ (اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے عہد کرلیا) پھر اولوالالباب کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ (اور وہ لوگ اس چیز کو جوڑتے ہیں جس کو جوڑ رکھنے کا اللہ نے حکم دیا) صلہ رحمی کرنا اور اہل ایمان سے دوستی رکھنا اور ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا اس میں یہ سب داخل ہے۔ (صلہ رحمی کی فضیلت اور قطع رحمی کی مذمت جاننے کے لیے سورۂ نساء کے پہلے رکوع کی تفسیر کا مطالعہ کیجئے)۔ (انوار البیان جلد اول)

اولوالالباب کی چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ (کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اور پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ (کہ یہ لوگ برے حساب سے ڈرتے ہیں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اس بات کا خوف لگا رہنا کہ قیامت کے دن حساب ہوگا اس سے ایمان میں جلا پیدا ہوتی ہے اور ایمانی تقاضوں کے مطابق عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے حساب دو قسم کا ہے حساب یسیر (آسان حساب) اور حساب عسیر (سخت حساب) سخت حساب کو سوء الحساب سے تعبیر فرمایا اور سورۂ انبیاء میں فرمایا ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا﴾ (اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کردیں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حساب یسیر (آسان حساب) کیا ہے آپ نے فرمایا کہ آسان حساب یہ ہے کہ اعمالنامہ میں دیکھ کر درگزر کردیا جائے، اے عائشہ جس سے مناقشہ کیا گیا یعنی چھان بین کی گئی (کہ یہ عمل کیوں کیا مثلاً) تو وہ ہلاک ہوجائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷۔ مسند احمد)

﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کی چھٹی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾ (اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کیا) پہلے بتایا جاچکا ہے کہ صبر کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے مصیبتوں پر صبر کرنا (یہی معنی زیادہ معروف ہے) نیکیوں اور فرماں برداریوں پر جمارہنا اور ثابت قدم رہنا تیسرے اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے رکھنا تینوں قسم کے صبر کا بڑا اجر و ثواب ہے اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ تکلیفوں کے بغیر اس میں گزارہ ہو ہی نہیں سکتا مومن اور کافر سب کو تکلیف پہنچتی ہے اور سب کو صبر کرنا پڑتا ہے لیکن مومن چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کرنے کے لیے صبر کرتا ہے اس لیے اسے اس پر ثواب ملتا ہے، سورہ زمر میں فرمایا ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (صبر کرنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا)۔

وقت گزرنے پر تکلیف ہلکی ہوجاتی ہے اور صبر آ ہی جاتا ہے یہ ایک طبعی چیز ہے اس صبر پر کوئی ثواب نہیں ملتا صبر وہی معتبر ہے جو عین دکھ تکلیف اور مصیبت کے وقت ہو اور اللہ کی رضا کے لیے ہو اور یہ خاص مومن ہی کی شان ہے صبر کی فضیلت اور اہمیت جاننے کے لیے آیت کریمہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ کی تفسیر (انوار البیان ج ۱) ملاحظہ فرمایئے، جس نے مصیبت اٹھائی اور صبر نہیں کیا یا صبر کیا مگر اللہ کے لیے نہ کیا وہ بڑے خسارہ میں ہے انما المصاب من حرم الثواب (واقعی مصیبت زدہ وہ ہے جسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا)۔

﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کی ساتویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ (ان لوگوں نے نماز کو اس کے حقوق اور شرائط و آداب کے ساتھ قائم کیا) اور آٹھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ (ان لوگوں نے

Marfat.com

ہمارے دیئے ہوئے مالوں میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کیا) اس میں فرض زکوٰۃ صدقات واجبہ تبرعات وتطوعات سب داخل ہوگئے ﴿سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ فرما کر یہ بتا دیا کہ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کی فضیلت ہوتی ہے اور کبھی ظاہری طور پر خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے حسب موقع اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا جائے جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا کیونکہ ریاکاری اور اللہ کی رضا جوئی دونوں جمع نہیں ہو سکتے' جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو لوگوں کے سامنے عمل کرنا کچھ مضر نہیں ہوگا۔

﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کی نویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ (کہ یہ لوگ حسن سلوک کے ذریعہ بدسلوکی کو دفع کرتے ہیں) دنیا میں جب انسان آیا ہے تو اس کا اچھوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے اور برے لوگوں سے بھی' جن لوگوں کو اخلاق حسنہ نہیں سکھائے گئے اور جن کے مزاج میں کمینہ پن اور گناہ گاری اور ایذاء رسانی ہوتی ہے ان سے اہل خیر کو اور حسن اخلاق والوں کو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں' جس کسی نے کوئی تکلیف پہنچائی اس کا بدلہ لینا بس اسی قدر جائز ہے جتنی تکلیف پہنچائی ہے لیکن بدلہ نہ لینا' معاف کرنا' درگزر کرنا اور اس سے آگے بڑھ کر برائی سے پیش آنے والے کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا یہ بہت بڑی فضیلت اور ہمت کی بات ہے۔ سورہ شوریٰ میں فرمایا ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا) نیز فرمایا ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے)۔

سورہ حم سجدہ میں فرمایا ﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ﴾ (اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ اسی پر عمل فرماتے تھے درگزر فرماتے تھے' معاف فرماتے تھے' بدسلوکیوں کا بدلہ خوش اخلاقی سے دیتے تھے جب مکہ معظمہ فتح فرما لیا تو وہاں کے رہنے والوں سے (جنہوں نے آپ کو بڑی بڑی تکلیف دے کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا) درگزر فرمایا اور فرمایا ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کو خوشخبری دی اور ان کے لیے آخرت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا اول تو یوں فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ان لوگوں کے لیے آخرت میں اچھا انجام ہے ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ ان کے اعمال کا یہ نتیجہ اور انجام کی خوبی اس طرح ظاہر ہوگی کہ یہ لوگ باغیچوں میں رہیں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ نہ صرف یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے بلکہ ان کے باپ دادوں میں اور ان کی بیویوں میں اور ان کی اولاد میں جو بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے اپنے بڑوں اور چھوٹوں اور بیویوں کو جنت میں دیکھ کر خوشی دوبالا ہوگی اور فرحت پر فرحت حاصل ہوگی۔ بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیک بندوں کو جنت میں جو مقام اور مرتبہ ملے گا اللہ تعالیٰ وہی درجہ ان کی رعایت فرماتے ہوئے ان کے متعلقین کو بھی عطاء فرما دے گا جس کا آیت میں ذکر ہے' بعض حضرات نے ابائھم کے عموم میں ماؤں کو بھی داخل کیا ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے پھر فرمایا ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ﴾ (فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے) ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ اور یوں کہیں گے کہ دنیا میں جو تم نے صبر کیا اس کے عوض تم دکھ تکلیف اور

Marfat.com

مصیبت سے محفوظ رہو گے ہمیشہ تمہارے لیے سلامتی ہے ﴿فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ سو اس جہان میں اچھا انجام ہے دنیا والے گھر میں ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کیا تو اس کے عوض اس جہاں میں بہترین عیش اور آرام نصیب ہوگا۔

یہاں تک چھ آیتوں کا مضمون بیان ہوا تھا ساتویں آیت میں اہل ایمان کے مقابل دوسری جماعتوں کا حال اور انجام بیان فرمایا' ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ﴾ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ سے عہد کیا پھر اس پر قائم نہ رہے عہد کو توڑ دیا اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا تھا انہیں توڑتے رہے اور زمین میں فساد کرتے رہے یہ لوگ پہلے گروہ کے برعکس ملعون ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے آخرت میں برا انجام ہے۔

دنیاوی ساز و سامان پر اترانا بے وقوفی ہے:

آٹھویں آیت میں فرمایا ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ اور اللہ رزق کو کشادہ فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے (دنیا میں رزق کی فراوانی اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور رزق کی تنگی اس بات کی دلیل نہیں کہ جس کا رزق تنگ ہو وہ اللہ کا مقبول بندہ نہ ہو لہٰذا کافر لوگ وسعت رزق سے دھوکہ نہ کھائیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی نہ ہوتا تو زیادہ مال ہمیں کیوں ملتا) ﴿وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور کافر لوگ دنیا والی زندگی پر اترا رہے ہیں اور اسی پر فریفتہ ہیں (اور اس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور آخرت کی فکر نہیں کرتے) ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ﴾ (اور دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ذرا سی چیز ہے جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں) اس حقیر اور ذرا سی دنیا کے لیے ایمان سے محروم رہنا پھر اس محرومیت کے نتیجہ میں آخرت کی نعمتوں سے محروم رہنا اور دوزخ میں جانا بہت بڑی تباہی ہے اور بہت بڑی کامیابی سے محرومی ہے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (سو جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا والی زندگی دھوکہ کے سامان کے سوا کچھ نہیں)۔

دنیا جس قدر بھی زیادہ ہو جائے وہ بہر حال آخرت کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے کم ہے ہیچ در ہیچ ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ
اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ
الْقُلُوْبُ ۝۲۸ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ
اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ
قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں کی گئی' آپ فرما دیجئے بلاشبہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوا سے اپنی طرف راہ دکھاتا ہے' جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں' خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے' جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کیلئے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ انہیں وہ چیز پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمٰن کے منکر ہو رہے ہیں' آپ فرما دیجئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہونا ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے:

جب سیدنا رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور وہ لوگ بار بار یوں کہتے تھے کہ ہمارے کہنے کے مطابق آپ کی نبوت کی نشانی ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے قرآن مجید میں ان کی جاہلانہ بات کا جگہ جگہ تذکرہ فرمایا کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی' نشانیاں یعنی معجزات تو بہت تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن ہی ہے جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے یہی معجزات کافی تھے لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی بات کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اے رسول ﷺ آپ ان سے فرما دیں کہ فرمائشی معجزے ظاہر کرنا میرے قبضہ قدرت کی بات نہیں' اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کا پابند نہیں کہ تمہاری فرمائش کے مطابق معجزے بھیجے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں حق قبول کرنا نہیں ہے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ تم گمراہ ہی رہو گے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ فرمائے۔

اور جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اللہ اسے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے' تم اس کی طرف رجوع ہونا نہیں چاہتے' جب تمہارا یہ حال ہے تو گمراہی کے گڑھے میں گرتے چلے جاؤ گے۔

پھر فرمایا ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہو گئے) یہ من اناب کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف راہ دکھاتا ہے' یہ لوگ معجزوں کی فرمائش نہیں کرتے جو معجزات ظاہر ہوئے انہیں میں غور و فکر کر کے ایمان کی راہ پر آ جاتے ہیں ان کے دل میں اللہ کی یاد سے سکون ہوتا ہے اور اطمینان حاصل ہوتا ہے' اللہ کا ذکر سچے ایمان والوں کے قلوب کے مطمئن ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے' ایمان پر ان کا دل مطمئن ہے اور جب بھی کسی سے اللہ کا ذکر سنتے ہیں یا خود ذکر کرتے ہیں (زبان سے یا دل سے) اس سب سے ان کے دلوں میں فرحت اور خوشی اور سکون و اطمینان کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو خوشخبری دی اور فرمایا ﴿طُوْبٰى لَهُمْ﴾ (ان کے لیے خوشحالی ہے اور عمدہ زندگی ہے) ﴿وَحُسْنُ مَاٰبٍ﴾ (اور اچھا انجام ہے) دنیا میں بھی ان کو حیات طیبہ اور سکون و آرام کی زندگی حاصل ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے اچھا ٹھکانا ہے۔

یہاں صاحب معالم التنزیل نے ایک سوال اٹھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں تو فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور سورہ انفال میں فرمایا ہے کہ مومنین کے دل اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں۔ ﴿اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ بیک وقت اطمینان اور خوف کیسے حاصل ہو گا؟ پھر جواب دیا ہے کہ ہر حالت کا موقع الگ الگ ہے وعید اور عذاب کا تذکرہ ہو تو ڈر جاتے ہیں اور ثواب کا تذکرہ ہو تو اطمینان حاصل ہوتا ہے' احقر کے نزدیک سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ خوفزدہ ہونا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے اور ایمان ہی اصل سکون ہے جسے ایمانیات کے سچا ہونے پر اطمینان نہ ہو گا وہ مومن ہی نہ ہو گا اور جب مومن نہ ہو گا تو عقاب اور وعیدوں سے ڈرے گا کیوں؟ فافهم واغتنم۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں' ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ان پر ہماری کتاب تلاوت فرمائیں یعنی پڑھ کر سنائیں' اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ رحمٰن کی ناشکری کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رحمت سے ان پر قرآن نازل فرمایا لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری پر اتر آئے اور ناشکری کی وجہ سے کافر ہی رہے اور جانتے بوجھتے کفر اختیار کیا یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔

پھر فرمایا ﴿قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) تم نے اگر میری بات نہ مانی تو میرا کچھ بگڑنے والا نہیں ﴿عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ﴾ (میں نے صرف اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع کرنا ہے) جو اس کی حفاظت میں ہے بس وہی محفوظ ہے۔

Marfat.com

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْــٴَـسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾

اور اگر قرآن ایسا ہوتا جس کی وجہ سے پہاڑ چلا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ مردوں سے بات کرا دی جاتی تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں' بلکہ تمام امور اللہ ہی کے لیے ہیں' کیا اہل ایمان نا امید نہیں ہوئے حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا' اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال بد کی وجہ سے انہیں برابر کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے بلا شبہ اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں:

صاحب معالم التنزیل (ص ۱۹ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے ایک سوال پر نازل ہوئی' عبداللہ بن ابی امیہ اور ابوجہل ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ ہم آپ کا اتباع کر لیں تو اس قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر اور کہیں بھجوا دیں تاکہ مکہ کی سرزمین کشادہ ہو جائے اور مکہ کی سرزمین پھٹ جائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں تاکہ ہم اس میں درخت لگائیں اور کھیتیاں بوئیں اور ہم باغات مل جائیں' آپ کا کہنا ہے کہ داود علیہ السلام کے لیے پہاڑ مسخر کر دیئے گئے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی تھی لہٰذا ہمارے لیے بھی ہوا کی تسخیر ہو جائے تو دن کے دن چلے جائیں اور واپس آ جائیں آپ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے لہٰذا آپ اپنے پردادا کو یا جس کو آپ مناسب جانیں زندہ کر دیں ہم اس سے آپ کے بارے میں دریافت کریں گے کہ آپ کا دین حق ہے یا باطل؟ آپ کی حیثیت حضرت داؤد' سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام سے کم نہیں ہے آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ ان چیزوں کو ظاہر فرمائے اگر یہ چیزیں وجود میں آ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ان کی یہ سب باتیں عناد کے طور پر ہیں جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا کہ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾۔

مفسرین کرام نے ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا﴾ کی جزا محذوف بتائی ہے اور وہ ﴿کفروا بالرّحمٰن ولم یومنوا﴾ ہے یعنی اگر ان کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر کر دیئے جائیں تب بھی کفر اختیار کیے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا﴾ (بلکہ تمام امور اللہ ہی کے لیے ہیں) یعنی ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ کرنا سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿اَفَلَمْ یَایْــٴَـسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب مشرکین کے مطالبات سنے کہ فلاں فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے جواب میں فرمایا کہ اہل ایمان ان لوگوں کی ضد و عناد دیکھ کر ان لوگوں کے ایمان لانے سے نا امید

Marfat.com

نہیں ہوئے اگر نا امید ہو جاتے تو ایسی آرزو نہ کرتے' ظہور معجزات پر ہدایت موقوف نہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ چاہے تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دے (وفی الکلام حذف ای اَفَلَمْ یَیْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عن ایمانھم عالمین مستیقنین اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَھَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا)۔

﴿وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِھِمْ﴾ (اور جن لوگوں نے کفر کیا برابر ان کے اعمال بد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی)۔

مشرکین مکہ کے مطالبات منظور نہیں کیے گئے اور ان کے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں ہوئے کیونکہ اول تو ان کو ایمان لانا ہی نہیں صرف ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں دوسرے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو لوگوں کی مرضی کے مطابق تخلیق فرمائے ہاں ان پر ان کی حرکتوں کی وجہ سے آفات اور مصائب آتی رہیں گی' اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے پھر غزوہ بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار مقتول ہوئے ان پر اس طرح کی آفات آتی ہی رہیں گی' خاص ان پر مصیبت نہ آئی تو ان کی قریب والی بستیوں میں مصیبتیں آتی رہیں گی تا کہ عبرت حاصل ہو اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کریں ﴿حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ﴾ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ جائے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے' اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے روز قیامت مراد لیا ہے' یعنی یہ سلسلہ عذابوں اور مصیبتوں کا جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے یعنی مکہ فتح ہو جائے جس میں مشرکین مغلوب اور مقہور ہوں گے یا ان میں سے ہر شخص کو موت آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا)

معلوم ہوا کہ اپنے اوپر جو مصیبت آئے اسے بھی عبرت کی نظر سے دیکھیں اور اپنے کیے کا نتیجہ سمجھ کر اپنی حالت کو بدلیں اور اگر آس پاس کی بستیوں اور شہروں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس سے بھی عبرت حاصل کریں کیونکہ اس میں بھی سب کے لیے تنبیہ ہوتی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ
عِقَابِ ۳۲ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ
تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ
صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۳۳ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ
الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۳۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِىْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۳۵ وَ
الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ
اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۳۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۳۷

اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں بلاشبہ ان کا مذاق بنایا گیا پھر میں نے ان لوگوں کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا' پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو میرا عذاب دینا کیسا تھا؟ سو جو ذات ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو کیا اس کے برابر وہ ہو سکتا ہے جس کی یہ صفت نہ ہو۔

Marfat.com

لوگوں نے اللہ کیلئے شریک تجویز کر لیے آپ فرما دیجئے کہ تم ان کے نام لو کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے‘ بلکہ کافروں کیلئے ان کا مکر مزین کر دیا گیا اور وہ لوگ راستہ سے روک دیئے گئے‘ اور اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں‘ ان کے لئے دنیا والی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ سخت ہے‘ اور انہیں کوئی اللہ سے بچانے والا نہیں۔ متقیوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان کے پھل اور ان کا سایہ دائمی ہوگا یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا‘ اور کافروں کا انجام دوزخ ہے‘ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا‘ اور گروہوں میں بعض ایسے ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں‘ آپ فرما دیجئے مجھے تو بس یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں‘ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے‘ اور اسی طرح ہم نے اس کو اس طور پر نازل کیا کہ عربی زبان میں خاص حکم ہے‘ اور اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا اگر آپ نے ان کی خواہش کا اتباع کیا تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی‘ کافروں کی بدحالی‘ متقیوں سے جنت کا وعدہ:

یہ متعدد آیات ہیں‘ پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے اور ان کا بھی مذاق بنایا گیا اس میں آپ کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہو رہا ہے یہ نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی امتوں نے ان کے ساتھ تکذیب‘ استہزاء اور مذاق بنانے کا وہی طریقہ اختیار کیا جو یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں‘ ان لوگوں نے جو تکذیب کی اور رسولوں کا مذاق بنایا تو میں نے عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کو مہلت دی اس مہلت سے وہ اور زیادہ بغاوت پر اتر آئے پھر میں نے ان کی گرفت کر لی اور اچھی طرح گرفت کی ان پر عذاب آیا‘ اب تم خود خیال کر لو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟ (ان عذابوں کی تفصیلات قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں مذکور ہیں) جب عذاب آیا تو ان کے بچنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور بھاگنے کی کوئی جگہ نہ تھی‘ آپ بھی صبر کریں اور مذاق بنانے والوں کے بارے میں انتظار فرمائیں جب گرفت ہوگی تو یہ بھی اپنی جانوں کو بچا نہ سکیں گے۔

پھر فرمایا ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ﴾ (کیا جو ذات ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو) اس میں ہمزہ استفہام انکاری کے لیے ہے اور مبتداء کی خبر محذوف ہے (قال صاحب الروح من مبتداء والخبر محذوف‘ ای کمن لیس کذلك) مطلب یہ ہے کہ جو ذات علیم اور خبیر ہے جسے سب کے احوال و اعمال کا علم ہے کیا اس کے برابر وہ ہو سکتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں اور جو اپنے عبادت کرنے والوں کے حال سے واقف نہیں‘ جب ان کا یہ حال ہے تو وہ نفع ضرر کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں‘ پھر ان کو خالق تعالیٰ شانہ کا شریک بنانا کہاں درست ہے؟ خود ہی ہر شخص کو سوچنا چاہئے‘ غور و فکر کریں گے تو اپنی جہالت اور ضلالت کا فیصلہ خود کر لیں گے۔ ﴿قُلْ سَمُّوْهُمْ﴾ یعنی جنہیں تم نے شریک بنایا ہے ان کا ذرا نام تو لو اور بتاؤ وہ کون ہیں ان کی حیثیت کیا ہے‘ ان کے شرکاء کی تحقیر کے لیے ایسا فرمایا قال فی الروح ناقلا عن البحر ان المعنی انهم لیسوا ممن یذکر ویسمی انما یذکر و یسمی من ینفع ویضر (الی ان قال) والمعنی سواء سمیتموهم بذلك ام لم تسموهم به فانهم في الحقارة بحیث لا یستحقون ان یلتفت الیهم عاقل‘ مطلب یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک بنایا ہے وہ ایسے حقیر ہیں کہ قابل ذکر ہی نہیں۔

﴿اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ﴾ (کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق کا علم ہے تم زمین میں ہو اور اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی زمین میں ہیں اللہ کے علم میں تو اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اب جب تم شرک کر رہے ہو اور غیر اللہ کو معبود بنا رہے ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو یہ بتا رہے ہو کہ آپ کے لیے شریک بھی ہیں‘ آپ کو ان کا پتہ نہیں ہم آپ کو بتا رہے ہیں (العیاذ باللہ) اس میں مشرکین کی جہالت اور

Marfat.com

ضلالت کو واضح فرمایا ہے۔

﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾ یعنی تم جن لوگوں کو اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو اس بارے میں تمہارے پاس کوئی حقیقت ہے یا یوں ہی محض ظاہری الفاظ میں ان کو شریک ٹھہراتے ہو؟ غیر اللہ کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں ہے۔ صرف باتیں ہی باتیں اور دعوے ہی دعوے ہیں اور یہ سب کچھ زبانی ہے معبود بنانے کے لیے تو بہت بڑی تحقیق کی ضرورت ہے یوں ہی زبانی باتوں سے کسی کا معبود ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

﴿بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ﴾ (بلکہ کافروں کے لیے ان کا مکر مزین کر دیا گیا اور راہ حق سے روک دیئے گئے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مکر سے ان کا شرک اور گمراہی میں آگے بڑھتے چلے جانا اور باطل چیزوں کو اچھا سمجھنا مراد ہے ان کا یہ مکر انہیں راہ حق سے روکنے کا ذریعہ بن گیا۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ (اور اللہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا والی زندگی میں ان کے لیے عذاب ہے ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ (اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے) ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اس میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ دنیا میں تمہارے لیے طرح طرح کے عذاب ہیں اور صرف دنیا ہی میں عذاب نہیں بلکہ تمہارے لئے آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے اور اللہ تعالیٰ جسے عذاب میں مبتلا فرمانے کا ارادہ فرمائے دنیاوی عذاب ہو یا اخروی عذاب اس سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد جنت کا تذکرہ فرمایا ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جس جنت کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا (جو کفر و شرک اور معاصی سے بچتے ہیں) اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا﴾ (اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے اور اس کا سایہ بھی) یعنی جنت میں جو پھل ملیں گے برابر ملتے رہیں گے پھل بھی ہمیشہ رہیں گے اور سایہ بھی ہمیشہ رہے گا وہاں چونکہ سورج کا طلوع غروب نہیں اس لیے یہ سایہ جو ہوگا ہمیشہ ہی رہے گا سورہ نساء میں فرمایا ﴿وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا﴾ اور سورہ واقعہ میں فرمایا ﴿وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾۔

پھر فرمایا ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾ (یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے)۔

اس کے بعد اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنہیں قبول حق سے عناد نہیں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ (اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اس میں چالیس اشخاص نصاریٰ نجران میں سے تھے اور آٹھ یمن کے نصرانی تھے اور بتیس حبشہ کے لوگ تھے اسی طرح کچھ لوگ یہود میں سے بھی مسلمان ہو گئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم وعن جمیع الصحابہ۔

پھر فرمایا ﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾ (اور اہل کتاب کی بعض جماعتیں وہ ہیں جو قرآن کے بعض حصہ کے منکر ہو رہے ہیں) اس سے اہل کتاب کے معاندین مراد ہیں جو قرآن کریم کی ان چیزوں کو مان لیتے تھے جنہیں اپنے موافق سمجھتے تھے اور ان چیزوں کے منکر ہو جاتے تھے جو ان کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہوتی تھیں۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ مجھے تو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروں) یہ میرا دین ہے تم راضی ہو نہ ہو میں اللہ کی توحید پر اور اللہ کی عبادت پر قائم رہوں ﴿اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ﴾ (میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں اور صرف اس کی طرف میرا لوٹنا ہے) وہی مجھے جزا دے گا جب اسی کی طرف جانا ہے اور وہی جزا دینے والا

Marfat.com

ہے تو میں تمہیں راضی رکھنے کی فکر کیوں کروں۔

یہ قرآن کریم حکم خاص ہے عربی زبان میں ہے:

پھر فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ (اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اس طور پر نازل کیا ہے کہ وہ خاص حکم عربی زبان میں ہے) اہل کتاب جو فروعی مسائل میں احکام اسلامیہ کو ان مسائل کے خلاف پاتے تھے جو انہیں شرائع سابقہ سے یاد تھے اور ان کی وجہ سے احکام قرآنیہ کا انکار کرتے تھے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے' مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے کتابیں نازل کیں اور ان میں ازمنہ سابقہ کے مخاطبین کے اعتبار سے احکام بھیجے پھر ان میں سے بہت سے احکام کو بعد میں آنے والی امتوں کے لیے منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے احکام نازل کر دیئے اسی طرح ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں قرآن کے مخاطبین کی رعایت کی گئی ہے اور ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں اگر قرآن میں ایسے احکام پاتے ہو جو سابقہ شرائع کے موافق نہیں اور ان کی وجہ سے قرآن کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ عادۃ اللہ سے اور شرائع سابقہ کے اصول سے جاہل ہونے پر بلکہ تجاہل پر مبنی ہے' اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ پہلی کتابوں میں شرائع کا اختلاف تھا اور وہ کتابیں مختلف زبانوں میں تھیں جس طرح ان کا فروعی اختلاف اور کئی زبانوں میں نازل ہونا ایک دوسرے کی تکذیب کا سبب نہ بنا تو اب قرآن جو عربی زبان میں نازل ہو گیا اور شرائع سابقہ کی بعض چیزیں اس نے منسوخ کر دیں تو اس کو قرآن کی تکذیب کا ذریعہ کیوں بناتے ہو قرآن مجید کی تکذیب کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہونا سراپا ضلالت اور سفاہت ہے۔

قال صاحب الروح ج ۱۳ ص ۱۲۷ شروع فی رد انکارھم لفروع الشرائع الواردة ابتداء اوبدلا من الشرائع المنسوخة ببیان الحکمة فی ذلك وان الضمیر راجع لما انزل الیك والاشارة الی مصدر (انزلناہ) او (انزل الیك) ای مثل ذلك الانزال البدیع الجامع لاصول مجمع علیها وفروع متشعبة الی موافقة و مخالفة حسبما یقتضیه قضیة الحکمة انزلناہ حاکما یحکم فی القضایا والواقعات بالحق ویحکم به کذلك" (الی ان قال) وقیل ان الاشارة الی انزال الکتاب السالفة علی الانبیاء علیهم السلام' والمعنی کما انزلنا الکتب علی من قبل انزلنا هذا الکتاب علیك لان قوله تعالیٰ (والذین اتیناهم الکتاب) یتضمن انزاله تعالیٰ ذالك وهذا الذی انزلنا بلسان العرب کما ان الکتب السابقة بلسان من انزلت علیه (وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم) والی هذا ذهب الامام ابو حیان۔

پھر فرمایا ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ﴾ (اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو) اس میں بظاہر حضرت سرور عالم ﷺ کو خطاب ہے اور فی الواقع حضرات مومنین کو دین پر ثابت رہنے کی تلقین ہے اور بظاہر آپ کو یہ خطاب یہ بات واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ جب بالفرض آپ دشمنوں کی خواہشوں کا اتباع کرنے میں ماخوذ ہو سکتے ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بطریق اولیٰ ماخوذ ہوں گے۔ قال صاحب الروح (ص ۱۶۸ ج ۱۳) وامثال هذه القوارع انما هی لقطع اطماع الکفرة وتهییج المومنین علی الثبات فی الدین لا للنبی ﷺ فانه علیه الصلاة والسلام بمکان لا یحتاج فیه الی باعث او مهیج ومن هنا قیل ان الخطاب لغیره ﷺ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ

Marfat.com

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیْعُ
الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِیْعًا ؕ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ
وَسَیَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں دیں اور ذریت بھی' اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی آیت لے آئے الا یہ کہ اللہ کا حکم ہو' ہر زمانہ کیلئے لکھے ہوئے احکام ہیں' اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے' اور اس کے پاس اصل کتاب ہے' اور اگر ہم آپ کو بعض وہ وعدے دکھا دیں جو وعدے ہم ان سے کر رہے ہیں یا ہم آپ کو اٹھا لیں تو بس آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے' کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے چلے آرہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے' اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اللہ ہی کیلئے ہے اصل تدبیر' جو بھی کوئی شخص عمل کرتا ہے وہ اسے جانتا ہے' اور کافر عنقریب جان لیں گے کہ بعد میں آنے والے گھر کا اچھا انجام کس کیلئے ہے' اور جنہوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ تم پیغمبر نہیں ہو' آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کیلئے اللہ کافی ہے اور وہ لوگ کافی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج و اولاد تھے' کوئی رسول اس پر قادر نہیں کہ خود سے کوئی معجزہ ظاہر کر دے:

روح المعانی (ص ۱۶۸ ج ۱۳) میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا کہ ان کی تو بہت سی بیویاں ہیں جو شخص نبی ہو' اسے نبوت کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ بہت ساری بیویاں رکھے' اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب میں ان سے تو خطاب نہیں فرمایا لیکن اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں اور ان کو ہم نے بہت سی بیویاں دی تھیں اور بیویاں ہی نہیں ان کے اولاد بھی تھی بیویوں کا زیادہ ہونا اور صاحب اولاد ہونا یہ چیز نہ نبوت کے خلاف ہے نہ کار ہائے نبوت سے معارض ہے' یہودیوں کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں علم تھا کہ ان کی بہت سی بیویاں تھیں اور وہ ان کے بارے میں نبی ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے تھے پھر بھی انہوں نے بطور عناد اعتراض کیا اور کثرت ازواج کو مرتبہ نبوت کے خلاف کہا اس سے انہیں مشرکین کو بھی دین اسلام سے روکنا مقصود تھا اور خود اپنے لئے کفر پر جمے رہنے کا بھی ایک بہانہ تلاش کر لیا' قرآن مجید نے اس انداز سے ان کا جواب دے دیا کہ آئندہ جو بھی کوئی شخص ایسا جاہلانہ اعتراض کرے اپنے اعتراض کا مسکت جواب پالے' بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کا کام قول سے بھی تعلیم دینا تھا اور عمل سے بھی' اس لیے تو انسانوں کی طرف انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا گیا' نکاح کرنا انسانوں کی ضرورت کی چیز ہے جب نکاح ہوگا تو اولاد بھی ہوگی بیویوں کے ساتھ کس طرح گزارہ کیا جائے اور اولاد کی کس طرح تربیت کی جائے یہ سب باتیں بھی تو قولاً اور فعلاً بتانے اور سمجھانے کی ہیں' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اگر مجرد یعنی غیر شادی شدہ ہوتے تو ان کی امتیں ازدواجی زندگی کے طریقے کس طرح سیکھتیں پھر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تو آخری رسول ہیں سارے انسانوں کے نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں آپ کی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں خانگی حالات جاننے کی امت مسلمہ کو ضرورت تھی ان احوال کو حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بیان کیا' کثیر تعداد میں ان کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں' اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دلائل اور معجزات سے آنحضرت ﷺ کا رسول ہونا معلوم ہو گیا تو اس پر

Marfat.com

اعتراض ختم ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کر سکتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی ہو۔

﴿وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی آیت لے آئے الا یہ کہ اللہ کا حکم ہو) اس میں لفظ ''آیت'' کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے معجزہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طرح طرح کے معجزات کی جو معاندین فرمائشیں کرتے ہیں ان معجزات کا لانا نبی کی قدرت اور دسترس میں نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے معجزہ کی تخلیق اور اعجاز اسی کے قبضہ میں ہے۔

اگر کسی نبی سے لوگوں نے فرمائشی معجزہ طلب کیا اور وہ پیش نہ کر سکا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اللہ کا نبی نہیں' جو دلائل پیش کیے جا چکے ہیں اور جو معجزات ظاہر ہو چکے ہیں ان کے ہوتے ہوئے فرمائشی معجزات طلب کرنا محض ضد اور عناد تھا اور اللہ کے نبی کی تصدیق نہ کرنا یہ کفر ہے' کوئی نبی بے دلیل اور بے معجزہ نہیں گزرا اور فرمائشی معجزہ ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ اس کے پابند نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے لفظ ''آیۃ'' سے احکام مراد لیے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ جو کہتے ہو کہ احکام میں نسخ کیوں ہوا پہلی امتوں کے جو احکام تھے وہ پورے کے پورے اس امت کے لیے کیوں باقی نہ رکھے گئے یا اس امت کے لیے جو احکام جاری کیے گئے تھے ان کو بعد میں منسوخ کیا گیا اور ان کی جگہ دوسرا حکم کیوں آیا یہ جاہلانہ اعتراض ہے' اللہ کا کوئی نبی اپنے پاس سے کوئی حکم نہیں لا سکتا اپنی حکمت کے موافق اللہ تعالیٰ احکام جاری فرما دیتا ہے پھر منسوخ فرما دیتا ہے نبی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنے پاس سے بدل دے یا منسوخ کر دے' مخالفین جو یہ چاہتے ہیں کہ نبی ہماری مرضی کے مطابق حکم لائے یہ سفاہت اور ضلالت ہے' سورہ یونس میں فرمایا ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ﴾۔

﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ (ہر زمانہ کے لئے لکھے ہوئے احکام ہیں) یعنی گزشتہ امتوں کو جو احکام دیئے گئے وہ بھی حکمت کے مطابق تھے اور ان کے احوال کے مناسب تھے اور اب جو اس امت کو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ بھی حکمت کے مطابق ہیں اور ان کے حالات کے مناسب ہیں۔

اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے:

پھر فرمایا ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ (اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) صاحب روح المعانی نے اس آیت کے ذیل میں بہت کچھ لکھا ہے اور مفسرین کے مختلف اقوال جمع کیے ہیں پہلی بات تو یہ لکھی ہے ای ینسخ ما یشاء نسخه من الاحکام لما تقتضیه الحکمة بحسب الوقت ویثبت بدله ما فیه الحکمة او یبقیه علی حاله غیر منسوخ او یثبت ما یشاء اثباته مطلقا اعم منهما ومن الانشاء ابتداء۔

یعنی اللہ تعالیٰ جن احکام کو چاہتا ہے منسوخ فرما دیتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے منسوخ نہیں فرماتا' یہ مضمون ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ کی ایک تفسیر کے موافق ہے صاحب معالم التنزیل ص ۲۲ ج ۳ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ سے بھی یہ تفسیر نقل کی ہے۔

وقالو یمحوا اللہ ما یشاء من الشرائع والفرائض فینسخه ویبدله ویثبت ما یشاء منها فلا ینسخه پھر صاحب روح المعانی نے حضرت عکرمہ سے نقل کیا ہے یمحوا بالتوبة جمیع الذنوب ویثبت بدل ذلك حسنات یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کی وجہ سے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کے بدلہ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے نقل کیا ہے یمحوا من دیوان الحفظة ما لیس بحسنة ولا بسیئة لانهم مامورون بکتب کل قول وفعل ویثبت ما هو حسنة او سیئة مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے بنی آدم کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ تو حسب حکم ہر قول اور ہر فعل کو لکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ شانہ نیکیوں اور برائیوں کو باقی رکھتا ہے اور جو اعمال نیکی یا بدی کے دائرہ میں نہیں آتے انہیں مٹا دیتا ہے پھر حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ اس سے بنی آدم کی اجل یعنی زندگی کے اوقات

Marfat.com

مقررہ مراد ہیں شب قدر میں ان لوگوں کی اجل دیوان اموات میں لکھی جاتی ہے جنہیں آئندہ سال کے اندر موت آنی ہے اور زندوں کے دیوان سے ان کا نام مٹا دیا جاتا ہے صاحب روح المعانی نے دیگر اقوال بھی نقل کیے ہیں جن کا آیت کے سیاق سے جوڑ نہیں بنتا ان میں سے بعض ضعیف روایات پر بھی مبنی ہیں اس لیے ہم نے انہیں ذکر نہیں کیا۔

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ﴾ (الآیۃ) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی (ﷺ) آپ کے مخاطبین جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ہماری طرف سے جو ان پر عذاب آنے کی خبر دی جا رہی ہے اس میں آپ کو کسی طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر آپ کی موجودگی میں ہم نے کوئی عذاب بھیج دیا جسے آپ نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا تو یہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا ذریعہ ہوگا اور اگر ہم نے آپ کو ان پر عذاب آنے سے پہلے اٹھا لیا تو یہ بھی کوئی فکر کی بات نہیں ہے' چونکہ آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اس لیے ان کے قبول نہ کرنے پر آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے اور ایمان قبول نہ کرنے پر آپ پر عذاب لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے پہنچانا آپ کا کام ہے اور حساب لینا ہم سے متعلق ہے' آپ اپنا کام کرتے رہیں قال صاحب الروح ناقلاً عن الحوفی فیقال واللہ تعالیٰ اعلم واما نرینك بعض الذی نعدھم فذلك شافیك من اعدائك ودلیل صدقك واما نتوفینك قبل حلوله بھم فلا لوم علیك ولا عتب ویکون قوله تعالیٰ (فانما) الخ دلیلا علیھا۔

علمائے تفسیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت شریف میں دو چیزوں کا ذکر ہے اول آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مشرکین پر عذاب آ جانا' ان میں سے پہلی بات کا ظہور ہوا اور وہ اس طرح کہ غزوہ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی اور انہوں نے ذلت اٹھائی پھر آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور اس وقت کے موجودہ مشرکین میں سے کچھ مقتول ہوئے اور اکثر نے اسلام قبول کیا۔

پھر فرمایا ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کی اطراف سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں) بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو اس سے عبرت ہونی چاہیے کہ اس زمین پر اہل ایمان کا اقتدار بڑھتا چلا جا رہا ہے ہر طرف اسلام پھیل رہا ہے اور جو لوگ بھی اسلام قبول کر لیتے ہیں ان کا علاقہ مسلمانوں کی عملداری میں داخل ہو جاتا ہے جو لوگ مجبور اور مظلوم تھے انہیں زمین کا اقتدار ملتا جا رہا ہے اور ظالمین اقتدار سے محروم ہوتے جا رہے ہیں کافروں کی عملداری ہر طرف سے گھٹ رہی ہے یہ سب کچھ ان کی نظروں کے سامنے ہے اس سے عبرت حاصل کریں۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ اور بعض دیگر حضرات سے آیت شریفہ کی یہی تفسیر منقول ہے پھر لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ہم زمین کے اطراف کو ویران اور اس کے رہنے والوں کو ہلاک کرتے رہے ہیں ان لوگوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے انہیں اس بات کا کیسے اطمینان ہو گیا کہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہوگا۔

اللہ کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں:

﴿وَ اللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ (اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں) ﴿وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ (اور وہ جلد حساب لینے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا جب عذاب لانے کا فیصلہ ہوگا تو اسے کوئی ہٹا نہیں سکتا وہ عنقریب ہی دنیا میں عذاب دے گا آخرت میں بھی حساب ہے وہاں کفر کی سزا ملے گی جو دنیاوی عذاب سے بڑھ چڑھ کر ہے ﴿وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (اور جو لوگ ان سے پہلے کافر تھے انہوں نے مکر کیا) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو بہت بہت ستایا لیکن آخر عذاب میں گرفتار ہوئے ﴿فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِیْعًا﴾ (سب تدبیر اللہ ہی کے لیے ہے) اس کی تدبیر کے سامنے سب کی مکاریاں دھری رہ گئیں موجودہ کافروں کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو جانتا ہے:

﴿یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ (اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل کو جانتا ہے) ان اعمال میں دشمنان دین کی مکاریاں بھی ہیں جن کی اللہ کی

Marfat.com

تدبیر کے سامنے کوئی حیثیت نہیں' اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو دنیا میں بھی اپنے علم اور فیصلے کے مطابق انہیں سزا دے گا اور آخرت میں تو کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے ﴿وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (اور عنقریب کافر جان لیں گے کہ اس دار کا اچھا انجام کس کے لیے ہے) یعنی جب آخرت میں کافر لوگ اہل ایمان کی کامیابی دیکھیں گے اور خود عذاب میں پڑیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوا۔

آپ فرما دیجئے کہ میرے رسول ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے:

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ (اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں) ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ﴾ (آپ فرما دیجئے کہ میرے تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لیے اللہ کافی ہے) ﴿وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ (اور وہ لوگ بھی گواہی کے لیے کافی ہیں جن کے پاس کتاب ہے) تم اگر نہ مانو تو تمہارے انکار کی کوئی پرواہ نہیں' نیز اہل کتاب کے علماء کی گواہی بھی میرے لئے کافی ہے جو اپنی کتابوں میں میری نبوت کی پیشین گوئی پڑھتے آئے ہیں اور ان کے جذبہ انصاف نے انہیں مومن بنا دیا انہوں نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لے آئے اہل علم کی گواہی کے بعد جاہلوں کا انکار بے حیثیت ہے۔

والله المستعان وعليه التكلان ولقد تم تفسير سورة الرعد والحمد لله

Marfat.com

آیاتها ۵۳ ۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورہ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی۔ جو باون آیات اور سات رکوع پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ
شَدِيْدِ ۙ ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③

الٓرٰ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالیں یعنی اس کی راہ کی طرف جو زبردست ہے خوبیوں والا وہ اللہ ہے جس کے لیے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور کافروں کے لیے ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف بلائیں، اللہ غالب ہے ستودہ صفات ہے سارے جہانوں کا مالک ہے:

یہاں سے سورۂ ابراہیم شروع ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب عظیم کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی پھر فرمایا کہ کتاب کا نازل فرمانا اس لیے ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں اور ساتھ ہی ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ بھی فرمایا کہ کتاب سنانا اور حق کی تبلیغ کرنا یہ آپ کا کام ہے جسے ہدایت ہوگی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت ہی سے ہوگی۔

پھر نور کا مصداق بتایا اور فرمایا ﴿اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ کہ آپ جو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہیں یہ نور عزیز حمید یعنی اس ذات پاک کا راستہ ہے جو زبردست ہے اور غالب ہے اور ستودہ صفات ہے یعنی ہر اعتبار سے وہ مستحق حمد ہے، پھر ﴿عَزِيْزٌ حَمِيْدٌ﴾ کا اسم ذات ذکر فرمایا کہ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے پھر اللہ تعالیٰ کی شان مالکیت کو بیان فرمایا ﴿الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے، وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے اور خالق بھی ہے سارا ملک بھی اسی کا ہے اور سب کچھ ملکیت اسی کی ہے، جو لوگ اللہ کی کتاب پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے وہ اپنے خالق و مالک سے منحرف ہیں ایسے لوگوں کے لیے وعید بیان فرمائی ﴿وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ (اور کافروں کے لیے ہلاکت ہے یعنی سخت دردناک عذاب ہے)۔

Marfat.com

کافروں کی صفات:

پھر کافروں کی تین صفات بیان فرمائیں اور وہ یہ ہیں کہ ﴿الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ﴾ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا والی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیتے ہیں) ان کا یہ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو نظر انداز کرنا ان کے کفر پر جمے رہنے کا باعث بنا ہوا ہے' ان کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (یعنی وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں) نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ (کہ اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے ہیں) یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور اس پر اعتراض کریں۔

ان لوگوں کی یہ حرکتیں بیان فرمایا کر ارشاد فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ﴾ کہ یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں راہ حق کا انکار کر کے ہدایت سے دور پہنچ چکے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد انهم قد ضلوا عن الحق ووقعوا عنه بمراحل۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۴

اور ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے وہ اپنی ہی قوم کی زبان بولنے والے تھے تا کہ وہ اپنی قوم کیلئے بیان کریں' پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے' اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے:

اس آیت میں ایک بہت اہم بات بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب اپنی اپنی قوموں کی زبان میں ان سے بات کرتے تھے اور اپنی قوم کی زبان میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے اور بیان فرماتے تھے' حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے ان کی بیوی حوا بھی تشریف لائیں اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بھاری تعداد میں مرد اور عورت پیدا فرمائے۔ ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت بڑھتی رہی پھیلتی رہی قبیلے بنتے چلے گئے مختلف زبانیں پیدا ہوتی چلی گئیں یہ زبانوں اور صورتوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں سورۂ روم میں فرمایا ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ﴾ (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا ہدایت دینے کے لیے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تعلیم وتبلیغ اور افادہ واستفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہی ہے جب زبانیں مختلف ہیں اور لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا اور باری تعالیٰ شانہ کے احکام بیان کرنا اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے پیغمبروں کے سپرد فرمایا تو ظاہر ہے کہ ہر نبی کو وہی زبان بولنا ضروری ہوا جو زبان ان کے مخاطبین کی تھی ﴿لِیُبَیِّنَ لَهُمْ﴾ میں اس بات کو بیان فرمایا کہ جو بھی نبی آیا اس نے اپنی قوم سے انہیں کی زبان میں باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام آباد ہو گئے تھے ان کا وطن سابق بابل کے قریب تھا وہاں جو بھی زبان بولتے ہوں ہجرت کر کے جب شام میں تشریف لے آئے اور وہاں کے لوگوں میں شادی کر لی اور ان لوگوں کی زبان سیکھ لی تو نبوت سے سرفراز ہو کر انہی کی زبان میں تبلیغ فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے' مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اپنی قوم کی زبان کے علاوہ دوسری زبان نہیں جانتے تھے' مطلب یہ ہے کہ جس قوم کی طرف بعثت ہوئی ان کی زبان جانتے تھے بعض لوگوں نے جو حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اشکال کیا ہے کہ وہ دوسرے

Marfat.com

ملک سے آ کر آباد ہوئے تھے پھر آیت کے عموم میں کیسے داخل ہوئے یہ اشکال کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ان کی زبان جاننا دعوت وتبلیغ کے لیے کافی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز واذان مشروع ہونے کی حکمت:

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے تمام انسانوں کی طرف ان کی بعثت نہیں ہوتی تھی کما قال النبی ﷺ وکان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة (صحیح بخاری) آپ کی بعثت سارے زمانوں کے لیے سارے جنات کیلئے اور سارے انسانوں کے لئے ہے چونکہ آپ کے مخاطبین اولین اہل عرب ہی تھے اس لیے آپ بھی اپنی قوم کی زبان میں خطاب فرماتے تھے اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں نازل ہوا پھر عربی زبان کی بلاغت اور لطافت ایسی ہے جو دوسری کسی زبان میں نہیں ہے اس میں الفاظ بھی ثقیل نہیں ہیں جیسا کہ انگریزی اور سنسکرت وغیرہ میں ہیں اور اس زبان کا سیکھنا بھی آسان ہے اور معجزہ کی جو شان عربی زبان میں ہے وہ دوسری زبانوں میں نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا اور اپنی آخری کتاب بھی عربی زبان میں نازل فرمائی چونکہ سارے انسان خاتم الانبیاء ﷺ کی امت دعوت ہیں اس لیے امت کی وحدت قائم رکھنے کے لئے کسی ایک ہی زبان میں آخری کتاب کا نازل ہونا ضروری تھا اور اپنی لطافت فصاحت وبلاغت اور معجزہ ہونے کے اعتبار سے عربی زبان ہی کو برتری حاصل تھی اور اب بھی ہے اس لیے عربی ہی کو ساری امت کی مرکزی زبان قرار دیا گیا اگر ہر ہر علاقے کے رہنے والوں کی زبانوں میں الگ کتاب اللہ ہوتی تو پوری امت کی مرکزیت اور وحدت کی صورت نہ بنتی جیسا کہ قرآن مجید کے معانی کا جاننا اور سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا مطلوب ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا یاد رکھنا پڑھنا پڑھانا تلاوت کرنا بھی مطلوب ہے جیسا اس کے احکام پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے ایسا ہی اس کے الفاظ کی تلاوت کرنے پر بھی اجر ملتا ہے۔ زبان کی سلاست اور لطافت جو عربی زبان میں ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسے حفظ کر لیتے ہیں اور بوڑھے لوگ بھی یاد کر لیتے ہیں اس کے حروف بھی ایسے ہیں جنہیں سب ادا کر سکتے ہیں (اگر چہ بعض حروف کی ادائیگی میں ذرا محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ادا سب ہو جاتے ہیں) برخلاف اس کے بعض زبانوں کے حروف ایسے ہیں کہ دیگر علاقوں کے باشندوں سے ادا نہیں ہوتے مثلاً (ڑ) اور (ڈ) اہل عرب ادا نہیں کر سکتے اس لیے عربی زبان ہی کو اسلامی عربی زبان قرار دیا گیا قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے اور اذان بھی اسی زبان میں دی جاتی ہے۔

پھر چونکہ اہل استطاعت پر حج کرنا بھی فرض ہے اس کے لیے مکہ معظمہ آنا پڑتا ہے اور یہاں اہل عرب سے واسطہ پڑنا ضروری ہے اس لیے بھی مسلمانوں کے لیے مرکزی عالمی زبان عربی ہی ہونا ضروری ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذمہ داری حق پہنچانے اور حق سمجھانے کی تھی رہا ہدایت دینا تو یہ اللہ جل شانہ کی قضاء وقدر اور ارادہ سے متعلق ہے اسی لئے فرمایا ﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبانوں میں بیان فرماتے تھے اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا گمراہی پر باقی رکھا اور جس کو چاہا ہدایت دی قال صاحب الروح ص ۱۸۲ ج ۱۳ کانه قيل فبينوا لهم فاضل الله تعالىٰ من شاء اضلاله وهدى من شاء هدايته حسب ما اقتضته حكمته تعالىٰ البالغة۔

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ غالب ہے وہ جو چاہے وہی ہوگا اور وہ حکمت والا بھی ہے وہ اپنی حکمت کے موافق فیصلے فرماتا ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ

Marfat.com

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ﴿۵﴾ وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ اَنۡجٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۶﴾

اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اور انہیں ایام الٰہیہ یاد دلاؤ بیشک اس میں ہر ایسے شخص کیلئے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والا ہے خوب شکر کرنے والا ہے اور جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو جب کہ اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمہیں بری طرح تکلیف پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے لیے بڑا امتحان تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا:

ان دو آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانہ اقتدار میں جب اپنے والدین اور بھائیوں کو اور ان کی ازواج و اولاد کو بلا لیا تھا تو یہ لوگ مصر میں مستقل طور پر بس گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے چونکہ یہ لوگ مصری قوم یعنی قبطیوں کے نہ ہم وطن تھے نہ ہم مذہب تھے اس لیے انہوں نے ان کو اجنبی ہونے کی پاداش میں بہت بری طرح رگڑا۔ چار سو سال کی بدترین غلامی میں جکڑے رہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے اور ان پر توریت شریف نازل فرمائی چونکہ وہ پیدا ہونے کے بعد سے تیس سال کی عمر تک مصر ہی میں رہے اس کے بعد دس سال مدین میں رہے اس لیے بنی اسرائیل کی زبان بھی جانتے تھے اور قبطیوں کی زبان سے بھی واقف تھے' آپ فرعون اور قوم فرعون کی طرف بھی مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کی طرف بھی' فرعون اور اس کی قوم تو کافر مشرک تھے ہی ان کی اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل بھی نہ صرف یہ کہ فسق و فجور میں مبتلا تھی بلکہ شرک کو بھی پسند کرنے لگی تھی اس لیے جب سامری نے بچھڑا بنایا تو اس کی پرستش کرنے لگے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشرکین پر گزرے تو کہنے لگے ﴿یٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ﴾ (اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسے ہی معبود تجویز کر دیجئے جیسے ان لوگوں کے لیے معبود ہیں) اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو اندھیروں سے نکالو اور نور کی طرف لے آؤ کفر و شرک اور فسق و فجور اور معاصی سے انہیں ہٹاؤ اور بچاؤ اور ہدایت کی روشنی کی طرف لے آؤ ﴿وَ ذَكِّرۡهُمۡ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ﴾ (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ) دن تو سارے اللہ ہی کے ہیں کیونکہ سب دنوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن محاورہ کے اعتبار سے یہاں انقلابات جہاں اور دکھ تکلیف کے واقعات یاد دلانا مقصود ہے دنیا میں کیسے کیسے بادشاہ اور دبدبے والے اصحاب اقتدار آئے انہوں نے کیا کیا بنایا اور کیا کیا خود صفحہ ہستی سے مٹ گئے ان کے لشکر بھی تباہ ہوئے قومیں بھی ختم ہوئیں محلات بھی برباد ہوئے جن میں سے بعض کا کوئی نشان باقی ہے اور بعض کے نشان بھی ختم ہو گئے' انہیں میں فرعون بھی تھا جس کی سطوت اور شوکت بنی اسرائیل دیکھ چکے تھے اور چار سو سال سے دکھ تکلیف کو بھگت رہے تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں یہ واقعات اور قصے یاد دلاؤ دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں ان کا جو اپنا حال تھا اس کو بھی یاد کریں۔

بعض حضرات نے ایام اللہ سے نعماء اللہ مراد لیے ہے یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے ہیں ان کو یاد کرو۔ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ﴾ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے بندہ کے لیے جو خوب صبر کرنے والا ہو خوب شکر کرنے والا ہو)۔ صبر شکر والے بندے بصیرت والے ہوتے ہیں جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو وہ گزشتہ انسانوں کی مصیبتیں یاد کرلے تو اس کی مصیبت ہلکی ہو جائے گی اور مصیبت پر صبر کرنا آسان ہو جائے گا اور جو نعمتیں اسے ملی ہیں ان پر زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ

Marfat.com

اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالو اور انہیں پرانے زمانے یاد دلاؤ تو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ نے جو تم پر انعام فرمایا اسے یاد کرو انعامات تو ان پر بہت تھے لیکن ان کے حالات کے اعتبار سے جو ان پر سب سے بڑا انعام تھا وہ یاد دلایا کہ دیکھو اللہ نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی فرعون اور اس کے متعلقین اور اس کے سپاہی بنی اسرائیل پر بری طرح مسلط تھے وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے یعنی ذبح نہ کرتے تھے مگر یہ ان کی کوئی مہربانی نہ تھی وہ سمجھتے تھے کہ سبھی کو قتل کر دیا جائے تو ہماری خدمت گزاری کون کرے گا وہ بنی اسرائیل سے طرح طرح کی بیگاریں لیتے تھے انہیں سخت ترین کاموں میں استعمال کرتے تھے یہ سب کچھ بنی اسرائیل کو معلوم تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا اور فرمایا ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ کہ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بلاء کہتے ہیں۔ اور بلاء کا دوسرا معنی "انعام" ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے تم کو مطلع فرمادیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے، اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم اور وہ سب لوگ جو زمین میں ہیں اللہ کی ناشکری کرو تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ شکر پر مزید نعمتیں دوں گا اور ناشکری سخت عذاب کا سبب ہے:

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ نعمتوں کی شکر گزاری پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعامات ملیں گے اور جیسا کہ شکر نعمتوں کے زیادہ ہونے کا سبب ہے اسی طرح سے ناشکری اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جانے کا سبب ہے۔ لہٰذا زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے اور دل سے بھی اور اعضاء و جوارح سے بھی، اعضاء و جوارح کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مال ملے اس کو فضول نہ اڑا دے طاعات میں خرچ کرے گناہوں میں خرچ کرنے سے بچے، شکر ان سب باتوں کو شامل ہے اور ان سب امور کے خلاف اختیار کرنا ناشکری ہے۔ جس طرح شکر گزاری کی وجہ سے نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح ناشکری کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں اور طرح طرح کے مصائب اور مشکلات اور دکھ تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

سورہ نحل کی آیت ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً﴾ (الآیۃ) میں ایک بستی پر نعمتوں کی فراوانی پھر ان کی ناشکری اور ناشکری کی سزا کا تذکرہ فرمایا ہے۔ نیز سورہ سبا رکوع ۲ میں قوم سبا پر جو نعمتیں تھیں ان نعمتوں کا تذکرہ ہے پھر قوم کی ناشکری اور ناشکری کی سزا مذکور ہے دونوں جگہ کا مطالعہ کر لیا جائے۔ مزید فرمایا کہ دیکھو اگر تم شکر کرو گے تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے بے نیاز ہے حمید ہے سب تعریفوں کا مستحق ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں ہے تم سب اور زمین کے رہنے والے تمام افراد اگر اللہ کی ناشکری کریں تو اس بے نیاز ذات کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا شکر گزاری میں تمہارا اپنا نفع ہے ناشکری میں تمہارا اپنا ضرر ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا

Marfat.com

اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ
رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ
نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ
قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے یعنی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کی خبر جو ان کے بعد تھے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے سو ان لوگوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دے دیئے اور کہا کہ بیشک تم جو چیز لے کر بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے اور بلاشبہ جس چیز کی طرف تم لوگ ہمیں بلاتے ہو ہم اس کی طرف سے شک میں ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے' ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اور مقررہ مدت تک تمہیں ڈھیل دے دے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے تم ہمیں اس سے روکتے ہو۔ سو تم ہمارے پاس کوئی کھلی ہوئی دلیل لے آؤ' ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے بس کی یہ بات نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر لا سکیں اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے' اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہماری راہیں دکھائی ہیں اور ہم تمہاری ایذاؤں پر ضرور ضرور صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

سابقہ امتوں کا عناد' رسولوں کو تبلیغ سے روکنا اور جاہلانہ سوال جواب کرنا:

قریش مکہ کفر و شرک سے باز نہیں آتے تھے جب ان کے سامنے حق بات پیش کی جاتی تھی تو الٹے الٹے جواب دیتے تھے ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود اور ان کے بعد جو بہت سی اقوام آئیں جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے کیا ان کے احوال تمہیں معلوم نہیں ہیں۔ کچھ اجمالاً اور کچھ تفصیلاً ان لوگوں کے حالات تمہیں معلوم ہیں قرآن مجید میں بھی ان کے احوال بتائے ہیں اور تم اپنے اسفار میں ہلاک شدہ قوموں کے نشانات دیکھ چکے ہو کچھ نہ کچھ یہود اور نصاریٰ سے بھی سنا ہے ان لوگوں کی بربادی سے تم سبق کیوں نہیں لیتے ان کی وہی حرکتیں تھیں جو تمہاری حرکتیں ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور جو کچھ ہمیں دعوت دیتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ہم اسے نہیں مانتے ہمیں تمہاری باتوں میں شک ہے اور شک بھی معمولی نہیں ہے اس نے ہمارے دلوں کو تردد میں ڈال دیا ہے' ان لوگوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب انہیں حق کی دعوت دیتے تھے تو ان کے مونہوں میں اپنے ہاتھ دے دیتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانو اس کی توحید کا اقرار کرو اسے خالق اور مالک جانو اس کے سوا کسی کی

Marfat.com

عبادت نہ کرو جب یہ دعوت ان حضرات نے اپنی اپنی اقوام کے سامنے رکھی تو ان لوگوں نے جھٹلا دیا اس پر ان حضرات نے فرمایا کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمینوں کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی اتنی بڑی نشانیاں آسمان وزمین تمہارے سامنے ہیں اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اس پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو ہم اس کے پیغمبر ہیں دعوت دینے والا وہی ہے تم اس کی دعوت قبول کرو ایسا کرو گے تو وہ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور مقررہ وقت تک (جو اس کے علم میں ہے) تمہیں ڈھیل دے گا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ باتیں سن کر ان کی قومیں جب دلیل سے لاجواب ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت و مالکیت کا انکار نہ ہو سکا تو کٹ حجتی پر اتر آئیں اور کہنے لگیں کہ ہم کیسے مان لیں کہ تم اللہ کے رسول ہو تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تم نے جو معبود بنا رکھا ہے اس میں ہم اپنے باپ دادوں کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی راہ پر چلتے ہیں اور اپنے خیال میں ہم ان کے طریقہ کو صحیح سمجھتے ہیں اب تم ہمیں باپ دادوں کے راستے سے روکنا چاہتے ہو لہٰذا کوئی واضح کھلی ہوئی دلیل یعنی معجزہ دکھاؤ تا کہ ہم اسے دیکھ کر تمہاری بات مان لیں اور اپنے باپ دادوں کا طریقہ چھوڑ دیں، ان کے جواب میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن انسان ہونا نبی ہونے کے منافی نہیں ہے اللہ تعالیٰ شانہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور اپنے اس احسان کے لیے منتخب فرما لیتا ہے وہ انسان ہی میں سے نبی بھیجتا ہے لہٰذا انسان ہوتے ہوئے ہم نبی ہوئے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں جہاں تک دلیل کا تعلق ہے وہ تو ہم نے پیش کر دی ہے لیکن اب جو تم یہ کہتے ہو کہ تمہیں ایسا خاص معجزہ دکھایا جائے جو تمہاری فرمائش کے مطابق ہو تو یہ ہمارے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے نہیں لا سکتے ہم اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں اور مومن بندوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور زندگی کے جو طریقے اسے محبوب ہیں وہ ہمیں بتائے جب اس نے ہم پر یہ کرم فرمایا تو ہم اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمیں تکلیفیں دے رہے ہو اور آئندہ بھی تمہاری طرف سے تکلیفیں پہنچ سکتی ہیں، ہمیں ان تکلیفوں پر صبر ہی کرنا ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے (معلوم ہوا کہ دعوت حق کا کام کرنے والوں کو مخاطبین سے تکلیفیں پہنچیں تو صبر سے کام لیں اور اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتے رہیں۔)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿١٥﴾ مِّن وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿١٧﴾

''اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ضرور ضرور ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ بات ہو کہ تم ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ، سو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور بالضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تمہیں اس زمین میں آباد رکھیں گے یہ اس شخص کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے خائف ہوا اور میری وعید سے ڈرا، اور کافروں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا، اس کے آگے دوزخ ہے اور اسے ایسا پانی پلایا جائے گا جو پیپ ہو گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا گلے سے بہ آسانی نہ اتارے گا اور ہر جگہ سے اس پر موت کی آمد ہو گی اور وہ نہیں مرے گا اور اس کے سامنے سخت عذاب ہو گا۔''

Marfat.com

سابقہ امتوں کا رسولوں کو دھمکی دینا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے کافروں کے سخت عذاب کا تذکرہ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کو جو حق کی دعوت دیتے اور توحید کی طرف بلاتے اور اللہ جل شانہ وحدہ لاشریک کی بلاشرکت غیر عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے تو یہ بات ان لوگوں کو کھلتی تھی اور ناگوار ہوتی تھی، طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اور بری طرح پیش آتے تھے ان کی انہیں باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے نہ تمہیں یہاں رہنے دیں گے اور نہ ان لوگوں کو جنہوں نے تمہارا دین قبول کیا، ہاں اگر تم لوگ ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ تو پھر ہم تم ایک ہو جائیں گے اور اس صورت میں ہماری تمہاری مخالفت ختم ہو جائے گی، چونکہ وطن چھوٹ جانا اور بے گھر ہو جانا بھی انسان کے لیے ایک بڑی تکلیف دہ بات ہے اس لیے کافروں نے انہیں یہ تڑی دی (معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو اہل کفر زمانہ قدیم سے جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں اور آج بھی اہل ایمان کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے) کافروں نے اپنی سرزمین سے نکالنے کی جو دھمکی دی، اس پر اللہ جل شانہ نے اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والے بندوں کو تسلی دی اور یہ وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں اس زمین میں آباد رکھیں گے۔

جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو وہ انہیں بہت بری لگی آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بہت تکلیفیں دیں بہت سے صحابہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشورہ لے کر بیٹھے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے۔ سورۂ انفال رکوع ۴ میں ہے کہ کسی نے کہا کہ آپ کو قید میں ڈال دیں کسی نے کہا آپ کو قتل کر دیا جائے کسی نے کہا ان کو یہاں مکہ کی سرزمین سے نکال دیا جائے آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر پیش آیا جس میں کفر کے ستر سرغنے مقتول ہوئے اور ستر سرغنے قید ہوئے پھر چھ سال کے بعد مکہ معظمہ فتح ہو گیا کفر مٹا شرک دفع ہوا اور اہل ایمان کو مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ رہنا نصیب ہوا پہلی امتوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے کفر و ایمان کی جنگ چلتی رہی بالآخر اہل ایمان غالب ہوئے۔

فسق و فجور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار قرآن کی شرط کے خلاف ہے

ظالمین کو ہلاک کرنے کے بعد اہل ایمان کو ان کی سرزمین میں بسانے کا وعدہ جو فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَ خَافَ وَعِيْدِ﴾ اس میں یہ بتایا ہے کہ ظالموں کے ہلاک کرنے اور ان کی جگہ اہل ایمان کو بسانے کا جو وعدہ فرمایا ہے یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جنہیں حساب کتاب کا ڈر ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ قیامت کا دن آئے گا اور وہاں حاضر ہونا پڑے گا اور نیکی بدی کا حساب ہوگا اور یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو اللہ کی وعیدوں سے ڈرتے رہے جو اس نے اپنے نبیوں اور کتابوں کے واسطہ سے بیان فرمائیں، اور ڈرنا جبھی ہوگا جب کہ ایمان اور یقین کی صفت سے متصف ہونگے، جب قیامت کے دن کے حساب کا خوف ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی وعیدوں پر یقین ہوگا تو گناہوں سے بھی دور رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن گناہوں کو نہ چھوڑتے ہوں ان لوگوں سے مذکور یہ وعدہ نہیں ہے آج دنیا میں کروڑوں افراد آباد ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ایمان والے لیکن فرائض واجبات کا اہتمام کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کو تیار نہیں متقی بہت کم ہیں، عموماً فاسق ہیں، نمازوں تک سے غافل ہیں کاروبار میں حلال حرام تک کی کوئی تمیز نہیں سود کا لین دین بھی ہو رہا ہے۔ رشوتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ حقوق العباد بھی ادا نہیں کیے جاتے، اسلام کے دعویداروں کا گناہگاری میں لت پت ہونے کے اعتبار سے برا حال ہے جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں آتی تو تعجب کرتے ہیں اور بعض جاہل تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ گناہ چھوڑیں اللہ کی شرط پوری کریں پھر مدد کے منتظر ہوں، نفس کی خواہشوں کے مطابق چلیں اور گناہوں میں غرق ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کریں کہ ہماری مدد نہ فرمائی یہ جہالت کی بات ہے۔ سورہ آل عمران میں غزوہ احد (جس میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا تھا) کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (اور تم ہمت نہ ہارو اور رنج نہ کرو اور تم بلند ہو گے اگر تم مومن ہو) جو مدعی ایمان ہو وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے پھر نصرت الٰہی کا امیدوار ہو

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اسی بات کو فرمایا تھا ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بے شک زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرمادے اور انجام کے اعتبار سے کامیابی متقیوں کے لیے ہوتی ہے۔)

سورہ ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے باسلامت کشتی سے اترنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا ﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ اچھا انجام متقیوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ (الآیات الثلاث) اس میں حضرات مفسرین نے دو وجوہ لکھی ہیں اول یہ کہ وَاسْتَفْتَحُوْا کی ضمیر مرفوع مستتر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور فیصلہ چاہا، یہ معنی لینا بھی سیاق کلام کے موافق ہے اور اس کی نظیر حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی دعا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی جب ان کی قوم نے ان سے یوں کہا تھا کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس پر ان حضرات نے جو جواب دیا تھا وہ سورہ اعراف میں مذکور ہے، ساتھ ہی وہاں ان کی یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے۔ ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ (اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادیجیے اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں) اس صورت میں سورہ ابراہیم کی آیت بالا کا یہ مطلب ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے مقابلہ میں جو سرکش ضدی تھے وہ نامراد ہوئے برباد ہوئے دنیا و آخرت دونوں جگہ کے عذاب میں مبتلا ہوئے اس کے بعد کچھ آخرت کے عذاب کی تفصیل مذکور ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا﴾ کی ضمیر امتوں کی طرف راجع ہو اور اس صورت میں مطلب ہوگا کہ جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کو سمجھاتے رہے اور وہ لوگ انکار پر اصرار کرتے رہے تو اسی طرح شدہ شدہ وہ وقت آگیا کہ ان کی قوموں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ ہوجانا چاہیے اور اس بات کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ جو ہمیں وعید سناتے ہیں کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ہلاک ہوجاؤ گے اور تم پر عذاب آجائے گا تو ہمارے انکار کرنے پر اگر عذاب آنا ہے تو آجائے، یہ ایسا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اور جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اور جیسا کہ قریش نے کہا ﴿عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ اور یہ بھی کہا ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ان لوگوں کا اس طرح کی باتیں کرنا اور عذاب لانے کی درخواست کرنا استہزاء اور تمسخر کے طریقہ پر تھا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے اس لیے بطور تمسخر ایسی باتیں کرتے تھے لیکن عذاب کو دعوت دینا ان کے لیے وبال بن گیا اور واقعی عذاب آگیا، جب عذاب آیا تو سرکش اور ضدی عذاب میں مبتلا ہوگئے اور دنیا سے نامراد ہوکر چلے گئے، وہ سمجھتے تھے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بات نہ ماننے میں کامیابی ہے حالانکہ ان کی بات ماننے میں کامیابی تھی اور نہ ماننے میں نامرادی تھی، یہ تو ان کو دنیا میں سزا ملی کہ عذاب میں گرفتار ہوئے اور جس عذاب کو مذاق میں طلب کرتے تھے اس نے سچ مچ آگھیرا اور آخرت کا عذاب اس کے سوا ہوگا وہاں دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا جہاں بہت سے عذابوں کے علاوہ کھانے پینے کا بھی عذاب ہوگا جب پانی پینے کے لیے طلب کریں گے تو وہ پانی سراپا پیپ ہوگا پینے کو تو دل نہ چاہے گا لیکن مجبوری میں پینا پڑے گا یہ پیپ کا پانی خود دوزخیوں کے جسموں سے نکل کر بہتا ہوگا کافر اسے مشکل سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا لیکن پھر بھی پیئے گا اور پینا پڑے گا۔

Marfat.com

ماءصدید کیا ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿یُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ یَّتَجَرَّعُهٗ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ ماءصدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کرے گا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرہ کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی پھر جب اسے پئے گا تو انتڑیاں کاٹ ڈالے گا اور پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ذیل کی آیات تلاوت فرمائیں اور اول سورہ محمد کی آیت ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ دوسری سورہ کہف کی آیت یعنی ﴿وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳ از ترمذی)

دوزخی کی مصیبت بتاتے ہوئے مزید فرمایا ﴿وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ﴾ اس کے پاس ہر جگہ سے یعنی ہر طرف سے موت آجائے گی یعنی طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوتا رہے گا جتنی بھی سخت تکلیف پہنچ جائے وہ یہ سمجھے گا کہ اب مرا اب لیکن پھر بھی وہ مرے گا نہیں کیونکہ اس کو دائمی عذاب ہوگا وہاں کی زندگی نہ تو ایسی ہوگی جسے زندگی کہا جائے اور نہ تکلیف کی وجہ سے اسے موت آئے گی اسی کو سورہ طٰہٰ اور سورۃ الاعلیٰ میں ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی﴾ فرمایا ہے کہ وہاں نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔

مزید فرمایا ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ﴾ اور اس کے آگے سخت عذاب ہے جتنا بھی عذاب ہوگا آگے بڑھتا ہی رہے گا ختم نہ ہوگا اور ہلکا نہ ہوگا عذاب کی شدت میں اضافہ کر دیا جائے گا جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا ﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ﴾ (جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم ان کے لیے بمقابلہ ان کے فساد کرنے کے عذاب بڑھا دیں گے۔)

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾

''جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ ہوا سے تیز آندھی کے دن میں تیز ہوا اڑا کر لے جائے جو کچھ انہوں نے کمایا اس میں سے ذرا سے حصہ پر بھی وہ قادر نہیں ہونگے یہ ہے دور کی گمراہی، اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، اور وہ سب اللہ کے حضور میں پیش ہونگے سو ضعیف لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ بلاشبہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے اللہ کا عذاب کچھ بھی ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں راہ بتاتا تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے، ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم بے چینی کا اظہار کریں یا صبر کریں ہمارے لیے چھٹکارہ کی کوئی صورت نہیں۔''

Marfat.com

کافروں کے اعمال باطل ہیں، قیامت کے دن دنیا والے سرداروں اور ان کے ماننے والوں کا سوال جواب

ان آیات میں اول تو کافروں کے ان اعمال کا باطل ہونا بیان فرمایا جنہیں دنیا میں نیکی سمجھ کر کرتے ہیں مثلاً صلہ رحمی کردی مہمانوں کو کھانا کھلا دیا مجبور و پریشان حال آدمیوں کی مدد کردی وغیرہ ذالک ارشاد فرمایا ان کے یہ اعمال آخرت میں بے حیثیت ہونگے ان کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی راکھ پڑی ہوئی ہو جسے خوب تیز آندھی اڑا کر لے جائے اول تو راکھ یوں ہی بے حیثیت ہے پھر کسی جگہ اس کا ڈھیر بنا ہوا ہو پھر اسے آندھی نے اڑا کر ادھر ادھر منتشر کردیا، نظروں کے سامنے جو اس کا ذرا سا وجود تھا وہ بھی نہ رہا اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو سمجھ لیا جائے جو دنیا میں نیکیوں کے عنوان سے کرتے تھے، یہ اعمال قیامت کے دن بیکار ہونگے اور ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ ملے گا نہ ثواب ملے گا نہ عذاب سے چھٹکارہ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ سائل کے اس سوال کا جواب ہے کہ کافروں کا یہ حال کیوں ہوگا جو گزشتہ آیت میں مذکور ہوا جبکہ انہوں نے دنیا میں کچھ نیک اعمال بھی کیے تھے اس کا جواب دیدیا کہ ان کے ان اعمال کی قیامت کے دن کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کوئی قیمت نہ اٹھے گی ان کا یہ سمجھنا کہ ان اعمال پر ہمیں کچھ ملے گا یا ان اعمال کی وجہ سے ہم ہدایت پر ہیں یہ ضلال بعید ہے یعنی دور کی گمراہی ہے۔ سورہ فرقان میں فرمایا ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (اور ہم ان کے ان کاموں کی طرف جو کہ وہ کر چکے تھے متوجہ ہونگے سو ان کو ایسا کردیں گے جیسے پریشان غبار)۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی حکمت کے موافق پیدا فرمایا آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ ان میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے جس کا بھی جو وجود ہے اسی کی مشیت سے ہے۔

نیز فرمایا ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ (اگر وہ چاہے تو تمہیں معدوم کردے اور نئی مخلوق پیدا فرمادے) ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ (اور یہ اللہ پر ذرا بھی مشکل نہیں ہے)

اس کے بعد میدان حشر کا ایک منظر بیان فرمایا اور وہ یہ کہ قیامت کے دن چھوٹے بڑے سب قبروں سے نکل کر ظاہر ہونگے اس وقت جب عذاب سامنے آئے گا اور کفر و شرک کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور پہچانیں گے اس وقت چھوٹے لوگ جو دنیا میں کمزور تھے اپنے بڑوں سرداروں چودھریوں اور لیڈروں کے پیچھے چلتے تھے اور ان کی بات ماننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت کو رد کردیتے تھے وہ اپنے قائدوں، لیڈروں، سرغنوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تم جو کہتے تھے ہم اسے مانتے تھے اور تمہارے کہنے کے مطابق عمل کرتے تھے ہم نے تمہاری بات مانی اور اپنے خالق اور مالک کے رسولوں کی باتوں پر کان نہ دھرا تو اب بتاؤ کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر عذاب سے چھوٹنے کا کوئی راستہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے اب تو ہمارے لیے اور تمہارے لیے عذاب ہی عذاب ہے اور اب تم اور ہم یہاں پریشانی ظاہر کریں یا صبر کریں بہرحال چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہے، سورہ مومن میں فرمایا کہ ان کے بڑے جواب میں یوں کہیں گے کہ ﴿اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ (بلاشبہ ہم سب کو اسی میں رہنا ہے بلاشبہ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا) سورہ بقرہ رکوع ۲۰ میں ہے متبوعین اپنے اتباع سے بیزاری ظاہر کردیں گے اور سورہ اعراف رکوع ۴ میں گزر چکا ہے کہ اہل دوزخ آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے سورہ سبا رکوع ۴ میں بھی بڑوں اور چھوٹوں کا مکالمہ مذکور ہے۔

Marfat.com

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا
بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

''اور جب فیصلے ہو چکیں گے تو شیطان کہے گا کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچے وعدے کیے اور میں نے تم سے جو وعدے کیے وہ وعدے میں نے تم سے خلاف کیے تھے اور میرا تم پر اس سے زیادہ کچھ زور نہ تھا کہ میں نے تم کو دعوت دی سو تم نے میری بات مانی لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو نہ میں تمہارا امدادگار ہوں نہ تم میرے مددگار ہو میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا بلاشبہ جو ظالمین ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ لوگ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ ان میں رہیں گے ان کا تحیہ ملاقات کے وقت سلام ہوگا۔''

قیامت کے دن فیصلے ہو چکنے کے بعد شیطان کا اپنے ماننے والوں سے بیزار ہونا اور انہیں بے وقوف بنانا

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اہل دوزخ کی ایک بہت بڑی بے وقوفی کا تذکرہ فرمایا ہے شیطان مردود لوگوں کی بے وقوفی ظاہر کرے گا اور اپنی صفائی پیش کرے گا دنیا میں تو اس نے اپنے ماننے والوں کو خوب بہکایا اور راہ حق سے ہٹا کر کفر و شرک کی دلدل میں پھنسایا لیکن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں ہی کو الزام دے گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ نہ کیا اس کے وعدے سچے تھے اور میرے وعدوں پر کان دھرا اور ان کو مانا حالانکہ میرے سارے وعدے جھوٹے تھے اب دیکھو مجھے کچھ الزام نہ دو میرا تم پر کوئی زور تو چلتا نہ تھا میں نے اتنا ہی کیا کہ تمہیں کفر و شرک کی دعوت دی تم نے میری بات مان لی اب مجھے ملامت مت کرو۔ اپنی جانوں کو ملامت کرو تم خود مجرم ہو، پیغمبروں کی دعوت کو چھوڑ کر جو معجزہ اور حجت و دلیل پیش کرتے تھے تم نے میری باتوں پر کیوں کان دھرا میں نے کوئی زبردستی ہاتھ پکڑ کے تو تم سے کفر و شرک کے کام نہیں کرائے، ہم آپس میں یہاں ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے اب تو عذاب چکھنا ہی ہے دنیا میں جو تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے اسی دنیا میں بتادیا کہ شیطان ایسی باتیں کرے گا ہر عقلمند کو فکر کرنا چاہیے کہ میں کس راہ پر ہوں اگر کفر و شرک میں مبتلا ہے تو غور کرے کہ مجھے اس راہ پر کس نے لگایا ظاہر ہے کہ شیطان نے لگایا ہے اور چودھریوں اور سرداروں اور لیڈروں نے لگایا ہے دوزخ کے عذاب سے چھڑانے کے لیے نہ سردار کام آئیں گے نہ شیطان کام آئے گا سب ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے لہٰذا ہر شخص حق کا اتباع کرے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعے بھیجا ہے اور اپنی کتاب قرآن مجید میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

اہل ایمان کا ثواب

دوسری آیت میں ان حضرات کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے حکم سے ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صرف داخلہ ہی نہیں ہوگا خلود بھی ہوگا

Marfat.com

ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی السلام علیکم کہیں گے اس کی مزید تشریح سورہ یونس کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکی ہے وہاں فرمایا ہے ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی وہ مثال کلمہ طیبہ کی ہے جو شجرہ طیبہ کی طرح سے ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں بلندی میں ہیں وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے خبیث درخت ہو جسے زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا ہو اس کے لیے ثبات نہیں ہے، جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں پختہ بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

یہ تین آیات ہیں جن میں پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور دوسری آیت میں کلمہ خبیثہ کو شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ ایمان لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اور کلمہ خبیثہ سے کلمہ کفر مراد ہے، کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ خوب مضبوطی کے ساتھ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں اونچائی میں اوپر جا رہی ہوں اور وہ ہمیشہ پھل دیتا ہو جب بھی اس کی فصل آئے تو فصل ضائع نہ ہو۔ سنن ترمذی (تفسیر سورہ ابراہیم) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) سے کھجور کا درخت مراد ہے جس سے کلمہ طیبہ کو تشبیہ دی ہے لا الٰہ الا اللہ کی جڑ (یعنی مضبوط اعتقاد) مومن کے قلب میں استحکام اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اس کی شاخیں یعنی اعمال صالحہ جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ان پر رضائے الٰہی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں کما فی سورۃ فاطر ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ کھجور کا درخت زمین میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے اپنی جڑوں میں استحکام اور پھلوں میں عمدگی اور شاخوں میں بلندی لیے ہوئے ہوتا ہے اس کے پھل بھی ہر فصل میں آتے رہتے ہیں اور لوگ اس سے برابر منتفع ہوتے رہتے ہیں اس کے پھل میں غذائیت بھی ہے اور قوت بھی ہے اور دیکھنے میں بھی نظروں میں خوب بھاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کی مثال دینے کے بعد کلمہ خبیثہ کی مثال دی اور فرمایا کہ کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر ایسا ہے جیسے کوئی خبیث درخت ہو جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کوئی قرار اور ثبات نہ ہو سنن ترمذی کی مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شجرہ خبیثہ سے حنظل مراد ہے جو بہت زیادہ کڑوا ہوتا ہے اس کا مزہ بھی برا ہے اور اس کی بو بھی بدترین ہے اور اس کے کھانے سے بہت سی مضرتیں پیدا

Marfat.com

ہوتی ہیں اس کا جماؤ بھی زمین میں نہیں ہوتا زمین سے یوں ہی ذرا تھوڑا سا تعلق ہوتا ہے ہلکے سے ہاتھ کے اشارے سے اکھڑ آتا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ چونکہ پہلی مثال میں شجرہ طیبہ فرمایا ہے اس لیے حنظل کو مشاکلۃً شجرہ خبیثہ فرمادیا ورنہ حنظل کا درخت نہیں ہوتا بلکہ بیل ہوتی ہے حنظل کی نہ جڑ مضبوط ہے نہ مزا اچھا ہے اور بدبو سے بھرا ہوا ہے اور نہ اس کی شاخیں اونچی ہیں اور مزید یہ کہ بدبودار ہوتا ہے، کفر کے کلمات کا یہی حال ہے حق کے سامنے ان کا کوئی جماؤ نہیں کافر کو اس سے نقصان ہی نقصان ہے اور اس کے اعمال پر بھی رضائے الٰہی مرتب نہیں ہوتی اور چونکہ کافر کے اعمال کے قبول ہونے کا احتمال ہی نہیں اس لیے مشبہ بہ یعنی حنظل کے تذکرہ میں شاخوں کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت پر ثابت رکھتا ہے

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت (پکی بات یعنی لا الہ الا اللہ) پر دنیا میں بھی ثابت رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں کلمہ ایمان پر جمائے اور مضبوط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین کے بہکانے اور گمراہ کرنے کا اہل ایمان پر اثر نہیں ہوتا مومن بندہ آخر دم تک ایمان پر جما ہوا رہتا ہے اور آخرت میں کلمہ ایمان پر جمارہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ قبر میں منکر نکیر کے سوال پر مومنانہ جواب دلوا دیتا ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیدیتا ہے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا (رواہ البخاری)

آخر میں فرمایا ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ (اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ظالمین سے کافرین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اللہ کی فطرت کو بدل دیا اور قول ثابت کی طرف راہ نہ پائی اور گمراہوں کی تقلید کرلی اور واضح دلائل کا اثر نہ لیا تو دنیا میں بھی اللہ نے انہیں راہ حق سے دور رکھا اور آخرت میں بھی وہ کلمہ ایمان زبان سے ادا نہ کرسکیں گے حدیث شریف میں ہے کہ جب منافق اور کافر سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق) کیا کہتا ہے تو جواب دیتا ہے لا ادری کنت اقول ما یقول الناس (میں نہیں جانتا میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے)

اور بعض روایات میں ہے کافر سے جب سوال کیا جاتا ہے تو جواب میں کہتا ہے هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ (ہائے ہائے میں نہیں جانتا) پھر جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ پھر جب سوال کیا جاتا ہے کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تو وہی جواب دیتا ہے کہ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ (رواہ ابوداؤد)

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے عذاب قبر کا ثبوت

مومنین صالحین کا قبر میں اچھے حال میں رہنا اور کافروں کا اور بعض اہل ایمان گنہگاروں کا عذاب قبر میں مبتلا ہونا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ایمان کا زمانہ تھا قرآن مجید میں جو کچھ نازل ہوتا فوراً مان لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے ان پر فوراً ایمان لے آتے تھے لیکن دور حاضر شکوک و شبہات کا زمانہ ہے دشمنوں کی کوششوں اور ملحدوں اور زندیقوں کی کتابوں سے اور اپنی کم عقلی پر اعتماد کرنے کی وجہ سے آج کل کے بہت سے کلمہ گو (جو نام کے مسلمان ہیں) ان میں بہت سے ایسے ہیں جو قبر کے عذاب اور وہاں کے آرام کے منکر ہیں اوپر جو آیت گذری ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الآیہ) اور اس کی جو تفسیر صحیح بخاری سے معلوم ہوئی اس سے قبر میں سوال و جواب ہونا ثابت ہوا اور سورہ غافر میں آل فرعون کی قوم کے بارے میں فرمایا ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (صبح شام وہ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس وقت حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو)

اور سورہ نوح میں فرمایا ہے ﴿مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا﴾ (اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کردیئے گئے پھر آگ میں

Marfat.com

داخل کردیئے گئے) ان آیات میں عذاب قبر کی تصریح ہے اور احادیث شریف بکثرت قبر میں سوال جواب اور عذاب کافرین اور راحت مومنین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں بہت سے جاہل جو نہ قرآن جانیں نہ حدیث پڑھیں کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب نہ ہماری سمجھ میں آتا ہے نہ دیکھنے میں آتا ہے پھر کیسے مانیں نہ ماننے کی سزا قبر میں جانے کے بعد مل جائے گی تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات ماننے کے لیے اپنی عقل سے سمجھنے اور نظر سے دیکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اہل سائنس اور ریسرچ کرنے والوں کی بات پر بے سمجھے ہی ایمان لے آتے ہیں۔﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا
وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى
النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن
قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿٣١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾
وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا وہ اس میں داخل ہونگے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے، اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے مقابل قرار دیدیئے تا کہ وہ انہیں اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں آپ فرمادیجیے کہ تم مزے کی زندگی گزار لو پھر بلاشبہ تمہیں دوزخ کی طرف لوٹ کر چلا جانا ہے، آپ میرے بندوں سے فرمادیجیے جو ایمان لائے کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طریقے پر خرچ کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لیے رزق نکالا اور تمہارے لیے کشتی کو مسخر فرمادیا تا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور اس نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر کردیا اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر فرمادیا اور برابر حرکت میں ہیں اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر فرمادیا، اور تم نے اس سے جو کچھ مانگا تم کو اس سب میں سے عطا فرمادیا اور اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرو تو شمار نہیں کرسکتے بلاشبہ انسان بڑا بے انصاف ہے بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کی بدحالی

ان آیات میں اول تو ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کو اختیار کیا لیکن مفسرین نے فرمایا کہ ان سے مشرکین مکہ مراد ہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ ٹھہرادیا دنیوی اعتبار سے بھی ان پر انعام فرمادیا دنیا بھر سے ان کے پاس ضرورت کی چیزیں پہنچتی تھیں۔﴿أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا﴾ نیز ان پر یہ احسان فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو انہیں میں سے مبعوث فرمایا اور انہیں کی زبان میں کتاب نازل فرمائی لیکن ان

Marfat.com

لوگوں نے نعمتوں کی قدر دانی نہ کی شکر کے بجائے ناشکری کو اختیار کیا اور ناشکری میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کے بھی منکر ہوئے اور اللہ کی کتاب کے بھی، ان میں جو بڑے لوگ تھے انہوں نے خود بھی اپنے لیے ﴿دَارَ الْبَوَارِ﴾ یعنی جہنم کو اختیار کیا اور اپنی قوم کو بھی جو ان سرداروں کے ماننے والے تھے دوزخ میں داخل کر دیا۔ ﴿یَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ (وہ دوزخ میں داخل ہوں گے جو ٹھہرنے والوں کے لیے برا ٹھکانہ ہے)

پھر ان لوگوں کے شرک کرنے کا حال بیان فرمایا ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے انداد یعنی برابر والے تجویز کر لیے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کر دیا اور باطل معبودوں کو صفت الوہیت میں اللہ کی طرح مان لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، جو ان کی اقتداء کرتے تھے اور ان کی راہ پر چلتے تھے ان لوگوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَی النَّارِ﴾ (یعنی تم اس دنیا میں نفع حاصل کر لو دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھا لو یہ چند دن کا جینا اور نفع اٹھانا ہے کفر پر مرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے جو اہل کفر کے پہنچنے کی جگہ ہے)

قیامت کے دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی

اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الآیة) کہ آپ میرے مومن بندوں سے فرما دیں کہ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں کوئی خرید و فروخت اور دوستی نہ ہوگی، نماز قائم کریں اور جو مال ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہر طور پر خرچ کریں، اس میں نماز اور انفاق کا حکم دیا، پوشیدہ طور پر مال کو خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نفس کو ریا کاری کا موقع نہیں ملتا اور ظاہراً خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ دوسروں کو بھی عمل خیر کی توفیق ہو جاتی ہے، لوگوں کے سامنے نیک عمل کرنے کا نام ریا کاری نہیں ریا کاری اس جذبے کا نام ہے کہ لوگ معتقد ہوں اور تعریف کریں، جس کسی کو اس جذبہ پر قابو ہو وہ لوگوں کے سامنے خرچ کرے ﴿یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ (جس دن نہ بیع ہوگی اور نہ دوستی ہوگی) اس سے قیامت کا دن مراد ہے وہاں مال دے کر کوئی مجرم نہیں چھوٹ سکتا اور جان کے بدلہ میں کچھ قبول نہیں کیا جا سکتا، اور دنیا میں جو کسی کی کسی سے دوستی تھی اور اس دوستی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی تھی یہ دوستی وہاں کچھ کام نہ آئے گی نہ کوئی نیا دوست بنے گا نہ پرانی دوستی فائدہ دے گی اس لیے دنیا اور اہل دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں ہاں جو لوگ متقی ہیں ان سے دوستی کریں ان کی دوستی آخرت میں بھی منقطع نہ ہوگی اور اس سے شفاعت کا فائدہ ہوگا۔ کما قال تعالیٰ ﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾ (تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے)

اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا بیان اور انسان کی ناشکری کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفت خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو سب کی نظروں کے سامنے ہیں اور جن سے سب ہی مستفید ہوتے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات ہیں نظروں کے سامنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق اور صانع ہونے پر دلالت کرتی ہیں دوم یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس کے ذریعہ پھل نکالے جو تمہارے لیے رزق ہیں پانی برسنا بھی اسی کے حکم سے ہے اور پھلوں کا پیدا ہو جانا بھی اسی کے حکم سے ہے پھر ان پھلوں کا رزق بن جانا بھی اسی کے حکم سے ہے سوم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر فرما دیا جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں، کشتی بنانے کی سمجھ دینا، پھر ان کو سمندروں میں چلانے کی سمجھ دینا، ان کے چلانے کے لیے ہوا یا ایندھن پیدا فرمانا اور ان کے استعمال کے طریقے بتانا یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ یہ چھوٹی بڑی کشتیاں بڑے بڑے جہاز انسانوں کو اور ان کے اموال تجارت کو سینکڑوں میل دور منتقل کرتے ہیں اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچا دیتے ہیں۔ چہارم یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر کیا کشتیوں کے

Marfat.com

بارے میں لفظ فی البحر فرمایا کیونکہ بڑے بڑے جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچانے کے لیے شور پانی کے سمندر میں چلتے ہیں اور اس کے بعد نہروں کا ذکر فرمایا جن میں میٹھا پانی بہتا ہے بڑی نہروں سے چھوٹی نہریں نکلتی ہیں ان سب سے انسان اور مویشی پانی پیتے ہیں اور کھیتوں کی آب پاشی بھی ہوتی ہے اگر یہ میٹھے پانی کی نہریں نہ ہوتیں تو انسان کے لیے بڑی دشواری ہوتی اور کھیتوں کی آبپاشی کے لیے حیران و پریشان رہتے صرف بارش ہی کھیتوں کی آبپاشی کا ذریعہ بن سکتی تھی اب ہوتا یہ ہے کہ بارش نہ ہو یا کم ہو تو میٹھے پانی کی نہروں سے آبپاشی کا کام ہو جاتا ہے نیز ان نہروں میں بھی کشتیاں چلا کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں فراہم کر کے لے آتے ہیں پنجم یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر فرما دیا دونوں چل رہے ہیں اور برابر حرکت میں ہیں سورج کے طلوع سے دن کا وجود ہوتا ہے نیز سورج کی روشنی اور گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں اور اس سے بجلی حاصل کی جاتی ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں جو ریسرچ کرنے والوں نے معلوم کر لیے ہیں۔ چاند کے طلوع ہونے اور گردش کرنے میں بھی بڑے بڑے فائدے ہیں۔

نئی ایجادات میں ان کا مظاہرہ ہوا ہے، رات کی اندھیری میں چاند کی روشنی سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں پر کیف دھیمی اور ٹھنڈی روشنی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ چاند کی روشنی کی وجہ سے پھل رنگ پکڑتے ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں، ششم یوں فرمایا کہ تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر فرما دیا رات ہو جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن جاتا ہے تو رات آ جاتی ہے رات میں آرام ہے اور دن میں کام ہے، کبھی دن بڑا ہے کبھی رات بڑی، ان دونوں کے آگے پیچھے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اگر ہمیشہ دن ہی ہوتا تو دشواری ہو جاتی اور ہمیشہ رات ہی ہوتی تو مصیبت میں پڑ جاتے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے اوقات مقرر فرما دیئے انہیں کے مطابق کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد اجمالاً دوسری نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا اور فرمایا ﴿وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ (اور جو کچھ تم نے اللہ سے مانگا اس سب میں سے تمہیں عطا فرما دیا) ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی بے شمار نعمتیں ہیں بہت سی نعمتوں کا تو انسان کو علم بھی نہیں۔ جن سے منتفع ہوتا ہے سر سے پاؤں تک انسان کے جسم میں کیا کیا ہے کتنی رگیں ہیں کتنے پٹھے ہیں ان سب کا پتہ عامۃ الناس کو تو ہے ہی نہیں جن لوگوں نے آلات کے ذریعے ریسرچ کی ہے وہ بھی اب تک پوری طرح جسم انسانی کی مشینری کو سمجھ نہیں پائے اور جس کسی نے پورا سمجھنے کا دعویٰ کیا ہے اس کا دعویٰ غلط نکلا کیونکہ بعد میں اور بہت سی چیزیں ظاہر ہو گئیں، یہ تو انسان کے اپنے اندر کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ ہوا ان کے علاوہ جو اور نعمتیں اور کھانے پینے کی اور پہننے کی اشیاء اور سفر حضر میں کام آنے والی چیزیں ہیں سمندری مخلوقات ہیں جن سے انسان منتفع ہوتا ہے اشجار ہیں انہار ہیں، جبال ہیں، احجار ہیں، مویشی ہیں، انعام ہیں اور کثیر تعداد میں اجناس اور اصناف ہیں ان سب کا شمار انسان کے بس سے باہر ہے نیز اپنے سانسوں کے گننے تک پر قادر نہیں ہے جو اس کی حیات کا ذریعہ ہیں اور ذرا انسان اپنے جسم کے مسامات کو گن کر دکھا دے جن سے پسینہ نکلتا ہے۔ ایک بات ذہن میں آئی اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے سر کے بال بہت زیادہ محبوب ہیں ان بالوں سے حسن و جمال ہے کوئی شخص اپنے سارے بال گن کر دکھا دے گنتے گنتے تھک جائے گا اور گن نہ سکے گا پہلے ان بالوں سے فارغ ہو تو دوسری نعمتوں کے گننے میں لگے ولقد صدق اللہ ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کا شمار کرنا اس کے بس سے باہر ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر گزار بندہ بننے کے بجائے ظلوم اور کفار بن گیا جسے آیت کے ختم پر بیان فرمایا ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ ظلوم کا معنی ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا اور کفار کا معنی ہے بہت زیادہ ناشکرا، انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں بھی خرچ کرتا ہے۔ یہ سب اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، پھر نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا یہ بھی ظلم ہے، نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور انکار بھی کرتا ہے کہہ دیتا ہے کہ مجھے اللہ نے کیا دیا ہے کبھی کہتا ہے کہ یہ . . . کچھ میں نے اپنی محنت اور اپنی سمجھ سے حاصل کیا ہے نیز اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار نہیں بنتا کفر میں معصیتوں میں

Marfat.com

جانِ اور مال خرچ کرتا ہے، یہ سب ظلم ہے اکثر افراد ناشکرے ہی ہیں سورہ سبا میں فرمایا ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ (اور میرے بندوں میں سے شکر گزار کم ہیں)

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ ءَامِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ
إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُۥ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا
لِيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

''اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر کو امن و امان والا بنا دیجئے اور مجھے اور میرے فرزندوں کو اس سے دور رکھیے کہ ہم بتوں کو پوجیں، اے میرے رب بلاشبہ ان بتوں نے لوگوں میں سے بہت سوں کو گمراہ کر دیا، سو جو شخص میری پیروی کرے بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ آپ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں، اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے نزدیک ایسی وادی میں ٹھہرایا جو کھیتی والی نہیں ہے اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو آپ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجئے اور انہیں پھلوں میں سے روزی عطا فرمایئے تاکہ شکر ادا کریں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت اللہ کے نزدیک ٹھہرانا اور ان کے لیے دعا کرنا کہ شرک سے بچیں اور نماز قائم کریں

حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے ان کے علاقہ کے لوگ جو بابل کے قریب تھا بت پرست تھے، خود ان کا باپ بھی بتوں کی پوجا کرتا تھا آپ نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت تکلیفیں اٹھائیں یہاں تک کہ انہیں آگ تک میں ڈالا گیا پھر اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے فلسطین میں تشریف لے آئے ہجرت میں ان کی بیوی بھی ساتھ تھیں۔ یہ چچا کی لڑکی تھیں، جن کا نام سارہ تھا۔ پھر سفر ہجرت میں ایک بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا بدنیتی سے ہاتھ ڈالا تو اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے پھر ان کو چھوڑ دیا پھر ان کی خدمت کے لیے ایک عورت پیش کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا حضرت سارہ سے اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جاؤ اسمٰعیل اور اس کی والدہ کو سرزمین عرب مکہ معظمہ میں چھوڑ آؤ وہ اپنی بیوی کو لے کر مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور کعبہ شریف کے قریب چھوڑ دیا اور یہ دعا کی کہ اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھیے ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں میں ان لوگوں سے بیزار ہوں، جو شخص میری اتباع کرے توحید کی راہ چلے وہ میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے وہ میرا نہیں ہے، آپ اسے ہدایت دیکر مغفرت کے راستے پر ڈال سکتے ہیں اور اس پر رحم فرما سکتے ہیں، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کے معظم گھر (کعبہ شریف) کے قریب اس وادی (میدان) میں اپنی بعض اولاد کو چھوڑ رہا ہوں یہ میدان کھیتی والا نہیں ہے حکم کی تعمیل میں یہاں قیام کرا رہا ہوں آپ میری اس ذریت کو اور اس کی نسل کو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے میں انہیں یہاں اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ نماز قائم کریں (نماز ایمان کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اس لیے دعا میں اس کا خصوصی ذکر فرما دیا اس میں دیگر اعمال صالحہ کی بھی دعا آ گئی) میری نسل کے یہ لوگ خود بھی دین پر چلنے والے بنیں اور دوسروں کے لیے بھی مقتدا بن جائیں لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دیجئے تاکہ ان سے ایمان اور اعمال صالحہ سیکھ سکیں، یہ تو ان کی دینی زندگی کے لیے دعا کی اور ان کی دنیاوی زندگی اور غذا کے لیے یوں دعا کی کہ اے

Marfat.com

میرے رب انہیں پھل عطا فرمانا تا کہ یہ شکر گزار ہوں، گو یہ جگہ ایسی ہے جہاں چٹیل میدان ہے اور ہر طرف سنسان ہے لیکن آپ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پھل نصیب فرمائیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں، ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے تھے اور ان کی نسل کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے مالا مال فرمایا اور انہیں مقتدا ہونے کی شان بھی عطا فرمائی ان کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے نیز انہیں رزق بھی خوب عطا فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج اور زائرین سب ہی کھاتے ہیں اور ان سے منتفع اور متمتع ہوتے ہیں۔ سورہ قصص میں فرمایا ﴿اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس رزق کے طور پر ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف و اکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آ رہے ہیں شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے نہ شجر کاری ہے اور نہ صنعتکاری لیکن پھر بھی اس میں دنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچہ کو مکہ معظمہ کی چٹیل زمین میں چھوڑ کر واپس فلسطین تشریف لے گئے اور ان کے گزارے کے لیے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور مشکیزے میں پانی رکھ دیا جب واپس ہونے لگے تو ان کی اہلیہ پیچھے ہولیں اور کہنے لگیں کہ ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں یہاں نہ آرام ہے نہ آدم زاد نہ اور کوئی چیز ہے، انہوں نے کئی بار یہ سوال کیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے آخر میں اس مومنہ خاتون نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں اس پر وہ کہنے لگیں کہ پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا، جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ پانی کی تلاش میں نکلیں سات مرتبہ صفا مروہ پر آنا جانا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچہ کے قریب فرشتے کے ایڑی مارنے سے چشمہ جاری فرما دیا، دونوں ماں بیٹے وہیں رہتے رہے پھر قبیلہ بنی جرہم بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا یہ قبیلہ ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ کی مقبولیت کا اولین مصداق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی اپنی بیوی اور بچہ کی خبر لینے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو بنی جرہم میں ان کی شادی بھی ہو گئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا جسے پہلے فرشتوں نے پھر آدم علیہ السلام نے بنایا تھا پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کی وجہ سے دیواریں مسمار ہو گئی تھیں اور عمارت کا ظاہری پتہ بھی نہ رہا تھا جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا چونکہ اس جگہ کے قریب اپنی بیوی اور بچہ کو چھوڑا تھا اس لیے دعا میں یوں عرض کیا ﴿اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے سے رخصت ہو کر آگے بڑھے تو قبلہ رخ ہو کر ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ شریف کی اٹھی ہوئی جگہ نظر آتی تھی جو ٹیلہ کی شکل میں تھی اور بیوی بچہ نظر سے اوجھل تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے۔

یہ تو معلوم تھا کہ یہاں اللہ کا گھر ہے لیکن خصوصی طور پر متعین کر کے جگہ معلوم نہیں تھی، جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ شریف بنانے لگے تو انہیں متعین طور پر کعبہ شریف کی جگہ بتا دی گئی جسے سورہ حج کی آیت کریمہ ﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ میں بیان فرمایا۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے پھر اہل مکہ مشرک ہو گئے بتوں کی پوجا کرنے لگے اور کعبہ شریف تک میں بت رکھ دیئے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی اور توحید کو پھیلانے اور شرک کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی محنتیں کیں اور قربانیاں دیں جس کی وجہ سے اہل مکہ پھر توحید پر آ گئے اور دنیا بھر کے قلوب ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور کعبہ شریف بتوں سے پاک وصاف

Marfat.com

ہوگیا۔ فصلی اللّٰہ تعالیٰ علی ابراھیم واسمٰعیل و محمد ن النبی العربی المکی المدنی صلوٰۃ دائمۃ علی ممر الدھور والاعصار

اولاد کے نمازی ہونے کے لیے فکرمند ہونا پیغمبرانہ شان ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا کہ میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں آپ کے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے اور ساتھ ہی ﴿لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ بھی کہا تا کہ وہ نماز قائم کریں اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی جو ایمان کے بعد افضل الاعمال ہے نیز معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال کی نماز کے لیے فکرمند رہنا کہ وہ نماز قائم کریں یہ بھی ایک ضروری بات ہے پھر رکوع کے ختم پر ان کی دعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ (کہ اے میرے رب مجھے نماز قائم رکھنے والا رکھیے اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والا پیدا فرمایئے) اس سے اقامت صلوٰۃ کی مزید اہمیت کا پتہ چلا بہت سے لوگ خود تو نمازی ہوتے ہیں لیکن اپنی اولاد کی نماز کے لیے فکرمند نہیں ہوتے بلکہ اولاد کو ایسی جگہوں میں تعلیم دلاتے ہیں جہاں نماز تو کیا ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن وحدیث کے مدرسہ میں پڑھایئے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں ملا تھوڑا ہی بنانا ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ بچوں کو دین میں لگانے ہی میں خیریت ہے دین سے اور دین کے فرائض کے جاننے اور عمل کرنے سے محروم رکھا تو یہ ان کا خون کر دینا ہے، عام طور سے لوگوں کی ساری شفقت دنیا ہی سے متعلق ہوتی ہے موت کے بعد اولاد کا کیا بنے گا اس کا کچھ دھیان نہیں کرتے، ہماری اولاد دینی مقتدا ہو جائے اس کا فکر کرنا بھی پیغمبرانہ فکر کی بات ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا بھی کی کہ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کو دینی مقتدیٰ بنانا بھی ایک اہم مقصد ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اول تو بنی جرہم کو مکہ معظمہ میں بسا دیا انہیں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی پھر ان کی نسل چلی اور بڑھی جن میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں آپ سارے عالم کے مقتدا ہیں آپ مکہ معظمہ ہی کی سرزمین میں پیدا ہوئے اور وہیں نبوت سے سرفراز ہوئے آپ کی دعوت توحید کا پہلا مرکز مکہ معظمہ ہی تھا آپ سے اور آپ کی اولاد واصحاب سے سارے عالم میں ایمان پہنچا جن کی طرف پورے عالم کے قلوب متوجہ ہو گئے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا مظاہرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ ﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ کہ انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرمانا تا کہ وہ شکر ادا کریں اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لیے معاش کا انتظام کرنا اور ان کے لیے رزق کی دعا کرنا یہ بزرگی اور دین داری کے منافی نہیں ہے، اولاد کے دین وایمان صالحہ کا فکر کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات کی فکر کی جائے تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، خود بھی اللہ کے شکر گزار بنیں اور اولاد کو بھی شکر گزار بنانے کی فکر کریں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

''اے ہمارے رب بلاشبہ آپ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور زمین میں اور آسمان میں اللہ پر کوئی

Marfat.com

چیز پوشیدہ نہیں ہے، سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق عطا فرمائے، بلاشبہ میرا رب دعا کا سننے والا ہے اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھیے اور میری اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرمایئے اے ہمارے رب میری مغفرت فرمایئے اور میرے والدین کی اور مومنین کی جس دن حساب قائم ہوگا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکرادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے، اور اپنے لیے اور آل و اولاد کے لیے نماز قائم کرنے کی دعا کرنا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید دعاؤں کا تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِيۡ وَ مَا نُعۡلِنُ﴾ (الآیۃ) کہ اے ہمارے رب آپ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں آپ ہماری نیتوں اور ارادوں سے اور ہمارے عزائم سے باخبر ہیں جیسا کہ آپ ہمارے ظاہری اعمال و احوال اور اقوال و اشغال سے باخبر ہیں اور ایک ہمارے ہی اعمال و احوال کیا اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز زمین میں اور آسمان میں پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں عرض کیا کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق دو بیٹے عطا فرمائے اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا ﴿اِنَّ رَبِّيۡ لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ﴾ (بیشک میرا رب دعا قبول فرمانے والا ہے) چونکہ انہوں نے دعا میں ﴿رَبِّ هَبۡ لِيۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾ عرض کیا تھا جس میں صالح اولاد طلب کی تھی اور وہ دعا قبول ہوگئی اس لیے اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کیا کہ اس نے میری دعا قبول فرمائی اور اولاد عطا فرمائی۔

پھر یوں دعا کی ﴿رَبِّ اجۡعَلۡنِيۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ﴾ (اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے بنایئے اے ہمارے رب دعا کو قبول فرمایئے) اس کے بعد اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے اور تمام مومنین کے لیے دعا کی کہ جس دن حساب قائم ہو اس دن ان سب کی مغفرت فرما۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تو کافر مشرک تھا اس کے لیے کیسے مغفرت کی دعا کی جبکہ کافروں کی بخشش نہ ہوگی اس کا جواب سورہ توبہ کی آیت ﴿وَ مَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے استغفار کروں گا انہیں اپنے والد کے مسلمان ہونے کی امید تھی پھر جب انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس کی موت کفر پر ہوگی تو اس سے بیزار ہوگئے یہ دعا بیزار ہونے سے پہلے کی ہے جب تک والد کی موت علی الکفر کا علم نہ ہوا تھا اور مسلمان ہونے کی امید بندھی ہوئی تھی اس وقت تک بشرط ہدایت باپ کی مغفرت کی دعا کی بعد میں چھوڑ دی۔

آیت بالا میں والدہ کے لیے بھی دعائے مغفرت کرنے کا تذکرہ ہے اگر وہ ایمان لے آئی تھی تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر وہ ایمان نہیں لائی تھی تو اس کے بارے میں وہی بات کہی جائے گی جو والد کے بارے میں عرض کی گئی۔

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ
الۡاَبۡصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهۡطِعِيۡنَ مُقۡنِعِيۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ ۚ وَ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ وَ
اَنۡذِرِ النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ نُّجِبۡ
دَعۡوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّ سَكَنۡتُمۡ فِيۡ

Marfat.com

مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

''اللہ کو ان کاموں سے بے خبر مت سمجھئے جو ظالم لوگ کرتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ انہیں ایسے دن کے لیے مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں اوپر کو اٹھی رہ جائیں گی یہ لوگ دوڑتے ہونگے سروں کو اوپر کو اٹھائے ہوئے ہونگے، ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ لوٹے گی اور ان کے دل ہوا ہونگے، اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا، سو جن لوگوں نے ظلم کیا وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دیجیے ہم آپ کے بلاوے کو قبول کریں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے کیا تم نے اس سے پہلے قسم نہ کھائی کہ ہمیں کہیں جانا ہی نہیں حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہ میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور یہ بات تم پر ظاہر ہوگئی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے اپنا مکر کیا اور اللہ کے سامنے ان کا مکر ہے اور واقعی ان کا مکر ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ سو اے مخاطب تو اللہ کے بارے میں یہ خیال نہ کر کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے۔''

قیامت کے دن کا ایک منظر، عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دیدی جائے

قرآن مجید نازل ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے لیکن مشرکین مکہ عناد و تکذیب سے باز نہ آتے تھے اور اپنے احوال اور اموال میں مست تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عذاب نہ آنے کی وجہ سے یوں کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ ان کی اس جاہلانہ بات سے دوسرے لوگوں کے متاثر ہونے کا بھی احتمال تھی اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ آپ یہ خیال نہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے اسے سب خبر ہے ان کے حال اور انکار و تکذیب کا علم ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تکذیب کرنے والوں پر وہ دنیا ہی میں عذاب بھیج دے نیز عذاب آنے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دے رہا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اور نظر بھی الٹ کر واپس نہ آئے گی ایسی ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھتے ہونگے، کہ پلک بھی نہ جھپک سکے گی تیزی سے دوڑ رہے ہونگے سر اوپر کو اٹھائے ہونگے اور ان کے دل بالکل ہوا ہونگے یعنی دہشت سے حواس باختہ ہو چکے ہونگے مواخذے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بس یہ دنیا ہے نہ قیامت ہے نہ حساب ہے، نہ عذاب ہے، ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ﴾ کا خطاب ہر اس شخص کی طرف ہے جس کے خیال میں یہ آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے، پھر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو بھی ہوسکتا ہے آپ سے ایسے گمان کا صادر ہونا تو محال ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کے بارے میں جو آپ یقین رکھتے ہیں اسی پر دائم و قائم رہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بظاہر خطاب آپ کو ہے لیکن اس سے مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے اور اس میں تنبیہ ہے اور تنبیہ شدید واکید ہے کہ جس ذات سے ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا جب اسے ایسے خیال کی ممانعت کردی گئی تو جو شخص ایسا گمان کرسکتا ہے ہو اسے تو ایسے گمان سے بہت زیادہ دور رہنا چاہیے۔ قیامت کا ہولناک منظر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ﴾ کہ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جس دن ان پر عذاب آپہنچے گا۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ اے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دیدیجیے آپ نے ہمیں جن کاموں کی دعوت دی تھی یعنی آپ کی طرف سے ہمیں جن کاموں کے کرنے کا بلاوا پہنچا تھا ہم ان پر عمل کریں گے اور آپ کا حکم مانیں گے اور رسولوں کا

Marfat.com

اتباع کریں گے، ان لوگوں کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں بستے رہے دنیا کو آباد کیا تمہیں جب حق کی دعوت دی جاتی تھی اور قیامت کے دن کے آنے کی خبر دی جاتی تھی اور اس پر ایمان لانے کو کہا جاتا تھا اور تم ساری سنی ان سنی کر دیتے تھے تم تو یوں قسم کھاتے تھے کہ ہمیں دنیا ہی میں رہنا ہے یہاں سے ٹلنا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے خوب سمجھایا (ﷺ) ان کا سمجھانا ایمان لانے کو فرمانا سمجھدار انسان کے لیے کافی تھا لیکن مزید تنبیہ وتذکیر کے لیے یہ بات بھی کم نہ تھی کہ تم لوگ جن بستیوں میں سکونت پذیر تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے، تمہیں معلوم تھا کہ یہ ان لوگوں کی بستیاں ہیں اور ان لوگوں کے گھر ہیں، جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو لوگ ان بستیوں میں رہتے تھے اور ان گھروں میں بستے تھے کفر وانکار کی وجہ سے ان پر عذاب آیا، اور مزید یہ کہ ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کیں اور پہلے لوگوں کی بربادی کے واقعات سنائے (جنہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بیان فرمایا) اور تم بھی نسلاً بعد نسل سنتے چلے آ رہے تھے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم نے حق کو ٹھکرایا قیامت پر ایمان نہ لائے اب کہتے ہو کہ مہلت دی جائے اب مہلت کا کوئی موقع نہیں۔

﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ﴾ (الآیة) جو لوگ منکرین اور معاندین تھے جب انبیاء کرام علیہم السلام انہیں ایمان کی دعوت دیتے تھے تو نہ صرف یہ کہ جھٹلاتے تھے بلکہ ان کی دعوت کو دبانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے راہ حق سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس سلسلہ میں جان اور مال خرچ کرتے تھے ان کی یہ تدبیریں ایسی تھیں جن کی وجہ سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتے تھے اللہ تعالیٰ کو ان کی تدبیروں کا پورا پورا علم تھا ان کی تدبیریں نیست ونابود ہوئیں اور مکذبین ومعاندین ہلاک اور برباد ہوئے۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ (سوائے مخاطب تو اللہ کے بارے میں یہ خیال نہ کر کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبیوں سے نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا فرمائے گا۔ کما فی سورۃ الغافر ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس میں بھی جس میں گواہی دینے کے لیے کھڑے ہونگے) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے)

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

"جس روز زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ کے لیے ظاہر ہو جائیں گے جو واحد قہار ہے اور اے مخاطب تو اس دن مجرموں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ باہم آپس میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہونگے اور ان کے کرتے قطران کے ہونگے اور ان کے چہروں کو آگ نے ڈھانک رکھا ہوگا تاکہ ہر جان کو اس کے کیے ہوئے اعمال کی سزا دے بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے، یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کو اور تاکہ وہ اس کے ذریعے ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہ ہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔"

قیامت کے دن زمین اور آسمان میں تغیر اور تبدل، سب لوگوں کی حاضری، مجرمین کی بدحالی، حساب کتاب اور جزا سزا

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے، بدلنے کا کیا

Marfat.com

مطلب ہے ان کی ذات بدل دی جائے گی یا صفات بدل دی جائیں گی اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تبدیلی کی دونوں صورتیں ہوسکتی ہے اور آیت کریمہ کسی ایک معنی کے لیے نص صریح نہیں ہے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زمین اس طرح بدل دی جائے گی کہ کچھ بڑھادی جائے گی کچھ کمی کردی جائے گی اس کے ٹیلے اور پہاڑ اور نشیب اور درخت اور اس میں جو بھی کچھ ہے سب ختم ہوجائے گا اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا جو بالکل برابر ہوجائے گی اور اس میں کوئی کجی اور اٹھی ہوئی جگہ نظر نہ آئے گی اور آسمانوں کو اس طرح بدل دیا جائے گا کہ چاند سورج ستارے سب ختم ہوجائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا ہے یہ قرآن مجید کی آیات اور بعض احادیث صحیحہ مرفوعہ کے موافق ہے۔ سورہ طٰہٰ میں فرمایا ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا﴾ (اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرمادیجیے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑادے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کردے گا کہ جس میں تو نہ ناہمواری دیکھے گا نہ کوئی بلندی دیکھے گا) اور سورہ زمر میں فرمایا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنی چاہیے تھی حالانکہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپیٹے ہونگے اس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شرک سے) اور سورہ انبیاء میں فرمایا ﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ﴾ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے ہم نے جس طرح شروع میں پیدا کیا اسی طرح لوٹا دیں گے۔

اور سورہ حاقہ میں فرمایا ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴾ پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھالیے جاویں گے پھر دنوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ اس روز بالکل بودا ہوگا۔

اور سورہ معارج میں فرمایا ﴿يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ (جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوجاوے گا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہوجاویں گے۔)

اور سورہ التکویر میں فرمایا ﴿وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ﴾ اور جب آسمان کھل جاوے گا اور سورہ الانشقاق میں فرمایا ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ (جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے، اور زمین کھینچ کر بڑھادی جائے گی اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہوجائے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔)

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ سفید زمین پر جمع کیے جائیں گے اس کے سفید رنگ میں کچھ مٹیالے رنگ کی ملاوٹ ہوگی (اور) وہ میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی قسم کی کوئی نشانی نہ ہوگی (رواہ البخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی بنی ہوئی ہوگی جبار جل مجدہ اسے اپنے دست قدرت سے اس طرح الٹ پلٹ فرمائے گا جس طرح تم اپنی روٹی کو سفر میں الٹ پلٹ کرتے ہو یہ زمین اہل جنت کو کھانے کے لیے ابتدائی مہمانی کے طور پر پیش کی جائے گی (رواہ البخاری) تاکہ وہ زمین کے سارے مزے مجموعی طور پر چکھ لیں اور اس کے بعد جنت کے مزے چکھیں تو لطف دوبالا ہو۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے ﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ فرمایا ہے (جس سے آسمان اور زمین کا بدل جانا معلوم ہو رہا ہے) اس کے بارے میں ارشاد فرمائیے کہ اس روز لوگ کہاں ہونگے آپ نے فرمایا کہ اس روز پل صراط پر ہونگے۔

یہ متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریف ہیں ان میں تبدیل صفت کا ذکر ہے البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے (جو سب سے آخر میں نقل کی گئی ہے) زمین کی ذات تبدیل ہونے کی طرف اشارہ مل رہا ہے، مرقاہ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے والظاھر من التبدیل تغییر الذات کما یدل علیہ السؤال والجواب حیث قالت فاین یکون الناس یومئذ قال علی الصراط۔

صاحب روح المعانی نے ابن الانباری کا قول نقل فرمایا ہے کہ آسمان کی تبدیلی بار بار ہوگی کبھی اس کو لپیٹا جائے گا اور کبھی تلچھٹ کی طرح اور کبھی ﴿وردۃ کالدھان﴾ ہو جائے گا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ زمین کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ وہ سفید زمین ہوگی گویا کہ چاندی سے ڈھالی گئی ہے اس میں کسی کا خون نہ بہایا گیا ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہ کیا گیا ہوگا، پھر بعض حضرات سے یوں نقل کیا گیا ہے کہ اولاً زمین کی صفت بدل دی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر اس کی ذات بدل دی جائے گی اور یہ ذات کا بدلنا اس کے بعد ہوگا جب وہ اپنی خبریں بتا چکی ہوگی (جس کا ذکر سورۃ الزلزال میں ہے) اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ولا مانع من ان یکون ھنا تبدیلات علی انحاء شتی

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (کہ لوگ اللہ واحد قہار کے لیے ظاہر ہو جائیں گے) یعنی قبروں سے نکل کر محشور اور مجتمع ہونگے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلے فرمائے، اللہ واحد یعنی تنہا ہے وحدہ لاشریک لہ ہے اور قہار بھی ہے جو ہر چیز پر غالب ہے، جو کچھ چاہے کر سکتا ہے کوئی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا۔

پھر مجرمین کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو اس دن مجرمین کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ باہم آپس میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہونگے یعنی اپنے عقائد کفریہ کے اعتبار سے مختلف قسموں میں بٹے ہوئے ہونگے ایک ایک قسم کے لوگوں کو ملا کر بیڑیوں میں جکڑ دیا جائے گا دنیا میں کفر میں شریک تھے اور ایک دوسرے کے مددگار تھے اب وہاں سزا میں ساتھی ہونگے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد قرن بعضھم مع بعض وضم کل لمشارکہ فی کفرہ و عملہ ان کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ﴿سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ﴾ قطران عرب میں ایک درخت ہوتا تھا جس کا سیال مادہ نکال کر اور پکا کر کھجلی والے اونٹوں کے جسم پر ملتے تھے جس کی تیزی کی وجہ سے کھجلی جل جاتی تھی جیسا کہ بعض علاقوں میں کھجلی سے چھٹکارا پانے کے لیے گندھک کو سیال کر کے ملایا جاتا ہے یہ قطران جو عرب میں ہوتا تھا آگ کو جلد پکڑتا تھا اور خوب زیادہ تیز ہوتا تھا مطلب یہ ہے کہ مجرمین کے جسموں پر قطران ملا یا جائے گا جو ان کے جسموں پر کرتے کی طرح ہوگا اسے دوزخ کی آگ بہت جلد پکڑے گی جیسا کہ دنیا کی آگ دنیاوالی قطران کو پکڑتی ہے، مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قطران پگھلے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں دوزخیوں کے لباس تانبے کے ہونگے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میت پر چیخ و پکار کر کے رونے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر ایک کرتہ قطران کا ہوگا اور ایک کرتا کھجلی کا ہوگا (رواہ مسلم) یعنی اس کے جسم پر خارش پیدا کر دی جائے گی، اور اوپر سے قطران لپیٹ دیا جائے گا تاکہ اس سے اور زیادہ سوزش اور جلن ہو۔

﴿وَّتَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ (اور ان کے چہروں کو آگ نے ڈھانپ رکھا ہوگا) آگ تو سارے ہی جسم کو جلائے گی لیکن چہروں کا ذکر

Marfat.com

خصوصیت کے ساتھ اس لیے فرمایا ہے کہ چہرہ اشرف الاعضاء ہے اور اس میں حواس ظاہرہ مجتمع ہیں اور سورہ ھمزہ میں فرمایا ﴿تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ﴾ اس میں دلوں کا خصوصاً ذکر فرمایا کیونکہ قلب حواس باطنہ کا سردار ہے۔

﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ مجرمین کے ساتھ مذکورہ معاملہ فرمائے گا تا کہ ہر جان کو اس کے کیے کا بدلہ دیدے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے) ایک ساتھ جلدی سب کا حساب لے سکتا ہے ایک کا حساب لے اور اس میں مشغول ہو جائے اور دوسرا یہ سمجھ کر کہ ابھی تو میرے حساب میں دیر ہے آرام پالے ایسا نہیں ہوگا۔ (ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۲۵۷ ج ۱۳)

آخر میں فرمایا ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ یہ قرآن لوگوں کو پہنچ جانے والی چیز ہے اس میں نصیحت اور موعظت ہے ﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ تا کہ لوگوں کو اس کے ذریعہ ڈرایا جائے وہ موت کے بعد کے لیے فکر مند ہوں کفر کو چھوڑیں اور ایمان قبول کریں۔ ﴿وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (اور تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں) ﴿وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں) اللہ کی صفات خالقیت اور مالکیت کے بارے میں تدبر کریں شرکیہ عقائد سے باز رہیں امم سابقہ کی بغاوت اور پھر ان کی ہلاکت سامنے رکھیں اور اس سے عبرت حاصل کریں اور یہ جان لیں کہ ہم انہیں برباد شدہ اقوام کے گھروں میں رہتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی جس کا برا انجام ان کے سامنے آ گیا غور و فکر کے ذریعہ عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔

ولقد تم سورة ابراهيم عليه السلام في الليلة التاسعة والعشرين من شهر شعبان المعظم سنة الف و اربع مائة وثلاثة عشر من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوٰة والتحية والحمد لله بيده ملكوت كل شئ اولا واخرا

Marfat.com

اٰیاتہا ۱۰۰　۱۵ سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۵۴　رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۹۹ آیات اور ۶ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ① رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ②
ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ③ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَ لَهَا
كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

''الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب کی اور قرآن مبین کی، جن لوگوں نے کفر کیا وہ بہت سی مرتبہ یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے، آپ انہیں چھوڑ یئے وہ کھالیں اور نفع اٹھالیں اور امید انہیں غفلت میں ڈالے رکھے، سو وہ عنقریب جان لیں گے، اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو ہلاک کیا ان کے لیے ایک وقت معین لکھا ہوا تھا، کوئی امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔''

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے

یہاں سے سورۃ الحجر شروع ہو رہی ہے اس کے چھٹے رکوع میں اصحاب حجر کا تذکرہ ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی، اس کی ابتداء بھی الٓرٰ سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ کتاب (کامل) کی آیات ہیں اور قرآن مبین کی آیات ہیں، مبین واضح اور خوب زیادہ ظاہر کے معنی میں آتا ہے قرآن مجید کی بعض دیگر آیات میں قرآن مجید کو قرآن مبین فرمایا ہے، چونکہ قرآن اپنے مضامین کو خوب واضح کر کے بیان کرتا ہے اس لیے اسے قرآن مبین فرمایا، صاحب معالم التنزیل اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای بین الحلال من الحرام والحق من الباطل یعنی قرآن نے حلال حرام کی تفصیلات خوب واضح کر کے بیان فرمائیں اور حق کو باطل سے جدا کر کے واضح طور پر بیان فرمایا، الکتاب سے بھی قرآن مبین مراد ہے لفظ ''الکتاب'' میں یہ بتایا کہ یہ لکھی ہوئی چیز ہے اور لفظ قرآن میں یہ بتایا کہ یہ پڑھی جانے والی کتاب ہے آیات الکتاب کا تذکرہ فرمانے کے بعد منکرین کی آرزوؤں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ بہت سی مرتبہ کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے، دنیا میں تو مسلمانوں کو وہ بے وقوف بناتے ہیں اور احمق بتاتے ہیں لیکن جب آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوں گے اور مسلمانوں کو کامیاب اور بامراد دیکھیں گے تو انہیں بار بار یہ آرزو ہوگی کہ ہائے کاش ہم مسلمان ہوتے، صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو دوزخ میں انہیں بعض مسلمان بھی نظر آئیں گے وہ ان سے پوچھیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں ہم مسلمان تھے اس پر کافر کہیں گے پھر تو تمہیں اسلام نے کچھ فائدہ نہ دیا تم تو ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو، اس پر مسلمان جواب دیں گے کہ ہم لوگوں نے گناہ کیے تھے ان کی وجہ سے ہمارا مواخذہ ہوا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مسلمانوں کی مغفرت کردی جائے گی اور حکم ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جو بھی کوئی دوزخ میں ہے اسے نکال دیا جائے لہٰذا مسلمانوں کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا اور یہ سب کچھ اللہ کی رحمت اور فضل سے ہوگا یہ منظر دیکھ کر کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے، صاحب روح المعانی ص ۲ ج ۱۴ میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کی ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ مذکورہ بات بیان کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا﴾ کہ آپ ان کو چھوڑ یئے یعنی ان کی طرف سے رنجیدہ نہ ہوئیے انہیں اسلام قبول نہیں کرنا وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے نہیں ہیں یہ لوگ دنیا میں مشغول ہیں کھانا پینا اور دوسری چیزوں سے متمتع ہونا یہی ان کی زندگی ہے موت کے بعد کے حالات کی طرف سے غافل ہیں اور بڑی بڑی آرزوئیں باندھ رکھی ہیں ان آرزوؤں نے انہیں آخرت سے غافل کر رکھا ہے ان حالات میں جس قدر بھی آگے بڑھیں گے مزید عذاب در عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں گے اسی کو فرمایا ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ کہ یہ لوگ عنقریب جان لیں گے یعنی ان کے اعمال اور افعال کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

جو بستیاں ہلاک کی گئیں ان کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا

اس کے بعد فرمایا ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ﴾ (الآیة) اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو ہلاک کیا ہے ان کے لیے ایک اجل معین ہے جو ہمارے علم میں ہے، جس قوم کی ہلاکت کے لیے جو بھی اجل مقرر کر رکھی تھی اسی کے مطابق ان کی ہلاکت ہوئی اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ﴾ (کوئی امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں) اس آیت کے جو الفاظ ہیں ان کے عموم نے یہ بتا دیا کہ آئندہ بھی اگر کوئی قوم ہلاک ہوگی تو اس کی ہلاکت کا جو وقت مقرر اور مقدر ہے وہ بھی اس وقت سے آگے پیچھے نہ ہو سکے گی۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝۶ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۝۸ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝۹

"اور ان لوگوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے بیشک تو دیوانہ ہے تو فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں میں سے ہے، فرشتوں کو ہم فیصلہ کے ساتھ ہی نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت بھی نہیں دی جاتی، بلاشبہ ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے

یہ چار آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں منکرین رسالت کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا گیا ہے ہمیں تیرے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان کا اصل مقصود دیوانہ بتانا تھا آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی بتانے کی بجائے جوانہوں نے ﴿الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ﴾ (جس پر ذکر نازل کیا گیا) کہا ان کا یہ کہنا بطور تمسخر کے تھا کیونکہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے، دوسری آیت میں منکرین اور معاندین کی کٹ حجتی بیان فرمائی ہے اور تیسری آیت میں ان کی کٹ حجتی کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کٹ حجتی کے طور پر یوں کہا کہ اگر تم اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آؤ، تم فرشتے کیوں نہیں لاتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جواب میں فرمایا کہ ہم فرشتوں کو فیصلے کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب لوگوں کی درخواست پر فرشتے آجائیں گے تو ان کا آنا فیصلہ ہی کے لیے ہوتا ہے فرشتوں کے آنے پر بھی لوگ ایمان نہیں لاتے تو لازمی طور پر عذاب آجاتا ہے اور اس وقت منکرین کو مہلت بھی نہیں دی جاتی، قرآن مجید کے مخاطب جو یوں کہہ رہے ہیں کہ فرشتے نازل ہو کر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں ان کی اس بات کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان کی ہلاکت جلدی ہو جائے کیونکہ انہیں فرشتوں کی آمد پر بھی ماننا نہیں ہے۔

Marfat.com

چوتھی آیت میں قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا، اور بلاشبہ ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں) منکرین رسالت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ) جو منکرین قرآن بھی تھے انہوں نے بطور تمسخر انکار کیا اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ﴾ اور فرمایا کہ ہم نے قرآن نازل کیا تمہارے نہ ماننے سے حقیقت واقعیہ نہیں بدلے گی، منکرین یہ بھی کہتے تھے کہ اس کو یہ اللہ کی کتاب بتاتے ہیں اگر یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے تب بھی چند دن کی بات ہے نہ جانے یہ کتنے دن زندہ رہتے ہیں اور کتنے دن ان کی دعوت کا کام چلتا ہے، اور یہ جو کتاب ان کے دعوے کے مطابق ان پر نازل ہو رہی ہے نہ جانے محفوظ بھی رہے گی یا نہیں، اور اس کے پڑھنے والے اور اس کو یاد رکھنے والے آگے بڑھیں گے یا نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو نہیں بنایا جیسا کہ توریت شریف کی حفاظت ان کے علماء اور مشائخ کے ذمے ڈالی گئی تھی سورہ مائدہ میں جو ﴿بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ فرمایا ہے اس میں ان کی اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید ہر طرح کی تغییر اور تبدیل اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے اس کی تمام قراءات اور روایات کے جاننے والے پڑھنے پڑھانے والے اور حفظ کرنے والے ہمیشہ سے موجود ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت ہوگی ہمیشہ موجود رہیں گے، رسول اللہ ﷺ نے جو قرآن شریف چھوڑا تھا وہ آج تک مسلمانوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی نہ کوئی شخص کر سکتا ہے اگر کوئی غلط پڑھے گا یا غلط چھاپ دے گا تو فوراً پکڑا جائے گا اسی (۸۰) سال کا قاری یا حافظ کسی جگہ اگر غلطی کر دے تو نو سال کا بچہ جس نے قرآن حفظ کر رکھا ہو اسی وقت ٹوک دے گا سینکڑوں سال پہلے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے دیکھ لو جو مسلسل یکے بعد دیگرے لکھے گئے ہیں وہ سب ابتداء سے انتہا تک الفاظ اور حروف اور کلمات اور ترتیب آیات کے اعتبار سے بالکل پوری طرح متفق ہیں کوئی فرق نہیں اور کوئی اختلاف نہیں اس کو دوست اور دشمن مانتے ہیں، بعض جاہل اختلاف قراءات کو بہانہ بنا کر اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کا یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ یہ قراءات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور یہ قراءات ہمیشہ سے محفوظ ہیں اور موجود ہیں اگر کوئی شخص بعض آیات کے منسوخ ہونے پر اشکال کرے تو اس کا یہ اشکال بے وزن ہے اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نسخ نہیں ہوا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے شیاطین سے بھی محفوظ ہے، ملحدین سے بھی، منکرین سے بھی، محرفین سے بھی، ﴿لَا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ‌ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ﴾ (جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)

روافض قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اللہ کے وعدہ حفاظت پر ان کا ایمان نہیں

قرآن مجید کئی اعتبار سے معجزہ ہے، وجوہ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تغییر اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت قیامت تک کے لیے ہے اس لیے کسی ایسے معجزہ کی ضرورت تھی جو آخری زمانہ تک موجود رہے، یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو ہمیشہ کے لیے باقی ہے حق کا اعلان کرنے والا ہے۔ توحید کی دعوت دینے والا اور اس کا یہ چیلنج ہمیشہ سے ہے کہ میرے جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ آج تک نہ کوئی لا سکا اور نہ کوئی لا سکے گا بعض فرقے جو اسلام کے مدعی ہیں یعنی روافض وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یہ لوگ آیت بالا کے منکر ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے کہ جب قرآن مجید میں تحریف کا دعویٰ کرتے ہیں تو کسی بھی سورت کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لے آئیں، اگر نہیں لا سکتے تو قرآن کا وہی اعلان سن لیں جو سورہ بقرہ میں مذکور ہے ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ‌ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ﴾ (سو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہے وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

Marfat.com

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ
اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

''اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے گزشتہ لوگوں کے گروہوں میں پیغمبر بھیجے اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو، ہم اس طرح اس استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں چلاتے ہیں، یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے، اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ لوگ دن کے وقت اس میں چڑھ جائیں تب بھی یوں کہیں گے کہ بس بات یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کی نظر بندی کردی گئی ہے، بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

سابقہ امتوں نے بھی اپنے رسولوں کا استہزاء کیا معاندین اگر آسمان پر چڑھ جائیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین مکہ استہزاء اور تمسخر کا معاملہ کرتے تھے آپ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی اللہ جل شانہ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی قوموں نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔ رسولوں کی تکذیب بھی کی اور ان کا تمسخر بھی کیا جو حال ان لوگوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے، جیسے ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں تکذیب داخل کی اسی طرح ان مجرمین یعنی کفار مکہ کے قلوب میں بھی داخل کردی، یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی عادت رہی ہے کہ لوگوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی پھر انہیں عذاب میں مبتلا فرمایا یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں اور مستحق عذاب ہو رہے ہیں۔

مزید فرمایا کہ ان لوگوں کو ماننا ہی نہیں ہے (قرآن کا معجزہ سامنے ہے دوسرے معجزات بھی دیکھتے رہتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے فرشتوں کے آنے کی فرمائش کر رہے ہیں اگر فرشتے آجائیں تب بھی انہیں ماننا نہیں، یہ لوگ عناد پر تلے ہوئے ہیں ان کی ضد کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس دروازے میں چڑھ جائیں (جبکہ اونگھ نیند کا وقت بھی نہیں ہوتا تب بھی یہ نہ مانیں گے بلکہ آسمان کا دروازہ کھلنے اور آسمان پر خود سے چڑھنے کے باوجود (وہ بھی دن دہاڑے) یوں کہیں گے کہ ہماری نظر بند کردی گئی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے اس جادو کی وجہ سے یہ سب کچھ ہمیں نظر آرہا ہے اور حقیقت میں کچھ نہیں ہے، جب کسی قوم کا یہ حال ہو کہ کھلی آنکھوں معجزات دیکھے اور انہیں جادو بتادے۔ اس قوم سے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ
اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ
اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ

Marfat.com

السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ
الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

''اور بیشک ہم نے آسمان میں ستارے پیدا کیے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے زینت والا بنایا اور ہر شیطان مردود سے ہم نے اسے محفوظ کر دیا سوائے اس کے جو چوری سے سن لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے، اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور ہم نے اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیے اور ہم نے اس میں ایک معین مقدار سے ہر قسم کی چیز اگائی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کے سامان پیدا کر دیئے، اور جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو انہیں بھی ہم نے رزق دیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس کو صرف مقدار معلوم ہی کے بقدر نازل کرتے ہیں، اور ہم نے ہواؤں کو بھیج دیا جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے تمہیں وہ پانی پلایا تم اتنا پانی جمع کرنے والے نہیں ہو اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں، اور بلاشبہ ہمیں معلوم ہیں جو تم سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں، اور بلاشبہ آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا، بیشک وہ حکیم ہے علیم ہے۔''

ستارے آسمان کے لیے زینت ہیں اور ان کے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے

اللہ جل شانہ نے ان آیات میں آیات تکوینیہ بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے آسمان میں برج یعنی ستارے بنائے ہیں اور آسمان کو زینت والا پر رونق بنا دیا، رات کو جب دیکھنے والے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ستاروں کی جگمگاہٹ سے نہایت عمدہ پر رونق منظر نظر آتا ہے، سورہ ملک میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ﴾ (اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے شیاطین کے لیے دوزخ کا عذاب تیار کیا ہے۔)

ستاروں کو مصابیح یعنی چراغ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے مزید توضیح کے لیے سورہ صافات کی آیات ذیل اور ان کا ترجمہ پڑھئے ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِالْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ (بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو آراستہ کر دیا ایک زینت کے ساتھ جو ستاروں کی زینت ہے اور ہم نے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان سے، شیطان عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر جانب سے ان کو مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشگی والا عذاب ہے، سوائے اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے۔)

سورہ حجر اور سورہ صافات اور سورہ ملک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمان میں جو ستارے ہیں ان سے آسمان کی زینت بھی ہے اور شیاطین سے حفاظت بھی ہے اور سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (اور ستارہ کے ذریعہ وہ لوگ راہ پاتے ہیں) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لیے پیدا فرمایا اول تو انہیں آسمان کی زینت بنایا دوم شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا سوم ان کو علامات بنایا جن کے ذریعہ راہ یاب ہوتے ہیں (یعنی راتوں کو سفر کرنے والے ان کے ذریعے اپنے سفر کے رخ کا پتہ چلا لیتے ہیں) سو جس شخص نے ان تینوں باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کہی اس نے خطا کی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس بات کو نہیں جانتا تھا خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑا حضرت قتادہ رحمۃ اللہ نے منجمین کی تردید کی وہ اپنی عمر بھی ضائع کرتے ہیں اور وہ بات کرتے ہیں جن

Marfat.com

کا انہیں علم نہیں اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ فرمادی جو ان کی بات مانتے ہیں اور ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔

بروج سے کیا مراد ہے؟

ہم نے بروج کا ترجمہ ستارے کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ سورۂ ملک میں ستاروں ہی کو زینت بتایا ہے اور ستاروں ہی کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بتایا ہے معلوم ہوا جو چیز آسمان کی زینت ہے وہی شیاطین کے مارنے کا سبب ہے بعض مفسرین نے جو بروج کا ترجمہ بروج ہی کیا ہے اور اس سے آسمان کے وہ بارہ برج مراد لیے ہیں جنہیں ہیئت والے بیان کرتے ہیں ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے یہ بارہ برج فرضی ہیں ان کے نام فلاسفہ نے خود رکھ لیے ہیں اور خود ہی تجویز کر لیے ہیں یہ برج شیاطین کو نہیں مارتے پھر آیت کریمہ میں ان سے بروج فلاسفہ کیسے مراد لیے جاسکتے ہیں۔

صاحب تفسیر جلالین نے یہاں سورہ حجر میں اور سورہ فرقان میں بروج سے وہی فلاسفہ والے بارہ برج مراد لیے ہیں اور ان کے نام بھی لکھے ہیں اور صاحب معالم التنزیل نے اولاً تو یوں لکھا ہے کہ والبروج هي النجوم الكبار پھر وہی فلاسفہ والے بارہ برج اور ان کے نام ذکر کر دیئے ہیں صاحب کمالین نے مفسر جلال الدین سیوطی کی تردید کرتے ہوئے کہا ولا يليق بمثل المصنف ان يذكر تلك الامور المبتني على الامور الوهمية في التفسير مع انه انكر في كثير من المواضع في حاشية الانوار علم الهيئة فضلا عن النجوم لكنه اقتفى الشيخ المحلي حيث ذكرها في سورة الفرقان كذلك مصنف جیسے آدمی کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ تفسیر میں ان امور کا ذکر کرے جن کی بنا اوہام پر ہے باوجود اس کے کہ مصنف نے انوار کے حاشیہ میں بہت سارے مواقع میں علم الهيئة پر نکیر کی ہے چہ جائیکہ نجوم لیکن یہاں مصنف نے شیخ جلالین الدین محلی کی پیروی کی ہے کہ اس نے انہیں سورۃ الفرقان میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ سورہ حجر کی آیت بالا میں فرمایا کہ ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا جو کوئی شیطان چوری سے کوئی بات سننے لگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، سورہ صافات میں اس کو اور زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا کہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر جانب سے ان کو مارا جاتا ہے اور دور بھگا دیا جاتا ہے، یہ ان کا دنیا میں حال ہے اور آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے ہاں اگر کوئی شیطان اوپر پہنچ کر چوری کے طور پر جلدی سے کوئی کلمہ لے بھاگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، بات کے چرانے والے شیطان کو مارنے کے لیے جو چیز پیچھے لگتی ہے اسے سورہ حجر میں شہاب مبین سے اور سورہ صافات میں شہاب ثاقب سے تعبیر فرمایا شہاب انگارہ کو اور شعلہ کو کہتے ہیں اس شعلے اور انگارے کی کیا حقیقت ہے اس کے سمجھنے کے لیے سورہ ملک کی آیت کو بھی سامنے رکھ لیں، سورہ ملک میں ستاروں کو چراغ بتایا اور آسمان کی زینت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ستارے شیاطین کے مارنے کے لیے ہیں دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ بدون اس سبب کے شہاب پیدا نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ استراق کے وقت شہاب سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ شہاب کبھی محض طبعی طور پر ہوتا ہو اور کبھی اس غرض کے لیے ہوتا ہو اور اس میں کوکب (ستارہ) کو یہ دخل ہو کہ سخونیت کوکب (ستاروں کی گرمی) سے خود مادہ شیاطین میں یا مادہ بخارات میں بواسطہ فعل ملائکہ کے نار پیدا ہو جاتی ہے جس سے شیاطین کو ہلاکت یا فساد عقل کا صدمہ پہنچتا ہو اھ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل آتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کڑکڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳ از بخاری ومسلم) اس سلسلہ میں مزید توضیح اور تشریح کے لیے سورہ جن کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت الٰہی کی نشانیاں ہیں

آسمان کے بروج اور آسمان کی زینت اور شیاطین سے ان کی حفاظت کا ذکر فرمانے کے بعد زمین کے پھیلانے کا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دینے کا تذکرہ فرمایا، زمین بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے زمین پر لوگ بستے ہیں اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں اور سورہ لقمان میں فرمایا ﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ﴾ (اور اللہ نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کرنے لگے۔)

تفسیر روح المعانی ص ۲۹ ج ۱۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پھیلا دیا تو وہ کشتی کی طرح ڈگمگانے لگی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس میں بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے تاکہ وہ حرکت نہ کرے ان پہاڑوں کے بارے میں سورہ نبا میں فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ (کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں یعنی کیلیں بنا دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی لیکن یہ ایک سبب ظاہری کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑ بھی پھٹ جاتے ہیں اور زمین بھی ہل جاتی ہے اور پہاڑ اور زمین حرکت کرنے لگتے ہیں پھر فرمایا ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی) موزون کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای مقدر بمقدار معین تقتضیه الحكمة فهو مجاز مستعمل فی لازم معناه۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی زندگی کے سامان پیدا فرمائے

پھر فرمایا ﴿وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ﴾ (اور ہم نے زمین میں تمہارے لیے زندگی کے سامان پیدا کر دیئے) یعنی کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں پیدا کر دیں یہ چیزیں تمہاری بقاء اور معیشت اور زندگی کا سبب ہیں ﴿وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ﴾ (اور ہم نے تمہارے لیے وہ چیزیں پیدا کیں جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ معایش پر معطوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے معیشت کی چیزیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو اور جن سے تم خدمت لیتے ہو ان کو بھی پیدا فرمایا یعنی اہل وعیال اور باندی غلام نوکر چاکر اور چوپائے وغیرہ پیدا فرمائے تم ان چیزوں سے کام لیتے ہو اور رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ تمہارا بھی رازق ہے اور ان چیزوں کا بھی رازق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ﴾ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں) ﴿وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (اور ہم اس کو صرف بقدر معلوم ہی نازل کرتے ہیں) اس میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس کی مشیت سے پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی حکمت کے مطابق ہے، اس کی قدرت غیر متناہی ہے مخلوق کو رزق دینے اور کھلانے پلانے کے لیے اسے میزانیہ بنانے کی ضرورت نہیں اس کے قبضہ قدرت میں بے انتہا خزانے ہیں جب چاہے جتنا چاہے صرف ایک کلمہ کن سے پیدا فرما سکتا ہے۔

ہوائیں بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں

پھر فرمایا ﴿وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ﴾ (اور ہم نے ہواؤں کو بھیج دیا جو بادل کو پانی سے بھرنے والی ہیں) ﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ (پھر ہم نے آسمانوں سے پانی اتارا) ﴿فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ﴾ (پھر ہم نے وہ پانی تمہیں پلا دیا) اس میں بارش برسانے کا انعام بتایا ہے، ہوائیں چلتی ہیں پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے آتی ہیں پھر جہاں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے وہاں بادل پانی برسا دیتا ہے اس سے انسان

Marfat.com

مویشی باغ اور کھیت سیراب ہوتے ہیں ﴿وَ مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾ (اور تم اس پانی کو جمع کرنے والے نہیں ہو) تمہیں کوئی قدرت نہیں کہ پانی کو پیدا کر دیا ہواؤں سے کام لو یا بادل پر قابو کر و پانی پیدا فرمانا ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو بھیجنا پھر بادلوں کا برسانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور حکمت سے ہے اس نے اپنے خزانوں میں سے پانی بھیجا اور بار بار بھیجتا ہے اور اس کے برسائے ہوئے پانی میں سے اگر جمع کرلو تو بقدر ضرورت جمع نہیں کر سکتے اگر جمع کر بھی لیا تو وہ تھوڑے ہی دن چلے گا پھر اسی سے مانگو گے اور دعاؤں کے لیے ہاتھ پھیلاؤ گے۔

اللہ ہی وارث ہے

پھر فرمایا ﴿وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ﴾ (اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں) ﴿وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ (اور ہم باقی رہنے والے ہیں) ساری مخلوق ختم ہو جائے گی، سب مرجائیں گے، اللہ تعالیٰ ہی کی ذات باقی رہے گی۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وارث کا جو ترجمہ باقی کیا گیا یہ حضرت سفیان وغیرہ سے مروی ہے اور دعا میں یہ جو ﴿وَاجْعَلْهُ الْوَارِثُ مِنَّا﴾ وارد ہوا ہے اس میں بھی وارث باقی کے معنی میں ہے سورہ مریم میں فرمایا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾ (بلاشبہ زمین اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹ جائیں گے) جتنے بھی مجازی مالک ہیں سب ختم ہو جائیں گے اور مالک حقیقی ہی باقی رہے گا' سورہ مومن میں فرمایا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (آج کس کے لیے ملک ہے؟ اللہ ہی کے لیے ہے جو تنہا ہے غالب ہے۔)

مستقد مین اور مستاخرین کی تفسیر

پھر فرمایا ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴾ (اور بلاشبہ ہمیں وہ معلوم ہیں جو تم میں سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں) اس آیت میں لفظ ﴿الْمُسْتَقْدِمِيْنَ﴾ اور ﴿الْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴾ وارد ہوا ہے صاحب معالم التنزیل ص ۴۸ ج ۳ نے اس کی تفسیر میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مستقد مین سے اموات اور مستاخرین سے احیاء یعنی زندہ لوگ مراد ہیں، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ مستقد مین سے قرون اولیٰ اور مستاخرین سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے، حضرت حسن نے فرمایا کہ مستقد مین سے وہ لوگ مراد ہیں جو طاعت اور خیر میں آگے بڑھنے والے ہیں اور مستاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو طاعت اور خیر میں دیر لگانے والے ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز میں اگلی صفوں میں جگہ لینے والے مستقد مین ہیں اور اگلی صفوں سے پیچھے رہ جانے والے مستاخرین ہیں، آیت کا عموم ان تمام معانی کو شامل ہے، زمانہ کے اعتبار سے اگلے پچھلے اور اعمال خیر کے اعتبار سے اعمال میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے رہ جانے والے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے علم کے موافق جزا دے گا۔

﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (اور بلاشبہ آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا بے شک وہ حکیم و علیم ہے) تمام اولین و آخرین اپنے اپنے اعمال لے کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے اللہ تعالیٰ کا یہ علم سب کو محیط ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص دوبارہ زندہ ہونے سے رہ جائے یا بچ کر نکل جائے، حشر میں جو دیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہے اور جب حشر ہوگا اس وقت سب اس کے علم میں ہوں گے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ ﴿۲۶﴾ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ ﴿۳۰﴾

Marfat.com

إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰٓ أَن يَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿۳۲﴾
قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُۥ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ ٱللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ ٱلْمُنظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْوَقْتِ ٱلْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ
أَغْوَيْتَنِى لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾
قَالَ هَٰذَا صِرَٰطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ إِلَّا مَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ
ٱلْغَاوِينَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَٰبٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ
مَّقْسُومٌ ﴿۴۴﴾

"اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی، اور ہم نے جن کو اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک گرم ہوا سے تھی، اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بلاشبہ میں بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے ہوگی، سو جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا سو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا کہ تو سجدہ کرنے والے کے ساتھ نہ ہوا، ابلیس نے کہا میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جسے آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو تو اس سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی، ابلیس نے کہا کہ اے رب سو آپ اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو بلاشبہ تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی، شیطان نے کہا کہ اے رب اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے لیے زمین میں ضرور ضرور مزین کروں گا اور ضرور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا سوائے گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں گے اور بلاشبہ سب سے جہنم کا وعدہ ہے، اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے۔"

انسان اور جنات کی تخلیق، ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کی نافرمانی اور ملعونیت، بنی آدم کو ورغلانے کے لیے اس کا قسم کھانا اور لمبی عمر کی درخواست کرنا، مخلصین کے بہکانے سے عاجزی کا اقرار، ابلیس کا اتباع کرنے والوں کے لیے داخلہ دوزخ کا اعلان

ان آیات میں انسان اور جنات کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو پیدا فرمانے والا ہوں جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا، چنانچہ جب اس بشر کی تخلیق ہوگئی اور روح پھونک دی گئی جس کے پیدا فرمانے کا پہلے سے اعلان فرمایا تھا تو تمام فرشتے اس بشر کو سجدہ کرنے کے لیے گر پڑے۔

Marfat.com

یہ نئی مخلوق جسے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا یہاں اسے انسان اور بشر فرمایا ہے اور سورہ بقرہ اور سورہ اعراف اور سورہ بنی اسرائیل وغیرہ میں اس کا نام لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان تھے ان کی ساری اولاد بنی نوع انسان ہے۔ لفظ ''انس'' سے لیا گیا ہے چونکہ بنی آدم کو انس کی ضرورت ہے تنہائی ناگوار ہے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے اور مانوس ہوتے ہیں اس لیے انسان کا نام انسان ہی رکھا گیا۔ انسان جنس کے لیے بولا جاتا ہے تمام بنی آدم مرد اور عورت انسان ہیں، بنی آدم کے لیے دوسرا لفظ بشر استعمال فرمایا ہے انسان کے سر پر تو اچھی طرح بال ہوتے ہیں لیکن اس کا باقی بشرہ یعنی کھال کا ظاہری حصہ بالوں سے اس طرح بھرا ہوا نہیں ہوتا جیسے چوپاؤں کے جسم پر بڑے بڑے بال ہوتے ہیں اور کھال ان بالوں میں چھپی رہتی ہے اس بے بال والے جسم کی مناسبت سے انسان کو بشر کہا جاتا ہے۔

صلصال اور حمأ مسنون کا مصداق

انسانی تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ مومن میں فرمایا کہ تراب (مٹی) سے پیدا فرمایا اور سورہ ص میں فرمایا کہ طین (کیچڑ) سے پیدا فرمایا اور یہاں سورہ حجر میں فرمایا کہ صلصال بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور ساتھ ہی ﴿مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ بھی فرمایا حما کالے رنگ کی کیچڑ اور مسنون سڑی ہوئی چیز جس میں پڑے پڑے تغیر آ گیا ہو اور بدبو پیدا ہوگئی ہو اور سورہ رحمٰن میں فرمایا ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (اللہ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا) پانی ملانے سے پہلے یہ تراب تھی پانی ملا دیا گیا تو کیچڑ ہوگئی یہ کیچڑ ایک زمانہ تک پڑی رہی تو سڑ گئی اور کالی ہوگئی پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا وہ پتلا سوکھ گیا تو وہ ٹھیکرے کی طرح بجنے والی چیز بن گیا روح پھونکنے سے پہلے جو مختلف احوال و ادوار گزرے ان کو آیات قرآنیہ میں بیان فرمایا ہے کوئی ایک حالت دوسری حالت کے معارض نہیں ہے جنات کی تخلیق کے بارے میں فرمایا ﴿وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ (اور ہم نے جن کو اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک گرم ہوا تھی) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے پہلے ہوئی آیت کریمہ میں لفظ الجان فرمایا ہے اس سے جنس جنات کا باپ مراد ہے جو سب سے پہلے پیدا ہوا حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں اور الجان ابو الجن ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ابلیس مراد ہے وہ تمام جنات کا باپ ہے لیکن یہ بات کسی سند سے منقول نہیں ہے آکام المرجان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جنات کا باپ (جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا) اس کا نام سومی تھا پھر اس سے جنات کی نسل چلی، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنات زمین میں رہتے تھے اور ان کی پیدائش سے پہلے جنات کی آبادی کو زمین میں دو ہزار سال گزر چکے تھے (اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس سال گزرے تھے) یہ زمین میں فساد کرتے تھے خون بہاتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے یوسف کو قتل کر دیا جو ان کا بادشاہ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کا پیغمبر تھا۔

فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان سنا کہ زمین میں ایک خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں تو وہ جنات پر قیاس کر کے بول اٹھے کہ آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو دنیا میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے جس کا تذکرہ سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے۔ لفظ جان اور جن کا مادہ جنن ہے، جو مضاعف ہے آخر میں دو نون ہیں یہ مادہ چھپانے اور پوشیدہ کرنے پر دلالت کرتا ہے چونکہ جنات انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لیے انہیں جنات کہا جاتا ہے۔

یہاں سورہ حجر میں جنات کی پیدائش نار سموم سے بتائی ہے اور سورہ رحمٰن میں ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ فرمایا ہے مارج وہ آگ جس میں دھواں نہ ہو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ جنات کی تخلیق ایسی آگ سے ہے جو گرم ہوا کی طرح سے تھی دھوئیں کے اجزاء شامل نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتی تھی لفظ سموم سم سے لیا گیا ہے سم عربی میں زہر کو کہتے ہیں صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ الریح الحارة التی تقتل یعنی وہ گرم ہوا جو قتل کر دیتی ہے، پھر لکھا ہے و سمیت سموما لانها بلطفها تنفذ فی مسام البدن و منه السم القاتل (یعنی اس کا نام سموم اس لیے رکھا گیا کہ اپنی لطافت کی وجہ سے بدن کے

Marfat.com

مسامات میں نفوذ کر لیتی ہے اور زہر کو اسی لیے سم قاتل کہا جاتا ہے) اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد من النار المفرطة الحرارة (یعنی نار سموم سے وہ آگ مراد ہے جو بہت زیادہ گرم ہو) چونکہ ابلیس جن کی جنس سے ہے جیسا کہ سورہ کہف میں ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ فرمایا ہے اس لیے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور یوں کہا ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو کیچڑ سے پیدا کیا) اپنے خیال میں اس نے اپنے کو برتر سمجھا اور اپنے مادہ تخلیقی یعنی آگ کو افضل اور حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ تخلیق یعنی مٹی کو کمتر سمجھا یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی مادہ نار میں فساد ہے اور مادہ تراب میں تعمیر ہے اس لیے آگ مٹی سے افضل نہیں ہو سکتی۔

ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکاری ہونا

انسان اور جن کی تخلیق کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے فرما دیا تھا کہ میں ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں جو بجتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے بنایا جائے گا جب وہ بن جائے اور میں اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ ریز ہو جانا یعنی اسے تعظیمی سجدہ کرنا چنانچہ فرشتوں نے حکم مانا فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا اور سب نے بیک وقت مجتمع ہو کر آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دیا یہ سجدہ تعظیمی تھا سجدہ عبادت نہیں تھا عبادت تو غیر اللہ کے لیے کبھی بھی جائز نہیں تھی البتہ سجدہ تعظیمی بعض شرائع سابقہ میں جائز تھا شریعت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰة والتحیة میں سجدہ تعظیمی بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اب سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لیے حرام ہے۔

تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا وہ تھا تو جنات میں سے لیکن فرشتوں کے ساتھ عالم بالا میں رہتا تھا اس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورہ اعراف میں اس کی تصریح ہے، ابلیس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ نہیں کرتا اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ اس کا کیا باعث ہے کہ تو اس کو سجدہ نہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم دیا اس پر اس نے تکبر کے ساتھ جواب دیا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی جو حکم عدولی کی تھی اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے کہنے لگا ﴿لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ﴾ (میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے آپ نے کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا) سورہ کہف میں ہے کہ ابلیس نے یوں کہا ﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ (کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے آپ نے مٹی سے بنایا ہے) ابلیس نے اول تو نافرمانی کی پھر اوپر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو حکمت کے خلاف بتایا اور جس مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا اسے اس نے اپنے سے کمتر ظاہر کیا یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوا، ابلیس کو تکبر کھا گیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تو یہاں سے یعنی آسمان سے نکل جا قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہے (جو شخص قیامت کا صور پھونکنے تک ملعون ہو گیا اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کیونکہ کفر پر مرنا ابد الآباد لعنت میں رہنے کا سبب ہے۔)

ابلیس کی ملعونیت

ابلیس نے اب بھی توبہ نہ کی ہمیشہ کے لیے ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن یوں نہ کہا کہ مجھے معاف کر دیا جائے اب سجدہ کر لیتا ہوں، اس وقت سے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت کو بہکانے، ورغلانے گمراہ کرنے کی ٹھان لی، جس کا مقصد یہ تھا کہ جس کی وجہ سے ملعون ہوا ہوں اس سے بدلہ لیا جائے لیکن اس بات کو ظاہر کرنے سے پہلے اس نے اللہ جل شانہ سے قیامت کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کو مہلت دے دی اور فرمایا ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ (بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں وقت معلوم تک مہلت دی گئی) صاحب روح المعانی الوقت المعلوم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکا جانا مراد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی مروی ہے اور جمہور نے یہی فرمایا ہے قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ شانہ ہی کو معلوم ہے اس لیے اسے ''الوقت المعلوم'' سے تعبیر فرمایا۔

روح المعانی میں کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ نفخہ اولیٰ کے بعد حضرت ملک الموت سے اللہ تعالیٰ شانہ کا خطاب ہو گا کہ ابلیس کی روح قبض

Marfat.com

کرلو ابلیس حضرت ملک الموت علیہ السلام کو دیکھ کر مشرق کی طرف بھاگے گا پھر مغرب کی طرف، ہر طرف ملک الموت سامنے آئیں گے پھر سمندروں میں گھسنا چاہے گا سمندر بھی قبول نہ کریں گے، اسی طرح زمین میں بھاگا بھاگا پھرے گا لیکن اسے کسی جگہ پناہ نہ ملے گی حضرات ملائکہ جو حضرت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے اسے سنڈاسیوں کے ساتھ پکڑلیں گے اس کی نزع کی کیفیت شروع ہو جائے گی اور الی ماشاء اللہ نزع کے عذاب میں رہے گا پھر اس کی روح قبض کرلی جائے گی۔

ابلیس کا مہلت مانگنا بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے تھا

کعب احبار کا بیان ہم نے مختصر کر کے لکھا ہے جس کی حیثیت اسرائیلیات سے زیادہ نہیں ہے البتہ قرآن مجید کی یہ تصریح کہ اسے وقت معلوم تک مہلت دی گئی اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ابلیس کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت زیادہ عمر دے دی جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ابلیس کا مہلت مانگنا توبہ اور انابت اور طاعت اور عبادت کے لیے نہیں تھا بلکہ شرارت کے لیے اور اولاد آدم سے بدلہ لینے کے لیے تھا جب اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی تو وہ اب کھلے طور پر کہنے لگا کہ اے رب اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں اس شخص کی اولاد کو تیرے راستہ سے ہٹاؤں گا اور گمراہ کروں گا اور گمراہ کرنے کے طریقے بھی اس نے بتا دیئے ان میں سے ایک طریقہ یہاں سورہ حجر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ﴿لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ کہ ان لوگوں کے لیے میں ان کاموں کو اچھا کر کے دکھاؤں گا جن سے آپ ناراض ہوں گے ﴿لَاُزَیِّنَنَّ﴾ کا مفعول محذوف ہے یعنی لازینن لھم المعاصی اور ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ اس لیے کہا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں رہنے کے لیے پیدا کی گئی ہے گمراہ کرنے کی بعض صورتیں سورہ نساء کی آیت ﴿اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا﴾ میں اور سورہ اعراف کی آیت ﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ میں بیان کی گئی ہے مراجعت کرلی جائے۔

مخلصین کے بہکانے سے شیطان کا عاجز ہونا

ابلیس نے کہا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا لیکن ساتھ ہی یوں بھی کہا ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ (مگر آپ کے جو منتخب بندے ہوں گے انہیں گمراہ نہ کرسکوں گا) چونکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ اعلان سن لیا تھا کہ یہ جو نئی مخلوق ہے زمین کی خلافت کے لیے پیدا کی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کا کام وہی بندے انجام دے سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمالیا اور چن لیا ہو اس لیے اس نے سمجھ لیا کہ ایسے بندے ضرور ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ شانہ منتخب فرمالیں گے اور جن پر میرا داؤ نہ چلے گا۔

﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے) جو اس راہ پر چلے گا وہ مجھ تک پہنچے گا یعنی اس راہ پر چلنے والے کو میری رضا حاصل ہوگی، هٰذَا کا اشارہ مومن بندوں کے منتخب ہونے اور شیطان کے بہکانے سے بچ جانے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو اختیار کرنے کی طرف ہے جو ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ سے مفہوم ہو رہا ہے۔

گمراہ لوگوں پر شیطان کا بس چلتا ہے

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ﴾ (بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا مگر جو گمراہ لوگ تیری راہ پر چلیں گے) یعنی گمراہ لوگوں پر تیرا بس چل سکے گا جو تیرا اتباع کریں گے گمراہ ہوں گے شیطان کوشش تو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے ہی بندے اس کا اتباع کرنے لگیں لیکن منتخب بندے اس کے قابو میں نہیں آتے وہ اس کے حملوں کو اور اس کے بہکانے کے طریقوں کو سمجھتے ہیں، وہ جو معاصی کو مزین کرتا ہے اس سے متاثر نہیں ہوتے، ہاں جو لوگ بہکنے کا مزاج رکھتے ہیں ہدایت کو پسند نہیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں میں جو ہدایات ہیں ان کو اپنانے سے گریز کرتے ہیں ایسے لوگوں پر شیطان کا قابو چل جاتا ہے ایسا تسلط تو شیطان کا کسی پر نہیں ہے کہ زبردستی گناہ کرالے اس کا کام تو وسوسے ڈالنا گناہوں کی ترغیب دینا اور گناہوں کو مزین کر کے پیش کرنا ہے آگے بندے اپنے اختیار سے کفر و شرک کرتے ہیں اور گناہوں کے کام میں لگتے ہیں۔

Marfat.com

سورۂ نحل میں فرمایا ہے ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس کا قابوان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا قابو نہیں لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں) جن لوگوں نے شیطان کے بہکانے اور ورغلانے اور گناہوں کو اچھا کر کے دکھانے کی طرف توجہ نہ کی اللہ ہی پر بھروسہ رکھا شیطان کا ان پر قابو نہیں چلتا اس کا قابو انہی لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں یعنی اس سے محبت کرتے ہیں اس کی بات مانتے ہیں اور اس کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔

شیطان اور اس کا اتباع کرنے والے دوزخ میں ہوں گے

آخر میں فرمایا ﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ (اور بلاشبہ ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے) یعنی جو لوگ تیرا اتباع کریں گے وہ سب دوزخ میں داخل ہوں گے، سورۂ ص میں ہے کہ جب ابلیس نے کہا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ (میں تجھ سے اور جو لوگ تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس تو اپنے تکبر کی وجہ سے جہنم میں جانے کو تیار ہی ہے لیکن بنی آدم پر افسوس ہے کہ وہ اپنے اس دشمن کی باتوں پر چلتے ہیں جس نے انہیں گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی، ابلیس تو اپنی قسم پر جما ہوا ہے لیکن بنی آدم جو اس کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پیرو کار بنے ہوئے ہیں وہ ذرا سی لذت کی وجہ سے جو گناہوں میں محسوس ہوتی ہے اپنی جانوں کو دوزخ میں گھسیٹ دیتے ہیں، دشمن کی بات مانتے ہیں اور خالق و مالک جل مجدہ کی نصیحت پر عمل کرنے کو تیار نہیں، عجیب بات ہے کہ بنی آدم میں سے جو شخص دشمن ہو جائے اسے تو دشمن سمجھتے ہیں اور ابلیس کے ساتھ دشمن والا معاملہ نہیں کرتے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ﴿عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (کھلا ہوا دشمن) فرمایا ہے۔

دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لیے حصہ مقسوم ہے

﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ﴾ (دوزخ کے سات دروازے ہیں) بعض حضرات نے سات دروازوں سے سات دروازے ہی مراد لیے ہیں چونکہ دوزخ میں داخل ہونے والے بہت بھاری تعداد میں ہوں گے ان سب کے لیے ایک دروازہ کافی نہ ہوگا اس لیے سات دروازے رکھے گئے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ ان لوگوں کے لیے ہے جو میری امت کو قتل کرنے کے لیے (نیام سے) تلوار نکالے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۶ از ترمذی)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سات دروازوں سے سات طبقات مراد ہیں چونکہ ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ دروازہ ہوگا اس لیے سات دروازوں سے تعبیر فرمایا، طبقے عذاب کے اعتبار سے مختلف ہوں گے جو شخص جیسے عذاب کا مستحق ہوگا اسی کے اعتبار سے اپنے متعلقہ طبقہ میں داخل ہوگا۔

﴿لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾ (ہر دروازہ کے لیے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت سے عذاب کے مرتبوں کے اعتبار سے جہنم میں داخل ہونے والے اپنے اپنے مقررہ دروازہ سے داخل ہوں گے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں (ص ۵۳ ج ۱۴) کہ ایک دروازہ ان مسلمانوں کے لیے ہے جو گناہوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے اور ایک دروازہ یہودیوں کے لیے ہے اور ایک نصاریٰ کے لیے اور ایک صابئین کے لیے اور ایک مجوس کے لیے اور ایک مشرکین کے لیے اور ایک منافقین کے لیے ہے، علامہ قرطبی نے بھی یہ بات ذکر کی ہے اور اسے ضحاک (مفسر) کی طرف منسوب کیا ہے لیکن حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہے، کوئی فرد یا کوئی جماعت کسی بھی دروازے سے داخل ہو بہرحال جہنم کا عذاب بہت سخت ہے گو فرق مراتب ہوگا لیکن جہنم سے بچنے کے لیے اتنا فکر کرنا ہی کافی ہے کہ وہاں آگ کا عذاب ہے اور آگ بھی وہ ہے جو دنیا والی آگ سے انہتر (۶۹) درجہ زیادہ گرم ہے۔ (کما رواہ البخاری)

Marfat.com

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ
عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾

''بلاشبہ تقویٰ اختیار کرنے والے باغوں میں اور چشموں میں ہونگے، تم اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ، اس حالت میں کہ امن سے رہنے والے ہو، اور ہم وہ کینہ نکال دیں گے جو ان کے سینوں میں تھا، بھائی بھائی بن کر رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے ہونگے، انہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے، آپ میرے بندوں کو خبر دے دیجیے کہ بلاشبہ میں غفور ہوں رحیم ہوں اور بلاشبہ میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے۔''

متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا

گزشتہ آیت میں دوزخ کا اور اس کے دروازوں کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دوزخ میں ابلیس کا اتباع کرنے والے داخل ہوں گے، اب یہاں ان آیات میں اہل جنت اور ان کی بعض نعمتوں کا ذکر ہے، جنت والے کون ہیں؟ یہ متقی حضرت ہیں تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں کفر شرک سے بچنا سب سے بڑا تقویٰ ہے، کبیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے صغیر گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے مکروہات سے بچنا اور متشابہات سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے جنت میں کوئی کافر و مشرک تو جا ہی نہیں سکتا مسلمان اپنے اپنے تقویٰ کے اعتبار سے جنت کے درجات میں داخل ہوں گے دارالنعیم جس میں اہل ایمان داخل ہوں گے اس کا نام جنت ہے اور اسے بہشت بھی کہا جاتا ہے پھر اس میں بہت سے باغیچے ہوں گے اس لیے بہت سی جگہ لفظ ﴿جَنّٰتٍ﴾ جمع کے ساتھ وارد ہوا ہے، یہاں بھی لفظ ﴿جَنّٰتٍ﴾ آیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ ﴿عُیُوْنٍ﴾ بھی ہے جو عین کی جمع ہے، عین عربی میں چشمہ کو کہتے ہیں جنت میں باغ بھی ہوں گے اور چشمے بھی ہوں گے اور متعدد آیات میں ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ وارد ہوا ہے، یعنی ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہرے بھرے باغ درختوں پر پھل ہوں گے اہل جنت کے قریب لٹکے ہوئے ہوں گے، چشمے اور نہریں جاری ہوں گی اور ان کے سوا کثیر تعداد میں دیگر انمول اور بے مثال نعمتیں ہوں گی اور ان سب سے زیادہ بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل ہوگی اس میں داخل ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے اور سلامتی کے ساتھ، پر امن بے خوف، ہوں گے نہ کوئی خوف ہوگا نہ نعمتیں چھینے جانے کا اندیشہ ہوگا، آپس میں نہ بغض نہ حسد نہ دشمنی نہ مخالفت نہ مخاصمت، سب بھائیوں کی طرح ایک دل ہو کر رہیں گے، دنیا میں جو آپس میں کسی وجہ سے کوئی کھوٹ، کینہ اور دشمنی تھی وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پہلے نکال دی جائے گی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قلوبهم علی قلب رجل واحد لا اختلاف بینهم ولا تباغض یعنی ان سب کے دل ایسے ہوں گے جیسے ایک ہی شخص کا دل ہو نہ آپس میں کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض ہوگا، مفسر ابن کثیر نے (ص ۵۵۵ ج ۲) حضرت ابو امامہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جنت میں کوئی مومن اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک اس کے سینہ سے کھوٹ کپٹ کو نہ نکال دیا جائے جیسے حملہ کرنے والا درندہ ہٹایا جاتا ہے اسی طرح سے مومن کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔

اہل جنت تکیہ لگائے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے

﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ جنت میں اس طرح رہیں گے کہ ایک دوسرے کی پشت نہ دیکھیں گے ان کے تخت گھومنے والے ہوں گے وہ جن حالات میں بھی ہوں گے آپس میں آمنے سامنے ہی ہوں گے اور ان کے تخت ان کو لے کر اس طرح گھوم رہے ہوں گے کہ جب بھی مجتمع ہوں گے متقابل ہی رہیں گے یعنی آمنا سامنا ہی رہے گا۔

Marfat.com

جنت میں کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے

سورہ واقعہ میں فرمایا ﴿عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ﴾ ایسے تختوں پر ہوں گے جو سونے کے تاروں سے بنے ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، پھر فرمایا ﴿لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ﴾ یعنی اہل جنت کو جنت میں کسی طرح کی کوئی تکلیف جسمانی روحانی ظاہری باطنی نہ پہنچے گی ہر طرح کے دکھ تھکن رنج وغم سے محفوظ ہوں گے ہر چیز خواہش کے موافق ہوگی وہاں ہمیشہ رہیں گے کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے بھرپور نعمتوں میں ہوں گے نعمتوں کے چھن جانے کا یا وہاں سے نکالے جانے کا کبھی کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

سورہ فاطر میں فرمایا ﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ﴾ (اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم دور فرما دیا، بلاشبہ ہمارا رب بخشنے والا ہے قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کے مقام میں اتارا اس میں ہمیں نہ کوئی تھکن پہنچے گی اور نہ ہمیں کوئی خستگی پہنچے گی۔)

اہل دوزخ کے عذاب اور اہل جنت کی نعمتیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ (میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ بلاشبہ میں غفور ہوں رحیم ہوں)

﴿وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾ (اور بلاشبہ میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے) صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اوپر جنت میں جانے والے جن متقیوں کا ذکر ہے ان سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو بالکل ہی گناہوں سے پاک صاف ہوں متقیوں سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اس آیت میں یہ بتا دیا ہے کہ متقی تو جنت میں ہوں گے ہی مومن گناہ گار بھی جنت میں جائیں گے اگرچہ توبہ کیے بغیر ہی مر گئے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے (البتہ گناہوں سے بچتے رہیں اور مغفرت کا بھروسہ کر کے گناہوں میں ترقی نہ کریں اور توبہ میں دیر نہ لگائیں کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان تو ہے ہی گناہوں پر عذاب دینے کا بھی اسے اختیار ہے اور اس کا عذاب دردناک ہے) بہت سے اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں سزا بھگتیں گے اس کے بعد جنت میں جائیں گے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے لہٰذا گناہوں سے بچتے رہیں گناہ ہو جائے تو جلدی توبہ کر لیا کریں۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا
تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾
قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

"اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کی بھی اطلاع دے دیجیے جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ ہم تو تم سے ڈر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ڈرو مت بیشک ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی بشارت دے رہے ہیں جو صاحب علم ہوگا، ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے سو تم کس چیز کی بشارت دیتے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں امر واقعی کی بشارت دی ہے سو تم ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ، ابراہیم نے کہا اور اپنے رب کی رحمت سے ان لوگوں کے سوا کون ناامید ہوگا جو گمراہ ہیں۔"

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوفزدہ ہونا اوران کو بیٹے کی بشارت دینا

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر ہے، یہ مہمان اللہ جل شانہٗ کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے جواس لیے بھیجے گئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں اوراس پر بھی مامور تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کردیں، اس کا مفصل تذکرہ سورہ ھود (ع ۷) میں گزر چکا ہے اور سورہ ذاریات میں بھی مذکور ہے، اورسورہ عنکبوت رکوع ۴ میں بھی ہے جب یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا (جیسا کہ سورہ ھود اور سورہ ذاریات میں تصریح ہے) یہ فرشتے چونکہ انسانوں کی صورتوں میں تھے اوراس سے پہلے ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لیے اول تو یوں فرمایا کہ ﴿قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ یعنی یہ حضرات ایسے ہیں جن سے کوئی جان پہچان نہیں، اور چونکہ انہیں انسان سمجھا تھا اس لیے ایک موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا ضیافت کے طور پر ان کے سامنے لاکر رکھ دیا، وہ فرشتے تھے جو کھاتے پیتے نہیں ہیں اس لیے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے جب یہ ماجرا دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مزید توحش ہوا اور اپنے دل میں ان کی طرف سے ڈر محسوس کرنے لگے اور صرف دل میں ہی نہیں زبان سے بھی ﴿اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ﴾ (بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں) مہمانوں نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمراس وقت زیادہ ہو چکی تھی خود بھی بوڑھے تھے اوران کی بیوی بھی بوڑھی تھی جیسا کہ سورہ ھود میں مذکور ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے اس حالت میں بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کیسی بشارت دے رہے ہو اس بشارت کا ظہور کس طرح ہوگا چونکہ بات اس انداز سے فرمائی تھی جس میں استفہام انکاری کی جھلک تھی اس لیے فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے آپ کو امر واقعی کی بشارت دی ہے (ظاہری اسباب عادیہ کے اعتبار سے اچنبھے کی سی بات ہے لیکن جس نے بشارت بھیجی ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں) لہٰذا آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو امید نہیں رکھتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی کے طور پر میرا سوال نہیں بلکہ اس اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا ہے اس لیے یہ سوال زبان پر آ گیا کہ اب اس حالت میں اولاد کس طرح ہوگی یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام اوران کے بعد ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں تھی جیسا کہ سورہ ھود میں مذکور ہے سورہ صافات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے دعا کی تھی کہ ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (کہ اے میرے رب مجھے صالحین میں سے ایک فرزند عطا فرما دے) اللہ نے فرمایا ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ﴾ (کہ ہم نے انہیں حلم والے فرزند کی بشارت دی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ سورہ صافات کی مذکورہ آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی ہے اور سورہ ھود اور سورہ حجر اور سورہ ذاریات میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ہے اس پر مزید بحث انشاء اللہ تعالیٰ سورہ صافات کی تفسیر میں آئے گی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَیْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَیْنَآ اِلَیْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ

Marfat.com

اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ
فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا
عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ
اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

''ابراہیم نے کہا کہ اے بھیجے ہوئے فرشتو تمہارا آنا کس اہم کام کے لیے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر آلِ لوط کا خاندان، بلاشبہ ہم ان سب کو بچا لینے والے ہیں سوائے ان کی بیوی کے ہم نے اس کے بارے میں تجویز کر رکھا ہے کہ بلاشبہ وہ مجرمین میں رہ جانے والی ہے سو جب وہ بھیجے ہوئے فرشتے خاندان لوط کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے بے شک تم تو اجنبی آدمی ہو، انہوں نے کہا کہ نہیں! بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں اور ہم سچے ہیں، سو آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جایئے اور آپ ان کے پیچھے ہو لیجیے اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے پھر کے نہ دیکھے اور تمہیں جس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے اسی طرف چلے جانا، اور ہم نے لوط کے پاس اپنا حکم بھیج دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کٹ جائے گی، اور شہر کے لوگ خوش ہوتے ہوئے آپہنچے، لوط نے کہا بیشک یہ میرے مہمان ہیں سو تم مجھے رسوانہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو، لوگوں نے جواب میں کہا کیا ہم نے آپ کو دنیا جہان کے لوگوں سے منع نہیں کیا؟ لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہی ہے، آپ کی جان کی قسم بیشک وہ اپنی مستی میں اندھے بن رہے تھے، سو سورج نکلتے وقت انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا سو ہم نے اس کے اوپر کے حصہ کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسا دیئے، بلاشبہ اس میں بصیرت رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور بلاشبہ ان کی یہ بستیاں ایک شاہراہ عام پر پڑتی ہیں، بلاشبہ اس میں اہل ایمان کے لیے نشانی ہے۔''

یہ مہمان فرشتے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے کر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا

یہ فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد یہ کام بھی کیا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں ان کی ہلاکت کا قصہ سورہ اعراف اور سورۂ ھود میں گزر چکا ہے ان لوگوں کو یہ عادت بد پڑی ہوئی تھی کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے سورہ عنکبوت میں ہے کہ جب ان کو عذاب آنے کی وعید سنائی جاتی تھی تو اس پر یقین نہیں کرتے تھے اور نصیحت کا الٹا اثر لیتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے ﴿ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے) اب جب فرشتے عذاب لے کر آئے تو پہلے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ ان کی صورتیں نئی نئی تھیں کبھی دیکھا نہیں تھا اس لیے انہوں نے بھی وہی بات کہی جو ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلی تھی کہ تم لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہو، فرشتوں نے کہا کہ ہم آدمی نہیں ہیں بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں عذاب لے کر آئے ہیں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری بات اور ہماری خبر سچی ہے اور اس عذاب سے ہم تمہیں اور تمہارے سارے خاندان کو نجات دے دیں گے البتہ تمہاری بیوی ہلاکت سے اور عذاب سے نہ بچے گی اسے بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس کی قوم کو پہنچنے والا ہے اب آپ ایسا کریں کہ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان کے پیچھے ہو لیں (تاکہ کوئی رہ نہ جائے اور لوٹ کر واپس بھی نہ آئے) اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور تمہیں جس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے اسی طرف چلے جاؤ، روح

Marfat.com

المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اردن کا علاقہ مراد ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت

یہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے یہ خوبصورت انسانوں کی شکلوں میں تھے اور چونکہ وہ اس بستی کے رہنے والوں میں نہ تھے (اور بستی والے باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے برے مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے) اس لیے بری نیت کے ساتھ خوش ہوتے ہوئے پہنچے تا کہ ان مہمانوں سے اپنا کام نکالیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے کہنے لگے کہ کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو مہمان بنانے سے منع نہیں کر چکے ہیں، ہمارے اور آنے والے لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئیں، آپ کو کیا ضرورت ہے کہ باہر کے آنے والوں کو مہمان بنائیں نہ آپ مہمان بناتے نہ آپ کے رسوا ہونے کی نوبت آتی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی شہوت کو پوری کرنے کے لیے ان بیہودہ حرکتوں کی کیا ضرورت ہے یہی میری بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) ہیں تم ان پر حلال طریقے سے قضائے شہوت کا کام نکالو ان لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب نہیں تمہیں معلوم ہے ہم کیا چاہتے ہیں (کمافی سورۃ ھود علیہ السلام) فرشتوں نے کہا کہ آپ تھوڑا سا صبر کریں صبح ہوتے ہی یہ لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے رات کے وقت نکل گئے بیوی وہیں رہ گئی۔ جب سورج نکلا تو ایک سخت آواز آئی جو بہت کرخت تھی پھر اوپر سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کو اوپر اٹھایا اور زمین کا تختہ الٹ دیا، زمین کے اوپر کا حصہ نیچے ہو گیا اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا۔ جس سے لوگ دب گئے اور مزید یہ ہوا کہ لگاتار مسلسل پتھر برسا دیئے گئے۔ یہ پتھر سجیل کے تھے سورہ ھود اور سورہ حجر میں ﴿بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ فرمایا اور سورہ ذاریات میں ﴿حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ فرمایا ہے دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے وہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑے نہیں تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے جاتے ہوں جس کا ترجمہ ''کنکر'' کیا گیا ہے۔

یہ لفظ سنگ اور گل سے مرکب ہے سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کو اگر پکایا جائے تو اس سے پتھر کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے۔ سورہ ھود میں ﴿سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ فرمایا یعنی ان پر پتھروں کی جو بارش کی گئی جو لگاتار گر رہے تھے آیات قرآنیہ کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا، ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا، اور ان پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورہ براۃ میں ﴿الْمُؤْتَفِكَاتِ﴾ (یعنی الٹی ہوئی بستیاں فرمایا ہے) اور سورہ نجم میں فرمایا ہے ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى﴾ (اور الٹی ہوئی بستیوں کو پھینک مارا پھر ان بستیوں پر وہ چیز چھا گئی جو چھا گئی) یعنی اوپر سے پتھر برسنا شروع ہوئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مومنین کو لے کر راتوں رات بستیوں سے نکل چکے تھے جو عذاب آیا وہ کافروں پر آیا۔ ان کی بیوی کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی تھی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور ہلاک والوں میں شریک ہو گئی ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین الٹ دی گئی تو وہ اسی سے مر گئے ہونگے پھر پتھر کیوں برسائے گئے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ بستیوں سے باہر تھے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔

یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں ان کو الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بحرمیت پیدا فرمایا جو آج بھی موجود ہے پانی بدبودار ہے اس سے انسانوں کو یا کھیتوں کو نفع نہیں ہوتا اور یہ پانی انہیں بستیوں کی حدود میں ہے کسی دوسری جگہ سے نہیں آتا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جن کی الٹی ہوئی بستیوں پر گزرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ اِنَّ فِيْ

Marfat.com

﴿ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں، بلاشبہ یہ بستیاں شاہراہ عام پر پڑی ہیں، بے شک اس میں اہل ایمان کے لیے نشانی ہے۔)

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ کفر اور فعل بد کا برا نتیجہ ہے اور ایمان اور طاعت باعث نجات ہے، پھر یہ فرمایا کہ یہ بستیاں ایک عام شاہراہ پر پڑتی ہیں، اہل عرب جب شام کو جاتے ہیں تو ان الٹی ہوئی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہ کرنا بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے، اس کے بعد مزید توجہ دلائی اور عبرت کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے، جس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی وہ عبرت کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا اہل ایمان ہی نصیحت قبول کرتے ہیں، اور جانتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں، سورۂ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے ﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں بھی پڑتی تھی جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں اور بدکاروں کا کیا انجام ہوا تم وہاں سے گزرتے ہو اور الٹی ہوئی بستیاں دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے کیا بالکل ہی سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو، قرآن مجید بیان سامنے ہے تاریخوں میں بھی واقعہ موجود ہے لیکن عبرت کا نام نہیں، کفر کی وجہ سے اور مردوں سے قضاء شہوت کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا، اب یورپ کی اقوام کو دیکھ لو جو مہذب سمجھی جاتی ہیں ہلاکت کے دھارے پر ہیں کافر تو ہیں ہی زنا کاری ان میں عام تھی ہی اب مردوں سے قضاء حاجت کرنے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے اور حکومتوں نے قانونی طور پر ان کو جائز قرار دے دیا ہے۔ ﴿فَانْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا اعزاز، اللہ جل شانہ نے آپ کی جان کی قسم کھائی ہے

اللہ تعالیٰ شانہ نے ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ جو فرمایا ہے اس میں اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم کھائی ہے صاحب روح المعانی ص ۴۲ ج ۱۴ نے امام بیہقی کی دلائل النبوۃ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے بڑھ کر کوئی معزز و مکرم جان پیدا نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات کے علاوہ کسی بھی حیات کی قسم نہیں کھائی، یہاں سرسری طور پر جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا تو ممنوع ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی قسم کیوں کھائی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ تو مخلوق کے لیے منع ہے وہ غیر اللہ کی قسم کھائیں گے تو شرک ہو گا اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے اس کو اختیار ہے جس کی چاہے قسم کھائے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اگر وہ کسی کی قسم کھائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر عظمت والی ہو گئی۔ یا اللہ تعالیٰ کے برابر ہو گئی یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم کھائی اور قرآن مجید میں بہت سے مواقع ہیں دوسری چیزوں کی قسمیں بھی مذکور ہیں جیسے ﴿وَالزَّيْتُوْنِ﴾ اور ﴿وَالذّٰرِيٰتِ﴾ اور ﴿وَالْعٰدِيٰتِ﴾ اور ﴿وَالسَّمَآءِ﴾ اور ﴿وَالطَّارِقِ﴾ وغیرہ ذالک حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان میں وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے میں بہت زیادہ واضح ہیں یا ان کا نفع خوب زیادہ ہے یا جن میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ذہن جلدی پہنچتا ہے اگر غور کیا جائے گا تو یہ امر واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گا۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

''اور بلاشبہ ایکہ والے ظلم کرنے والوں میں سے تھے سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور بلاشبہ یہ دونوں بڑی شاہراہ پر پڑتی ہیں۔''

Marfat.com

حضرت لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ کی بستیاں شاہراہ عام پر واقع ہیں اصحاب الایکہ ظالم تھے اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک کیے گئے

حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد اس آیت میں اصحاب الایکہ کے ظلم اور ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ''ایکہ'' اس جنگل کو کہتے ہیں جن میں درخت آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں اصحاب الایکہ جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں درخت ہی درخت تھے اسی لیے بعض حضرات نے اصحاب الایکہ کا ترجمان بن والوں سے فرمایا ہے ان بن والوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ اصحاب مدین کی طرف بھی ان کی بعثت ہوئی تھی یہ دونوں قومیں ناپ تول میں کمی کرتی تھیں حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں کو سمجھایا دونوں قومیں ایمان نہ لائیں اور عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئیں اصحاب مدین کی ہلاکت اور عذاب کا تذکرہ سورہ اعراف (رکوع ۹) اور سورہ ھود (رکوع ۹) میں گزر چکا ہے اور سورہ شعراء (رکوع ۱۰) میں اصحاب الایکہ کی عذاب کی فرمائش مذکور ہے، ان کی ہلاکت اور عذاب کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ شعراء میں فرمایا ﴿فَكَذَّبُوهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ (سو انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پھر ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا بلاشبہ وہ بڑے دن کا عذاب تھا) جب ان لوگوں پر عذاب آنے والا تھا یہ لوگ سخت گرمی میں مبتلا ہوئے دور سے ایک بادل نظر آیا جس کی وجہ سے نیچے سایہ معلوم ہوا جلدی جلدی دوڑے ہوئے اس کے سایہ میں پہنچ گئے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک ان لوگوں پر گرمی کو مسلط فرمایا پھر ایک بادل بھیجا ان لوگوں نے اس کے سایہ میں راحت تلاش کرنے کے لیے پناہ لے لی جب وہاں جمع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی جس نے انہیں جلا کر راکھ کر دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والی بستیاں اور اصحاب الایکہ شاہراہ عام پر واقع ہیں

﴿وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور بلاشبہ یہ دونوں قومیں یعنی قوم لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ ایک آباد واضح شاہراہ پر ہیں۔ یہ وہی شاہراہ ہے جس پر قافلے چلتے تھے اور اہل مکہ ان قافلوں میں شامل ہو کر شام جایا کرتے ہیں راستہ میں یہ بستیاں پڑتی ہیں مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اصحاب الایکہ کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ہی تھا زمانہ بھی قریب تھا اور علاقہ بھی، جہاں وہ لوگ رہتے تھے وہ علاقہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کے مقابل تھا اس طرح سے شاہراہ عام سے دوسری طرف اصحاب الایکہ کا بن تھا، جو لوگ ان کی ہلاکت کے بعد سے اس شاہراہ پر گزرتے رہے ہیں اور اب بھی سفر کرتے ہیں ان کے لیے جائے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ۸۰ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۙ۸۱ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۸۲ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۙ۸۳ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ؕ۸۴

''اور بلاشبہ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں نشانیاں دیں سو وہ ان سے روگردانی کرنے والے ہو گئے اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے، امن کے ساتھ رہتے تھے، سو ان کو صبح صبح چیخ نے پکڑ لیا، سو ان کو اس چیز نے کچھ کام نہ دیا جسے وہ کسب کرتے تھے۔''

اصحاب الحجر کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب

ان آیات میں اصحاب الحجر کی تکذیب پھر ان کی تعذیب کا ذکر ہے اصحاب الحجر سے قوم ثمود مراد ہے یہ لوگ وادی حجر میں رہتے تھے قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے طاقتور بھی بہت تھے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے، سورہ الفجر میں فرمایا

Marfat.com

﴿وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴾ (اور قوم ثمود کے ساتھ تیرے رب نے کیا معاملہ کیا جنہوں نے وادی میں پتھروں کو کاٹا) اس بات کو یہاں سورہ حجر میں یوں نقل فرمایا ہے ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ﴾ (اور وہ لوگ پہاڑوں سے تراش کر گھر بنا لیتے تھے۔ امن وامان سے رہتے تھے) ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا سارے نبیوں کے جھٹلانے کے مترادف ہے (کیونکہ تمام پیغمبروں کی دعوت ایک ہی ہے) اس لیے یوں فرمایا کہ اصحاب الحجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام نے توحید کے دلائل پیش کیے اور ان کا منہ مانگا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا (یعنی پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی جسے ان لوگوں نے مار ڈالا) لہٰذا ایک دن صبح صبح ان پر عذاب آ گیا، یہاں سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ ان کو چیخ نے پکڑ لیا اور سورہ ہود میں بھی یہی فرمایا ہے اور سورہ اعراف میں فرمایا ﴿وَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ (ان کو سخت زلزلہ نے پکڑ لیا لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے) اور سورہ حم سجدہ میں فرمایا ہے ﴿فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ﴾ (سو انہیں ایسی سخت آواز نے پکڑ لیا جو اوپر سے سنائی دی جاتی ہے وہ سراپا ذلت کا عذاب تھی) تینوں جگہ کی آیات ملانے سے معلوم ہوا کہ رجفة (زلزلہ) صیحة (سخت چیخ) صاعقة (وہ سخت آواز جو اوپر سے سنائی دے) قوم ہود پر تینوں طرح کا عذاب آیا، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صاعقة سے مطلق عذاب مراد ہے اگر یہ معنی لیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ صیحة کو صاعقة سے تعبیر فرما دیا اور بمعنی عذاب مراد لے لیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ لوگ بڑے غرور وتکبر سے رہتے تھے، دنیا پر دل دیئے ہوئے تھے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، اس لیے آخر میں فرمایا ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (سو ان کے کچھ کام نہ آیا وہ جو کچھ کسب کرتے تھے) قوم ثمود کا مفصل واقعہ سورہ اعراف (رکوع ۸) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ (انوار البیان جلد دوم)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

''اور ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ، اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے، سو آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے، بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق ہے اور بڑا عالم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو حکمت کے موافق پیدا فرمایا ہے

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، حق کے ساتھ پیدا فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پیدائش حکمت کے موافق ہے عبرت کے لیے ہے، ان کی تخلیق میں خالق تعالیٰ شانہ کی توحید پر دلائل ہیں اور ان کا وجود معرفت حاصل کرنے کے لیے ہے جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (عقل والے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا) صاحب روح المعانی نے ص ۷۷ ج ۱۴ آیت کا مطلب بتاتے ہوئے اس انداز سے بات کی ہے کہ ماسبق سے بھی ارتباط ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں ای الاخلقا متلبسا بالحق والحکمة بحیث لایلائم استمرار الفساد و استقرار الشرور، وقد اقتضت الحکمة اھلاك امثال ھؤلاء دفعًا لفسادھم وارشادا لمن بقی الی الصلاح (یعنی مگر آپ نے مخلوق کو حق وحکمت کے ساتھ پیدا کیا اس طرح کہ وہ پیدائش فساد کے قائم رہنے اور شرور کے موجود رہنے کے لیے مناسب نہیں ہے لہٰذا حکمت ان لوگوں کے فساد کو رفع کرنے اور باقی لوگوں کی صحیح راہنمائی کے لیے ان کے ہلاک کرنے کا تقاضا کرتی ہے) مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا میں شر اور فساد جگہ نہ پکڑ لیں اور فساد ہمیشہ نہ ہوتا رہے، حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جن لوگوں کا پہلے ذکر ہوا ہے ان جیسوں کو ہلاک کر کے فساد کو رفع کر دیا جائے اور بعد میں آنے والوں

Marfat.com

کے لیے ہدایت ہو جائے جوان سے عبرت حاصل کریں اور اصلاح کی راہ پر چلیں۔

صاحب روح المعانی نے بعض حضرت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الحق سے عدل مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسی لیے پیدا کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عدل اور انصاف کے ساتھ جزاء دے، لوگ آسمان اور زمین کے درمیان رہیں گے اور اچھے برے اعمال کریں گے تو قیامت کے دن ان کی جزا پالیں گے۔

﴿وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ (اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے) جو لوگ کفر پر مر گئے خواہ عذاب سے ہلاک ہوئے ہوں بلا عذاب موت آئی ہو ان سب کو اور ہر نیک و بد کو قیامت کے دن حاضر ہونا ہے، جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی وہ وہاں بھی سزا پالیں گے، اس میں نبی کرم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ قیامت کے دن ان سے بدلہ لے لیا جائے گا۔

مزید فرمایا ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ (کہ آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے) علماء نے فرمایا ہے کہ صفح جمیل ایسے درگزر کرنے کو کہتے ہیں کہ جس میں ملامت اور عتاب نہ ہو، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے قتال کا حکم آنے سے پہلے درگزر کرنے کا حکم تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسن خلق اور بردباری اور مدارات کے ساتھ ان کو دعوت دیتے رہیں حکمت و موعظت حسنہ، حلم اور خوش خلقی کے ساتھ دعوت دیتے رہنا اپنی جگہ محمود چیز ہے لہٰذا منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں پھر فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ (بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق ہے بڑا عالم) اسے سب کا حال معلوم ہے تکذیب کرنے والوں کا جھٹلانا اور آپ کا صبر کرنا اسے اس سب کا علم ہے وہ مخالفین کو مخالفت کی سزا دے گا اور آپ کو اجر و ثواب اور رفع درجات سے نوازے گا آپ تمام امور اسی کے سپرد کیجیے اور غمگین نہ ہوئیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

''اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا، آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھائیے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو فائدہ حاصل کرنے کے لیے دی ہیں، اور آپ ان پر غم نہ کیجیے اور ایمان والوں کے لیے اپنے بازوؤں کو جھکائے رہیے اور آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے وہ دنیا دار تھے اور مالدار تھے کھاتے پیتے لوگ تھے اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو اول تو اپنی ایک بہت بڑی نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ عطا کیں اور قرآن عظیم عطا کیا، سبع سات کو کہتے ہیں اور مثانی جمع ہے مثنی کی جو چیز بار بار مذکور ہو اسے مثنی کہتے ہیں یہاں ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ سے سورہ فاتحہ مراد ہے اس میں سات آیات ہیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور ﴿الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ سے سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن مجید مراد ہے اللہ جل شانہٗ نے بطور امتنان فرمایا کہ ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ دی اور اس کے سوا باقی قرآن عطا کیا آپ لوگوں کی تکذیب پر نظر نہ کریں، ہم نے جو نعمت دی ہے، اور آپ پر جو مہربانی کی ہے اس کے سامنے منکرین کی تکذیب کی کچھ بھی حیثیت نہیں ہے، آپ نعمت عظیمہ پر خوش ہوں، ان کے عناد اور بے التفاتی کی طرف التفات نہ کریں۔

اہل دنیا کے اموال و ازواج کی طرف نظریں نہ پھیلائیں

پھر فرمایا ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ (آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھائیے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو فائدہ حاصل کرنے کے لیے دی ہیں۔) یعنی آپ کو جو کتاب اللہ کی نعمت دی گئی ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے اس کے سامنے

Marfat.com

منکرین کے اموال اور زیب و زینت کی کوئی حیثیت نہیں آپ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں بظاہر نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت کو خطاب فرمایا ہے آپ کے توسط سے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم عطا فرمایا ہے اس نعمت کے سامنے دنیاوی اموال اور زیب و زینت ہیچ ہے، ان منکرین کے دنیاوی سامان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا ﴿وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی﴾ (اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو متمتع کرنے کے لیے دی ہیں جو دنیاوی زندگی کی رونق ہیں تاکہ ہم انہیں آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے) جو چیز فتنہ میں ڈالنے کے لیے ہے وہ نعمت نہیں ہو سکتی لہٰذا کافروں کے اموال کو دیکھنا اور ان کی طرف آنکھیں پھیلانا اہل ایمان کا شیوہ نہیں مزید فرمایا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ (اور آپ ان پر غم نہ کیجیے) آپ کا کام پہنچا دینا ہے منکرین انکار کریں عناد پر کمر باندھے رہیں تو انہیں اس کی سزا مل جائے گی۔ آپ اس غم میں نہ پڑیں کہ یہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (اور ایمان والوں کے لیے اپنے بازوؤں کو جھکائے رہیے) بازوؤں کو جھکا کر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجیے جن لوگوں نے ایمان قبول کر لیا وہ رحمت اور شفقت کے مستحق ہیں کافروں پر غم کھانے کی بجائے اہل ایمان پر توجہ دی جائے تاکہ وہ اور زیادہ ایمان کے قدردان ہوں اور مزید بشاشت کے ساتھ اعمال ایمان کو انجام دیں۔

﴿وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ﴾ (اور آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں) میرا کام اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانا اور حکم کی مخالفت پر جو عذاب آئے گا، اس سے ڈرانا ہے میرا ڈرانا واضح ہے کھلم کھلا ہے، جو نہ مانے گا اپنا ہی برا کرے گا۔ قال صاحب الروح ای المنذر الکاشف نزول عذاب اللّٰہ تعالیٰ ونقمۃ المخوفۃ بمن لم یومن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی ایمان نہ لانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول سے خوفناک انتقام سے واضح طور پر ڈرانے والا۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

''جیسا کہ ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے قرآن کے مختلف اجزاء بنا لیے تھے، سو آپ کے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے، جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اسے خوب صاف طریقے پر بیان کر دیجیے، اور مشرکین سے اعراض کیجیے، بلاشبہ جو لوگ ہنسی کرنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں ان کی طرف سے ہم آپ کے لیے کافی ہیں سو وہ عنقریب جان لیں گے۔''

سابقہ امتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بنا رکھے تھے

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی تھیں ان لوگوں نے ان کے مختلف اجزاء کر لیے تھے یعنی بعض پر ایمان لاتے تھے بعض کے منکر ہو جاتے تھے اور ان میں تحریف و تبدیل بھی کرتے تھے ان تقسیم کرنے والوں کو ﴿الْمُقْتَسِمِیْنَ﴾ سے تعبیر فرمایا اور جو کتابیں ان پر نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن سے تعبیر کیا لفظ قرآن فعلان کا وزن ہے جو قَرَءَ یَقْرَءُ سے ماخوذ ہے ہر وہ چیز جو پڑھی جائے وہ قرآن ہے یہ اس کا لغوی معنی ہے اور امت حاضر کی اصطلاح میں لفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا علم ہے یعنی مخصوص نام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، آیت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ جس طرح ہم

Marfat.com

نے گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں پر عذاب نازل کیا جنہوں نے احکام الٰہیہ کے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتابوں کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے، اسی طرح سے اس زمانے کے مکذبین پر بھی عذاب نازل ہوسکتا ہے، قال صاحب معالم التنزیل ص ۵۸ ج ۳ جزؤه فجعلوه جزءً فامنوا ببعضه و کفروا ببعضه وقال مجاهدهم اليهود والنصارىٰ قسموا كتابهم ففرقوه وبدلوه اھ کہ انہوں نے کتاب اللہ کو حصوں میں تقسیم کردیا اور بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کردیا اور مجاہد کہتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اسے تقسیم کیا اور تبدیل کیا۔ صحیح بخاری ص ۶۸۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا تفسیر یوں نقل کی ہے قال امنوا ببعض و کفروا ببعض اليهود والنصارىٰ

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں سولہ مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور مکہ معظمہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو تقسیم کرلیں جس شخص کی طرف سے بھی آنے والے گزریں وہ ان سے یوں کہے کہ اہل مکہ میں سے جو شخص مدعی نبوت نکلا ہے اس کے دھوکہ میں نہ آنا کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص دیوانہ ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص کاہن ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شاعر ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کیا اس قول کی بناء پر انزلنا جو ماضی کا صیغہ ہے مضارع کے معنی میں ہوگا اور مطلب یہ ہے کہ مکہ کے راستے کی گھاٹیاں تقسیم کرنے والے اور ان پر بیٹھنے والے ہلاک ہوں گے چنانچہ یہ لوگ غزوہ بدر میں مقتول ہوگئے اس تفسیر کی بنا پر ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم کو اس طرح بانٹ لیا کہ اس کے بارے میں بطور تکذیب مختلف قسم کی باتیں کہتے تھے کوئی کہتا تھا کہ یہ سحر ہے اور کسی کا کہنا تھا کہ یہ شعر ہے اور بعض نے یوں کہا کہ یہ کذب ہے اور بعض نے اسے ﴿ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ بتایا اس صورت میں قرآن سے قرآن مجید ہی مراد ہوگا اور کتب سابقہ مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قوله تعالیٰ عضين جمع عضة واصلها عضوة بكسر العين وفتح الضاد بمعنى جزء فهو معتل اللام من عضاه بالتشديد جعله اعضاء واجزاء اللہ تعالیٰ کا ارشاد عضين یہ عضة کی جمع ہے اس کی اصل عضوةً ہے عین کے کسرہ اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ اس کا معنی ہے جزء اور وہ معتل اللام ہے اس کو کہتے ہیں جسے اسے سختی سے حصوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کردیا ہو۔ (کذا فی الروح ص ۸۳ ج ۱۴)

اس کے بعد فرمایا ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ (سو آپ کے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کرلیں گے) اس میں یہ فرمایا ہے کہ اولین و آخرین سب سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں کو جھٹلاتے رہے اور جھٹلا رہے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا، سورہ اعراف میں فرمایا ﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (سو ہم ضرور ضرور ان سے دریافت کرلیں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے اور ہم ضرور ضرور پیغمبروں سے پوچھ لیں گے) یہاں بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سورہ رحمٰن میں یوں فرمایا ہے ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال نہیں ہوگا اور سورہ حجر اور سورہ اعراف سے معلوم ہوا کہ سوال ہوگا، بظاہر جو تعارض معلوم ہو رہا ہے اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سوال کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ جاننے کے لیے ان سے یہ سوال نہیں فرمائیں گے کہ تم نے کیا ہے یا نہیں یا یہ کہ تم نے کیا کیا ہے۔

اور جہاں سوال کا ذکر ہے اس سے زجر و توبیخ کا سوال مراد ہے جیسے مجرم کو ڈانٹنے کے لیے کہا جاتا ہے کیا تو نے یہ کیا ہے کیا تو نے یہ کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن طویل ہوگا، اس میں مختلف مواقف ہوں گے۔ بعض مواقف میں سوال ہوگا اور بعض میں سوال نہیں ہوگا لہٰذا نفی اثبات میں کوئی تعارض نہیں، سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الحجر) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ لا اله الا الله کے بارے میں سوال ہوگا، یعنی جن لوگوں کے سامنے لا اله الا الله پیش کیا گیا انہوں نے اس کو مانا یا نہیں، اور جن لوگوں نے مان لیا۔ انہوں نے اپنے اقرار اور عہد کے مطابق کیا عمل کیا؟ بات یہ ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے یعنی اس کا اقرار کرنے کے بعد اس کے مطابق زندگی گزارنا لازم ہے۔ حضرت زید بن

Marfat.com

ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ اس کا اخلاص کیا ہے فرمایا کہ اس کا اخلاص یہ ہے کہ پڑھنے والے کو حرام کاموں سے روک دے۔ (صحیح مسلم ص ۴۸ ج ۱)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں ایک ایسی بات بتا دیجیے کہ مجھے آپ کے بعد اور کسی سے پوچھنا نہ پڑے آپ نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ تو امنت باللہ کہہ دے پھر اس پر جما ہوا رہ (مطلب یہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں کو پابندی کے ساتھ پورا کرتا رہ۔)

خوب واضح طور پر کھول کر بیان کرنے کا حکم

پھر فرمایا ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ سو آپ خوب کھول کر واضح طور پر وہ باتیں صاف صاف واضح فرما دیں جن چیزوں کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے۔ ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور مشرکین سے اعراض کیجیے، یعنی ان کے انکار اور عدم قبول کی وجہ سے مغموم نہ ہوں اس بات کی فکر نہ کریں کہ وہ لوگ نہیں مانتے آپ کا کام کھول کر واضح طور پر بیان کر دینا ہے آپ اسے انجام دیتے رہیں۔

یہاں پہنچ کر روافض کی جاہلانہ بات بھی سن لیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے آپ کو حکم تھا کہ خوب کھول کر واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان کر دیں لیکن آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے اس لیے اعلان نہیں کرتے تھے، ان لوگوں کی جہالت دیکھو کہ اپنے تراشیدہ دین کے لیے کیسی کیسی ظالمانہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ جب اللہ کا رسول ہی مخلوق سے ڈرے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان نہ پہنچائے تو پھر آگے اور کون ہے جو حق کو واضح کرے گا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ مِنْ جَهْلِهِمْ وَضَلَالِهِمْ

ہنسی کرنے والوں کے لیے ہم کافی ہیں

اس کے بعد فرمایا ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ (بلاشبہ جو لوگ ہنسی کرنے والے ہیں، جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں ان کی جانب سے ہم آپ کے لیے کافی ہیں، سو عنقریب وہ جان لیں گے) ہنسی کرنے والے یوں تو سب ہی مشرکین تھے لیکن خصوصی طور پر علمائے تفسیر نے ولید بن مغیرہ اور اس کے چار ساتھیوں کا نام لیا ہے یہ لوگ ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت آگے آگے تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے مختلف اعضاء کی طرف اشارہ فرمایا کسی کے پیٹ کی طرف کسی کی آنکھوں کی طرف کسی کے سر کی طرف اور یہ بتا دیا کہ ان اعضاء میں تکلیف پیدا ہو جانے سے ہلاک ہوں گے علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ان مسخرہ کرنے والوں سے وہ سات افراد مراد ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی کمر مبارک پر گندگی ڈال دی تھی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ بدر میں مقتول ہوئے (راجع روح المعانی ص ۷۶ ج ۱۴) معالم التنزیل ص ۵۹ ج ۳ میں لکھا ہے کہ مستہزئین مذاق بنانے والے پانچ افراد تھے اول ولید بن مغیرہ جو ان سب کا سردار تھا دوسرا عاص بن وائل تیسرا اسود بن عبدالمطلب چوتھا اسود بن عبد یغوث پانچواں حارث بن قیس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو استہزا کی سزا دی اور یہ لوگ بری موت مرے ایک دن یہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے (زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ شریف کا طواف کیا جاتا تھا) رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر وہاں موجود تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے جب ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ اس شخص کو کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، اور یہ فرماتے ہوئے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا یمانی چادریں پہنے ہوئے تھا۔ تہبند کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا راستہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص کھڑا تھا جس کے تیروں کے پر بکھرے ہوئے تھے۔ ان تیروں کا دھار دار حصہ ولید کے پاؤں میں چبھ گیا۔ اس نے تکبر کی وجہ سے جھکنا گوارا نہیں کیا تاکہ اسے اپنے پاؤں سے نکال دے بالآخر وہ دھار دار حصہ آگے بڑھتا رہا جس نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا۔ جس سے وہ مریض ہوگیا اور اس مرض میں مر گیا، پھر عاص بن وائل وہاں سے گزرا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ یہ کیسا شخص ہے؟ آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے

Marfat.com

اس کے قدموں کے تلووں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ آپ کی اس سے حفاظت ہوگئی اس کے بعد عاص بن وائل اپنے دولڑکوں کے ساتھ تفریح کرنے نکلا ایک گھاٹی پر پہنچا تو اس کا پاؤں ایک خاردار درخت پر پڑ گیا اس کا ایک کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا جس سے اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کے برابر ہوگیا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا تھوڑی دیر میں اسود بن عبدالمطلب گزرا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ کہ یہ کیسا شخص ہے؟ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ برا شخص ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے محفوظ ہوگئے۔ چنانچہ وہ اندھا ہوگیا اور برابر دیوار میں سر مارتا رہا اور یہ کہتے ہوئے مرگیا قَتَلَنِیْ رَبُّ مُحَمَّدٍ (مجھے رب محمد نے قتل کردیا) پھر اسود بن عبدیغوث گزرا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ اسے کیسا شخص پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حالانکہ میرے ماموں کا لڑکا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کردی گئی، یہ کہہ کر اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ لہٰذا اس کو استسقاء کا مرض لگ گیا اس کے بعد حارث بن قیس کا گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ اسے کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس سے آپ کی حفاظت کردی گئی۔ اس کے بعد اس کی ناک سے مسلسل پیپ نکلنے لگی جو اس کی موت کا ذریعہ بن گئی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

''اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجیے جس کے ساتھ تحمید بھی ہو، اور آپ ساجدین میں سے ہوجایئے اور اپنے رب کی عبادت کیجیے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (یعنی موت) آجائے۔''

تسبیح وتحمید میں مشغول رہنے اور موت آنے تک عبادت میں لگے رہنے کا حکم

اللہ جل شانہ نے فرمایا ہم جانتے ہیں کہ مشرکین معاندانہ باتیں کرتے ہیں (جو استہزاء کو بھی شامل ہے) اور اس کی وجہ سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں یہ تنگ دل ہونا طبعی طور پر تھا۔ اس کے دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیں اور نمازوں میں مشغول رہیں اور دیگر عبادات میں بھی مشغولیت رکھیں اور زندگی بھر آخری دم تک ان کاموں میں مشغول رہیں، یہ چیزیں طبعی رنج کو دفع کرنے کا ذریعہ بنیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی رنج وغم کی صورت پیش آئے تو خالق کائنات جل مجدہ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی فکرمندی والی بات پیش آتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷)

رسول اللہ ﷺ مال جمع نہیں فرماتے تھے جو آتا تھا خرچ فرما دیتے تھے۔ حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں بھیجی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہوجاؤں لیکن میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (اپنے رب کی تسبیح بیان کیجیے جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور نماز پڑھنے والوں میں سے ہوجاؤ اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجیے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۴)

ولقد تم تفسیر سورۃ الحجر بفضل اللہ تعالیٰ وانعامه والحمد للہ تعالیٰ علیٰ تمامه وحسن ختامه

Marfat.com

ایاتہا ۱۲۹ ۱۶ سورۃ النحل مکیۃ ۷۰ رکوعاتہا ۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سورۂ نحل مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۹ آیات اور ۱۶ رکوع ہیں

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ① یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ③ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ④

''آ پہنچا اللہ کا حکم سوتم اس میں جلدی نہ کرو وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر نازل فرماتا ہے کہ اس بات سے باخبر کردو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سوتم مجھ سے ڈرو، اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ اس سے برتر ہے جو لوگ شریک بناتے ہیں اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا سو وہ یکا یک واضح طور پر جھگڑا کرنے والا ہو گیا۔''

قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے

یہاں سے سورۂ نحل شروع ہے اس میں عموماً اللہ کی توحید بیان کی گئی ہے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں، اس میں ایک جگہ شہد کی مکھی کے گھر بنانے اور پھلوں کو چوسنے اور اس سے شہد پیدا ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، شہد کی مکھی کو عربی میں نحل کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النحل رکھا گیا۔

مذکورہ بالا آیت میں معاد یعنی قیامت اور توحید و رسالت اور آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کی پیدائش کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا ﴿اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ﴾ (اللہ کا حکم آ پہنچا لہٰذا تم اس کے بارے میں جلدی نہ مچاؤ) جب مشرکین کے سامنے ایمان نہ لانے پر اور شرک اختیار کرنے پر عذاب آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ تو خالی دھمکیاں ہیں ہمیں تو عذاب آتا ہوا نظر نہیں آتا، اور جب قیامت کی بات سامنے آتی تھی تو اس کا بھی انکار کرتے تھے اور عذاب کے بارے میں کہتے تھے کہ عذاب آنا ہے تو کیوں نہیں آ جاتا، ابھی آ جائے اور جلدی آ جائے، ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حکم آ پہنچا یعنی اس کا آنا یقینی ہے اور جس چیز کا آنا یقینی ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز پہنچ چکی ہو، کسی چیز کے آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ نہیں آئے گی، دنیا کی جتنی زندگی گزر گئی اس کے اعتبار سے اب قیامت کے آنے میں قابل ذکر دیر نہیں رہی، یہ امت آخر الامم ہے اس کے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعثت انا والساعۃ کھاتین (یعنی میں اور قیامت دونوں اس طرح سے بھیجے گئے ہیں جیسے آپس میں یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور ان میں بیچ کی انگلی اشارہ والی انگلی سے ذرا سی آگے بڑھی ہوئی ہے) اتنی بات ہے کہ میں اس سے پہلے آ گیا۔ (رواہ البخاری)

بعض مفسرین نے ﴿اَمۡرُ اللّٰہِ﴾ سے تکذیب کرنے والوں کا عذاب مراد لیا ہے صاحب معالم التنزیل (ص ۷۰ ج ۲) لکھتے ہیں کہ نضر بن حارث نے یوں کہا تھا اَللّٰھُمَّ اِنۡ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (کہ اے اللہ اگر یہ (یعنی دین اسلام) حق ہے آپ کی طرف سے ہے (تو اس کے قبول نہ کرنے پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجیے، اس نے عذاب جلدی آنے کا مطالبہ کیا لہٰذا عذاب آ گیا اور وہ (اور اسکے ساتھی) غزوہ بدر کے موقع پر مقتول ہو گئے۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ (وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں) مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دیتے تھے اور غیر اللہ کو بھی عبادت کا مستحق جانتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی اور صاف بتادیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور اس سے برتر ہے کہ کوئی اس کے برابر اور مستحق عبادت ہو، یہ مضمون جگہ جگہ قرآن میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا ﴿يُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ﴾ (وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر نازل فرماتا ہے کہ اس بات سے باخبر کردو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سوتم مجھ سے ڈرو) مفسرین نے روح سے وحی مراد لی ہے اور من امرہ کو اس کا بیان قرار دیا ہے اور ملائکہ سے جنس کے طور پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے آیت شریفہ میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ پر چاہے وحی بھیج دیتا ہے اور وحی بھیجنا اس لیے ہے کہ وحی لانے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخاطبین کو یہ پیغام پہنچادیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی بھیج دیں کہ اگر تم نے توحید کی دعوت کو قبول نہ کیا تو عذاب میں مبتلا ہو گے لہٰذا تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اس کے بعد آسمان اور زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا (اس کی تفسیر چند صفحات پہلے سورہ حجر کے آخری رکوع میں گزر چکی ہے) پھر بطور تاکید مضمون سابق کا اعادہ فرمایا ﴿تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں۔)

پھر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ﴾ (اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا تو یکا یک وہ جھگڑالو ہو گیا واضح طور پر) انسان کو اللہ تعالیٰ نے منی کے نطفہ سے پیدا فرمایا جو انسان کے نزدیک خود ایک گندی اور ذلیل چیز ہے لیکن انسان اپنی اصل کو تو دیکھتا نہیں اور جھگڑے بازی کرتا ہے اس کا یہ جھگڑا صرف مخلوق ہی کے ساتھ نہیں خالق تعالیٰ جل مجدہ کی اخبار اور احکام میں بھی جھگڑے بازی کرتا ہے سورہ یٰسین میں فرمایا ﴿اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ﴾ (کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا وہ واضح طور پر جھگڑالو ہو گیا اور اس نے ہمارے بارے میں مثل بیان کردی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا وہ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اس حال میں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی) معالم التنزیل ص ۶۲ میں لکھا ہے کہ ابی بن خلف مشرک ایک دن ایک بوسیدہ ہڈی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے بوسیدہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کردے گا، اس پر آیت بالا نازل ہوئی، سبب نزول جو بھی ہو آیت بالا میں انسان کا جھگڑالو ہونا بیان فرمایا ہے۔ مشرکین اور کافرین کے جھگڑے جگہ جگہ قرآن حکیم میں نقل فرمائے ہیں اور ان کے سوالات اور کٹ حجتی کے جوابات بھی دیئے ہیں، کافر تو کافر ہیں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں وہ بھی حجت بازی کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ شیطان کو ہمارے پیچھے کیوں لگا دیا؟ کبھی کہتے ہیں کہ جب پہلے سے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو ہمارا مواخذہ کیوں ہے؟ کبھی کہتے ہیں کہ ہم نے کون سا تار بھیجا تھا کہ ہمیں پیدا کردے، کبھی کہتے ہیں اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں؟ بعض لوگوں کو یوں بھی کہتے ہوئے سنا کہ سب نیک ہو جائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی، بعض لوگوں سے یہ بات بھی سنی گئی ہے کہ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے ہم نے عبادت نہ کی تو کیا حرج ہے، ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کے بھی دعوے دار ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے سے کفر عائد ہوتا ہے۔

وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۞۵ وَلَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۞۶ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ

Marfat.com

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''اوراس نے چوپایوں کو پیدا فرمایا ان میں تمہارے لیے سردی سے بچنے کا سامان ہے اور دیگر فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو، اور تمہارے لیے ان میں رونق ہے جب تم شام کو لاتے ہو اور صبح کو چھوڑتے ہو، اور وہ تمہارے بوجھوں کو ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم اپنی جانوں کی مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے تھے، بلاشبہ تمہارا رب رؤف ہے رحیم ہے، اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے طور پر، اور وہ پیدا فرماتا ہے جو تم نہیں جانتے۔''

چوپائے اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں ان سے متعدد قسم کے منافع متعلق ہیں

اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے بے انتہا انعام ہیں، طرح طرح کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے انسان منتفع اور متمتع ہوتے ہیں، ان چیزوں میں حیوانات یعنی چوپائے بھی ہیں ان چوپایوں سے کئی طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں، آیات بالا میں جن منافع کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا ان میں سے ایک تو سردی کا انتظام ہے یعنی ان کے جسم سے بال اور اون کاٹتے ہیں پھر ان سے کپڑے بناتے ہیں، کمبل وغیرہ تیار کرتے ہیں، کھالوں کے بھی کپڑے بنالیتے ہیں اور ان سے بستر بھی تیار کرتے ہیں نیز کھالوں سے خیمے بھی تیار ہوتے ہیں جس کا اسی سورت کے گیارہویں رکوع میں تذکرہ فرمایا ہے، چوپاؤں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

چوپایوں کا دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ اس میں تمہارے لیے رونق ہے جبکہ تم انہیں شام کو چراگاہوں سے واپس لاتے ہو اور صبح کو چراگاہوں کی طرف لے جانے کے لیے چھوڑتے ہو یہ رونق جو جانوروں سے حاصل ہوتی ہے اس کو جانور والے ہی جانتے ہیں۔ جن کسی کے پاس بہت سے مویشی ہوں جب وہ صبح شام اپنے جانوروں کو آتا جاتا دیکھتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا۔ گاؤں کا چودھری چارپائی پر بیٹھے ہوئے جب اپنے جانوروں پر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ احاطہ جانوروں سے بھرا ہوا ہے اور جانور بول رہے ہیں ان کے بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس وقت جو اس کی کیفیت ہوتی ہے اس کا پوچھنا ہی کیا ہے، جب شام کو جانور پیٹ بھرے ہوئے واپس آتے ہیں جن کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر نوکر چاکر دودھ دوہنے لگتے ہیں اور اس وقت جو چودھری صاحبان کی کیفیت ہوتی ہے اور خوشی میں مست و مگن ہوتے ہیں اسے دیکھنے والے ہی جانتے اور سمجھتے ہیں۔

چوپایوں کا تیسرا فائدہ یہ بتایا کہ وہ تمہارے بوجھ والے سامان کو اٹھاتے ہیں دور شہروں میں پہنچاتے ہیں اگر یہ جانور نہ ہوتے تو تمہیں یہ بوجھ خود اٹھانے اور لے جانے پڑتے اور اس وقت تم مصیبت میں پڑ جاتے، بڑی محنت اور تکلیف کے ساتھ سامان پہنچاتے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جانور پیدا فرما دیئے جو تمہارے بوجھ اٹھانے کی خدمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑی مشقت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

اس کے بعد سواری کے جانوروں کا تذکرہ فرمایا ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً﴾ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرما دیئے تاکہ تم ان پر سوار ہو، اور ان میں تمہارے لیے زینت بھی ہے، ان تینوں قسم کے جانوروں پر سواری بھی کرتے ہیں اور خچر اور گدھے تو اپنے سوار کے ساتھ بہت سا بوجھ بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں، یہ جانور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور انسانوں کے لیے مسخر بھی فرمائے اسی کو سورۂ زخرف میں فرمایا ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ (تاکہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر بیٹھ چکو اور یوں کہو کہ وہ ذات پاک ہے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم اسے قابو میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) یہ جانور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیئے اگر جانور ہٹی ہو جائے اور قابو نہ دے، نہ پیار سے مانے نہ چمکار سے تب انسان کو اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے محض اپنے کرم سے ان جانوروں پر قابو دے دیا۔ سورۂ یٰسٓ میں یوں ارشاد فرمایا ﴿ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا

Marfat.com

رَکُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْکُلُوْنَ﴾ اور ہم نے جانوروں کو ان کا فرمانبردار بنا دیا سو ان میں سے بعض سواری کے جانور ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں سے پہلے جن جانوروں کا ذکر تھا ان کے بارے میں ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ﴾ فرمایا اور یہاں وَزِيْنَةً فرمایا جس طرح مذکورہ مویشیوں کے آتے جاتے وقت صبح شام مالکوں کی شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی طرح سواری کے جانوروں سے بھی مالکوں کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔

فائدہ: آیت بالا میں اجمالی طور پر چوپایوں کے منافع کا تذکرہ فرمایا پھر تفصیلاً بھی بعض منافع ذکر فرما دیئے اور سورہ یٰسین میں منافع کے ساتھ مشارب کا ذکر بھی فرمایا نیز سورہ نحل کے نویں رکوع میں دودھ کا بھی ذکر فرمایا ہے، یہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے صاف ستھرا نکل آتا ہے جسے گلے سے بآسانی اتار لیتے ہیں، جن منافع کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا اس میں کھالیں بھی ہیں اور ہڈیاں بھی ہیں ان سے بھی انسان نفع اٹھاتے ہیں اور اب تو انسانی اعضاء کا مبادلہ بھی شروع ہو گیا ہے مثلاً کسی کا کوئی عضو خراب ہو جائے تو اسے ہٹا کر جانوروں کے اعضا لگا دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ ثانیہ: سواریوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ﴿وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ بھی فرمایا (اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا فرماتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے) اس کے عموم میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو نزول قرآن کے وقت دنیا میں موجود نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بعد میں پیدا فرمائیں اور آئندہ کیا کیا پیدا ہوگا اس کا علم بندوں کو نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کو ان کا بھی علم ہے چونکہ اس بات کو سواریوں کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے اس لیے بعض اکابر نے نوایجاد سواریوں کے بارے میں فرمایا کہ ہوائی جہاز اور ریل اور موٹر کار وغیرہ ان سب کا وجود میں آنے کی طرف آیت شریفہ میں اشارہ ملتا ہے بلکہ قیامت تک جتنی بھی سواریاں ایجاد ہوں گی عموم الفاظ میں ان سب کی خبر دے دی گئی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ ع

''اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اس سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔''

اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت سے لوگ ہٹے ہوئے ہیں

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک سیدھا راستہ پہنچتا ہے، صراط مستقیم یعنی دین اسلام پر جو شخص چلے گا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا یعنی اللہ کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی اور دوسرے راستے ٹیڑھے ہیں وہ طریق حق سے ہٹے ہوئے ہیں جو شخص ان پر چلے گا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہ ہوگی، آخرت میں مبتلائے عذاب ہوگا۔

﴿وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہدایت دے) جو لوگ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیتا ہے۔ طریق حق تو اس نے واضح طور پر سب کے لیے بیان فرما دیا اب جو شخص ہدایت کے لیے فکر مند ہوگا دلائل میں غور و فکر کرے گا اسے ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب بھی حاصل ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے ﴿وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مجبور کر کے سب کو صراط مستقیم پر ڈال دیتا، لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جبر نہ کیا جائے دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اب جو چاہے اپنے اختیار سے صراط مستقیم کو اختیار کر کے جنت میں چلا جائے اور جو چاہے کجی والا راستہ اختیار کر کے دوزخ میں چلا جائے۔

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ کا ترجمہ ایک تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ اللہ صحیح راہ بتاتا ہے یہ اس نے اپنے ذمہ لیا ہے اس نے دلائل بیان کر دیئے اپنے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ حق پہنچا دیا ہے وہ کسی کو حق کی راہ بتائے بغیر عذاب نہ دے گا اور بہت سے لوگ حق کو حق جانتے ہوئے اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (معالم التنزیل ص ۶۳ ج ۳)

Marfat.com

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ
الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي
الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

''اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا اور اس میں پینے کا پانی ہے اور اس کے ذریعے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم چراتے ہو، وہ تمہارے لیے اس کے ذریعہ کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو غور کرتے ہیں، اور اس نے تمہارے لیے رات کو اور دن کو اور چاند کو اور سورج کو مسخر فرمایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں، اور جو چیزیں زمین میں پھیلا دیں جن کے رنگ مختلف ہیں بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان کے لیے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر فرما دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو، اور اے مخاطب تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس میں پھاڑنے والی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو، اللہ نے زمین میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ زمین تمہیں لے کر ہلنے نہ لگے، اور اس نے نہریں بنائیں اور راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور نشانیاں بنائیں، اور وہ ستاروں کے ذریعے راہ پاتے ہیں۔''

گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور درمیان میں بطور جملہ معترضہ سیدھے راستے کی تشریح فرما دی اگر کوئی شخص دلائل میں غور کرے گا تو وہ راہ مستقیم پر چلے گا اور راہ حق پالے گا۔ مذکورہ بالا آیات میں بھی چند دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اس پانی سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ اس میں سے بہت سا حصہ پینے کے کام آتا ہے، آسمان سے برسے ہوئے میٹھے پانی سے مخلوق سیراب ہوتی ہے اور اس پانی سے درخت بھی پیدا ہوتے ہیں، ان درختوں کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ درخت جانوروں کی خوراک بنتے ہیں، ان جانوروں کو درختوں میں چھوڑ دیتے ہیں جہاں وہ چارہ کھاتے ہیں، نیز اس پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اگاتا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے پھل پیدا فرماتا ہے ان کے درخت بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور پھلتے پھولتے ہیں۔ بارش کے پانی کے مذکورہ فوائد و منافع بیان فرمانے کے بعد فرمایا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں۔)

دوم: لیل ونہار (رات دن) کی تسخیر بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ شانہٗ رات کو پیدا فرماتا ہے جس میں آرام کرتے ہیں، اور دن کو پیدا فرماتا ہے جس میں معاش کی طلب میں لگتے ہیں۔

سوم: شمس وقمر کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آفتاب اپنی حرارت اور روشنی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے پھر غروب ہو جاتا ہے اس

Marfat.com

عرصہ میں اس سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ روشنی اور گرمی کا فائدہ تو سبھی کو معلوم ہے اس کی حرارت کی وجہ سے کھیتیاں بھی پکتی ہیں اور پھل تیار ہوتے ہیں، اور اب تو آفتاب سے بجلی بھی حاصل کرتے ہیں، اور چاند کو بھی مسخر فرما دیا جس کی دھیمی دھیمی روشنی میں ایک خاص کیف ہوتا ہے سفر وحضر میں چلنے والوں کو، چاند کے ذریعے راستے معلوم ہوتے ہیں۔

چہارم: ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا، یہ سب ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اس کی مشیت اور ارادہ کے پابند ہیں ہزاروں سال گزر گئے جو رفتاریں ان کی مقرر فرمادی ہیں انہیں کے مطابق چلتے ہیں، کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی سے رواں اور دواں ہیں، ان امور کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں)

پنجم: زمین سے پیدا ہونے والی مختلف الوانٌ کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لیے زمین میں پیدا فرمائی ہیں، الوان لون کی جمع ہے عربی میں لون رنگ کو کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے الوان کا ترجمہ اقسام کیا ہے۔ الفاظ کا عموم زمین پر پیدا ہونے والی اور رہنے والی اور بسنے والی سب چیزوں کو شامل ہے جتنی بھی چیزیں زمین میں پائی جاتی ہیں حیوانات، معدنیات، نباتات، جمادات وغیرہ مذکورہ بالا آیت میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ آ گیا، یہ چیزیں رنگ برنگ کی ہیں، ان کی مختلف صورتیں ہیں اور طرح طرح کے انواع واقسام ہیں ان سب میں انسانوں کے لیے منافع ہیں، یہ چیزیں غذاؤں میں بھی کام آتی ہیں، اور مکانات کی تعمیر میں بھی اور امراض کے علاج میں بھی، ان چیزوں کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔)

ششم: سمندر کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سمندر پیدا فرمائے اور بندوں کے لیے ان میں منافع رکھ دیئے ان میں سے چار انعامات کا تذکرہ فرمایا۔ اول تو یہ فرمایا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اس سے مچھلیاں مراد ہیں سمندر سے مچھلیاں نکالتے ہیں اور تازہ بتازہ بھون کر یا پکا کر کھا لیتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ تم سمندر سے زیور نکالتے ہو، اس سے موتی مراد ہیں جو سمندر سے نکالے جاتے ہیں جس کا سورہ رحمٰن میں ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ تیسرے کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کشتیاں چھوٹی ہوں یا بڑی، بادبانی کشتیاں ہوں، یا پٹرول سے چلنے والے بڑے جہاز ہوں یہ سب پانی کو پھاڑتے ہوئے سمندر میں سے گزر جاتے ہیں ان کشتیوں کے ذریعہ سفر بھی طے ہوتا ہے ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچ جاتے ہیں، یہ اسفار تجارت کے لیے بھی ہوتے ہیں اور تعلیم کے لیے بھی، کشتیوں کے ذریعے مال کی آمد ورفت بھی ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے، ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار کھاتے ہیں اور بھی دوسری استعمالی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں اس کو ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ میں بیان فرمایا اور ساتھ ہی ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ بھی فرما دیا (اور تاکہ تم شکر ادا کرو) انسانوں میں شکر گزار کم ہوتے ہیں۔ خالق کائنات جل مجدہ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں تو استعمال کر لیتے ہیں لیکن شکر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لیے بار بار شکر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ہفتم: زمین پر بھاری بھاری پہاڑ پیدا فرمانے کی نعمت یاد دلائی ہے اور فرمایا ﴿وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ (اور زمین میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ زمین تم کو لے کر ہلنے نہ لگے) زمین پر انسان کو بسایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ انسان ضعیف ہے اگر زمین حرکت کرتی اور ڈگمگاتی رہتی تو انسان کا جینا دشوار ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ڈگمگانے سے محفوظ فرمانے کے لیے اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے ان پہاڑوں کے بوجھ کی وجہ سے وہ حرکت نہیں کرتی، انسان اس پر چلتے پھرتے ہیں کام کاج کرتے ہیں، وہ ہلنے اور ڈگمگانے سے محفوظ ہے، یہ انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے، جب بھی اللہ کی مشیت ہوتی ہے اور زمین حرکت میں آ جاتی ہے تو آبادیاں فنا ہو جاتی ہیں جس کو زلزلہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، زمین گردش کرتی ہے یا نہیں اس کے بارے میں قرآن مجید میں نفیاً واثباتاً کوئی بات نہیں ملتی اگر زمین گردش کرتی ہو تو وہ ﴿اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آیت شریفہ میں زمین کے کانپنے اور ڈگمگانے کی نفی فرمائی ہے اگر وہ معتدل انداز میں چلتی رہے جیسا کہ دور حاضر کے اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ ممکن ہے، قرآن میں اس کی نفی نہیں ہے۔

Marfat.com

ہشتم: نہروں کا تذکرہ فرمایا نہریں سمندروں سے چھوٹی ہوتی ہیں، میٹھے پانی کی ہوتی ہیں اور ان سے انسان حیوان، کھیتیاں اور باغات سیراب ہوتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون، گنگا، جمنا، راوی، چناب، جہلم، دریائے سندھ ان سے خلق کثیر منتفع اور مستفید ہوتی ہے۔

نہم: یہ فرمایا کہ تمہارے لیے راستے بنائے، یہ راستے نرم زمین میں بھی ہیں اور پہاڑوں میں بھی، جنگلوں میں بھی اور آبادیوں میں بھی، سمندروں میں بھی اور فضاؤں میں بھی، ان راستوں کے ذریعہ پیدل چل کر یا سواریوں پر بیٹھ کر منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔ سورہ نوح میں فرمایا ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾ (اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو) اگر راستے بنے ہوئے نہ ہوتے اور اٹکل پچو سے سفر کرتے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اس بات کو بیان فرمانے کے لیے سُبُلًا کے ساتھ ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ بھی فرمایا راستوں کے ذکر کے ساتھ وعلامات بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں راستے بھی ہیں۔ راستوں کی نشانیاں بھی ہیں درخت پہاڑ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے مسافر اندازہ کر کے چلتا رہتا ہے اور علی وجہ البصیرۃ اپنا سفر قطع کر لیتا ہے۔ قال ابن كثير قوله و علمٰت اى دلائل من جبال كبار واكام صغار ونحو ذلك يستدل بها المسافرون برا وبحرا اذا ضلوا الطريق (ص ۵۶۵ ج ۲) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارشاد الٰہی ہے ﴿وَعَلٰمٰتٍ﴾ یعنی بڑے بڑے پہاڑوں اور چھوٹے ٹیلوں وغیرہ کی نشانیاں کہ خشکی کے اور سمندروں کے مسافر جب بھولتے ہیں تو انہیں کے ذریعہ راستہ کا نشان تلاش کرتے ہیں۔

دہم: ستاروں کے ذریعے راستے معلوم کرنے کا تذکرہ فرمایا، ارشاد ہے۔ ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (اور ستاروں کے ذریعہ لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں) جنگلوں میں پہاڑوں میں سمندر میں جب رات کو راستہ خطا کر جاتے ہیں تو ستاروں کو دیکھ کر مشرق و مغرب و شمال و جنوب کا پتہ چلا لیتے ہیں اگر ستارے نہ ہوں یا ستاروں کی پہچان نہ ہو تو حیران کھڑے رہ جائیں یا غلط راستے پر چل کر منزل مقصود کے علاوہ کسی دوسری جگہ جا پہنچیں۔ ﴿فَسُبْحَانَ الَّذِيْ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

"سو کیا جو پیدا کرتا ہو وہ اس کی طرح ہوگا جو پیدا نہیں کرتا، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے، اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں، بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں، اور انہیں خبر نہیں ہے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

مخلوق اور خالق برابر نہیں ہو سکتے، تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں گن سکتے، اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جان ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے

گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور مخلوقات کی انواع و اقسام بیان فرمائیں اور ان کے فوائد بھی بتائے، یہ تمام چیزیں اور ان کے علاوہ ہر چیز جو کبھی موجود تھی یا موجود ہے یا موجود ہوگی سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو جاہلوں نے دوسروں کی عبادت شروع کر دی ان کے وہ معبود اللہ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ مخلوق کو خالق کا ساجھی بنا

Marfat.com

دیا کچھ تو سمجھ کی بات کرتے اور دلائل توحید سے نصیحت لیتے، سورۂ لقمان میں فرمایا ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یہ اللہ کی مخلوق ہے سو مجھے دکھاؤ ان لوگوں نے پیدا کیا جو اس کے سوا ہیں، بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں) درحقیقت یہ بہت بڑی بھونڈی اور بھدی اور بے عقلی کی بات ہے کہ خالق کو مخلوق کے برابر کر دیا جائے اور مخلوق کو معبود بنا لیا جائے، پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے، پہلی نعمت تو یہ ہے کہ اس نے وجود بخشا اعضاء دیئے آنکھ ناک دیئے، سمجھنے کی قوت دی، اچھے برے کی تمیز عطا فرمائی، اور اس کے علاوہ بے انتہا نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کی قدر دانی کا تقاضا یہ تھا کہ موحد بنتے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے لیکن اس کے برخلاف مشرکین نے شرک اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت بیان فرمائی کفر و شرک بہت بڑا جرم ہے لیکن اگر کوئی مشرک یا کافر توبہ کر لے اور ایمان والا بن جائے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تب بھی دنیا میں کچھ نہ کچھ نعمتیں ملتی رہتی ہیں، یہ شان رحمت کا مظاہرہ ہے، بعض حضرات نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر نعمت کے مقابلہ میں شکر کا مطالبہ فرماتا تو اس سے عاجز رہ جاتے لیکن وہ غفور و رحیم ہے گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف کرتا ہے اور تھوڑے عمل پر بھی جزا دیتا ہے (ذکرہ ابن کثیر) پھر فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ﴾ (اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو) اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری عقیدہ اور عمل سے کرتے ہیں یوں نہ سمجھیں جیسے دنیا گزر رہی ہے اس میں عام طور سے سزا نہیں دی جاتی، اسی طرح موت کے بعد بھی عذاب سے بچ جائیں گے اللہ تعالیٰ کو سب کے باطنی احوال بھی معلوم ہیں اور ظاہری اعمال بھی، وہ اپنے علم کے مطابق شکر گزاروں کو ان کے شکر کا ثواب عطا فرمائے گا اور ناشکروں کا مواخذہ فرمائے گا، پھر فرمایا ﴿وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ (اور یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں یعنی ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں) جو چیز مخلوق ہے اس کا یہ مقام نہیں کہ معبود بن جائے یا اسے معبود مان لیا جائے۔ عبادت کے لائق صرف خالق ہی ہے جل مجدہ وثناء، پھر فرمایا ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ﴾ (یعنی یہ بت جنہیں تم نے معبود بنا رکھا ہے بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں) تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے؟ ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (اور ان باطل معبودوں کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) ایمان اور عبادت کا سب سے بڑا انعام داخلہ جنت کی صورت میں موت کے بعد نصیب ہوگا اور یہ قیامت آنے پر موقوف ہے ان بے جان بتوں کو کچھ بھی خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے اگر ان سے موت کے بعد کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید رکھتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے، جسے اعمال کا بدلہ دینا ہے وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے اسے معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی تمہارے معبود جاہل محض ہیں، انہیں نہ کچھ علم ہے نہ قیامت کا پتہ ہے نہ قیامت کے آنے کی خبر ہے یہ موت کے بعد تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے قال ابن کثیر ص ۵۶۵ ج ۲ ای لا یدرون متی تکون الساعة فکیف یرتجی عند هذه نفع او ثواب او جزاء انما یرجی ذلك من الذی یعلم کل شیء وهو خالق کل شیء یعنی وہ نہیں جانتے کہ قیامت کب ہوگی پس یہ لوگ ان سے نفع یا ثواب یا جزاء کی امید کیسے رکھتے ہیں ان چیزوں کی امید تو اس ذات سے لگائی جاتی ہے جو ہر شے کا علم رکھتی ہے اور وہی ہر شے کی خالق ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

"تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں، یہ بات

Marfat.com

ضروری ہے یقینی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے پورے اٹھالیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھالیں جنہیں بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، خبردار برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔''

تمہارا معبود ایک ہی ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے گمراہ کرنے والے دوسرے کے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے

مشرکین کی تردید اور ان کے معبودان باطلہ کی حالت بیان فرمانے کے بعد (کہ وہ مخلوق ہیں بے جان ہیں بے علم ہیں) معبود حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور فرمایا ﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی ہے) صرف اسی کو معبود مانو، اس کے بعد آخرت کے منکرین کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس کے ماننے سے انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں، یہ تکبر انہیں حق قبول کرنے سے روکتا ہے۔ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ﴾ (یہ بات ضروری ہے یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں) لہٰذا وہ ان کے عقیدہ انکار آخرت اور ظاہری و باطنی احوال و اعمال پر سزا دے گا۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ (بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) پھر فرمایا ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ﴾ (الآیة) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں نے مکہ معظمہ کی گھاٹیوں کو تقسیم کر لیا تھا۔ مختلف گھاٹیوں پر مختلف لوگ بیٹھ گئے تھے جو لوگ حج کے لیے آتے تھے انہیں بہکاتے اور ورغلاتے تھے تاکہ مسلمان نہ ہو جائیں، باہر سے آنے والے حجاج ان سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے کیا نازل ہوا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے کن چیزوں کی وحی کا تذکرہ فرمایا اور اللہ کی طرف سے جو ان پر نازل ہوا انہوں نے کیا بتایا، اس پر یہ لوگ کہہ دیتے تھے کہ اللہ کی طرف سے نازل کچھ نہیں ہوا وہ تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں انہوں نے بھی سن رکھی ہیں۔ انہیں کو بیان کر دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ خود تو منکر ہیں ہی نبوت و رسالت کے بارے میں دریافت کرنے والوں کو بھی ایمان نہ لانے دیں۔ انہوں نے اپنے کفر اور اعمال بد کا بوجھ اپنے اوپر اٹھایا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھایا جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں اور اپنے شہر میں آنے والوں کو ایمان لانے سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی کو فرمایا ﴿لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ کہ ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنے کفر و شرک اور گناہوں کے پورے پورے بوجھ اپنے اپنے اوپر اٹھا کر لائیں گے اور ان لوگوں کے بھی بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے جنہیں گمراہ کیا تھا پھر فرمایا ﴿اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ﴾ (خبردار یہ برا بوجھ ہے جسے اپنے اوپر لاد رہے ہیں) اپنے کیے کی بھی سزا بھگتیں گے اور ان لوگوں کے گناہ بھی ان کے سر پڑیں گے جن کو بہکایا اور ورغلایا، ان کے گناہوں کی بھی سزا ملے گی (گو وہ بھی عذاب سے نہ بچیں گے کیونکہ انہوں نے جانتے بوجھتے کفر اختیار کیا اور لوگوں کے ورغلانے میں آئے) سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَ لَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ (اور یہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور البتہ قیامت کے دن ان سے ان باتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو جھوٹ موٹ بنایا کرتے تھے۔)

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

Marfat.com

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

''بلاشبہ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اللہ نے ان کا بنایا ہوا گھر بنیادوں سے ڈھا دیا، پھر اوپر سے ان پر چھت آ پڑی، اور ان پر اس طرح عذاب آ گیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا، پھر وہ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا، اور فرمان ہوگا کہ کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟ جن کو علم دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ آج رسوائی اور بدحالی ہے کافروں پر، جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، سو وہ لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے، ہاں! بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے، سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔''

معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ، قیامت کے دن کافروں کی رسوائی اور بدحالی، متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے

مشرکین مکہ جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں سوچتے تھے اور آپس میں مشورے کرتے تھے۔ ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ میں ان لوگوں کی مکاری کا تذکرہ فرمایا جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، یہ لوگ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا کیا کرایا سب برباد کر دیا جیسے کوئی شخص عمارت بنائے اور پھر اس کی بنیادیں اور ستون گر پڑیں اور پھر اوپر سے چھت گر جائے، ان کی بنائی ہوئی تعمیر بھی برباد ہوئی اور خود بھی اس میں دب کر رہ گئے اپنے مقاصد میں ناکام ہوئے اور اس طرح ان پر عذاب آ گیا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا، آیت کریمہ سے عام اقوام مراد لی جائیں تو کسی خاص قوم یا کسی خاص شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں رہتی کثیر تعداد میں ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی تدبیریں ناکام ہوئیں اور ان پر عذاب آیا اور برباد و ہلاک ہوئے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ واختار جماعة بنائه علي التمثيل حسبما سمعت وعليه فالمراد علي المختار من الذين كفروا من قبل ما يشمل جميع الماكرين الذين هدم عليهم بنيانهم وسقط في ايديهم ایک جماعت نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس کی بناء تمثیل پر ہے پس مختار قول کے مطابق اس سے مراد سابقہ اقوام کے کافر ہیں جو ان تمام مکاروں کو شامل ہے جن کی تعمیریں خود ان کے اپنے اوپر گر پڑیں اور انہیں کے ہاتھوں گریں۔ (ص ۱۳۶ ج ۱۴)

اور حافظ ابن کثیر نے بھی (ص ۵۶۶ ج ۲) یہ بات لکھی ہے حیث قال هذا من باب المثل بالابطال ما صنعته هولاء الذين كفروا باللّٰه واشر كوا في عبادته جو یہ فرمایا یہ ان کافروں کی ان مکاریوں کے ابطال کے لیے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کیا۔

لیکن خود صاحب روح المعانی اور حافظ ابن کثیر نے اور علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ سے نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے شہر بابل میں ایک محل بنایا تھا جس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی جس نے اس محل کو گرا دیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے اتباع پر گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ صاحب روح المعانی نے ایک

Marfat.com

قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مچھر کے ذریعے ہلاک فرمادیا جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے بخت نصر مراد ہے اس نے بھی مکاری کی تھی اور اونچا محل بنایا تھا پھر وہ محل برباد ہو گیا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اگر محل بنانے والی بات درست ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے فرعون نے اپنے وزیر سے کہا تھا ﴿یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾ (اے ہامان بنادے میرے لیے ایک عمارت شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) فرعون کی تدبیریں بھی فیل ہوئیں، قارون بھی اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسایا گیا عاد و ثمود بھی برباد ہوئے اور دنیا میں عذاب چکھ لیا۔

﴿فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ (سو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا) مکذبین اور معاندین کو دنیا میں تو عذاب پہنچنا ہی ہے آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے اور عذاب میں ڈالے جائیں گے اسی کو فرمایا ﴿ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا اور سوال فرمائے گا کہ وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑے کیا کرتے تھے، اس موقع پر علم والے حضرات بول اٹھیں گے اور یوں کہیں گے ﴿اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ﴾ (بلاشبہ آج رسوائی اور بدحالی کافروں پر ہے) ﴿الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کیں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے) کفر ہی پر جیے اور کفر ہی پر مرے لہٰذا آج کفر کی سزا ملے گی۔ ﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ (پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے) جب وہاں عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اس کے چھٹکارے کے لیے تدبیریں سوچیں گے، ان تدبیروں میں سے ایک تدبیر یہ ہوگی کہ سفارشی تلاش کریں گے اور یوں کہیں گے کہ کوئی ہماری سفارش کر دیتا، کبھی کہیں گے کہ یہاں سے نکال دیئے جاتے تو دوبارہ دنیا میں جا کر اچھے عمل کرتے، اور کبھی اس بات کے منکر ہو جائیں گے کہ ہم مشرک یا کافر تھے، اس آیت میں ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ہم تو کوئی بھی برا کام نہ کرتے تھے، اس میں کفر سے بھی انکاری ہو گئے اور شرک سے بھی اور ہر قسم کی معصیت سے اس انکار کو وہ اپنی نجات کا ذریعہ بنائیں گے چونکہ صلح کرنے سے بعض مرتبہ مصیبت ٹل جاتی ہے اس لیے اسے صلح سے تعبیر فرمایا، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ کہ بلیٰ ہاں تم نے برے کام کیے ہیں اور بہت بڑے جرم کیے ہیں کفر کیا شرک کیا پھر کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی بھی برا کام نہیں کیا (یہ انکار اور دھاندلی قیامت کے دن چلنے والی نہیں) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

﴿فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ (سو تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے) ﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ﴾ (سو تکبر والوں کا برا ٹھکانہ ہے) تکبر نے ان کو حق قبول کرنے نہ دیا لہٰذا دوزخ ہی ان کے مناسب حال ہے۔

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

''اور جو لوگ کفر و شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ بڑی خیر نازل فرمائی، جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کیے ان کے لیے بھلائی ہے اور بلاشبہ دار آخرت بہتر ہے، اور البتہ متقیوں کا گھر اچھا ہے، ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان میں وہ داخل ہونگے ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہونگی، ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اسی طرح اللہ

Marfat.com

ان کو بدلہ دیتا ہے جوتقویٰ اختیار کرتے ہیں جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہوتم اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جوان کی خواہش ہوگی

گزشتہ آیات میں کافروں کے مکراور آخرت میں جوانہیں عذاب ہوگا اور رسوائی ہوگی اس کا ذکر تھا اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ فرشتے ایسی حالت میں ان کی جانیں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، ان آیات میں اہل ایمان کے اچھے اعمال اور اچھے اقوال کا تذکرہ فرمایا اور انہیں بشارت دی کہ وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اوران باغیچوں میں ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ موجود ہوگا جو بھی چاہیں گے وہ سب ملے گا، سورہ زخرف میں فرمایا ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ (اور وہاں وہ چیزیں موجود ہوں گی جن کی ان کے نفسوں کوخواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کولذت حاصل ہوگی) ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کواسی طرح بدلہ عطافرماتا ہے، تقویٰ میں ہر چیز آ گئی شرک وکفر سے بچنا اور تمام گناہوں سے بچنا لفظ تقویٰ ان سب کو شامل ہے متقی حضرات کی موت کے وقت کی حالت بتاتے ہوئے ارشادفرمایا کہ فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کریں گے کہ یہ لوگ پاکیزہ ہوں گے جس کا دل کفروشرک سے پاک ہو اور دل میں ایمان کی نورانیت ہو اور اس کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین ہو ظاہر ہے کہ موت کے وقت بھی اس کی حالت اچھی ہوگی، فرشتے بھی ان سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور انہیں اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور جنت کی بھی بشارت دے دیتے ہیں، دنیا سے ایمان پر رخصت ہونا اور اچھے اعمال لے کر جانا یہ جنت میں جانے کا سبب ہے، جنت کا حقیقی داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن موت کے وقت اس کی خوشخبری بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ في معالم التنزيل ص ٦٦ ج ٣ طيبين مومنين طاهرين من الشرك، قال مجاهد زكية افعالهم واقوالهم وقيل معناه ان وفاتهم تقع طيبة سهلة

فائدہ: چندآیات پہلے فرمایا تھا ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ اور یہاں ان آیات میں فرمایا ﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا﴾ مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں کا سبب نزول ایک ہی ہے جس کا کچھ تذکرہ آیت ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور وہ یہ کہ مکہ معظمہ کے مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ اس شہر میں آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کے لیے مختلف راستوں پر بیٹھ جاؤ جب اس پر عمل کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کسی قبیلے کا کوئی نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا تو جھوٹی باتیں کر کے اسے وہیں سے برگشتہ کرتے تھے جب وہ لوگ اپنی قوم میں واپس ہوتے اور ان کی قوم کے لوگ دریافت کرتے کہ کیا معلوم کر کے آئے ہو تو یہ نمائندہ انہیں راستوں پر بیٹھنے والوں کا قول نقل کر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا ﴿أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہوتی ہیں) اوران نمائندوں میں سے جوشخص یہ طے کر ہی لیتا کہ مجھے اصل بات کا پتہ چلانا ہی ہے تو وہ ان لوگوں کی باتوں میں نہ آتا تھا اور حضور اقدس ﷺ تک پہنچ ہی جاتا تھا یہ شخص مکہ معظمہ میں داخل ہو جاتا اور مومنین سے ملاقات کرتا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو اہل ایمان جواب میں کہتے تھے کہ آپ کی دعوت حق ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ پر خیر نازل فرمائی ہے مومنین کا جواب سن کر یہ نمائندہ مطمئن ہو جاتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو مطمئن کر دیتا تھا۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾

''یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے، اسی طرح ان لوگوں نے کیا جوان سے پہلے

Marfat.com

تھے، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، سو انہوں نے جو برے کام کیے ان کی سزائیں انہیں مل گئیں اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے اس نے انہیں آ کر گھیر لیا۔"

منکرین اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں

اہل کفر دعوت حق کو قبول نہ کرتے تھے اور انہیں برابر کفر پر اصرار تھا، واضح دلائل سامنے آنے پر بھی ہدایت سے اعراض کرتے تھے، ان کے بارے میں فرمایا کہ جب دلائل واضحہ ظاہرہ کو نہیں مانتے تو کس بات کا انتظار ہے، ان کا طریقہ کار تو یہ بتاتا ہے کہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم یعنی موت آ جائے لیکن اس وقت ایمان قبول نہ ہوگا، جیسا کہ انہیں اپنے کفر پر اصرار ہے ان سے پہلے لوگ بھی ایسا ہی کرتے رہے پھر ان پر عذاب آ گیا، عذاب کی باتیں سامنے آتی تھی تو وہ مذاق بناتے تھے پھر جب عذاب نے گھیر لیا تو بچاؤ کا کوئی بھی راستہ نہ پا سکے، ان پر جو عذاب آیا وہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا، جیسا کیا ویسا بھرا اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ اور سورہ انعام کی آیت ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ میں بھی گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

"اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے نہ ہم نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم اس کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے، ان لوگوں نے ایسا ہی کیا جو ان سے پہلے تھے، سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے، اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو، سو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی، سو تم زمین میں چلو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اگر آپ ان کی ہدایت پر حرص کریں سو بلاشبہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرتا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔"

مشرکین کی کٹ حجتی، اور ہر امت کے لیے رسول کی بعثت کا تذکرہ

مشرکین شرک تو کرتے ہی تھے اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا انہیں حرام قرار دیتے تھے، جب توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو یوں جواب دیتے تھے کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو ہمیں اس بات کا جواب دو کہ ہم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں بقول تمہارے اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل سے ناراض ہے اگر وہ ناراض ہے تو ہمیں ایسا کیوں کرنے دیتا ہے، جب وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کہ ہمارے باپ دادوں نے جو یہ کام کیے اور ہم بھی کر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہیں، اس کی مشیت نہ ہوتی تو نہ باپ دادے ایسا کرتے نہ ہم کرتے، ہم ایسا کرتے ہیں اور اس کے علم میں ہے اور اس کی مشیت سے کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ان کاموں سے راضی ہے، مشرکین کا یہ

Marfat.com

قول سورہ انعام کے رکوع نمبر ۱۸ میں بھی گزرا ہے وہاں فرمایا ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا﴾ (اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔)

سورہ انعام میں مزید فرمایا ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ (آپ فرما دیجیے کہ تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لیے ظاہر کرو۔) ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾ (تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور تم صرف اٹکل پچو باتیں بناتے ہو) سورہ انعام کی آیت میں ان لوگوں کی بات کی تردید فرما دی کہ تم صرف جاہلانہ باتیں کرتے ہو اور اٹکل پچو حجت بازی کرتے ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق بھی ہے اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ ہو بھی نہیں سکتا لیکن کسی کام کو ہونے دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی بھی ہیں، مشیت کی وجہ سے کسی کام کا وجود میں آ جانا اور بات ہے اور کسی کام سے راضی ہونا یہ دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لیے دنیا میں بھیجا ہے اور موت اور حیات کو آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور ان کو سمجھ دے دی اور عقل عطا فرما دی اور اعمال کا اختیار دے دیا بندے خیر کے کام بھی کر سکتے ہیں اور شر کے کام بھی، ایمان بھی قبول کر سکتے ہیں اور کفر بھی ﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (ایسے ہی ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا انہوں نے خیر اور شر کو سمجھایا ایمان کے منافع بتائے اور موت کے بعد جو اس کا فائدہ ہوگا یعنی نجات اور جنت کی نعمتیں ان سے باخبر فرمایا ان کے ذمہ اتنا ہی تھا کہ خوب کھول کر واضح طریقے پر بیان فرما دیں، انہوں نے بیان فرمایا لیکن جسے نہ ماننا تھا اس نے نہ مانا، اپنے اختیار سے لوگ کفر اختیار کرتے ہیں اور شرکت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں پھر کٹ حجتی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ اعمال منظور نہیں ہیں تو ہمیں کیوں کرنے دیتا ہے، درحقیقت یہ جاہلانہ باتیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار نہ دیا جاتا اور جبراً ایمان پر اور اعمال صالحہ پر لگا دیئے جاتے تو ابتلاء اور امتحان کا کوئی موقع ہی نہ رہتا، امتحان تو اسی صورت میں ہے جب کہ خیر و شر دونوں جانب کا اختیار دے دیا گیا یعنی یہ قدرت دے دی ہے کہ اگر چاہیں تو خیر پر چلیں اور اگر چاہیں تو شر پر چلیں، مشرکین نے اس بات کو سامنے نہ رکھا کہ دارالامتحان میں خیر اور شر دونوں کی قدرت و استطاعت ہونا ہی ذریعہ امتحان ہو سکتا ہے جبراً جو کام لیا جائے وہ تو ذریعہ امتحان بن ہی نہیں سکتا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مشیت خداوندی کسی چیز کا وجود میں آ جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی بھی ہے کٹ حجتی کرنے والے کفر و شرک نہیں چھوڑتے اور محض اٹکل اور گمان سے غلط اور الٹے سیدھے جواب دیتے ہیں، بر رسولاں بلاغ باشد و بس رسولوں نے بتا دیا اور سمجھا دیا اب جو عذاب میں جائے گا اپنے اختیار سے جائے گا۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا اور رسولوں کا یہ پیغام تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے اتباع سے دور رہو) مخاطبین میں دونوں طرح کے لوگ ہوئے بعض کو تو اللہ نے ہدایت دی جنہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بات مانی اور ان پر ایمان لائے اس کو فرمایا ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ﴾ اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کفر پر اڑے رہے حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر کان نہ دھرا اور ان پر ایمان نہ لائے اسی کو فرمایا ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ جن لوگوں سے قرآن نے خطاب فرمایا ان کے سامنے حق کی دعوت رکھ دی اور پرانی امتوں میں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا تھا ان پر جو عذاب آئے ان کو بیان فرما دیا یہاں بھی منکرین و مکذبین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔)

رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں اس بات کا بہت زیادہ تقاضا تھا کہ جن لوگوں کے سامنے حق کی دعوت پیش کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلا رہا ہوں یہ لوگ ایمان قبول کر ہی لیں، لیکن سارے انسانوں کا اسلام قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر میں نہیں ہے اس لیے ارشاد فرمایا ﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ﴾ (اگر آپ حرص کریں تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا

Marfat.com

جسے گمراہ فرماتا ہے۔)

آپ اپنا کام کرتے رہیں جسے ایمان نہیں لانا وہ ایمان نہ لائے گا۔ ﴿وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ اور جو لوگ گمراہی اختیار کریں گے اور اس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا، اگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم اللہ کے علاوہ جن لوگوں کی پرستش کرتے ہیں وہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے یہ ان کی جہالت اور حماقت ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾ لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

''اور ان لوگوں نے خوب زوردار طریقے پر اللہ کی قسم کھائی کہ جو شخص مرجاتا ہے اللہ اسے نہ اٹھائے گا، ہاں اللہ ضرور اٹھائے گا، یہ پکا وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے ذمہ لازم کیا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، تاکہ اللہ ان لوگوں کے لیے ان باتوں کو بیان فرمادے جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے، ہم جس کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں اس کے بارے میں ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہوجا لہٰذا وہ وجود میں آجاتی ہے۔''

منکرین کا قسم کھانا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کرکے نہ اٹھائے گا، ان کی اس بات کی تردید اور اس کا اثبات کہ اللہ تعالیٰ کے ''کن'' فرمادینے سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے

گزشتہ آیات میں مشرکین کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے اور توحید کے منکر تھے، حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سمجھایا لیکن وہ نہ مانے پھر تکذیب کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے، ان آیات میں منکرین بعث کا ذکر ہے۔ مشرکین اور دوسرے کفار بعث اور حشر یعنی قیامت کا انکار کرتے تھے اور انکار بھی سطحی انداز میں نہیں بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی زوردار قسم کھا کر یوں کہا کہ جو لوگ مرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ نہ فرمائے گا، ان کے جواب میں فرمایا بلیٰ جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا انکار کرنا اور قسم کھانا یہ سب جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ بندوں کو ضرور زندہ فرمائے گا، یہ اس کا پختہ وعدہ ہے اس کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے، نہ جاننا اور ان کا نہ ماننا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا نہ ہو، قیامت ضرور قائم ہوگی قبروں سے ضرور اٹھیں گے فیصلے ہوں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ واضح طور پر ان چیزوں کو بیان فرمادیں گے جن کے بارے میں لوگ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات بتاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سناتے تھے اور یہ کافر ان کو نہیں مانتے تھے، نیز اس دن کافروں کو بھی اپنے جھوٹا ہونے کا یقین ہوجائے گا، کفر اختیار کرکے جو یہ کہتے تھے کہ اللہ ہم سے ناراض ہے تو ہمیں جبراً روک کیوں نہیں دیتا اور یوں کہتے تھے کہ قیامت قائم نہ ہوگی اور رسولوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں ان سب باتوں میں ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوجائے گا۔

لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد لوگ کیسے زندہ کیے جائیں گے اللہ جل شانہٗ نے ان کا استبعاد دور فرمایا اور اپنی قدرت کاملہ بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ (کہ جب ہم کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کریں تو ہمارا یہ فرمادینا کافی ہے کہ ہوجا لہٰذا وہ چیز وجود میں آجاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے پیدا فرمانے پر قدرت ہے، کسی بھی چیز کا پیدا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے، جس نے پہلے سب کو پیدا فرمایا وہ اس بات پر کیسے قادر نہ ہوگا کہ دوبارہ پیدا فرمادے،

Marfat.com

قیامت اور بعث ونشر کا انکار کرنے والے یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ہے لیکن یہ بات نہیں مانتے کہ موت کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے۔ سورہ ق میں ان کے استبعاد کو دور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ﴾ (کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے) اور سورہ یٰسین میں فرمایا ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ ان گلی ہوئی ہڈیوں کو وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) جس کے ﴿كُنْ﴾ (ہو جا) فرمانے سے ہر چیز کا وجود ہو جاتا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا فرمائے گا جہالت ہے اور حماقت ہے۔ ﴿كُنْ﴾ فرمانے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں ضروری بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان جلد اول)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲

"اور جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور بالضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے، اور یہ بات یقینی ہے کہ آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش یہ لوگ جان لیں، وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا و آخرت کی خیر وخوبی کا وعدہ

مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی تو مشرکین مکہ کو بہت زیادہ ناگوار ہوا یہ لوگ آپ کے بھی دشمن ہو گئے اور جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے ان سے بھی دشمنی کرتے تھے، شروع میں عموماً ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دنیاوی اعتبار سے بڑے نہیں سمجھے جاتے تھے یہ لوگ پردیسی تھے مالی اعتبار سے کمزور تھے اور ان میں بعض غلام تھے مکہ کے مشرک انہیں مارتے پیٹتے تھے اور بہت تکلیف پہنچاتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حبشہ جانے کی اجازت دے دی، حبشہ میں نصرانی حکومت تھی یہ حضرات وہاں پہنچ آرام سے رہنے لگے لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے وہاں بھی پیچھا کیا وہاں جا کر بادشاہ کو بہکایا اور ورغلایا اور کہا کہ ہمارے وطن کے کچھ لوگ جو نوعمر ہیں اور بے وقوف ہیں انہوں نے نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ اور وہ تمہارے ملک میں آ گئے ہیں ان کو واپس کیا جائے، بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم سنائی اور پوری کیفیت بتائی کہ ہم لوگ دینی اعتبار سے ایسے ایسے بدحال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھیجا ہم نے ان کا اتباع کر لیا، یہ لوگ دشمنی کرتے ہیں اور ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں اسی لیے ہم تمہارے ملک میں آ گئے ہیں، یہ سن کر بادشاہ اور اس کے متعلقین مطمئن ہو گئے اور ان حضرات کو حبشہ میں اطمینان سے رہنے کا موقع مل گیا پھر ان میں سے بعض حضرات واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور بعض حضرات وہیں رہتے رہے اور ۸ ہجری میں دوسری ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، ان سے پہلے وہ حضرات مکہ معظمہ سے آ چکے تھے جنہوں نے براہ راست مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی، بعض حضرات نے دو ہجرتیں کیں حبشہ بھی پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ چلے آئے اور بعض حضرات نے ایک ہی مرتبہ ہجرت کی یہ ہجرتیں مشرکین کے ظلم کی وجہ سے تھیں، آیت بالا میں ہجرت کرنے والوں سے ایک تو وعدہ فرمایا ہے کہ ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے دوسرے انہیں آخرت کے اجر سے باخبر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حبشہ میں بھی ان کو اچھا ٹھکانہ دیا اور مدینہ میں بھی، اپنے وطن اور اعزہ واقرباء، مال جائیداد وغیرہ کو چھوڑ دینا جہاں پیدا ہوئے پلے بڑھے آسان نہیں ہے لیکن حضرات صحابہ نے سب کچھ قربان کر دیا تکلیفیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی انہیں اچھا ٹھکانہ دیا اور آخرت کے ثواب کی بھی خوشخبری دی اور فرمایا ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ کہ آخرت کا ثواب اس دنیاوی آرام وراحت اور مال ودولت سے بدرجہا بڑا ہے۔

ساتھ ہی ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ بھی فرمایا اس کی ضمیر کس طرف راجع ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بطور جملہ معترضہ کافروں کے

Marfat.com

بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اور ہجرت کا آخرت والا ثواب جان لیتے تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو عین الیقین کے درجہ میں اپنی ہجرت کا ثواب معلوم ہو جاتا تو اور زیادہ دینی کاموں میں مشقت برداشت کرتے اور ہجرت کرنے میں جو سختیاں اور دشواریاں برداشت کیں ان پر اور زیادہ خوش ہوتے۔ (روح المعانی ص ۱۴۶ ج ۱۴)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

''اور آپ سے پہلے ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، سو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے، ان رسولوں کو دلائل اور کتب کے ساتھ بھیجا، اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور تا کہ وہ لوگ فکر کریں۔''

ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ انسان ہی تھے مشرکین مکہ کو یہ بات مستبعد معلوم ہو رہی ہے کہ ان کے پاس جو رسول آیا وہ انسان ہے حالانکہ رسول اور بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ انسانوں کی طرف انسان ہی کا مبعوث ہونا حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے پھر فرمایا ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل الذکر سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں مشرکین مکہ تجارت کے لیے سال میں دو مرتبہ شام جایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں پر ان کا گزر ہوتا تھا اور راستے میں نصرانیوں کے راہبوں سے بھی ملاقات ہوتی تھی جو جنگلوں میں رہتے تھے اور شام میں نصرانیوں کی حکومت تھی وہاں نصرانی بہت تھے ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ مشرکین مکہ جانتے تھے کہ یہودی اور نصرانی دین سماوی کے مدعی ہیں اسی لیے انہوں نے مدینے کے یہودیوں سے معلوم کیا تھا کہ ہم صحیح راہ پر ہیں یا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی ہدایت پر ہیں، جس کا ذکر سورۂ نساء رکوع ۸ میں گزر چکا ہے، اہل مکہ انہیں صاحب علم سمجھتے تھے اس لیے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ سے معلوم کر لو سابقین انبیائے کرام علیہم السلام انسان تھے یا فرشتے تھے یا اور کسی جنس سے تھے ان سے پوچھو گے تو یہی بتائیں گے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو نبی اور رسول آتے تھے وہ سب بشر تھے اور آدمی ہی تھے، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا مذہب ایک نہیں تھا لیکن مشرکین چونکہ انہیں اہل علم سمجھتے تھے اس لیے ارشاد فرمایا کہ ان سے پوچھ لو۔

﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ﴾ جار مجرور کس سے متعلق ہے اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھیں ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا﴾ سے متعلق ہے یعنی وما ارسلنا الا رجالا بالبینات والزبر اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں انزلنا مقدر ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ارسلنا مقدر ہے یعنی اَرْسَلْنٰكَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ کہ ہم نے آپ کو کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ اور ان مضامین کے ساتھ بھیجا جو کتب سابقہ میں بیان کیے گئے ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے اس صورت میں ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ﴾ ارسلنا مقدر پر معطوف ہوگا۔

منکرین حدیث کی تردید

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ﴾ میں قرآن کو ذکر بتایا کیونکہ وہ عبرتوں اور ''موعظتوں'' پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی یوں فرمایا ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس ذکر کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) اس میں یہ بتا دیا کہ آپ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب بندوں تک پہنچا دیں بلکہ اس کا بیان کرنا بھی آپ سے متعلق تھا، اس میں ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید ہے جو یوں

Marfat.com

کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (العیاذ باللہ) ایک ڈاکیے کی سی ہے۔ انہوں نے قرآن لا کر دے دیا اب ہم اس کو خود سمجھ لیں گے یہ ملحد خود تو زندیق بن ہی چکے ہیں اب چاہتے ہیں کہ امت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں، جب رسول اللہ ﷺ کو درمیان میں سے نکال دیں گے تو عمل کرنے کے لیے پاس رہے گا کیا؟ قرآن مجید میں تو مجمل طریقے پر احکام بیان کیے گئے ہیں اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، سورہ نساء میں رسول کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت بتایا ہے اور سورہ آل عمران میں آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ اور سورہ احزاب میں آپ کو مقتدیٰ بتایا ہے اور آپ کی ذات گرامی کو عمدہ نمونہ فرمایا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ جو شخص قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ احادیث شریفہ میں واردشدہ تفصیلات کے مطابق قرآن پر عمل کرے۔ حدیث کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید پر چل ہی نہیں سکتا قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہو تو ہاتھ منہ دھولو اور سر کا مسح کر لو جس کو سب عوام وخواص وضو کہتے ہیں لیکن یہ بات کہ کتنی کتنی مرتبہ دھوئے قرآن مجید میں نہیں ہے اور پھر اس وضو کو توڑنے والی کیا چیزیں ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی، نماز میں نظر کہاں رہے، ہاتھ کہاں ہوں، ہر رکعت میں کتنے رکوع ہیں کتنے سجدے ہیں قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا، قرآن مجید میں حج وعمرہ پورا کرنے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ دونوں کس طرح ادا ہوتے ہیں حج کس تاریخ میں ہوتا ہے طواف میں کتنے چکر ہیں، کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں ختم ہوتا ہے، صفا مروہ کے درمیان کتنی مرتبہ آنا جانا ہے احرام کس طرح باندھا جاتا ہے، عمرہ میں کیا افعال ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے میت کو غسل دیا جانا اور کفن دفن کا طریقہ بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکاح انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے اس کا انعقاد کس طرح ہوتا ہے اور دیت (خون بہا) میں کیا دینا پڑتا ہے ایک جان کی دیت کتنی ہے اور مختلف اعضاء کی دیت میں کیا دیا جائے یہ سب چیزیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، قرآن مجید میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے کیا ایک چنا اور ایک لاکھ روپے چرانے کا ایک ہی حکم ہے، پھر اگر دوسری بار چوری کرے تو کیا کیا جائے، قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے اس میں کیا تفصیل ہے متفرق کر کے مارے جائیں یا متواتر، ان سب چیزوں کا جواب قرآن مجید میں نہیں ہے، مذکورہ بالا چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں آپ کے بیان فرمانے کے مطابق ہی عمل کیا جائے تب قرآن مجید پر عمل ہوگا۔

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ دین کامل ہے اور بے شمار احکام ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں اور جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بیان اور تشریح کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں ہو سکتا اور یہ بیان وتشریح کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر آیت شریفہ میں واضح طور پر مذکور ہے۔ منکرین حدیث کی یہ کیسی جاہلانہ بات ہے کہ جس پر قرآن مجید نازل ہوا اس کا بیان فرمانا اور اس کی تشریح اور تفہیم معتبر نہ ہو اور ان جاہلوں کی تفہیم اور تشریح معتبر ہو جائے، جو لوگ انکار حدیث کا فتنہ لے کر اٹھے ہیں نہ صرف ونحو سے واقف ہیں نہ بلاغت وفصاحت سے، نہ انہیں صیغوں کی پہچان ہے نہ حروف اصلیہ وزائدہ کی نہ مادہ اشتقاق سے باخبر ہیں لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کر کے خود گمراہ ہو چکے ہیں اور امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے جو شخص قرآن کو ماننے کا دعویٰ دار ہے وہ قرآن کی ان آیات کو کیوں نہیں مانتا جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اقتداء اور اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بات سچی یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کا شوشہ نکالا ہے یہ لوگ خود سے سوچنے اور کرنے والے نہیں ہیں ان کو یہود ونصاریٰ نے اور مشرکین نے اس کام پر لگایا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنوں کا کھلونا بن گئے ہیں ﴿اعاذ اللہ الامة المسلمة من اباطیلهم﴾ آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (تاکہ یہ لوگ فکر کریں) قرآن مجید میں جو عبرت وموعظت اور جو واضح بیانات ہیں اور

Marfat.com

جو آیات تکوینیہ مذکور ہیں ان میں فکر کرنے سے ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾

''جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو یا اللہ ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے سو یہ لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہیں یا ان کو کم کرتے کرتے پکڑ لے سو بلا شبہ تمہارا رب بڑا مہربان بڑا رحیم ہے۔''

معاندین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف نہ ہوں

ان آیات میں معاندین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اپنے عناد اور سرکشی کی وجہ سے جو حق کو آگے بڑھنے سے روکنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ حق کو نہ خود مانیں نہ دوسروں کو قبول کرنے دیں یہ لوگ دنیا کی تھوڑی سی کھانے پینے والی اور آرام و راحت والی زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہیں، کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ انہیں زمین میں دھنسا دیا جاوے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آجائے جس کی انہیں خبر بھی نہ ہو یا اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں چلتے پھرتے پکڑ لے یا ان کی اس طرح گرفت فرما دے کہ ان کی جانوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے اور ان کے اموال گھٹتے چلے جائیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے چلنے پھرنے کی حالت میں پکڑ لے اور عذاب میں مبتلا فرما دے تو یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتے اور بھاگ کر اسے عاجز نہیں کر سکتے وہ جس طرح عذاب دینا چاہے اور جس طرح گرفت فرمانا چاہے اسے پوری قدرت ہے۔ ﴿فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ گرفت فرمانے پر قدرت رکھتا ہے اور جس طرح چاہے گرفت فرمالے اسے اختیار ہے لیکن وہ مہلت دیتا ہے رحم فرماتا ہے حق کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دیتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ﴾ ای مخافة وحذر من الهلاك والعذاب بان يهلك قوما قبلهم او يحدث حالات يخاف منها غير ذلك كالرياح الشديدة الصواعق والزلازل فيتخوفوا فياخذهم بالعذاب وهم متخوفون ويروى نحوه عن الضحاك وقال غير واحد من الاجلة على ان ينقصهم شيئا فشيئا في انفسهم و اموالهم حتى يهلكوا من تخوفته اذا تنقصه و روى تفسيره بذالك عن ابن عباس و مجاهد والضحاك ايضا

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿٥٠﴾

''کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں ان کے سائے داہنی طرف اور بائیں طرف کو اس طرح جھکتے ہیں کہ وہ اللہ کے فرمانبردار ہیں اور عاجز ہیں، اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے حیوانات اور فرشتے یہ سب اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے، وہ اپنے رب کی شان قاہریت سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

Marfat.com

ہر مخلوق فرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں

ان آیات میں بندوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اپنی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو کیوں نہیں دیکھتے؟ ان میں غور کرو اور دیکھو کہ ان کا سایہ دائیں طرف بائیں طرف جو زمین پر پڑتا ہے اس سائے میں بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان خالقیت ظاہر ہو رہی ہے یہ سائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتے ہیں یہ سائے اسی طرف جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اس کے حکم کے سامنے عاجز محض ہیں، اور سایوں پر اور سایہ والی چیزوں پر کچھ منحصر نہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، ان میں حیوانات بھی ہیں اور فرشتے بھی، اور یہ فرشتے تکبر نہیں کرتے فرمانبرداری اور اطاعت ہی ان کا شعار ہے، فرشتے اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور قاہر اور غالب ہے اور اس سے ڈرتے ہیں کہ اس کی طرف سے کوئی گرفت نہ ہو جائے قال صاحب الروح ص ۵۸ ج ۳ و معنی کونه سبحانه فوقهم قهره وغلبته لان الفوقية المكانية مستحيلة بالنسبة اليه تعالىٰ (وقال ایضا) وخوف ربهم كناية عن خوف عذابه (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کے اوپر ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر اور غلبہ ہے کیونکہ مکانی برتری اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محال ہے اور فرمایا ان کے رب کا خوف کنایہ ہے اس کے عذاب کے خوف سے) اور علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں ﴿(هو) كقوله تعالىٰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾

سایوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا ہے اسی طرف سایہ پڑتا ہے اور سایہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور گھٹتا بھی ہے ہر طرح کا تصرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور سب تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے منقاد اور فرمانبردار ہیں اس لیے ﴿سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ فرمایا ہے سورہ فرقان میں فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا﴾ (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اس نے سایہ کو کس طرح پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا) جب آفتاب نکلتا ہے تو ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا جاتا ہے پھر جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا ہے سایہ کم ہوتا جاتا ہے بظاہر سایہ کا وجود آفتاب کے چلنے اور اس کے سامنے اجسام کثیف آنے کی وجہ سے ہے لیکن خود آفتاب کی حرکت ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور پھر سایوں کا وجود میں آنا اور گھٹنا بڑھنا یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ذرا سا بھی سایہ نہ ہو، سایہ کا ایک مثل دو مثل ہونا سایہ کے بڑھنے ہی کی وجہ سے ہے اللہ چاہتا تو سایہ ایک ہی جگہ پڑا ٹھہرا رہتا جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے نہ آفتاب خود کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ سایہ، سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

سایوں کی فرمانبرداری بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جو بھی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں سب اللہ کی فرمانبردار ہیں، تکوینی طور پر ان کا وجود اور ان کی کیفیات اسی طرح سے ہیں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے ان میں شمس و قمر، ستارے، درخت، پہاڑ اور چوپائے بھی ہیں جیسا کہ سورۂ حج کے دوسرے رکوع میں ان چیزوں کا خصوصی تذکرہ ہے۔ یہاں سورہ نحل میں من دابة یعنی زمین پر جو چیزیں چلتی پھرتی ہیں وہ سب اللہ کی فرمانبردار ہیں، پھر خاص طور پر فرشتوں کا تذکرہ فرمایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اور اس کے قہر اور غلبہ کے سامنے اپنے اندر کوئی بڑائی محسوس نہیں کرتے، سورہ نساء میں فرمایا ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ (مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے) جتنی جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس کی شان بندگی بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا اور مانتا ہے، فرشتوں کو تو بہت زیادہ معرفت حاصل ہے وہ کیوں کر عبادت گزار اور فرمانبردار نہ ہوں گے، نہ صرف یہ کہ وہ عبادت گزار اور سجدہ ریز ہیں بلکہ وہ اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

Marfat.com

فائدہ: آیت شریفہ میں ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ﴾ فرمایا اس سجدہ سے مفسرین نے مطیع اور فرمانبردار ہونا مراد لیا ہے کیونکہ ظاہری حال میں ہر چیز سے سجدہ کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا لیکن مخلوقات میں جو جماعتیں ذوی العقول ہیں (فرشتے اور انسان اور جن) ان کا سجدہ حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے طور پر نہیں بلکہ اس طرح سے کہ جو سجدہ ریز ہیں وہ فرمانبرداری ہی کے ذیل میں سجدہ کرتے ہیں جن لوگوں کو اختیار دیا گیا ہے ان لوگوں کا مومن ہونا اور پھر اپنے اختیار سے سجدہ کرنا یہ انقیاد کا اعلیٰ درجہ ہے اہل ایمان تکوینی طور پر منقاد ہیں اور تشریعی طور پر بھی ہاں جو لوگ اہل ایمان نہیں ہیں وہ تکوینی طور پر منقاد ہیں اس لیے سورہ حج میں ﴿وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ فرمایا۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

''اور اللہ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ، وہ صرف ایک ہی معبود ہے، سو تم مجھ ہی سے ڈرو، اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور فرمانبرداری کرنا صرف اسی کا حق ہے، کیا تم اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو، پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک جماعت اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے تاکہ وہ ہماری اس نعمت کے منکر ہو جائیں، سو تم نفع حاصل کر لو، پھر عنقریب جان لو گے۔''

معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں، آسمان میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (مخلوق اور مملوک اپنے خالق اور مالک کے برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا معبود بھی نہیں ہو سکتے) جب سب کچھ اسی کی ملکیت ہے تو ہمیشہ اسی کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے لازمی طور پر ہمیشہ اسی کی عبادت کرو جب اس کی اطاعت لازم ہے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے سے ڈرنے کا کوئی موقع نہیں اسی کو فرمایا ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ﴾ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے جو ڈر کے مارے بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پوجا نہ کی تو یہ ہمیں تکلیف پہنچائیں گے۔ ﴿قوله تعالیٰ وَاصِبًا فسر بثلاثة معان (الاول) دائما (والثانی) واجبا (والثالث) تاعبا ای تجب طاعة الله تعالیٰ ان تعب العبد فيها قاله القرطبی﴾ (واصبًا کی تفسیر تین معانی کے ساتھ کی گئی ہے (۱) دائماً (ہمیشہ) (۲) واجبًا (ضروری حق) (۳) تاعباً یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس قدر واجب ہے کہ بندہ اس میں اپنے آپ کو تھکا دے) ﴿وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ (اور جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں) ﴿ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾ (پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اسی کی طرف متوجہ ہو کر گڑگڑاتے ہو اور فریاد کرتے ہو) جب ساری نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور دکھ تکلیف بھی اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں تو شرک کیوں کرتے ہو؟ اس کے علاوہ دوسروں کی پوجا کر کے ہلاکت میں مبتلا نہ ہوں۔

﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ (پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت کو دور فرما دیتا ہے تو تمہیں میں سے ایک جماعت کا یہ حال ہے کہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جس میں یہ بھی

Marfat.com

ہے کہ اس کی عطا فرمودہ نعمتوں کو گناہوں میں استعمال کرتے ہیں شرک کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور بتوں کے لیے حصے مقرر کرتے ہیں جس کی کچھ تفسیر سورہ انعام میں گزر چکی ہے، ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنی ذات کو عذاب میں دھکیلنے کا کام کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا ﴿فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی نفع اٹھالو مزے اڑالو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ان حرکتوں کا انجام کیا ہے، مرتے وقت اور دم نکلتے ہی جب عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر قیامت کے دن دوزخ میں داخل ہوں گے اس وقت شرکیہ کرتوتوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

''اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں، اللہ کی قسم تم سے اس بارے میں ضرور ضرور پرسش ہوگی جو تم افترا پردازی کرتے ہو، اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے اپنی چاہت کی چیز، اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے، اسے جو بشارت دی گئی اس کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپا ہوا رہتا ہے آیا اسے ذلت پر روکے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے، خبردار ان کے فیصلے برے ہیں، جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے، اور اللہ کے لیے بلند صفات ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

مشرکین کی بھونڈی تجویز، اللہ کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے تجویز کرتے ہیں خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے

مشرکین جو شرک کرتے ہیں اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مال کا کچھ حصہ باطل معبودوں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جس کی تفسیر سورہ انعام کی آیت ﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ﴾ (الی اخر الایة) میں گزر چکی ہے۔ مال تو دیا اللہ نے اس میں شریک کر دیا باطل معبودوں کو اور اوپر سے یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے، اس لیے فرمایا ﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ (کہ اللہ کی قسم تم سے افتراء پردازیوں کے بارے میں ضرور ضرور سوال ہوگا اور سورہ انعام میں فرمایا ﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ (وہ عنقریب ان کی افتراء پردازیوں کا بدلہ دے گا۔)

اس کے بعد مشرکین کا ایک اور شرکیہ عقیدہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا اور یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ہی شرک ہے وہ اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو، سورہ مریم میں فرمایا ﴿وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے گالی دی اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے

Marfat.com

حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے، مشرکین کی بھونڈی عقل تو دیکھو کہ اول تو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بتا کر مشرک ہوئے پھر جو اولاد تجویز کی وہ بھی لڑکی، جبکہ اپنے ہاں لڑکی کا پیدا ہونا برا سمجھتے ہیں اور اپنے لیے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں، سورہ زخرف میں فرمایا ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا﴾ (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے) اپنے لیے لڑکیاں پسند نہیں کرتے اور اللہ کی اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو لڑکیاں تجویز کر دیں۔ سورہ زخرف میں فرمایا ﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ (کیا اللہ نے اپنی اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند فرمایا جو زیور میں نشو ونما پائے اور جو جھگڑے میں قوت بیان نہ رکھتی ہو) صنف ضعیف کو اللہ کی بیٹیاں بتا رہے ہیں، بیوقوفی کی انتہا ہے۔

اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور اپنا حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو خبر ملے کہ اس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس خبر سے اس کا چہرہ سیاہ یعنی بے رونق ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹا گھٹا پھرتا رہتا ہے، لوگوں کے سامنے آنے میں عار محسوس کرتا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے کہ لوگ یہ عیب نہ لگائیں کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور ساتھ ہی اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے روکے رکھوں یا عار سے بچنے کے لیے زمین میں گاڑ دوں، پھر ہوتا یہ تھا کہ بچی کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رواج کی وجہ سے لوگوں کے سامنے آ کر اپنے کو باعزت قرار دیتے تھے گویا انہوں نے بہت بڑا عزت کا کارنامہ انجام دیا کہ اپنی لڑکی کو زندہ دفن کر دیا سورہ تکویر میں فرمایا ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ (اور جب زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں سوال کیا جاوے گا کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی) عرب جن جہالتوں میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ جہالت بھی تھی۔ رواج نے انہیں سخت دل بنا دیا اپنی زندہ بچی کو دفن کرتے ہوئے ذرا رحم نہیں آتا تھا عورت اسلام سے پہلے بالکل بے حیثیت تھی، اس سے بڑی بے آبروئی کیا ہوگی، کہ بچی پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھی، اور ہندوستان میں تو یہ حال تھا کہ شوہر مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اسلام نے عورت کو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بتائے بچیوں کی پرورش کا ثواب بتایا اسے عزت کے ساتھ گھر میں رہنے کا حکم دیا پھر بھی عورتوں کی ناسمجھی پر افسوس ہے کہ دور حاضر کے ملحدوں اور زندیقوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنی ذات کو بے آبرو کر رہی ہیں بے پردہ پھرنے میں گندی زندگی گزارنے میں ہنر سمجھتی ہیں شوہروں کے بجائے دوست تلاش کرتی پھرتی ہیں آخر میں فرمایا ﴿اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ (خبردار ان کے فیصلے برے ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا ہی بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے پھر اولاد بھی تجویز کی تو ایسی چیز تجویز کی جسے اپنے لیے سبب ذلت اور موجب عار سمجھتے ہیں۔

﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ﴾ (جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے) (کہ دنیا میں جہالت اور حماقت میں مبتلا ہیں اور آخرت میں عذاب اور ذلت میں مبتلا ہوں گے) ﴿وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ (اور اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں) اس کا وجود ذاتی ہے اس کی قدرت کاملہ ہے، خالقیت اور مالکیت میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اولاد اس کے لیے شایان شان نہیں۔

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ عزت والا غلبہ والا ہے حکمت والا ہے، جو کچھ وجود میں ہے سب کچھ اس کی حکمت کے مطابق ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ

Marfat.com

اَلِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ع

''اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین پر کسی بھی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے سو جب ان کا وقت معین آجائے گا تو ایک گھڑی موخر نہ ہوں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے اور اللہ کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے وہ خود مکروہ جانتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے، یہ لازمی بات ہے کہ ان کے لیے دوزخ ہے اور وہ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے، اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے سو شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال اچھے کر کے دکھلائے سو وہ آج ان کا رفیق ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور ہم نے آپ پر کتاب اسی لیے نازل کی کہ آپ ان کے لیے وہ بات بیان فرمادیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اور یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں، اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا سو اس کے ذریعہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرمادیا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں۔''

لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ گرفت فرماتا تو زمین پر چلنے والوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑتا

مشرک اور کافر اپنے عقائد اور اعمال کی وجہ سے جو سراپا ظلم ہے عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ اگر چاہتا تو فوراً عذاب دیتا اور ہلاک فرمادیتا لیکن اس کی عادت اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ مہلت عطا فرماتا ہے اور جس قوم کی ہلاکت ہوتی ہے وہ میعاد مقرر تک پہنچ جاتی ہے جب میعاد معین آجاتی ہے یعنی آنے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ لوگوں کے مظالم کی وجہ سے فوری مواخذہ نہیں فرماتا، اگر وہ فوری مواخذہ فرماتا تو زمین پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔ مذکورہ بالا مضمون بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔ (یعنی بیٹیاں جنہیں اپنے لیے گوارہ نہیں کرتے، بیچ میں جملہ معترضہ تھا آگے مضمون سابق کا تکملہ ہے)

﴿وَتَصِفُ اَلۡسِنَتُهُمُ الۡكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الۡحُسۡنٰى﴾ اور ان کی زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے (یعنی وہ شرک بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے اور وہ ہمیں ہمیشہ اچھے حال میں رکھے گا) ایسا کہنے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جو کافر تھے لیکن فی الجملہ قیامت قائم ہونے کے بھی قائل تھے جیسا کہ ہندوستان کے ہندو نرگ سرگ کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے بعض حضرات نے الحسنیٰ سے جنت بھی مراد لی ہے اور منکرین کا کلام بر سبیل فرض بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کافریوں کہتے ہیں کہ بالفرض قیامت موت کے بعد اگر جنت و دوزخ کا معاملہ ہوگیا جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں تو ہمیں جنت ہی ملے گی، جھوٹے دعوے کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ﴿لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ﴾ (یہ بات لازمی ہے کہ ان کے لیے دوزخ ہے اور یہ بات بھی لازمی ہے کہ انہیں دوزخ میں دوسرے لوگوں سے پہلے جلدی بھیج دیا جائے گا۔)

پھر فرمایا ﴿تَاللّٰهِ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ (الآیۃ) اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے جنہوں نے حق کی دعوت دی، شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے پیش کیا اور ان کے دلوں میں کفر و شرک کو اچھا کر دکھایا (لہٰذا انہوں نے شیطان ہی کی بات مانی اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بری طرح پیش آئے، جس طرح ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اور یہ جان لیں کہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔)

Marfat.com

جب شیطان کی بات مانی تو وہ ہی دنیا میں ان کا ولی بنا اور آخرت میں بھی وہی ولی ہوگا اور اس کی دوستی انہیں لے ڈوبے گی اور اس کے ساتھ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ (الآیة) اور ہم نے آپ پر قرآن اسی لیے نازل کیا کہ جن چیزوں میں لوگ اختلاف کررہے ہیں آپ ان کے سامنے واضح طور پر حق واضح فرمادیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں میں اختلاف تھا کہ مردے زندہ ہوں گے یا نہیں اور فلاں چیز اللہ کے نزدیک حلال ہے یا حرام اور توحید میں بھی اختلاف رکھتے تھے بعض لوگ توحید کے قائل تھے اور اکثر شرک میں مبتلا تھے، شرک والے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو واضح طور پر حق بیان فرمادیا اب جو شخص حق کو نہ مانے گا وہ اپنا برا کرے گا۔

﴿وَ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں) حقیقت میں تو قرآن سبھی کے لیے ہدایت ہے لیکن چونکہ سب لوگ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور صرف اہل ایمان ہی قبول کرتے ہیں اس لیے نتیجہ کے طور پر ان ہی کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس قرآن مجید میں جو ایمان اور روحانی غذا ہے اس کے نازل فرمانے کا ذکر کر کے جسمانی غذا کا تذکرہ فرمایا ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد پانی کے ذریعے زندہ فرمایا) جب زمین ہری بھری ہوگئی اور اس میں سے طرح طرح کے پھل میوے سبزیاں ترکاریاں حاصل ہوئیں تو انسانوں کے لیے اور ان کے جانوروں کے لیے غذا بن کر زندگی کا سہارا ہوگیا اللہ تعالیٰ نے زندگی بھی دی روحانی غذا بھی دی یعنی قرآن مجید عطا فرمایا اور اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہادی بنا کر مبعوث فرمایا اور جسمانی غذا بھی دی یہ سب اس کا فضل ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ (اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں) یعنی دلائل سے منتفع ہوتے ہیں اور قادر اور خالق و مالک پر ایمان لاتے ہیں جس کی رحمت سے ہدایت کا بھی انتظام ہوا اور کھانے پینے کو بھی ملا۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ
الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ
اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾

''اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں اس چیز میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے ایسا دودھ جو خالص ہے پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اترنے والا ہے، اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے ہم تمہیں رزق دیتے ہیں ان سے تم نشہ کی اور کھانے کی عمدہ چیز بناتے ہو، بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں، اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور ان عمارتوں میں جو لوگ اونچی اونچی بناتے ہیں، گھر بنا، ہر قسم کے

Marfat.com

پھلوں میں سے کھا پھر تو اپنے رب کے راستوں میں چل جو آسان کردیئے گئے ہیں، اس کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں، اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچادیئے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانیں، بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے قدرت والا ہے۔''

چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لیے عبرت ہے

ان آیات سے پہلے بارش کی نعمت کا تذکرہ تھا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرمادیتا ہے اور اس سے طرح طرح کی غذائیں ملتی ہیں ان آیات میں اولاً دودھ کا اور ثانیاً سکر کا اور اس کے ساتھ رزق حسن کا ثالثاً شہد کا تذکرہ فرمایا۔

دودھ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دیکھو چوپایوں میں تمہارے لیے عبرت ہے چوپایوں سے دودھ کے جانور مراد ہیں غور کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے پیٹوں سے دودھ نکال کر پلاتا ہے یہ جانور چارہ اور گھاس پھونس کھاتے ہیں اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر بھی اور دودھ بھی، یہ دودھ خون اور گوبر کے درمیان سے صاف ستھرا خالص نکلتا ہے اس میں ایک ذرہ بھی گوبر یا خون کا نہیں ہوتا، اور اس دودھ کا پینا نہایت سہل ہے آسانی سے گلے میں اتر جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے جانوروں نے کھایا تھا گھاس پھونس اور اس سے پیدا ہوا دودھ، یہ دودھ پیدا ہوا تو چھوٹوں اور بڑوں کے لیے غذا بن گیا۔ معالم التنزیل میں ص ۷۵ ج ۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جانور جب چارہ کھاتا ہے اور اس کے معدہ میں جگہ پکڑ لیتا ہے اور معدہ اسے پیتا ہے تو نیچے گوبر، درمیان میں دودھ اور اوپر خون بن جاتا ہے، پھر باذن اللہ تعالیٰ جگر اپنا کام کرتا ہے خون رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر اپنی جگہ رہ جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں سے اور زیادہ دے) عام کھانے کی دعا میں اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ فرمایا اور دودھ پینے میں وَزِدْنَا مِنْهُ فرمایا اس کا سبب آنحضرت ﷺ نے خود ہی بتادیا فانه ليس شيء من الطعام والشراب الا اللبن کہ دودھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۸ ج ۲)

دودھ کا تذکرہ فرمانے کے بعد نخیل اور اعناب کے پھلوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ہم نے تمہیں کھجور اور انگور کے پھل عطا کیے جن سے تم سکر اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، کھجوروں اور انگوروں کی مٹھاس اور غذائیت کو لوگ عام طور سے جانتے ہیں ان دونوں سے عمدہ چیزیں بناتے ہیں اچھا رزق تیار کر کے کھاتے ہیں، اس میں جو لفظ ''سکر'' وارد ہوا ہے۔ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ نشہ والی چیز کیا ہے اور یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نشہ تو حرام ہے جو چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے اس کو مقام امتنان میں یعنی احسان کرنے کے بیان میں کیسے ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ نحل مکی ہے اس وقت تک نشہ والی چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں لوگ شراب سے منتفع ہوتے تھے لہٰذا اس کا تذکرہ فرمادیا، لیکن چونکہ بعد میں حرام ہونے والی تھیں اس لیے خوبی پر دلالت کرنے والا کوئی کلمہ ذکر نہیں فرمایا اور اس کے علاوہ انگور سے جو دوسری عمدہ چیزیں تیار کر لیتے ہیں انہیں رزق حسن سے تعبیر فرمایا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یوں مروی ہے کہ اہل حبشہ کی لغت میں سرکہ کو سکر کہتے ہیں (گویا لفظ سکر یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے) اور صاحب معالم التنزیل نے ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکر سے طعم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایسی کھانے کی چیزیں دیں جن میں مزہ اور لذت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔)

اس کے بعد شہد کی مکھی کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور

Marfat.com

لوگوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں گھر بنا یعنی شہد کے لیے چھتہ تیار کرلے اور شہد کی مکھی سے فرمایا کہ تو پھلوں میں سے کھالے یعنی چوس لے اور اس کام کے لیے اللہ کے بنائے راستوں میں آنا جانا، یہ راستے شہد کی مکھی کے لیے آسان فرمادیئے تھے، جب وہ پھلوں سے رس چوس کرآتی ہے تو چوسا ہوا مواد ان چھتوں میں جمع کرتی ہے جو پہلے سے بنا رکھے تھے، یہ جمع شدہ مواد جسے شہد کی مکھیاں چوس چوس کرلاتی ہیں عسل یعنی شہد ہے اس کو پیتے ہیں یہ میٹھی مقوی چیز ہے اور اس کا رنگ بھی مختلف ہے شہد ایک میٹھی غذا ہی نہیں دوادارو کے لیے بھی اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ﴿فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بالشفائین العسل والقرآن کہ تم ایسی دو چیزوں کو لازم کرلو جو سراپا شفا ہیں ایک شہد دوسرے قرآن (مشکوۃ المصابیح ص ۳۹۱) مطلب یہ ہے کہ اپنے امراض کے علاجوں کے لیے شہد کو استعمال کرو اور قرآن مجید پڑھ کر مریض پر دم کرو، اطبا نے شہد کے بہت سے منافع لکھے ہیں اور امراض کے لیے استعمال کرنے کے بہت سے طریقے بتائے ہیں، قرآن مجید سراپا شفا ہے تجربہ ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو زہریلے جانور نے ڈس لیا تھا جو اس علاقہ کا سردار تھا، وہ لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی، ان میں سے ایک صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا جس کے اثر سے وہ ڈسا ہوا شخص بالکل ٹھیک ہو گیا جیسے کوئی شخص رسی میں باندھا ہو پھر اسے چھوڑ دیا جائے۔ (صحیح بخاری ص ۳۰۴ ج ۱)

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں لوگوں کے لیے نشانی ہے جو فکر کرتے ہیں۔)

پھر فرمایا ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ﴾ (اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر وہ تمہیں اٹھالے گا یعنی موت دے گا) ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا﴾ (اور تم میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو نکمی عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جانتے) سمجھ اور حافظہ کی جو قوت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی جس سے جوانی میں اور بڑھاپے میں خوب کام لیا جاتا رہتا ہے جب خوب زیادہ بڑھاپا آجاتا ہے تو آدمی نکما ہو جاتا ہے جو چیزیں جانتا تھا اب انہیں نہیں جانتا اور ایک چیز کے بارے میں بار بار پوچھتا ہے حتی کہ بتانے والے بھی زچ ہو جاتے ہیں، زندگی بھر کھایا کمایا قوت وہمت کے ساتھ محنت کی چیزوں کو جانا اور پہچانا زیادہ بڑھاپا آ گیا تو اس نے بالکل ہی نکما کر دیا، اللہ تعالیٰ شانہ جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور جس حال میں رکھنا چاہتا ہے مخلوق کو اسی حال میں رہنا پڑتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بڑی قدرت والا ہے۔)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ
اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ
بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ یَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ۙ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝۷۳ۚ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴

''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی، سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح دینے والے نہیں ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں، کیا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں، اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے بیویاں بنا دیں، اور تمہاری ان بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا فرمادیئے، اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کے لیے عطا فرمائیں، کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں

Marfat.com

سے اور زمین میں سے نہیں جانتے۔ انہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں قدرت ہے، سو تم اللہ کے لیے امثال تجویز نہ کرو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اس نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں، پھر ان سے بیٹے پوتے عطا فرمائے اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا توحید کی دعوت دی ہے اور شرک سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اولاً یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے اس میں رزق سے وہ چیزیں مراد ہیں جو بندوں کی ملکیت میں آتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جو کچھ بھی عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے پھر اس انعام میں تفضیل فرمائی یعنی بعض کو بعض پر فضیلت دے دی، کسی کے پاس مال زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم ہے اس کی بیشی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اگر سبھی مالدار یا تنگدستی میں برابر ہو جائیں تو دنیا کا نظام ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتا جب سبھی برابر ہوں تو کوئی کسی سے کیسے کام لے اور کوئی کسی کا کام کیوں کرے، محنت اور مزدوری کی وجہ سے جو بہت سے کام ہو جاتے ہیں اور بہت سوں کو رزق مل جاتا ہے یہ سب ختم ہو جائیں۔ کارخانے ٹھپ ہو جائیں فیکٹریاں بند ہو جائیں ایک شخص کو کام لینے کی حاجت ہے تاکہ اس کا کارخانہ چلے اور دوسرے شخص کو پیسے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی حاجتیں پوری ہوں، پہلا شخص کام لیتا ہے پیسے دیتا ہے دوسرا شخص کام کرتا ہے اور پیسے لیتا ہے، اسی طرح سے انسانوں کی مختلف انواع کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں اور منڈیوں میں مال بھی آ رہا ہے۔ بازار بھی چالو ہیں فیکٹریوں میں بھی مال تیار ہو رہے ہیں اور کارخانے پروڈکشن کے لیے مصروف عمل ہیں۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مال دیا ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس میں یہ بات بھی ہے کہ جن کے پاس مال ہے وہ اپنے غلاموں کو مال دے کر اپنے برابر دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس کو فرمایا ﴿فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ﴾ اس میں مشرکین کی تردید فرمائی کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں دیکھ سکتے اور برابر کا درجہ نہیں دے سکتے تو تمہیں یہ کیسے گوارا ہوا کہ اللہ کی مخلوق اور مملوک کو اللہ کے برابر کر دیا اور غیر اللہ کو اللہ کی عبادت میں شریک کر دیا، تم بھی مخلوق ہو اور تمہارے غلام بھی مخلوق ہیں مخلوق کو گوارا نہیں کہ دوسری مخلوق کو اپنے برابر دیکھ لے، پھر خالق جل مجدہ کے ساتھ اس کی مخلوق کو کیسے برابر بنا دیا، اور مستحق عبادت سمجھ لیا ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾ (کیا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں) انعام تو دیا اللہ نے اور عبادت میں شریک کر لیا دوسروں کو، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت کے انکاری ہو گئے جب نعمت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے تو غیر اللہ کو معبود بنا کر یہ سمجھ لیا کہ ان سے بھی کچھ مل سکتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے انعام کا انکار لازم آتا ہے۔

اس کے بعد ازواج و اولاد کی نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے تمہیں میں سے بیویاں بنا دیں (تمہیں میں سے یعنی تمہاری جنس سے وہ بھی انسان ہیں اور تم بھی انسان ہو ہم جنس ہونے کی وجہ سے آپس میں استمتاع اور انتفاع بہت سہل ہے لذیذ ہے اور نفع بخش ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان بیویوں سے بیٹے پیدا فرمائے پھر ان بیٹوں کے بیٹے پیدا کیے جو تمہارے پوتے بن گئے اس طرح سے تمہاری نسلیں آگے چل رہی ہیں بڑھ رہی ہیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور محض اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ بیویاں عنایت فرما دیں اور بیٹے پوتے دے دیئے ان انعامات کے ساتھ کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں عطا فرما دیں ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ یَکْفُرُوْنَ﴾ (کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں) انعام فرمایا اللہ نے جو معبود حقیقی ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر اس کی نعمت کی ناشکری کرنے لگے یہ بڑی بھونڈی اور بے عقلی کی بات ہے۔

﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ﴾ (اور وہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں سے اور زمین میں سے انہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں قدرت ہے) اللہ

Marfat.com

تعالیٰ شانہ سب کو رزق دیتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی کسی کو رزق نہیں دیتا پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ رزق دینے والے کے علاوہ ان چیزوں کی عبادت کریں جنہیں رزق دینے کا ذرا سا بھی اختیار نہیں اور وہ کچھ بھی طاقت اور قدرت نہیں رکھتے، اس کے عموم میں تمام معبودان باطلہ کی تردید ہوگئی جن کی عبادت کرنے کو سابقہ آیت میں باطل پر ایمان لانے سے تعبیر فرمایا۔

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ اس کا مطلب بعض مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ اللہ کے لیے مثالیں مت گھڑو اور اپنی طرف سے باتیں بنا کر قیاس دوڑا کر اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی مثالیں بیان نہ کرو جس سے اپنے شرکیہ اعمال پر دلیل لاؤ اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ کسی کو اللہ کا مثیل نہ بناؤ یعنی کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ تجویز نہ کرو اور کسی کو معبود نہ بناؤ اس معنی کے اعتبار سے مذکورہ بالا جملہ ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ کے ہم معنی ہوگا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے) یہ تمہاری جہالت ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کر کے شرکیہ باتیں کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات وصفات کا پورا علم ہے اور تم جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہو اسے اس کا بھی علم ہے وہ اس پر مواخذہ فرمائے گا اور سزا دے گا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَ مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۷۶

''اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی، ایک غلام مملوک ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں اور ایک وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے اچھا رزق عطا کیا، سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور پر اور لوگوں کے سامنے خرچ کرتا ہے کیا یہ برابر ہو سکتا ہے؟ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے، اور اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی یہ مثال دو آدمیوں کے بارے میں ہے ان میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر قادر نہیں اور اپنے ولی پر مصیبت بنا ہوا ہے وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے کوئی خیر لے کر نہیں آتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہو اور وہ سیدھے راستہ پر ہو۔''

دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی

ان آیات میں بھی مشرکین کی تردید فرمائی اور اس بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں ایک مثال یہ ہے کہ جیسے ایک غلام ہے وہ کسی کی ملکیت میں ہے خود کسی چیز کا مالک نہیں لہٰذا کسی مال میں بھی کسی قسم کا تصرف کرنے کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خوب روزی عطا فرمائی اسے اپنے مال پر پورا اختیار ہے پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر کسی روک ٹوک کے بغیر جس طرح چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے دونوں شخصوں کا حال سامنے رکھ کر یہ مشرکین بتائیں کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ تھوڑے سے علم و فہم والا بھی جواب دینے کا ارادہ کرے گا تو یہی کہے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہے کوئی اس کے برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا کوئی عقلی اور نقلی جواز نہیں، جو لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کیا ہیں اور یہ کہ اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، اور اس کے علاوہ عبادت کا مستحق بھی کوئی نہیں، ان میں

Marfat.com

اکثر کا یہ حال ہے کہ جانتے نہیں بلکہ جاننا چاہتے بھی نہیں، اگر جاننا چاہتے تو غور و فکر کرتے اور حق کے طالب ہوتے تو ان کا یہ غور و فکر ان سے شرک چھڑا کر انہیں توحید پر ڈال دیتا، اب رہے وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے وہ کچھ رواج سے دبے ہوئے ہیں جو آبائی دین کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیاوی منافع کی وجہ سے شرک اور مشرکین سے جدا ہونا نہیں چاہتے۔ قال صاحب الروح ص ۱۹۶ ج ۱۴ ونفی العلم عن اکثرھم للاشعار بان بعضھم یعلمون ذلك وانما لم یعملوا بموجبه عنادا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان میں سے اکثر سے علم کی نفی کی یہ بتلانے کے لیے کہ ان میں سے بعض اسے جانتے ہیں مگر اس پر عمل عناد کی وجہ سے نہیں کرتے۔

دوسری مثال یوں بیان فرمائی کہ جیسے دو آدمی ہوں ان میں سے ایک پیدائشی طور پر گونگا ہو (جو بہرا بھی ہوتا ہے وہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے، اور اپنی اس حالت کی وجہ سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) کسی کے گھر ایسا بچہ پیدا ہو گیا جو بچہ اس لائق ہوتا ہی نہیں کہ وہ کسی کی خدمت کرے بلکہ جو لوگ اس کی پرورش اور برداشت کرتے ہیں ان کے لیے بھی مصیبت بنا ہوا ہوتا ہے نہ اپنی خدمت خود کر سکے نہ دوسروں کی خدمت کے لائق ہو، اور دوسرے اس کی خدمت کریں تو ان کے لیے بھی وبال، اس کو جہاں کہیں بھی بھیجا جائے کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر واپس نہیں آتا اول تو یہی پتہ نہیں ہوتا کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھ گیا ہے پھر جب کہیں جائے گا تو جن سے کوئی چیز لینی ہے یا کچھ کام لینا ہے ان کو سمجھانے سے عاجز رہے گا، اب تم سمجھ لو ایک طرف تو یہ شخص ہے جو گونگا ہے، بہرا ہے نہ یقینی طور پر بات سمجھتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے خدمت بھی نہیں کر سکتا جو لوگ اس کی خدمت کریں ان کے لیے بھی وبال جان ہے کہیں بھیجا جائے تو خیر لے کر واپس نہ آئے اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ ہے جو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت بھی عطا فرمائی ہے وہ خود بھی ٹھیک کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور عملی طور پر صراط مستقیم پر ہے، جس مطلب اور مقصد کے لیے جاتا ہے اپنے علم و عمل کو کام میں لا کر جلد ہی مفید کام کر کے واپس آ جاتا ہے یہ دو قسم کے آدمی ہیں اب بتاؤ کہ یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر سمجھ دار یہ جواب دے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے بت اور وہ سب باطل معبود جو کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں کیسے اللہ شانہٗ کے برابر ہو سکتے ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۞۷۷

''اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں، اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ قریب، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو آسمانوں کی اور زمین کی ان سب چیزوں کا علم ہے جو مخلوقات کے علم اور فہم اور عقل و ادراک سے باہر ہیں، وقوع قیامت کی جو خبر آرہی ہے اس میں اس کی تمہید ہے، مذکورہ بالا علوم غیبیہ کا تذکرہ فرما کر جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے یوں فرمایا کہ جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اس وقت اچانک آجائے گی اور ایسی جلدی اس کا وقوع ہوگا جیسے پلک جھپک جائے، پلک جھپکنے میں کچھ دیر بھی لگتی ہے اس سے بھی کم وقت میں آپہنچے گی، ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس میں منکرین بعث کی تردید فرمائی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے جو قیامت کا وقت مقرر کیا ہے اس کے مطابق آئے گی اس وقت جلدی سے آجائے گی مردوں کو زندہ کرنا اور گلی سڑی ریزہ ریزہ ہڈیوں

Marfat.com

میں جان ڈالنا یہ سب کچھ اس کی قدرت میں ہے سب کے احوال اور اعمال بھی اسے معلوم ہیں وہ زندہ فرما کر اپنے علم کے مطابق حساب لے گا اور جزا دے گا، موحد ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ معاد اور بعث ونشور پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اس لیے توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرما دیا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ
الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا
اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَ
اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ
اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ
يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع

''اور اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل پیدا فرمائے تاکہ تم شکر کرو، کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں، اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں روکتا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لیے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی، اور تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے جن کو تم سفر کرنے کے لیے اور مقام کرنے کے دن ہلکا پاتے ہو، اور اونوں اور اونٹوں کے بالوں اور دوسرے بالوں سے گھر کا سامان اور دوسری چیزیں بنائیں جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں، اور اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو سایہ والی ہیں اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو لڑائی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں، اللہ تم پر ایسے ہی نعمت پوری فرماتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو، سو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے، یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات، انسانوں کی تخلیق، جانوروں کا اڑنا لباس کا سامان پیدا فرمانا، پہاڑوں میں رہنے کی جگہیں بنانا

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے متعدد انعامات ذکر فرمائے ہیں جن میں بندوں پر امتنان بھی ہے اور دعوت توحید بھی ہے۔

(۱) اولاً بندوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم صحیح سالم باہر آ گئے تم بالکل ہی انجان تھے اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا اور علم کے ذرائع پیدا فرمائے، سننے کی قوت دی، دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں، جاننے کے لیے دل عطا فرمائے یہ اللہ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں بندوں کو چاہیے کہ شکر گزار رہیں، شکر گزاری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے لیے شریک نہ ٹھہرائیں۔

Marfat.com

(۲) پھرارشادفرمایا کہ کیاپرندوں کونہیں دیکھتے جوآسمانی فضامیں مسخر ہیں ان کو نیچے گرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اورقدرت سے رکے ہوئے ہیں، اڑرہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں حالانکہ بوجھ والے ہیں زمین کی کشش انہیں اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پروں کی حرکت کی وجہ سے ہوامیں تموج اور تحریک ہے، جس کی وجہ سے نہیں گرتے اس کا جواب یہ ہے کہ پروں میں یہ قوت اور ہوامیں یہ تحریک اور تموج کہاں سے آیا؟ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا فرمایا ہوا ہے، ذرا انسان تو اڑ کے دیکھ لے اپنے ہاتھوں کو حرکت دے پھر دیکھے فضا میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں، اسی سے ہوائی جہاز کو بھی سمجھ لیں ہزاروں سال انسان کو پتہ ہی نہ تھا کوئی فضاء میں چلنے والی سواری وجود میں آسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دماغ میں ڈالا اور طریقہ بتایا تو اس کی مشین اور باڈی بنانے کے لائق ہو گئے، یہ تسخیر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب اس کی تسخیر نہیں رہتی تو سارے آلات دھرے رہ جاتے ہیں، ہوشمند پائلٹ بے قابو ہوجاتا ہے اور جہاز گر پڑتا ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔)

(۳) پھرانسانوں کے گھروں کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے گھر بنائے جن میں وہ رہتے ہیں اور سکون پاتے ہیں، یہ گھر مٹی سے بھی بنالیتے ہیں اور اینٹ پتھر سے بھی، اور چھتیں پختہ بھی بنالیتے ہیں اور گھاس پھونس کے چھپر بھی ڈال لیتے ہیں، یہ سب چیزیں اللہ جل شانہٗ نے پیدا فرمائیں اور دلوں میں ڈالا کہ ان کے ذریعہ گھر بنائے جاسکتے ہیں کچھ گھر ایسے ہیں جو جانوروں کی کھالوں سے تیار کیے جاتے ہیں ان کھالوں کو رنگ کرکے اور سکھا کر خیمے بنالیے جاتے ہیں۔ یہ خیمے ہلکے ہوتے ہیں جو عموماً سفر میں استعمال کیے جاتے ہیں سفر میں کہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں، ان خیموں کو لگا کر قیام اور آرام کرتے ہیں۔

(۴) چوتھے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے اون سے اور اونٹوں کے بالوں سے اور دوسرے جانوروں کے بالوں سے تمہارے لیے گھر کا سامان بنادیا جسے تم ایک مدت تک استعمال کرتے ہو اور کام میں لاتے ہو، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تو جانور پیدا ہوئے اور اگر وہ نہ چاہتا تو ان کی کھالیں الگ نہ ہو پاتیں جنہیں علیحدہ کرکے اوڑھنے بچھانے، پہننے اور خیمے بنانے میں استعمال کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہوتی تو جانوروں کے جسم پر نہ اون ہوتا نہ بال ہوتے بالکل چکنی سپاٹ کھال ہوتی، یہ اون سے اور بالوں سے جو فائدے حاصل کرتے ہیں ان سے بالکل محروم رہ جاتے۔

(۵) پانچویں یوں فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے بعض ایسی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جن سے تمہیں سایہ حاصل کرنے کا فائدہ ہوتا ہے اس میں درخت، مکانات بڑے بڑے پہاڑ اور وہ سب چیزیں داخل ہیں جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

(۶) چھٹے نمبر پر یوں فرمایا کہ اللہ نے پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ لینے اور سر چھپانے کی جگہ بنائی، اس سے پہاڑوں کے غار مراد ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر جو گھر بنالیتے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہیں۔

(۷) ساتویں نمبر پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کرتے بنائے یعنی وہ چیزیں پیدا فرمائیں جن سے کرتے بنائے جاتے ہیں اس میں اون، روئی اور وہ سب چیزیں داخل ہیں جن سے کپڑے تیار کیے جاتے ہیں، دور حاضر میں پلاسٹک اور نائیلون وغیرہ سے طرح طرح کے کپڑے بننے لگے ہیں اور دیکھئے آگے اللہ تعالیٰ کی کیا تخلیق ہوتی ہے ﴿وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کی پیشین گوئی ہے، کپڑوں کا فائدہ یہ بتایا کہ یہ کپڑے تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، یہاں صرف گرمی کا ذکر فرمایا حالانکہ یہ سردی سے بھی بچاتے ہیں، علماء نے فرمایا کہ یہ بر سبیل اکتفاء ہے ایک چیز کو ذکر کیا جس سے اس کی مقابل دوسری چیز بھی سمجھ میں آگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں گرم کپڑوں کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ شروع سورت میں ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ﴾ میں ان کا تذکرہ آچکا ہے، اور ایسے کرتوں کا بھی ذکر فرمایا جو لڑائی میں حفاظت کرتے ہیں اس سے وہ زرہیں مراد ہیں جن سے مقابلہ کے وقت دشمنوں کے حملہ سے بچاؤ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا ﴿كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ﴾ (اللہ تم پر اس طرح اپنی نعمتیں پوری فرماتا ہے تاکہ تم فرمانبردار ہو جاؤ۔)

Marfat.com

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (سو اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے) یہ نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے تو غمگین نہ ہوں آپ کی کوئی ذمہ داری منوانے کی نہیں۔

﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ (یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں) ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں) سب سے بڑی ناشکری کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا اور بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ
اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ
نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

''اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ قائم کریں گے پھر ان لوگوں کو اجازت نہ دی جائے گی جنہوں نے کفر کیا، اور نہ ان سے اس بات کی فرمائش کی جائے گی کہ اللہ کو راضی کر لیں، اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی، اور جن لوگوں نے شرک کیا جب اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے وہ شرکاء ہیں آپ کو چھوڑ کر ہم جن کی عبادت کرتے تھے، سو وہ ان کی طرف بات ڈالتے ہوئے کہیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو، اور اس دن اللہ کے حضور میں فرمانبرداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ افتراء پردازی کرتے تھے وہ سب گم ہو جائے گی، جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم عذاب پر ان کا عذاب بڑھا دیں گے اس سبب سے کہ وہ فساد کرتے تھے، اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہو گا وہ ان کے خلاف گواہی دے گا، اور ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے، اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کے لیے ہدایت ہے اور رحمت ہے اور خوشخبری ہے۔''

قیامت کے دن کے چند مناظر، کافروں اور مشرکوں کے لیے عذاب کی وعید

ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر ذکر فرمائے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت میں سے ہم ایک گواہ قائم کریں گے یہ گواہ ان کا پیغمبر ہو گا جو ان کے کفر کے بارے میں گواہی دے گا، جب کفار قیامت کے دن جمع ہوں گے تو انہیں کسی قسم کے عذر اور معذرت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ اللہ کو راضی کر لو اور راضی کر کے عذاب سے چھوٹ جاؤ کیونکہ راضی کرنے کا موقع صرف دنیا ہی میں تھا وہاں کفر سے توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ راضی ہو جاتا لیکن جب کفر پر موت آ گئی تو اب اپنے رب کو راضی کرنے کا کوئی راستہ نہ رہا اب تو عذاب میں جانا ہی ہو گا۔

کفر کی سزا میں جب انہیں عذاب نظر آئے گا اور عذاب میں داخل ہونے لگیں گے تو خلاصی کا یا تخفیف عذاب کا یا مہلت کا کوئی راستہ نہ

Marfat.com

پائیں گے اس موقع پر کفار اور مشرکین اپنے شرکاء یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں یعنی یہ وہ معبود ہیں جنہیں ہم نے آپ کی عبادت میں شریک کرلیا تھا ان کے شرکاء یعنی باطل معبودان کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کر دیں گے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر ص ۱۶۳ ج ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی قوت عطا فرمائے گا اور وہ یوں کہیں گے کہ تم نے جو ہمارے بارے میں معبود ہونے کا عقیدہ بنایا اس میں تم جھوٹے ہو ہم معبود نہیں تھے ہم تو معبود حقیقی کی مخلوق تھے اور عاجز محض تھے ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا، کافروں کو رسوا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ بتوں کو زبان دے دے گا جب یہ کفار عذاب دیکھیں گے اور عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے تو فرمانبرداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور یوں کہیں گے کہ اے رب جو کچھ حکم ہو ہم کرنے کے لیے تیار ہیں ہمیں عذاب سے محفوظ کر دیا جائے، دنیا میں جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو کفر و شرک کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ضد تھی کہ حق قبول نہ کریں گے، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے وہ پاک ہے، ساری باتیں اس دن گم ہو جائیں گی اور توبہ کا بھی موقع نہ دیا جائے گا قبول ایمان اور توبہ کا موقع دنیا میں تھا جسے پیچھے چھوڑ آئے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ مبتلائے عذاب ہوں گے اور ان کے فساد پھیلانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا ایک عذاب کفر پر دوسرا عذاب فساد کرنے پر قال صاحب الروح ای زدناهم عذابا فوق العذاب الذی یستحقونه بکفرهم بسبب استمرارهم علی الافساد وهو الصدعن السبیل صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے کفر کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق تھے اس سے اوپر اور عذاب دیا فساد پر ان کے اصرار کی وجہ سے اور ان کا فساد راہ حق سے لوگوں کو روکنا ہے۔ (ص ۲۱۲ ج ۱۴)

آخر میں فرمایا ہم ہر جماعت میں سے ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہو گا اور ان پر گواہی دے گا، یہ ہر امت کا نبی ہو گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی امت پر گواہ بنایا جائے گا، آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے، کہ میری امت گواہی دینے کے لائق ہے، شاہد عدل ہے (کمامر فی البقرۃ) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ھولاء سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں وہ حضرات اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان حضرات کی گواہی حق ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ (اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کے لیے ہدایت ہے اور رحمت اور خوشخبری ہے۔)

اس میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ فرمایا یعنی ہر چیز کا بیان کرنے والا (اس سے امور متعلقہ بالدین مراد ہیں) قرآن مجید میں بہت سے احکام اصول و فروع بیان فرما دیئے ہیں اور بہت سے احکام و مسائل جو انسانی معاشرہ کی حاجات و ضروریات پر حاوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، آپ کا بیان فرمانا بھی قرآن ہی کا بیان فرمانا ہے کیونکہ قرآن نے جو احکام بالتصریح نہیں بتائے ان کا بتانا اللہ تعالیٰ نے آپ پر محمول فرما دیا اور قرآن نے حکم دے دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو اور آپ کا اتباع کرو ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ بھی فرمایا اور ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ بھی فرمایا اور ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ بھی فرمایا نیز سبیل المومنین کے اتباع کا بھی حکم دیا جو سورۂ نساء کے رکوع نمبر ۱۴ میں مذکور ہے لہٰذا اجماع بھی حجت ہوا اور حوادث و نوازل میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن و حدیث کے بیان فرمودہ اصول و فروع پر قیاس کر کے بہت سے مسائل بتائے اس لیے محققین کے نزدیک قیاس بھی حجت ہے لیکن اسے حجت مثبتہ نہیں کہتے حجت مظہرہ کہتے ہیں حدیث اجماع اور قیاس کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن مجید کے بارے میں جو ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ فرمایا ہے اس کو سامنے رکھ کر ملحدین گمراہ کر دیں گے خوب سمجھ لیا جائے، حوادث و نوازل کے بارے میں مقیس اور مقیس علیہ کو دیکھ کر احکام شرعیہ کو مستنبط کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے اور یہ فقہاء کا کام ہے البتہ احکام منصوصہ میں قیاس کرنا جائز نہیں، جب حضرات صحابہ نے غیر منصوص مسائل میں استنباط و اجتہاد کیا جن کی تعریف قرآن مجید میں فرمائی ہے تو اس سے ثابت ہو گیا

Marfat.com

کہ قیاس بھی حجت شرعیہ ہے، قرآن مجید نے جو ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ فرمایا ہے اس میں اہل علم کی طرف رجوع فرمانے کا ذکر ہے اہل علم میں محدثین بھی ہیں اور فقہاء بھی ہیں خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۲۱۵ ج ۱۴)

وقد رضی ﷺ لامته باتباع اصحابه حیث قال علیه الصلاة والسلام (علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیها بالنواجذ) قد اجتهدوا وقاسوا ووطؤا طرائق الاجتهاد فکانت السنة والاجماع والقیاس مسندة الی تبیان الکتاب

پھر قرآن مجید کی مزید تین صفات بیان فرمائیں ھدی (ہدایت) اور رحمت اور بشارت، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لیے ہے اور بشارت اہل اسلام کے لیے ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کر کے اور اسلامی احکام پر عمل کر کے آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور قرآن مجید نے انہیں جگہ جگہ ان نعمتوں کی بشارت دی ہے اسی لیے بشری کے ساتھ للمسلمین فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

''بلاشبہ اللہ عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش کاموں سے اور برائیوں سے اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔''

چند اوصاف حمیدہ کا حکم، اور منکرات و فواحش سے بچنے کی تاکید

یہ آیت بہت جامع ہے تمام مامورات (فرائض واجبات، مندوبات و مستحباب) کے حکم کو اور تمام منکرات (منہیات اور معاصی) کی ممانعت کو شامل ہے، اولاً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کا حکم فرماتا ہے، عدل عربی میں انصاف کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ اپنے پرائے چھوٹے بڑے سب کے بارے میں انصاف کرنا لازم ہے جو شخص دشمنی کرے اس کی دشمنی کے جواب میں بھی عدل ہی کیا جائے دشمنی کی وجہ سے عدل کو ہاتھ سے جانے نہ دیں اگر کسی زیادتی کرنے والے سے بدلہ لے لینا ہو تو زیادتی کے بقدر ہی بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے، عدل کا دوسرا معنی توسط یعنی افراط و تفریط کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے کا بھی ہے اسی لیے بعض اکابر نے عدل کا ترجمہ اعتدال سے کیا ہے اس اعتبار سے عدل کا وہی مصداق ہو گا جو سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ کی تفسیر میں حضرات اکابر نے بیان فرمایا اور وہاں ہم بھی اس کی تشریح لکھ چکے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی عدل کی تفسیر کرتے ہوئے اولاً اسی معنی کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ﴿ای بمراعاة التوسط بین طرفی الافراط والتفریط﴾ پھر کچھ تفصیل کے بعد ابن ابی حاتم سے محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بلایا اور فرمایا کہ بتاؤ عدل کیا چیز ہے؟ میں نے کہا واہ کیا خوب آپ نے تو بہت بڑی بات پوچھی، اس کے بعد عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ تو چھوٹے کا باپ بن جائے اور بڑے کا بیٹا بن جائے اور برابر والے کا بھائی بن جائے اور لوگوں کے گناہوں کے بقدر اور ان کے جسموں کے برداشت کے بقدر سزا دے اور اپنے غصے کی وجہ سے ایک کوڑا بھی نہ مارو ورنہ تو ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائے گا۔ حضرت سفیان بن عینیہ سے نقل کیا ہے۔ ان العدل استواء السریرة والعلانیة فی العمل (یعنی عدل یہ ہے کہ تنہائی میں ہو یا سب کے سامنے ایک طرح کا عمل ہو۔)

ثانیاً احسان کا حکم فرمایا لفظ احسان حسن سے ماخوذ ہے اور باب افعال کا مصدر ہے، حسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور کسی کام کو اچھے طریقے پر انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے، عبادات میں احسان کی صفت ہو اور معاملات میں بھی، رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی، اس اجمال کی تفصیل کے لیے آیت کریمہ ﴿وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔

Marfat.com

ثالثاً اپنے رشتہ داروں اور دوسرے انسانوں پر مال خرچ کرنا، یہ بھی بڑے ثواب کی چیز ہے اور صفت احسان میں یہ بھی داخل ہے لیکن مستقل طریقے پر اس کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا کیونکہ اس میں دوہرا ثواب ہے صلہ رحمی کا بھی اور صدقہ کا بھی، اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو دنیا بھر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اپنوں سے بگاڑ رکھتے ہیں اور اپنوں پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کرتے، باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں لفظ قُربیٰ سب کو شامل ہے ماں باپ اولاد بہن بھائی چچا پھوپھی، خالہ ماموں اور ان کی اولاد سب ذوی القربیٰ ہیں بعض حالات میں ذوی القربیٰ پر مال خرچ کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض حالات میں مستحب ہوتا ہے، تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف مراجعت کی جائے۔

مامورات کے بعد منہیات کا ذکر فرمایا ﴿وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ﴾ اس میں بھی تین چیزیں تمام ممنوعات و محظورات اور معاصی اور منکرات کو شامل ہیں شریعت کی اصطلاح میں ہر گناہ پر لفظ منکر کا اطلاق ہوتا ہے فحشاء اور بغی بھی اس کے عموم میں داخل ہیں، لیکن الگ سے ان دونوں کو بھی ذکر فرمایا ایک مرتبہ عمومی طور پر اور ایک مرتبہ خصوصی طور پر ان کی ممانعت فرمادی فحشاء اس قول و فعل کو شامل ہے۔ جس میں بے شرمی اور بے حیائی ہو زنا اور قضائے شہوت کے لیے جو بھی ممنوع فعل کیا جائے اور ایسے افعال کے اسباب اور دواعی سب کو لفظ فحشاء شامل ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھو کل قبیح من قول او فعل اور بغی ظلم اور زیادتی کے معنی میں آتا ہے ظلم کی جتنی بھی صورتیں ہیں آیت کریمہ نے ان سب کو ممنوع قرار دیا ہے۔ امیر المومنین کی بغاوت کرنا، مال چھین لینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جن کے حقوق واجب ہیں ان کو روک لینا، ماں باپ کو تکلیف دینا، ان کی نافرمانی کرنا یہ سب بغی میں داخل ہے۔

سورۂ حجرات میں فرمایا ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو تم سب لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان میں برابری کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنے بھی گناہ ہیں ان میں سے بغی، ظلم و زیادتی اور قطع رحمی ایسی چیزیں ہیں جو سب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلدی ہی عذاب دیدے اور آخرت میں بھی اس کے لیے عذاب باقی رکھ لے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت دیگر تمام آیات کی بنسبت خیر و شر کے تذکرہ کے لیے سب سے زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں ہر خیر کا حکم ہے اور ہر برائی سے روک دیا گیا ہے مامورات اور منہیات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ﴾ (اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو) اس میں عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی اور یہ فرمایا کہ یہ بات سن کر اور پڑھ کر اپنے کو فارغ نہ سمجھ لو بلکہ عمل بھی کرو۔

خطبوں میں اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ پڑھنے کی ابتداء

عام طور پر جمعہ کے خطبوں میں خطیب حضرات آیت بالا کو پڑھتے ہیں اس کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امرائے بنوامیہ اپنے خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو اس طریقہ کو ختم فرمادیا اپنے گورنروں کو بھی لکھ دیا کہ ایسا نہ کریں اور اس کی جگہ آیت بالا کو پڑھنا شروع فرمادیا اس وقت سے آج تک یہ طریقہ جاری ہے، تقریباً پورے عالم میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، البتہ کبھی کبھی چھوڑ دینا چاہیے تاکہ عامۃ الناس اس کو خطبہ کا جزو لازم نہ سمجھ لیں۔

Marfat.com

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ
كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ
تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ
لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ
لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

''اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور اپنی قسموں کو موکد کرنے کے بعد مت توڑو، اور تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو، بیشک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا، تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو اس وجہ سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو، بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے، اور یہ بات ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بیان فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم جو اعمال کرتے تھے ان کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی، اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ جمنے کے بعد قدم پھسل جائے اور تم اللہ کی راہ سے روکنے کا عذاب چکھو، اور تمہارے لیے بڑا عذاب ہے اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

عہدوں اور قسموں کو پورا کرنے کا حکم

عدل و احسان کا حکم فرمانے کے بعد ایفائے عہد کا حکم فرمایا، گو ایفائے عہد بھی عدل و احسان میں داخل ہے لیکن خصوصی طور پر اس کا حکم فرمایا تاکہ لوگ اسے مہتم بالشان سمجھیں اور اپنی زندگی میں اس کا خاص خیال رکھیں، آپس میں جو عہد ہوتے ہیں چونکہ ان میں قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں اور آپس میں ان کے ذریعہ فساد بھی ڈال دیا جاتا ہے اس لیے قسموں کے بارے میں بھی تنبیہ فرمائی کہ ان کی پاسداری کرو اور قسم کھانے کو یا قسم توڑنے کو آپس میں فساد کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ اولاً یوں فرمایا ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾ (اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم عہد کرلو) اللہ سے جو عہد کیا تھا کہ میں فرمانبرداری کروں گا اور اطاعت کروں گا اس عہد کو پورا کرنے کا حکم فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا عہد کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی جو احکام دیئے ہیں ان کا پابند ہونا لازم ہے ان احکام میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی۔

پھر ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ (اور اپنی قسموں کو موکد کرنے کے بعد مت توڑو) جو عہد بغیر قسم کے ہو اس کا پورا کرنا تو لازم ہے ہی، لیکن جس عہد و پیمان میں قسم بھی کھالی اللہ کے نام کو درمیان میں لے آئے اس کا پورا کرنا اور بھی زیادہ لازم ہو گیا لہٰذا قسم والے

Marfat.com

عہد کو پورا کرنے کا اور زیادہ شدت کے ساتھ اہتمام کرنا لازم ہے۔

﴿وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا﴾ (اور تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو) جب تم نے قسم کھا کر اللہ کو گواہ بھی بنالیا تو عہد کا پورا کرنا اور زیادہ لازم ہو گیا اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تم گواہ نہ بناتے تو وہ تب بھی گواہ تھا لیکن خود سے جو اللہ کو گواہ بنایا اس کا خیال رکھنا اور زیادہ ضروری ہو گیا۔

مفسرین کرام نے کفیلا کا ترجمہ شاھدًا کیا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے، اور بعض حضرات نے کفیلا کو اپنے اصلی معنی میں لیا ہے جو ذمہ دار کے معنی میں آتا ہے ان حضرات نے مذکورہ جملہ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے اللہ کو کفیل یعنی ضامن بنالیا ہے کہ وہ تمہیں عہد پورا کرنے پر عذاب دے اور عہد توڑنے پر سزا دے۔ وھذا کقولہ ﷺ من صلی صلوۃ الصبح فھو فی ذمۃ اللّٰہ فلا یطلبنکم اللّٰہ من ذمتہ بشیء۔ (رواہ المسلم)

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ (اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا) اس جملہ میں یہ بتایا ہے کہ تم عہد توڑ کر ایسی عورت کی طرح مت بن جاؤ جس نے سوت کاتا پھر اس کو مضبوطی کے ساتھ بٹا اور پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیے پہلے تو سوت کے کاتنے میں محنت کی پھر بٹنے میں محنت کی پھر جو کیا دھرا تھا اس کے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے اگر کسی عورت کا یہ حال تمہیں معلوم ہو تو اسے بیوقوف اور احمق بتاؤ گے لہٰذا تم عہد کر کے اس عہد کو توڑنے کی حرکت نہ کرو ورنہ تم بھی حماقت کرنے والوں میں شمار ہو جاؤ گے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عہد توڑو گے تو اسی عورت کی طرح ہو جاؤ گے، جو کہ مذکورہ عمل کر گزرے لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ ایسی حرکت کیا کرتی تھی (تفسیر قرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۰) جو بھی صورت ہو اس میں نقض عہد کی قباحت اور شناعت بیان فرمائی ہے۔

احقر کے نزدیک الفاظ کا عموم بہت سے مسائل کو شامل ہے نماز شروع کر کے توڑ دینا، روزہ توڑ دینا، حج وعمرہ کا احرام باندھ کر فاسد کر دینا اور جہاد میں جا کر پشت پھیر لینا اور قسم کھا کر توڑ دینا یہ سب باتیں اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں آیت کے عموم میں آتی ہیں نیز اعمال کو حبط کرنے والے کو بھی آیت کریمہ کا عموم شامل ہے۔

احقر نے تفسیر کی کتابوں میں تلاش کیا کہ میرے ذہن میں جو یہ باتیں آئی ہیں ان کی تصریح مل جائے لیکن کہیں کچھ نہ ملا، مواہب الٰہیہ میں سے سمجھ کر لکھ دیا۔ والعلم عند اللّٰہ الکریم ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ﴾ (تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو اس وجہ سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو) اہل عرب کا یہ طریقہ تھا کہ قبائل میں آپس میں دشمنیاں چلتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لیے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کر لیتا تھا کہ جب کوئی قبیلہ ہم میں سے کسی پر حملہ کرے گا تو دونوں قبیلے مل کر دفاع کریں گے۔ اور حملہ آور قبیلہ سے جنگ کریں گے۔ جب معاہدہ کرنے کے بعد محسوس کرتے تھے کہ جس قبیلہ سے ہم نے معاہدہ کیا ہے وہ مال اور عدد کے اعتبار سے کمزور ہے تو اس سے معاہدہ توڑ کر کسی دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کر لیتے تھے، اللہ جل شانہ نے اس سے منع فرمایا اور پہلے قبیلہ سے جو قسم کھا کر معاہدہ کیا تھا اس معاہدہ کے توڑنے کو ﴿دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ سے تعبیر فرمایا کہ یہ چیز آپس میں فساد ڈالنے والی ہے۔

﴿اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ﴾ (بات یہی ہے کہ اللہ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش ہے تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کا کردار ظاہر ہو جائے، بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی جماعت سے معاہدہ کرنے کے بعد زیادہ تعداد والی دوسری جماعت سامنے آ جانے پر پہلے جماعت کا معاہدہ کو توڑ کر دوسری بڑی جماعت تعداد والی جماعت سے معاہدہ کرتے ہو یا پرانے معاہدے پر جمے رہتے ہو اس میں تمہاری آزمائش ہوتی ہے۔

فائدہ: اگر کسی جماعت کے معاہدہ کرنے کے بعد یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا فریق دھوکہ دینے والا ہے اور شدید خطرہ ہے کہ وہ لوگ نقض عہد کر دیں

Marfat.com

گے اور ان کے ساتھ معاہدہ باقی رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے تو اس کا طریقہ سورہ انفال کی آیت کریمہ ﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً﴾ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

﴿وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (اور یہ بات ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان چیزوں کو بیان فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔) جو مختلف راہیں اختیار کر رکھی تھیں ان سب کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اہل حق کو بہترین جزاء اور اہل باطل کو بدترین سزا دے گا یہ سزا ملنا اس بات کی دلیل ہوگا کہ تم جو کچھ عقیدہ رکھتے تھے اور جو کچھ کہتے اور عمل کرتے تھے وہ سب غلط تھا اسی کی وجہ سے آج مبتلائے عذاب ہو رہے ہو۔

﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اختلاف نہ ہونے دیتا اور سب کو ایک ہی راہ پر چلاتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ لوگوں میں اختلاف رہے، اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، سب کچھ اس کی حکمت اور مشیت کے مطابق ہے۔ رہی یہ بات کہ جب گمراہ کرنا اور ہدایت دینا اللہ کی طرف سے ہے تو بندے کیوں ماخوذ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو عقل اور سمجھ دی ہے اور اختیار دیا ہے وہ اپنے اختیار سے برائی کو اختیار کرتے ہیں جس شخص کو فالج ہو اس کے ہاتھ ہلانے میں اور جو صحیح تندرست ہو اس کے ہاتھ ہلانے میں جو فرق ہے وہ سب جانتے ہیں ایک میں اختیار ہے اور دوسرے میں اختیار نہیں ہے۔

﴿وَ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (اور تم جو اعمال کرتے تھے ان کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی) عہدوں کو پورا کرنے کا حکم دینے اور قسموں کو توڑنے اور قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کی ممانعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ مامورات پر عمل کرتے رہو اور جو چیزیں منع ہے ان سے بچتے رہو یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ کر لیا وہ یوں ہی گزر گیا جو بھی کچھ کرتے تھے قیامت کے دن سامنے آئے گا اور تم سے اعمال کی ضرور ضرور باز پرس ہوگی۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ﴾ (الآیۃ) کہ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ اس مضمون کو بطور تاکید دوبارہ ذکر فرمایا اور ساتھ ہی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کا نتیجہ بھی بیان فرمایا اور نتیجہ کے نتیجہ سے بھی باخبر فرما دیا، نتیجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِھَا﴾ (کہ اس کی وجہ سے قدم جمنے کے بعد پھسل جائے گا) اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑا تو یہ تو کفر ہے، ایمان کے بعد کوئی شخص کفر کے گڑھے میں جا پڑے اس سے زیادہ لغزش والا کون ہو سکتا ہے عہد توڑا ایمان چھوڑا کفر کے گڑھے میں جا پڑا اس سے بڑی لغزش کوئی نہیں، اور اگر بندوں کے عہد کو توڑا ان کو دھوکہ دیا اگرچہ حدود کفر میں داخل نہ ہوا بدعہدی کی وجہ سے جو مستحق عقاب وعذاب ہوئے یہ بھی بہت بڑی لغزش ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ ایمان پر پختگی کے ساتھ جمیں جب قدم راسخ ہو گیا تو اسے جمائے رہیں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں پھر نتیجے کا نتیجہ بیان فرمایا یعنی قدم پھسلنے کے بعد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے دنیا میں بھی برا عذاب چکھو گے اور آخرت میں بھی برے عذاب میں گرفتار ہوگے۔ قال صاحب الروح والمراد من السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسر والنھب والجلاء و غیر ذلک مما یسوء اور اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل ص ۸۴ ص ج ۳ بعض اکابر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ معناہ مثلتم طریقۃ نقض العھد علی الناس بنقضکم العھد یعنی جب تم عہد توڑ دو گے تو لوگوں کے لیے مثال بن جاؤ گے ان کو بھی اس کا راستہ مل جائے گا، نقض عہد کر کے دوسروں کے لیے نقض عہد کا راستہ ہموار کرنا یہ اللہ کے راستہ سے روکنا ہے، اور بعض اکابر نے فرمایا ہے ﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِھَا﴾ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قسمیں کھا کر دھوکہ دینا اور اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ بنا دینا ایسی چیز ہے جس سے سلب ایمان کا خطرہ ہے بہت سے لوگ اللہ کی قسم کھا کر وعدہ کر لیتے ہیں یا کسی گزشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا ہے۔ فلاں نے ایسا کیا ہے اور مخاطب کو فریب دینا مقصود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام

Marfat.com

مکروفریب کے لیے استعمال کیا اس کی پاداش میں سلب ایمان کی سزا مل سکتی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ (اور اللہ کے عہد کے ذریعہ تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو) ﴿اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔)

فائدہ: آیات بالا میں کئی طرح سے عہد پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور نقض عہد کی مذمت کی ہے قرآن مجید میں دیگر مواقع میں بھی عہد پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے سورہ مائدہ کے شروع میں ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ سورۃ الانعام میں فرمایا کہ ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ اور سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے۔ ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ (اور عہد پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی) درحقیقت عہد پورا کرنا بہت بڑی ایمانی ذمہ داری ہے اس میں لوگ دنیاوی مفاد اور منافع کے لیے کچے پڑ جاتے ہیں۔

یہ جو فرمایا کہ ﴿وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ (اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو) اس میں عہد کو توڑ کر دنیاوی منافع حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، خواہ وہ منافع مال کی صورت میں ہوں یا جاہ کی صورت میں ہوں، علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ نهی عن الرشی واخذ الاموال علی نقض العهد ای لا تنقضوا عهود کم لعرض قلیل من الدنیا انفرادی یا اجتماعی طور پر جو عہد کیے گئے ہیں جن میں حلف اٹھایا جاتا ہے اور اللہ کا نام لیا جاتا ہے پھر ان کو مال یا منصب اور عہدہ کے لیے توڑ دیا جاتا ہے ان لوگوں کے لیے اس میں خصوصی تنبیہ فرمائی ہے، دنیا جتنی بھی زیادہ ہو آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے اور حقیر ہے اور ملتی بھی ہے تھوڑے سے دن کے لیے اس لیے ثمن قلیل یعنی تھوڑی قیمت فرمایا، الفاظ کے عموم میں ہر طرح کی رشوت لینے کی ممانعت آ گئی، یہ ضروری نہیں ہے کہ رشوت میں مال ہی کا لین دین ہو دنیا کا نفع رشوت کے طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے اور عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لعن اللّٰه الراشی والمرتشی والرائش یعنی الذی یمشی بینهما اللہ کی لعنت ہو رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر اور ان کے درمیان واسطہ بننے والے پر۔ جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبہ میں کام کرنے پر مقرر ہیں اور ملازم ہیں یہ لوگ رشوت میں جو مال لیتے ہیں اگرچہ ہدیہ اور تحفہ ہی نام رکھ لیا جائے اس کا حرام ہونا تو ظاہر ہی ہے ان کی تنخواہ بھی حلال نہیں ہوتی کیونکہ انہیں جس کام کے لیے دفتر بٹھایا گیا ہے وہ کام نہیں کرتے اگر قانون کے مطابق کام کرتے ہیں تو کوئی رشوت نہیں دے گا اور اصول وقواعد کے خلاف کام کرنے سے مقررہ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی اور اسی پر رشوت ملتی ہے جس کام کی تنخواہ لیتے ہیں وہ نہیں کرتے اور رشوت لے کر وہ کرتے ہیں جس کی اجازت نہیں ہے۔

آج کل عہد کو توڑ دینا معمولی سی بات بن کر رہ گئی ہے۔ سیاست کی دنیا میں تو عہد کرنا پھر مال اور کرسی کے لیے عہد توڑ دینا کوئی بات ہی نہیں ہے جدھر جاہ و مال کا فائدہ دیکھا ادھر ڈھل گئے۔ الیکشنوں سے پہلے اور اس کے بعد جو عہد ہوتے ہیں پھر جو ان کی مٹی خراب ہوتی ہے اخبارات کا مطالعہ کرنے والے ان سے ناواقف نہیں ہیں۔ رؤسا اور وزراء جو اللہ کا نام لے کر حلف اٹھاتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لیے اور مسلمانوں کے ملک کے لیے ہمدردانہ طور پر کام کریں گے وہ اپنے حلف میں کس قدر پورے اترتے ہیں جاننے والے جانتے ہیں، ملک اور قوم کے مفاد کی بجائے صرف اپنی کرسی سنبھالنے کی فکر میں رہنا اور اپنی جماعت اور اپنے رشتہ داروں کا نوازنا ہی مقصد بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اسلام کے دعویدار ہیں ذرا اپنے حالات کو قرآن مجید کے احکام سامنے رکھ کر پرکھ لیں۔

عہد کو پورا کرنے کی شریعت اسلامیہ میں بہت بڑی اہمیت ہے اور جس کی جتنی بڑی ذمہ داری ہے اور جتنا بڑا عہدہ ہے اس سے اسی قدر آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی اور رسوائی کا سامنا ہوگا حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کا ایک جھنڈا ہوگا اور جتنا بڑا غدر تھا اسی قدر اونچا ہوگا جو اس کے پاخانہ کرنے کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا مزید فرمایا کہ جو شخص عامۃ الناس کا امیر بنا کسی کا غدر اس کے غدر سے بڑھ کر نہیں ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرما دے

Marfat.com

گا۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کی اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۱)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

''تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انہیں ضرور ضرور ان کے اچھے کاموں کے عوض دیدیں گے، جس کسی مرد یا عورت نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مومن ہے تو ہم اسے ضرور اچھی زندگی دیں گے، اور ان کے اچھے کام کے عوض ہم انہیں ان کا اجر ضرور دیں گے۔''

آخرت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں، صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور ان کے اعمال کا اچھا اجر ملے گا

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جتنی دنیا بھی کما لوگے وہ سب ختم ہو جائے گی اور اعمال صالحہ پر (جس میں گناہوں سے بچنا اور نقض عہد سے بچنا بھی شامل ہے) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں انعام ملے گا اور وہاں جو اکرام ہوگا وہ سب باقی رہنے والا ہے (اس میں ان لوگوں کو خاص تنبیہ ہے جو عہد توڑ کر اس کے عوض مال لے لیتے ہیں اور دنیاوی اعزاز حاصل کر لیتے ہیں۔)

جب دنیا سامنے آنے لگتی ہے اور جاہ و مال کے منافع نفس کو متاثر کرنے لگتے ہیں اور آدمی کو ابھارتے ہیں کہ تو قسم توڑ دے یا ایسا گناہ کر لے جس سے مال اور جاہ کا نفع ہوتا ہو تو اس وقت دنیاوی منافع کو نہ دیکھے، شیطان کے ورغلانے سے بچ جانا اور نفس کے وسوسے کو ٹھکرا کر حکم شرعی پر جمے رہنا بڑی بات ہے۔ ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ﴾ میں یہ بتایا کہ دنیاوی منافع کے لیے عہود اور قسموں کو جو توڑتے ہو اور حرام ذریعوں سے پیسہ حاصل کرتے ہو اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بناؤ۔ دنیا میں جو کماؤ گے وہ ختم ہو جائے گا اس کی وجہ سے آخرت کی نعمت سے محروم نہ ہو، وہاں جو کچھ ہے ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے۔ فانی دنیا کے لیے باقی رہنے والی نعمتوں سے محروم رہنا سمجھ داری کی بات نہیں ہے، باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف دوڑو اور انہی کے لیے عمل کرو۔ چونکہ رشوت سے بچنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور حرام چھوڑ کر صبر کرنا پڑتا ہے اس لیے ساتھ ہی یوں بھی فرمایا ﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اس میں جو ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا﴾ فرمایا اس میں ان کی استقامت اور ثابت قدمی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ وہ دنیاوی منافع سامنے آنے پر بھی ایمان تقاضوں پر جمے رہے اور دنیا کی وجہ سے کسی عہد کو نہیں توڑا، پیچھے سے گو نقض عہد کا ذکر ہے لیکن الفاظ کے عموم نے بتا دیا کہ جو صبر کرے گا راہ حق پر جمے گا اسے ضرور اچھے سے اچھا اجر ملے گا۔

فرمایا ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (الآیۃ) کہ جو بھی کوئی مرد ہو یا عورت اچھا عمل کرے گا اسے ہم حیات طیبہ (اچھی زندگی) دیں گے، اس میں ایک قانون بتا دیا جس میں ہر نیک عمل پر ہر مومن مرد و عورت کے لیے حیات طیبہ کا اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

حیات طیبہ ''اچھی زندگی'' سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علامہ قرطبی نے پانچ اقوال نقل کیے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے قناعت مراد ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے طاعات کی توفیق دینا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ذریعہ بنتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ﴿مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ نصیب ہونا مراد ہے، ان اقوال کے بعد دو قول اور لکھے ہیں ایک یہ کہ بندہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے اور ہر حال

Marfat.com

میں اپنے کو حق تعالیٰ شانہ ہی کا محتاج بنائے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے رضا بالقضاء مراد ہے۔
ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے بات یہ ہے کہ مومن بندوں کی دنیا والی زندگی بھی اچھی ہوتی ہے سکون واطمینان سے رہتے ہیں، اگر کوئی پریشانی اور تنگدستی بھی ہو تو اس کی وجہ سے انہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہتے ہیں بلکہ فقر و فاقہ اور بیماری سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کفار و فجار کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان پر دنیاوی مصائب آتے ہیں تو بلبلا اٹھتے ہیں مال کی حرص میں رات دن تگ ودو میں لگے رہتے ہیں باطن کو سکون نہیں ہوتا مومن بندوں کو حیات طیبہ دنیا میں حاصل ہے اور آخرت میں جب جنت میں جائیں گے اور اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے جو دائمی ہوں گی ان کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کی تو کوئی مثال ہی نہیں۔
اس میں جو ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ حیات طیبہ دنیاوی واخروی انہی مومن بندوں کے لیے ہے جو حالت ایمان میں عمل صالح کرتے ہوں حالت کفر کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اور ﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ فرما کر یہ بتادیا کہ اعمال صالحہ کا اجر وثواب مردوں کو بھی ملے گا اور عورتوں کو بھی۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

''سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک تجویز کرتے ہیں۔''

جب قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں، شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں

شیطان مردود انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اس کی کوشش یہ رہتی ہے کہ انسان چین سے نہ بیٹھے اس کے دل میں برے برے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور عبادت کے کام میں لگنے نہیں دیتا اگر عبادت میں لگ جائے تو اس کے ذہن کو ہٹانے اور دل بٹانے کی کوشش شروع کر دیتا ہے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جب بندہ اس کی تلاوت کرتا ہے تو اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے اپنے رب کے کلام کو پڑھتا ہے تو اس کا کیف اور سرور محسوس کرتا ہے، بھلا شیطان کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مومن بندے اپنے رب کے کلام سے محظوظ ہوں۔ اور اپنے رب جل مجدہ کے کلام کو دل جمعی کے ساتھ پڑھیں لہٰذا تلاوت شروع کرنے سے پہلے شیطان مردود سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کریں کہ اے اللہ مجھے شیطان مردود سے، اس کے وسوسوں سے، اس کی شرارتوں سے محفوظ فرما تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنے کے ساتھ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھنا بھی مسنون ہے اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے کہ جب کوئی شخص کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتا ہے پھر اسے رنگ و روغن وغیرہ کے ذریعے خوبصورت بناتا ہے اسی طرح جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کرے تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کر لے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے پھر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر اپنے دل کو اللہ کے نام سے مزین کر لے اور اس کی صفت رحمت کا استحضار کرے۔

''مسئلہ'' تلاوت کے شروع میں ایک بار اعوذ باللہ پڑھنا کافی ہے البتہ اگر تلاوت کے بعد کوئی ایسی بات کرے جو تلاوت سے متعلق نہ ہو تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھے۔

Marfat.com

سورہ نحل میں لفظ ﴿فَاسْتَعِذْ﴾ فرمایا ہے جو باب استفعال سے امر کا صیغہ ہے، حضرات قراء کرام کے نزدیک لفظ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا ہی راجح ہے، علامہ جزری رحمۃ اللہ النشر میں لکھتے ہیں۔ ان المختار لجمیع القراء مِنْ حیث الروایة اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وقال الحافظ ابو عمرو الدانی انه هو المستعمل عند الحذاق دون غیره وهو الماخوذ به عند عامة الفقهاء کالشافعی وابی حنیفه واحمد وغیرهم (حافظ ابوعمرو دانی نے فرمایا کہ ماہرین کے نزدیک انہی الفاظ کو عمل میں لایا جاتا ہے جیسے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔)

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کا حکم آیت بالا سے معلوم ہوا دیگر مواقع میں بھی شیطان سے پناہ مانگنا آیات اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔ سورہ اعراف میں ارشاد ہے۔ ﴿وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لیجیے بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے) سورہ مومنون میں فرمایا ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴾ (اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں) غصہ آجائے تب بھی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ پڑھے اور گدھے کی آواز سنے تب بھی یہ کلمات پڑھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۳ از بخاری و مسلم)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تم کتوں کی اور گدھوں کی آواز سنو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھو کیونکہ یہ وہ چیزیں دیکھتے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھتے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۳) کتوں اور گدھوں کو شیاطین نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر وہ بولتے ہیں لہٰذا شیطان سے اللہ کی پناہ مانگی جائے، بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی جس کے الفاظ یہ ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے مذکر ہوں یا مونث) پہلے بسم اللہ پڑھے پھر مذکورہ بالا دعا پڑھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳)

اہل ایمان پر شیطان کا تسلط نہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں

اس کے بعد یہ بتایا کہ شیطان کا کس پر تسلط ہے یعنی شیطان کن لوگوں پر قابو پالیتا ہے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔)

یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چلتا شیطان تو سبھی کو بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جو حضرات مضبوط ایمان والے ہیں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا اور وہ ان کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے جو کوشش کرتا ہے اس میں کامیاب نہیں ہوتا، عام طور پر ایسا ہی ہے کبھی کبھار کوئی بندہ اپنے نفس کے تقاضوں کی وجہ سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو یہ دوسری بات ہے قال القرطبی قد بینا ان هذا عام یدخله التخصیص و قعد اغوی ادم وحوا علیهما السلام بسلطنه.

شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں

پھر فرمایا ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ (اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہیں۔)

اس میں یہ بتایا ہے کہ شیطان کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو شیطان سے دوستی کرتے ہیں۔ دوستی رکھنے میں کفر و شرک بدرجہ اولیٰ داخل ہے اور جو لوگ کافر و مشرک نہیں لیکن شیطان کی بات مانتے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی اس کے دوست ہیں جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اس وسوسے کو آگے نہ بڑھنے دے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر اللہ کے ذکر میں لگ جائے یا کوئی دوسرا کام شروع کردے، اگر شیطان کے وسوسہ کے ساتھ چلتا رہا تو وسوسوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور کبھی بھی جان نہ چھوٹے گی، وضو میں وسوسے ڈالے

Marfat.com

گا، ایمان میں شک ڈالے گا، نماز خراب کردے گا۔

شیطان جب انسان کو مانوس کرلے گا تو ایمانیات اور اعتقادیات میں وسوسے ڈالے گا اور وسوسوں کی مصیبت سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا شیطان وسوسہ ڈالے تو اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے کسی اور بات میں لگ جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس شیطان آئے گا وہ کہے گا کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا۔ بات بڑھاتے بڑھاتے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب یہاں پہنچ جائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے۔ (صحیح بخاری ص ۴۶۳ ج ۱)

حضرت قاسم بن محمد سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور اکثر ہوتا ہے فرمایا تو نماز کو پڑھتا رہ اور تو جس مشکل میں مبتلا ہے یہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تو ایسا نہ کرے کہ نماز سے فارغ ہو کر (شیطان سے) یوں کہہ دے کہ میری نماز نہیں ہوئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹ از موطا مالک) مطلب یہ ہے کہ شرعی اصول کے مطابق سجدہ سہو کرلو باقی شیطان کا ساتھ نہ دو نماز پڑھتے رہو وہ تو یہی کہتا رہے گا کہ یہ بات رہ گئی، نماز سے فارغ ہو کر شیطان سے یہ کہہ دو کہ چل بھاگ تجھے میری نماز سے کیا مطلب بڑا آیا ہمدرد بن کر جا میری نماز نہیں ہوئی، جب ایسا کرو گے تو شیطان دفع ہو جائے گا ورنہ وہ جان کے پیچھے لگا ہی رہے گا، ایک بزرگ تھے وہ وضو کر کے فارغ ہو جاتے تو شیطان کہتا تھا کہ تم نے سر کا مسح نہیں کیا سر کا مسح نہ کرو گے تو وضو نہ ہوگا وضو نہ ہوگا تو نماز نہ ہوگی بلکہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے، وہ بزرگ فرماتے تھے کہ کچھ دن تک تو وسوسہ دور کرنے کے لیے دوبارہ مسح کیا پھر ایک دن شیطان کو دھتکار دیا اور اس سے کہا کہ چل دفع ہو تو کہاں کا مسلمان ہے جو تجھے میرے ایمان کی فکر ہے ایسا کرنے پر پیچھا چھوٹا۔

جس نے شیطان سے دوستی کی یعنی اس کی بات مانی اور وسوسوں کے آگے بڑھانے میں اس کا ساتھ دیا تو شیطان اسے برباد کردے گا اسے خود اپنے ایمان کی تو فکر ہے نہیں البتہ اہل ایمان کو طرح طرح سے بہکانے ورغلانے کی فکر میں لگا رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں ڈوبوں اور بنی آدم کو بھی لے ڈوبوں۔ نعوذ باللہ من شرور الشیطان ونزغاتہ۔

قولہ تعالیٰ: ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ اى بالله مشركون وقيل الكناية راجعة الى الشيطان و معناه الذين هم من اجله مشركون﴾ (معالم التنزيل)

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى
لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ
وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو مخاطبین کہتے ہیں کہ تو تو افترا ہی کرنے والا ہے، بلکہ ان ہی میں اکثر لوگ جاہل ہیں آپ فرما دیجیے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ ان لوگوں کو مضبوط کرے جو ایمان لائے اور یہ کلام ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے، اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو ایک آدمی سکھاتا ہے یہ لوگ جس کی طرف نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ واضح طور پر صاف

Marfat.com

عربی زبان ہے بلاشبہ جولوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہی لوگ جھوٹ کا افتراء کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ واقعی جھوٹے ہیں۔''

قرآن مجید کی بعض آیات منسوخ ہونے پر معاندین کا اعتراض اور اس کا جواب

رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں احکام میں نسخ ہوتا رہتا تھا اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرمادیا اور اس کے خلاف حکم دیدیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے اعتراض کیا کہ محمد ﷺ آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں اگر واقعی یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں نسخ کیوں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محمد اپنے پاس سے بدل دیتے ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں، سورہ بقرہ میں ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ کے ذیل میں ان لوگوں کا اعتراض اور اس کا جواب مذکور ہو چکا ہے یہاں ﴿وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ﴾ (الآیة) فرما کر ان کا اعتراض اور اعتراض کا جواب ذکر فرمایا ان کا اعتراض جہالت پر مبنی تھا اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں جب اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کو منسوخ فرمایا تو اس کی جگہ دوسرا حکم دیدیا دوسرا حکم کبھی بندوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہوتا تھا اور کبھی مکمل ہوتا تھا لیکن اعتراض کرنے والے کو اعتراض ہی آتا ہے ان میں اکثر جاہل ہوتے ہیں اسی لیے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ فرمایا، اور بعض لوگ علم تو رکھتے ہیں لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا ﴿وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے، جو حکم پہلے نازل فرمایا وہ بھی اسے معلوم ہے اور بعد میں جو حکم نازل فرمایا وہ اسے بھی جانتا ہے جسے سب کچھ معلوم ہے اور جس کے ہاں بھول نہیں ہے اس نے حکمت کے مطابق پہلے ایک حکم بھیجا پھر دوسرا حکم نازل فرمادیا وہ بھی حکمت کے مطابق ہے اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔

پھر فرمایا ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ (الآیة) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آپ اپنی طرف سے بات کہتے ہیں اور اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ کلام میرا بنایا ہوا نہیں اور احکام میں جو نسخ ہے وہ میری طرف سے نہیں۔ حضرت روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے نازل فرمایا ہے یہ بالکل حق ہے جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا ہے اہل ایمان کے ایمان میں مضبوطی اور پختگی آتی ہے اور قرآن کے ذریعہ انہیں ہدایت بھی ملتی ہے اور قرآن پر عمل کرنے پر جو انعام ملیں گے ان کی خوشخبری بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے

﴿وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ﴾ (الآیة) اس آیت میں مشرکین مکہ کے ایک بہتان کا تذکرہ ہے اور ساتھ ہی اس بہتان کا رد بھی مذکور ہے، جب کوئی شخص مخالفت پر ہی کمر باندھ لے تو اسے یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ جو قرآن مجید سناتے تھے تو مشرکین کبھی تو یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ یعنی پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں اور کبھی کہتے تھے کہ یہ باتیں انہیں فلاں شخص سکھاتا ہے فلاں شخص سے کون مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں ان میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص پہلے نصرانی تھا عجمی تھا (عربی نہیں تھا) اس نے اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرتے تو اسے اسلام کی باتیں سکھاتے تھے، اس شخص کا نام یعیش تھا، رسول اللہ ﷺ اس کو سکھانے کے لیے تشریف لے جاتے اور وہ آپ سے دین سیکھتا تھا لیکن مشرکین مکہ الٹی ہی بات کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد جو گزشتہ زمانہ کی باتیں بتاتے ہیں یا آئندہ واقعات کی خبر دیتے ہیں یہ اس شخص سے سیکھ کر بتاتے ہیں جس کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو شخص ایسے تھے جو اہل مکہ میں سے نہیں تھے لیکن مکہ معظمہ میں رہتے تھے یہ تلواریں بنانے کا کام کرتے تھے اور توریت و انجیل پڑھتے تھے جب نبی اکرم ﷺ کو اہل مکہ تکلیف پہنچاتے تھے تو آپ ان دونوں کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور

Marfat.com

ان کا کلام سن کر راحت محسوس فرماتے تھے۔ مشرکین مکہ نے جو آپ کو ان کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ انہیں دونوں سے باتیں سن لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے مشرکین مکہ کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جن کی طرف باتیں سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہیں وہ نہ عرب ہیں نہ فصیح عربی جانتے ہیں انہوں نے ایسی واضح فصیح عربی زبان میں آپ کو کیسے تعلیم دے دی؟ ایک عجمی جو صحیح عربی بول بھی نہیں سکتا وہ اتنی بڑی فصاحت و بلاغت والی عبارت کیسے تلقین کر سکتا ہے جس کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء عاجز ہو گئے، زمانہ نزول قرآن سے لے کر آج تک کسی کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہوگی کہ ﴿فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ کا چیلنج قبول کرے۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے) اس میں یہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ واقعی اللہ کی آیات ہیں پھر بھی ضد و عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دے گا۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ دنیا میں ان کی سزا یہ ہے کہ ایمان سے محروم رہیں گے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ (جھوٹ کے افتراء کا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پاس سے بنا کر یا کسی سے سن کر اپنی باتوں کو اللہ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ افتراء کرنے والے نہیں ہیں افتراء کرنے والے وہی ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہ بات جانتے ہوئے کہ ایک امی شخص ایسی عبارت نہیں بنا سکتا اور جس کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ اس نے سکھا دیا وہ عجمی ہے پھر بھی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ نے افتراء کر لیا یا ان کو کسی نے سکھا دیا یہ ان لوگوں کا افتراء ہے۔ ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ اور یہ لوگ جھوٹ کی صفت سے متصف ہیں اور جھوٹ نے ان کے اندر جگہ پکڑ لی ہے، قال القرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۰ یقال کذب فلان ولا یقال انه کاذب لان الفعل قد یکون لازما وقد لا یکون لازما فاذا قیل کذب فلان فهو کاذب کان مبالغة فی الوصف بالکذب۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

”جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا مگر جس شخص پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے لیکن جس نے دل کھول کر کفر اختیار کر لیا سو ان پر اللہ کا غصہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے دنیا والی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا اور بلاشبہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی، اور یہ لوگ واقعی غافل ہیں، لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ تباہ کاروں میں سے ہوں گے۔“

ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا، جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ میں توحید کی دعوت دینا شروع کیا تو اہل مکہ کو بہت ناگوار ہوا وہ اس کو نئی بات سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کو پہلے تو محبوب جانتے تھے لیکن توحید کی دعوت دینے کی وجہ سے آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کی دعوت جو قبول کر لیتے تھے ان کے ستانے میں تو بہت ہی زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے، ابتداءً جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں عموماً وہ لوگ تھے جو دنیاوی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو غلام تھے یا باہر سے آئے ہوئے تھے ان کے مارنے پیٹنے میں مشرکین مکہ ذرا سی کسر بھی اٹھا کر نہیں رکھتے تھے، حضرت خباب، حضرت بلال، حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم انہیں تکلیف اٹھانے والے حضرات میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمار اور ان کی والدہ سمیہ اور صہیب اور بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم رسول اللہ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا (ابو طالب) کے ذریعے فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا ذریعہ ان کی قوم کو بنا دیا باقی حضرات کو مشرکین مکہ نے لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا مشرکین ان سے کہتے تھے کہ ایمان سے پھر جاؤ اور کفر کا کلمہ کہہ دو ورنہ اسی عذاب میں رہو گے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب نے صرف زبانی طور پر مشرکین کے کہنے کے مطابق بعض کلمات کہہ دیئے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے زبان سے بھی کوئی کفریہ کلمہ نہیں کہا انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی راہ میں بالکل ہی بے حقیقت بنا دیا، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین کو مشرکین نے شہید کر دیا ان کی والدہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔
(البدایۃ والنہایہ ص ۵۹ ج ۳)

مذکورہ بالا آیت اسی موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض صحابہ نے دل سے ایمان پر مطمئن ہوتے ہوئے کافروں کی مار سے بچنے کی وجہ سے ظاہری طور پر صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیا تھا، تفسیر درمنثور ص ۱۳۲ ج ۴ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا خبر ہے انہوں نے عرض کیا کہ بری بات ہے پھر بیان کیا کہ آج میں اس وقت چھوٹا ہوں جبکہ آپ کے بارے میں غلط کلمات استعمال کیے اور ان کے معبودوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا، آپ نے فرمایا تمہارے دل کا کیا حال ہے عرض کیا دل تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے فرمایا اگر وہ لوگ پھر ایسی ہی تکلیف دینے لگیں تو پھر ایسے کلمات کہہ دینا اس پر آیت کریمہ ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ نازل ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا اس کے بارے میں ﴿وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ نازل ہوئی۔

آیت بالا میں یہ بتا دیا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے پھر مرتد ہو جائے اور یہ مرتد ہونا دل سے ہو شرح صدر کے ساتھ ہو ایسے شخص پر اللہ کا غصہ ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا کہ کفر اختیار کر لے اور اس نے جان بچانے کے لیے کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اس کی گنجائش ہے اور اجازت ہے (لیکن اگر تکلیف کو جھیل جائے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کیا یا شہید ہو جائے جیسا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین نے اختیار کیا تو یہ افضل ہے) تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے آدمیوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور انہیں مسیلمہ کے پاس لے آئے مسیلمہ نے ایک سے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے کانوں پر ہاتھ دھر کر اشارہ کر دیا کہ میں بہرا ہوں اس پر مسیلمہ نے ان کو قتل کر دیا پھر دوسرے سے اسی طرح سوال کیا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں انہوں نے کہا ہاں پھر کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے اس پر بھی ہاں کر لیا، لہٰذا ان کو چھوڑ دیا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا تیرا ساتھی (جو مقتول ہو گیا) وہ تو ایمان پر گزر گیا (یعنی دل سے بھی مومن رہا اور زبان سے بھی کوئی کلمہ ایمان کے خلاف نہیں کہا) اور تو نے رخصت یعنی شرعی اجازت پر عمل کر لیا۔ واضح

Marfat.com

رہے کہ محض یوں ہی ڈرانے دھمکانے کا نام اکراہ نہیں ہے۔

اگر کوئی فرد یا جماعت یوں کہے کہ اتنا ماریں گے کہ کوئی نہ کوئی عضو تلف کر دیں گے یا قتل کر دیں گے اور وہ واقعی اس پر قادر بھی ہوں اور جس سے کہا ہے بھاگنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ایسی صورت میں بھی صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دینے کی اجازت ہے، دل ہر حال میں ایمان سے سرشار اور لبریز رہنا لازم ہے۔

عبداللہ ابن ابی سرح جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے پھر ان کو شیطان نے بہکایا تو مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے، فتح مکہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں خدمت عالی میں لے کر حاضر ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا، گو وہ بعد میں مسلمان ہو گئے لیکن آیت شریفہ میں جو ﴿وَ لٰكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا﴾ فرمایا ہے اس کا مضمون اور اس کا حکم تا ابد باقی ہے جو شخص پہلے ہی سے دل سے کافر ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد دل سے کفر اختیار کر لے اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور آخرت میں اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی صاحب اقتدار نے مردار، خنزیر کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور یوں کہا کہ بات نہ مانے گا تو مار ڈالوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا اور اندازہ ہے کہ مذاق میں یا محض دھمکی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہے تو اس صورت میں حرام چیز کھانے پینے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ایسے موقع پر حرام کھانا پینا فرض ہے۔ اگر حرام نہ کھایا اور زبردستی کرنے والے نے قتل کر دیا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ﴾ (اللہ تعالیٰ کا یہ غصہ اس لیے ہے کہ انہوں نے دنیا والی زندگی کو آخرت والی زندگی پر ترجیح دی) اصل بات یہ ہے کہ اسلام کو سچا جاننے کے باوجود اسلام قبول نہ کرنا یا اسلام قبول کر کے دوبارہ کفر میں چلا جانا یہ دنیا کی محبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، عہد اول کے مسلمانوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ہمارے مال چھن جائیں گے یا عہدے جاتے رہیں گے یا زمین وجائیداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا یا عزیز واقارب چھوٹ جائیں گے یا ہم پر مار پڑے گی یا قتل کر دیئے جائیں گے، جب ان پر حق واضح ہو گیا تو دنیا اور دنیا کی زندگی اور اہل دنیا اور دنیا کے منافع ٹھکرا دیئے اس زمانہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا اور اس کے بعد بھی جو لوگ اسلام سے بچتے رہے ان سب کے سامنے دنیاوی جاہ ومال اعزہ واقربیٰ آتے رہے اور ان کی وجہ سے اسلام سے منہ موڑے رہے، اور اب اس زمانہ میں بھی جبکہ اسلام کی حقانیت واضح طور پر سب کے سامنے آ چکی ہے اور اس کے حق ہونے کے اقراری بھی ہیں پھر بھی قبول نہیں کرتے اس میں بھی وہی جاہ ومال کی محبت کام کر رہی ہے جو ان کے دلوں میں پیوست ہے، جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں وہ اپنی آخرت کو ترجیح دیتے ہیں ان کا ضمیر انہیں بتاتا ہے کہ حقیر دنیا جو چند روزہ ہے اگر تھوڑا سا مال اور ذرا سا اقتدار جاتا رہا تو آخرت کی بے نہایت نعمتوں کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں، ہندوستان جیسے ملک میں ہندو مسلمان ہوتے رہتے ہیں انہیں خاندان کے لوگ اور پولیس والے اور شہر والے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں وہ پھر بھی اسلام پر جمے رہتے ہیں۔

جو لوگ اسلام قبول کر کے کافر ہو جاتے ہیں وہ بھی مال یا عورت یا عہدہ کی وجہ سے ایمان کو چھوڑتے ہیں، حقیر دنیا کے لیے اپنی آخرت کو تباہ کر لیتے ہیں، بعض جماعتیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں جن میں ختم نبوت کے منکر بھی شامل ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبی ماننے کی وجہ سے کافر ہیں یہ لوگ اور ان کے استاد یعنی نصاریٰ (جن سے انہوں نے اہل ایمان کے دلوں سے ایمان کھرچنے کا طریقہ سیکھا ہے) یہ سب مال وجاہ اور عورتوں کی پیشکش کرتے رہتے ہیں اور دنیا سے محبت کرنے والوں کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں یہ دنیا وبال عظیم ہے۔

﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِي الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا) جب دنیا کی وجہ سے کفر اختیار کر لیا تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت نہ ہوگی مزید فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَ سَمۡعِهِمۡ وَ اَبۡصَارِهِمۡ﴾ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی) کفر پر اصرار کرتے رہے ہدایت سے دور ہوتے چلے گئے تو ان کے دلوں کانوں

Marfat.com

اور آنکھوں پر مہر لگ گئی۔ ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو بالکل ہی غافل ہیں) ان کی غفلت نے ان کو ڈبو دیا دنیا میں ایمان سے اور آخرت میں ابدی نعمتوں سے محروم ہوئے۔

﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (یہ بات لازمی ہے کہ یہ لوگ آخرت میں بالکل ہی تباہ ہوں گے) نہ صرف یہ کہ جنت سے محروم ہوں گے جس کا ایمان والوں سے وعدہ ہے بلکہ دوزخ کے دائمی عذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے ظاہر ہے کہ یہ سب سے بڑی تباہ کاری ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو بلاشبہ آپ کا رب ان چیزوں کے بعد بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، جس دن ہر شخص اپنے نفس کی طرف سے جدال کرے گا اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل (ص ۸۷ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ عیاش بن ابی ربیعہ اور ابی جندب اور ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عبداللہ بن ابی اسید کے بارے میں نازل ہوئی ان حضرات کو مشرکین نے اسلام قبول کرنے پر تکلیفیں دیں تو انہوں نے ان کے شر سے محفوظ ہونے کے لیے بعض ایسے کلمات کہہ دیئے جو مشرکین کی خواہش کے مطابق تھے پھر ان حضرات نے ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا اور استقامت کے ساتھ ایمان پر جمے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر مہربانی فرمائے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت حسن اور حضرت عکرمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ہو گئے ہجرت کی اور جہادوں میں بھی حصہ لیا۔

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے یہ اعلان عام ہے کہ کفر کے بعد جو بھی شخص ایمان قبول کرے گا اور ایمان پر ثابت قدم رہے گا دار السلام کو ہجرت کرے گا جہاد میں حصہ لے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا اسلام کی وجہ سے وہ سب معاصی ختم ہو جاتے ہیں جو زمانہ کفر میں کیے تھے اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ فتنہ میں ڈالنے والے ہوں یا فتنہ میں ڈالے جانے ہوں اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرنے پر پچھلا سب کچھ معاف ہے۔ قد قرأ ابن عامر فتنوا علی صیغة الماضی المعلوم۔

دوسری آیت میں قیامت کا منظر بیان فرمایا کہ اس دن ہر شخص اپنے نفس کی جانب سے جدال کرے گا یعنی دفاع کرے گا جواب دہی کی کوشش کرے گا مجرمین انکاری ہوں گے، کبھی اقراری ہوں گے وہاں اعمال کا ذرہ ذرہ موجود پائیں گے۔ خیر اور شر جو بھی کوئی عمل کیا تھا سب سامنے ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

Marfat.com

مِّنۡهُمۡ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی۔ یہ بستی امن والی تھی اطمینان والی تھی اس کا رزق ہر جگہ سے بڑی فراغت کے ساتھ اس کے پاس آتا تھا پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا اور البتہ ان کے پاس انہیں میں سے رسول آیا سو اس نے انہیں جھٹلایا۔ لہٰذا انہیں عذاب نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔''

ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں کسی خاص بستی کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی مثال بیان فرمائی ہے، اور اس سے اہل مکہ کو متنبہ کرنا اور ڈرانا مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ بہت سی بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جو امن اور اطمینان سے رہتی تھیں اس کے رہنے والوں کی زندگی خوب اچھے طریقے پر گزرتی تھی ہر جگہ سے ان کے پاس رزق پہنچتا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ نعمتوں کی ناشکری کی کفر پر جمے رہے۔ ان کے پاس جو رسول آیا اُس کو جھٹلا دیا ان کی ان سب حرکتوں کی وجہ سے انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ یہ عذاب بھوک کا بھی تھا خوف کا بھی۔ جن بستیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ان میں سے کسی بھی بستی کا حال سامنے رکھ لو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''بستی'' سے خود مکہ معظمہ ہی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ انہیں میں سے تھے نسب کے اعتبار سے آپ قریشی اور ہاشمی تھے۔ جن کی مکہ معظمہ میں بات چلتی تھی اور آپ مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں سے بھی تھے مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا کہ امن چین سے رہتے اور زندگی گزارتے تھے۔ عرب کے قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن حرم کی وجہ سے اہل مکہ پر کوئی حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کو سورہ عنکبوت میں یوں فرمایا ہے۔ ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ﴾ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اہل مکہ کے لیے کھانے پینے کی فراوانی بھی خوب تھی۔ ہر طرف سے ان کے پاس رزق آتا تھا۔ خوب کھاتے پیتے اور پہنتے تھے۔ اس کو سورہ قصص میں یوں بیان فرمایا۔ ﴿اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجۡبٰۤی اِلَیۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کی نبوت کے ماننے سے انکاری ہوئے۔ اور آپ کو طرح طرح سے ستانے اور دکھ دینے لگے۔ اور آپ کو مکہ معظمہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ کے نبی کو ستایا اور اس شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جو آپ کا وطن اصلی اور وطن عزیز تھا۔ بلکہ آپ کے اجداد حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا آباد کیا ہوا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے تب بھی اہل مکہ نے اپنی دشمنی جاری رکھی۔ آپ نے ان کے لیے بددعا کر دی اور عرب قبائل جو مسلمان ہو گئے ان سے فرما دیا کہ اہل مکہ کو غلہ نہ دیں سات سال تک بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار چیزیں مرے ہوئے کتے اور جلی ہوئی ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوئے۔ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا جیسے آسمان تک دھواں ہی دھواں ہے۔ یہ ان کی بھوک کا عالم تھا اور کیونکہ اہل ایمان سے دشمنی تھی اس لیے مسلمانوں کی طرف سے خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ اہل مکہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ صلہ رحمی والے ہیں مردوں سے دشمنی ہے عورتوں اور بچوں کو کیوں تکلیف میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو اجازت دے دی کہ اہل مکہ کو غلہ پہنچائیں اور خود بھی اپنے پاس سے ان کے لیے غلہ بھیجا اہل مکہ نے عمومی طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن آپ نے ان کی تکلیف کو دور کرنے کی راہ استوار فرما دی۔ صاحب معالم التنزیل

Marfat.com

نے اسی کو اختیار کیا ہے آیت بالا میں ﴿قَرْيَةً﴾ (بستی) سے مکہ معظمہ ہی مراد ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کو بطور مثال پیش فرما کر دوسرے شہروں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو جب نعمتوں کی ناشکری اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے اہل مکہ کا ایسا ایسا حال ہوا جو بیت اللہ کے پاس رہتے تھے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے والے تھے تو تم پر بھی عذاب آسکتا ہے کفر سے اور کفران نعمت سے توبہ کرو۔ اور ایمان لا کر اللہ کے سچے پکے بندے بن جاؤ۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نعمتوں کی ناشکری نعمتوں کے زوال کا سبب بن جاتی ہے اور سورہ ابراہیم میں فرمایا ہے۔ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ (اگر تم شکر کرو گے تو اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے۔)

فائدہ: جوع اور خوف کو لباس فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے نعمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے نعمتوں نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔ اب جب بھوک کی وجہ سے دبلے ہو گئے اور ان کا حال بدل گیا رنگ متغیر ہو گیا تو گویا پہلے لباس کے بعد انہوں نے دوسرا لباس اوڑھ لیا اس لیے بھوک اور خوف کو لباس سے تعبیر فرمایا اور چونکہ اپنی خوشی سے نہیں اوڑھا تھا اس لیے ﴿أَذَاقَهَا اللّٰهُ﴾ فرمایا کہ اللہ نے انہیں یہ لباس پہنا دیا۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ لباس پہنانے کو چکھانے سے کیوں تعبیر کیا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۲۴۳ ج ۱۴) لکھتے ہیں کہ ان کی بدحالی کو کڑوی چیز سے تشبیہ دے کر اصابھا اور کساھا کے بجائے اذاقھا فرمایا۔ یعنی انہیں بھوک اور خوف کے ذریعہ برا مزہ چکھا دیا اپنی بدحالی کو ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے کوئی بہت کڑوی چیز کھا رہے ہوں شبه اثر الجوع والخوف وضررهما الغاشي باللباس بجامع الاحاطة والاشتمال فاستعير الله اسمه واوقع عليه الاذاقة المستعارة للاصابة واوثرت للدلالة على شدة التاثير التي تفوت لو استعملت الاصابة وبينوا العلاقة بان المدرك من اثر الضرر شبه بالمدرك من طعم المر البشع من باب استعارة محسوس لمعقول۔ (روح المعانی ص ۲۴۳ ج ۱۴)

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

''سو اس میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں رزق حلال پاک عطا فرمایا اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو، تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا گیا جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو بلاشبہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔''

اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، حرام چیزوں سے بچو

یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حلال اور پاکیزہ رزق کے کھانے کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (کیونکہ شکر بھی عبادت ہے اور کامل عبادت شکر کے بغیر نہیں ہو سکتی) دوسری آیت میں بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا کھانا حرام ہے اور ساتھ ہی مضطر کا حکم بھی بیان فرمایا، جو شخص مجبور اور مضطر ہو رہا ہو اور بھوک کی وجہ سے اس کی جان پر بن رہی ہو اور کھانے کے لیے حلال چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو تو جان بچانے کے لیے اتنا سا کھا لے جس سے جان بچ جائے اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب نہ ہو جو شخص باغی یعنی طالب لذت ہو گا یا عادی یعنی حد سے بڑھ جانے والا ہو گا یعنی جو ضروری مقدار سے زیادہ کھا جائے گا وہ گنہگار ہو گا، مجبوری کے درجہ میں جو تھوڑا سا کھا لیا اس پر گناہ نہیں ہے۔ یہ آیت ذرا سے فرق کے ساتھ سورہ بقرہ رکوع نمبر ۲۱ میں بھی گزری ہے اور سورہ

Marfat.com

مائدہ کے پہلے رکوع میں بھی محرمات بیان کردی گئی ہیں جن کو ہم نے وہاں تفصیل سے لکھ دیا ہے اس کا مراجعہ کرلیا جائے آیت بالا میں جولفظ ﴿اِنَّمَا﴾ سے حصر معلوم ہو رہا ہے یہ حصر اضافی ہے یہاں جو چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جن کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

''اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹا افتراء کرو، بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے، تھوڑا سا نفع ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کا بیان پہلے آپ سے کرچکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

تحلیل اور تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

مشرکین مکہ کا طریقہ تھا کہ انہوں نے اپنے پاس سے اشیاء کی حلت وحرمت تجویز کررکھی تھی۔ جانوروں کی تحلیل وتحریم کے بارے میں بہت سی باتیں ان کی خودتراشیدہ تھیں جس کا ذکر سورہ انعام کے رکوع نمبر ۱۶ میں اور سورہ مائدہ کے رکوع نمبر ۱۴ میں بیان فرمایا ہے یہاں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جن چیزوں کو تم نے خود سے حلال قرار دے رکھا ہے ان کے بارے میں اپنے پاس سے حلال وحرام مت کہو، حلال وحرام قرار دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس کے اختیار کو اپنے لیے استعمال کروگے تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہوگا کسی شرعی دلیل ہی سے اللہ کی پیدا فرمودہ اشیاء کو حلال یا حرام کہا جاسکتا ہے اپنی طرف سے خود تجویز نہیں کرسکتے۔

جب شرعی دلیل نہیں ہے تو اپنی طرف سے حرام وحلال تجویز کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے دنیا و آخرت میں سزا کے مستحق ہوں گے، یہ جو دنیاوی زندگی گزار رہے ہیں جس میں طرح طرح سے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان میں بعض نافرمانیوں کی وجہ سے جو کوئی لذت یا دنیاوی نفع پہنچ جاتا ہے یہ چندروزہ ہے تھوڑا سا عیش ہے ذرا سی زندگی ہے اس کے بعد آخرت میں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھتے ہیں اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اپنی طرف سے حلال وحرام قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ (اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کا بیان ہم پہلے آپ سے کرچکے ہیں) سورہ انعام کے رکوع نمبر ۱۸ میں اس کا ذکر ہے آیت شریفہ ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ کا مطالعہ کرلیا جائے، چونکہ ان کی شرارتیں اور معصیتیں بہت زیادہ تھیں اور ظلم کرتے تھے اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور سود کھاتے تھے اس لیے پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں جس کا ذکر سورہ النساء کے رکوع نمبر ۲۲ میں فرمایا ہے آیت کریمہ ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے چونکہ یہ سزا ان کے کرتوتوں کی وجہ سے دی گئی تھی اس لیے فرمایا ﴿وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

Marfat.com

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

''پھر بلاشبہ آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے جہالت سے برے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اعمال درست کرلیے بلاشبہ آپ کا پروردگار اس کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا ہے رحم فرمانے والا ہے۔''

اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے

گزشتہ چند رکوع میں متعدد احکام مذکور ہیں اور احکام کی خلاف ورزیوں پر آخرت کے عذاب کی وعید اور توبہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا وعدہ بھی مذکور ہے۔ اس رکوع کے ختم پر بھی ان لوگوں کے لیے مغفرت اور رحمت کا وعدہ فرمایا جنہوں نے جہالت یعنی حماقت سے گناہ کرلیے پھر توبہ کرلی۔ اور احوال و اعمال درست کرلیے اگر کوئی کافر و مشرک بھی توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اس کا بھی سب کچھ معاف کردیا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

''بلاشبہ ابراہیم ایک ''بڑے مقتدیٰ'' تھے اللہ کے فرمانبردار تھے سب کو چھوڑ کر ایک ہی طرف ہو رہے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے، اللہ نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دی، اور ہم نے انہیں دنیا میں خوبیاں دیں، اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے، پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجیے جو سب کو چھوڑ کر ایک طرف ہو رہے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے، ہفتہ کے دن کی تعظیم انہیں لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا، اور بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کے بارے میں ضروری فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں توحید کی دعوت دینے اور شرک کی تردید کرنے کی وجہ سے انہیں آگ تک میں ڈالا گیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو نواز دیا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کردیا، ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ نے انہیں جن کلمات یعنی جن احکام کا حکم دیا انہیں پورا کیا اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور ان کی شریعت کا اتباع کرتے تھے اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جیسا کہ آیت بالا میں مذکور ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے انبیاء کرام علیہم السلام سب ان کی شریعت کا اتباع کرنے والے تھے اور ان کی امتیں اپنے نبیوں کا اتباع کرتی تھیں اس لیے ابراہیم علیہ السلام اپنے بعد کے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے امام اور مقتدیٰ ہو گئے ان کو آیت بالا میں مقتدیٰ اور سورہ بقرہ میں لوگوں کا امام بتایا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت توحید ہی توحید ہے اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہے اس لیے سورہ بقرہ میں اس شخص کو بیوقوف بتایا جو ملت ابراہیمی سے ہٹے، ارشاد ہے ﴿وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (اور ملت ابراہیمی سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں جب فرمایا ان کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہو جاؤ، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العلمین کا فرمانبردار ہوں۔)

ملت ابراہیمی اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے داعی ہیں، جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک، بت پرست، بے حیا، بے شرم، بداخلاق، بداعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں، اور جس قدر بھی دنیا میں قبائح اور برے کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔

حج کرنا اور حج میں صفا مروہ کی سعی کرنا منیٰ میں قربانیاں کرنا، اور عید الاضحیٰ میں پورے عالم میں قربانیاں ہونا، اور ختنہ کرنا یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں سے ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں آئی ہیں۔

آیت بالا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قانت بھی بتایا ہے، یہ کلمہ لفظ ''قنوت'' سے ماخوذ ہے جو فرمانبرداری اور عبادت گزاری کے معنی میں آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانبردار بھی تھے اور عبادت گزار بھی، سورہ آل عمران نے فرمایا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ حنیف تھے اور فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید میں ''حنیف'' فرمایا ہے۔ اس کا مادہ ح۔ن۔ف ہے امام راغب لکھتے ہیں الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو المائل الى ذلك (ص ۱۳۳) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو، اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے، تفسیر درمنثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور الادب المفرد (للبخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا الحنفية السمعة یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے۔ (اس سے دین اسلام مراد ہے۔)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ مشرک بھی ہیں، قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ سورہ بقرہ میں اور سورہ آل عمران میں فرمایا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور یہاں سورہ نحل میں ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ بھی فرمایا اور ﴿وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ بھی فرمایا، مشرکین مکہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا انتساب رکھتے تھے اس میں ان کی بھی تردید ہے کہ تم مشرک ہو اور وہ موحد تھے تمہارا ان کا کیا جوڑ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ﴾ بھی فرمایا یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر عام و خاص سب ہی بندے کرتے ہیں خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بدرجہ اولیٰ شکر گزار تھے اس میں اہل مکہ کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو تمہیں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے، تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے

Marfat.com

مکہ بسایا ہے اور مکہ میں بسنے والوں کے لیے ہر طرح کے پھلوں کے لیے دعا کی موحد تھے تم بھی موحد ہو جاؤ۔ شرک چھوڑو، تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نعمتوں کے شکر گزار بھی تھے، تم نعمتوں کی قدردانی بھی نہیں کرتے (ناشکری کا وبال بھوک اور خوف کی صورت میں بھگت چکے ہو اور اب ناشکری چھوڑ دو اور ایمان قبول کرو۔)

پھر فرمایا ﴿اِجْتَبٰهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اس میں یہ بتایا کہ اللہ نے انہیں چن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی، جس کسی پر جو کوئی اللہ کا انعام ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو خیر کا امام بنایا اور مقتدیٰ بنا کر انعام عطا فرمایا یہ سب فضل ہی فضل ہے، وہ جسے چاہے اپنا بنا لے ہدایت دینا بھی اسی کی طرف سے ہے وہ جس پر فضل فرماتا ہے ہدایت دیتا ہے سورہ حج میں فرمایا ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ﴾ (اللہ منتخب فرماتا ہے فرشتوں میں سے احکام پہنچانے والے اور انسانوں میں سے بھی) حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرمایا ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى﴾ پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا سو ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت پر قائم رکھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ (اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ﴾ (اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلے میں اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ساتھ چن لیا۔)

امت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔)

اللہ تعالیٰ پر کسی کا کچھ واجب نہیں جس کو جو کچھ عطا فرمایا یہ سب اس کا کرم ہے کسی کو دینی مقتدیٰ بنایا ہو یا کوئی دنیاوی عہدہ عنایت فرمایا ہو یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ (اور ہم نے ان کو دنیا میں حسنہ سے نوازا) حسنہ اچھی حالت اچھی خصلت کو کہا جاتا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوبیاں عطا فرمائیں، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی اولاد مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت سے سرفراز فرمانا مراد ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے ان کی دعاء کی مقبولیت مراد ہے، انہوں نے یوں دعا کی تھی۔ ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ (اور میرے لیے آئندہ آنے والوں میں اچھا ذکر جاری رکھئے) دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں سب کے ماننے والے حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور اچھا کہتے ہیں، ہر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے جو درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل اور ثناء حسن بھی ہے جو اسلام کے باقی رہنے تک باقی ہے۔ ﴿وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (اور بلاشبہ آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے) سورہ بقرہ (رکوع نمبر ۱۶) میں بھی یہ الفاظ گزرے ہیں، اللہ جل شانہ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں گواہی دی کہ وہ قیامت کے دن بھی صالحین میں سے ہوں گے، ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر و صلاح سے متصف ہونے والوں میں شمار ہوں گے وہاں بھی ان کی رفعت عیاں ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۳) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ چنانچہ جنت کے دو سفید کپڑے لائے جائیں گے وہ انہیں پہنائے جائیں گے پھر اس کے بعد مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳ از دارمی)

سنیچر کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی

دنیا میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور آخرت میں جو ان کا مرتبہ ہوگا اس کا ذکر کرنے کے بعد ﴿اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ

Marfat.com

عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ فرمایا سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن انہیں مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی، انہوں نے خلاف ورزی کی اور مچھلیوں کا شکار کیا اور کچھ حیلے تراش لیے جس پر وہ بندر بنا دیئے گئے جس کا ذکر سورہ بقرہ (رکوع آٹھ میں) اور سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ یہودیوں پر یہ جہالت سوار تھی کہ وہ جس دین پر چلتے تھے اس کو ابراہیم علیہ السلام کا دین بتا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں ان کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اللہ جل شانہ نے ان کی تردید فرمائی کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کا جو یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھا ان کے بعد یہودیوں پر جیسے بعض چیزیں حرام کر دی گئی تھیں اسی طرح سنیچر کی تعظیم کا حکم بھی دیا گیا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب نہ کرو۔ ﴿قال صاحب الروح ص ۲۵۲ ج ۱۴ فان الیهود کانوا یزعمون ان السبت من شعائر السلام وان ابراهیم علیه السلام کان محافظا علیه ای لیس السبت من شرائع ابراهیم شعائر ملته علیه السلام التی امرت باتباعها حتیٰ یکون بینه وبین بعض المشرکین علاقة فی الجملة﴾

﴿الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا﴾ کے بارے میں صاحب معالم التنزیل حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔ هم الیهود استحلوا بعضهم وحرمه بعضهم (یعنی یہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے جب ان کو سنیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بعض لوگوں نے اس کی تحریم کی خلاف ورزی کی اور بعض لوگوں نے حکم کے مطابق عمل کر کے اس کو باقی رکھا۔)

یہ تفسیر زیادہ اقرب ہے جو سورہ اعراف کی تصریح کے مطابق ہے وہاں بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی اور مچھلیاں پکڑیں اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے۔

جمعہ کا دن آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے رکھا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دن اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور یوم الفطر کے دن سے بھی بڑا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۰) اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جو بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) اس دن میں اجتماع بھی رکھا گیا ہے خطبہ بھی ہے نماز جمعہ بھی ہے جمعہ میں حاضر ہونے کی بڑی بڑی فضیلتیں اور جمعہ چھوڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں احادیث شریف میں مذکور ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے (ہمارے فیصلے بھی جلدی ہوں گے اور جنت میں داخلہ بھی پہلی امتوں سے پہلے ہوگا) ہاں اتنی بات ہے کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر یہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا پھر اللہ نے ہمیں راہ بتا دی۔ (یعنی ہمارے لیے یوم جمعہ مقرر فرما دیا) سو لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے پرسوں کا دن لے لیا (صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ۱) یہ جو فرمایا کہ اہل کتاب پر یہ دن فرض کیا گیا تھا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کے نبیوں کے ذریعہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک دن اپنی سمجھ سے متعین کر لیں لہٰذا یہودیوں نے سنیچر کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن لے لیا ان کے دونوں دن بعد میں آتے ہیں پہلے ہمارا دن آتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ ہمارے تابع ہیں اپنے اپنے وقت میں جو یہود و نصاریٰ مسلمان تھے اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے اب تو سب کافر ہی ہیں۔ پھر فرمایا ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ (الآیة) (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے) یہودیوں پر سنیچر کی تعظیم لازمی کی گئی تھی اور ان پر اس دن شکار کرنا حرام کر دیا گیا تھا، وہ اس میں مختلف رہے بعض شکار کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس طرح فیصلہ فرما دے گا کہ حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائے گا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرما دے گا۔

Marfat.com

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

''اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے بلائیے، اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجیے جو اچھا طریقہ ہو، بلاشبہ آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں''

دعوت وارشاد اور اس کے آداب

اس آیت میں دعوت الی اللہ کا طریقہ بتایا ارشاد فرمایا ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ﴾ (آپ اپنے رب کی طرف حکمت کے ذریعہ بلائیے) ﴿وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ) ﴿وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (اور ان سے ایسے طریقہ پر بحث کیجیے جو بہت اچھا طریقہ ہو) اس میں تین چیزوں کی رعایت رکھنے کا حکم فرمایا اول حکمت دوسرے موعظہ حسنہ تیسرے اچھے طریقے پر بحث کرنا حکم تو رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن آپ کے توسط سے ساری امت کو اس کا حکم فرمادیا ہے حکمت، موعظہ حسنہ، مجادلہ بطریق احسن یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ذریعہ دعوت دی جائے تو عموماً منصف مزاج بات مان لیتے ہیں اور دعوت حق قبول کر لیتے ہیں دعوت الی الایمان ہو یا اعمال صالحہ کی دعوت ہو سب میں مذکورہ بالا چیزیں اختیار کرنا ضروری ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے انها الكلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع یعنی حکمت وہ صحیح بات ہے جو نفس انسانی میں خوبصورت طریقہ پر واقع ہو جائے۔ حکمت کی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان سب کا مآل یہی ہے کہ ایسے طریقے پر بات کی جائے جسے مخاطب قبول کر لے، یہ طریقے افراد و احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ یہ چاہتا ہو کہ مخاطبین میری بات کو قبول کر ہی لیں وہ اس کے لیے تدبیریں سوچتا ہے، واسطوں کو استعمال کرتا ہے نرمی سے کام لیتا ہے، ثواب بتاتا ہے اور عذاب سے بھی ڈراتا ہے، موقعہ دیکھ کر بات کرتا ہے۔ جو لوگ مشغول ہوں ان سے بات کرنے کے لیے فرصت کا انتظار کرتا ہے اور اتنی دیر بات کرتا ہے جس سے وہ تنگدل اور ملول نہ ہو جائیں، اگر پہلی بار مخاطبین نے اثر نہ لیا تو پھر موقع کا منتظر رہتا ہے، پھر جب موقعہ پاتا ہے پھر بات کہہ دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر نرمی ہی کام دیتی ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو فرمایا ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (سو تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، ممکن ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے) البتہ اپنے لوگوں کو موقعہ کے مناسب کبھی سختی سے خطاب کرنا بھی مناسب ہوتا ہے، جیسا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو سختی سے مخاطب فرمایا جبکہ انہوں نے عشاء کی نماز میں لمبی قرأت کر دی تھی، صاحب حکمت اپنے نفس کے ابھار اور کسی بغض وحسد کی وجہ سے مخاطب کو نہیں ڈانٹتا داعی کے لیے ضروری ہے کہ ناصح یعنی خیر خواہ بھی ہو اور امین یعنی امانت دار ہو جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ﴿وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ (اور میں تمہارے لیے خیر خواہ ہوں امین ہوں) حکمت کا یہ بھی تقاضا ہے جو بہت ہی اہم ہے کہ دین کو آسان کر کے پیش کرے اور نفرت پیدا ہونے کا سبب نہ بنے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (آسانی کے ساتھ بات کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ اور بشارت دو، نفرت نہ لاؤ) (صحیح بخاری ص ۱۲ ج ۱)

بہت سے لوگوں میں حق کہنے کا جذبہ تو ہوتا ہے لیکن وہ موقع نہیں دیکھتے، ہتھوڑا مار کر یا الاہنا اتار کر مطمئن ہو جاتے ہیں، کہ ہم نے تو بات کہہ دی اپنا کام کر دیا لیکن اس سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بعض مرتبہ ضد وعناد پیدا ہو جاتا ہے، ہاں جہاں پر حق دب رہا ہو وہاں زبان سے کہہ دینا بھی بڑی بات ہے ایسے موقع پر حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ حق کلمہ کہہ دیا جائے اسی کو فرمایا ہے۔ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ

Marfat.com

حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ) (سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس شخص کا جہاد ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دیا۔)

حکمت کی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات کہنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ سننے والے ملول اور تنگ دل نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ روزانہ بیان فرمایا کرتے تو اچھا ہوتا حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں روزانہ اس لیے بیان نہیں کرتا کہ تمہیں ملول اور تنگ دل کرنا گوارا نہیں ہے، میں تمہیں رغبت کے ساتھ موقع دیتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے موقع کا دھیان رکھتے تھے تا کہ ہم تنگدل نہ ہو جائیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱)

حکمت کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں نہ کرے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں اور ایسی باتیں بھی نہ کرے جو لوگوں کے لیے عجوبہ بن جائیں، اگرچہ باتیں صحیح ہوں لوگوں کو قریب کرتے رہیں تھوڑا تھوڑا علم ان کے دلوں میں داخل کرتے رہیں لوگ جب بات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اس وقت وہ بات کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ (صحیح بخاری ص ۲۴ ج ۱) یعنی لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (مطلب یہ ہے کہ بات تم صحیح پیش کرو گے لیکن مخاطبین کی سمجھ سے بالاتر ہوگی تو وہ کہیں گے ایسا نہیں ہے یا یوں کہیں گے ایسا نہیں ہوسکتا) اسی وجہ سے حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ جس علاقہ میں جو قرأت اور جو روایت رائج ہو عوام کے مجمع میں اسی کو پڑھا جائے جیسے ہمارے ملکوں میں حضرت امام عاصم رحمہ اللہ کی قرأت اور حضرت حفص رحمہ اللہ کی روایت رواج پذیر ہے کوئی کلمہ کسی دوسری قرأت کا پڑھ دیا جائے تو حاضرین کہیں گے کہ اس نے قرآن کو غلط پڑھ دیا اور اس تکذیب کا سبب وہ قاری ہی بنے گا جس نے کسی دوسری قرأت کے مطابق تلاوت کر دی۔

نیز حکم کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتماعی خطاب میں سختی ہو اور انفرادی گفتگو میں نرمی اور حکمت کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو کسی غیر شرعی کاموں میں مبتلا دیکھے تو بجائے اس سے خطاب کرنے کے محفل عام میں یوں کہہ دے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، فلاں فلاں گناہ کی یہ وعید ہے اس طرح سے ہر وہ شخص متنبہ ہو جائے گا جو اس گناہ میں مبتلا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ یوں بھی خطاب فرماتے تھے کہ ما بال اقوام یفعلون کذا کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطھور وانما یلبس علینا القرآن اولئک۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹)

لفظ حکمت بہت جامع لفظ ہے اس کی جتنی بھی تشریح کی جائے کم ہے، اجمالی طور پر یہ سمجھ لیا جائے، کہ جس فرد یا جس جماعت سے خطاب کرنا ہے ان سے اس طرح بات کی جائے کہ بات قبول کر لینا اقرب ہو اور ایسا انداز اختیار کیا جائے، جس سے وہ متوحش نہ ہوں، داعی کے طریقہ کار کی وجہ سے نہ چڑ جائیں نہ عناد پر کمر باندھ لیں مقصود حق قبول کرانا ہو نفرت دلانا نہ ہو، جب کوئی شخص نیک نیتی سے اس مقصود کو لے کر آگے بڑھے گا تو خیر پہنچانے کے وہ طریقے اس کے ذہن میں آئیں گے جو اسے کسی نے نہیں بتائے اور جو اس نے کتابوں میں نہیں پائے، انشاء اللہ تعالیٰ

اور واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کو راہ حق پر لانے کے لیے خود گناہ کرنا حلال نہیں بعض لوگ دوسروں کو ہدایت دینے کے لیے بدعتوں میں شریک ہو جاتے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے مال حرام سے دعوت کھا لیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے، ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسرے کو خیر پر لگانے کے لیے خود گنہگار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے دعوت دینے کا ارشاد فرماتے ہوئے مزید فرمایا ﴿الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ کہ موعظہ حسنہ کے ذریعہ دعوت دو یہ لفظ بھی بہت جامع ہے ترغیب و ترہیب والی آیات اور احادیث بیان کرنا اور ایسی روایات سنانا جن سے دل نرم ہو اور ایسے واقعات سامنے لانا جن سے آخرت کی فکر ذہنوں میں بیٹھ جائے اور گناہ چھوڑنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کے جذبات قلوب میں بیدار ہو جائیں یہ سب

Marfat.com

چیزیں موعظہ حسنہ میں آجاتی ہیں۔ مخاطبین کو ایسے انداز سے خطاب نہ کرے، جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کریں اور دل خراش طریقہ اختیار نہ کرے۔ جب اللہ کی راہ پر لگانا ہے تو پھر ایسے طریقہ اختیار کرنا جس سے کہ لوگ مزید دور ہو جائیں اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا عمل موعظہ حسنہ کے خلاف ہوگا۔

تیسری بات یوں فرمائی ﴿وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (کہ ان سے اچھے طریقے سے جدال کرو) جدال سے جھگڑا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ سوال جواب مراد ہے جس کا ترجمہ مباحثہ سے کیا گیا ہے، جن لوگوں سے خطاب ہوا ان میں بہت سے لوگ باوجود باطل پر ہونے اور اسلاف کی تقلید جامد ہونے کی وجہ سے حق کو دبانے کے لیے الٹے الٹے سوال کرتے ہیں ان کا جواب دینے کے لیے ایسا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے ان کا منہ بند ہو جائے اور ان کے لاجواب ہونے کو دیکھ کر ان کے ماننے والے گمراہی سے منحرف ہو جائیں اور حق کو قبول کر لیں، جب کسی شخص میں اخلاص ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیش نظر ہوتی ہے تو اللہ کی توفیق سے سوال جواب اور مباحثہ میں عمدگی اور نرمی اور موثر طریقے سے گفتگو کی توفیق ہو جاتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو دیوانہ، جادوگر، گمراہ، احمق کہا گیا اور بے تکے سوالات کیے گئے ان حضرات نے صبر و تحمل سے کام لیا جس کے واقعات سورہ اعراف اور سورہ ہود اور سورہ شعراء میں مذکور ہیں، اگر کوئی شخص برے طریقے پر پیش آئے تو اس سے اچھے طریقے پر پیش آنا لازمی ہے، سورہ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾ اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نہیں برابر ہوتی، اچھی خصلت اور بری خصلت، تو اس طریقے پر دفع کر جو طریقہ اچھا ہو، پھر اچانک وہ شخص جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا خالص دوست ہوتا ہے اور یہ خصلت انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

سورہ قصص میں فرمایا ﴿وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ﴾ اور وہ لوگ جو لغو بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

جاہلوں اور معاندوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے، اگر داعی حق نے بھی جاہل اور معاند کے مقابلہ میں آستینیں چڑھا لیں، آنکھیں سرخ کر لیں، لہجہ تیز کر دیا، ناشائستہ الفاظ زبان سے نکال دیئے تو پھر داعی اور مدعو اور صاحب حق و صاحب باطل میں فرق کیا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ نے (جس کا نام نمرود بتایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ (کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے) اس پر اس نے جیل خانے سے دو قیدی بلائے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو رہا کر دیا اور کہنے لگا کہ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں) اس نے اپنی جہالت سے یا عناد سے ایسا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندہ کرنے اور موت دینے کے بارے میں بحث کرنے کے بجائے بات کا انداز بدل دیا اور فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو پورب سے لے کر آتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ یہ سن کر وہ کافر حیران رہ گیا، اور کوئی جواب بن نہ پڑا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم متعین کرنے اور سمجھانے اور منوانے میں لگتے تو ممکن تھا کہ وہ جاہل کافر غلط مفہوم پر ہی اڑا رہتا، اور خواہ مخواہ جھک جھک کرتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بات کا انداز ایسا اختیار فرمایا جس سے وہ کافر جلد ہی خاموش ہو گیا۔

یہ واقعہ سورہ بقرہ رکوع (۳۵) میں مذکور ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو سورہ انبیاء میں مذکور ہے، ان کی قوم بت پرست تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن ان بتوں کو توڑ ڈالا۔ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے کہ ابراہیم کیا تم نے یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اور اگر بولتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ

Marfat.com

کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گفتگو کرتے کرتے انہیں یہاں تک لے آئے اور ان سے کہلوا دیا کہ یہ بولتے نہیں، تو اب تبلیغ فرمائی اور توحید کی دعوت دی۔ ﴿قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ سو تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے اور نہ ضرر پہنچا سکے۔ تم پر افسوس کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ یہ ترکیب سے بات کرنا اور تدبیر سوچنا سب موعظہ حسنہ میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اصلاح کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے کے لیے بعض مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ سفر سے آیا، میرے ہاتھ پھٹے ہوئے تھے میرے گھر والوں نے ان پر زعفران لگا دیا، ان کے بعد میں صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا جاؤ اس کو دھو ڈالو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۱ از ابوداؤد)

اور آپ ﷺ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی کے پیچھے کوئی کلمہ فرما دیا، وہ اسے پہنچ گیا اس پر اس نے اپنی اصلاح کر لی۔ حضرت خریم اسدی ایک صحابی تھے آپ ﷺ نے فرمایا خریم اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال بہت لمبے نہ ہوتے اور تہبند لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ حضرت خریم کو یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے اپنے بال کاٹ لیے جو کانوں تک رہ گئے اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلی تک کر لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۲ از ابی داؤد)

ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا ایک اونچا قبہ بنا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری کا ہے، آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب قبہ والے صاحب حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا کئی بار ایسا ہوا جس کی وجہ سے قبہ والے صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ناراض ہیں۔ حاضرین سے انہوں نے دریافت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا رخ بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ آپ ایک دن باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے قبہ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ معلوم کر کے وہ صاحب واپس لوٹے اور اپنے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا، اب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب دیکھو کہ واپس آ کر یوں نہیں کہا کہ میں گرا آیا ہوں، پھر آپ کسی دن اس طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ قبہ نہیں ہے دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کیا ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ قبہ والے صاحب نے آپ کی بے رخی کی شکایت کی تو ہم نے یہ بتا دیا کہ تمہارے قبے پر آپ کی نظر پڑ گئی تھی لہٰذا انہوں نے اس کو گرا دیا تو آپ نے فرمایا کہ خبردار ہر عمارت صاحب عمارت کے لیے وبال ہے۔ سوائے اس عمارت کے جس کی ضرورت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ڈانٹنا ڈپٹنا جھڑکنا سختی کرنا ہی تعلیم و تبلیغ نہیں ہے۔ زیادہ تر نرمی سے اور حکمت و تدبیر سے کام چلانا چاہیے، کہیں ضرورت پڑ گئی تو سختی بھی کر لینی چاہیے لیکن ہمیشہ نہیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے تو نرمی و تواضع سے پیش آتے ہیں، لیکن اپنے آل اولاد کے ساتھ صرف سختی اور مار پٹائی ہی کا معاملہ کرتے ہیں جس سے بعض بچوں کو ضد ہو جاتی ہے جب تک کم عمر رہتے ہیں پٹتے رہتے ہیں پھر جب بڑے ہو جاتے تو بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں، اس وقت ان کو دین پر ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا علیک بالرفق وایاک العنف، ان الرفق لا یکون فی شی الا زانه ولا ینزع من شئ الاشانه (اے عائشہ نرمی کو لازم پکڑ لو اور سختی سے اور بدکلامی سے بچو بلاشبہ جس کسی چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی ہٹالی جائے گی وہ اسے عیب دار بنا دے گی) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿من یحرم الرفق یحرم الخیر﴾ جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا خیر سے محروم کر دیا گیا۔

اصلاح کا طریقہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والوں سے قطع تعلق کر لیا جائے، لیکن یہ اسی وقت مفید ہے جب وہ شخص اثر لے جس سے تعلق قطع کیا گیا ہے، آج کل تو یہ زمانہ ہے کہ گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں اگر ان سے تعلق توڑ لیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا ہوا تم روٹھے اور ہم چھوٹے، لہٰذا کسی نیک آدمی کے ناراض ہونے کا کچھ اثر نہیں لیتے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ میں شر اور معاصی کا اٹھان

Marfat.com

زیادہ ہے، دینداروں کو حاجت ہے کہ اہل معاصی سے ملیں جلیں ان سے مال خریدیں، گنہگاروں کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ دینداروں کے پاس آئیں، اسی لیے قطع تعلق اور بائیکاٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اصل مقصود اصلاح ہونی چاہیے، داعی اور مبلغ ہمدردانہ طور پر سوچے کہ فلاں فرد اور فلاں جماعت میں کیا طریقہ کار مناسب ہوگا، پھر اس کے مطابق عمل کرے، بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دعوت و اصلاح کے کام میں اگر مردم شناسی اور موقعہ شناسی کو پیش نظر رکھا جائے تو بات ضائع نہیں جاتی۔

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جہاں دعوت و تبلیغ میں اخلاص ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوگی وہاں نفس اور نفسانیت کا دخل نہ ہوگا، بعض لوگ کسی کو گناہ پر ٹوکتے ہیں تو اصلاح مقصود نہیں ہوتی، دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے ٹوکتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں جس شخص سے ان بن ہوگئی اسے ذلیل کرنے کے لیے مجمع میں ٹوک دیا، مقصود اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بدلہ لینا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے جب بات کرنے والے ہی کی نیت اصلاح کی نہیں ہے تو مخاطب پر کیا اثر ہوگا، بہر حال مبلغ و داعی کو خیر خواہ ہونا لازم ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (بلاشبہ آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ہدایت والوں کو خوب زیادہ جاننے والا ہے) آپ اپنی محنت کرتے رہیں ہدایت قبول کرنے والوں اور گمراہی پر جمنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾

''اور اگر تم بدلہ لینے لگو تو اسی جیسا بدلہ لو جیسا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا، اور اگر تم صبر کر لو تو البتہ وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے، اور آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا بس اللہ ہی کی توفیق ہے، اور ان پر غم نہ کیجیے اور یہ لوگ جو کچھ تدبیر کرتے ہیں اس کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جائیے، بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو خوبی کا طریقہ اختیار کرنے والے ہوں۔''

بدلہ لینے کا اصول اور صبر کرنے کی فضیلت

ان آیات میں بدلہ لینے کا اصول بتایا ہے اور صبر کی فضیلت بتائی ہے اور متقین و محسنین کے بارے میں فرمایا کہ اللہ جل شانہ ان کے ساتھ ہے صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیات شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ غزوہ احد میں جو مسلمان شہید ہوئے کافروں نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے اور پیٹ پھاڑ دیئے تھے جب مسلمانوں نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ ہمیں ان پر غلبہ دے دیا تو ہم بھی ان کے مقتولین کے ساتھ ناک کان کاٹنے کا معاملہ کریں گے اور وہ معاملہ کریں گے جو اہل عرب میں سے کسی نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہو۔ انہی شہداء میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ ان کے بھی ناک کان کاٹے گئے تھے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ اگر آئندہ اللہ نے مجھے کامیابی دی یعنی کافروں پر غلبہ دیا تو حمزہ کا بدلہ ان کے ستر آدمیوں کے ناک کان کاٹ کر دیں گے، اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اسی جیسا بدلہ لے سکتے ہو جیسا کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ بدلہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں، فرمایا ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ (اور اگر تم صبر کر لو تو البتہ وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس ہم صبر کریں گے اور بدلے لینے کا ارادہ ترک فرما دیا۔

Marfat.com

پھر فرمایا ﴿وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (اور آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا صرف اللہ ہی کی توفیق سے ہے) ﴿وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ (اور مخالفت کرنے والوں پر غم نہ کیجیے) ﴿وَ لَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ﴾ (اور یہ لوگ جو تدبیریں کرتے ہیں ان کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جائیے) آپ اپنا کام جاری رکھیں ان کی تدبیریں دھری رہ جائیں گی۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اچھے کام کرتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تقویٰ اور احسان کی صفت سے نواز دیا تو اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو گی دشمن اپنی تدبیر میں کامیاب نہ ہوں گے چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا کہ کافر اپنی تدبیریں کرتے رہے اور اسلام آگے بڑھتا گیا۔

فالحمد لله على انعامه واحسانه ولقد تم تفسير سورة النحل بفضل الله تعالىٰ وحوله وقوته فى الليلة العشرين من جمادى الاولى سنة ۱۴۱۴ھ والحمد لله اولًا وآخرًا وظاهرًا و باطنًا۔

Marfat.com

ایاتها ۱۱۲ | ۱۷ سُورَةُ بَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّةٌ ۵۰ | رکوعاتها ۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سورۂ بنی اسرائیل مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۲ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاءِ اعلیٰ کا سفر کرایا

یہاں سے سورۃ الاسراء شروع ہو رہی ہے اسراء کا معنی ہے رات کو سفر کرانا اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اس سورت کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے اس مناسبت سے یہ سورت سورۃ الاسراء کے نام سے معروف ہے۔

آیت مذکورہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اور سورۃ النجم کی آیات ﴿عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا یَغۡشٰی مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡکُبۡرٰی﴾ میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ آیت بالا میں چونکہ ﴿اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ﴾ فرمایا ہے اور احادیث شریف میں مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر تشریف لے جانے کا بھی ذکر ہے اور اس تذکرہ میں ثم عرج بی فرمایا ہے اس لیے اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ کو لفظ ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ﴾ سے جو شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال و گمان کی تردید ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ میں شک کرتے ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کچھ قدرت ہے وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے وہ ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے اس کی قدرت کاملہ سے کوئی چیز خارج نہیں۔

اور ﴿اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ﴾ جو فرمایا اس میں رسول اللہ ﷺ کی شان عبدیت کو بیان فرمایا ہے۔ عبدیت بہت بڑا مقام ہے۔ اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرما دیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ احب الاسماء الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹ از شرح السنۃ)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے اگر تم چاہو تو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو تو بادشاہت والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لیے جبرائیل کی طرف دیکھا انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جو حدیث کی راویہ ہیں

Marfat.com

انہوں) نے بیان بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۲۱ از شرح السنۃ)

اسراء کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لفظ ﴿عَبْدِہٖ﴾ لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سن کر کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی، اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کرلے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں شریک قرار دے دے، اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کر کے گمراہ ہوئے اس طرح کی کوئی گمراہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نہ آجائے۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے ﴿کما قال تعالیٰ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں کئی قول ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لیے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ دور ہے کوئی شخص مسجد حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا پھر بہت دن کے بعد مسجد اقصیٰ پہنچے گا (جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنے جانے کا تقریباً چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے۔ (روح المعانی ص ۹ ج ۱۵)

مسجد اقصیٰ کے بارے میں ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ﴾ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت گاہ ہے اور ان حضرات کا قبلہ رہا ہے اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں، اور دنیاوی اعتبار سے اس لیے بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں، ﴿لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائب قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جاتا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہونا ان کی امامت کرنا اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا یہ سب عجائب قدرت میں سے تھا۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (بلاشبہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السمیع فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے اور ﴿الْبَصِیْرُ﴾ فرما کر یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکی میں حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تک تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالت بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ

ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں، ہم نے پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا اس لیے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

براق پرسوار ہوکر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرنا

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے میں نے دودھ کو لے لیا اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور پہلے آسمان میں حضرت آدم اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا اللہ کی کسی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ (مسلم ص ۹۷ ج ۱)

اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا منظور تھا اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجیے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا اور عرض کیا کہ اے رب میری امت پر تخفیف فرما دیجیے چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی آپ اپنے رب کی طرف رجوع کیجیے اور تخفیف کا سوال کیجیے آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا کبھی بارگاہ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کے بدلہ دس نمازوں کا ثواب ملے گا لہٰذا یہ (ثواب میں) پچاس ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا پھر اسے نہ کرے گا تو اس کے لیے (محض ارادہ کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کر لیا تو ایک گناہ لکھا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتا دی انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو میں نے کہا میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ (ص ۹۱ ج ۱)

صحیح مسلم (ص ۹۶ ج ۱) میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجیے میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کیا، (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف

Marfat.com

لے جانے سے پہلے واقع ہوا۔)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص ۶ ج ۳ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دی اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے سب انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھادی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرائیل نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے، میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لیے یوں فرمادیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرائیل نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے۔)

صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل

صحیح بخاری میں واقعہ معراج بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بواسطہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے (۲) في مجمع الزوائد ص ۴۷ ج ۱ فربطت الدابة بالحلقة التي تربط بها الانبياء ثم دخلنا المسجد فنشرت لي الانبياء سمى الله ومن لم يسم فصليت بهم (دیکھو ص ۱۵۰-۴۵۵-۴۷۱-۵۴۸ ج ۱(۲))

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پر تھا میرا سینہ چاک کیا گیا پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اس کے بعد اس کو درست کر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایہ لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا یہ چوپایہ براق تھا۔

آسمان میں تشریف لے جانا اور آپ کے لیے دروازہ کھولا جانا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات فرمانا اور ان کا مرحبا کہنا

میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک پہنچ گیا۔ حضرت جبرائیل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھولیے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے جبرائیل نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے دریافت کیا، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر مرحبا کہا گیا اور دروازہ کھول دیا گیا اور کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بك من ابن و نبي بیٹے اور نبی کے لیے مرحبا، پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرائیل سے اسی طرح کا سوال جواب ہوا جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اور اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا ان کے الفاظ یوں تھے۔ مرحبا بك من اخ و نبي (مرحبا ہو بھائی کے لیے اور نبی کے لیے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرائیل سے وہی سوال ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے سے قبل ہوا تھا پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں یوسف علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بك من اخ و نبي کہا پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرائیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی وہی کہا مرحبا بك من اخ و نبي پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبرائیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا۔ دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بك من اخ و نبي کہا پھر ہم چھٹے

Marfat.com

آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسب سابق حضرت جبرائیل سے وہی سوال جواب ہوئے، جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بك من اخ و نبی کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اس کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرائیل علیہ السلام سے حسب سابق سوال جواب ہوا جب دروازہ کھل گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بك من ابن و نبی حضرت آدم اور حضرت ابراہیم نے مرحبا بك من ابن و نبی فرمایا کیونکہ آپ ان کی نسل میں سے تھے۔ باقی حضرات نے مرحبا بك من اخ و نبی فرمایا۔

البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا

اس کے بعد ''البیت المعمور'' میرے سامنے کر دیا گیا میں نے جبرائیل سے سوال کیا یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ''البیت المعمور'' ہے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بیر ہجر[1] کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔

''سدرۃ المنتہیٰ'' کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں دو باطنی نہریں[2] اور دو ظاہری نہریں میں نے جبرائیل سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی جتنی بھی نسل چلی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے لہٰذا انہیں بھی مرحبا بك من ابن و نبی کہنا چاہیے تھا اگر اہل تاریخ کی یہ بات صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت کا ذکر مناسب جانا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام عہدہ نبوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں اور تلطفاً و تادباً ابن کہنا مناسب نہ جانا۔ (کذا فی حاشیۃ البخاری ص ۵۵۴ عن الکرمانی)

پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنے پر پانچ نمازیں رہ جانا

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا انہوں نے دریافت کیا (کہ اپنی امت کے لیے) آپ نے کیا کیا، میں نے کہا مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازوں کا اہتمام نہ کر سکے) بلاشبہ آپ کی امت کو اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جائیے اپنے رب سے (تخفیف کا) سوال کیجیے میں واپس لوٹا اور اللہ جل شانہ سے تخفیف کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس (۲۰) نمازیں کر دی گئیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نمازیں کر دی گئیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میرے درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ

---

[1] عرب میں ہجر نام کی ایک بستی تھی جہاں کے بڑے بڑے مٹکے مشہور تھے۔

[2] دو نہریں جو اندر کو جا رہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں، کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر و نہر رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرۃ کی دوسری جڑ میں ہوں اور نیل و فرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل و فرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے سو جو حصہ بارش کا نیل و فرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ آسمان سے آتا ہو بس اس طور پر نیل و فرات کی اصل آسمان پر ہوئی۔ (ذکرہ فی نشر الطیب و راجع تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ج ۳)

Marfat.com

نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میں نے کہا کہ میں نے تسلیم کرلیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں کے لیے تخفیف کردی اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کر دیتا ہوں (لہٰذا ادا کرنے میں پانچ رہیں اور ثواب میں پچاس رہیں۔)

یہ روایت صحیح بخاری میں ص ۴۵۵ پر ہے اور صحیح بخاری میں ص ۴۷۱ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابوذر رضی اللہ عنہ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے تذکرہ کے بعد یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے جبرائیل اور اوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے اور بارگاہ الٰہی میں بار بار سوال کرنے پر پانچ نمازیں باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما لا یبدل القول لدی کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کردیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ اسے ایسے رنگوں سے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا پھر میں جنت میں داخل کردیا گیا وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی خشک ہے۔

ص ۵۴۸ ج ۱ پر بھی حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث معراج ذکر کی ہے وہاں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بتوسط حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اس میں البیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ لے لیا جس پر جبرائیل نے کہا یہی وہ فطرت، یعنی دین اسلام ہے جس پر آپ ہیں اور آپ کی امت ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لیے کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سالت ربی حتی استحییت ولکنی ارضی واسلم (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں) (انتہت روایۃ البخاری)

نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام

معراج کی رات میں جو نمازوں کا انعام ملا اور پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب دینے کا اللہ جل شانہ نے جو وعدہ فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی انعام فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے لے کر آخر تک عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں (مسلم ص ۹۷ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ کبیرہ کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا ہوجائے گا (قالہ النووی) کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

معراج میں دیدار الٰہی

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رؤیت ہوئی تو وہ رؤیت بصری تھی یا رؤیت قلبی تھی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت کو ثابت کرتے تھے اور مانتے تھے جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامۃ والمرجوع الیہ فی المعضلات وقد راجعہ ابن عمر فی ھذہ المسئلۃ

Marfat.com

هل رای محمد ﷺ به فاخبره انه راه ولا یقدح فی هذا حدیث عائشة فان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی ﷺ یقول لم ار ربی وانما ذکرت ما ذکرت متأوله لقول الله تعالیٰ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ولقول الله تعالیٰ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ واصحابی اذا قال قولًا وخالفه غیره منهم لم یکن قوله حجة واذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویة وجب المصیر الی اثباتها فانها لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن وانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس ان تکلم فی هذه المسئلة بالظن والاجتهاده قلت لم اجد التصریح من ابن عباس انه رأی ربه تعالیٰ بعینی راسه وروی مسلم عنه انه راه بقلبه وفی روایة راٰهُ بفواده مرتین والعلم عند الله العلیم۔

سورۃ النجم میں جو ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی﴾ اور ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی﴾ وارد ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان میں جبرائیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے ان کو اصل صورت میں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے انہوں نے افق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے تھے کہ ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ اور ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی﴾ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح الامام النووی ص ۹۷-۹۸ ج ۱)

قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آ جانا ایک ہی رات میں ہوا واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو قریش کا قافلہ تھا اور وہ شام سے واپس آ رہا تھا صبح کو جب آپ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد ﷺ بیان کر رہے ہیں کہ رات کو انہوں نے اس طرح سفر کیا پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے، حضرت ابوبکر نے اول تو یوں کہا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اِنْ کَانَ قَالَهٗ فَقَدْ صَدَقَ کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کا لقب صدیق پڑ گیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۳۶۰ ج ۲ البدایہ والنہایہ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش فرما دیا

قریش مکہ تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس ان کا دیکھا ہوا تھا کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت المقدس گئے تھے اس میں نماز پڑھی ہے تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیز کیسی ہیں (یعنی اس کے ستون اور دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت آپ حطیم میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے رہے میں ان سب کا جواب دیتا رہا۔ (صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱)

بعض روایات میں یوں ہے فجلی الله لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته وانا انظر الیه (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لیے واضح طریقے پر روشن فرما دیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا۔) (صحیح بخاری ص ۵۴۸ ج ۱)

Marfat.com

تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۲ میں ہے کہ جب آپ نے بیت المقدس کی علامات سب بتا دیں تو وہ لوگ جو آپ کی بات پر شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا تھا ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام ضجنان میں پہنچا دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانپ رکھا تھا میں نے ان کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھانکا ہوا تھا (اہل عرب پانی، دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ کرنے پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں ان کے ہاں رواج عام پذیر تھا اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ دیکھو وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے ان کے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں ایک سیاہ رنگ کا اور دوسرا اسفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دیئے وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جب قافلے پر گزرنے کی تصدیق ہو گئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے، پھر قافلہ والوں سے سوال کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا کہ یہ تمہارا اونٹ ہے یہ آواز سن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا کہ یہ محمد ﷺ کی آواز ہے۔

سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات

معراج کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروح حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں جن کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد بن محمد سلیمان المغربی الردانی نے جمع الفوائد جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے، بعض چیزیں اوپر ذکر ہو چکی ہیں بعض ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جس پر خود عامل نہیں، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸)

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے

Marfat.com

تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

سود خوروں کی بدحالی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آ رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

کچھ لوگوں کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں، پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس سے بہت سخت آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لیے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۳)

ایک شیطان کا پیچھے لگنا

موطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو سیر کرائی گئی آپ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لیے ہوئے آپ کا پیچھا کر رہا تھا۔ آپ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ نظر پڑ جاتا تھا جبرائیل نے عرض کیا کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں جنہیں آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بتا دو! اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ یہ کلمات پڑھیں۔

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات التي لايجاوزهن بر و لا فاجر من شرما ينزل من السماء وشرما يعرج فيها، وشرما ذرأ في الارض وشرما يخرج منها ومن فتن الليل والنهار، ومن طوارق الليل والنهار، الا طارقا يطرق بخير يا رحمٰن۔ (موطا مالك كتاب الجامع)

فرشتوں کا پچھنے لگانے کے لیے تاکید کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے انہوں نے کہا کہ آپ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے کا حکم دیجیے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۹ از ترمذی وابن ماجہ)

عرب میں پچھنے لگانے کا بہت رواج تھا اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے۔ بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا ہے یہ اس کا بہت اچھا علاج ہے لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سر میں اپنے مونڈھوں کے درمیان پچھنے لگاتے تھے۔ (حوالہ بالا)

مجاہدین کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ شب معراج میں نبی اکرم ﷺ جبرائیل کے ساتھ چلے تو آپ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو ایک ہی

Marfat.com

دن میں تخم ریزی بھی کر لیتے تھے اور اسی ایک دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی آپ نے جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے

پھر آپ کا ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے، کچلے جانے کے بعد ویسے ہی ہو جاتے تھے جیسے پہلے تھے اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ لوگ نماز کے بارے میں کاہلی کرنے والے ہیں سوتے رہ جاتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی

پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں اور ضریع اور زقوم یعنی کانٹے دار خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سڑا ہوا گوشت کھانے والے

پھر آپ ﷺ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپ نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔ ضریع آگ کے کانٹے، اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبودار درخت۔

لکڑیوں کا بڑا گٹھڑ اٹھانے والا

پھر ایک ایسے شخص پر آپ ﷺ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بڑا گٹھڑ ہے وہ اسے اٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد ایسے سوراخ سے گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، وہ چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اس میں داخل ہو جائے، آپ نے سوال فرمایا یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی برا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنت کی خوشبو

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آرہی تھی یہ مشک کی خوشبو تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آرہی تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں انہیں لائیے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

Marfat.com

دوزخ کی آواز سننا

اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا وہاں صوت منکر یعنی ایک آواز ایسی سنی جو ناگوار تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا یہ جہنم ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آیئے اور اپنا وعدہ پورا فرمایئے۔ (انتہت روایۃ ابی ہریرۃ من جمع الفوائد ص ۱۵۱ ج ۳ طبع مدینہ منورہ)

باب الحفظۃ

پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ (فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷ سیرت ابن ہشام)

پہلے آسمان پر داروغہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا

جب آپ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں، آپ نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لیے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت (بھی) آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی، یہ فرشتہ ہنستا ہی نہیں ہے آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا کہ اس فرشتے سے کہیے کہ مجھے دوزخ دکھادے، جبرائیل علیہ السلام نے اس سے کہا یا مالك ار محمد ان النار (اے مالک محمد ﷺ کو دوزخ دکھادو) اس پر اس فرشتے نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اٹھ آئی آپ نے فرمایا اے جبرائیل اس کو کہیے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کردے، چنانچہ جبرائیل نے اس فرشتے سے کہا کہ اس کو واپس کردو فرشتے نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۲۴۹ علی ھامش الروض الانف)

دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دودھ کو لے لینا

صحیح مسلم میں (ص ۹۱) جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا ہے آپ نے دودھ لے لیا اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ پر مذکور ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لے لیا اور امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ بیت المعمور سامنے کیے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لیے چیزیں پیش کی گئی ہوں اور پھر عالم بالا میں بھی حاضر خدمت کی گئی ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے دوبارہ پیش کیے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے، صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں بعض مرتبہ راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر دیتا ہے و مع ذالك المثبت مقدم علی من لم یحفظ صحیح مسلم (کی روایت ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے دودھ لے لیا تو حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ الفتح الباری (ص ۲۱۵ ج ۷) میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جو ھی الفطرۃ التی انت علیھا فرمایا، ممکن ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور ہر بچہ

Marfat.com

فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہٰذا فطری طور پر فطرت اسلام اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لیے فطرت سے دین اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (جو برتن پیش کیے گئے وہ) چار تھے دودھ اور شہد اور خمر اور پانی، کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہہ دیا کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لیے مشابہ دنیا کے ہے، شہد بھی اکثر تلذذ کے لیے پیا جاتا ہے غذا کے لیے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا اور پانی بھی معین غذا ہے غذا نہیں جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے۔ (کذا فی نشر الطیب وراجع فتح الباری ص ۲۱۵ ج ۸) تفسیر ابن کثیر ص ۵ ج ۳ میں دلائل النبوۃ للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے پانی کو اور شراب کو چھوڑ دیا اور دودھ کو لے لیا تو جبرائیل نے کہا کہ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر شراب پی لیتے، تو آپ اور آپ کی امت راہ صحیح سے ہٹ جاتی۔

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایات حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں طرح وارد ہوا ہے لفظ ''سدرۃ'' عربی زبان میں بیری کو کہتے ہیں اور ''المنتہیٰ'' کا معنی ہے انتہاء ہونے کی جگہ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اس پر منتہی ہوتے جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔)

پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سدرہ پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کی پروانے چھائے ہوئے تھے اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں ۱۰۰ سو سوار سایہ لے سکتے ہیں۔

قال النووی قال ابن عباس والمفسرون وغیرھم سمیت سدرۃ المنتھی لان علم الملئکۃ ینتھی الیھا ولم یجاوزھا احد الا رسول اللہ ﷺ۔

جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک دیکھتا ہوں کہ میں ایک ایسی نہر پر ہوں جس کے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرائیل یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے میں نے جو دھیان کیا تو دیکھتا ہوں کہ اس کی مٹی (جس کی سطح پر پانی ہے) خوب تیز خوشبو والا مشک ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۷۱)

فوائد و اسرار اور حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف

براق کیا تھا اور کیسا تھا؟

''لفظ براق'' بریق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں

Marfat.com

برق کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے اس تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سوار ہوتے تھے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ص ۳۹۰ ج ۲) میں ارشاد نقل کیا ہے۔ و کانت الانبیاء ترکبه قبل (اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں۔)

براق کی شوخی اور اس کی وجہ

سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس براق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی اور زین کسی ہوئی تھی، براق شوخی کرنے لگا، جبرائیل نے کہا کہ تو محمد ﷺ کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمد (علیہ السلام) سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی براق پسینہ پسینہ ہوگیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا) قال الترمذی هذا حدیث حسن غریب) دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھمادیا پھر مجھے اس پر سوار کردیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۵)

بعض روایات میں ہے کہ جب بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کردیا پھر اس سوراخ سے آپ نے براق کو باندھ دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانہ فترت میں (یعنی اس عرصہ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا اور بعض حضرات نے یوں کہا کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخرالانبیاء اور افضل الانبیاء ﷺ سوار رہے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۲)

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرادے لیکن آپ کو تشریفاً و تکریماً براق پر سوار کرکے لے جایا گیا۔ اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا کیونکہ سوار بنسبت پیدل چلنے والے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لیے سواری بھیجی گئی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعے آسمانوں پر جانا

جب مکہ معظمہ سے بیت المقدس کے لیے روانگی ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہوگئے اور آپ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر سوار ہوئے۔ (فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۷)

دونوں حضرات براق پر سوار ہوکر بیت المقدس پہنچے وہاں دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھائی جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا ایک زینہ چاندی کا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت دائیں بائیں فرشتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ (فتح الباری ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹)

آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے کیا انہیں بلایا گیا ہے

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب بھی کوئی دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرائیل سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ

Marfat.com

کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ محمد (علیہ السلام) ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے حضرت جبرائیل جواب دیتے رہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے جواب ملنے پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوالات کیوں کیے کیا جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ کسی ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بڑھانے کے لیے اور خوشی ظاہر کرنے کے لیے یہ سوال جواب ہوا اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسم گرامی ملاء اعلیٰ میں معروف ہے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں۔ اسی سے پہلے سے دروازے نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لیے اس طریقے پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قائد بھیج کر بلایا گیا ہو جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بار بار آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لیے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لیے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد، اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا اور ایشیا والا افریقہ تک گیا یعنی خاکی انسان خاک پر ہی گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سموات سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا جہاں اس محبوب مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ بقدر کمالہ وجمالہ، چونکہ انسانوں میں سے وہاں کوئی نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے تاکہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لیے آج وہ دروازے کھولے جا رہے ہیں جو کبھی کسی کے لیے نہیں کھولے گئے۔ درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لیے بھی کھلے رہے ہوں قال ابن المنیر حکمتہ التحقق ان السماء لم تفتح الامن اجلہ بخلاف ما لو وجدہ مفتوحاً۔ (فتح الباری ص ۴۶۱ ج ۱)

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرائیل علیہ السلام سے سوال و جواب ہوا اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سنا پھر زیارت کی مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے کے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العلمین کی حاضری کے لیے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لیے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا ملاء اعلیٰ متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے چلے گئے دنیا میں استقبال کے لیے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کر کے جمع ہو سکتے ہیں دروازہ کھٹکھٹایا گیا بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی

ایک یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل ہیں۔ مقام خلت کا تقاضا تسلیم و رضا ہے جو حکم ہوا مان لیا آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلیم اللہ ہیں مقام تکلم مقام ناز ہے اور موجب انبساط ہے جو کلیم جرأت کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اہل شرک وکفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا ان ہی لوگوں سے بحث ومناظرہ میں عمر مبارک صرف ہوئی آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچے فرمانبردار تھے نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشم خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت میں آزمائے تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتھم (مسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نماز پڑھنا آپ کی امت کے لیے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے تکثیر حسنات کو پیش نظر رکھا پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر سن کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ کے ذریعہ جس امت کے لیے دعا کی تھی وہ آج نوازی جا رہی ہے اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا ہے پھر بھلا وہ تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ کیوں دیتے چونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے اس لیے انہوں نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا اور انہیں بتا دینا کہ بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے، میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲)

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اس کے لیے ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو مٹی بھی عمدہ ہو پانی بھی میٹھا ہو جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا اور اس عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پا لے گا لہٰذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو اللہ کا ذکر کرو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھا کرو ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پالو گے اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ عن ترمذی)

سونے کے طشت میں زمزم سے قلب اطہر کا دھویا جانا

واقعہ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر زمزم کے پانی سے دھو کر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور پھر اسی طرح درست کر دیا گیا جیسا پہلے تھا آج کی دنیا میں جبکہ سرجری عام ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے اور زمزم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زمزم کے پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوگئی، روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلب اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا تھا چونکہ اس کا استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے اور سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس لیے اس سے امت کے لیے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور ایمان وحکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوت ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالم بالا میں جانے کی طاقت پیدا ہوگئی۔

نماز کا مرتبہ عظیمہ

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے دیگر عبادات اسی سرزمین میں رہتے ہوئے فرض کی گئیں لیکن نماز عالم بالا میں فرض کی گئی اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بالا کی سیر کرائی اور وہاں پچاس پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور ثواب پچاس ہی کا رکھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر نمازوں کی تخفیف کے لیے درخواست کرتے رہے۔ اور درخواست قبول ہوتی رہی عالم بالا میں بار بار آپ کی حاضری ہوتی رہی، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات ہوئی پھر اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابہ کی اور صحابہ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تا حیات یہ مناجات ہوتی رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کے دربار کی حاضری ہے اس لیے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لیے لازم نہیں کیے گئے باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادت میں مشروط نہیں ہیں (گو ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہیں الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کیے گئے تھے۔ حاضری کے وقت آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جواب ملا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سن کر آپ نے عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ﴾

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً توحید ورسالت کی گواہی دی، اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے کلمات ادا کیے۔

نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لیے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی سترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دلجمعی رہے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے نماز پڑھتے ہوئے انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے، کھانے کا تقاضا ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا اور یہ دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہو تو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے جب بندہ توجہ ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

منکرین وملحدین کے جاہلانہ اشکالات کے جواب

روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بیداری میں روح وجسم کے ساتھ معراج کرائی اہل السنۃ والجماعت کا یہی مذہب ہے ایک ہی رات میں آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے وہاں حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف کرنے کی درخواست کرتے رہے اور خالق کائنات جل مجدہ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمایا پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دے دیئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا اور آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہو گیا تو قریش کا منہ بند ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

لیکن اب دور حاضر کے ملحدین واقعہ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں، اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں

Marfat.com

کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کر لی اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ فرمایا ہے اس میں ﴿بِعَبْدِهٖ﴾ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز لفظ ﴿اَسْرٰی﴾ جو سری یسری (معتل اللام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سری اور اسری سے تعبیر نہیں کیا جاتا لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ ھداھم اللّٰہ تعالیٰ

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین سے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں کرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا اور فلاں کرہ سے زندہ نہیں گزر سکتا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اول تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کرہ سے چاہے باسلامت گزار دے اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، اور سانس لینے کو بھی تو اس نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اگر وہ انسان کو تخلیق کی ابتدا ہی سے بغیر ہوا اور بغیر سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی، اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لیے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے۔

بعض جاہل تو آسمان کے وجود کے ہی منکر ہیں ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ کسی چیز کو نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو محض انکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ﴾

فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالق کائنات جل مجدہ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا لیکن اصحاب فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں اور اب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے، اب بتاؤ ان انکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالق کائنات جل مجدہ کا فرمان صحیح ہے؟ سورہ ملک میں فرمایا ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف ہے خبیر ہے۔)

فلسفہ قدیمہ والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا یہ بھی ان کی انکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے نہ جا کر دیکھا زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا، جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بتائے، سورہ اعراف میں فرمایا ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ اور سورہ نباء میں فرمایا ﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا﴾ اور آسمان کے پھٹنے کا بھی ذکر فرمایا جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا۔ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ﴾ میں تذکرہ فرمایا ہے لہٰذا ان لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی یہ اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہو سکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے ہیں ان کا وجود نہ تھا اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے جہاں سے بیت المقدس تھوڑی ہی دور ہے اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہو سکتے ہیں اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لیے تسلیم کر لیے جائیں تو اس میں کوئی بعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرما دے، اور نئی سواریاں پیدا فرما دے جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورہ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا ہے ﴿وَیَخْلُقُ مَا لَا

Marfat.com

تَعْلَمُوْنَ﴾ اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی اب تو ایسے طیارے تیار ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفر معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنے محور پر گھومتی ہے چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کرہ سے کروڑوں میل دور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعہ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج ﷺ جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی۔ اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف دس بارہ منٹ کی مسافت بنتی ہے اس طرح بیت المقدس تک آنے جانے میں کل بیس منٹ کے لگ بھگ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لیے بچ گئی۔

مومن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنے اور تصدیق کرے۔ والمرتابون هم الهالكون۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝٢ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝٣ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝٤ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا کہ تم لوگ میرے علاوہ کسی کو کارساز نہ بناؤ، اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے، اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بتا دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں ضرور فساد کرو گے اور بڑی بلندی تک پہنچ جاؤ گے سو جب ان دونوں میں پہلی مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیں گے جو سخت لڑائی لڑنے والے ہوں گے پھر وہ گھروں کے اندر گھس پڑیں گے، اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا، پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ واپس کر دیں گے اور مالوں سے اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری امداد کریں گے، اور جماعت کے اعتبار سے تمہیں خوب زیادہ بڑھا دیں گے، اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے اچھا کرو گے، اور اگر برے کام کرو گے تو تمہاری جانوں کے لیے ہوں گے، جب دوسری مرتبہ میعاد کا وقت آئے گا تا کہ وہ تمہارے مونہوں کو بگاڑیں اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور تا کہ وہ ان سب کو ہلاک کر ڈالیں جو ان کے قابو میں آ جائیں، قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر

Marfat.com

وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو پہلے تمہارے ساتھ کیا، اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنادیا ہے۔''

بنی اسرائیل کا زمین میں دوبار فساد کرنا اور ان کو دشمنوں کا تباہ کرنا

ان آیات میں بنی اسرائیل کے اقتدار اور تسلط کا اور ان کی سرکوبی کے لیے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمانے کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ واقعات گزر چکے تھے قرآن مجید کا ان تفصیلات کو بتانا یہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے، جو لوگ یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ اپنے پاس سے قرآن بنالیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے ان تمام واقعات میں ان لوگوں کی تردید ہے، یہ سابقہ خبریں آپ کو کسی انسان نے نہیں بتائیں اور آپ امی بھی تھے لہٰذا پرانی کتابوں سے اخذ کرنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائیں، اور یہ سب کچھ یہود کے لیے تو خاص طور سے عبرت اور نصیحت ہے وہ جانتے تھے کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے اور انہیں یہ واقعات معلوم تھے جو وقتاً فوقتاً ان کے بڑوں کے ساتھ پیش آئے، ایک امی شخص کے بتانے کے بعد (جس کے پاس وحی کے سوا معلوم ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا) بھی ایمان نہ لائے۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی یعنی توریت شریف عطا کی، اور اس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا، اس میں توحید کا بھی حکم تھا اور تفصیلی احکام بھی تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز قرار مت دینا، لیکن بنی اسرائیل توریت شریف کی مخالفت کرتے رہے جس کی وجہ سے دنیا میں سزا بھگتتے رہے، کبھی انہیں اقتدار مل جاتا تھا اور اونچے پیمانہ پر زوردار طریقہ سے زمین میں حکمرانی کرتے اور کبھی دشمن ان پر چڑھائی کردیتے اور ان کا ناس کھودیتے تھے جس سے انہیں ذلت اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔

ان واقعات کی تفصیل بتانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا ایک انعام یاد دلایا کہ تم لوگ نوح علیہ السلام کی ذریت ہو اور ان کی نسل سے ہو جب قوم کی سرکشی کی وجہ سے قوم پر عذاب آیا تھا تو ان کو اور ان کے خاندان کو (بیوی اور ایک بیٹے کے علاوہ) اور دیگر اہل ایمان کو (جو تھوڑے سے تھے) ان کے ساتھ کشتی میں سوار کردیا تھا اس کشتی میں جو لوگ سوار تھے آگے انہیں لوگوں کی نسل چلی اور دنیا میں پھلی اور پھیلی، بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ دیکھو توحید والوں کو کشتی میں سوار کرکے غرق ہونے سے نجات دی تھی تم انہی کی نسل سے ہو اس وقت سے لے کر آج تک نسل در نسل تم زمین پر آرہے ہو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا تم بھی اسی کو کارساز بناؤ اور اسی کی طرف متوجہ رہو۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ (بلاشبہ نوح شکر گزار بندہ تھے) جس شکر گزار بندے کے ساتھ تمہارے آباؤ اجداد نے نجات پائی اس بندہ کی طرح تم بھی منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ ہم نے پہلے ہی کتاب میں (یعنی توریت شریف میں یا انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں میں بطور پیش گوئی) یہ بات بتادی تھی کہ تم (ملک شام کی) سرزمین میں دوبار فساد کرو گے اور بندوں پر خوب زیادہ زور چلانے لگو گے، اس کے بعد ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا﴾ سے ان کا فساد اول اور ان پر دشمنوں کی چڑھائی اور ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ﴾ میں دوسری مرتبہ ان کے فساد کے بعد دشمنوں کی طرف سے یلغار اور تباہی ہونے کا تذکرہ فرمایا، آگے بڑھنے سے پہلے بنی اسرائیل کے شر و فساد اور دشمنوں کی طرف سے ان کی تباہ کاری کی تفصیل معلوم کرلینی چاہیے جو تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے، آیات بالا میں فرمایا ہے کہ ایک بار بنی اسرائیل نے زمین میں فساد کیا اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت کی، حقوق اللہ ضائع کیے اور مخلوق پر بھی مظالم کیے اس وقت ان پر دشمن مسلط کردیئے گئے تھے جو سخت جنگجو تھے اس کے بعد بنی اسرائیل سنبھل گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر نعمت اور دولت سے سرفراز فرمادیا مال بھی دیا بیٹے بھی دیئے اور ان کی جماعت خوب زیادہ بڑھادی لیکن پھر انہوں نے شرارت کی تو دوبارہ دشمن مسلط ہوگیا جس نے بری طرح ان کی بربادی کی اور دوبارہ بیت المقدس میں داخل ہوکر ان کا ناس کھودیا۔

Marfat.com

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے دومرتبہ برباد ہونے اور بیچ میں آباد ہونے کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس میں کون سے واقعات مراد ہیں اور کون سے دشمنوں نے حملہ کیا تھا اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی احادیث مرفوعہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں اور جو کچھ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے وہ اسرائیلی روایات ہیں اور ان قصوں کی تفصیل جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر ص ۲۵/ ج ۳ میں لکھتے ہیں: قد وردت فی هذا آثار كثيرة اسرائيلية لم ار تطويل الكتاب بذكرها لان منها ما هو موضوع من وضع بعض زنادقتهم ومنها ما قد يحتمل ان يكون صحيحها ونحن فی غنية عنها ولله الحمد وفيما قص الله علينا فی كتابه غنية عما سواه من بقية الكتب قبله ولم يحوجنا الله ولا رسوله اليهم۔

بنی اسرائیل کو برباد کرنے والے کون تھے

تفسیر کی کتابوں میں بنی اسرائیل کو برباد کرنے والوں کے کئی نام لکھے ہیں (۱) بخت نصر (۲) جالوت (۳) خردوش (۴) سنجاریب، پھر ان میں پہلی بربادی کس کے ہاتھوں ہوئی اور دوسری بار کس نے ہلاک کیا اس میں بھی اختلاف ہے، صاحب معالم التنزیل بہت کچھ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی بربادی بخت نصر اور اس کے لشکروں کے ذریعہ اور دوسری بربادی خردوش اور ان کے لشکروں کے ذریعہ ہوئی یہ دوسری بربادی پہلی بربادی سے بڑی تھی اس کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت قائم نہ رہ سکی اور ان کے تمام علاقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہوگئی، وہاں بنی اسرائیل تعداد میں زیادہ ہوگئے ان کی حکومت تو نہ تھی البتہ بیت المقدس پر ان کی ریاست قائم تھی۔

اللہ نے نعمت انہیں بہت دی تھی انہوں نے نعمتوں کو بدل دیا اور نئے نئے طریقے ایجاد کیے اللہ تعالیٰ نے ان پر طیطوس بن اسطیانوس رومی کو مسلط کر دیا جس نے ان کے شہروں کو ویران کیا اور انہیں ادھر ادھر بھگا دیا اور اللہ نے ان سے حکومت اور ریاست سب چھین لی اور ان پر ذلت چمٹا دی اب ان میں کوئی باقی نہ رہا جو جزیہ نہ دیتا ہو اور ذلیل نہ ہو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بیت المقدس ویران رہا پھر اسے مسلمانوں نے آباد کیا۔

اس کے بعد قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر پہلی بار جالوت کو مسلط فرما دیا تھا اس نے انہیں قید کیا اور قتل کیا اور برباد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں انہیں قوت و طاقت عطا فرما دی جس کا ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾ میں ذکر فرمایا ہے پھر دوسری بار جب شر و فساد میں منہمک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو بھیج دیا جس نے ان کو قید کیا اور برباد کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا جس کا ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾ میں تذکرہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر رحمت فرمائی لیکن ان لوگوں نے برائی کو اختیار کیا اور نافرمانیوں میں لگ گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب بھیج دیا (یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کے واقعات ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اہل عرب کو مسلط فرما دیا سورۃ انفال میں ارشاد ہے۔ ﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ (اور جب آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بری تکلیف پہنچاتے رہیں گے) لہٰذا یہودی قیامت تک عذاب میں ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ ہر دن ہر رات اور ہر سال تکلیف ہی میں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ان پر دشمن مسلط ہوتے رہیں گے جرمنی میں نازیوں نے پچاس سال پہلے جو ان کا ناس کھویا تھا وہ تاریخ دان جانتے ہی ہیں۔

﴿وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ میں بتایا کہ جو لوگ دو مرتبہ یہودیوں کو قتل کر دیں گے دونوں مرتبہ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) ﴿وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا﴾ اس میں یہ بتایا ہے کہ وہ دوسری بار بھی بنی اسرائیل کی قوت و طاقت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں گے۔ ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ اور ﴿وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا﴾ میں یہ بتا دیا کہ اچھے کام کرو گے تو اس کا اچھا پھل ملے گا اور سزا ملنے کے بعد پھر برے کاموں میں لگو گے تو پھر عذاب کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

صاحب بیان القرآن نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر جو پہلی بار تباہی آئی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی وجہ سے تھی اور

Marfat.com

دوسری بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے تھی پھر جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہودیوں نے آپ کی مخالفت کی آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا لہٰذا جلاوطن ہوئے اور ذلیل و خوار ہوئے، مسلمانوں کے لیے بنی اسرائیل اور دیگر اقوام ماضیہ کے احوال سراپا عبرت ہیں گزشتہ قوموں نے مدعی اسلام ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں ان پر عذاب آئے اور دشمنوں نے بھی حملے کیے اور تباہ و برباد کیا، امت محمدیہ بھی تکوینی قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہے ان کے ملک بھی چھینے جاتے رہے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھوں تباہی آتی رہی ہے اسپین کا واقعہ تو سب کو معلوم ہی ہے بغداد کی تباہی بھی تاریخ میں مذکور ہے کئی سو سال کی حکومت جو ہندوستان میں قائم تھی اس کا بھی علم ہے، دوسرے براعظم کی کافر قوم یعنی فرنگیوں نے آکر ہندوستان پر قبضہ کر لیا، لال قلعہ اور دہلی میں کیا ہوا بادشاہ کا کیا حال بنا جاننے والے اس کو جانتے ہیں، بادشاہ کو گرفتار کیا گیا اور رنگون میں لے جا کر بند کر دیا گیا پھر وہیں اس کی موت ہوئی سب باتیں جانتے ہوئے مسلمان اب بھی ہوش میں نہیں، گناہوں میں اور رنگ رلیوں میں اوقات گزارتے ہیں، اصحاب اقتدار دشمنوں کے سایوں میں جیتے ہیں نہ دین قائم کرتے ہیں نہ دین قائم ہونے دیتے ہیں۔ ھدی اللہ تعالیٰ جمیع المسلمین

آخر میں فرمایا ﴿وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ (اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے حصیر بنا دیا) حصیر کا ترجمہ بعض حضرات نے سجن یعنی جیل خانہ کیا ہے کیونکہ یہ حصر یحصر سے ماخوذ ہے جو روکنے کے معنی میں آتا ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے فراش یعنی بچھونا مراد ہے حصیر چٹائی کو کہتے ہیں اسی نسبت سے انہوں نے اس کا یہ معنی لیا ہے آیت کریمہ ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹ وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰

''بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت دیتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اور ایمان والوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے اور یہ بات بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔''

قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے، اہل ایمان کو بشارت اور اہل کفر کو عذاب الیم کی خبر دیتا ہے

ان دونوں آیتوں میں اول تو یہ بتایا کہ قرآن جو راستہ بتاتا ہے وہ بالکل سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی نہیں، خیر ہی خیر ہے، دنیا میں اور آخرت میں اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے انعامات ملتے ہیں، اہل ایمان جو اعمال صالحہ کرتے ہیں قرآن مجید انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ موت کے بعد تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے بہت بڑا اجر ہے نیز قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار فرمایا ہے، جو لوگ توحید اور رسالت کے قائل ہیں آخرت کو بھی مانتے ہیں آخرت کا منکر بھی مومن نہیں ہے جیسا کہ توحید اور رسالت کے منکر بھی مومن نہیں ہیں، ہر وہ شخص جو تینوں چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا منکر ہو اس کے لیے دردناک عذاب ہے جس کی جگہ جگہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱

''اور انسان برائی کے لیے ایسے دعا مانگتا ہے جیسے خیر کے لیے مانگتا ہے اور انسان جلد باز ہے۔''

انسان اپنے لیے برائی کی بددعا کرتا ہے، اس کے مزاج میں جلد بازی ہے

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے لیے برائی کی دعا کی ہے اور جس طرح خیر کی دعا کرتا ہے اسی انداز میں شر کی دعا کر بیٹھتا ہے۔

Marfat.com

تفسیر درمنثور (ص ۱۶۶ ج ۴) میں حضرت حسن سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو اپنی جان کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو برے الفاظ میں یاد کرتا ہے پھر اگر اس کی بددعا کے مطابق اللہ تعالیٰ اس پر تکلیف بھیج دے تو ناگوار معلوم ہوتا ہے پھر خیر کی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خیر عطا فرما دیتا ہے، حضرت مجاہد سے بھی یہی بات نقل کی ہے، حقیقت میں انسان ذرا سی ناگواری کی وجہ سے بددعا کر بیٹھتا ہے حالانکہ دعا ہمیشہ خیر ہی کی مانگنی چاہیے اور عافیت ہی کا سوال کرنا چاہیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں اور اپنی اولاد اور اپنے مالوں کے لیے بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی مقبولیت کی گھڑی میں اللہ جل شانہ سے سوال کر بیٹھو اور وہ تمہاری بددعا قبول فرما لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۴ از مسلم)

اس کے بعد انسان کا مزاج بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ (اور انسان جلد باز ہے) دوسری آیت میں فرمایا ہے ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) انسان کا یہ مزاج ہے کہ اس کے اعمال اور اشغال میں عجلت ظاہر ہوتی رہتی ہے اور یہ عجلت بہت سی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہے بہت سے ایکسیڈنٹ جلد بازی کی وجہ سے ہوتے ہیں اور بہت سے فیصلہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں طلاق دے بیٹھتے ہیں اور ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے بعد میں پچھتاتے ہیں اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان کہ بردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۹ از ترمذی)

ہر کام سوچ سمجھ کر اطمینان سے ہونا چاہیے البتہ آخرت کے کاموں میں جلدی کرے یعنی ان کی طرف آگے بڑھنے میں دیر نہ لگائے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ جلد بازی میں آخرت کا کام خراب کر لے، آخرت کے کام میں دیر نہ لگائے جیسے ہی موقع لگے انجام دیدے اور مشغول ہو جائے اسی کو ﴿سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ میں فرمایا ہے۔

آخرت کے اعمال میں جلدی کا یہ مطلب نہیں کہ ناقص اعمال ادا کرے، عمل تو پورا ہو لیکن اس کی طرف متوجہ ہونے میں جلدی کرے جب شروع کرے تو اچھی طرح انجام دے، بہت سے لوگ نماز شروع کرتے ہیں تو کھٹا کھٹ تو چل میں آیا کے مطابق رکوع سجدہ ادا کرتے چلے جاتے ہیں ہر چیز ناقص ادا ہوتی ہے، جو شخص امام کے ساتھ نیت باندھے اور پھر امام سے پہلے سر اٹھائے اس کی جلد بازی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے، چونکہ گدھا بے وقوفی میں مشہور ہے اس لیے یہ بات فرمائی جب امام کے سلام کے ساتھ ہی نماز سے نکلنا ہے تو اس سے پہلے رکوع اور سجدہ کرنا بے وقوفی نہیں ہے تو کیا ہے؟

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾

''اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، سو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور برسوں کی گنتی کو اور حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں رات اور دن کو دو نشانیاں بتایا ہے رات بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے اور دن بھی ان دونوں کا آگے پیچھے آنا کم اور زیادہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے جاننے کے لیے بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ انسان عقل سے کام لے غور و فکر کرے تو ان دونوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے سورہ فرقان میں ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (اور وہ وہی ہے جس نے بنا دیا رات و دن کو آگے پیچھے آنے والا اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا شکر

Marfat.com

گزار ہونے کا ارادہ کرے۔)

رات اور دن کا وجود میں آنا کم وبیش ہونا کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے سب اہل عقل اس کو جانتے اور مانتے ہیں رات کی نشانی کے بارے میں فرمایا ﴿فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ﴾ (ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا) یعنی اس کو روشنی والی چیز نہیں بنایا بلکہ تاریک رکھا تا کہ دنیا والے اس میں آرام کریں اسے سورہ قصص میں ﴿لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ فرما کر بیان فرمایا اور دن کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اس کی نشانی کو روشن بنا دیا، لوگ اس میں چلتے پھرتے ہیں روزی کماتے ہیں صنعت وحرفت کرتے ہیں، اور تجارت کے مشاغل میں لگتے ہیں اس کو ﴿لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ فرما کر بیان فرما دیا، رات کی تاریکی اور دن کی روشنی دونوں میں حکمت ہے۔

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے کا ایک اور فائدہ بھی بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے ذریعہ تم برسوں کی گنتی اور شمار سمجھ لو گے ان دونوں کے گزرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے ہفتے گزرے اور کتنے مہینے ختم ہوئے اور کتنے سال گزر چکے ہیں ان کے گزرنے سے اپنی یا اپنے بچوں کی عمریں بھی معلوم ہوتی ہیں اور جو آپس میں معاہدے ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اتنی مدت گزر گئی اور اتنی مدت باقی رہ گئی، جب مدت معینہ ختم ہو جاتی ہے تو معاہدے بھی ختم ہو جاتے ہیں اور قرضوں کی ادائیگی کے اوقات بھی معلوم ہو جاتے ہیں، دینی امور جو اوقات سے متعلق ہیں مثلاً صبح شام اور رمضان ان کا علم بھی مہینوں کے گزرنے سے ہو جاتا ہے جو رات دن کے گزرنے آتے جاتے ہیں۔ تین سو پچپن دن گزرنے پر قمری سال پورا ہو جاتا ہے اور تین سو پینسٹھ دن گزرنے پر شمسی سال پورا ہو جاتا ہے، اگر رات ہی رات ہوتی یا دن ہی دن ہوتا تو مہینوں کا اور برسوں کا حساب نہ لگا پاتے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

''اور ہم ہر انسان کی گردن میں اس کا اعمال نامہ ڈال دیں گے، اور ہم اس کے لیے کھلی ہوئی کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھ لے گا، آج تو اپنا حساب کرنے کے لیے کافی ہے، جس نے ہدایت پالی تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے اپنی ہی جان کو نقصان پہنچانے کے لیے گمراہ ہوتا ہے، اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں، اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے۔''

ان آیات میں بتایا ہے کہ انسان کا عمل ہی اسے نفع نقصان دے گا جیسے عمل کرے گا قیامت کے دن سامنے آ جائیں گے فرشتے جو دنیا میں انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں انسان ان اعمال کو کتابی صورت میں دیکھ لے گا۔ اچھے عمل والوں کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور برے اعمال والوں کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے اور بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، چونکہ ہر ایک کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور انکار بھی کوئی فائدہ نہ دے گا اور ہر ایک کے اعمال کا نتیجہ لازمی طور پر سامنے آ ہی جائے گا اس لیے اسے ﴿اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ جس کا ترجمہ بعض اکابر نے یوں کیا ہے کہ ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے عمل کو طائر یعنی پرندہ سے کیوں تعبیر فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل عرب جب کسی کام کے لیے جانا چاہتے تھے تو درخت کی ٹہنی ہلا دیتے تھے۔ داہنی طرف کو پرندہ اڑ جاتا تھا تو سمجھتے تھے کہ کام ہو جائے گا اسے فال نیک کہتے تھے اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑ جاتا تو کہتے تھے کہ کام نہیں ہوگا اس کو بدفالی کہتے تھے اور اس کی وجہ سے سفر میں جانے سے رک جاتے تھے۔ اپنے کام کے لیے جانے نہ جانے کا مدار انہوں نے پرندہ کے اڑنے کو بنا رکھا تھا اور گویا پرندہ اڑنا

Marfat.com

ہی باعث عمل تھا اس لیے انسان کے اعمال کو آیت بالا میں طائر سے تعبیر فرمایا۔ پھر فرمایا ﴿وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا﴾ (اوراس کے لیے ہم کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھ لے گا۔)

انسان سے کہا جائے گا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ (تو اپنی کتاب پڑھ لے) ﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا﴾ (آج تو ہی اپنا حساب جانچنے کے لیے کافی ہے) انسان کی ہوشمندی یہی ہے کہ اپنی جان کے لیے فکرمند ہو اور اپنا حساب کرتا رہے یوم آخرت میں حساب کرنے کے بعد اپنے حق میں نتیجہ اچھا نہ نکلا تو اس وقت حساب کرنے سے فائدہ نہ ہوگا اسی دنیا میں حساب کرتے رہیں تو نفس کو برائیوں سے بچا کرلے جانا آسان ہوگا نفس کا محاسبہ کرتے رہیں اور اسے تنبیہ کرتے رہیں کہ دیکھ گناہ کرے گا تو عذاب بھگتے گا اسی کو فرمایا حاسبوا قبل ان تحاسبوا کہ حساب کیے جانے سے پہلے اپنا حساب کرلو، جو شخص یہاں اپنا حساب کرتا رہا اس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ وہاں کامیاب ہوگا اور خوشی کے ساتھ یوں کہے گا ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ﴾ (آجاؤ میری کتاب پڑھ لو بلاشبہ مجھے یقین تھا کہ میرا حساب سامنے آنے والا ہے) اور جس کے بائیں ہاتھ میں کتاب دی گئی وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا۔ ﴿یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ﴾ (ہائے کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔)

اس کے بعد ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ﴾ (جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنی ہی جان کے لیے راہ ہدایت اختیار کی) کیونکہ اس کا نفع اسی کو پہنچے گا ﴿وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا﴾ (اور جس نے گمراہی اختیار کی اس کی گمراہی کا ضرر اسی کو پہنچے گا) یعنی آخرت میں تباہ کار ہوگا اور عذاب میں ڈالا جائے گا پھر فرمایا ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں) یعنی دنیا میں بہت سے لوگ دوسروں کے کہنے سے کافر ہوجاتے ہیں اور گناہ کرلیتے ہیں اور بعض جاہل یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے کہنے سے یہ گناہ کرلے تیرے گناہ کا بوجھ مجھ پر رہا اگر عذاب ہونے لگا تو میں تیری طرف سے بھگت لوں گا یہ سب باتیں اسی دنیا میں کہہ دی جاتی ہیں وہاں کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا اور نہ اللہ کی طرف سے یہ منظور ہوگا کہ ایک کے بدلے دوسرے کو عذاب دیا جائے۔

یہاں یہ ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ جو لوگ کفر وشرک وبدعات کے داعی ہیں ان کے کہنے پر جن لوگوں نے برائیاں اختیار کیں ان لوگوں کے اعمال بھی تو ان دعوت دینے والوں اور برائیاں جاری کرنے والوں کے حساب میں لکھے جائیں گے جیسا کہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے پھر ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ کا مصداق کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے گمراہی کی دعوت دی اور بدعتیں جاری کیں ان کے عمل ہی کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوئے اور بدعتوں میں پڑے، برائی کا سبب بننے کی وجہ سے دوسرے کے اعمال کا وبال بھی پڑ گیا۔ یہ سبب بننا اپنا ہی عمل ہے ان کی دعوت پر عمل کرنے والے جو ماخوذ ہوں گے وہ اپنے عمل کی وجہ سے پکڑے جائیں گے اور یہ اپنے گمراہ کرنے والے عمل کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے۔ کما ورد فی الحدیث من غیر ان ینقص من اوزاھم شیئاً۔

پھر فرمایا ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے) اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے خوب واضح طریقے پر ہدایت کا راستہ بیان فرمایا جنہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا یہ لوگ دنیا میں بھی اچھے حال میں رہیں گے اور آخرت میں بھی ان کا اچھا انجام ہوگا اور جن لوگوں نے ان حضرات کی ہدایت کو قبول نہیں کیا وہ دنیا میں بے راہ ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب ہے، یہ جو دنیا میں عذاب آجاتا ہے اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس میں اللہ شانہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں اور راہ حق واضح فرما دی جن لوگوں نے عناد سے کام لیا حق کو ٹھکرایا نبیوں کی باتوں کو نہ مانا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں مستحق عذاب ہوں گے ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہ آئے اور لوگوں کی گرفت کرلی جائے اور ان پر عذاب بھیج دیا جائے، اتمام حجت کے بعد اللہ کی طرف سے

Marfat.com

عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوتا ہے، سورہ فاطر میں فرمایا ﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ﴾ (کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو) پچھلی امتوں میں یکے بعد دیگرے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہتے تھے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول اور نبی آنے والا نہیں ہے آپ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان اور تمام جنات کے نبی ہیں آپ کی دعوت ہر گھر میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی ہے جسے ہر صاحب ہوش جانتا ہے۔ گھر گھر قرآن مجید پہنچ رہا ہے دنیا کی مشہور زبانوں میں اس کے تراجم ہیں کوئی شخص یہ حجت نہیں نکال سکتا کہ ہمیں نبی کی دعوت نہیں پہنچی، خوب سمجھ لیا جائے، ہاں اگر کوئی شخص پہاڑوں اور غاروں میں پیدا ہوا وہیں پلا بڑھا اسے اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ شخص صرف اس بات کا مکلف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانے اس کا اتنا ہی ایمان باعث نجات ہو جائے گا اس کی عقل ہی اس کے لیے نذیر ہے۔

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں سو اس بستی پر ہماری بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اس بستی کو پوری طرح ہلاک کر دیتے ہیں، اور نوح کے بعد کتنی ہی قومیں تھیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا، اور آپ کا رب بندوں کے گناہوں کے جاننے دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

گزشتہ آیت میں یہ قانون بتایا کہ جب تک کوئی رسول نہ آجائے اور جن کے پاس رسول آئے وہ اس کی نافرمانی نہ کرلیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب میں مبتلا نہیں کیے جاتے اور ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر کے موافق کسی بات کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو یہ بھی اس طرح نہیں ہوتا کہ بندے مومن ہوں اور اعمال صالحہ میں لگے ہوئے ہوں پھر بھی ہلاک کر دیئے جائیں، بلکہ وہی بات ہے جو گزشتہ آیت میں بتائی کہ بستی کے لوگوں کو اور خاص کر ان کے امراء اور رؤساء کو ایمان اور فرمانبرداری کا حکم دیا جاتا ہے یہ حکم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام یا ان کے نائبوں اور نمائندوں کے ذریعے دیا جاتا ہے اب ان کے بڑے لوگ جو خوشحال ہوتے ہیں سرکشی پر تل جاتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں (ان کا حال دیکھ کر ان کے عوام بھی نافرمانی کی راہ پر چلتے رہتے ہیں) لہٰذا وہ اپنے کفر و شرک اور اعمال بد کی وجہ سے مستحق عذاب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ بستی اپنے رہنے والوں کے ساتھ ہلاک کر دی جاتی ہے، نافرمان تو سبھی ہوتے ہیں لیکن امراء اور رؤساء کا تذکرہ خاص طور سے اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی دنیا کی عیش و عشرت کی وجہ سے خود بھی بغاوت پر کمر باندھ لیتے ہیں اور اپنے عوام کو بھی راہ حق پر نہیں آنے دیتے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا﴾ عوام چونکہ خود بھی عقل والے ہوتے ہیں اور دین کے اعتبار سے خود مختار ہوتے ہیں اور ایمان ایک قلبی چیز ہے مجبور کر کے کوئی بھی بادشاہ یا رئیس اس سے کسی کو نہیں روک سکتا اس لیے عوام بھی اپنے کفر کی وجہ سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی امتیں گذری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرما دیا یہ لوگ بھی اپنے کفر و شرک اور اعمال بد کی وجہ سے ہلاک کیے گئے آخر میں فرمایا ﴿وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا﴾ اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ شانہ دانا اور بینا ہے اسے اپنے بندوں کے گناہوں کا علم ہے کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں وہ سب کچھ جانتا ہے گنہگار قوموں کا اور فرمانبردار قوموں کا اسے علم ہے اپنے علم کے مطابق جزا سزا دیتا ہے۔

Marfat.com

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

''جو شخص دنیاوی منافع کا ارادہ کرتا ہے ہم جس کے لیے چاہیں جتنا چاہیں اسی دنیا میں اسے دے دیتے ہیں پھر ہم اس کے لیے دوزخ تجویز کر دیں گے وہ اس میں بدحال ہو کر راندہ درگاہ ہونے کی حالت میں داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے کوشش کرے جیسی کوشش ہونی چاہیے اور وہ مومن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی ہوگی، ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی، اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے، آپ دیکھ لیجیے ہم نے بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی، اور بلاشبہ آخرت کے درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی، اے مخاطب اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنانا، ورنہ تو مذمت کیا جانے والا، بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔''

طالب دنیا کو تھوڑی سی دنیا دے دی جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لیے جہنم ہے اہل ایمان کے اعمال کی قدر دانی ہوگی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی داد و دہش اور عطاء و نوازش کا تذکرہ فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت میں بندوں پر ہوتی ہے اور اس بارے میں جو تکوینی قانون ہے اس کا تذکرہ فرمایا ہے، اول دنیا کے طلب گاروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو شخص اپنے اعمال کے ذریعے دنیا ہی کو چاہتا ہے اس کو دنیا کا کچھ حصہ د..... دیا جاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی مراد مل جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو چاہے وہ سب مل جائے اسی کو فرمایا ہے ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ کہ ہم ایسے شخص کے لیے اسی دنیا میں جس کے لیے چاہیں گے جتنا چاہیں گے دیدیں گے۔

اور چونکہ یہ شخص محض طالب دنیا تھا آخرت کا طالب نہ تھا اس لیے ایمان سے بھی غافل رہا۔ لہٰذا آخرت میں اسے کوئی نعمت نہ ملے گی وہاں دوزخ میں داخل ہوگا۔ اسی کو فرمایا ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ (پھر ہم اس کے لیے جہنم کو مقرر کر دیں گے) ﴿يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ (وہ اس میں اس حال میں داخل ہوگا کہ بدحال ہوگا اور اللہ کی رحمت سے ہٹایا ہوا ہوگا) مذموم کا اصل معنی ہے مذمت کیا ہوا اور مدحور کا معنی ہے دور کیا ہوا مطلب یہ ہے کہ ذلیل بھی ہوگا، اللہ کی رحمت سے دور بھی ہوگا دوزخ میں داخل ہوگا، سورہ شوریٰ میں فرمایا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ (جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی پر ترقی دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔)

اس کے بعد آخرت کے طلبگاروں کا تذکرہ فرمایا ﴿وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ (اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے کوشش کرے جیسے کوشش کرنی چاہیے، اور وہ مومن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی ہوگی۔)

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ جو شخص آخرت کا طالب ہو اور اس کے لیے کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مقبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں

Marfat.com

اس کی محنت اور کوشش کی قدر کی جائے گی یعنی اس کی محنت اور سعی کا ثواب دیا جائے گا اس میں تین شرطیں بیان فرمائیں اول یہ کہ آخرت کا طلبگار ہو یعنی نیت صحیح ہو خالص آخرت کے ثواب کا ارادہ ہو اور دوسری شرط یہ بتائی کہ آخرت کے لیے کوشش کرے اور یہ ایسی کوشش ہو جسے آخرت کی کوشش کہا جاسکے۔ یعنی اس کے اعمال اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے موافق ہوں (اگر طالب آخرت ہو لیکن اعمال غیر شرعی ہوں جیسا اہل بدعت کے اعمال ہیں تو ایسے اعمال مقبول نہیں) اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو اگر مومن نہ ہوگا تو آخرت میں کوئی عمل فائدہ مند نہ ہوگا خواہ کیسا ہی طلب آخرت کا مدعی ہو اور اپنے خیال میں آخرت کے لیے محنت اور ریاضت کرتا ہو جیسا کہ سادھو اور راہب محنتیں کرتے ہیں۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ (اہل ایمان کی سعی کی قدردانی کی جائے گی) یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور انہیں جنت عطا فرمائے گا اور جتنا جتنا عمل کیا اس سے بہت زیادہ بڑھا کر عمل کو کئی گنا کر کے اجر عطا فرمائے گا۔ کما قال تعالیٰ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ و قال تعالیٰ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ دنیا میں جو کافروں، فاجروں کو نعمتیں دی جاتی ہیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ مقبولان بارگاہ ہیں کیونکہ دنیا کی نعمتیں اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ جسے نعمت و دولت مل گئی اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے، یہ نعمتیں مومن اور کافر صالح اور طالح سب کو مل جاتی ہیں دنیا کی نعمتیں اہل ایمان کے لیے مخصوص نہیں، اسی کو فرمایا ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ (اور ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی، اور آپ کے رب کی بخشش روکی نہیں ہے) مقبولین کو بھی نعمتیں دی جاتی ہیں اور غیر مقبولین کو بھی، اور دنیا میں اللہ کی رحمت کسی سے روکی ہوئی نہیں ہے۔

پھر فرمایا ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (آپ دیکھ لیجیے ہم نے بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی) یہ دنیاوی فضیلت ہے اس میں مومن اور کافر کی کوئی قید نہیں ہے، بہت سے کافروں کے پاس مال زیادہ ہے اور بہت سے مومنین کے پاس کم ہے۔ ﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ (اور بلاشبہ آخرت درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی) اس میں یہ بتایا ہے کہ آخرت کے لیے فکر مند ہونا چاہیے اور وہاں کے درجات حاصل ہونے کے لیے ایمان سے اور اعمال صالحہ سے متصف ہوں اہل دنیا کی دنیا پر نظر نہ کریں۔

آخر میں شرک اور اصحاب شرک کی مذمت فرمائی اور توحید اختیار کرنے اور توحید پر جمنے کا حکم فرمایا، ارشاد ہے ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (اے مخاطب تو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی معبود مت بنا) ﴿فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ (ورنہ تو اس حال میں بیٹھ رہے گا کہ تو مذموم ہوگا اور مخذول ہوگا) یعنی قیامت کے دن بدحال لوگوں میں شمار ہوگا اور وہاں کوئی یار و مددگار نہ ہوگا توحید کو چھوڑنے کی وجہ سے وہاں کی عاجزی، بے بسی اور بے کسی اور بدحالی سامنے آجائے گی۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

"اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اے مخاطب اگر تیرے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہنا، اور ان کو مت جھڑکنا، اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں عرض کرنا کہ اے رب ان پر رحم فرمایئے جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا

Marfat.com

ہے، تمہارا رب ان چیزوں کو خوب جاننے والا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں، اگر تم نیکی اختیار کرو تو بلاشبہ وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔''

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اول تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، انبیاء علیہم السلام کی تمام شرائع کا سب سے بڑا یہی حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل کرانے کے لیے اللہ جل شانہ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو بھیجا، اور کتابیں نازل فرمائیں اور صحیفے اتارے اللہ جل شانہ کو عقیدہ سے ایک ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور کسی بھی چیز کو اس کی ذات وصفات اور تعظیم وعبادت میں شریک نہ کرنا خداوند قدوس کا سب سے بڑا حکم ہے۔

دوم: یہ فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اللہ جل شانہ خالق ہے، اسی نے سب کو وجود بخشا ہے اس کی عبادت اور شکر گزاری بہر حال فرض اور لازم ہے اور اس نے چونکہ انسانوں کو وجود بخشنے کا ذریعہ ان کے ماں باپ کو بنایا اور ماں باپ اولاد کی پرورش میں بہت کچھ دکھ تکلیف اٹھاتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا جو قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ لفظ ''حسن سلوک'' میں سب باتیں آجاتی ہیں جس کو سورہ بقرہ میں اور سورہ انعام اور یہاں سورۃ الاسراء میں ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ سے تعبیر فرمایا ہے، ماں باپ کی فرمانبرداری، دلداری، راحت رسانی، نرم گفتاری اور ہر طرح کی خدمت گزاری ان لفظوں کے عموم میں آجاتی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

سوم: یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اف بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے نہ نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

لفظ اف بطور مثال کے فرمایا ہے، بیان القرآن میں اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''ان کو ہوں بھی مت کہو'' دوسری زبان میں ان کے مطابق ترجمہ ہوگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلمہ اف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہ اس کو بھی ضرور حرام قرار دے دیتا۔ (درمنثور)

ماں باپ کی تعظیم وتکریم اور فرمانبرداری ہمیشہ واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان ہوں، جیسا کہ آیات اور احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑ چڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اولاد کو ان کا اگالدان صاف کرنا پڑتا ہے، میلے اور ناپاک کپڑے دھونے پڑتے ہیں جس سے طبیعت بور ہونے لگتی ہے اور بعض مرتبہ تنگ دل ہو کر زبان سے الٹے سیدھے الفاظ بھی نکلنے لگتے ہیں اس موقع پر صبر اور برداشت سے کام لینا اور ماں باپ کا دل خوش رکھنا اور رنج دینے والے ذرا سے لفظ سے بھی پرہیز کرنا بہت بڑی سعادت ہوتی ہے۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تو جوان کے کپڑے وغیرہ سے گندگی اور پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے، تو اس موقع پر اف بھی نہ کہہ، جیسا کہ وہ بھی اف نہ کہتے تھے جب تیرے بچپن میں تیرا پیشاب پاخانہ وغیرہ دھوتے تھے۔ (درمنثور)

چہارم: (اف کہنے کی ممانعت کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ان کو مت جھڑکو، جھڑکنا اف کہنے سے بھی زیادہ برا ہے، جب اف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لیے خاص طور پر جھڑکنے کی صاف اور صریح لفظوں میں ممانعت فرما دی۔

پنجم: حکم فرمایا ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ (ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنا) اچھی باتیں کرنا، لب ولہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر وتکریم کا خیال رکھنا یہ سب ﴿قَوْلًا كَرِيمًا﴾ میں داخل ہے۔

Marfat.com

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ خطا کار زرخرید غلام جس کا آقا بہت سخت مزاج ہو یہ غلام جس طرح اپنے آقا سے بات کرتا ہے اسی طرح ماں باپ سے بات کی جائے تو ﴿قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ پر عمل ہو سکتا ہے۔

حضرت زہیر بن محمد نے قولا کریما کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اذا دعواك فقل لبیکما وسعدیکما (یعنی جب تجھے ماں باپ بلائیں تو کہنا کہ میں حاضر ہوں اور تعمیل ارشاد کے لیے موجود ہوں) ان اکابر کے یہ اقوال تفسیر (درمنثور ص ۱۷۱ ج ۴) میں مذکور ہیں۔

ششم: ارشاد فرمایا ﴿وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (یعنی ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) اس کی تفسیر میں حضرت عروہ نے فرمایا کہ تو ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ ان کی جو دلی رغبت ہو اس کو پورا ہونے میں تیری وجہ سے فرق نہ آئے، اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ سے بات کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ مت اٹھانا (جیسے برابر والوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے اٹھاتے ہیں) اور حضرت زہیر بن محمد نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ماں باپ اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو تو جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ (درمنثور)

ہفتم: یہ نصیحت فرمائی کہ ماں باپ کے لیے یہ دعا کرتے رہا کرو ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ (کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا اور پرورش کیا) بات یہ ہے کہ کبھی اولاد حاجت مند تھی جو بالکل ناسمجھ اور ناتواں تھی، اس وقت ماں باپ نے ہر طرح کی تکلیف سہی اور دکھ سکھ میں خدمت کر کے اولاد کی پرورش کی، اب پچاس ساٹھ سال کے بعد صورت حال الٹ گئی کہ ماں باپ خرچ اور خدمت کے محتاج ہیں اور اولاد کمانے والی ہے، روپیہ پیسہ، اور گھر بار اور کاروبار والی ہے، اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی خدمت سے نہ گھبرائے اور ان پر خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، دل کھول کر جان و مال سے ان کی خدمت کرے اور اپنے چھوٹے پن کا وقت یاد کرے اس وقت انہوں نے جو تکلیفیں اٹھائیں، ان کو سامنے رکھے، اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرے کہ ''اے میرے رب ان پر رحم فرما'' جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا اور پرورش کی۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا اس نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ ج ۳) عن مسند البزار بسند فیه ضعف، واخرجه البخاری فی الادب المفرد موقوفا علی ابن عمر

یہ جو فرمایا کہ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ (الآیة) درمنثور میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر اولاد کی جانب سے ماں باپ کے حقوق میں غفلت سے کوتاہی ہو جائے اور دل سے فرمانبردار ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ جل شانہ کو کون سا کام زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا بروقت نماز پڑھنا (جو اس کا وقت مستحب ہے) میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ از بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل بروقت نماز پڑھنا اور اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ پھر تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

Marfat.com

ماں باپ ذریعہ جنت اور ذریعہ دوزخ ہیں

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے رہو، زندگی بھر ان کے آرام و راحت کا دھیان رکھو، جان و مال سے ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو، تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی ان کو ستایا دکھ دیا تو وہ تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹)

یعنی ماں باپ کو راضی رکھا تو اللہ پاک بھی راضی ہے اور ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ بھی ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہ نے ماں باپ کو راضی رکھنے کا حکم فرمایا ہے جب ماں باپ کو ناراض رکھا تو اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوئی جو اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

واضح رہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جبکہ ماں باپ کسی ایسے کام کے نہ کرنے سے ناراض ہوں جو خلاف شرع نہ ہو، اگر خلاف شرع کسی کام کا حکم دیں تو ان کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔ اس ناراضگی میں اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہوگی اس صورت میں اگر وہ ناراض بھی ہو جائیں تو ناراضگی کی پرواہ نہ کرے، کیونکہ اللہ جل شانہ کی رضامندی اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اس کے حکم کے خلاف کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے سب سے اچھا دروازہ ہے اب تو (اس کی فرمانبرداری کرکے) اس دروازہ کی حفاظت کر لے یا (نافرمانی کرکے) اس کو ضائع کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰)

باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں مقبول ہیں ان (کی مقبولیت) میں کوئی شک نہیں (۱) والد کی دعا اولاد کے لیے (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۵، از ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس حدیث سے والد کی دعاء کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں، کہ گو اس میں والدہ کا ذکر نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ جب والد کی دعا ضرور قبول ہوگی تو والدہ کی دعا بھی بطریق اولیٰ ضرور قبول ہوگی، اولاد کو چاہیے ماں باپ کی خدمت کرتی رہے اور دعا لیتی رہے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان میں سے کوئی دل سے یا زبان سے بددعا کر بیٹھے۔ کیونکہ جس طرح ان کی دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے دکھے دل کی بددعا بھی لگ جاتی ہے، اگرچہ عموماً شفقت کی وجہ سے وہ بددعا سے بچتے ہیں، ان کی دعا سے دنیا و آخرت سدھر سکتی ہے اور بددعا سے دونوں جہانوں کی بربادی ہو سکتی ہے۔

ماں باپ کے اکرام و احترام کی چند مثالیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے آپ نے

Marfat.com

دریافت فرمایا کہ تیرے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، آپ نے فرمایا کہ باپ کے اکرام واحترام کا خیال رکھ ہرگز اس کے آگے مت چلنا اور اس سے پہلے مت بیٹھنا اور اس کا نام لے کر مت بلانا اور اس کی وجہ سے (کسی کو) گالی مت دینا۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۷۱، ج ۴)

ماں باپ کا احترام واکرام دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی، عمل سے بھی اور برتاؤ سے بھی، اس حدیث پاک میں اکرام واحترام کی چند جزئیات ارشاد فرمائی ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا دوسرے یہ فرمایا کہ جب کسی جگہ بیٹھنا ہو تو باپ سے پہلے مت بیٹھنا تیسرے یہ فرمایا کہ باپ کا نام لے کر مت پکارنا، چوتھے یہ کہ باپ کی وجہ سے کسی کو گالی مت دینا مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو ناگوار بات کہہ دے تو اس کو اور اس کے باپ کو گالی مت دینا۔ کیونکہ اس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا اور اس طرح سے تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے واضح رہے کہ یہ نصیحتیں باپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں باپ کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے مثلاً راستہ دکھانا ہو یا اور کوئی ضرورت درپیش ہو۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کا رزق بڑھائے اس کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴ از بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اور ان کی خدمت میں لگے رہنے سے عمر دراز ہوتی ہے اور رزق بڑھتا ہے بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی عمر دراز ہوتی ہے اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے نئی نسل کے بہت سے نوخیز نوجوان دوست احباب بیوی بچوں پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں اور ماں باپ کے لیے پھوٹی کوڑی خرچ کرنے سے بھی ان کا دل دکھتا ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب سے تو محروم ہوتے ہی ہیں دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے جو عمر میں درازی اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس سے محروم ہوتے ہیں۔

ماں باپ کے اخراجات کے لیے محنت کرنے کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ایسے شخص کا (مسجد نبوی کے قریب) گذر ہوا جس کا جسم دبلا پتلا تھا اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا کہ کاش یہ جسم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) دبلا ہوا ہوتا یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو (اور ان کی خدمت میں لگنے اور ان کے لیے روزی کمانے کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اور ان کے لیے رزق مہیا کرنے میں دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو (اور اپنی جان کے لیے محنت کر کے روزی کماتا ہو) تا کہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو فی سبیل اللہ ہے۔ (درمنثور ص ۱۷۰ ج ۴ از بیہقی)

معلوم ہوا کہ ماں باپ اور آل اولاد بلکہ اپنے نفس کے لیے حلال روزی کمانا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں! آپ نے فرمایا انہیں میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت میں

Marfat.com

جو تو محنت اور کوشش اور مال خرچ کرے گا یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہو گا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ واپس جا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میرے والد حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے جہاد کرنے کا ارادہ کیا اور آپ سے مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے آپ نے فرمایا بس تو اسی کی خدمت میں لگا رہ کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱ از احمد، نسائی، بیہقی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں (جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو) جہاد کی شرکت کے لیے جانے سے ماں باپ کی خدمت کرنا زیادہ افضل ہے اگر دوسرا بھائی بہن ان کی خدمت کے لیے موجود نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے سرزمین شرک سے تو ہجرت کر لی لیکن جہاد (باقی) ہے تو کیا یمن میں تمہارا کوئی (قریبی) عزیز ہے؟ عرض کیا کہ والدین موجود ہیں، آپ نے سوال فرمایا کہ انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ عرض کیا نہیں فرمایا بس تم واپس جاؤ اور ان سے اجازت لو اگر اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کر لینا ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا۔ (درمنثور ص ۱۷۵، ج ۴ عن احمد والحاکم، وقال صححہ الحاکم)

ہجرت کی بیعت کے لیے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو نصیحت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے آیا اور عرض کیا کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میں نے اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ دونوں (میری جدائی کی وجہ سے) رو رہے تھے آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس واپس جا اور ان کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا۔ (مستدرک حاکم ص ۱۵۳ ج ۴ ابوداود وغیرہ)

یہ شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نیک نیتی سے حاضر ہوا یعنی ہجرت پر بیعت ہونے کے لیے سفر کر کے آیا تھا اول ہجرت کی نیت پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل پر بیعت ہونا یہ سب مبارک اور نیک عمل ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن ماں باپ اس کے سفر کرنے پر راضی نہ تھے وہ اس شخص کے سفر میں جانے سے بہت بے چین ہوئے اور جدائی کے صدمہ سے رونے لگے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ واپس جا اور والدین کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا ہے۔

اس سے ماں باپ کی دلداری کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ہجرت کرنا فرض نہ تھا اسلام خطہ عرب میں پھیل چکا تھا مسلمان ہر جگہ امن و امان کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ رنجیدہ ہوں اور صدمہ کی وجہ سے روئیں گناہ ہے، اور ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ خوش ہوں اور جس سے ان کو ہنسی آئے ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بکاء الوالدین من العقوق والکبائر (یعنی ماں باپ کا رونا عقوق اور کبائر میں سے ہے) جبکہ اولاد ایسا کام کرے جس سے ایذا پہنچنے کی وجہ سے رونے لگیں۔ (الادب المفرد للبخاری)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ یمن کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر التابعین فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا کہ ان سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرانا انہوں نے عہد نبوت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے اور شرف صحابیت سے محروم ہو گئے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ قدردانی

Marfat.com

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے دعا کرانا، والدین کی خدمت کا جو مرتبہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنی کی والدہ ہے اس کے ساتھ انہوں نے حسن سلوک کیا اگر اویس (کسی بات میں) اللہ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری فرمائے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قادر نہیں ہوں) ان کی بات سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے سوال فرمایا کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے، آپ نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (کی خدمت اور فرمانبرداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جب تو اس پر عمل کرے گا تو تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا جب تیری ماں تجھے بلائے تو (اس کی فرمانبرداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴ از بیہقی وغیرہ)

اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو، عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں ان کے پکارنے پر حاضر ہوجائے اور جو خدمت بتائیں انجام دیدے اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں سے کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں مثلاً پاخانہ وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے اور دونوں میں سے کوئی گرجائے یا گرجانے کا قوی اندیشہ ہے اور کوئی دوسرا اٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو ان کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لیے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے اور اگر انہوں نے کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یوں ہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں ہے اور اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی لیکن ان کو معلوم نہیں ہے کہ فلاں لڑکا یا لڑکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلاضرورت یوں ہی پکارلیں اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور ان کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا البتہ اگر ان کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یوں ہی بلاضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔ (ذکرہ الشامی فی باب ادراک الفریضہ)

والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے تو انہیں معاف فرما دیتا ہے مگر والدین کے ستانے کا گناہ ایسا ہے جس کی سزا دنیا ہی میں موت سے پہلے دے دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از شعب الایمان للبیہقی)

والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ (۲) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۳) کسی جان کو قتل کر دینا (جس کا قتل کرنا قاتل کے لیے شرعاً حلال نہ ہو)۔ (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷ از بخاری)

کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے اس حدیث میں ان گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں ان میں شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کو ذکر فرمایا ہے، لفظ عقوق میں بہت عموم ہے ماں باپ کو کسی بھی طرح ستانا، قول یا فعل سے ان کو ایذا دینا دل دکھانا نافرمانی کرنا حاجت ہوتے ہوئے ان پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے پہلے حدیث ذکر کی جاچکی ہے جس میں محبوب ترین اعمال کا بیان ہے اس میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ بتایا ہے بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک کے بعد ماں

Marfat.com

باپ کے ستانے اور ان کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی کس درجہ کا گناہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔

وہ شخص ذلیل ہو جس ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۸ از مسلم)

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اور عقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے، زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ، کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے اگر کسی گنہگار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آجائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں تو گذشتہ گناہوں کے کفارہ کے لیے اور دوزخ سے آزاد ہو کر جنتی بننے کے لیے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن ان کی خدمت نہ کی ان کی دعائیں نہ لیں ان کا دل دکھاتا رہا اور جوش جوانی میں ان کی طرف سے غفلت برتتا رہا جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بددعا دی اور فرمایا کہ یہ شخص (دنیا آخرت میں ذلیل و خوار ہو) لا جعلنا اللہ منھم جس کے ماں باپ زندہ ہیں ان کو زندگی کی قدر کرے اور ان کو راضی رکھ کر جنت کما لے۔

ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظر سے دیکھا۔ (درمنثور ص ۱۷۲ ج ۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظروں سے دیکھنا بھی ان کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ان کو (خدمت اور مال سے) محروم کرنا اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا اور ان کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب عقوق ہے۔ (درمنثور از ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھے ناراض کر دیں یعنی ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے مت دیکھنا کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اس کا پتہ چلتا ہے۔ (درمنثور عن ابن ابی حاتم)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اعضاء و جوارح سے بھی فرمانبرداری انکساری ظاہر کرنا چاہیے۔ رفتار و گفتار اور نظر سے کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔

ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، حاضرین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شخص اپنے باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کی صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ کو گالی دیدے۔ اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو پلٹ کر گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے والے نے اپنی ماں یا اپنے باپ کو تو گالی نہ دی لیکن چونکہ دوسرے سے گالی دلوانے کا ذریعہ بن گیا اس لیے خود گالی دینے والوں میں شمار ہو گیا۔ اس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو شخص اپنے ماں

Marfat.com

باپ کو خود اپنی زبان سے گالی دے گا ظاہر ہے کہ اس کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ماحول کے اعتبار سے یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ ان کے تعجب پر حضور ﷺ نے گالی کا ذریعہ اور سبب بننے والی صورت بتائی جو اس زمانہ میں پیش آسکتی تھی، لیکن ہمارے اس دور میں تو ایسے لوگ موجود ہیں جو خود اپنی زبان سے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں اور برے الفاظ اور برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماں باپ کے لیے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرمان اولاد کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (ایسا بھی ہوتا ہے) کہ بندہ کے ماں باپ وفات پا جاتے ہیں یا دونوں میں سے ایک اس حال میں فوت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان کی زندگی میں ان کی نافرمانی کرتا رہا اور ستاتا رہا۔ اب موت کے بعد ان کے لیے دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے لیے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ اس کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱)

ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ جل شانہ جنت میں نیک بندہ کا درجہ بلند فرما دیتا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ تیری اولاد نے جو تیرے لیے مغفرت کی دعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵ از احمد)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کے لیے دعا کرنا بہت بڑا حسن سلوک ہے، اور یہ حسن سلوک ایسا ہے کہ جو موت کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، کم سے کم ہر فرض نماز کے بعد ماں باپ کے لیے دعا کر دیا کرے۔ اس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اور ان کو بڑا فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾ ع

''اور رشتہ دار کو اور مسکین کو دو اور مسافر کو اس کا حق دیدو اور مال کو بے جا مت اڑاؤ، بلاشبہ مالوں کو بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تو امید رکھتا ہے، ان لوگوں کی طرف سے پہلو تہی کرے تو ان سے نرم بات کہہ دینا، اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ، اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا، بلاشبہ تیرا رب جس کے لیے چاہے رزق میں فراخی دیدیتا ہے اور وہ رزق میں تنگی بھی فرما دیتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے، دیکھنے والا ہے۔''

رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم، فضول خرچی کی ممانعت

گزشتہ آیات میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا اس حسن سلوک میں مال خرچ کرنا بھی آتا ہے اب ان آیات میں والدین

Marfat.com

کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور مسکین اور مسافر کو دینے کا حکم فرمایا، ذوی القربیٰ یعنی رشتہ داروں کو صلہ رحمی کے طور پر تو دینا ہی چاہیے کبھی کبھی رشتہ داروں پر مال خرچ کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کی فضیلت سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں پر مال خرچ کرنے کا حکم فرمانے کے بعد فضول خرچی اور بے جا مال اڑانے سے منع فرمایا، سخاوت تو شریعت اسلامیہ میں محمود ہے لیکن مال کو ضائع کرنا بے جا اڑانا فضول خرچی کرنا ممنوع ہے، بہت سے لوگ گناہوں میں خرچ کر دیتے ہیں اور بیوی بچوں کی فرمائشوں میں بے جا مال صرف کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنے سر قرضے تھوپتے رہتے ہیں جن میں بعض مرتبہ سود کا لین دین بھی کر بیٹھتے ہیں اور اپنی جان کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسے لوگ آیت کریمہ کے مضمون پر غور کریں۔ دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ (اور اسراف نہ کرو بلا شبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اور یہاں فضول خرچ کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان ہی ان سے فضول مال خرچ کرواتا ہے اور گناہوں میں لگواتا ہے اس کی بات ماننے والے اس کے بھائی ہیں یعنی اللہ کی نافرمانی میں شیطان کی طرح سے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر (ص ۳۶ ج ۳) میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ تبذیر یہ ہے کہ حق کے علاوہ دوسری چیزوں میں مال خرچ کیا جائے اور حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق میں خرچ کر دے تو یہ تبذیر نہیں اور ایک مد بھی ناحق خرچ کر دے تو یہ تبذیر ہے۔

مزید فرمایا ﴿وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ (اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔)

جو لوگ شیطان کی راہ پر چلتے ہیں مال فضول اڑاتے ہیں وہ بھی ناشکرے ہی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا نعمتیں عطا فرمائیں ان کو سوچ سمجھ کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنا لازم ہے، فرائض و واجبات میں خرچ کرے، نفلی صدقات دے اور گناہوں میں مال نہ لگائے، یہ کتنی بڑی بیوقوفی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے جو مال عطا فرمایا اسے گناہوں میں لگا دیا یا بیجا خرچ کر دیا، جس نے مال دیا اسی کی نافرمانی کی اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی یہ ہے کہ ان نعمتوں کو نعمت دینے والے کے حکم کے مطابق خرچ کیا جائے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ اور مساکین اور مسافرین کو دینے کے لیے اپنے پاس مال نہیں ہوتا یا تھوڑا بہت ہوتا ہے ایسے موقع پر جو لوگ امیدوار ہوتے ہیں لیکن ان کی مالی خدمت کرنے سے معذوری اور مجبوری ہوتی ہے مگر ساتھ ہی خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے یہ امید بھی بندھی ہوئی ہوتی ہے کہ انشاء اللہ مال آجائے گا ایسے موقع پر ان لوگوں سے اچھے الفاظ میں اور نرم لہجے میں معذرت کر لی جائے ان کی سرزنش نہ کرے اور ایسے الفاظ نہ کہے جن سے انہیں دکھ پہنچے، مفسر ابن کثیر ﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای عدهم وعدا بسهولة ولين۔

لکھتے ہیں کہ حضرت بلال اور خباب (فقرائے صحابہ) کبھی کبھی اپنی ضرورت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر لیا کرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ کے پاس ان کے دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا آپ ان کی طرف سے شرم کے مارے اعراض فرما لیتے تھے زبانی طور پر کوئی جواب نہیں دیتے تھے اس پر آیت ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ﴾ (الآیۃ) نازل ہوئی۔

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا) اس آیت میں خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے مال خرچ کرتا رہے (لیکن گناہوں میں خرچ نہ کرے اور بالکل ہی ہاتھ روک کر نہ بیٹھ جائے کہ خرچ نہ کرے) اور جب خرچ کرنے لگے تو بالکل پوری طرح ہاتھ نہ کھول دے (کہ سارا مال ختم کر دے) کیونکہ ایسا کرنے سے ملوم بھی ہوگا اور محسور بھی ہوگا، ملوم کا معنی ہے ملامت کیا ہوا اور محسور کا معنی ہے رکا ہوا یعنی عاجز بنایا ہوا، جب اپنے پاس کچھ بھی نہ

Marfat.com

رہے گا تو لوگ ملامت کریں گے جن لوگوں پر خرچ کیا ہے وہ بھی کہنے لگیں گے کہ ایسا بے تکا خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہیے، مال حاجات پورا ہونے کا ذریعہ بھی ہے اور مال کمانے کا ذریعہ بھی جب کچھ نہ رہے گا تو حاجتیں بھی پوری نہ ہوسکیں گی اور آئندہ مال کمانے میں بھی بے بسی ہوگی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ملوماً کا تعلق پہلی بات سے ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ خرچ کرنے سے ہاتھ روک کر بالکل ہی نہ بیٹھ جائے ورنہ لوگ ملامت کریں گے اور محسوراً کا تعلق دوسری بات ہے اور مطلب یہ ہے کہ خرچ کرنے میں اتنی زیادتی نہ کرکہ خود تنگدست ہو کر عاجز ہو کر رہ جائے، آیت کریمہ میں میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور میانہ روی ہمیشہ کام دیتی ہے حدیث شریف میں ہے الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة کہ خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۰) یعنی معیشت کی پریشانیوں کا آدھا حل یہ ہے کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کی جائے اور آدھا حل باقی دوسری تدبیروں میں ہے جو فرد یا جماعت اس سے غافل ہے وہ یا تو کنجوسی کی وجہ سے ہمیشہ مصیبت میں رہے گی یا ذرا سی مدت میں سارا مال خرچ کر کے عاجز ہو کر بیٹھ رہے گی، پھر قرضوں پر نظر جائے گی قرضے چڑھ جائیں گے تو ان کی ادائیگی کا کوئی راستہ نہ ہوگا، غیر قوموں کی طرف تکیں گے ان سے سودی قرضے لیں گے سود در سود چڑھتا چلا جائے گا جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

فائدہ: آیت بالا سے پورا مال خرچ کردینے کی ممانعت معلوم ہوئی یہ عام افراد کے لیے ہے جو خرچ کر کے پچھتانے لگیں اور پریشان ہوں اور پھر دوسروں سے مانگنے لگیں حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اہل توکل جو خرچ کر کے نہ گھبرائیں نہ تلملائیں اور اللہ تعالیٰ پر ان کا پورا پورا بھروسہ ہو ایسے حضرات کو اجازت ہے کہ اپنا پورا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کردیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارا ہی مال لے آئے آپ نے سوال فرمایا کہ تم نے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ابقیت اللّٰہ و رسوله (کہ میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو باقی رکھا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶ از ترمذی و ابوداؤد)

آپ نے ان کا سارا مال قبول فرمالیا، اور بھی اس طرح دیگر اکابر کے واقعات ہیں، علامہ قرطبی ج ۱ ص ۲۵۰ فرماتے ہیں کہ و کان کثیر من الصحابة ینفقون فی سبیل اللّٰہ جمیع اموالھم، فلم یعنفھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینکر علیھم لصحة یقینھم وشدة بصائرھم، وانما نھی اللّٰہ سبحانه تعالیٰ عن الافراط فی الانفاق، واخراج ماحوته یداہ من المال من خیف علیه الحسرة علی ماخرج من یدہ فاما من وثق بموعود اللّٰہ عزوجل وجزیل ثوابه فیما انفقه فغیر مراد بالایة واللّٰہ اعلم۔

آخر میں فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴾ (بلاشبہ تیرا رب جس کے لیے چاہے رزق میں فراخی دیتا ہے، اور وہ رزق میں تنگی فرمادیتا ہے بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تکوینی نظام بتایا ہے سب اس کے بندے ہیں وہ اپنی حکمت کے مطابق کسی کا رزق زیادہ فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی فرمادیتا ہے وہ خبیر بھی ہے اور بصیر بھی ہے سب کا حال اسے معلوم ہے اس کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے جس کو چاہے جتنا دے اور جس کو چاہے بالکل ہی نہ دے اسے پورا پورا اختیار ہے۔ بندے اپنا کام کریں میانہ روی کے ساتھ اپنی جان پر اپنے اہل و عیال پر اور اقرباء پر اور فقراء و مساکین پر خرچ کریں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہیں اور کچھ لوگوں کی حاجتیں رکی رہیں اور بندے احکام شرعیہ کے پابند ہیں ان کو حکم ہے کہ سارا مال خرچ کر کے اپنے آپ کو پریشانی میں نہ ڈالیں صاحب روح المعانی نے ص ٦٦ ج ١٥ میں آیت بالا کی ایک تفسیر بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ علی معنی ان البسط والقبض امران مختصان باللّٰہ تعالیٰ واما انت فاقتصد واترك ما ھو مختص به جل وعلا۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

Marfat.com

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا
بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ
خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

''اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، انہیں ہم رزق دیں گے، اور تمہیں بھی، بلاشبہ ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور زنا کے پاس نہ جاؤ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے، اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو، اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کے لیے تسلط رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے بلاشبہ اس کی مدد کی جائے گی اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے، اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کی پوچھ گچھ ہوگی اور جب تم ناپو تو پورا ناپو، اور صحیح ترازو سے تولو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔''

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ، کسی جان کو بلاشرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ

ان آیات میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ فرمایا کہ اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو اہل عرب اولاد کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے جو لوگ تنگدستی میں ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ یہ الفاظ سورۃ انعام میں ہیں اور کچھ لوگ اس لیے قتل کر دیتے تھے کہ ممکن ہے آئندہ تنگدست ہو جائیں۔ ان کے لیے فرمایا ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ تم تنگدستی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، یہ سورۃ الاسراء کے الفاظ ہیں نیز اہل عرب لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے تا کہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے یہ سب جاہلانہ رسمیں تھیں، زمانہ جاہلیت میں شیطان نے اہل عرب کو ان چیزوں پر ڈالا تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿اِنَّهٗ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ پرانی جاہلیت اب پھر عود کر آئی ہے دشمنان اسلام نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اتنے سال کے بعد تک اگر بچوں کی پیداوار کی شرح اسی طرح رہی جو پورے عالم میں ہے تو زمین چھوٹی پڑ جائے گی اور کھانے پینے کی چیزوں کی کفایت نہ ہوگی لہٰذا ایسی کوششیں جاری کر دی گئی ہیں جو ان کے خیال میں بچوں کی پیدائش روکنے والی ہیں اس کے لیے کئی طرح سے پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ بھاری بھاری رقمیں خرچ کی جا رہی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ دشمنان اسلام جو کچھ کہہ دیتے ہیں مسلمان صاحب اقتدار اسے تسلیم کر لیتے ہیں قرآن و حدیث کی تصریحات کو بالکل نہیں دیکھتے قرآن نے اس جہالت کا پہلے ہی جواب دیدیا اور فرمادیا ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ (ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی رزق دیں گے) تمہیں کس نے روزی رساں بنایا ہے اور کس نے اللہ کی مخلوق کو رزق دینے کا ٹھیکہ دیا ہے، درحقیقت جتنے بھی طریقے تقلیل اولاد کے لیے جاری کیے ہیں یہ سب اللہ کی قضاء و قدر کے سامنے ناکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة الاوهى كائنة (یعنی اللہ کے علم میں قیامت کے دن تک جتنی بھی جانیں پیدا ہونے والی ہیں وہ ضرور پیدا ہو کر رہیں گی) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما من كل الماء يكون الولد و اذا اراد الله خلق شئ لم يمنعه شئ ہر نطفے سے اولاد نہیں ہوتی اور جب اللہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۵) دیکھا جاتا ہے کہ مرد و عورت ولادت کو روکنے کے لیے کئی طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کو تخلیق منظور ہوتی ہے تو ان سب چیزوں کے باوجود استقرار ہو جاتا ہے اور اولاد پیدا ہوتی ہے۔

Marfat.com

آنے والے انسانوں کے بھی خیر خواہ جوان کی آمد اور پیدائش کو روکنے کے لیے زور لگا رہے ہیں انہیں وقت سے پہلے آنے والوں کی روزی کی تو فکر ہے لیکن موجودہ انسانوں کی جانوں کا فکر نہیں انہیں جگہ جگہ قتل کرتے ہیں اور قتل کرواتے ہیں اور ایسے ایسے آلات حرب تیار کر رکھے ہیں جو دو چار منٹ میں ہی پورے عالم کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

دوسرا حکم یوں دیا ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا﴾ (اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے) اس میں زنا کی ممانعت فرمائی اور یوں فرمایا کہ اس کے پاس بھی مت پھٹکو اور اسے بے حیائی اور بری راہ سے تعبیر فرمایا زنا ایسا برا عمل ہے اور ایسی لعنت کی چیز ہے جو کبھی کسی نبی کی شریعت میں حلال نہ تھی بلکہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیان ہیں مذہبی طور پر وہ بھی اسے ممنوع سمجھتے ہیں گو نفس وشیطان کے ابھار کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آج جب کہ یورپ اور امریکہ میں بے حیائی کو ہنر اور حیا کو عیب سمجھا جانے لگا ہے وہاں زنا کاری بہت عام ہو چکی ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں وہ تو حیا کی ہر سرحد پار کر چکے ہیں اور چونکہ ان کے پادری ہر اتوار کو حاضرین کے ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اس لیے خوب دھڑلے سے عوام وخواص زنا کرتے ہیں، جو مسلمان وہاں جا کر بستے ہیں وہ بھی ان بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہاں رواج کی وجہ سے اتنی زیادہ بے حیائی پھیل چکی ہے کہ بیویاں ہوتے ہوئے زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور شوہر کی رضامندی سے ایک شخص کی بیوی دوسرے شخص کے ساتھ رات گزارتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس میں بہت سخت آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لیے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۳)

اس گناہ سے بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نے بدنظری تک سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور اس گناہ کی دنیاوی سزا یہ رکھی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کر لے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد یا عورت زنا کر لے تو اس کو سنگسار کیا جائے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے دنیا میں جو مصیبتیں آرہی ہیں ان کا بہت بڑا سبب بڑے گناہ بھی ہیں اور ان گناہوں میں زنا کاری کا عام ہونا بھی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے گی قحط بھیج کر ان کی گرفت کی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت کا لین دین ہوگا رعب کے ذریعے ان کی گرفت ہوگی (یعنی دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا اور دشمنوں سے ڈرتے رہیں گے) حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں (ایک روایت میں ہے کہ جب کسی بستی میں) زنا اور سود کا ظہور ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل کر لیا۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۸ ج ۳)

جب زنا عام ہو جاتا ہے تو حرام کی اولاد بھی زیادہ ہو جاتی ہے نسب باقی نہیں رہتا کون کس کا بیٹا اور کس کا بھتیجا یا بھانجا، ان سب باتوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ صلہ رحمی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اور انسان، حیوان محض بن کر رہ جاتا ہے۔ حلالی ہونے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ حرامی ہونے ہی کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں یورپ کے رہنے والوں پر یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک ان میں زنا اولاد کی کثرت نہ ہو جائے۔ سو جب ان میں زنا کی اولاد پھیل جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب میں مبتلا فرما دے گا اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جب زنا ظاہر ہو جائے گا تو تنگدستی اور ذلت کا ظہور ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۷ ج ۳)

صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب مروی ہے (حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب سچا ہوتا

Marfat.com

ہے) جس میں بہت سی چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کا گذر ایک ایسے سوراخ پر ہوا جو تنور کی طرح تھا۔ اس میں جو جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں نظر آئیں ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آتی تھی جب وہ لپٹ اوپر آتی تھیں تو وہ چیختے چلاتے اور فریاد کرتے تھے آپ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا (جن میں ایک جبرائیل اور ایک میکائیل تھے) یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۴۴ وھو فی المشکوٰۃ ۳۹۵)

جب زنا کی عادت پڑ جاتی ہے تو بڑھاپے میں بھی زنا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا اور ان کو پاک نہ کرے گا اور ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا (۱) زنا کار بوڑھا (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) تنگدست متکبر۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، ان میں زنا کار بوڑھے کو بھی شمار فرمایا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ تین شخصوں سے اللہ کو بغض ہے ان میں سے ایک زنا کار بوڑھا بھی ہے۔ (الترغیب ص ۲۷۵ ج ۳)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر گھر پر نہیں ہے (اور اس کے غائب ہونے کو اس نے زنا کا ذریعہ بنالیا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر ایک اژدھا مسلط فرمائے گا (الترغیب والترہیب ص ۲۷۹ ج ۳) شوہر گھر پر نہ ہو تو عورت مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے زنا کاری کا مزاج رکھنے والے ایسی عورت سے جوڑ بٹھا لیتے ہیں ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا وعید سنائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ شوہر اگر گھر پر ہو اور دیوث ہو تو اس کی اجازت سے گناہ حلال ہو جائے گا زنا ہر حال میں حرام ہے۔

اسلام عفت اور عصمت والا دین ہے۔ اس میں فواحش اور منکرات اور زنا کاری اور اس کے اسباب اور دواعی، ناچ رنگ، عریانی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یورپ کے شہوت پرست انسان نما حیوانوں میں زنا کاری عام ہے محرم عورتوں تک سے زنا کرتے ہیں قانوناً مردوں کو مردوں سے شہوت پوری کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کے بدترین امراض میں مبتلا ہیں۔

ایک حدیث میں بربادی کے اسباب میں سے یہ بھی بتایا جاتا ہے۔ اکتفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرنے لگیں اور عورتیں عورتوں سے۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۶۷ ج ۳)

یورپ والوں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی ان کے کرتوتوں کے ساتھی بنتے جا رہے ہیں اور شہوت پرستوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب بنا رہے ہیں سورۃ نساء میں فرمایا ﴿وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا﴾ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے، اور جو لوگ شہوتوں کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔)

بعض زنا کار عورتوں کی یہ بات سننے میں آئی ہے کہ میرا بدن ہے جس طرح چاہوں استعمال کروں۔ یہ تو کفریہ بات ہے قرآن کا مقابلہ ہے۔ اس کا معنی ہے (العیاذ باللہ) کہ زنا کاری سے قرآن کا منع فرمانا صحیح نہیں، درحقیقت بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ ہم بندے ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے اور مالک ہے، سارے بندے اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں مملوک کو کیا حق ہے کہ اپنی ذات کو اپنے بارے میں اور اپنے جسم و جان کے بارے میں خود مختار سمجھے۔

بہت سے ملکوں میں یہ قانون نافذ ہے کہ زنا بالجبر تو منع ہے لیکن اگر رضامندی سے کوئی مرد عورت سے زنا کر لے تو اس پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ کوئی سزا۔ بہت سے وہ ممالک جن کے اصحاب اقتدار مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کے ملک میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور دشمنوں کے سمجھانے سے یہ قانون پاس کر دیا گیا ہے کہ بیک وقت نکاح میں صرف ایک عورت رہ سکتی ہے لیکن دوستانیاں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ زنا کاری کو عام کر دینا انجام کے اعتبار سے کیا رنگ لائے گا اس کے بارے میں بالکل کوئی فکر نہیں، مسلمان ممالک کے ذمہ دار دشمنوں کے سامنے اس بات سے جھینپتے ہیں کہ ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں رکھنے کا قانون پاس کر دیں۔ مسلمان کو کافر سے کیا جھینپنا؟ اسے تو قرآن و حدیث کے قوانین نافذ کرنا لازم ہے۔

Marfat.com

آخر میں ایک حدیث کا ترجمہ لکھ کر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کرے کہ تم ان چیزوں کو نہ پاؤ (تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں ابتلاء ہوگا۔)

(۱) جس قوم میں کھلم کھلا طریقہ بے حیائی کا رواج ہو جائے گا ان لوگوں میں طاعون پھیلے گا اور ایسے امراض میں مبتلا ہوں گے جو ان کے اسلاف میں نہیں تھے۔

(۲) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کو قحط کے ذریعہ پکڑا جائے گا اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوں گے۔

(۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ کو روک لیں ان سے بارش روک لی جائے گی اور اگر جانور نہ ہوں تو (بالکل ہی) بارش نہ ہو۔

(۴) اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دیں گے ان کے اوپر دشمن مسلط کر دیا جائے گا وہ ان کے بعض اموال لے لے گا۔

(۵) اور جس قوم کے اصحاب اقتدار اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلے نہ کریں گے اور اللہ نے جو چیز نازل فرمائی اس کو اختیار نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں ایسی مخالفت پیدا فرما دے گا جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے رہیں گے۔ (رواہ ابن ماجہ فی باب العقوبات ص ۲۱۲)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ اللہ نے جس جان کو قتل کرنے سے منع فرمایا اسے قتل مت کرو۔ جس کسی جان کا قتل کرنا شریعت اسلامیہ میں حلال نہیں ہے اس کا قتل کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور اس بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں قتل کی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت ہے اس کی تفصیلات سورہ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں اور سورۃ نساء کے تیرہویں رکوع میں اور سورۃ مائدہ کے ساتویں رکوع میں گزر چکی ہیں۔ (انوار البیان)

سورۃ نساء میں قتل کی وعیدیں بھی مذکور ہیں۔ وہاں ہم نے متعدد احادیث کا ترجمہ بھی لکھا دیا ہے قتل نفس کی حرمت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ﴾ (اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا اس کے ولی کے لیے ہم نے اختیار رکھا ہے سو وہ قتل کرنے میں حد سے آگے نہ بڑھے) کسی کے قتل کر دینے پر جو عذاب ہے وہ آخرت سے متعلق ہے۔ اور دنیا میں جو اس کے بارے میں شرعی احکام ہیں ان کے مطابق مقتول کے ولی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شرعی اصول کے مطابق قتل کا ثبوت ہو جانے پر انہیں حدود پر رہے جو حدود اس کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں مثلاً قتل خطا میں دیت کے بجائے قاتل کو قتل نہ کرے اور قتل عمد میں جو شریعت نے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے اسے قاتل تک ہی محدود رکھا جائے۔ جوش انتقام میں قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو اس کے اعزہ واقربا میں سے قتل نہ کر دے۔ نیز قاتل کے قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں، ناک نہ کاٹے، جسے مثلہ کرنا کہتے ہیں۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ (بلاشبہ مقتول کے ولی کی مدد ہوگی) یعنی ولی مقتول حد شرعی کے اندر رہتے ہوئے قصاص لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد کی جائے گی۔ یعنی شریعت اسلامیہ اس کی مددگار ہوگی۔ اور اہل ایمان اصحاب اقتدار قصاص دلانے کے لیے راہ ہموار کریں گے اسے قصاص دلائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ بھی سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ اگر ولی مقتول حد سے بڑھ گیا تو اب یہ ظالم ہوگا اور معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ اور اب شرعی قانون میں اس کا مواخذہ ہوگا۔

چوتھا حکم یہ فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس بارے میں سورۃ نساء کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

پانچواں: پانچواں حکم یہ دیا کہ عہد کو پورا کرو اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ ﴿اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ (یعنی عہد کی باز پرس ہوگی) بہت سے لوگ عہد تو کر لیتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور قصداً عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ دفع الوقتی کے طور پر وعدہ کر لیتے ہیں اور عین معاہدہ کرتے وقت بھی دل میں عہد توڑنے اور دغا دینے کا ارادہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ عہد کی

Marfat.com

باز پرس ہوگی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ اور سورہ مائدہ کی پہلی آیت ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ اور سورہ نحل کی آیت ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾ کے ذیل میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کا مراجعہ کرلیا جائے۔

چھٹا حکم یہ دیا کہ ناپ تول پوری کیا کرو اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔

آخر میں فرمایا ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ کہ احکام پر عمل کرنا بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

آیات بالا میں جو احکام مذکور ہوئے سورۂ انعام کے رکوع نمبر ۱۴ میں بھی ذکر فرمائے گئے ہیں وہاں بھی ملاحظہ فرمالیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

''اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو، بلاشبہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال ہوگا اور تو زمین میں اتراتا ہوا مت چل، بے شک تو ہرگز زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور ہرگز پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ نہیں سکتا، یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔''

جس بات کا پتہ نہیں اس کے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے سے ممانعت

یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، اس کی جامعیت بہت سے اعمال کو شامل ہے اس نصیحت پر دھیان نہ دینے کی وجہ سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں معاشرہ میں جو بدمزگی پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی آبرو ریزی ہوجاتی ہے مختصر الفاظ میں ان سب کی ممانعت آگئی، غلط حدیثیں بیان کرنا خود حدیثیں وضع کرنا جھوٹے راویوں سے حدیثیں لینا اور انہیں آگے بڑھانا کسی بھی شخص کے بارے میں محض اٹکل سے یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کچھ کہہ دینا تہمت رکھ دینا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو دینی اعتبار سے گمراہی کا ذریعہ بنتی ہیں اور دنیاوی اعتبار سے آپس میں بغض اور دشمنی پھیلاتی ہیں صرف گمان سے اٹکل پچو کوئی بات ثابت نہیں ہوتی سورۃ الحجرات میں فرمایا ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) اور غیبت کرنا تو اس بات کا یقین ہوتے ہوئے بھی حلال نہیں ہے کہ فلاں شخص نے فلاں گناہ کیا ہے یا فلاں شخص میں فلاں عیب ہے پھر بھلا محض اٹکل سے یا خود سے بنا کر کسی کے بارے میں یوں کہہ دینا کہ اس نے یوں کیا ہے یا کہا ہے کیسے حلال ہوسکتا ہے؟ صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں۔ قال قتادہ لا تقل رایت ولم ترسمعت ولم تسمعه وعلمت ولم تعلمه، وقال مجاهد لا ترم احدا بما ليس لك به علم، قال القتيبى، لا تتبعه بالحدس والظن وهو فی اللغة اتباع الاثر يقال، قفوت فلانا اقفوه وقفيته واقفيته اذا اتبعت اثره۔

پھر ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو یہ اعضاء دیئے ہیں یوں ہی نہیں دیئے کہ ان کو جیسے چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کریں جس ذات پاک نے عطا فرمائے ہیں اس نے ان سب کے استعمال کرنے کے مواقع بھی بتائے ہیں اور وہ اعمال بھی بتائے ہیں جن سے ان کو محفوظ رکھنا لازم ہے کہاں دیکھے اور کیا بات سنے اور اپنی قوت فکریہ کو کہاں خرچ کرے، ان سب کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں، کسی نے چوری کرلی، کسی کو ظلماً مارا، حساب غلط لکھ کر یا جھوٹا بل بنا کر خیانت کردی یا کسی ایسے مرد یا کسی عورت سے مصافحہ کرلیا جس سے مصافحہ کرنا جائز نہیں تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو غیر شرعی امور میں استعمال کیا، بائیں ہاتھ سے کھایا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کیا یہ بھی ہاتھ کا غلط استعمال ہے۔ زبان سے

Marfat.com

کوئی بیجابات کی کفر کا کلمہ کہا کسی کی غیبت کی کسی پر تہمت دھری گالی دی جھوٹ بولا یہ سب زبان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے گانا سنا، باجوں کی آواز کی طرف کان لگانا غیبتیں سنتا رہا یہ کان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے ایسی جگہ نظر ڈالی جہاں دیکھنا یا نظر ڈالنا ممنوع تھا، بدنظری سے کسی کو دیکھ لیا کسی کے ستر پر نظر ڈالی آنکھوں کو کسی بھی طرح گناہوں میں استعمال کیا تو یہ سب آنکھوں کا غیر جگہ استعمال ہوگا جہاں استعمال کرنا ممنوع تھا، کوئی شخص گناہ کے لیے کہیں چل کر گیا تو اس نے اپنے پاؤں کا غلط استعمال کیا، حدیث شریف میں ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا دیکھنا زنا کرنا ہے اور کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور گناہوں کی آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کردیتی ہے یعنی موقعہ لگ جاتا ہے تو شرم گاہ گناہوں میں استعمال ہوجاتی ہے ورنہ شرم گاہ کا زنا ہو نہیں پاتا لیکن اس سے پہلے دوسرے اعضاء زنا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا گناہ صاحب اعضاء کے ذمہ پڑ جاتا ہے کیونکہ انہیں اسی نے استعمال کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں: (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھ دی جائے تو اسے ادا کرو (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اپنے ہاتھوں کو (بے جا استعمال سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

فؤاد: دل کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بہت بڑا عطیہ ہے جو زندگی کا ذریعہ ہے سورہ ملک میں فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کان آنکھیں بنائیں اور دل عطا فرمائے تم کم شکرادا کرتے ہو) یہ دل ہی تو ہے جس کے ذریعے جسم میں خون رواں اور دواں ہے اور قوت فکریہ سوچ سمجھ ہوش گوش کا آلہ ہے، دل کی جو نعمت عظیمہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کو بے جا استعمال کرنا غیر شرعی امور میں اس کی قوتوں کو صرف کرنا گناہوں کے لیے تدبیریں کرنا یہ سب دل و دماغ کا غلط استعمال ہے اپنی زندگی میں انسان آزاد نہیں ان سب اعضاء کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی کہ ان کو کہاں لگایا اور کن کاموں میں استعمال کیا یہ اعضاء یہاں دنیا میں تو فرمانبردار ہیں لیکن قیامت کے دن مخالفانہ گواہی دیں گے۔ سورۃ نور میں فرمایا ﴿یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس عمل کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو حفاظت اعضاء (از معاصی) کے لیے یہ دعا بتائی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَشَرِّ بَصَرِیْ وَشَرِّ لِسَانِیْ وَشَرِّ قَلْبِیْ وَشَرِّ مَنِیِّیْ (اے اللہ میں آپ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی زبان اور اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ میرے اعضاء ہیں جیسے چاہوں استعمال کروں۔ تو خود اپنا نہیں ہے تو اور تیرے اعضاء سب اللہ جل شانہ کی مخلوق اور مملوک ہیں، میدان آخرت میں کٹ حجتی کام نہ دے گی، اعمال نامہ لکھا ہوا سامنے ہوگا لہٰذا اپنے نفس کو اپنے قلب کو اپنے اعضاء کو پاک اور صاف لے جاؤ یہ سب اعضاء اللہ تعالیٰ شانہ کا عطیہ ہیں ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

دوسری آیت میں اترا کر اور اکڑ مکڑ کر چلنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ (کہ تو زمین میں اتراتا ہوا مت چل) ﴿اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ (بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) یعنی ایسی چال نہ چل جس سے تکبر اور غرور ظاہر ہوتا ہو کیونکہ یہ ایک احمقانہ فعل ہے تکبر کی چال چلنے والا سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں حالانکہ اللہ کی مخلوق میں اس سے بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں۔ زمین ہی کو دیکھ لو جس پر انسان بستے ہیں انسان اسی کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کو دیکھ لو کہ وہ انسان کے قد سے بہت اونچے ہیں اترا کر چلنے والا ذرا اپنی ذات کو تو دیکھے پہاڑوں کی درازی تک تو پہنچ ہی نہیں سکتا پھر کیوں تکبر کرتا ہے اور کیا شان رکھتا ہے اور اکڑتا ہوا چلتا ہے، سورہ لقمان میں فرمایا ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (اور تو

Marfat.com

زمین میں اتراتا ہوا نہ چل بلاشبہ اللہ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو فخر کرنے والا ہو) تکبر انسان کے لیے زیبا نہیں، جو ذلیل پانی سے پیدا ہوا جس نے ماں کے پیٹ میں حیض کے خون سے غذا پائی جو آخر میں مردہ نعش ہو کر رہ جائے گا اسے کیا مقام ہے کہ تکبر کرے اتراتا ہوا چلے اور اللہ کی مخلوق کو حقیر جانے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک شخص دو چادریں پہنے ہوئے ناز کے انداز میں چل رہا تھا خود پسندی اختیار کیے ہوئے تھا اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (صحیح البخاری ص ۴۹۰ و ص ۸۶۱ کتاب اللباس والزینۃ)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اترا کر چلنے لگے اور فارس و روم کے شہزادے ان کی خدمت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ امت کے برے لوگوں کو ان کے اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۹ انسان کے لیے تواضع ہی بہتر ہے تکبر حرام ہے اور تواضع محبوب چیز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا اور جو شخص متکبر ہوگا اللہ اسے گرا دے گا وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن ایسی حالت میں ہوگا کہ صورتیں انسانوں جیسی ہوں گی اور جسم چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں دوزخ کے جیل خانے کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان لوگوں پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی۔ انہیں دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۳) حضرت عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی شخص کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۷ از مسلم)

تیسری آیت میں مذکورہ بالا برائیوں کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ (یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ سے یہاں تک جو امور خیر مذکور ہوئے ان کو ترک کرنا اور جن امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرنا یہ سب بری باتیں ہیں تمہارے رب جل شانہ کے نزدیک مکروہ ہیں ناپسندیدہ ہیں جس نے وجود بخشا پرورش کے اسباب پیدا فرمائے جو اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، ان کو اختیار کرنا عقلاً بھی قبیح ہے، جو رب جل شانہ کو رب نہیں مانتے وہی افعال شنیعہ اور اعمال سیئہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

''یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہیں، اور اے مخاطب اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود تجویز نہ کر ورنہ تو ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا، کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنا لیا بلاشبہ تم بڑی بات کہتے ہو۔''

اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کے لیے جہنم ہے اور اس کے لیے اولاد تجویز کرنا بہت بڑی بات ہے

آیات سابقہ میں جو احکام بیان ہوئے اول تو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اس حکمت میں سے ہیں جو اللہ نے آپ پر وحی کے ذریعے بھیجی ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔ هذه من الافعال المحكمة التي تقتضيها

Marfat.com

حکمة الله عزوجل فی عبادہ وخلقها لهم من محاسن الاخلاق والحکمة وقوانین المعانی المحکمة والافعال الفاضلة۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ ج ۱۰)

یعنی یہ وہ محکم افعال ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندے انہیں اختیار کریں اور یہ وہ محاسن اخلاق ہیں اور محکم قوانین ہیں اور افعال فاضلہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے۔

اس کے بعد یوں فرمایا ہے اے مخاطب اللہ کے سوا کوئی معبود تجویز نہ کر ورنہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ یہ خطاب ساری امت دعوت اور ساری امت اجابت کو ہے جو کوئی شخص بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا مستحق ملامت ہوگا اور قیامت کے دن دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا، مدحور لغت کے اعتبار سے وہ جو ذلیل ہو اور اس پر پھٹکار پڑی ہو جس کی وجہ سے دور کر دیا گیا ہو چونکہ ﴿فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ فرمایا ہے اس لیے محاورہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

مشرکین عرب جو طرح طرح کے شرک میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اور اولاد بھی کیا تجویز کی؟ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا! یہ سب کچھ انہوں نے شیطان کے سمجھانے سے عقیدہ بنایا جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔ اول تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ہی ظلم ہے وہ اولاد سے پاک ہے اولاد اس کی شایان شان نہیں، پھر اولاد بھی تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کیں اپنے لیے انہیں لڑکیاں گوارا نہ تھیں بیٹی پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ دفن کر دیتے تھے اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرنا جو خود انہیں بھی ناپسند ہیں انتہائی بے عقلی کی بات ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان کی حماقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ نے تمہارے لیے بیٹوں کو مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنا لیا؟ ﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا﴾ (بلاشبہ تم بڑی بات کہتے ہو) یعنی گناہ کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات ہے اور بہت ہی زیادہ بری ہے، اس کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے سورہ مریم میں فرمایا ﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَ مَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر لی ہے تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اور اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

''بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں اور یہ ان کی نفرت ہی میں اضافہ کرتا ہے، آپ فرما دیجیے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو انہوں نے عرش والے کی طرف راستہ تلاش کر لیا ہوتا، جو پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہیں کرتی۔ لیکن تم ان کی حمد کو نہیں سمجھتے۔ بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے۔''

Marfat.com

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، شرک کرنے والوں کی باتوں سے پاک ہے ساتوں آسمان اور زمین اور ہر چیز اس کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن مجید میں جو باتیں بیان کی ہیں (جن میں توحید کی دعوت ہے اور اس کے دلائل میں شرک کی مذمت اور آخرت کی یقین دہانی ہے اور افعال خیر کی ترغیب ہے اور برے اعمال کی وعیدیں ہیں) ان کو طرح طرح سے بیان فرمایا تا کہ مخاطبین غور کریں سوچیں اور سمجھیں، پھر فرمایا ﴿وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ اور حال یہ ہے کہ اس قرآن کے بیان سے متاثر نہیں ہوتے وہ تو اور زیادہ متنفر ہوتے جاتے ہیں، یہی قرآن جو غور وفکر اور تدبر والوں کے لیے ذریعہ ہدایت بن گیا معاندین کے لیے بعد اور نفرت کا ذریعہ بن رہا ہے، جن لوگوں کو حق سے بیر ہے وہ قرآن حکیم کو سنتے ہیں لیکن اس کے بیان سے اثر نہیں لیتے حالانکہ مختلف وجوہ سے ان کو سمجھایا جاتا اور طرح طرح سے راہ حق کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس کے بعد مشرکین کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ تم جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود تجویز کرتے ہو اپنی اس احمقانہ بات کے بارے میں یوں سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہوتے تو وہ بھی زوردار ہوتے اور اپنے زور کو استعمال کر لیتے اور اللہ تعالیٰ شانہ جو عرش والا ہے اس تک پہنچنے کا انہوں نے بھی کا راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا یعنی راستہ تلاش کر کے عرش والے تک پہنچ جاتے پھر آپس میں لڑائی ہوتی اور اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مخلوق کا نظام درہم برہم ہو جاتا سب دیکھ رہے ہیں کہ ہزاروں سال سے ایک خاص محکم نظام کے ساتھ سارے عالم کا نظام رواں اور دواں ہے اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ سب بگڑ کر رہ جاتا جب کوئی بھی معارض اور مقابل نہیں ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے اور وہ شرک سے بالاتر ہے وہ وحدہ لاشریک ہے لوگ جو شرکیہ بات کرتے ہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور اہل باطل جو بھی کچھ کہتے ہیں اس سے بلند وبالا ہے پھر فرمایا ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ﴾ (الآیۃ) اس میں یہ بتایا کہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے یہ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں یعنی وہ اس بات کے اقراری ہیں کہ ان کا خالق ومالک ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو آسمان اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے سب اللہ کی مخلوق ہے ان کی تسبیح بتانے کے لیے ارشاد فرمایا ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ پاک کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو) اور ساتھ میں یوں بھی فرمایا کہ ﴿وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (اور لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔)

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کچھ تو ایسی ہے جو ذی حیات ہے جسے زندہ کیا جاتا ہے ان میں فرشتے اور انسان وجنات ہیں یہ اصحاب فہم ہیں اللہ پاک نے ان کو سمجھ عطا فرمائی ہے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو زندہ بھی ہیں اور ان میں فہم بھی ہے۔ لیکن فہم زیادہ نہیں ہے جیسے حیوانات اور چرند پرند ان میں اتنی سمجھ ہے کہ ضرورت کے لیے کھائیں پئیں بچوں کی پرورش کریں حملہ آور سے بچاؤ کریں اپنے مجازی مالک کی ہدایت پر چلیں، درخت بھی زندہ چیزوں میں شمار کیا جاتا ہے ان میں زندگی تو ہے اور اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھ بھی ہے لیکن حیونات کی بنسبت ان میں کم سمجھ ہے۔

اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب سمجھنا چاہیے کہ ہر مخلوق کی زبانیں ہیں خود انسانوں کی سینکڑوں زبانیں ہیں ایک علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کی زبان نہیں سمجھتے فرشتوں کی بھی زبان ہے جس سے آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں اور انسانوں کی زبانوں میں سے جو زبانیں انہیں بتائی گئی ہوں لامحالہ وہ اسے بھی جانتے ہیں بظاہر جنات کی بھی کوئی زبان ہوگی اگرچہ وہ انسانوں کی بھی زبانیں سمجھتے ہیں۔

اسی طرح حیوانات کی زبانیں ہیں بیل اپنی زبان میں بولتا ہے اور اونٹ اپنی زبان میں شیر گدھا، کتا، طوطا، چڑیا، کوا، دریائی جانوران کی اپنی اپنی زبانیں ہیں۔

فرشتے، انسان، جنات اپنی اپنی زبانوں میں اور دوسرے حیوانات اپنی اپنی زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں گو انسانوں کی

Marfat.com

سمجھ میں نہ آئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیوں میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی پوری بستی کو جلانے کا حکم دیا اللہ جل شانہ نے وحی بھیجی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا اور تم نے ایک ایسی امت کو جلایا جو تسبیح پڑھتی تھی۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۶۱)

تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمادیا ہے کہ ان کا بولنا اللہ کی تسبیح ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب صبح ہوتی ہے تو پرندے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اللہ سے اس دن کی روزی کا سوال کرتے ہیں۔ (روح المعانی ص ۸۴ ج ۱۵)

اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں بظاہر ہمارے دیکھنے میں حیات نہیں ہے لیکن حقیقت میں ان میں ادراک ہے زمین اور پہاڑ اور وہ سب چیزیں جنہیں جمادات کہا جاتا ہے ان کے شعور وادراک کو ہم نہیں سمجھتے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے لیکن ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک ہونے کا تعلق ہے وہ اپنے رب کی تسبیح خواں ہیں سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (اور بلاشبہ پتھر ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔)

فرشتے اور مومن انسان اور مومن جنات تو اللہ کی تسبیح پڑھتے ہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں اس کو سب جانتے اور مانتے ہیں اور انسان اور جنات میں جو کافر ہیں ان میں جو کسی بھی دین کے ماننے والے ہیں (یہودی، نصرانی، بدھسٹ، ہندو، آتش پرست وغیرہم) یہ سب بھی خالق جل مجدہ کی خالقیت کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے کو اس کا بندہ مانتے ہیں اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بھی اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے عاجز محض ہیں اور اسی لیے جب مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگاتے ہیں اور صرف اسی سے مانگنے لگتے ہیں اس بات کو سورہ لقمان میں یوں بیان فرمایا ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کو واحد خالق ماننا اور ساری مخلوق پر اس کی قدرت کو تسلیم کرنا یہ اللہ کی تسبیح بھی ہے تحمید بھی ہے مسلمان ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہونا یہ دوسری بات ہے ابلیس لعین جو سارے کافروں کا سردار ہے اس نے مردود ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا ہے اور ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ کہا ہے۔ اب وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو دہری اور مادہ پرست ہیں جو بظاہر خالق کائنات جل مجدہ کے وجود کو نہیں مانتے لیکن یہ ضرور مانتے ہیں کہ یہ عالم کے تصرفات اور چیزوں کا موجود اور معدوم ہونا اور متغیر ہونا کسی صاحب قدرت ذات کی وجہ سے ہے خواہ زبان سے اقرار نہ کریں۔

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین نرم کیوں ہے پہاڑ سخت کیوں ہے اور فلاں پہاڑ فلاں جگہ ہی کیوں پیدا ہوا اور فلاں عورت کے لڑکے ہی لڑکے پیدا کیوں ہوتے ہیں فلاں عورت کے نرینہ اولاد کیوں نہیں ہوتی اور فلاں عورت بانجھ کیوں ہے اور مقناطیس صرف لوہے کو کیوں کھینچتا ہے پیتل کو کیوں نہیں کھینچتا اور فلاں درخت کا پھل فلاں شکل وصورت کا کیوں ہے یہ اپنی مذکورہ صورت سے مختلف کیوں نہ ہوا لمبا کیوں نہ ہوا بھاری کیوں نہ ہوا اس کا رنگ ہرا کیوں ہوا کالا کیوں نہ ہوا پھر ان سب چیزوں کے مزے الگ الگ کیوں ہیں گاڑی پٹرول سے کیوں چلتی ہے اور دوسرے سیال مادہ سے کیوں نہیں چلتی انسان کی صورتیں مختلف کیوں ہیں بکری چھوٹی اور اونٹنی بڑے قد کی کیوں ہے دودھ اور خون اندر آپس میں کیوں نہیں مل جاتے تھنوں سے دودھ ہی کیوں نکلتا ہے بال مونڈنے کے بعد دوبارہ کہاں سے آجاتے ہیں پانی سے بھی معدہ پر ہو جاتا ہے لیکن یہ روٹی چاول کا کام کیوں نہیں دیتا اور اس طرح کے ہزاروں سوالات ہیں جن کا جواب دینے سے مادہ پرست دہریے اور ملحد عاجز ہیں ان کا یہ عاجز ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خالق اور مالک جل مجدہ کی قدرت کو مانتے ہیں گو زبان سے نہیں مانتے اور اس عنوان سے نہیں مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ عاجز ہونا ہی ماننا ہے اور یہ خالق ومالک کی تسبیح وتحمید ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تسبیح کی دو صورتیں ہیں ایک تسبیح حالی دوسری تسبیح مقالی تسبیح حالی کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا اپنا مستقل وجود ہے اور اس کے اپنے ذاتی احوال ہیں جو اس پر گزرتے ہیں یہ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے وجود میں اپنے باقی رہنے میں اور اپنے

Marfat.com

احوال کے مقلب ہونے میں کسی صاحب قدرت ذات پاک کے تابع ہے وجود اور احوال کی شہادت خالق کائنات جل مجدہ کی تسبیح ہے اس عموم کے اعتبار سے کائنات کا ہر ذرہ ذرہ ذی روح ہو یا جماد ہو شجر ہو یا حجر ہو مومن ہو یا منکر سب کے وجود سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ظاہر ہو رہی ہے، دوسری قسم یعنی تسبیح مقالی وہ ہے جو الفاظ وحروف وکلمات کے ذریعہ ہو یہ وہ تسبیح ہے جس میں یہ ضروری نہیں کہ انسان بھی انہیں سمجھ جائے اور سن لے آپس کی زبانیں نہیں سمجھ پاتے تو جانوروں کی زبانیں کیا سمجھیں گے اور جمادات کی تسبیح کیا سنیں اور سمجھیں گے۔

سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ﴾ ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع ہو جاتے تھے جن کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۱ از بخاری و مسلم ج ۲ ص ۴۴۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اسے پہچانتا ہوں میری بعثت سے پہلے وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لیکر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو؟ وہ دوسرا پہاڑ جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر گزرا ہے اس پر وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔قال الهیثمی روی الطبرانی ورجاله رجال الصحیح اه وهو فی حکم المرفوع کما فی حاشیة الحصن الحصین لانه لا یدرك بالرائی۔

سورہ نور میں فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ (کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ جو سب آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں بلکہ دعا بھی کرتی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی تسبیح اور اپنی اپنی دعا کا طریقہ معلوم ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عالم کے لیے آسمانوں والے اور زمین والے استغفار کرتے ہیں اور مچھلیاں بھی پانی میں اس کے لیے استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

صحیح بخاری (ص ۵۰۷) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم یہودیوں سے جنگ کرو گے اور تمہیں ان پر غلبہ دے دیا جائے گا پتھر بھی یوں کہیں گے کہ اے مسلمان یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے تو اسے قتل کر دے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔

اور استوانہ حنانہ کا قصہ تو معروف ہی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دینے کے لیے تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا جس کے پاس کھڑے ہو کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے بچے کی طرح رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اسے چمٹایا تو وہ بچہ کی طرح روں روں کرنے لگا جیسے بچہ چپکایا کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے رویا کہ اس کے پاس جو اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا اسے سنتا تھا (صحیح بخاری ص ۵۰۶) ان آیات اور روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کو غیر ذی روح سمجھتے ہیں اللہ کی تسبیح میں اور دعا میں ان کی مشغولیت رہتی ہے، یہ چیزیں ذکر اللہ سے مانوس ہوتی ہیں اہل علم کے لیے استغفار کرتی ہیں اور دشمنان اسلام کے کسی جگہ چھپ جانے کی خبر دینا بھی ان کے اعمال میں شامل ہے۔

Marfat.com

قال القرطبی فی تفسیرہ (ج ۱۰ ص ۲۶۸) فالصحیح ان الکل یسبح للاخبار الدالة علی ذلك ولو کان ذلك التسبیح تسبیح دلالة فای تخصیص لداود، انما ذلك تسبیح المقال بخلق الحیاة والانطاق بالتسبیح کما ذکرنا وقد نصت السنة علی ما دل علیه ظاهر القرآن من تسبیح کل شی فالقول به اولی واللّٰہ أعلم۔

قلت لکن بقی الاشکال ان الملحدین لا یسبحون باللسان فلایوجد منهم التسبیح المقالی ووجه الجواب اما بعد ذکرنا من قبل واما تخصیصهم من العموم او تعمیم التسبیح فلیشمل الحالی والمقالی۔

ولعل الاولی فیه ان یلتزم حمل التسبیح علی ما هو الاعم من الحالی والمقالی واجیب بان استثنا اولئك معلوم بقرینة السباق واللحاق۔

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے) اس میں مشرکین کے اس سوال کا جواب ہے کہ ہم غلط راہ پر ہیں تو ہم کو سزا کیوں نہیں مل جاتی، اللہ تعالیٰ حلیم بردبار ہے وہ سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا حکمت کے مطابق جب چاہے گا دنیا میں بھی سزا دے گا اور آخرت کی سزا تو مشرکین کے لیے لازم ہی ہے، وہ غفور بھی ہے اگر شرک سے توبہ کر کے اس کا بھیجا ہوا دین قبول کر لو گے تو وہ سب معاف فرما دے گا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ
جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ
وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى
اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں، اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ جس وقت وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے کان لگائے ہوئے ہیں جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں ہمیں اس کا بھی خوب علم ہے، جبکہ ظالم لوگ یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ بس ایک ایسے شخص کا اتباع کر رہے ہو، جس پر جادو کر دیا گیا ہے، دیکھ لیجیے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے سو راہ یاب نہیں ہوں گے۔''

جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں ڈاٹ ہے قرآن کو بد نیتی سے سنتے ہیں اور آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر جادو کر دیا گیا

مشرکین مکہ جو توحید و رسالت اور آخرت کے منکر تھے اور قرآن کو سن کر نہ تدبر کرتے تھے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیتے ہیں اس پردہ کی وجہ سے وہ آپ کی باتوں کو اور آپ کے مرتبہ کو سمجھ نہیں پاتے اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں (جب کوئی شخص بہرے پن کی وجہ سے بات نہیں سن پاتا تو کہتے

Marfat.com

ہیں کہ یہ ثقل سماعت کا مریض ہے اور اس کا با محاورہ ترجمہ یہ لکھا گیا کہ ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں۔)

جب انسان بار بار کی یاد دہانی پر توجہ نہیں دیتا کھلی کھلی بات اور واضح معجزات سامنے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق سننے، سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس کو سورۃ صف میں فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (سو جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا ہی کر دیا) دنیا میں جو شخص اپنے لیے ہدایت کو اختیار کرے گا اس کو اسی پر مدد کی جائے گی اور اسی کے مطابق اس کے لیے اسی کی طرف سے آسانی فراہم ہوتی رہے گی اور جو شخص اپنے لیے گمراہی کو اختیار کرے گا اس کے لیے گمراہی کے راستے کھلتے رہیں گے اور آخرت میں ہر شخص اپنے عقائد و اعمال کے اعتبار سے جنت یا دوزخ میں چلا جائے گا۔

قال صاحب الروح قوله تعالیٰ مَسْتُوْرًا ای ذا ستر وعن الاخفش انه بمعنی ساتر او مستورا عن الحس علی ظاهره ویکون بیانا لانه حجاب معنوی لا حسی وقوله تعالیٰ ان یَّفْقَهُوْهُ هو مفعول له ای کراهة ان یقفوا علی کنهه ویعرفوا انه من عبد اللّٰه تعالیٰ انتهی بحذف۔

﴿وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا﴾ (اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں) مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب قسم کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ بتوں کی قسم بھی کھا لیتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی ان کے دل بتوں کی عظمت سے بھی لبریز تھے اور زیادہ تر بتوں ہی کا تذکرہ کرتے تھے۔ کبھی بڑی مصیبت میں گھر گئے تو اللہ تعالیٰ کو بھی یاد کر لیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی تو انہیں یہ بہت ناگوار ہوا آپ جب قرآن مجید تلاوت فرماتے اور یہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک کا ذکر سنتے تو نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تھے۔

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ﴾ (الآیۃ) اور جب قرآن سننے لگتے تھے تو اس کو سمجھنے اور اس کی دعوت پر کان دھرنے کے لیے اور قبول کرنے کے لیے نہیں سنتے تھے۔ بلکہ قرآن کی آواز کو دبانے کے لیے بیہودہ باتیں کرتے تھے اور قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کا مذاق بناتے تھے اور آپس میں چپکے چپکے تکذیب کرتے جاتے تھے یعنی قرآن کو جھٹلاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ تم تو بس ایسے آدمی کا اتباع کرتے ہو، جس پر جادو کیا ہوا ہے یعنی اگر تم نے ان کا اتباع کر لیا تو مسحور آدمی کا اتباع کرو گے۔

قال صاحب الروح ای ما تتبعون ان وجد منکم الاتباع فرضا ان لوگوں کی یہ بات نقل کر کے کہ وہ آپ کو مسحور بتاتے ہیں ارشاد فرمایا ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ آپ دیکھ لیجیے کہ آپ کے لیے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں کبھی ساحر کبھی شاعر کبھی مسحور کہتے ہیں اور کبھی مجنون بتاتے ہیں۔ ﴿فَضَلُّوْا﴾ (لہٰذا وہ گمراہ ہو گئے راہ حق سے بھٹک گئے) ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ (سو یہ لوگ راہ یاب نہیں ہوں گے) کیونکہ قبولیت کی استعداد ضائع کر چکے ہیں۔

وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

''اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو نئی پیدائش کی صورت میں اٹھائے جائیں گے آپ فرما دیجیے

Marfat.com

کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی دوسری مخلوق اس مخلوق میں سے جو بن جاؤ جو تمہارے سینوں میں بڑی معلوم ہو رہی ہو، اس پر وہ کہیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ فرما دیجیے وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا، اس پر وہ آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہو گا؟ آپ فرما دیجیے کہ وہ عنقریب ہو جانے ہی والا ہے جس دن تمہیں بلائے گا سو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کر لو گے۔ اور یوں خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔"

منکرین بعث کا تعجب کہ ریزہ ریزہ ہو کر کیسے زندہ ہوں گے، ان کے تعجب کا جواب کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا

گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکار وحی کا تذکرہ تھا اور ان آیات میں ان کے انکار بعث کا تذکرہ ہے۔ جب کفار کے سامنے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہونے اور پیشی اور حساب قائم ہونے کی بات سامنے آئی تو اس کی تکذیب کرنے لگے اور طرح طرح سے حجتیں نکالنے لگے انہوں نے کٹ حجتی کرتے ہوئے یوں بھی کہا کہ جب قبروں میں صرف ہڈیاں ہی رہ جائیں گے اور چورا چورا ہو چکی ہونگی تو کیا ہم دوبارہ نئے سرے سے زندہ ہونگے اور قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ان کی یہ بات اوپر ﴿وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا﴾ میں ذکر فرمائی اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی بھی ایسی چیز بن جاؤ جس میں تمہارے نزدیک زندگی آ جانا بہت ہی بعید ہو کچھ بھی بن جاؤ موت کے بعد ضرور اٹھائے جاؤ گے ہڈیاں تو پھر بھی پہلے باحیات تھیں جسے تسلیم کرتے ہو پتھر اور لوہے میں تو تمہارے نزدیک حیات بالکل ہی نہیں اور نہ انہیں قابل حیات سمجھتے ہیں تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب چیزوں میں زندگی آ سکتی ہے۔ ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا﴾ مذکورہ چیزوں کے زندہ ہونے کی قابلیت کی بات سن کر وہ کہیں گے کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا اس کے جواب میں فرما دیا۔ ﴿قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا ہی دوبارہ زندہ فرما دے گا) اس نے تمہیں منی کے نطفہ سے پیدا فرمایا تھا جسے تم مانتے ہو تو اب اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو جس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا وہ دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے بلکہ انسانوں کی سمجھ کے اعتبار سے سوچا جائے تو دوبارہ پیدا فرمانا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہونا چاہیے یہ کیسی بھونڈی سمجھ کی بات کرتے ہو کہ جس نے پہلے پیدا فرمایا اور وہ دوبارہ پیدا نہ کر سکے۔ قال تعالیٰ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (سورۃ الروم)

سورہ یٰسٓ شریف میں فرمایا ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِيْمٌ﴾ (اور انسان نے ہماری شان میں مثال بیان کر دی اور اپنی شان مخلوقیت کو بھول گیا وہ کہنے لگا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہونگی) اس کے جواب میں فرمایا ﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار زندہ فرمایا تھا اور وہ ہر طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ابتداً پیدا کرنے پر بھی ہے اور دوبارہ پیدا کرنے پر بھی ہے جب یہ بات سامنے آئی تو امکان وقوع کے انکار کی کوئی وجہ نہ رہی تو اب دوسری طرح انکار کرنے لگے اس کو فرمایا ﴿فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ﴾ عنقریب وہ انکار کرتے ہوئے اپنے سروں کو ہلائیں گے اور تکذیب اور استہزاء کے طور پر کہیں گے کہ اس کا وقوع کب ہو گا یعنی قیامت کب آئے گی؟ مطلب یہ ہے کہ ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ دوبارہ زندہ ہونگے اور حشر نشر ہو گا اگر ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا، یہ بھی انسان کی جاہلانہ باتوں میں سے ہے کہ اگر سچی خبر کے وقوع میں دیر لگ جائے تو اس دیر لگنے کو امتناع پر محمول کر لیتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ اب تک اس کا وقوع نہیں ہوا تو آئندہ کبھی بھی نہیں ہو گا، قرآن مجید میں کئی جگہ منکرین کا انکار نقل کیا ہے اور فرمایا ہے ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو) سورہ سبا میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ﴿قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا

Marfat.com

تَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو) یعنی قیامت اپنے وقت پر آجائے گی۔ دیر لگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ آنی ہی نہیں۔

یہاں سورہ اسراء میں فرمایا ﴿قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا﴾ (آپ فرما دیجیے کہ وہ عنقریب ہو جانے ہی والا ہے) یعنی وقوع قیامت میں گو بظاہر دیر لگ رہی ہے لیکن چونکہ اس کو آنا ہے اس کا آنا یقینی ہے اس لیے وہ قریب ہی ہے جو گزر گیا وہ دور ہو گیا اور جو آنے والا ہے وہ قریب ہے، سورہ انعام میں فرمایا ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ (بلاشبہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آنے والی ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔)

آخر میں فرمایا ﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾ یعنی قیامت کا وقوع اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے الحمد للہ کہتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے (یعنی زندہ بھی ہو گے اور میدان حشر میں بھی حاضر ہو گے اور حاضر ہونا ہی پڑے گا اور اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کی تعریف بھی بیان کرو گے) صاحب روح المعانی نے عبد بن حمید سے نقل کیا ہے کہ جب قبروں سے نکلیں گے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ پڑھتے ہوئے نکلیں گے اور کافروں کے منہ سے بھی یہی کلمات نکلیں گے اس وقت ان کے پڑھنے سے ان کو کوئی نفع نہ ہوگا۔

﴿وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (اور یوں خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے ہو) یعنی تم خیال کرو گے کہ قبر میں اور دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے قیامت کا دن ہولناک ہوگا اور سابق زندگی کو بھلا دے گا اور یوں سمجھیں گے کہ بس اس سے پہلے تھوڑی سی زندگی گزاری ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

''اور آپ میرے بندوں سے فرما دیجیے کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہتر ہو، بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈلوا دیتا ہے، واقعی شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، اور آپ کا رب انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی، اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی۔''

بندوں کو اچھی باتیں کرنے کا حکم، بعض انبیاء بعض انبیاء سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی

ان آیات میں اول تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ حکم دیا کہ آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہو، بہتر کے عموم میں نرمی سے بات کرنا اور خیر خواہی کا طریقہ اختیار کرنا اور حکمت و موعظت کی وہ سب صورتیں داخل ہیں جن سے مخاطب متاثر ہو سکے اور حق قبول کر سکے چونکہ زمانہ نزول قرآن میں مشرکین اور کفار سے باتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان لوگوں کی طرف سے بے تکے سوال و جواب بھی ہوتے تھے، جن میں سے اوپر کی آیتوں میں بعض باتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کو غصہ آجانے اور اس کی وجہ سے نامناسب صورت حال پیش آجانے کا احتمال تھا اس لیے حکم دیا کہ تبلیغ کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کریں سختی بھی نہ ہو بد کلامی بھی نہ ہو جیسے ﴿وَ جَادِلْهُمْ

Marfat.com

﴿بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے جو سورۂ نحل کے آخری رکوع میں ہے وہاں ہم نے حکمت و موعظت کے طریقے بیان کر دیئے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ﴾ (بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے) یعنی وہ منتظر رہتا ہے کہ کب کسی بات کا بہانہ ملے اور اسے مومنین اور کافرین کے درمیان ایسے بگاڑ کا ذریعہ بنا دے جس سے کافر اور زیادہ بددل ہو جائیں اور ایمان سے مزید دور ہوتے جائیں۔ قال صاحب الروح ای یفسد ویهیج الشربین المومنین والمشرکین بالمخاشنة فلعل ذلك یودی الی تاکد العناد و تمادی الفساد

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾ (بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے) جب اس کا یہ حال ہے تو فساد ڈالنے سے کب چوکے گا۔

پھر فرمایا ﴿رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ﴾ یعنی تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تم کو عذاب دے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ مسلمان مشرکین سے یہ بات کہیں کہ ایمان کی توفیق دیکر رحم فرمانا یا کفر پر موت دیکر عذاب دینا یہ سب تمہارے رب کی مشیت کے تحت ہے یہ ایک عمومی بات کافروں اور مشرکوں سے کہی جائے تو وہ اس میں غور کریں گے اگر بالتصریح یوں کہو گے کہ تم دوزخی ہو تو ممکن ہے کہ وہ مزید دور کرنے کا ذریعہ بن جائے عام مضمون مومنین اور کافرین کے لیے ہو اس میں کوئی بعد نہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَکِیْلًا﴾ (اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا) صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کا کام بات پہنچانا ہے زبردستی بات منوانا اور اسلام قبول کروانا آپ کے ذمہ نہیں آپ اور آپ کے ساتھی مدارات سے کام لیں اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں انہیں برداشت کریں۔ ثم قال صاحب الروح هذا قبل نزول آیة السیف اه وهذا لا یحتاج الیه فی هذا المقام لان اللین المداراة مرغوب فی مقام الدعوة والارشاد اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو خطاب ہے کہ آپس میں میل محبت اخوت اور نرم مزاجی کے ساتھ رہیں اور شیطان کو اپنے درمیان شر و فساد داخل کرنے کا موقعہ نہ دیں۔ (ذکرہ القرطبی ج ۱۰ ص ۲۷۷)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (اور آپ کا رب ان سب کو خوب جانتا ہے جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں مشرکین کی اس بات کا جواب ہے کہ ابی طالب کا یتیم تو نبی بن جائے جبکہ اس کے ساتھیوں کے بدن پر کپڑا بھی نہیں اور پیٹ میں روٹی نہیں اور روسا اور اکابر اور سردار (جن کے پاس دولت و ثروت ہے) وہ نبوت سے محروم رہ جائیں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں سب ہماری مخلوق ہے ہمیں ان کے احوال ظاہرہ اور احوال باطنہ سب معلوم ہیں وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرما دے اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اس نے جسے چاہا نبی بنایا اور جسے نبی بنا دیا تم پر اس کی اطاعت فرض ہوگئی۔ وهذا لقوله تعالیٰ فی سورة الانعام ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے) پھر فرمایا ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ﴾ نبوت بھی اللہ نے جس کو چاہی عطا فرمائی اور انبیاء کرام میں جس کو جس پر چاہی فضیلت دی، فضیلتوں کی کچھ تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ﴿وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ (ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔)

علامہ بغوی معالم التنزیل (ج ۳/ ۱۲۰) میں لکھتے ہیں کہ زبور ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل تھی جو دعا اور اللہ تعالیٰ کی ثناء اور تمجید پر مشتمل تھی اس میں فرائض وحدود اور حلال وحرام کے احکام نہیں تھے اصل زبور تو اب سامنے نہیں جس کا مطالعہ کر کے اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہا جا سکے ممکن ہے کہ اس میں کچھ احکام ہوں اور اکثر کتاب دعا و ثناء پر مشتمل ہو حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اور حضرت انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام شریعت موسویہ کے پابند تھے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی ہیں انہوں نے بھی بنی اسرائیل

Marfat.com

سے یوں فرمایا ﴿وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ﴾ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے بعض احکام میں بحکم الٰہی تغیر کیا تھا اور عام احکام ان کی شریعت میں وہی تھے جو شریعت موسویہ میں تھے اس بات کو سامنے رکھا جائے تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی بعد نہیں رہتا کہ زبور شریف میں احکام اور حدود وفرائض نہ ہوں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

''آپ فرما دیجیے کہ تم انہیں بلالو جنہیں تم معبود خیال کرتے ہو سو وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ اس کے بدلنے کا، یہ لوگ جنہیں مشرکین پکار رہے ہیں اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے، اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنا رکھے ہیں وہ کوئی ذرا سی تکلیف بھی دور نہیں کر سکتے کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہی ہلاک نہ کریں یا عذاب نہ دیں

مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پرستش کرتے تھے اور کرتے ہیں ان میں سے بہت سے تو بتوں کے پرستار تھے انہوں نے شیاطین کی صورتیں دیکھ کر مجسمے بنا لیے تھے اور بہت سے لوگ فرشتوں کو اور جنات کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو معبود مانتے تھے جن کی عبادت کی جاتی ہے اسے نفع کے لیے اور دفع مضرت کے لیے پکارا جاتا ہے۔

آیت بالا میں فرمایا کہ تم جن کو اللہ کے علاوہ معبود سمجھتے ہو تمہاری کوئی تکلیف دکھ درد، قحط دور نہیں کر سکتے اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ تم سے ہٹا کر کسی دوسرے کو اس میں مبتلا کر دیں اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ ایک تکلیف ہٹا کر دوسری تکلیف پہنچا دیں، جنات ہوں یا فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ یا کوئی بھی دیوی دیوتا ہو انہیں کسی ضرر اور شر کے دفع کرنے اور کوئی بھی نفع پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے نفع و ضرر پہنچانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جن لوگوں کو اللہ کے سوا نفع و ضرر اور حصول منفعت کے لیے پکارتے ہو وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں وہ اپنے رب کی طرف قریب ہونے کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں طاعت و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور انہیں یہ فکر رہی ہے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہو جائیں (اس سے قرب معنوی مراد ہے) وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں پھر جو لوگ خود ہی اپنے کو خالق جل مجدہ کا محتاج سمجھتے ہیں ان سے کیوں مانگتے ہو؟ جس ذات پاک سے وہ مانگتے ہیں اسی سے تم بھی مانگو۔

صحیح بخاری (ج ۲/ ۶۸۵) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جنات تو مسلمان ہو گئے لیکن ان کی عبادت کرنے والے برابر ہی ان کی عبادت میں لگے رہے اور اپنا دین باطل نہیں چھوڑا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بتوں کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ وہ غیر ذی روح ہیں وہ کسی کی کیا مدد کر سکتے ہیں جو بندے صاحب عقل و فہم ہیں اور جنہیں اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے وہ بھی کوئی دفع مضرت نہیں کر سکتے۔ الا ماشاء اللہ

حتیٰ کہ وہ اپنی جانوں کو بھی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (آپ فرما دیجیے میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے)

﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ (بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرا جائے) کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے علیہم السلام اور حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی راہ پر چلنے والے ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرنا چاہیے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ﴿وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ سے معلوم ہوا کہ عبادت وطاعت میں مشغول ہوتے ہوئے امید اور خوف دونوں برابر ساتھ رہنے چاہئیں پھر لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ صورت حال موت کے وقت سے پہلے ہونی چاہیے اور جب موت آنے لگے تو اپنی امید کو خوف پر غالب کر لے، نیز یہ بھی لکھا کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عبادت کرتے ہوئے عذاب سے بچنے اور رحمت کی امید باندھنے کا جذبہ ہونا کمال عبادت کے خلاف نہیں ہے اور وہ جو بعض عابدین نے کہا ہے کہ میں جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں مستحق عبادت ہے اگر جنت اور دوزخ نہ ہوتے تب بھی اس کی عبادت کرنا لازم ہوتا والحق التفصیل وھو ان من قالہ اظھار اللاستغناء عن فضل اللّٰہ تعالیٰ ورحمتہ فھو مخطئ کافر ومن قالہ لاعتقاد ان اللّٰہ عزوجل اھل للعبادۃ لذاتہ حتی لولم یکن ھناک جنۃ ولا نار لکان اھلا لان یعبد فھو محقق عارف کما لا یخفی۔ (روح المعانی ص۱۰۰ ج۱۵)

اس کے بعد فرمایا ﴿وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ (اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں) آیت کا مفہوم ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک ہونگی یعنی ان بستیوں کے رہنے والے اپنی اپنی موت مر جائیں گے اور بہت سی بستیاں اسی طرح ہلاک ہوں گی کہ ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا چاہے قتل وخون سے ہلاک ہوں اور خواہ مختلف قسم کی مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر۔ قیامت کے دن صور پھونکے جانے سے جو ہلاک ہوں گی وہ بھی اسی ذیل میں آگئیں۔ لہٰذا یہ بات عمومی طور پر اور مجموعی حیثیت سے ثابت ہوگئی کہ کوئی بھی بستی ایسی نہیں ہے جو بلا عذاب کے یا عذاب کے ذریعے ہلاک نہ ہو ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں بھی یہ مضمون ہے کہ ہر جان کو موت آ جانا لازم ہے موت تو سب کو آنی ہی ہے البتہ اہل کفر واہل معصیت کو بعض مرتبہ عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

ہلاک تو ساری بستیاں ہوں گی البتہ بعض بستیوں کی ہلاکت کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حبشہ والوں کو چھوڑے رکھو جب تک کہ وہ تمہیں چھوڑے رہیں کیونکہ کعبہ کا خزانہ حبشہ ہی کا ایک شخص نکالے گا جس کی چھوٹی چھوٹی پنڈلیاں ہوں گی۔ (رواہ ابوداؤد باب ذکر الحبشۃ کتاب الملاحم)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا گویا میں اس کالے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی ٹانگیں کجی کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہوں گے کہ وہ کعبہ شریف کا ایک ایک پتھر کر کے اکھاڑ رہا ہے نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بستیوں میں جو سب سے آخری بستی ویران ہوگی وہ مدینہ منورہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۴۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ لوگ مدینہ منورہ کو بہت اچھی حالت میں چھوڑ دیں گے (اس میں کوئی بھی نہ رہے گا) اور اس میں صرف جانور اور درندے رہ جائیں گے جو رزق کی تلاش کرتے پھرتے ہونگے اور سب سے آخر میں بنی مزینہ کے دو چرواہے لائے جائیں گے وہ اپنی بکریاں لے کر چیخ رہے ہوں گے ان کا یہ سفر مدینہ کے ارادہ سے ہوگا۔ مدینہ میں آئیں گے تو اسے خالی میدان پائیں گے یہاں تک کہ جب ثنیۃ الوداع میں پہنچیں گے تو چہرے کے بل گر پڑیں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ اس

Marfat.com

میں درندوں کو پائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۲)

شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آخری زمانہ میں قرب قیامت میں ہوگا پھر فرمایا ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ (یہ بات کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے) یعنی یہ امر طے شدہ امور میں سے ہے اس کا وقوع ہونا ہی ہونا ہے اس میں تخلف نہیں ہوسکتا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

''اور آیات بھیجنے سے ہمیں صرف یہی بات مانع ہے کہ پہلے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو بصیرت کا ذریعہ تھی انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔''

فرمائشی معجزات ہم صرف اس لیے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے ان کی تکذیب کی

معالم التنزیل (ج ۳/۱۲۱) اور روح المعانی (ص ۱۰۳ ج ۱۵) بحوالہ حاکم واحمد ونسائی وطبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجیے اور مکہ میں جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا دیجیے تا کہ ہمیں کھیتی کرنے کا موقع مل جائے (اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی کہ آپ چاہیں تو میں ان کو ڈھیل دے دوں اور اگر چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں پھر اگر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دوں گا۔ جیسے ان سے پہلے (ایمان نہ لانے والوں پر) معجزات خاصہ طلب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اے اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں ڈھیل دے دیں۔ (ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں اور ہلاکت سے بچ جائیں) اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہ بتا دیا کہ یہ لوگ جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں ایسے معجزات ظاہر کرنے پر ہمیں قدرت ہے لیکن اس لیے ظاہر نہیں کرتے کہ جیسے پہلی امتوں نے فرمائشی معجزے طلب کیے پھر وہ ظہور میں آ گئے تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور ہلاک کر دیئے گئے اور اگر اس امت کے سامنے بھی فرمائشی معجزے ظاہر کر دیئے جائیں پھر ایمان نہ لائیں تو تکوینی قانون کے مطابق یہ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسا کہ سابقہ امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (جو معجزات اب تک ظاہر ہو چکے ہیں طالب حق کے لیے وہ کافی ہیں) اور یہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مہربانی ہے کہ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے تا کہ تکذیب کے جرم میں جلدی ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد بطور مثال قوم ثمود کی اونٹنی کا تذکرہ فرمایا ﴿وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت کا ذریعہ تھی سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا) قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے تو ہم ایمان لے آئیں گے جب ان کی فرمائش کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ ایک دن یہ پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پانی پئیں گے تو ان لوگوں نے اس اونٹنی پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا لہٰذا ان پر عذاب آ گیا اور ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کی فرمائش پوری کر دی گئی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی تو فوراً ایمان لے آتے، چونکہ ثمود عرب ہی میں سے تھے اور ان کے مکانات (جو انہوں نے پہاڑوں میں بنا رکھے تھے) شام کو جاتے ہوئے قریش مکہ کی نظروں کے سامنے آتے رہتے تھے اس لیے فرمائشی معجزہ طلب کر کے ہلاک ہونے والوں کی مثال میں ان کا تذکرہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ (اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں) یعنی فرمائشی معجزات جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا مقصد ڈرانا تھا کہ دیکھو معجزہ ظاہر ہوگا اور فرمائش کرنے والے ایمان نہ لائیں گے تو ہلاک کر دیئے جائیں

Marfat.com

گے چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے تھے اور ہلاک کر دیئے جاتے تھے اور چونکہ اس امت کے ساتھ ایسا نہیں کرنا اس لیے ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے۔ قال صاحب الروح (ج ۵/۱۰۴) ﴿والمراد بها اما المقترحة فالتخويف بالاستيصال لانذارها به من عادة الله تعالىٰ اى ما نرسلها الا تخويفا من العذاب المستاصل كالطليعة له فان لم يخافوا فعل بهم ما فعل﴾

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آخری جملہ سے یہ عام چیزیں مراد ہیں جو کبھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں جیسے چاند اور سورج گرہن ہونا اور گرج اور بجلی کا ظاہر ہونا اور آندھیوں کا آنا اور زلزلوں کا پیش آجانا وغیرہ وغیرہ، ان حضرات کے قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عام طور سے جو ہم نشانیاں بھیجتے ہیں ان کا مقصد ڈرانا ہی ہوتا ہے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور حق قبول کریں اور حق پر جمے رہیں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾

''اور جب ہم نے آپ سے کہا بلاشبہ آپ کا رب سب لوگوں کو محیط ہے اور ہم نے جو دکھلاوا آپ کو دکھلایا اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون بتایا یہ دونوں چیزیں صرف اس لیے تھیں کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالا جائے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں یہ ڈرانا ان کی سرکشی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔''

آپ کے رب کا علم سب کو محیط ہے، آپ کی رؤیا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لیے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں

اس آیت میں اول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ آپ وہ وقت یاد کریں جب ہم نے آپ کو یہ بتایا کہ آپ کا رب اپنے علم کے اعتبار سے سب لوگوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے اسے سب احوال ظاہرہ و باطنہ، گزشتہ موجودہ اور آئندہ سب کا علم ہے انہیں احوال میں سے یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ ایمان نہ لائیں گے اور بہت سے لوگ ایمان لا کر بعض آزمائشوں کی باتوں میں مبتلا ہو کر ایمان پر جمنے کی بجائے ایمان سے پھر جائیں گے۔

اس کے بعد یوں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو عجیب چیزیں دکھائیں اور قرآن میں جو ایک ملعون درخت کا ذکر کیا یہ دونوں چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے ہیں کہ ان کو سن کر کون ایمان قبول کرتا ہے اور کون کفر ہی پر جما رہتا ہے اور کون ایمان قبول کرنے کے بعد کفر میں واپس چلا جاتا ہے۔

لفظ رؤیا عربی زبان میں رای یریٰ سے فُعْلیٰ کا وزن ہے یہ صیغہ عام طور سے خواب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بیداری میں دیکھنے کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ آیت بالا میں جو لفظ رؤیا آیا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے اور ﴿وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ﴾ سے زقوم کا درخت مراد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں معراج ہوئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا سدرۃ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے راستے میں قریش کا ایک قافلہ بھی ملا جب آپ نے صبح کو اپنے سفر کا تذکرہ فرمایا اور سفر کے مرئیات اور مشاہدات بیان فرمائے تو بعض وہ لوگ جو ایمان قبول کر چکے تھے مرتد ہو گئے اور قریش مکہ کو بڑا تحیر ہوا کہ ایک رات میں کوئی شخص اتنی دور جا کر کیسے واپس آسکتا ہے لہٰذا انہوں نے تکذیب کر دی پھر بیت المقدس کی نشانیاں آپ سے معلوم کرنے اور شافی جواب ملنے اور تجارتی قافلہ کے واپس پہنچنے سے جس کے آنے کی آپ نے خبر دی تھی قریش کا منہ بند ہو گیا لیکن جن کی قسمت میں ایمان چھوڑنا تھا انہوں نے ایمان چھوڑ دیا معراج کی رات کی جو باتیں آپ نے بیان فرمائیں بلاشبہ وہ فتنہ تھیں یعنی ان میں آزمائش تھی جو بعض لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب بھی

Marfat.com

بن گئی (بعض افراد نے لفظ فتنہ کو یہاں گمراہی کے معنی میں لیا ہے)

اور ﴿وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ﴾ سے زقوم کا درخت مراد ہے جو دوزخیوں کی غذا ہوگی جس کا ذکر سورۃ صف میں بھی ہے اور سورہ واقعہ میں بھی سورہ صٰفّٰت میں فرمایا ہے کہ ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ﴾ (بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے سبب امتحان بنایا) یہ درخت دوزخیوں کو کھانے کو ملے گا اور بھوک کی وجہ سے باوجود ناگواری کے پیٹ بھر کر کھائیں گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی پئیں گے جیسا کہ سورۃ واقعہ میں بیان فرمایا ہے۔ یہ درخت صورت میں سانپوں کے پھنوں کی طرح ہوگا اور دوزخ کی تہہ سے نکلے گا کما فی سورۃ الصّٰفّٰت اور بدمزہ اس قدر ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی روزی بگاڑ کر رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳)

جب رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کا تذکرہ فرمایا تو قریش مکہ مذاق اڑانے لگے ابوجہل نے کہا کہ ان کو دیکھو یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ میں ڈالے جاؤ گے اور کہتے ہیں کہ اس میں ایسی آگ ہوگی جو پتھروں کو جلا دے گی پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سے درخت بھی نکلے گا درخت کو تو آگ جلا دیتی ہے وہاں درخت کیسے ہوگا؟ وہاں عبداللہ بن زبعری بھی تھا جو اس وقت مشرک تھا اس نے کہا کہ محمد ﷺ ہمیں زقوم سے ڈراتے ہیں ہمارے نزدیک تو زقوم یہی مکھن اور کھجور ہے، ابوجہل کہنے لگا کہ اے لونڈی ہمیں زقوم کھلا دے وہ مکھن اور کھجوریں لے آئی تو کہنے لگا آؤ لوگو! زقوم کھالو جس سے محمد ﷺ تم کو ڈرا رہے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زقوم کی کیفیت سورہ صافات میں بیان فرمائی۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۳/۱۲۲)

زقوم کے درخت کو جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے دوزخیوں کے عذاب کے ذیل میں فرمایا تھا اسے مشرکین نے کھجور اور مکھن پر محمول کر لیا اور مذاق بنایا۔ جس سے مزید کفر میں ترقی کر گئے لہٰذا واقعہ معراج کی طرح زقوم کا تذکرہ بھی لوگوں کے لیے موجب فتنہ بن گیا۔

درخت زقوم کو جو ملعونہ فرمایا اس کے بارے میں علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ اہل عرب کھانے کی ہر مکروہ چیز کو طعام ملعون کہتے تھے لہٰذا زقوم کو شجر ملعونہ فرما دیا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ نُخَوِّفُهُمْ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا﴾ (یعنی ہم ان کو ڈراتے ہیں آخرت کے عذاب کی خبریں سناتے ہیں لیکن وہ الٹا اثر لیتے ہیں اور ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی چلتی جاتی ہے۔)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ
طِیْنًا ۚ ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ۫ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ
ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَ
اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ
وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ
سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، وہ کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے آپ نے کیچڑ سے بنایا ہے، اس نے کہا کہ آپ ہی بتائیے یہ جسے آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو میں تھوڑے سے افراد کے علاوہ اس کی پوری ذریت کو اپنے قابو میں کروں گا، فرمایا جا ان میں سے جو کوئی شخص تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے جو پوری سزا ہوگی، اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی پکار سے ان کے قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے

Marfat.com

سوار اور پیادے چڑھالانا اور ان کے اموال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا، اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف دھوکہ ہی ہوتے ہیں، بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا اور آپ کا رب کارساز ہونے کے لیے کافی ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم سننے پر ابلیس کا جواب دینا کیا میں اسے سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟ پھر بنی آدم کو بہکانے کا عزم ظاہر کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ جن پر تیرا قابو چل سکے ان پر قابو کر لینا

اللہ تعالیٰ نے جنات کو انسان سے پہلے پیدا فرمایا تھا جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور آدم کو (جو سارے انسانوں کے باپ ہیں) مٹی سے پیدا فرمایا ابلیس جنات میں سے تھا یہ عالم بالا میں فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور عبادت الٰہی اس کا شغل تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے آدم علیہ السلام میں روح ڈالنے کے بعد تمام فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں (یہ سجدہ تعظیمی تھا جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں منسوخ ہے) حکم سن کر سارے فرشتوں نے تو آدم کو سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ (کہ تجھے سجدہ سے کیا چیز مانع تھی جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا) اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا اور اعتراض کر بیٹھا، کہنے لگا کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا میں اس سے افضل ہوں آپ نے اسے مجھ پر فضیلت دیدی اسے مسجود بنا دیا اور مجھے حکم دیدیا کہ میں اسے سجدہ کروں افضل اپنے کمتر کو سجدہ کیوں کرے آپ کا یہ حکم دینا ہی حکمت کے خلاف ہے۔ ابلیس کی حکم عدولی بے ادبی اور بدتمیزی کی وجہ سے اسے ملعون قرار دیدیا اور عالم بالا سے ذلت کے ساتھ نکالا گیا (جس کی تفصیل سورہ اعراف رکوع ۲ میں اور سورہ ص رکوع ۵ میں مذکور ہے۔)

جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے اول تو قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت طلب کی اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک وقت معلوم کے دن تک مہلت دیدی اب تو وہ اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہوں (یہ تفصیل سورہ ص میں ہے) یہاں سورہ بنی اسرائیل میں یوں ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو حکمت کے خلاف بتانے کے بعد یوں کہا ﴿لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو میں اس کی ساری ذریت کو بجز تھوڑے سے افراد کے اپنے قابو میں کر لوں گا) یہ وہی تھوڑے سے افراد ہیں جن کا استثناء سورہ حجر اور سورہ ص میں مذکور ہے ابلیس نے ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ کہہ کر استثناء کر دیا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو گمراہ کرنے سے اسی وقت ہار مان لی تھی جب اس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی ابلیس کو یہ معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق جو پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں خلافت دینے کے لیے وجود بخشا ہے لہٰذا ان میں ایسے افراد ضرور ہونگے جو کار خلافت سنبھالیں گے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہونگے۔

جب شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھالی تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جا اپنی کوششیں کر لینا جو لوگ تیرے پیچھے لگیں گے وہ اور تو سب کو جہنم میں داخل کر دوں گا سورہ ص میں فرمایا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (یہ بات ضروری ہے کہ تو اور تیرے پیچھے چلنے والے سب کو دوزخ میں بھر دوں گا) اور یہاں سورہ اسراء میں فرمایا ﴿فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ (تو اور جو لوگ تیرا اتباع کریں سب کی سزا جہنم ہے یہ جزا پوری اور بھر پور ہوگی)

اللہ جل شانہ نے مزید فرمایا ﴿وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ﴾ کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے اپنی کوشش کر لینا ان کے بہکانے اور ورغلانے کے لیے آواز لگانا ان پر سوار اور پیادے چڑھا کرلے آنا (اور عرب کا محاورہ تھا جب کسی پر پوری قوت کے ساتھ کوئی شخص حملہ آور ہوتا تو کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنے سوار اور پیادے لیکر چڑھائی کر دی) تفسیر قرطبی میں اول تو یہ معنی لکھا ہے اجمع علیھم کلما تقدر علیھم من مکائدك یعنی جتنے بھی فریب اور مکر تجھ سے ہو سکیں سب کو اختیار کر لینا اور پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

Marfat.com

نقل کیا ہے کہ جو بھی گھوڑے اللہ کی معصیت میں چلیں اور جو بھی قدم اللہ کی نافرمانی میں اٹھے اور جو بھی حرام مال مل جائے اور جو بھی حرام کی اولاد ہو سب شیطانی چیزیں ہیں۔

قال الراغب فی مفرداته قوله تعالیٰ (لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا) یجوزان یکون من قولھم حنکت الدابة اصبت حنکھا باللجام والرسن فیکون نحو قولك لالجمن فلانا ولارسننه ویجوز ان یکون من قولھم احتنك الجراد الارض ای استولی بحنکه علیھا فاکلھا واستاصلھا فیکون معناہ علیھم استیلائه علی ذلك۔ فی روح المعانی واستفززای واستخف یقال استفزہ اذا استخفه فخدعه واوقعه فیما ارادہ منه ا ھ۔ وفی تفسیر القرطبی واستفززای استزل واستخف واصله القطع والمعنی استزله بقطعك ایاہ عن الحق۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر (ج ۱/ ۲۸۸) ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وہ آواز جو اللہ کی نافرمانی کی طرف بلائے وہ سب شیطان کی آواز ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گانا بجانا اور گانے بجانے کی آوازیں یہ سب شیطان کی آوازیں ہیں لوگوں کو بہکانے اور ورغلانے اور راہ حق سے ہٹانے اور نماز و ذکر سے غافل کرنے کے طریقے جو شیطان اختیار کرتا ہے ان میں گانا بجانا بھی ہے جن لوگوں کو شیطانی کام پسند ہوتے ہیں ان کو گانے بجانے سے بہت محبت ہوتی ہے اور شیطانی کاموں میں ایسی چیزوں کی بہتات ہوتی ہے ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے گرجوں میں گانا بجانے کی چیزوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے جب کوئی مداری تماشا دکھاتا ہے تو گانے بجانے سے شروع کرتا ہے سینماؤں میں اور ٹی وی پر اور ریڈیو پر گانے بجانے کے پروگرام آتے رہتے ہیں لوگ ان سے بہت خوش ہیں بچے بوڑھے جوان سب ہی گانے بجانے کے دلدادہ بن جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ راتوں رات جاگتے ہیں اور قوالی سنتے ہیں جس میں ہارمونیم وغیرہ استعمال ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یوں کہتے ہیں کہ قوالی کی محفل میں شریک ہونا ثواب ہے کیونکہ اس میں نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں خدارا انصاف کریں کہ یہ راتوں کا جاگنا (پھر صبح کو فجر کی نماز ضائع کر دینا) نعت نبی ﷺ سننے کے لیے ہے یا نفس کو ساز اور ہارمونیم کے ذریعے حرام غذا دینے کے لیے اور شیطان کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیه (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸) یعنی میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔

کیسی نادانی کی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن چیزوں کو مٹانے کے لیے تشریف لائے ان ہی چیزوں کو حضور اقدس ﷺ کی نعت سننے کے لیے استعمال کرتے ہیں پھر اوپر سے ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں نفس و شیطان نے ایسا غلبہ پایا ہے کہ قرآن و حدیث بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔

مزید فرمایا ﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ﴾ (اور ان کے اموال میں شریک ہوجا) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تو بنی آدم کو اس پر ابھارنا کہ وہ حرام مال کمائیں اور حرام مواقع میں یعنی اللہ کی نافرمانیوں میں مال خرچ کریں اور اگر حلال مال کما لیں تو اسے اللہ کی نافرمانی میں خرچ کر دیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی باتیں سمجھانا کہ وہ تیرے کہنے کے مطابق اپنے اموال میں تحریم اور تحلیل اختیار کریں جیسے مشرکین عرب نے مویشیوں میں بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے رکھا تھا اور بعض جانوروں کو اپنے باطل معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے چونکہ شیطان کی تلقین اور تعلیم سے ایسا کرتے تھے اس لیے یہ سب مال شیطان کے حساب میں لگ گیا اور وہ ان مالوں میں ساجھی ہوگا۔

﴿وَالْاَوْلَادِ﴾ (یعنی تو ان کی اولاد میں شریک ہوجانا) اولاد میں شریک ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو باتیں منقول ہیں ایک تو یہ کہ وہ تیرے کہنے سے اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور اولاد کے بارے میں ایسے ایسے اعمال کریں گے جو اللہ کی شریعت میں معاصی میں شمار ہوں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے عبدالحارث عبدالعزیٰ عبداللات اور عبدالشمس وغیرہ نام رکھنا مراد ہے۔

Marfat.com

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ تو بنی آدم کی اولاد کو شرک اور کفر پر ڈال دینا یعنی ماں باپ کو ایسی باتیں سمجھانا کہ وہ اپنی اولاد کو کفر سمجھائیں اور پڑھائیں اور اس پر جمائیں۔ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا کہ جب کوئی شخص عورت سے جماع کرنے لگے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے عضو خاص کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے (اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اس میں شیطان کی شرکت ہو جائے گی کیونکہ انسانی مرد کے نطفے کے ساتھ اس کا نطفہ بھی رحم میں چلا گیا) یہ اقوال علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیے ہیں۔ (ج ۸۹/۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سوال فرمایا کیا تمہارے اندر مغربون دیکھے گئے ہیں میں نے عرض کیا مغربون کون ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن میں جنات شریک ہو جاتے ہیں شریک ہونے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایک اور مطلب بھی لکھا ہے کہ شیاطین انسانوں کو زنا کرنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس زنا سے جو اولاد ہوتی ہے وہ چونکہ حرامی ہوتی ہے اس کا وجود اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے یوں ہی ہوتا ہے کہ وہ زنا پر ابھارتا ہے اس لیے اس اولاد میں اس کی شرکت ہوگی۔ (مرقاۃ ج ۸/ ۳۶۷)

آکام المرجان ج ۱/ ۷۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مخنث (پیدائشی ہیجڑے) جنات کی اولاد ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرمایا ہے سو اگر کوئی شخص حالت حیض میں جماع کرے تو اس سے پہلے شیطان جماع کر لیتا ہے پھر اس سے جو حمل ہو جاتا ہے اس سے مخنث پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے (یعنی جماع کرنا چاہے) اور اس سے پہلے یہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (میں اللہ کا نام لے کر یہ کام کرتا ہوں اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو دے اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھ) تو اس دعا کے پڑھ لینے کے بعد اس وقت ہمبستری سے جو اولاد پیدا ہوگی شیطان اسے کبھی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ (بخاری و مسلم)

یہ جو فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا دعا پڑھ لی جائے اور اس وقت کا جماع حمل قرار ہونے کا ذریعہ بن جائے تو اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا۔ حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں ان میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ بچہ مرگی سے اور دیوانگی سے محفوظ رہے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شیطان اس نومولود کے دین پر حملہ نہ کر سکے گا اس کی زندگی مسلمانوں والی ہوگی اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

پھر فرمایا ﴿وَعِدْھُمْ﴾ یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو بنی آدم سے وعدے کرنا مثلاً یہ بتانا کہ باطل معبود سفارش کر دیں گے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیے بغیر نسب سے کام چل جائے گا اور یہ کہ کافر مشرک کا داخلہ دوزخ ہمیشہ کے لیے نہ ہوگا اور یہ کہ دنیا کی زندگی بہت بڑی ہے اس میں لگے رہو بڑھاپے میں اعمال صالحہ کو دیکھا جائے گا اور یہ کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا نہیں ہے (وغیرہ وغیرہ)۔ ضروری نہیں کہ شیطان سب سے ایک ہی قسم کے وعدے کرتا ہو جس طرح موقعہ دیکھتا ہے الگ الگ وعدے کرتا ہے امیدیں دلاتا ہے اور راہ حق سے ہٹاتا ہے کافروں کے بہکانے اور کفر پر جمائے رکھنے کے طریقے اور ہیں اور اہل ایمان کو ایمان سے ہٹانے اور فرائض و واجبات سے غافل رکھنے اور اعمال صالحہ سے دور رکھنے کے طریقے دوسرے ہیں۔

﴿وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ ابھی سلسلہ خطاب جاری ہے یہ جملہ معترضہ ہے مطلب یہ کہ بنی آدم سے شیطان جو بھی وعدے کرتا ہے اس کے یہ سب وعدے صرف دھوکے کے وعدے ہیں بنی آدم اس کی طرف سے چوکنے رہیں۔

پھر فرمایا کہ ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ﴾ یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ تو بنی آدم کو بہکانے، ورغلانے اور راہ

Marfat.com

حق سے ہٹانے کی وہ سب تدبیریں کر لینا جو تو کر سکتا ہے لیکن تجھے ایسا کوئی اختیار نہیں دیا جا رہا ہے کہ تو انسانوں کو اپنی قوت سے مجبور کر کے کوئی کام کرا لے تیری ساری تدبیروں اور شرارتوں کے باوجود سب اپنے عمل میں مختار رہیں گے (اور اسی اختیار کی وجہ سے ان کا مواخذہ ہوگا) سورۃ حجر میں فرمایا کہ ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِينَ﴾ (بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہوگا سوائے ان گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شیطان کے پیچھے لگیں اور اپنے اختیار کو استعمال نہ کریں تو پھر ان پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسا حال بن جاتا ہے کہ شیطان کے پھندے سے نہ نکلتے ہیں اور نہ نکلنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ اور اختیار دیا تھا اسے اپنے نقصان ہی میں استعمال کرتے ہیں۔ ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾ (اور تیرا رب کافی ہے کارساز) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اخلاص کے ساتھ اعمال کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شیطان کے کید و مکر سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ ان کے لیے کافی ہے قال القرطبی ای عاصما من القبول من ابلیس و حافظا من کیدہ وسوء مکرہ۔

فائدہ: مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ابلیس سے یہ فرمایا کہ جا تو ایسا ایسا کر لینا یہ ان چیزوں کی اباحت اور اجازت کے طور پر نہیں ہے جن کا یہاں ذکر ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ منکرات اور فواحش اور کفر و شرک کی اجازت نہیں دیتا ابلیس سے جو کچھ خطاب فرمایا ہے یہ تہدید کے طور پر ہے، مطلب یہ ہے کہ تو جو کہتا ہے کہ میں اس نئی مخلوق کی ذریت پر قابو پالوں گا تو اپنی شقاوت میں ترقی کرتے ہوئے جو چاہے کر لینا تو ان سب کا مزہ چکھ لے گا جیسا کہ سورۃ ص میں فرمایا ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (تو اور تیرا اتباع کرنے والے سب سے جہنم کو بھر دوں گا)

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

''تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بلاشبہ وہ تم پر مہربان ہے اور جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اس کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں، پھر وہ جب تمہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو روگردانی کرتے ہو۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب میں لا کر زمین میں دھنسا دے۔ یا تم پہ کوئی سخت آندھی بھیج دے جو کنکر برسانے والی ہو پھر تم اپنے لیے کسی کو کارساز نہ پاؤ گے۔ یا تم اس سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لوٹا دے۔ پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی ایسا نہ ملے جو ہمارا پیچھا کرنے والا ہو۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا۔ اور انہیں عمدہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔''

Marfat.com

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں جاری فرماتا ہے، وہ چاہے تو تمہیں زمین میں دھنسا دے یا سخت ہوا بھیج دے، بنی آدم کو ہم نے عزت دی، بحر و بر میں سفر کرایا، پاکیزہ کھانے کے لیے چیزیں دیں، اور ان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت دی

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے بعض ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو بنی آدم پر ہیں اور انسانوں کی ناشکری کا بھی تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

اول تو کشتیوں کا ذکر فرمایا کہ تمہارا رب دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے یعنی ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو کشتیوں کو لے کر چلتی ہیں۔ اور ہوا نہ ہو تو تم خود بھی کشتیوں کو اپنی تدبیروں سے چلا لیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائی ہیں کشتیوں کے ذریعے سمندروں میں سفر کر کے اور سمندروں کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہو اور سمندر کے اندر بھی ایسی چیزیں ہیں جو بنی آدم کے کام آتی ہیں۔

سمندر میں کھانے کی چیزیں بھی ہیں۔ اور ایسی چیزیں بھی ہیں جو دواؤں میں استعمال ہوتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو سمندروں سے نکال کر فروخت کرتے ہیں جو تحصیل مال کا ذریعہ ہیں نیز سمندر میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے زیور بناتے ہیں۔ ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کے عموم میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں نیز سمندروں کو پار کر کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر پہنچتے ہیں مال تجارت لے جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (بلاشبہ وہ تم پر مہربان ہے) اس نے خشکی میں اور سمندر میں تمہارے لیے رزق پیدا فرما دیا پھر تمہیں اس کے حاصل کرنے پر قدرت دی۔

اس کے بعد انسانوں کے شرک اختیار کرنے اور آڑے وقت میں باطل معبودوں کو چھوڑ کر معبود حقیقی ہی کی طرف متوجہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ انسان کا عجیب طریقہ کار ہے کہ اچھی حالت میں باطل معبودوں کی عبادت کرتا رہتا ہے اور پھر جب کسی بڑی مصیبت میں گھر گیا مثلاً دریا کے سفر میں گیا وہ کشتی ڈگمگانے لگی تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ہی سے مانگنے لگتا ہے اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے سمندر کی مصیبت سے نجات دے دیتا ہے اور عافیت کے ساتھ باسلامت خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو پھر وہی پرانی حرکت کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روگردانی کرتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے۔ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ (اور انسان بڑا ناشکرا ہے) یہ کتنی بڑی ناشکری ہے کہ جس ذات پاک نے انعام فرمایا کشتی کو بھنور سے نکالا۔ ہواؤں کے بھونچال سے نجات دی۔ انسان اسی نجات دینے والے کو بھول جاتا ہے۔ اور نجات پا کر پھر شرک کرنے لگتا ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ الزمر ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾

اس کے بعد انسانوں کو تنبیہ فرمائی کہ سمندر کی مصیبت سے نکل کر جو تم مطمئن ہو گئے اور باطل معبودوں کے پھر سے پجاری بن گئے ہو تو کیا تم یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے ہو کہ خشکی میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک نہیں کر سکتا۔ سمندر سے باسلامت نکل کر پھر شرکیہ کاموں میں لگ جانے سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ اب تم بالکل بے خوف ہو گئے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ یہ تمہاری بیوقوفی ہے اللہ تعالیٰ کو جیسے سمندر میں غرق کر دینے کی قدرت ہے۔ ایسے ہی یہ بھی قدرت ہے کہ وہ تمہیں خشکی میں لا کر زمین میں دھنسا دے۔ اور یہ بھی قدرت ہے کہ تم پر ایسی سخت ہوا بھیجے جو پتھر برسانے والی ہو اور اسے یہ بھی قدرت ہے کہ تمہیں دوبارہ سمندر میں واپس کر دے پھر وہ وہاں تمہارے اوپر ہوا کا سخت طوفان بھیج کر تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے۔ وہ تمہیں ہلاک کرے تو تم اس کے سوا کوئی کارساز نہیں پا سکتے۔ ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا﴾ اور وہ ہلاک کر دے تو کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کا پیچھا کرے یعنی اس کی گرفت کر سکے اور اس سے بدلہ لے سکے ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا﴾ لہٰذا ہمیشہ کے لیے شرک کو چھوڑ دو اور اپنے خالق سے ڈرتے رہو اور دین توحید کو اختیار کر لو۔

Marfat.com

قوله تعالىٰ ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا﴾ اى نصيرا كما روى عن ابن عباس او ثائرا يطلبنا بما فعلنا انتصار امنا أو دركا اوللثأر من جهتنا فهو كقوله تعالىٰ فَسَوّٰهَا وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا كما روى عن مجاهد ﴾ (روح المعانی)

اس کے بعد تکریم بنی آدم کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (اور ہم نے انسان کو عزت دی) ﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ (اور ہم نے انہیں خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا) ﴿وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں) ﴿وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔)

اس آیت میں اول تو اجمالی طور پر بنی آدم کی تکریم بیان فرمائی کہ وہ ان صفات سے متصف ہے جو اس کے ساتھ خاص ہیں۔ قوت گویائی کا عطا کیا جانا فصیح و بلیغ ہونا مختلف اسالیب سے بیان کرنا کتابت کے ذریعہ مفہوم ادا کرنا احسن تقویم سے زینت پانا خوبصورت ہونا قد کا مستقیم ہونا قوت مدرکہ سے متصف ہونا اس کے ذریعہ چیزوں کو پہچاننا خبیث اور طیب میں امتیاز کرنا، بہت سی مخلوقات کا اس کے لیے مسخر ہونا عقل وفہم کے ذریعہ ممتاز ہونا زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے اسے آباد کرنا زمین کو باغ و بہار بنانا طرح طرح کی عمارات بنانا اور نئی نئی مصنوعات ایجاد کرنا اور ان سے منتفع ہونا سیارات میں سفر کرنا طیارات میں اڑنا بلندیوں میں جانے کے لیے راکٹ بنانا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں اور ان سے انسان کا مکرم اور مشرف ہونا ظاہر ہے۔

اجمال کے بعد کچھ تفصیل بتائی اور ارشاد فرمایا ﴿وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا خشکی میں سواری کے جانور ہیں انسان ہاتھی جیسی مخلوق پر بھی سواری کرتا ہے اور اب تو طرح طرح کی سواریاں وجود میں آ گئی ہیں اور سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں۔ جن میں انسان سفر بھی کرتے ہیں اور بار برداری میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایک براعظم کی چیزیں دوسرے براعظم میں پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان سب چیزوں میں بھی انسان کی تکریم اور تشریف ہے اور یہ منافع اور فوائد انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

﴿وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور ہم نے بنی آدم کو عمدہ چیزیں عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بھی مشرف و مکرم فرمایا کہ اسے پاکیزہ عمدہ اور نفیس چیزیں عطا فرمائیں۔ ان میں اچھے اچھے کھانے اور نفیس لباس اور عمدہ مفروشات (بچھانے کی چیزیں) اور طرح طرح کی استعمالی چیزیں ہیں۔ لفظ الطیبات جمع ہے طیب کی اس کے معنی میں حلال ہونا، عمدہ ہونا، اچھا ہونا، نفیس ہونا، سب کچھ آ جاتا ہے۔ اور یہاں چونکہ خاص کر ماکولات کا ذکر نہیں ہے اس لیے دیگر نعمتوں کو بھی یہ لفظ الطیبات شامل ہے۔

﴿وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی) تکریم کے بعد تفضیل کا مستقل تذکرہ فرمایا۔ اس میں فضیلت جسمانی اور روحانی اخروی و دنیاوی اشتغال بعبادة الله والتقرب اليه اور ہر خیر داخل ہے اور ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ انسانوں ہی میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے جن میں افضل الانبیاء بھی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اور یہ انسان کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی جنس میں افضل الخلائق وجود میں آئے۔

چونکہ آیت شریفہ میں یہ نہیں ہے کہ بنی آدم کے ہر ہر فرد کو دوسری مخلوق پر فضیلت دی گئی اس لیے یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ انسانوں میں کافر بھی ہیں وہ تو دوزخ میں جائیں گے انہیں کون سی فضیلت حاصل ہوئی، پھر چونکہ تفضیل عام ہے دنیاوی نعمتوں کو بھی شامل ہے اس لیے ان نعمتوں کے اعتبار سے تو سبھی انسان دوسری مخلوق کے مقابلہ میں فضیلت پائے ہوئے ہیں۔

یہ نہیں فرمایا کہ بنی آدم ساری مخلوق سے افضل ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت دی ہے لہٰذا فرشتے جو عامة المسلمین سے افضل ہیں اس پر بھی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

بنی آدم میں جو ایمان والے ہیں ان میں اور فرشتوں میں باہمی کیا تفاضل ہے اس تفصیل کی تفصیل عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا

Marfat.com

يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾

''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے سو جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا سو یہ لوگ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا، جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔''

قیامت کے دن جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامے دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمالنامے پڑھ لیں گے جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہوگا

اوپر دو آیتوں کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں اعمال ناموں کی تفصیل اور دوسری آیت میں راہ ہدایت سے منہ موڑنے والوں کا اور قصداً اندھا بننے والوں کا تذکرہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ قرآن مجید میں لفظ ''امام'' کئی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس اور حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے یہاں بِاِمَامِهِمْ کی تفسیر ''بکتابھم'' نقل کی ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ والکتاب یسمی اماما لانه یرجع الیه فی تعرف اعمالهم لفظ امام کا جو معنی اس جگہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مراد لیا ہے سیاق کلام کے موافق ہے کیونکہ بعد میں داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جانے کا ذکر ہے۔ قال القرطبی قوله تعالیٰ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ هذا یقوی قول من قال امامهم بکتابهم

اسی سورت کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے کہ ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا﴾ جس میں بتایا ہے کہ ہر انسان کو اس کا اعمال نامہ ملے گا، اور وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا۔ اور یہاں فرمایا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیئے جائیں گے وہ ان کو پڑھیں گے۔ چونکہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ مل جانا اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ لوگ نجات والے ہیں اور جنت والے ہیں۔ اس لیے خوشی خوشی اپنے اعمالنامہ کو پڑھیں گے۔ سورہ حاقہ میں ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ لوگوں سے کہے گا ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ﴾ (لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو) یہ خوشی میں کہے گا۔ اپنا اعمال نامہ خود بھی پڑھے گا اور دوسروں کو بھی پڑھوائے گا اور وہ یوں بھی کہے گا۔ ﴿اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ﴾ (میں یقین رکھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب سے ملاقات کرنا ہے) دنیا میں حساب کا یقین رکھا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا رہا آج اس کا یہ پھل مل رہا ہے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ہے اور آئندہ میرے لیے خیر ہی خیر ہے۔

﴿وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا﴾ اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جو تاگہ ہوتا ہے اہل عرب اسے فتیل کہتے تھے اور ذرا سی چیز بتانے کے لیے اسے بطور مثال پیش کیا کرتے تھے۔ اسی معنی کو بیان کرتے ہوئے ﴿وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا﴾ فرمایا۔

سورۂ حاقہ میں ہے کہ برے لوگوں کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اور سورہ انشقاق میں ہے کہ ان لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے دیئے جائیں گے۔ مشکیں بندھی ہوئی ہونے کی صورت میں ہاتھ پیچھے ہوتے ہیں لہٰذا بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنا اور پشت کے پیچھے سے دیا جانا اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ جن کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے یہ کافر ہوں گے اور کافروں کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ ہمیشہ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

لفظ ﴿بِاِمَامِهِمْ﴾ کے بارے میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ہر امت کا نبی مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ان کے انبیاء کے ساتھ بلائیں گے، ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی سورہ نساء کی آیت ﴿فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ﴾ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

اور ﴿بِاِمَامِهِمْ﴾ کی تفسیر یہ ہے (ونقله القرطبی عن ابن زید) کہ اس سے ہر امت کی کتاب مراد ہے۔ اہل تورات تورات کے

Marfat.com

ساتھ بلائے جائیں گے۔اور قرآن والے قرآن کے ساتھ بلائے جائیں گے۔اوران سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی کتاب پر کیا عمل کیا؟اس کے اوامر کو کتنا اپنایا اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا تھا اس سے کتنے بچے رہے؟

فائدہ: بعض لوگوں نے بِاِمَامِهِمْ کا ترجمہ بامھاتھم سے کیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ ماؤں کے نام سے بلائے جائیں گے۔یہ بات صحیح نہیں اول تو ام کی جمع امام نہیں آتی، دوسرے احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ باپوں کے نام سے بلائے جائیں گے۔حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں کے ساتھ اور باپوں کے ناموں کے ساتھ بلائے جاؤ گے،لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔(رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں باب باب ما یدعی الناس یوم القیامة بابائهم قائم کر کے صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے روز باپوں کے نام سے بلاوا ہوگا۔معالم التنزیل میں ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارنے کے تین سبب بتائے گئے ہیں۔لیکن یہ سب خود ساختہ ہیں جو محض روایت کی شہرت کی وجہ سے تجویز کیے گئے ہیں۔چنانچہ صاحب معالم التنزیل نے تینوں اسباب ذکر کر کے فرمایا ہے کہ والاحادیث الصحیحة بخلافه یعنی صحیح احادیث اس مشہور قول کے خلاف ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا جس میں آسمان بھی ہیں اور زمین بھی ہے چاند سورج بھی ہیں لیل ونہار بھی ہیں اور پہاڑ بھی بحار و انہار بھی ہیں اور اشجار بھی،ان سب چیزوں میں دلائل موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ خالق و مالک ایک ہی ہے۔یہ دلائل تکوینیہ ہیں ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ان پر کتابیں نازل فرمائیں انہوں نے توحید کی دعوت دی۔اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت اور رسالت کے اثبات کے لیے معجزات ظاہر فرمائے اور راہ حق کو خوب واضح فرمادیا۔لیکن بہت سے لوگ قصداً اور ارادۃً دلائل تکوینیہ کو دیکھ کر ایمان نہ لائے۔اور معجزات سامنے ہونے پر بھی متاثر نہ ہوئے۔جیسا کہ کفر وشرک میں ڈوبے ہوئے تھے اسی طرح بدستور گمراہی میں رہنا پسند کیا اور اپنے آپ کو اندھا بنالیا۔جس نے دنیا میں اپنے لیے گمراہ ہونے کو پسند کیا وہ آخرت میں بھی نابینا ہوگا۔یعنی اسے وہاں کوئی راستہ نجات کا نہیں ملے گا۔دنیا میں تو یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جب تک زندہ ہے توبہ کرلے اور ایمان قبول کرلے لیکن جب مرگیا تو توبہ کا راستہ بھی بند ہوگیا۔اور مزید گمراہ اور بے راہ ہوگیا کیونکہ اب نجات کا کوئی راستہ نہ رہا۔لہٰذا جو دنیا میں اندھا بنا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔اور وہاں نجات کا راستہ پانے کی کوئی تدبیر نہ ہوسکے گی۔

سورہ حج میں ارشاد فرمایا ﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾ (کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ ان کے ایسے دل ہوتے جن کے ذریعے سمجھتے یا ایسے کان ہوتے جن سے سنتے،سو بلاشبہ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں) یعنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن دلوں کی بصیرت سے کام نہیں لیتے قصداً اور ارادۃً اندھے بنے رہتے ہیں۔

کفار ومشرکین دنیا میں دل کے اندھے ہیں اور آخرت میں بھی اس کے نتیجے میں اندھے ہوں گے اور نجات کی کوئی سبیل نہ پائیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آنکھوں سے نابینا ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔

اسی سورت کے گیارھویں رکوع میں فرمایا ﴿وَ نَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا﴾ (اور قیامت کے دن ہم انہیں اس حالت میں محشور کریں گے کہ چہروں کے بل اندھے،گونگے اور بہرے ہونے کی حالت میں چل رہے ہوں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب وہ دھیمی ہوجائے گی تو ہم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے) معلوم ہوا کہ مشرکین وکفار جب محشور ہوں گے تو آنکھوں سے اندھے اور زبانوں سے گونگے اور کانوں سے بہرے ہوں گے البتہ بعد میں زبان کو گویائی دے دی جائے گی اور سمع وبصر بھی واپس کردی جائیں گی دل کے اندھے ہو کر تو دنیا ہی سے گئے تھے ابتداءً محشور ہوں گے تو اس وقت آنکھوں سے بھی اندھے

Marfat.com

ہوں گے۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

''اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے ہٹانے ہی لگے تھے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ تا کہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ دوسری بات کی نسبت کر دیں۔ اور اس صورت میں وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔''

مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ کو اپنی طرف کر لیں اور اپنا دوست بنا لیں

ان آیات کا نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین نے کئی روایات لکھی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قابل اعتماد نہیں۔ صحت کے قریب جو روایت ہے جسے صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن ابی حاتم جبیر بن نفیر سے نقل کیا ہے یہی ہے کہ قریش مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اگر ہماری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ ان لوگوں کو ہٹا دیں جو گرے پڑے لوگ آپ کے تابع ہو گئے ہیں۔ تا کہ ہم آپ کے اصحاب میں شامل ہو جائیں۔ اتنی بات آیت کریمہ ﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ کے سبب نزول سے موید ہوتی ہے جس کا سورہ انعام میں ذکر گزر چکا ہے اس کے بعد صاحب روح المعانی نے ایک قول بلا حوالہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قریش مکہ نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لیے آیت رحمت کو آیت عذاب بنا دیں اور آیات عذاب کو آیات رحمت بنا دیں تو آپ پر ایمان لے آئیں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

صحیح سند سے تو کوئی روایت ثابت نہیں البتہ (طرز کلام سے) اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے کوئی درخواست ایسی کی تھی جس کے قبول کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہ تھا۔ ان لوگوں نے تو کوشش کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں سے ہٹا دیں جن کی آپ پر وحی آئی تھی۔ اور آپ سے ایسی باتیں منظور کرا لیں جو اللہ کی وحی کے خلاف ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں ان کے مطلب کی تھیں اور وحی الٰہی ان کی خواہشوں کے خلاف تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اگر آپ ان کی باتیں مان لیتے تو وہ آپ کو دوست بنا لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا اور آپ ان کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہوئے۔

قال صاحب الروح ولا يخفى ان في قوله سبحانه (اليهم) دون الى اجابتهم ما يقوى الدلالة على انه عليه الصلاة والسلام بمعزل عن الاجابة في اقصى الغايات، وهذا الذى ذكر في معنى الاية هو الظاهر متبادر للافهام۔

آخر میں یوں فرمایا کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے اور بالفرض آپ ان کی طرف جھک جاتے تو ہم آپ کو اس زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی مددگار نہ پاتے اس میں آپ کو جو خطاب ہے فرض کے طور پر ہے اور اس میں امت کے لیے عبرت ہے جو بھی کوئی شخص کافروں کی طرف مائل ہوگا (اور میلان کے مختلف درجات ہیں) تو وہ دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ قال البغوى في تفسيره يعنى اضعفنالك العذاب في الدنيا والآخرة وقيل الضعف هو العذاب سمى ضعفا لتضاعف الالم فيه قال صاحب الروح وينبغي للمومن اذا تلا هذه الاية ان يجثو عندها ويتدبرها وان يستشعر الخشية وازدياد التصلب في دين الله تعالىٰ

Marfat.com

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾
سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع

''اور قریب تھا کہ یہ اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھاڑ دیتے تا کہ آپ کو اس سے نکال دیتے اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ لوگ آپ کے بعد بہت کم ٹھہر پاتے۔ طریقہ ان لوگوں کا جن رسولوں کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے۔''

مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو زبردستی مکہ مکرمہ سے نکال دیں

حضرت مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ مشرکین نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے جلاوطن کرنے اور وہاں سے زبردستی نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور آپ باذن الٰہی خود ہی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے مشرکین اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدموں کو اکھاڑ دیتے (لیکن وہ ایسا نہ کر سکے) اور اگر وہ ایسا کر لیتے اور آپ کو نکال کر خود رہنا چاہتے تو خود بھی وہاں نہ رہ پاتے اور وہاں ان کا ٹھہرنا بس ذرا سا ہی ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ آپ کو ہجرت کی اجازت دیدی اور ان لوگوں کو اس کا موقع نہ دیا کہ زبردستی آپ کو نکال دیتے لہٰذا وہ مکہ ہی میں رہتے رہے پھر انہیں اسلام کی بھی توفیق ہوگئی۔ قال صاحب الروح وھذا ھو التفسیر المروی عن مجاھد قال ارادت قریش ذالك ولم تفعل لانہ سبحانہ اراد استبقائھا وعدم استئصالھا لیسلم منھا ومن اعقابھا من یسلم فاذن لرسولہ علیہ الصلاۃ والسلام بالھجرۃ فخرج باذنہ لا باخراج قریش وقھرھم۔

﴿سُنَّةَ مَنْ اَرْسَلْنَا﴾ یہ مصدریت کی بناء پر منصوب ہے یعنی سنّنا سنۃ من قد ارسلنا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آپ کو نکال دیتے تو ہم انہیں ہلاک کر دیتے آپ ﷺ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان کی امتوں نے نکال دیا تو پھر امتیں بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں تھوڑے سے وقفے کے بعد ہی ہلاک کر دی گئیں۔ ﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴾ (اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے) اپنی مخلوق کے بارے میں جو طریقے ہم نے جاری کیے ہیں انہیں کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ
مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

''آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات اندھیرا ہونے تک نمازیں قائم کیجیے اور فجر کی نماز بھی، بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے، اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجیے جو آپ کے لیے زائد چیز ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔''

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے کافروں کے مکر و فریب کو بیان فرمانے اور آپ کو تسلی دینے کے بعد حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر متوجہ رہیں آپ کو نمازیں قائم کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی آپ سے یہ وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا یہ ایسا مقام ہے کہ جس پر اولین و آخرین سب رشک کریں گے پس جبکہ آپ کو اتنا بڑا مقام ملنے والا ہے تو اہل دنیا کی ایذاؤں پر صبر کیجیے ان کی طرف توجہ نہ فرمائیے۔

آیت شریفہ میں ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ سے لے کر ﴿غَسَقِ الَّيْلِ﴾ تک نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ دلوك لفظ مشترک ہے اس کا اصل معنی مائل ہونے کا ہے، مجمع البحار میں ہے الدلوك یراد بہ زوالھا عن وسط السماء وغروبھا ایضا واصلہ المیل حضرت عمر اور ابن عمر اور انس اور حضرت ابو برزہ اسلمی اور حسن اور شعبی اور عطاء اور مجاہد رضی اللہ عنہم نے ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ سے زوال شمس مراد لیا ہے اور حضرت علی اور

Marfat.com

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس سے غروب شمس مراد ہے، اور لفظ غسق کے بارے میں صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ ظلمة اول اللیل اور امام راغب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں غسق اللیل شدة ظلمته ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ غسق اللیل سے رات کی ابتدائی اندھیری بھی مراد لی جاسکتی ہے اور اس کے بعد جو خوب زیادہ تاریکی آجاتی ہے وہ بھی مراد لی جاسکتی ہے، دلوک سے زوال مراد لینے کی صورت میں آیت کریمہ میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ آجاتا ہے۔ کیونکہ زوال آفتاب سے لے کر رات کی خوب زیادہ تاریکی آنے تک نمازیں پڑھنے میں ظہر، عصر اور مغرب وعشاء سب کا حکم آگیا اور فجر کی نماز کا ذکر مستقل ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ میں فرمادیا کیونکہ یہ وقت نیند سے اٹھنے کا ہوتا ہے اس لیے اس کو مستقل طریقے پر ذکر فرمایا ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۲۸ ج ۳ والحمل (ای حمل الدلوک) علی الزوال اولی القولین لکثرة القائلین به، لانا اذا حملناه علیه کانت الایة جامعة لمواقیت الصلاة کلها، فدلوک الشمس یتناول صلاة الظهر والعصر والی غسق اللیل یتناول المغرب والعشاء وقرآن الفجر هو صلاة الصبح۔

لفظ ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ منصوب ہے اور الصلوٰة پر معطوف ہے اور قرآن الفجر سے نماز فجر مراد ہے نماز فجر میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرأت پڑھی جاتی ہے اور جہر سے ہوتی ہے اس لیے اسے قرآن الفجر فرمایا: هذا من تسمیة الشیء باسم جزئه لان القراءة جزء منها۔

﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ (بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے) سنن ترمذی (کتاب التفسیر) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ تشهده ملائكة اللیل وملائكة النهار یعنی قرآن الفجر کو مشہود اس لیے فرمایا کہ اس میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ اور نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہوجاتے ہیں پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے ساتھ رہے وہ اوپر جاتے ہیں تو ان کا رب ان سے دریافت فرماتا ہے حالانکہ اپنے بندوں کو وہ ان سے زیادہ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔ (صحیح بخاری ص ۷۹ ج ۱)

فرشتے عصر اور فجر دونوں ہی نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں لیکن آیت کریمہ میں خاص طور پر فجر کے وقت کی حاضری کا ذکر اس لیے فرمایا کہ نماز فجر میں نیند چھوڑ کر حاضر ہونا نفسوں پر شاق ہوتا ہے بندوں کو بتادیا کہ نیند کو چھوڑو اور وہاں حاضر ہوجاؤ جہاں فرشتے بھی حاضر ہیں۔

قال صاحب الروح ص ۱۳۷ ج ۱۵ ولا یخفی ما فی هذه الجملة من الترغیب والحث علی الاعتناء بامر صلاة الفجر لان العبد فی ذالك الوقت مشیع كراما و متلقی كراما فینبغی ان یكون علی احسن حال یتحدث به الراحل ویرتاح له النازل هو من اللیل۔

﴿فتهجد به نافلة لك﴾ اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجیے جو آپ کے لیے زائد چیز ہے۔

لفظ تہجد ہجود سے لیا گیا ہے، ہجود سونے کو کہتے ہیں اور تہجد ترک النوم یعنی سونے کے بعد اٹھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (لان التفعل للتجنب مثل التاثم والتحنث) وقال بعضهم ان الهجود من الاضداد والمراد بالتهجد تكلف الهجود بمعنی الیقظة ذكره صاحب الروح۔

رات عبادت کے لیے مناسب ترین وقت ہے، اس میں جتنی بھی نماز پڑھی جائے ذکر وتسبیح وتلاوت میں وقت گزارا جائے بہت مبارک ہے اور بہت بڑی فضیلت کی بات ہے اگر سونے سے پہلے نفل نماز پڑھ لے، یہ بھی بہت بڑے ثواب کی چیز ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ یہ بیداری مشقت کی چیز ہے اور نفسوں پر بھاری ہے سو جب تم میں سے کوئی شخص اول رات میں وتر پڑھ لے تو اس کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھ لے اس کے بعد اگر رات کو کھڑا ہوگیا (اور نماز پڑھ لی تو یہ اس کے لیے بہتر ہوگا) ورنہ دو

Marfat.com

رکعت (جو سونے سے پہلے پڑھی) رات کے قیام کے حساب میں لگ جائے گی۔ (رواہ الدارمی کما فی المشکوٰۃ ص ۱۳۴)

لیکن تہجد وہی ہے جو سو کر اٹھنے کے بعد نفلیں پڑھی جائیں کیونکہ اس میں تکلیف زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا عموماً اسی پر عمل تھا۔ بعض راتیں آپ نے ایسی گزاریں کہ بار بار سو جاتے تھے اور درمیان میں بار بار اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

بظاہر آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور ''نافلۃ'' کے معنی زائدہ کے ہیں۔ بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ نماز تہجد خاص کر آنحضرت ﷺ پر فرض فرمائی تھی۔ اور چونکہ یہ پانچوں نمازوں سے زیادہ تھی اس لیے اسے نافلہ فرمایا۔ نافلہ اپنے معروف معنی میں نہیں ہے۔ پھر آگے اس میں اختلاف ہے کہ آپ پر اس کی فرضیت باقی رہی یا آپ کے لیے بھی بعد میں نماز تہجد نفل قرار دے دی گئی۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب بظاہر آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن تبعاً آپ کی امت کو بھی خطاب ہے جیسا کہ اور دیگر مواقع میں بھی ایسا ہے ان حضرات کا فرمانا ہے کہ ابتداً رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کی امت کو نماز تہجد کا حکم دیا گیا تھا اور یہ سب پر فرض تھی پھر امت کے حق میں فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اور آپ پر برابر فرض رہی۔

آنحضرت ﷺ پر نماز تہجد فرض ہوئی۔ پھر فرضیت آخیر تک باقی رہی یا فرضیت آپ کے حق میں بھی منسوخ ہوگئی۔ جو بھی صورت ہو بہر حال آپ ہمیشہ اہتمام کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس میں مشغول رہتے تھے۔ اور آپ نے اس کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے صالحین اس نماز کو پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رات کے قیام کرنے کو لازم پکڑلو۔ کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین گزرے ہیں یہ ان کی عبادت رہی ہے اور وہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے ہوتے تھے پھر باقی رات کا جو چھٹا حصہ رہ گیا اس میں سو جاتے تھے اور ایک دن (نفل) روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (رواہ البخاری)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے کسی نے عرض کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کا گزشتہ اور آئندہ سب کچھ بخش دیا گیا ہے آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۲)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جس وقت پچھلی رات کا درمیانہ حصہ ہو۔ سو اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ اس وقت میں اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جائے تو اس پر عمل کرلینا۔ (رواہ الترمذی قال ہذا حدیث حسن صحیح)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا جو پچھلی رات کے درمیان ہو اور فرض نمازوں کے بعد (رواہ الترمذی) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ افضل وہ نماز ہے جو رات کے درمیان ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۱)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا باہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔ یہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو نرمی سے بات کریں اور کھانا کھلایا کریں اور لگاتار روزے رکھا کریں اور رات کو نماز پڑھیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر بھی تھے اور فجر کی دو سنتیں بھی تھیں۔ (رواہ

Marfat.com

مسلم)

احادیث بالا سے نماز تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت بالا کے علاوہ دیگر آیات میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے۔ سورۃ الذاریات میں ہے ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (بلاشبہ متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہونگے جو کچھ ان کے رب نے ان کو دیا اسے لینے والے ہونگے بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیک کام کرنے والے تھے وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور رات کے آخری حصوں میں استغفار کرتے تھے) سورۃ الم سجدہ میں فرمایا ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد نیند کے غلبہ یا کسی دکھ تکلیف کی وجہ سے رہ جاتی تھی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے رات کا کوئی ورد نیند کی وجہ سے رہ گیا یا پڑھنے کی کوئی چیز چھوٹ گئی پھر اسے فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے رات کو پڑھا ہوتا۔ (دونوں روایتیں صحیح مسلم میں مروی ہیں)

فائدہ: جس شخص کو تہجد پڑھنے کی عادت ہو اور اسے مضبوط امید ہو کہ رات کو ضرور اٹھے گا وہ نماز وتر کو تہجد کی نماز کے بعد پڑھے یہ افضل ہے، اور اگر تہجد کو اٹھنے کی پکی امید نہ ہو تو شروع رات ہی میں وتر پڑھ کر سو جائے۔ شیطان بہت شریر ہے اس کو قابو نہ دیں وہ شروع رات میں یہ سمجھا دیتا ہے کہ تہجد میں وتر پڑھ لینا اور نفس بھی اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پھر رات کو نہ نفس اٹھنے کی ہمت کرتا ہے اور نہ شیطان اٹھنے دیتا ہے۔ بعض تہجد گزاروں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہوشمندی کے ساتھ نیک بنیں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ کا یہ معنی بھی لیا ہے کہ نماز تہجد کے ذریعے آپ کو جو خاص فضیلت حاصل ہوگی وہ صرف آپ کے لیے ہے، چونکہ آپ معصوم ہیں اس لیے اس نماز کے ذریعہ آپ کے درجات رفیعہ میں مزید اضافہ در اضافہ ہوتا رہے گا اور مزید در مزید قرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔ رہا امت کا معاملہ تو چونکہ وہ معصوم نہیں ہیں اس لیے اس کے ذریعے ان کا کفارہ سیئات بھی ہوگا اور فرائض میں جو کوتاہی ہے اس کی بھی تلافی ہوگی۔ (روح المعانی)

﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (آپ کا رب آپ کو عنقریب مقام محمود میں اٹھائے گا) اس میں آپ کے لیے تسلی ہے کہ چند روزہ دنیا میں وہ بھی چند دن آپ کے دشمن جو آپ کو تکلیف دے رہے ہیں یہ اس بلند مرتبہ کے سامنے بے حقیقت ہے جو مرتبہ آپ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا یعنی مقام محمود پر پہنچایا جائے گا۔ اس مقام پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب لوگ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوں گے۔ ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی۔ وہ عرض کریں گے کہ ہماری سفارش کیجیے حتیٰ کہ ہمارے نبی ﷺ تک شفاعت کی نوبت پہنچ جائے گی (جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے تو نبی کریم ﷺ ساری مخلوق کے لیے سفارش کریں گے) یہ وہ مقام محمود ہے جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو پہنچا دے گا۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۶)

اس حدیث میں بہت اجمال ہے۔ دوسری روایات میں تفصیل کے ساتھ شفاعت کا مضمون وارد ہوا ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن جب لوگ بہت ہی زیادہ تکلیف میں ہوں گے اور سورج قریب ہو جائے گا اس بے چینی کے عالم میں کہیں گے کہ کسی سے سفارش کے لیے عرض کرو۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس پھر نوح علیہ السلام کے پاس پھر ابراہیم علیہ السلام کے پاس پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کریں گے یہ سب حضرات انکار کر دیں گے تو سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور شفاعت

Marfat.com

کی درخواست کریں گے آپ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ایسی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے قلب میں نہیں ڈالی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اے محمد سر اٹھاؤ اور سوال کرو۔ سوال پورا کیا جائے گا۔ اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے شفاعت مراد ہے۔ رواہ الترمذی فی التفسیر وفی حاشیة قوله مقامًا مّحمودًا يحمده في جميع الخلق التعجيل الحساب والاراحة من طول والوقوف اھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا لیکن امت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا السلام کو بھی مقام محمود کی دعا کرنے کا شرف عطا کیا ہے جو اذان کا جواب دینے کے بعد کی جاتی ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَــُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع

''اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے رب مجھے ایسی جگہ میں داخل کیجیے جو خوبی کی جگہ ہو۔ اور مجھے خوبی کے ساتھ نکالیے اور میرے لیے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا فرمائیے جس کے ساتھ مدد ہو، اور آپ یوں کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل چلا گیا بلاشبہ باطل جانے ہی والا ہے۔ اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنین کے لیے اور وہ ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے، اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ اعراض کر لیتا ہے اور رخ بدل کر دور ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچ جائے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام میں لگا ہوا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے۔''

قرآن مومنین کے لیے شفاء ہے اور رحمت ہے، ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے

یہ پانچ آیات ہیں جن کا اوپر ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت سفر ہجرت کے بارے میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ معظمہ میں مقیم تھے، پھر جب آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اس وقت آیت کریمہ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ آخر تک نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں کہ مجھے بہترین داخل ہونے کی جگہ میں داخل فرمائیے اور میرا اپنے شہر سے نکلنا بھی میرے لیے اچھا بنا دیجیے (جس کا انجام مبارک ہو) اور میرے لیے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیے جس میں آپ کی مدد بھی ہو (رواہ الترمذی فی التفسیر) مدخل صدق سے جائے ہجرت اور مخرج صدق سے مکہ معظمہ مراد ہے مطلب یہ کہ مکہ معظمہ سے اطمینان کے ساتھ نکل جاؤں دشمن کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے اور دار الہجرہ میں بھی خوبی کے ساتھ داخلہ ہو جائے اور پھر یہ داخلہ مبارک ہو جس کے بعد آپ کی طرف سے غلبہ بھی ہو اور نصرت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ دعا تلقین فرمائی پھر اس کو قبول فرمایا۔ پھر چند سال کے بعد آپ مکہ معظمہ میں فتح، غلبہ اور نصرت الٰہی کے ساتھ داخل ہو گئے۔

دوسری آیت میں فتح مکہ کا ذکر ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ انہیں اپنے ہاتھ کی ایک ٹہنی سے گراتے جاتے تھے اور یہ

Marfat.com

پڑھتے جاتے تھے۔ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ اور یہ بھی پڑھتے جاتے تھے۔ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ سورہ سبا کی آیت ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ حق کے آنے اور باطل کے چلے جانے کا اعلان کردیں۔ چنانچہ آپ نے بتوں کو گراتے ہوئے سورہ بنی اسرائیل کی آیت پر بھی عمل کیا اور سورہ سبا کی آیت پر بھی۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ ہم جو قرآن میں نازل کرتے ہیں یہ مومنین کے لیے سراپا شفاء اور رحمت ہے، اور رہے ظالم جو حق پر بھی ظلم کرتے ہیں (اسے قبول نہیں کرتے) اور اپنی جانوں پر بھی ظلم کرتے ہیں تو یہ لوگ حق سے منہ موڑنے کی وجہ سے اپنے کو عذاب آخرت کے لیے تیار کرتے ہیں ان کا جو طریقہ ہے وہ خود ان کے حق میں بربادی اور خسارے کا سبب ہے۔ یہی قرآن جو اہل ایمان کے لیے شفاء اور رحمت ہے جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کے لیے یہی قرآن خسارہ اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے اور جیسے جیسے کوئی آیت نازل ہوتی ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اپنے خسارہ میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ قال صاحب الروح واسناد الزيادة المذكورة الى القرآن مع انهم المزادون في ذلك لسوء صنيعهم باعتبار كونه سببا لذلك۔

چوتھی آیت میں انسان کے ناشکری کے مزاج کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہم جب اس پر انعام فرماتے ہیں اور نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور اعراض بھی تھوڑا سا نہیں خوب زیادہ اعراض کرتا ہے اور وہ یہ کہ رخ پھیر کر دوسری طرف مڑ جاتا ہے۔

یہ تو اس کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کو نعمت مل جائے، اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بس ناامید ہو کر رہ جاتا ہے۔

سورہ ہود میں فرمایا ﴿وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ (اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزا چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لیے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے۔)

پانچویں آیت میں فرمایا ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام میں لگا ہوا ہے) لفظ شاکلة کا ترجمہ کئی طرح سے کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی نے متعدد اقوال نقل کر کے اخیر میں لکھا ہے۔ والمعنى ان كل احد يعمل على ما يشاكل اصله واخلاقه التي الفها (یعنی ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے موافق اور ان اخلاق کے مطابق عمل کرتا ہے جن سے وہ مالوف ہے) پھر لکھتے ہیں۔ وهذا ذم للكافر و مدح للمومن یعنی اس میں کافروں کی برائی ہے (جو برے اخلاق اور برے دین سے مالوف ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں) اور مومن بندوں کی تعریف ہے وہ سچے دین سے مالوف ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، دنیا میں خیر کا طریقہ اختیار کرنے والے بھی ہیں۔ اور شر سے الفت رکھنے والے بھی، آخرت میں اپنا اپنا عمل ہر ایک کے سامنے آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے جو ہدایت پر ہیں وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے اور جو گمراہی اختیار کیے ہوئے ہیں انہیں بھی جانتا ہے وہ سب کو اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

''اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔''

روح کے بارے میں یہودیوں کا سوال اور رسول اکرم ﷺ کا جواب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھیتوں کے درمیان سے گزر رہا تھا اس وقت آپ کھجور کی ٹہنی پر ٹیک لگا کر تشریف لے جا رہے تھے وہاں سے یہودیوں کا گزر ہوا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان سے روح

Marfat.com

کے بارے میں دریافت کرو۔ پھر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ دریافت کریں یا نہ کریں۔ ممکن ہے کہ ایسی بات کہہ دیں جو تمہیں ناگوار ہو۔ پھر کہنے لگے اچھا دریافت کرلو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے روح کے بارے میں دریافت کیا آپ ٹھہر گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ آپ پر وحی نازل ہورہی ہے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے آیت پڑھ کر سنائی جو اوپر مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ ص ۶۸۶)

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان یوں نقل کیا کہ قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی بات بتادو جو ہم ان سے پوچھیں (جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) یہودیوں نے کہا کہ روح کے بارے میں دریافت کرو۔ لہٰذا انہوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کرلیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی۔ دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں نے اور ان کے سمجھانے سے مکہ معظمہ میں قریش نے آنحضرت ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے جس سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے اور جس کے نکل جانے سے انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔

قال القرطبی وذهب اكثر اهل التاويل الى انهم سالوه عن الروح الذى يكون به حياة الجسد وقال اهل النظر منهم انما سالوه عن كيفية الروح و مسلكه فى بدن الانسان و كيفية امتزاجه بالجسم اتصال الحياة به وهذا الشىء لا يعلمه الا الله عزوجل۔

آیات کریمہ اور احادیث شریفہ میں روح انسانی کے بارے میں بہت سی باتیں مذکور ہیں عالم ارواح میں روحوں کا مجتمع ہونا وہاں تعارف ہونا (کما رواہ البخاری) حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہو جانے کے بعد اس میں روح پھونکا جانا ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ﴾ پھر بطن مادر میں ہر انسان میں روح پھونکا جانا (کما رواہ الشیخان) اور اسی روح کے ذریعہ زندہ رہنا پھر موت کے وقت اس روح کا نکل جانا حضرت ملک الموت علیہ السلام کا روح کو قبض کرنا پھر ان کے ہاتھ سے لیکر فرشتوں کا آسمان کی طرف جانا پھر قبر میں روح کا لوٹایا جانا اور سوال و جواب ہونا اور دنیا سے جانے والی روح کا پہلے سے برزخ میں پہنچی ہوئی روحوں کے پاس جمع ہونا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۱ تا ۱۴۳) اور قبر میں آرام یا عذاب میں رہنا پھر صور پھونکے جانے پر روحوں کا جسموں میں داخل ہونا یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں اہل ایمان جانتے ہیں اور مانتے ہیں، یہودیوں نے اور مشرکین نے روح کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے حکم سے ہے اس کی حقیقت ظاہر نہیں فرمائی اور یہ بتادیا کہ یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے، اس سے فلاسفہ کے اس خیال کی تردید ہوگئی جو روح کو قدیم کہتے ہیں، چونکہ احکام شرعیہ میں سے بندوں سے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو روح کی حقیقت جاننے پر موقوف ہو اس لیے اس کی حقیقت جاننے کے درپے ہونے کی شرعاً کوئی ضرورت بھی نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ روح کی حقیقت اس لیے نہیں بتائی گئی کہ انسان کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ تو اپنی ذات کی حقیقت جاننے سے بھی عاجز ہے خالق کائنات تبارک و تعالیٰ کی پوری معرفت سے بطریق اولیٰ عاجز ہوگا۔ علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں روح کے بارے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ پھر اخیر میں لکھا ہے۔ والاولى الاقاويل ان يوكل علمه الى الله عزوجل وهو قول اهل السنة (سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اس کا علم اللہ کے ہی سپرد کیا جائے اہل سنت کا یہی قول ہے) ﴿وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (اور تمہیں صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے) یہ خطاب سارے انسانوں کو ہے جن کے عموم میں سوال کرنے والے یعنی یہود بھی آگئے۔

(درمنثور ص ۲۰۰ ج ۴) میں حضرت ابن جریج سے ﴿وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ محمد والناس اجمعین یعنی اے محمد آپ اور آپ کے علاوہ جو لوگ ہیں سب کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا علم تو بہت زیادہ ہے اور ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تھوڑا سا ہی ہے۔ تفسیر درمنثور میں یہ بھی ہے کہ جب یہودیوں نے آیت شریفہ کا یہ حصہ ﴿وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ سنا تو کہنے لگے کہ ہم تو توراۃ پڑھے ہوئے ہیں اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے سورۃ لقمان کی آیت ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ﴾

Marfat.com

(آخر تک) نازل فرمائی۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝٨٦ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝٨٧ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝٨٨ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَأَبٰى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوْرًا ۝٨٩

''اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے اسے سلب کرلیں پھر آپ ہمارے مقابلے میں اپنے لیے اس بارے میں کوئی حمایتی نہ پائیں۔ مگر یہ کہ رب کی طرف سے رحمت ہو جائے۔ بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جن سب اس کے لیے جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا کر لائیں تو اس جیسا نہیں لاسکیں گے۔ اگر چہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں، اور البتہ ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کے اچھے مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں۔ پھر اکثر لوگوں نے اس کے ماننے سے انکار ہی کیا۔

اگر تمام انسان اور جنات بھی جمع ہو جائیں تو قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر نہیں لا سکتے

پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کرم وانعام کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ جو وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے اپنی قدرت اور اختیار سے بھیجی ہے۔ اور آپ کے پاس اس کا باقی رکھنا بھی ہماری قدرت سے ہے ہم اگر چاہیں تو اسے سلب کرلیں یعنی آپ کو بھلا دیں۔ جیسے ہمیں وحی بھیجنے پر قدرت ہے ایسے ہی بھلا دینے پر بھی قدرت ہے اگر ہم آپ کو بھلا دیں تو اس کے واپس لانے کے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی آپ کو حمایت کرنے والا نہ ملے گا۔ ہاں اگر اللہ اپنی رحمت سے پھر واپس فرمادے یا سرے سے واپس ہی نہ لے تو یہ اس کا فضل وانعام ہے۔ (قال البغوی ص ۱۳۵ ج ۳) استثناء منقطع معناه ولكن لانشاء ذٰلك ﴿إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا﴾ (بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے) آپ کو سید الخلائق بنایا مقام محمود بھی عطا کیا۔ کتاب کا معجزہ بھی عطا فرمایا جو کلام اللہ بھی ہے اور کتاب اللہ بھی آپ کو آخر الانبیاء بنایا رہتی دنیا تک آپ کی شریعت باقی رکھی ہے، بے شمار علوم عطا فرمائے اور بہت بڑی امت عطا فرمائی، آپ کی اتنی زیادہ فضیلتیں ہیں جو مخلوق کے شمار سے باہر ہیں۔ سورۃ نساء میں فرمایا ﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔)

اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ﴾ اس میں قرآن مجید کا اعجاز بیان فرمایا ہے اور فرمایا کہ سارے انسان اور سارے جنات آپس میں مل کر ایک دوسرے کے مددگار بن کر اگر یہ کوشش کریں کہ قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر لے آئیں تو ہرگز نہیں لاسکیں گے، قرآن مجید معجزہ ہے اور سراپا معجزہ ہے اس کی تالیف ونظم میں بلاغت کا وہ کام ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا قرآن کے عہد اول سے تمام فصحاء وبلغاء کو یہ چیلنج ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ مگر آج تک عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔ یہ بلاغت وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے اس کے علاوہ اور بھی وجوہ اعجاز ہیں۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی امت آخر الامم ہے اور قیامت تک آپ کی دعوت سارے انسانوں کے لیے ہے اس لیے آپ کو بہت سے معجزات جو آپ کی حیات طیبہ میں کثیر تعداد میں دیئے گئے ان کے علاوہ ایک ایسا معجزہ بھی دے دیا جو ہمیشہ کے لیے معجزہ ہے اور وہ قرآن کریم ہے۔ ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا﴾ قرآن حکیم کے طرز

Marfat.com

بیان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کیے ہیں۔
اس میں عبرتیں بھی ہیں مواعظ بھی ہیں۔ احکام بھی ہیں۔ وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی ہیں۔ قصص بھی ہیں۔ ترغیب وترہیب بھی ہے اور اوامر ونواہی بھی ہیں، معاشرت کا طریقہ بھی بتایا ہے اور اخلاق وآداب کا بیان بھی ہے مابعد الموت کی خبریں بھی ہیں، حشر نشر کی تفصیلات بھی، اور مضامین کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اکثر لوگ اس کے انکار پر بھی تلے ہوئے ہیں۔ قوله تعالیٰ من كل مثل قال صاحب الروح من كل معنى بديع هو في الحسن والغربة واستجلاب النفوس كالمثل۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ
بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

''اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں۔ یا خاص کر آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر دیں یا آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑوں کی صورت میں گرا دیں جیسا کہ آپ کا بیان ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کا گھر ہو جو خوب زینت والا ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں، اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے اوپر ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ فرما دیجیے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں۔''

قریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور فرمائشی معجزت کا مطالبہ

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لیے فرمایا تو وہ دشمن ہو گئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے کٹ حجتی پر تلے ہوئے تھے۔ الٹے الٹے سوال کرتے اور بے تکی فرمائشیں کرتے تھے، جن میں سے چند فرمائشیں آیت بالا میں مذکور ہیں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتا دیجیے ہم آپ کو مال دیدیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتا دیجیے ہم اپنے اموال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں، اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں، میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا اگر تم اس کو قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کرو کہ اپنے رب سے سوال کرو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام و عراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں۔ اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھاؤ جن میں سے قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم مان لیں

Marfat.com

گے آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں، میں ایسا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے کہ ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجیے کہ آپ کی تصدیق کے لیے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کرو کہ آپ کو باغات اور محلات دیدے اور سونے چاندی کے خزانے دیدے جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرا یہ کام نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ کہنے لگے اچھا تم ایسا کرو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کرلوں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرمادیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ﴾ (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے عاجز نہیں ہے) اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرمادے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لیے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید و رسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہے جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہوگا اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کر دے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دے۔

فائدہ: ایک ایسی جماعت بھی پائی جاتی ہے جسے سید الاولین ﷺ کی محبت کا بہت بڑا دعویٰ ہے اور اپنے اس دعویٰ کی وجہ سے حضرت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ایسے ایسے عقائد اختیار کر لیے ہیں جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہیں انہیں میں سے ان کا ایک یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر نہیں تھے۔ اور ان میں سے بعض مدعیان علم نے تو غضب کر دیا سورہ کہف کے آخر میں جو فرمایا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ اس کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ مانافیہ ہے ان جاہلوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان حرف تحقیق ہے جملہ منفیہ پر داخل نہیں ہوتا۔ پھر قرآن شریف میں آنحضرت ﷺ کی بشریت ثابت کرنے کے لیے صرف یہی تو ایک آیت نہیں ہے۔ جس میں اِنَّمَا آیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت بھی تو ہے جس میں ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ فرمایا ہے اس میں تو مانافیہ نہیں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

Marfat.com

’’اور لوگوں کو ایمان قبول کرنے سے صرف اس بات نے روکا کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو صرف یہی بات کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے، آپ فرمادیجیے اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضروری بات ہوتی کہ ہم ان پر فرشتہ کو رسول بنا کر اتار دیتے، آپ فرمادیجیے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے۔‘‘

لوگ اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ نبوت اور بشریت میں تضاد سمجھتے ہیں اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کے لیے فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا

لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام جب دین حق کی دعوت دیتے اور بتاتے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں تو یوں کہہ دیتے کہ انسان کا رسول ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ سورہ ابراہیم میں ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں نے اپنے رسولوں کی رسالت کا انکار کرنے کے لیے یوں کہا ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کہ تم تو ہماری طرح کے آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی مشرکین نے اسی طرح کی بات کہی تھی۔ نبیوں اور رسولوں کا انسان ہونا جو حکمت کے بالکل موافق ہے لوگوں کے لیے ہدایت سے گریز کرنے اور ایمان قبول نہ کرنے کا سبب بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں فرمایا کہ زمین میں انسان بستے ہیں لہٰذا ان کے لیے انسان کو مبعوث کیا گیا اگر زمین میں فرشتے بسے ہوئے ہوتے اور سکون واطمینان کے ساتھ یہیں رہتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ زمین میں بسنے والے انسان ہیں ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے وہ بھی انسان ہیں کیونکہ ہم جنس سے استفادہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ انسانوں کی طرف انسانوں کا مبعوث ہونا یہ تو عین حکمت ہے اور سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن لوگوں نے اسی کو ایمان سے دور رہنے کا ذریعہ بنالیا۔

﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَ بَيْنَكُمْ﴾ (آپ فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے) تمہارے نہ ماننے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے وہ گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں تم مانو یا نہ مانو۔ نہ مانو گے تو سزا بھگتو گے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کو سب بندوں کے احوال وافعال کا علم ہے وہ باخبر ہے دانا بینا ہے اپنے علم وحکمت کے موافق سزا دے گا۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ
جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

’’اور اللہ جسے ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے، اور وہ جسے گمراہ کرے سو آپ اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن چہروں کے بل اس حال میں چلائیں گے کہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب بھی بجھنے لگے گی ہم ان کے لیے اس کو اور زیادہ بھڑکا دیں گے، یہ ان کی سزا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور یوں کہا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا فرما

Marfat.com

دے اور اس نے ان کے لیے ایک اجل مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں، سو ظالموں نے بس انکار ہی کیا ہے۔''

قیامت کے دن گمراہ لوگ گونگے اور بہرے اٹھائے جائیں گے، پھر دوزخ کی آگ میں داخل کیے جائیں گے یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ انہوں نے حشر نشر کی تکذیب کی

گزشتہ آیات میں منکرین کے عناد اور کٹ حجتی کا تذکرہ تھا ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی بھی ہے اور منکرین کے لیے وعید بھی، جو لوگ رسالت کے منکر تھے وہ بعث بعد الموت اور حشر نشر کے بھی منکر تھے، ان کا ایک اعتراض نقل فرمایا ہے اور اس کا جواب بھی دیا ہے۔

ارشاد فرمایا اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہو سکتا ہے اور جسے گمراہ کر دے تو وہ گمراہ ہی رہے گا۔ اللہ کی طرف سے جب تک ہدایت نہ ہو تو کوئی ہدایت یاب نہیں ہو سکتا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ ان منکروں کو قیامت کے دن ہم چہروں کے بل چلائیں گے۔ اس وقت اندھے بھی ہوں گے اور بہرے بھی اور گونگے بھی۔ یعنی عین حشر کے وقت ان کی یہ حالت ہوگی گو بعد میں دیکھنے اور بولنے اور سننے کی قوتیں دیدی جائیں گی۔ دوسری آیات سے ان کا دیکھنا اور سننا اور بولنا ثابت ہے ان لوگوں کے حق میں دوزخ میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوگا اس فیصلہ کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور وہی ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ وہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ اور عذاب دائمی کا یہ حال ہوگا کہ جب دوزخ کی آگ بجھنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بھڑکا دے گا۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُهُمْ﴾ (الآیۃ) ان لوگوں کی یہ سزا اس لیے ہوگی کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور حشر نشر کی بات سن کر اعتراض اور تکذیب کے پیرائے میں یوں کہا کہ ہم قبروں میں گل جائیں گے صرف ہڈیاں رہ جائیں گی اور ان کا بھی چورا بن جائے گا تو اس وقت کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں! ان کے جواب میں فرمایا کہ ان لوگوں کا انکار اور استہزاء بے محل ہے اس بات کا تو انہیں اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا جس نے اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ارواح تو باقی رہتی ہیں اجسام کا دوبارہ پیدا فرما دینا اس میں کوئی بات نہیں جو عقل یا فہم کے خلاف ہو ہاں اتنی بات ہے کہ قیامت کے دن کے لیے ایک میعاد مقرر فرما رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے جب وقت موعود آ جائے گا تو قیامت آ جائے گی، مردے زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف جمع ہوں گے۔ لوگوں کی تکذیب اور اعتراض و انکار کی وجہ سے مقررہ اجل سے پہلے قیامت واقع نہیں ہوگی اس بات کو نہ دیکھیں کہ عرصہ دراز ہو گیا قیامت نہیں آئی جو دلائل پیش کیے جا رہے ہیں ان میں غور کریں، دلائل میں تو غور کرتے نہیں حق کو مانتے نہیں کفر ہی پر اڑے ہوئے اور اسی کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں ﴿فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ (سو ظالموں نے بس انکار ہی کیا۔)

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۱۰۰ ع﴾

''آپ فرما دیجیے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس صورت میں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے اور انسان خرچ کرنے میں بڑا تنگ دل ہے۔''

اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے، انسان بڑا تنگ دل ہے

مطلب یہ ہے کہ اگر تم میرے رب کے خزانوں کے مالک ہوتے اور تمہیں اختیار ہوتا کہ جسے چاہو دو اور جسے چاہو نہ دو۔ تو تم ہاتھ روک

Marfat.com

لیتے کسی کو نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور خالق ہے۔ اپنی مخلوق کو رزق عطا فرماتا ہے جس کا جتنا رزق مقرر اور مقسوم فرمایا ہے پورا کیے بغیر موت نہ آئے گی۔ جب سے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ شانہ رزق دیتا ہے اور جس قدر اس کی مخلوق بڑھتی چلی جائے اس کی نعمتوں اور رحمتوں میں کوئی کمی نہیں، مخلوق بھی بڑھ رہی ہے اور رزق بھی بڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو عطا فرماتا ہے اور حاجتیں پوری فرماتا ہے دوست اور دشمن سب کو دیتا ہے ایک حدیث میں ہے ارائیتم ما انفق منذ خلق السموات والارض فانه لم یغض ما فی یدہ (تم ہی بتاؤ اس نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے کتنا خرچ فرما دیا اس سب کے باوجود اس کے قبضہ قدرت سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱)

یہ جو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت ہے بھرپور انفاق ہے حاجت روائی ہے یہ سب اس کی رحمت کے خزانوں میں سے ہے اگر اس کے خزانے مخلوق کے اختیار میں ہوتے اور وہ خرچ کرنے والے ہوتے تو وہ اس ڈر سے کہ یہ سب خرچ ہو گیا تو تنگ دستی آجائے گی خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیتے ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ اور انسان طبعی طور پر قتور واقع ہوا ہے جو خرچ کرنا چاہتا ہے۔ کنجوس ہے تنگ دل ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ ہماری سرزمین میں چشمے جاری کروا دیجیے تاکہ ہماری تنگ دستی جاتی رہے اور معیشت میں وسعت ہو جائے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہیں وسعت نصیب ہو جائے تب بھی کنجوسی کرو گے کیونکہ انسان مزاج اور طبیعت کے طور پر بخیل، کم دلا اور نخرچا واقع ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

"اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیجیے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ بلاشبہ میں تیرے بارے میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے، موسیٰ نے جواب میں کہا کہ تو ضرور جانتا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے نازل فرمائی ہیں جو بصیرت کا ذریعہ ہیں اور اے فرعون میں تیرے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہو جانے والا ہے، پھر اس نے چاہا کہ انہیں زمین سے اکھاڑ دے سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین میں رہو سہو اور پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تمہیں جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔"

موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں دیں فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ زمین میں رہو سہو

ابتدائے سورت میں واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کے بعض واقعات بیان فرمائے اور ان سے فرمایا ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ اس کے بعد مشرکین کے اعمال و اقوال اور عقیدہ شرک کی تردید فرمائی اور درمیان میں بعض مامورات اور

Marfat.com

منہیات بھی ذکر فرمادیئے پھر مشرکین کے عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا اب سورت کے ختم ہونے کے قریب بھی بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعون کا تذکرہ فرمایا جس میں بنی اسرائیل یعنی یہود کے لیے اور تمام ہی منکرین اور معاندین کے لیے عبرت ہے، اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی کھلی واضح نو نشانیاں عطا کیں، ان نشانیوں سے کیا مراد ہے یہ بات ہم عنقریب ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ فرعون کو نصیحت کرواسے اور اس کی قوم کو توحید کی دعوت دو اور رب کائنات جل مجدہ کی عبادت کی طرف بلاؤ اور بنی اسرائیل کو اس کے چنگل سے چھڑا کر مصر سے لے جاؤ، فرعون بہت بڑا جابر تھا اپنے آپ کو معبود کہلواتا اور منواتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس سے بات کی اور راہ حق کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا کہ انہیں چھوڑ دے میں ساتھ لے جاتا ہوں تو فرعون نے بڑی جاہلانہ باتیں کیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتایا پھر جادوگر بلائے اور مقابلہ کرایا جادوگر ہار گئے اور مسلمان ہو گئے جس کا تفصیلی واقعہ سورۃ انعام کے رکوع ۱۴ اور سورۃ طٰہٰ کے دوسرے تیسرے رکوع میں مذکور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے ساحر یعنی جادوگر تو بتایا ہی تھا مسحور بھی بتایا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے اسی جادو کی وجہ سے تو ایسی باتیں کر رہا ہے معالم التنزیل میں محمد بن جریر سے مسحور کا ایک ترجمہ معطی علم السحر نقل کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تجھے جادو کا فن دیدیا گیا ہے اس کے ذریعے یہ عجائب تیرے ہاتھوں سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی جرأت سے جواب دیا کہ تیرا دل جانتا ہے کہ یہ جو چیزیں سامنے آرہی ہیں اور میرے ہاتھوں ظاہر ہو رہی ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور یہ بصیرت کی چیزیں ہیں تو عناد کرتا ہے حق سے بھاگتا ہے اس کا برا انجام تیرے سامنے آنے والا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اب تیری شامت ہی آگئی اب تو ہلاک ہی ہو کر رہے گا، فرعون نے ساری سنی ان سنی کر دی اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ فرعون پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقاضے پر ہی بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت بڑھ رہی ہے اور بنی اسرائیل ان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں تو اندیشہ محسوس کیا کہ ان کی جماعت زور پکڑ کر کہیں مصری قوم کی بربادی کا سبب نہ بن جائے لہٰذا اس نے بنی اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال دینے کا پروگرام بنایا اس بات کو ﴿فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ﴾ میں بیان فرمایا ہے اور روح المعانی میں مِنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا کہ ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے یہ بھی زمین میں ہٹا دینے کی ایک صورت ہے۔ سورۃ اعراف میں فرمایا کہ فرعون نے کہا ﴿سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ (کہ ہم ان کے مردوں کو خوب کثرت کے ساتھ قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور ہمیں ان پر غلبہ حاصل ہے) اس کے پیش نظر یہ دوسرا معنی اظہر ہے، فرعون اگر بنی اسرائیل کو جلاوطن کرنے پر راضی ہوتا تو بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے راہ فرار اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، علامہ قرطبی نے بھی ﴿اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ کے دو معنی لکھے ہیں دونوں میں سے جو معنی بھی لیا جائے بہر حال فرعون کے ارادہ اور مکروہ تدبیر سب کا الٹ ہوا اللہ جل شانہ نے فرعون کو اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں ڈبو دیا اور بنی اسرائیل پار ہو کر دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے جس کا واقعہ سورۃ بقرہ اور سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔

فرعون مصر سے بھی نکلا حکومت بھی ہاتھ سے گئی اور زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا اور غرق ہونے کی ذلت میں مبتلا ہوا۔ اس کو فرمایا ﴿فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا﴾ (سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا) ﴿وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ (اور ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس کے بعد زمین میں رہو سہو۔) علامہ قرطبی لکھتے ہیں ای ارض الشام و مصر یعنی مصر اور شام کی زمین میں رہو جس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کے بعد بنی اسرائیل کو اختیار دے دیا گیا خواہ مصر میں رہو اور خواہ اپنے آبائی وطن یعنی شام (فلسطین) میں جا کر آباد ہو جاؤ لیکن انہوں نے شام میں رہنا پسند کیا، پسند تو کر لیا لیکن اپنی حرکتوں کی وجہ سے میدان تیہ میں گھومتے رہے اور چالیس سال کے بعد فلسطین میں داخل ہو سکے (مرفی سورۃ المائدہ) ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا﴾ (پھر جب آخرت یعنی قیامت کا وعدہ آپہنچے گا اور قیامت قائم ہوگی تو ہم تم کو اس حالت میں اٹھالیں گے کہ سب لفیف ہوں گے) یعنی قبور سے

Marfat.com

اس حالت میں اٹھیں گے کہ سب ملے جلے ہوں گے اور مختلف جہات سے اٹھ کر آئیں گے اور میدان میں جمع کر لیے جائیں گے۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کافر قبروں سے اٹھ کر جب بدحالی دیکھیں گے تو مومنوں کی جماعتوں میں گھس جائیں گے تا کہ ان کی لپیٹ میں بچ جائیں جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (کہ اے مجرمو آج کے دن علیحدہ ہو جاؤ) پھر کافروں کی جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جائیں گی اور مومنین کی جماعتیں جنت میں چلی جائیں گی۔

فائدہ: اس رکوع کے شروع میں جو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں، ان نشانیوں سے کون سی نشانیاں مراد ہیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے یہ معجزات مراد ہیں (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) سمندر سے بنی اسرائیل کو لے کر پار ہو جانا (۴) فرعون اور اس کی قوم کا قحط میں مبتلا ہو جانا (۵) اور پھلوں کا کم ہو جانا، (۶، ۷) اور قوم فرعون پر ٹڈیوں کا اور جوؤں کا عذاب آجانا (۸) اور مینڈکوں کے عذاب میں مبتلا ہونا (۹) اور ان کے برتنوں اور پینے کے پانی میں خون کا موجود ہو جانا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بھی ہیں اس لیے بعض حضرات نے ان کو بھی اس ذیل میں ذکر فرمایا ہے مثلاً پتھر سے چشموں کا جاری ہو جانا اور من و سلویٰ نازل ہونا جو حضرات دوسرے معجزات کو ان نو معجزات میں شمار کرتے ہیں جن کا ذکر آیت بالا میں ہے وہ مذکورہ معجزات میں بعض کو نو معجزات والی گنتی میں نہیں لاتے ان کی جگہ دوسرے معجزات کو شمار میں لے لیتے ہیں۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۵ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝۱۰۶ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹ السجدۃ

''اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا، اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا، اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے قرآن میں جا بجا فصل رکھا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے، آپ فرما دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ان کے سامنے رحمٰن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ ضرور ہی پورا ہونے والا ہے اور وہ رونے کی حالت میں ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کا خشوع بڑھا دیتا ہے۔''

ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں سابقین اہل علم اس کو سنتے ہیں تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں

ان آیات میں کتاب اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرمائی ہیں اور قرآن کی تلاوت سے متاثر ہونے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے بھیجنے والے نے حق کے ساتھ بھیجا جس کے پاس آیا حق ہی کے ساتھ پہنچا درمیان میں کسی طرح کا تغیر اور تبدل نہیں ہوا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو صرف مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اہل ایمان کو جنت کی بشارت دینا اور اہل کفر کو دوزخ کی وعید سنانا آپ کا اتنا ہی کام ہے جو نہ مانے گا وہ اپنا ہی برا کرے گا آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ (یعنی ہم نے قرآن کو اس طرح نازل کیا کہ اس میں جا بجا فصل ہے)

Marfat.com

ایک آیت ختم ہونے کے بعد دوسری آیت شروع ہوتی ہے اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت شروع ہو جاتی ہے اس میں آیات، اوقاف، فواصل اور سورتوں اور مضامین کا تنوع رکھا گیا ہے تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تا کہ سننے والے سمجھ سکیں اور حفظ کرنے والے یاد کر سکیں، مسلسل بیان کرنے میں جو بعض مرتبہ سننے والوں سے بعض باتیں رہ جاتی ہیں ان کے سمجھنے اور یاد کرنے میں جو دقت ہوتی ہے اس کا سامنا نہ ہو۔ ﴿عَلٰی مُکْثٍ﴾ کا یہ معنی لیا جائے تو اس میں ترتیل اور تجوید کے ساتھ اس طرح پڑھنا بھی آ جاتا ہے کہ تلاوت میں قرآن مجید کے حروف نہ کٹیں اور کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہو۔

﴿فَرَقْنٰهُ﴾ کا یہ وہ معنی ہے جو بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یوں نقل کیا ہے کہ بینا حلاله وحرامه کہ ہم نے اس میں واضح طور پر حلال اور حرام بیان کر دیا ہے، اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ فرقنا فیه بین الحق والباطل (یعنی ہم نے اس میں حق اور باطل کو جدا جدا کر کے علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا اور اوامر اور نواہی اور احکام اور مواعظ اور امثال اور قصص کو واضح کر دیا ہے۔ هذا یرجع الی ماذکرناه اولاً۔

﴿وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا﴾ اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا، روح المعانی ص ۱۸۸ ج ۱۵ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے ماہ رمضان میں شب قدر میں آسمان دنیا پر پورا نازل کر دیا گیا اور وہاں بیت العزت میں رکھ دیا گیا پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب مصالح العباد بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تئیس (۲۳) سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، لفظ تنزیل تفعیل کا وزن ہے اور یہ وزن اپنی بعض خاصیات کے اعتبار سے کسی کام کے تھوڑا تھوڑا کرنے پر دلالت کرتا ہے اس لیے مفسرین کرام نَزَّلْنٰهُ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ قال فی الجلالین ونزلنا تنزیلًا شیئا بعد شیءٍ علی حسب المصالح۔

اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ (الآیة) اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ مخاطبین سے فرما دیجیے کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، ایمان کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور انکار کا نقصان بھی تمہیں پہنچے گا اور تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی ضرر نہیں، اور یہ بھی سمجھ لو کہ قرآن کا بقاء اور اس کا دنیا جہان میں آگے بڑھنا اور پھیلنا کوئی تم پر موقوف نہیں، جن لوگوں کو نزول قرآن سے پہلے علم دے دیا گیا تھا انہوں نے اسلام قبول کر لیا جب قرآن مجید ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اس نے جو وعدہ فرمایا ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

یہ لوگ جو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرتے ہیں روتے ہوئے گرتے ہیں اور قرآن کا سننا ان کے خشوع کو اور زیادہ کر دیتا ہے، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ﴾ سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دین حق کی تلاش میں تھے اور آپ کی بعثت کے منتظر تھے جب آپ کی بعثت کا علم ہو گیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور قرآن کو سنا اور پڑھا اس قرآن کو سنتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان سے اور قرآن سے نوازا ہے وہ روتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ان کے اندر اور زیادہ خشوع بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے، بطور مثال علامہ بغوی نے زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان فارسی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کا نام لکھا ہے اور علامہ قرطبی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے، احقر کے نزدیک اس سے نجاشی اور اس کے حاضرین بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ فرمایا ہے، لفظ اذقان ذقن کی جمع ہے جس کا ترجمہ ٹھوڑی لیا گیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے چہرے مراد ہیں سجدہ صحیح طریقے پر کیا جائے تو ٹھوڑی زمین سے لگنے کے قریب ہو جاتی ہے اس لیے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو صفت علم سے متصف ہوا سے اس مرتبے تک پہنچنا چاہیے کہ قرآن کریم سننے کے وقت اس کے

Marfat.com

دل میں خشوع ہو اور متواضع ہو کر بیٹھے اور عاجزانہ ہیئت اختیار کرے، مسند دارمی میں ابو محمد تیمی کا قول نقل کیا ہے کہ جسے علم دیا گیا لیکن اس علم نے اسے رلایا نہیں تو وہ اس لائق ہے کہ اسے علم نہ دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے علماء کی یہ صفت بیان فرمائی کہ چہروں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اس کے بعد انہوں نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خوف سے اگر نماز میں روئے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ سنن ابو داؤد ص ۱۳۰ ج ۱ میں ہے کہ مطرف بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ بن شخیر کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے، یہ حدیث سنن نسائی میں بھی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ کے اندر سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی پکنے کی آواز ہوتی ہے۔ (ص ۱۷۹ ج ۱)

اللہ کے خوف سے رونا اہل ایمان کی خاص صفات میں سے ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی مومن بندہ کی آنکھوں سے آنسو نکل جائیں اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اور یہ آنسوؤں کا نکلنا اللہ کے خوف سے ہو پھر یہ آنسو اس کے چہرہ پر گر جائیں تو اللہ اس کو آگ پر حرام فرمادے گا۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو آگ نہیں چھوئے گی ایک تو وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں نگرانی کی یعنی جہاد کے موقع پر رات کو جاگتا رہا کہ کوئی دشمن تو نہیں آرہا ہے (رواہ الترمذی) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نجات کس چیز میں ہے آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو (بری باتوں سے) روکے رکھ اور اپنے گھر میں اپنی جگہ بنائے رکھ (یعنی گھر ہی میں رہ بلا ضرورت باہر نہ نکل) اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳ از احمد و ترمذی)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾

''آپ فرمادیجیے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو سو اس کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، اور نماز میں نہ تو زور کی آواز سے پڑھیے اور نہ چپکے چپکے پڑھیے اور دونوں کے درمیان اختیار کر لیجیے۔''

اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں، آپ نماز میں قرأت کرتے وقت درمیانی آواز سے پڑھیے

درمنثور ص ۲۰۶ ج ۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ اس نئے دین والے کو دیکھو ہمیں دو معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رحمٰن کہہ کر پکارنا دو معبودوں کا پکارنا نہیں ہے معبود تو ایک ہے جو وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ہے یہ دونوں اس کے نام ہیں اس کے جس نام سے بھی پکار لیا تو کوئی شرک لازم نہیں آیا اور تم تو کئی معبودوں کو مانتے ہو تمہارے معبود ایسے نہیں ہیں کہ ذات ایک ہو اور نام کئی ہوں تمہارے عقیدہ میں معبودوں کی ذاتیں متعدد ہیں اور میرا جو معبود ہے ایک ہی ہے وہ معبود حقیقی ہے جس کا نام اللہ بھی ہے رحمٰن بھی ہے ان دونوں ناموں کے علاوہ اور بھی اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان ناموں میں سے جو نام لے کر بھی اسے پکارا جائے گا صحیح ہوگا شرک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب ایک ذات پاک کے نام ہیں۔ سنن ترمذی میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مروی ہیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں ص ۱۹۹ پر منقول ہیں۔

Marfat.com

﴿وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ (الآیة)　صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (ابتدائے اسلام میں) چھپ کر اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے جس میں قرآن زور سے پڑھتے تھے۔ جب مشرکین قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن کے نازل کرنے والے کو اور قرآن کے لانے والے کو برے الفاظ میں یاد کرتے تھے اللہ جل شانہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ نماز میں زور سے قرأت نہ پڑھیں جسے سن کر مشرکین برے الفاظ میں ذکر کرنے کا موقع پالیں اور آپ نماز میں قرأت کو آہستہ بھی نہ پڑھیں جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ نہ سن سکیں آپ دونوں کے درمیان راستہ اختیار کرلیں، اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں میں قرأت جہر سے پڑھی جاتی ہے ان میں اتنا جہر کافی ہے کہ اپنے مقتدی سن سکیں اتنے زور سے جہر نہ کیا جائے کہ کافروں تک بھی آواز پہنچے اور وہ متاثر ہونے کے بجائے قرآن مجید کو اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کو برے لفظوں میں یاد کریں، اور یوں بھی جہر مفرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں چڑھ رہے تھے اس وقت ایک شخص نے بلند آواز سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بہرے کو اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو پھر آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جنت کے خزنوں میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ص ۹۴۹)

رسول اللہ ﷺ ایک دن رات کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر گزرے پھر صبح کو فرمایا کہ ابوبکر میں تمہارے قریب سے گزرا تو معلوم ہوا کہ تم پست آواز میں قرآن شریف پڑھ رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ جس ذات پاک سے مناجات کررہا تھا اس کو میں نے سنا دیا آپ نے فرمایا کہ تھوڑی سی آواز اونچی کرکے پڑھا کرو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے قریب سے گزرا تم اونچی آواز سے قرأت پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی بلند آواز سے اونگھنے والے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کرو۔ (رواہ الترمذی باب ماجاء فی القراۃ باللیل)

اس کو فرمایا ﴿وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (اور آپ اس کے درمیان راستہ اختیار کیجیے۔)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

"اور آپ یوں کہیے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے لیے ملک میں کوئی شریک ہے، اور نہ ایسی بات ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ولی ہو، اور خوب اچھی طرح سے اس کی بڑائی بیان کیجیے۔"

اللہ کی حمد بیان کیجیے جس کا کوئی شریک اور معاون نہیں ہے اور اس کی بڑائی بیان کیجیے

درمنثور ص ۲۰۸ ج ۴ میں حضرت محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اور مشرکین عرب اللہ کے لیے یوں شریک تجویز کرتے تھے کہ حج میں جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے اس میں لا شریك لك کے ساتھ الا شريك هو لك تملكه وما ملك بھی جوڑ دیتے تھے اور صابئین اور مجوس یوں کہتے تھے کہ اگر اللہ کی مدد کرنے والے نہ ہوتے تو وہ عاجز ہوکر رہ جاتا ان سب کی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا ﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ آخر تک نازل فرمائی (رواہ البخاری) جس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا نہ اس کی اولاد ہے نہ اولاد ہوسکتی ہے کیونکہ اولاد ہونا اس بے عیب کے لیے عیب ہے حدیث قدسی میں ہے۔ ﴿وَسُبْحَانِيْ اَنْ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا﴾ (اور میں اس سے پاک ہوں کہ میرے کوئی بیوی ہو یا اولاد ہو)

نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے سارا ملک اسی کا ہے وہ ملک الملوک ہے اس کی سلطنت میں اس کا کوئی

Marfat.com

شریک نہیں اور نہ اسے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ کسی مددگار کی جسے امور مملکت پر پوری قدرت نہیں ہوتی اسے ولی یعنی مددگار کی ضرورت پڑتی ہے اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے قوی وعزیز ہے وہ کسی چیز سے عاجز نہیں لہٰذا اسے کسی ولی یعنی مددگار کی ضرورت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے سورۂ سباء میں فرمایا ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ ان لوگوں کو بلالو جن کو تم خدا کے سوا نافع اور معبود سمجھ رہے ہو، وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔)

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ کی حمد بیان کرنے کا بھی حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں تکبیر یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان فرمانے کا بھی حکم دیا۔ تفسیر ابن کثیر میں مرسلاً روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آیت اپنے گھر کے ہر چھوٹے بڑے فرد کو سکھایا کرتے تھے نیز بعض آثار سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس کسی رات کو گھر میں یہ آیت پڑھ لی جائے تو چوری کا یا دوسری کسی مصیبت کا حادثہ پیش نہ آئے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب سے زیادہ افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف وہ لوگ بلائے جائیں گے جو خوشی میں اور دکھ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حمد اصل شکر ہے اس بندہ نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا جو اس کی حمد بیان نہیں کرتا۔ (رواھما البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ کہہ دوں تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے۔ (رواہ مسلم)

وھذا اخر سورة الاسراء بفضل اللّٰه ذی المجد والکبریاء والحمد للّٰه خالق الارض والسماء والصلوة علی صفوة الانبیاء وعلی اله وصحبه البررة الاتقیاء

Marfat.com